بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ

تألیف

سید محمد ثانی حسنی

ناشر

بندگاہ فیروز الدین شاہین ٹریڈنگ کمپنی کمرہ نمبر ۲۰۴، شمس چیمبر شاہراہ لیاقت
کراچی پاکستان

نام کتاب :- سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

مؤلف :- سید محمد ثانی حسنی

سائز :- ۱۸ × ۲۲ / ۸

تعداد صفحات :- ۸۰۴

کاتبین :- محمد اخلاق و سید محمد عثمان

ناشر :- فیروز الدین

مطبع :- ایجوکیشنل پریس کراچی

تعداد طباعت :- ۵۰۰۰

سال طباعت :- رجب ۱۳۹۸ھ ، جون ۱۹۷۸ء

قیمت :-

فہرست مضامین

مقدمہ ــــــــــــــــ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۸ تا ۳۶

باب اوّل

خاندان

۱۔ حکیم محمد اشرف ۳۸
۲۔ کاندھلہ سے تعلق ۴۰
۳۔ مولانا شیخ الاسلام ۴۱
۴۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی ۴۲
۵۔ مولانا ابوالحسن کاندھلوی ۴۳
۶۔ مولانا نورالحسن اور اُن کے اخلاف ۴۴
۷۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی ۵۰
۸۔ حضرت سید احمد شہید سے تعلق اور اُن کی تحریک جہاد سے تعلق و وابستگی ۵۲
۹۔ خاندان کی بیبیاں ۵۶
۱۰۔ مولانا ابوالقاسمؒ اور ان کی اولاد ۵۷
۱۱۔ مولانا محمد ساجد جھنجھانوی ۵۸
۱۲۔ مولانا محمد صابر اور مولانا محمد مصطفیٰ شہید اور اُن کی اولاد ۵۹
۱۳۔ مولانا محمد اسمٰعیل ۶۰
۱۴۔ جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی ۶۲
۱۵۔ مثالی استغناء ۶۳
۱۶۔ بنگلہ والی مسجد میں ۶۴
۱۷۔ میوات اور میواتیوں سے تعلق ۶۵

۱۸۔ انتقال ۶۶
۱۹۔ مولانا محمد صاحب ۶۸
۲۰۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب ۷۰
۲۱۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ۷۵
۲۲۔ ولادت وطفولیت ۷۵
۲۳۔ تعلیم کا آغاز ۷۹
۲۴۔ سہارنپور کا قیام اور عربی تعلیم کا آغاز ۸۰
۲۵۔ درسیات کی تکمیل ۸۱
۲۶۔ حدیث کا آغاز ۸۴
۲۷۔ دورۂ حدیث ۸۵
۲۸۔ حضرت سہارنپوری سے بیعت ۸۶
۲۹۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات اور شیخ کی بلند ہمتی ۸۶
۳۰۔ طالب سے زیادہ مطلوب ۸۷
۳۱۔ بذل المجہود کی تالیف میں اعانت وشرکت ۸۸
۳۲۔ تدریس پر تقرر ۸۹
۳۳۔ بذل المجہود کے کام کا انہماک اور حضرت سہارنپوری کی خصوصی شفقت واعتماد ۹۰
۳۴۔ عقد نکاح ۹۳
۳۵۔ پہلا حج ۹۴
۳۶۔ نازک امتحان اور توفیق الٰہی ۹۵
۳۷۔ دوسرا سفر حج حضرت کی رفاقت اور مدرسہ کی تنخواہ کا معاملہ ۹۹
۳۸۔ اجازت ورخصت ۱۰۱
۳۹۔ حجاز سے واپسی اور سہارنپور کے مشاغل ۱۰۲
۴۰۔ تیسرا حج ۱۰۵
۴۱۔ چوتھا حج ۱۰۷
۴۲۔ شیخ کے معمولات ونظام الاوقات ۱۱۲
۴۳۔ چند اہم خصوصیات وکمالات ۱۲۲
۴۴۔ علوئے استعداد وعلوئے ہمت ۱۲۳
۴۵۔ جامعیت ۱۲۷
۴۶۔ سوز وگداز ومحبت اور خود انکاری وتواضع ۱۲۸
۴۷۔ تصنیفات وتالیفات ۱۳۷
۴۸۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی ۱۴۰
۴۹۔ ابتدائی تعلیم ۱۴۲
۵۰۔ بزرگوں کی نظر ۱۴۲
۵۱۔ گنگوہ کا قیام ۱۴۲
۵۲۔ حدیث کی تکمیل ۱۴۴
۵۳۔ بیعت اور تکمیل سلوک ۱۴۴

۵۴۔ مدرسہ مظاہرالعلوم میں ۱۴۴
۵۵۔ بستی حضرت نظام الدینؒ میں ۱۴۵
۵۶۔ میوات میں اصلاح و تعلیم کا آغاز ۱۴۶
۵۷۔ مکاتب کا آغاز ۱۴۹
۵۸۔ تبلیغ و دعوت کی عمومی تحریک ۱۴۹
۵۹۔ پنچایت نامہ ۱۵۰
۶۰۔ کام کا طریقہ، اصول اور مطالبے ۱۵۱
۶۱۔ گشتوں کی ابتداء اور جماعتوں کی چلت پھرت ۱۵۳
۶۲۔ بے قرار طبیعت ۱۵۶
۶۳۔ آخری حج اور کام کی ترقی ۱۵۸
۶۴۔ بیماری اور انتقال ۱۶۱
۶۵۔ تجہیز و تکفین ۱۶۲
۶۶۔ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ ۱۶۵

دوسرا باب

ولادت سے تکمیل علوم تک ۱۶۶
۶۷۔ نام و نسب ۱۶۶
۶۸۔ ولادت ۱۶۷
۶۹۔ ماحول اور بچپن ۱۶۷
۷۰۔ حفظِ قرآن ۱۶۷
۷۱۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی نظرِ شفقت و عنایت ۱۶۸
۷۲۔ حج کا شوق ۱۶۸
۷۳۔ والدین کی تربیت ۱۶۹
۷۴۔ مشائخِ وقت کی نگاہِ تربیت ۱۷۵
۷۵۔ قرآن شریف سے شغف ۱۷۶
۷۶۔ سوال سے نفرت ۱۷۷
۷۷۔ مہمانوں کی خدمت ۱۷۷
۷۸۔ ابتدائی تعلیم ۱۷۸
۷۹۔ متوسطات کی تعلیم ۱۷۹
۸۰۔ حدیث کی تعلیم و تکمیل ۱۷۹
۸۱۔ تعلیم کا شوق اور خالص علمی مشغلہ ۱۸۰
۸۲۔ نکاح اور رخصتی ۱۸۲
۸۳۔ پہلا حج ۱۸۲
۸۴۔ علمی و تصنیفی ذوق ۱۸۴
۸۵۔ کتابوں کا شوق ۱۸۵
۸۶۔ ادبی ذوق ۱۸۶
۸۷۔ تقویٰ اور کامل احتیاط ۱۸۷
۸۸۔ تصنیفی کام کی ابتداء ۱۸۸
۸۹۔ مولوی محمد ہارون کی پیدائش ۱۸۹

تیسرا باب
بیعت و ارادت سے خلافت و نیابت تک ۱۹۰

۹۰۔ بیعت و ارادت ۱۹۰
۹۱۔ علوئے استعداد ۱۹۱
۹۲۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی فکر و خواہش ۱۹۲
۹۳۔ نوح میں پہلی تقریر ۱۹۲
۹۴۔ کنسالی کی تقریر ۱۹۳
۹۵۔ خیرتل کا اجتماع ۱۹۳
۹۶۔ میوات میں ایک چلہ ۱۹۴
۹۷۔ کراچی و سندھ میں ایک چلہ ۱۹۵
۹۸۔ گھاٹ میکا کا سفر ۱۹۷
۹۹۔ تبلیغی کام سے مقامی طور پر تعاون ۱۹۸
۱۰۰۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی جانشینی کا مسئلہ ۲۰۰
۱۰۱۔ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوریؒ کی رائے ۲۰۵
۱۰۲۔ مولانا محمد یوسف صاحب کا انتخاب ۲۰۶
۱۰۳۔ انتقالِ نسبت ۲۰۸
۱۰۴۔ انتقالِ نسبت کی کیفیت و صورت ۲۱۰

چوتھا باب
مولانا محمد الیاس صاحب کے انتقال سے تقسیم ہند تک ۲۱۵

۱۰۵۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی جانشینی اور پہلی بیعت ۲۱۵
۱۰۶۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی پہلی تقریر ۲۱۶
۱۰۷۔ مختلف مراکز کے نام مرکز سے ایک مفصل خط ۲۱۸
۱۰۸۔ قصبہ نوح کا جلسہ ۲۲۲
۱۰۹۔ پہلا رمضان اور اس کا اہتمام ۲۲۵
۱۱۰۔ سہارنپور اور رائپور کی حاضری ۲۲۹
۱۱۱۔ گلالتہ کا جلسہ ۲۳۰
۱۱۲۔ میوات کے دو خصوصی دورے ۲۳۲
۱۱۳۔ میوات کی آمد و رفت ۲۳۶
۱۱۴۔ مالب کا جلسہ ۲۳۸
۱۱۵۔ مُرادآباد کا اجتماع ۲۴۱
۱۱۶۔ پشاور کو ایک بڑی جماعت ۲۴۶
۱۱۷۔ حاجی عبد الرحمٰن میواتی کا انتقال اور حضرت رائے پوری کی مرکز میں آمد ۲۴۹
۱۱۸۔ تین مقامات کے تین اہم اجتماع ۲۴۹
۱۱۹۔ دیوبند کی حاضری ۲۵۰
۱۲۰۔ سہارنپور کا ایک سفر اور مولانا کو تکلیف ۲۵۱
۱۲۱۔ بستی نظام الدینؒ میں ایک اہم دینی مشورہ ۲۵۱
۱۲۲۔ مُرادآباد کا سفر ۲۵۵

۱۲۳۔ گنگوہ میں ایک دن ۲۵۶

۱۲۴۔ لندن میں گشت کی ابتداء ۲۵۸

۱۲۵۔ مرکز میں علماء اور مشائخ کا ایک ہفتہ قیام ۲۵۹

۱۲۶۔ رحیم آباد کا اجتماع ۲۶۰

۱۲۷۔ کلکتہ کا سفر ۲۶۴

۱۲۸۔ قلات کی جماعت دہلی میں ۲۶۶

۱۲۹۔ قلات کا سفر ۲۶۸

۱۳۰۔ نظام الدین کا ایک اہم رمضان ۲۷۰

۱۳۱۔ نظام الدین میں اکابر کا ایک ہفتہ پُرآشوب قیام ۲۷۲

۱۳۲۔ لکھنؤ اور رائے بریلی کا سفر ۲۷۳

۱۳۳۔ کراچی کا سفر ۲۷۶

پانچواں باب

تقسیمِ ہند، اس کے اثرات و نتائج اور متأثرہ علاقوں میں دعوت و اصلاح کا کام

۱۳۴۔ تقسیمِ ہند ۲۷۸

۱۳۵۔ پناہ گزینوں میں تبلیغی کام ۲۷۹

۱۳۶۔ ایک اثر انگیز دُعاء ۲۸۲

۱۳۷۔ دہلی کا فساد اور تبلیغی کام کرنیوالوں کا عزم و ثبات ۲۸۲

۱۳۸۔ مولانا کی بے قرار طبیعت ۲۸۳

۱۳۹۔ تبلیغی کام کا طریقہ ۲۸۴

۱۴۰۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا احسان ۲۸۵

۱۴۱۔ دِل کی چوٹ ۲۸۸

۱۴۲۔ مثالی عزم و ثبات ۲۸۸

۱۴۳۔ مرکز پر حملہ کا خطرہ ۲۹۳

۱۴۴۔ مرکز چھوڑ دینے کا مشورہ اور مولانا کا انکار ۲۹۴

۱۴۵۔ خانہ تلاشی ۲۹۶

۱۴۶۔ صدیقی شان ۲۹۶

۱۴۷۔ صحیح علاج ۲۹۸

۱۴۸۔ مشرقی پنجاب کا فساد ۳۰۰

۱۴۹۔ پہلی تبلیغی جماعت دہلی سے لاہور تک ۳۰۱

۱۵۰۔ مشرقی پنجاب میں جماعتوں کی نقل و حرکت و رُودادِ سفر ۳۰۵

چھٹا باب

ہندوستان میں دَورے اور اجتماعات ۳۱۴

۱۵۱۔ تاریخ کا تعیّن ۳۱۴

۱۵۲۔ اجتماعات سے پہلے تفریغِ اوقات ۳۱۵

۱۵۳۔ اندرون و بیرونِ ہند کی جماعتوں کی تشکیل ۳۱۶

۱۵۴۔ عظیم الشان اجتماع ۳۱۸
۱۵۵۔ جماعتوں میں نکلنے والوں کی کثرت ۳۲۰
۱۵۶۔ تبلیغی دوروں میں مولانا کا نظامِ سفر ۳۲۰
۱۵۷۔ اجتماعات کے بعد کی کیفیات ۳۲۲
۱۵۸۔ اجتماعات کی ابتداء ۳۲۳
۱۵۹۔ رائے پور کا اجتماع ۳۲۴
۱۶۰۔ کرسی کا اجتماع ۳۲۵
۱۶۱۔ لکھنؤ کے تبلیغی سلسلہ کا اہم مشورہ ۳۲۶
۱۶۲۔ نوح کا تبلیغی اجتماع ۳۲۷
۱۶۳۔ مظاہر العلوم میں خصوصی خطاب ۳۲۸
۱۶۴۔ مکراہاٹ کا اجتماع ۳۲۹
۱۶۵۔ گوڑھی دولت اور کیرانہ کا اجتماع ۳۲۹
۱۶۶۔ بھوپال کا اجتماع ۳۳۰
۱۶۷۔ اساره کا اجتماع ۳۳۲
۱۶۸۔ کانپور کا اجتماع ۳۳۲
۱۶۹۔ مُرادآباد کا اجتماع ۳۳۴
۱۷۰۔ اجراڑہ کا اجتماع ۳۳۴
۱۷۱۔ رائے پور کا دوسرا اجتماع ۳۳۴
۱۷۲۔ مظفر نگر کا دَورہ ۳۳۵
۱۷۳۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۳۳۶
۱۷۴۔ پنجر گڑھ کا اجتماع ۳۳۶
۱۷۵۔ سہارنپور کا اجتماع ۳۳۷
۱۷۶۔ بستی نظام الدینؒ میں دورۂ حدیث ۳۳۷
۱۷۷۔ بھوپال کے اجتماع میں مولانا کی عام شرکت ۳۳۸
۱۷۸۔ میوات کے مدرسین کا اجتماع ۳۳۹
۱۷۹۔ ڈاسنا کا اجتماع ۳۳۹
۱۸۰۔ علی گڑھ کا دوسرا اجتماع ۳۴۰
۱۸۱۔ لکھنؤ اور کانپور کا اجتماع ۳۴۰
۱۸۲۔ مدراس کا دَورہ ۳۴۲
۱۸۳۔ بستی کا اجتماع ۳۴۵
۱۸۴۔ آگرہ کا اجتماع ۳۴۶
۱۸۵۔ سیتاپور کا اجتماع ۳۴۶
۱۸۶۔ مکراہاٹ کا اجتماع ۳۴۸
۱۸۷۔ سیکری کا اجتماع ۳۴۸
۱۸۸۔ لکھنؤ کا اجتماع ۳۴۹
۱۸۹۔ کئی مسلسل اجتماعات ۳۵۰
۱۹۰۔ مظفر نگر اور جھنجھانہ کا اجتماع ۳۵۱
۱۹۱۔ دارالعلوم دیوبند کا ہنگامہ اور
تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت ۳۵۲
۱۹۲۔ بڑوت کا اجتماع ۳۵۳
۱۹۳۔ ڈاسنا کا اجتماع اور
رائپور و سہارنپور کا سفر ۳۵۴

۱۹۴۔ گنگوہ کا اجتماع ۳۵۴
۱۹۵۔ چھاپی کا اجتماع ۳۵۵
۱۹۶۔ رائے پور کا سفر ۳۵۶
۱۹۷۔ بستی کا اجتماع ۳۵۶
۱۹۸۔ میرٹھ کا اجتماع ۳۵۶
۱۹۹۔ جھنجھانہ کا اجتماع ۳۵۷
۲۰۰۔ عربوں کا اجتماع سہارنپور میں ۳۵۷
۲۰۱۔ عربوں کی دوسری جماعت ۳۵۸
۲۰۲۔ مالیگاؤں کا اجتماع ۳۵۹
۲۰۳۔ جنوبی ہند کا دورہ ۳۶۰
۲۰۴۔ تاجروں کا اجتماع ۳۶۱
۲۰۵۔ عرب علماء کی جماعت ۳۶۴
۲۰۶۔ نہٹور کا اجتماع ۳۶۴
۲۰۷۔ پنڈوہ کا اجتماع ۳۶۶
۲۰۸۔ مرادنگر اور بہٹ کا اجتماع ۳۶۷
۲۰۹۔ کاوی کا اجتماع ۳۶۸
۲۱۰۔ مرادآباد کا آخری اجتماع ۳۶۹
۲۱۱۔ سہارنپور کا اجتماع ۳۷۱

ساتواں باب

پاکستان کے دورے اور اجتماعات ۳۷۳
۲۱۲۔ پاکستان میں تبلیغی کام اور اس کی نوعیت ۳۷۳
۲۱۳۔ رائے ونڈ ۳۷۵
۲۱۴۔ پاکستان کے مخلص کام کرنے والے ۳۷۸
۲۱۵۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی کا پہلا اجتماع ۳۷۹
۲۱۶۔ لاہور کا پہلا اجتماع ۳۸۰
۲۱۷۔ راولپنڈی کا سفر ۳۸۱
۲۱۸۔ پشاور کا اجتماع ۳۸۲
۲۱۹۔ سکھر کا اجتماع ۳۸۳
۲۲۰۔ پاکستان کا پہلا دورہ ۳۸۴
۲۲۱۔ ڈھاکہ کا سفر ۳۸۴
۲۲۲۔ رائے ونڈ کا اجتماع ۳۸۵
۲۲۳۔ کھلنا کا اجتماع ۳۸۵
۲۲۴۔ رائے ونڈ کا دوسرا اجتماع ۳۸۶
۲۲۵۔ چاٹگام کا اجتماع ۳۸۷
۲۲۶۔ پاکستان کا دوسرا دورہ ۳۸۸
۲۲۷۔ ڈھاکہ کے اجتماع کا مشورہ ۳۸۹
۲۲۸۔ پاکستان کا تیسرا دورہ ۳۹۰
۲۲۹۔ ڈھاکہ کا اجتماع ۳۹۰
۲۳۰۔ پاکستان کا چوتھا دورہ ۳۹۱
۲۳۱۔ پاکستان کا پانچواں دورہ ۳۹۲
۲۳۲۔ پاکستان کا چھٹا دورہ ۳۹۳
۲۳۳۔ مشرقی پاکستان کا سفر ۳۹۷

۲۳۴۔ پاکستان کا ساتواں سفر ۳۹۹
۲۳۵۔ پاکستان کا آٹھواں سفر ۳۹۹

آٹھواں باب

حجاج اور اہلِ حجاز میں تبلیغی کام کا افتتاح، نوعیت و رفتار اور اثرات و نتائج ۴۰۵

۲۳۶۔ وقت کا اہم مسئلہ ۴۰۵
۲۳۷۔ حج کا مقصد ۴۰۶
۲۳۸۔ ایک وسیع پروگرام ۴۰۸
۲۳۹۔ اوقات کی حفاظت ۴۱۰
۲۴۰۔ سب سے پہلی جماعت ۴۱۱
۲۴۱۔ دوسری جماعت ۴۱۲
۲۴۲۔ کراچی اور بمبئی کے بندرگاہوں پر کام ۴۱۳
۲۴۳۔ جہاز پر تبلیغی کام ۴۱۴
۲۴۴۔ سرزمینِ حجاز پر ۴۱۶
۲۴۵۔ مدینۂ منورہ ۴۱۶
۲۴۶۔ رباطوں میں ۴۱۷
۲۴۷۔ مختلف محلوں میں گشت و اجتماع ۴۱۷
۲۴۸۔ اچھے نتائج و ثمرات ۴۱۸
۲۴۹۔ جدید اور ذی اثر طبقہ میں کام کا تعارف ۴۱۹
۲۵۰۔ مقامی باشندوں سے ربط ۴۲۰
۲۵۱۔ بدوؤں کے قبائل ۴۲۱
۲۵۲۔ حجاز میں کام کرنے کے سلسلہ میں اہم مشورہ ۴۲۲
۲۵۳۔ عربی زبان پر قدرت رکھنے والے عالم اور داعی کی ضرورت کا احساس ۴۲۴
۲۵۴۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کا انتخاب اور حجاز کا سفر ۴۲۶
۲۵۵۔ اجتماع اور تعارف کا آغاز ۴۲۶
۲۵۶۔ ترکوں کا اجتماع ۴۲۷
۲۵۷۔ علماء کے حلقے ۴۲۷
۲۵۸۔ علماءِ مدینہ سے تعلق ۴۲۸
۲۵۹۔ علماءِ مکہ سے ارتباط ۴۳۰
۲۶۰۔ اصحابِ اثر کے حلقوں میں تبلیغی کام کا تعارف ۴۳۰
۲۶۱۔ مختلف اجتماعات میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تقریریں ۴۳۲
۲۶۲۔ ادبی حلقوں میں تبلیغی کام کا تعارف ۴۳۲
۲۶۳۔ بستان بخاری کا اجتماع ۴۳۳
۲۶۴۔ وادیٔ فاطمہ کا سفر ۴۳۳
۲۶۵۔ طائف کا سفر ۴۳۴

۲۶۶۔ مدرسۂ صولتیہ ۴۳۵

۲۶۷۔ حجاز میں تبلیغی کام کی رفتار و نوعیت خطوط کے آئینہ میں ۴۳۶

نواں باب

عرب کے ممالک تبلیغی جماعتوں کی نقل و حرکت اور اس کے اثرات و نتائج ۴۴۲

۲۶۸۔ عرب ملکوں سے مسلمانوں کا تعلق اور دنیا کے نقشہ میں ان کا مقام ۴۴۳

۲۶۹۔ یوروپین طاقتوں کا حملہ اور مغربی تہذیب کا اثر و رسوخ ۴۴۴

۲۷۰۔ ایک جد و جہد ۴۴۵

۲۷۱۔ تبلیغی جماعتوں کی جد و جہد اور خالص دعوتی انداز ۴۴۶

۲۷۲۔ مصر ۴۵۳

۲۷۳۔ ایک تبلیغی سفر ۴۵۴

۲۷۴۔ جماعت شباب سیدنا محمدؐ کے مرکز میں تبلیغی اجتماع ۴۵۵

۲۷۵۔ جمعیۃ الشرعیۃ کے مرکز میں ۴۵۵

۲۷۶۔ جماعتوں کی مسلسل روانگی اور نتائج و اثرات ۴۵۶

۲۷۷۔ عام استقبال ۴۵۹

۲۷۸۔ سوڈان ۴۶۰

۲۷۹۔ عراق ۴۶۳

۲۸۰۔ شام ۴۶۵

۲۸۱۔ اردن ۴۶۸

۲۸۲۔ فلسطین ۴۷۰

۲۸۳۔ لبنان ۴۷۲

۲۸۴۔ حضر موت ۴۷۳

۲۸۵۔ یمن ۴۷۵

۲۸۶۔ لیبیا ۴۷۵

۲۸۷۔ ٹیونس ۴۷۶

۲۸۸۔ الجزائر ۴۷۷

۲۸۹۔ مراکش ۴۷۹

دسواں باب

افریشیائی مسلم و غیر مسلم ممالک میں تبلیغی نقل و حرکت ۴۸۷

۲۹۰۔ افغانستان ۴۸۸

۲۹۱۔ ترکی ۴۹۰

۲۹۲۔ انڈونیشیا ۴۹۴

۲۹۳۔ ملایا ۴۹۶

۲۹۴۔ برما ۴۹۸

۲۹۵۔ سیلون ۵۰۰

۲۹۶۔ افریقہ میں جماعتوں کی نقل وحرکت ۵۰۲

گیارھواں باب

یوروپ وامریکہ اور جاپان میں تبلیغی نقل وحرکت ۵۱۶

۲۹۷۔ برطانیہ میں کام کی نوعیت ۵۲۰

۲۹۸۔ ایک تبلیغی اجتماع ۵۲۴

۲۹۹۔ مانچسٹر کا تبلیغی اجتماع ۵۲۵

۳۰۰۔ امریکہ ۵۲۹

۳۰۱۔ جاپان ۵۴۵

بارھواں باب

پیدل جماعتوں کی نقل وحرکت اور اُن کا نظام ۵۵۷

۳۰۲۔ اندرونِ مُلک میں پیدل جماعتیں ۵۵۷

۳۰۳۔ پیدل جماعتوں کا نظام ۵۵۹

۳۰۴۔ پیدل حج کی جماعت ۵۶۴

۳۰۵۔ مختلف ممالک میں پیدل جماعتیں ۵۶۸

۳۰۶۔ عرب میں پیدل جماعتوں کا آغاز ۵۷۱

۳۰۷۔ مکّہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ تک ۵۷۵

۳۰۸۔ مدینہ منوّرہ سے یمن ۵۷۶

۳۰۹۔ جیزان وابھی کا سفر ۵۷۷

۳۱۰۔ ابھی کا دوسرا سفر ۵۸۲

۳۱۱۔ مدینہ منوّرہ سے شام تک ۵۸۴

تیرھواں باب

حج اور عمرہ ۵۹۱

۳۱۲۔ دوسرا حج ۵۹۱

۳۱۳۔ پہلا عمرہ ۵۹۵

۳۱۴۔ دُوسرا عمرہ ۵۹۸

۳۱۵۔ آخری حج ۶۰۱

۳۱۶۔ شہدار میں اجتماع ۶۰۵

۳۱۷۔ مکّہ مکرّمہ کا نظام ۶۰۶

۳۱۸۔ مولانا کی دو اہم تقریریں ۶۰۷

۳۱۹۔ مدینہ منوّرہ کو روانگی ۶۰۹

۳۲۰۔ بدر میں قیام اور خطاب ۶۰۹

۳۲۱۔ مدینہ منوّرہ میں ۶۰۹

۳۲۲۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا مدینہ منوّرہ میں معمول ۶۱۰

۳۲۳۔ جماعتوں کی روانگی ۶۱۱

۳۲۴۔ واپسی ۶۱۳

چودھواں باب

پاکستان کا آخری سفر ۶۱۵

۳۲۵۔ سفرِ آخرت کا مقدمہ ۶۱۵

۳۲۶۔ مشرقی پاکستان میں ۶۱۶

۳۲۷۔ محبوبیت و مقبولیت ۶۱۷
۳۲۸۔ نظامِ سفر ۶۱۸
۳۲۹۔ برما کی دعوت اور التواء ۶۱۹
۳۳۰۔ مغربی پاکستان میں ۶۲۱
۳۳۱۔ رائے ونڈ کا اجتماع ۶۲۲
۳۳۲۔ ایک دل آویز تأثر ۶۲۳
۳۳۳۔ عہدہ داروں اور میواتیوں کا اجتماع ۶۳۰
۳۳۴۔ گجرانوالہ میں اجتماع اور مولانا کی اہم تقریر ۶۳۱
۳۳۵۔ لاہور کے تبلیغی مرکز میں ۶۳۱
۳۳۶۔ رائے ونڈ کے آخری اجتماعات ۶۳۲

پندرھواں باب
علالت اور وفات ۶۳۵

۳۳۷۔ علالت ۶۳۵
۳۳۸۔ علالت کی شدّت ۶۳۶
۳۳۹۔ آخری تقریر ۶۳۷
۳۴۰۔ زندگی کی آخری رات ۶۴۱
۳۴۱۔ چند گھنٹے سکون کے ۶۴۳
۳۴۲۔ مرض کا شدید حملہ ۶۴۵
۳۴۳۔ آخری لمحات ۶۴۶
۳۴۴۔ وفات ۶۴۷
۳۴۵۔ جنازہ بلال پارک میں ۶۴۸
۳۴۶۔ تجہیز و تکفین ۶۵۳
۳۴۷۔ تدفین کا مسئلہ ۶۵۴
۳۴۸۔ نمازِ جنازہ ۶۵۵
۳۴۹۔ لاہور سے نظام الدین تک ۶۵۶
۳۵۰۔ آخری نماز اور تدفین ۶۵۷
۳۵۱۔ مولانا انعام الحسن صاحب کی امارت کا اعلان ۶۵۹
۳۵۲۔ تعزیت کا انوکھا طریقہ ۶۶۰
۳۵۳۔ مرکزوں کے نام ایک اہم مکتوب ۶۶۵

سولھواں باب
صفات و کمالات اور خصوصی امتیازات ۶۶۸

۳۵۴۔ علوِّ مرتبت ۶۷۰
۳۵۵۔ دینی دعوت میں انہماک ۶۷۲
۳۵۶۔ اضطراب و بے قراری ۶۷۳
۳۵۷۔ ایمان و یقین ۶۷۵
۳۵۸۔ شانِ توکل و بے نیازی ۶۷۸
۳۵۹۔ خود اعتمادی ۶۸۱
۳۶۰۔ ہمہ گیر دعوت ۶۸۲
۳۶۱۔ جوشِ تقریر اور ذوقِ دعاء ۶۸۴
۳۶۲۔ مجلسی گفتگو ۶۸۸

۳۶۳۔ جہدِ مسلسل اور صبر و عزیمت ۶۹۰
۳۶۴۔ عام نظام الاوقات ۶۹۵
۳۶۵۔ تواضع اور خاکساری ۶۹۷
۳۶۶۔ اتحاد و یکجہتی ۷۰۱
۳۶۷۔ اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والوں سے تعلق وارتباط ۷۰۲
۳۶۸۔ تصنیف و دعوت کا اجتماع ۷۰۵
۳۶۹۔ محبوبیت و مقبولیت ۷۰۷
۳۷۰۔ اتباعِ سنت ۷۰۷
۳۷۱۔ بیعت و طریقت ۷۰۹
۳۷۲۔ کیمیا اثر صحبت ۷۱۱
۳۷۳۔ خدا سے زندہ تعلق اور راہِ خدا کی استقامت ۷۱۳
۳۷۴۔ زبان اور طرزِ ادا ۷۱۴

سترھواں باب

احساسات و خیالات، تحریک و دعوت اُصول و آداب اور ہدایات ۷۱۶

۳۷۵۔ اپنی خواہش کا اسلام ۷۱۸
۳۷۶۔ اوّلین شرط ۷۱۹
۳۷۷۔ اندرونی تبدیلی ۷۲۱
۳۷۸۔ اُمت کا جامع تصور ۷۲۱
۳۷۹۔ اسلام کی حیات کا طریقہ ۷۲۶
۳۸۰۔ ذات و شخصیت کے بجائے اعمال و اخلاق ۷۲۸
۳۸۱۔ اخلاص و للّٰہیت ۷۲۹
۳۸۲۔ علمِ نبوی اور اعمالِ نبوی کی قوت و طاقت ۷۳۱
۳۸۳۔ معاشرتِ اسلامی یا معاشرتِ جاہلی ۷۳۲
۳۸۴۔ علم اور علماء کی وقعت ۷۳۳
۳۸۵۔ پورے نظام کی تبدیلی ۷۳۶
۳۸۶۔ انفرادیت یا اجتماعیت ۷۳۷
۳۸۷۔ اجتماعی طاقت کا مصرف ۷۳۹
۳۸۸۔ دعوت کا خصوصی کام ۷۴۱
۳۸۹۔ محنت کا صحیح راستہ ۷۴۲
۳۹۰۔ محنت کا فائدہ ۷۴۳
۳۹۱۔ محنت کی سطح اور اس کے نتائج ۷۴۴
۳۹۲۔ صرف نقل و حرکت کافی نہیں ۷۴۸
۳۹۳۔ غیر رواجی کام ۷۴۹
۳۹۴۔ اس کام کے دست و بازو ۷۵۲
۳۹۵۔ شخصیت نہیں بلکہ کام ۷۵۴
۳۹۶۔ اجتماعات اصل نہیں ۷۵۶
۳۹۷۔ جہد و مشقت اور تعلق مع اللہ ۷۵۸

۳۹۸۔ اصول کی پابندی ۷۶۰
۳۹۹۔ عورتوں میں کام ۷۶۱
۴۰۰۔ ہر حال میں دعوت ۷۶۲
۴۰۱۔ مولانا کا ایک اہم ترین مکتوب ۷۶۵
۴۰۲۔ کامیابی اور ناکامی کا انحصار ۷۶۶
۴۰۳۔ ایمان باللہ ۷۶۶
۴۰۴۔ ایمان بالرسالۃ ۷۶۷
۴۰۵۔ ایمان ویقین کا نتیجہ اور اُس کی دعوت ۷۶۷
۴۰۶۔ نماز کا اہتمام اور اس کی دعوت ۷۶۷
۴۰۷۔ علم وذکر ۷۶۸
۴۰۸۔ اکرامِ مسلم ۷۶۸
۴۰۹۔ حُسنِ نیت ۷۶۹
۴۱۰۔ اللہ کے راستہ کی محنت اور دُعاء ۷۶۹
۴۱۱۔ مسجدوں میں کرنے کے کام ۷۷۱
۴۱۲۔ مقامی گشت اور اجتماع ۷۷۱
۴۱۳۔ ہر مہینہ کی سہ روزہ جماعت ۷۷۲
۴۱۴۔ چلّہ اور تین چلّے لگانا اور اُن کی دعوت دینا ۷۷۲
۴۱۵۔ گشت اور اُس کی اہمیت ۷۷۳
۴۱۶۔ گشت کا موضوع اور دعوت ۷۷۳
۴۱۷۔ گشت کے آداب کا بیان ۷۷۳
۴۱۸۔ گشت کا طریقہ ۷۷۴
۴۱۹۔ اجتماع میں دعوت ۷۷۴
۴۲۰۔ مطالبہ اور تشکیل ۷۷۵
۴۲۱۔ دعوت کا انداز ۷۷۵
۴۲۲۔ تعلیم ۷۷۶
۴۲۳۔ مشورہ ۷۷۷
۴۲۴۔ ہفتہ واری اجتماع ۷۷۸
۴۲۵۔ کام کی نزاکت اور اُس کا علاج ۷۷۸
۴۲۶۔ اصول اور صحبت ۷۷۹
۴۲۷۔ نقشوں کے بجائے مجاہدہ ۷۸۰
۴۲۸۔ کالج کے طلباء میں دعوتی کام ۷۸۱
۴۲۹۔ مستورات میں کام کی نوعیت ۷۸۱
۴۳۰۔ آخری بات ۷۸۲
۴۳۱۔ راہِ خدا میں نکلنے والی تبلیغی جماعتوں کو الوداعی پیغام و ہدایات ۷۸۳
۴۳۲۔ نورانی اعمال ۷۸۴

۴۳۳۔ دو دشمن	۷۸۵
۴۳۴۔ دشمنوں سے حفاظت کا طریقہ	۷۸۵
۴۳۵۔ رضائے الٰہی	۷۸۵
۴۳۶۔ اصل کام صرف چار	۷۸۸
۴۳۷۔ چار ناگزیر ضرورتیں	۷۹۰
۴۳۸۔ چار باتیں جن سے رکا جائے	۷۹۱

اٹھارھواں باب

۴۳۹۔ دعاء	۷۹۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ

★ خاندانی حالات ★ سوانح حیات

★ اجتماعات اور دورے ★ صفات و کمالات

★ احساسات و خیالات ★ ہدایات اور دعاء

مختلف ممالک میں جماعتوں کی نقل و حرکت اور خطوط و تقریروں

کی روشنی میں تبلیغی کام کا تذکرہ و تعارف اور اس کا مفصل جائزہ

مقدّمہ

(از مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی)

آنچہ قدر ایشاں ما مردم می
دانیم شما چہ دانید، احوال مردم
ہند بر ما مخفی نیست کہ خود
مولد و منشا فقیر است و بلاد
عرب را نیز دیدہ ایم و سیر نمودہ
احوال مردم ولایت از ثقات
آنجا شنیدہ ایم، و تحقیق کردہ
کہ عزیزے کہ بر جادۂ شریعت
و طریقت و اتباعِ کتاب و سنّت
ہمچنیں استوار و مستقیم باشد در
ارشاد طالبان شانے عظیم و نفس

ہم لوگوں کی نگاہ میں ان کی جو قدر
و منزلت ہے اُس کو تم کیا جانو؟
ہندوستان کے لوگوں کے حالات
ہم سے پوشیدہ نہیں، کہ یہیں کی
پیدائش ہے اور یہیں عمر بسر ہوئی،
ملک عرب کو خود دیکھا ہے، اور اس
کی سیاحت کی ہے، افغانستان اور
ایران کے لوگوں کے حالات وہاں
کے معتبر لوگوں کی زبانی سُنے، اس سب
کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوا کہ کوئی
ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت اور

قوی دارد، دریں جزوِ زماں
مثل ایشاں در بلاد مذکور
یافتہ نمی شود مگر درگذشتگان
بلکہ در ہر جزوِ زماں وجود
ایں چنیں عزیزان کمتر بودہ
است، چہ جائی ایں زماں
کہ پُر فتنہ و فساد است۔[1]

طریقت پر، اور کتاب و سنّت کی
پیروی میں ان کی طرح استوار و مستقیم
ہو، اور طالبین کی رہنمائی میں اس
کا پایہ اتنا بلند اور اس کی توجہ اتنی
قوی ہو، ہمارے اس دور میں ان
ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا
اُوپر ہم نے تذکرہ کیا، پایا نہیں
جا سکتا، دورِ ماضی اور بزرگانِ
سلف میں بے شک ہو سکتا ہے،
بلکہ سچ پوچھئے تو ہر زمانہ میں ایسے
بزرگ زیادہ تعداد میں پائے
نہیں جاتے۔ چہ جائیکہ ایسے زمانہ
میں جو فتنوں اور فساد سے پُر ہے۔

ان الفاظ میں حکیم الاُمّت، امامِ وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نامور معاصر حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کے متعلق شہادت دی ہے، جس وقت یہ الفاظ کہے گئے ہوں گے، کتنے اہلِ علم اور واقفین حال کو استعجاب ہوا ہوگا۔ اور کتنے ابنائے زمانہ نے اس کو مبالغہ اور غلو پر محمول کیا ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بہت بڑا حجاب ہے۔ اور جب ذوق اور طریقِ کار کا اختلاف بھی شامل ہو جائے اور وضعی اور رواجی طریقوں کے حجابات بھی درمیان میں حائل ہوں، تو پھر حجاب نہیں، بلکہ ایک سنگین دیوار بیچ میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے، اور اُس شخصیت کے متعلق کتنے ہی خلوص و صداقت اور کتنے ہی احتیاط اور احساس

---

[1] کلماتِ طیبات ص ۱۶۴-۱۶۵۔

ذمہ داری سے کہا جائے، اس کو مبالغہ یا خوش عقیدگی پر محمول کیا جاتا ہے۔

راقم سطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت اور عالمِ اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسّر آئے جو (بلا کسی تنقیص و تحقیر کے) اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسّر آئے ہوں گے، دُنیائے اسلام اور بالخصوص ممالکِ عربیہ کے دینی، علمی اور رُوحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا۔ دَورِ حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور سعادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کیجاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت و قوّت میں اِس ناکارہ نے اِس دَور میں **مولانا محمدؒ یوسف صاحبؒ** کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا۔ یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے تھے جن میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی ایمانی قوّت، ان کا اعتماد و توکّل، ان کی ہمّت و جُرأت، ان کی نماز اور دُعا، صحابۂ کرامؓ کی زندگی سے اُن کی گہری واقفیت اور اُن کے حالات کا استحضار، اتباعِ سُنّت کا اہتمام، فہمِ قرآن اور واقعاتِ انبیاءؑ سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوّت، اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت۔ یہ سب ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سب اور ان کے ماسوا اور بہت سے پہلو ان کی سوانح اور سیرت کا موضوع

ہیں، اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وہ ہیں جن میں ان کے سہیم و شریک مل سکتے ہیں، اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہو سکتی ہیں، لیکن راقم نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے اُن میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) اُن کا کوئی سہیم و شریک اور اُن کا کوئی مدِ مقابل نظر نہیں آتا۔ والغیب عند اللہ۔

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلّق ہے، ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں، اور انبیاء علیہم السّلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور اُن کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی دا شگاف طاقت ور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ جس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اُس کی قدرتِ کُن فیکون اس کے بِلا شرکتِ غیرے پُورے نظامِ عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواصِ اشیاء اور انسانی تجربات کی بے اعتباری، محسُوسات و مشاہدات کی تحقیر و نفی، احکامِ الٰہی اور نظامِ تشریعی کے سامنے نظامِ تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملینِ نبوّت اور اہلِ ایمان و دعوت کا اربابِ اقتدار، اہلِ حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سُنّۃ اللہ کی ہمہ گیری کا مضمون اپنی پُوری ایمانی قوّت اور اپنے والہانہ اندازِ بیان میں بیان فرماتے تو سُننے والے اتنی دیر کے لئے اس حواس و مادہ پرستی کی دُنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہنچ جاتے، اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلّق اتنا بے کار و بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سُننے والوں میں ترکِ اسباب اور تجرّد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے۔ لیکن اس دَورِ مادّیت میں جہاں "اسباب" نے "ارباب" کی شکل اختیار کر لی ہے اور ایک عالَم کا عالَم اپنی قسمت کو مادّی اسباب، اور اپنی ذاتی کوشش و قابلیت کے ساتھ

وابستہ کرچکا ہے۔ اور کسی دینی دعوت و تحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق "آتش نمرود" میں بے خطر کود کر عقل کو "محوِ تماشائے لبِ بام" کردے، بلکہ اس تھوڑے سے ایثار اور قربانی کی جنس بھی نایاب ہوگئی ہے جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ مادی ترقی اور مادی اقدار کی اہمیت و تقدیس کی مسلسل اور پُرجوش تبلیغ و تلقین نے خود اس اُمت کو متأثر کرلیا ہے، جس کی ساری طاقت اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت، رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا۔ مسلمان نے ذرائع معاش کو اپنا رزّاق سمجھ لیا ہے، مادیت کی اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سینکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبہ سے معمور اور قربانی کی لذّت سے مخمور ہوجاتے تھے۔ اور وہ اس کے اثر سے ایثار و قربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے جن کو عقل و دلائل حکمت و مصلحت اور علم و خطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا، اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دُنیا کے دُور دراز گوشوں میں پہنچ گئی۔ ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے، مہینوں کے لئے گھر بار چھوڑ کر دوسرے برّ اعظموں کا سفر کیا، اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انہوں نے بڑی دریادلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کیا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو وہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دور میں مشکل سے کسی اور جماعت کو میسّر آئی ہوگی) معاشرہ کی اصلاح و انقلاب اور دُنیا کے حالات میں تبدیلی کا اور زیادہ وسیع و عمیق کام لیتے، اور افراد کی یہ قوّتِ ایمانی اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی۔ ان کی ان مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مجالسِ وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریروں نے ہزاروں دلوں اور دماغوں پر

گہری چوٹ لگائی۔ جس وقت آدمی ان کے ان مواعظ کو جو فتوح الغیب اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں، پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پُوری بے باکی اور قوت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادیت کے ہزاروں بُت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب و مسببات کے باہمی تعلق سے کبھی آزاد نہیں ہونے پاتا اور جو مادی سعی و جہد کو بھی دین و شریعت میں ایک مقام دیتے ہیں، اور انسان کو اپنی سعی کا مکلّف و مامور سمجھتے ہیں، اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو ان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں۔ وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اُتار سکے اور اُن کے ذہن نے عین ان مجالسِ وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا، لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوتِ ایمانی نے وہ نتائج پیدا کیے، جن سے ہماری "متوازن و معتدل" دعوتیں (جن کی عصرِ حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر رہیں، اور صاف اندازہ ہوا کہ

لاکھ حکیم سر بجیب ، ایک کلیم سر بکف

ان کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ ان کا ایسا شغف و انہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی، والہیت اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آئی، ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصے ان کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں ان کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ چند دن رہ کر آدمی ان کی مشغولیت و انہماک اور اُن کے جذب و استغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا، اور اُس کی یہ سمجھ میں نہیں

آتا تھا کہ اتنی قوت و تازگی کہاں سے آتی ہے، اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات میں تائیدِ الٰہی اور نصرتِ غیبی کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹے سے کم نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی صحت کی خرابی، مجمع کی کمی و زیادتی قطعًا اثرانداز نہ ہوتی۔ یہ مجاہدہ رمضان المبارک میں بہت بڑھ جاتا، جبکہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے، رمضان میں ان کی رات شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتی۔ اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے، اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے۔ عام دنوں میں چائے کے دوران اور چائے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لے جا کر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مُہر لگی ہوئی تھی اور وہ اب ٹوٹی ہے۔ پھر اسی جذبہ اور طاقت کے ساتھ دُعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دُعا کی ہے نہ اس کے بعد کریں گے۔ سب کچھ اسی دُعا میں مانگ لینا ہے، اور سب کچھ اسی دُعا میں کہہ دینا ہے۔ اس کے بعد بھی مختلف تقریبوں سے گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر کچھ دیر تصنیف و تالیف کا کام کرتے پھر کھانے کا وقت ہو جاتا، ظہر کے بعد پھر کوئی سبق پڑھاتے یا تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔ ملنے جُلنے اور ڈاک دیکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہتا۔ کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی، اور اس میں بھی تازگی اور جوش کا وہی عالَم ہوتا۔ عشاء کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابۂ کرامؓ کے حالات کا کوئی مجموعہ سُنانے کا معمول تھا۔ کتنا ہی تھکے اور جگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو، اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا۔ دیر رات تک یہ سلسلہ

جاری رہتا، سُننے والے کو محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے۔ ہم جیسے پست ہمتوں کے لئے نظام الدین کا دو روز کا قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا، میرا خود حال یہ تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا "بے ہمت! مولانا کے لئے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لئے صرف دو دن کا معاملہ ہے۔" لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی عالی ظرفی کا سہارا لے کر کوئی گوشۂ عافیت تلاش کر لیتی۔ اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبانِ حال سے اس کو اپنا پتہ نشان اس طرح دیتا کہ ؎

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میرؔ
کیا کام محبت سے اُس آرام طلب کو

سفر میں تو یہ انہماک اور استغراق بہت بڑھ جاتا، پھر تقریروں کی تعداد، ان کی مقدار اور اُن کے اوقات کی کوئی تحدید نہیں تھی۔ بعض دوستوں نے اندازہ لگایا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر آٹھ آٹھ گھنٹے بولنے کی نوبت آتی[1]۔ اس میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر بعد کی تقریر میں نئے سُننے والوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ بولنے والا اسی وقت بولنے کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس کو اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کا موقع نہیں ملا تھا اب اسی موقع پر اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ یہی ہر وقت کی دُعا کی کیفیت ہوتی۔ مجھے حجاز کے آخری سفر میں حاضری کا موقع نہیں ملا، لیکن میں نے بالتواتر سُنا ہے کہ وہاں یہ جوش وخروش اور یہ جذبہ وانہماک اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا تھا، مسجدِ نبوی میں، صحنِ مسجد میں فجر کی نماز کے بعد تقریر شروع ہو جاتی اور دن چڑھ آتا، اور جن خوش قسمت آنکھوں نے تقریر کے آغاز میں گنبدِ خضرا پر چاندنی دیکھی ہوتی وہ دھوپ چڑھی ہوئی دیکھتے۔ مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا

---

[1] یہ اندازہ صرف تقریروں کا ہے، مجلسی گفتگوؤں کے اوقات اس کے علاوہ ہیں ۱۲

نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانے کے مطابق بسیط تقریر کی۔ تقریر کے بعد تشکیل ہوئی، پھر دعا ہوئی۔ مجھے اطمینان تھا کہ اب اس تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے، کہ خدا جانے کہ نکاح کی تقریب سے یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا لیکن تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آگیا، پھر اس طرح تقریر فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے۔

یہی حال دعا کا تھا، مولانا کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش و خروش، اس کی رقت انگیزی اور اس کی تاثیر، مولانا کے ان خصائص میں سے تھی جن کی مثال دور دور دیکھنے میں نہیں آئی۔ جب دعا کرتے، حاضرین کا عجب حال ہوتا، خاص طور پر جب اردو میں دعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا۔ دور دور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں۔ اس کی مثال ماضی قریب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ایک جانشین مولانا سید نصیر الدینؒ کے حالات میں نظر آئی کہ بیان کرنے والوں نے بیان کیا کہ دعا کے وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آتی نظر آتی۔ لوگوں پر ایک وارفتگی اور بے خودی کی کیفیت ہوتی اور بعض لوگ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے۔ واقعہ یہ ہے کہ دعا کے وقت جو کیفیت لوگوں پر طاری ہوتی اور جو اثرات ان کے دلوں پر ہوتے، اگر کچھ دیر بھی باقی رہ جاتے تو لوگ دنیا کے کام کے نہ رہتے اور معلوم نہیں حالات میں کیا تبدیلی ہوتی۔ لیکن نظامِ عالم اسی طرح چل رہا ہے اور ہم ضعیف البنیان ہر چیز کا اثر وقتی طور پر لیتے ہیں۔

ان کی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، ان کی تقریروں اور صحبت کا وہ اثر ہے جو سامعین و حاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل و دماغ دوسرے اثرات سے آزاد، اور ان کی طبیعتوں میں

تسلیم و انقیاد کا مادہ غالب ہوتا۔ ان کی کیمیا اثر صحبت اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متأثر کیا کہ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت، سیرت، زندگی، معاشرت اور یہاں تک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا۔ سینکڑوں آدمی ہیں جو اُن کی زبان بولنے لگے اور اُن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ان کو حفظ ہو گئے۔ کتنے اشخاص ہیں کہ جن کی دعاؤں میں اُن کی دُعاؤں کا رنگ آگیا۔ کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جنکی زندگی اور معاشرت سَرتاپا مغربی اور رئیسانہ تھی، اور وہ ایک ایک درویش صفت مبلّغ اور ایک فقیر منش اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں۔ اور جن کی گرانقدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصّہ تبلیغ و دعوت، رفقاء کی امداد و اعانت اور جماعت کی نُصرت پر خرچ ہوتا ہے، اور ان میں ان کے گھر والوں کا اور ان کا اپنا وہی حصّہ ہے جو ایک متوسط ملازم یا ایک اوسط درجے کے تاجر کا ہے۔ کتنی بڑی تعداد اُن رفقاء اور نیازمندوں کی ہے جن کی زندگی، جن کا ذوقِ عبادت جن کا جذبۂ خدمت اور جن کی خشیت و انابت، اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھکر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے۔ حقیقی علم تو علّام الغیوب کو ہے، لیکن ان کے اخلاص و اخلاق کو دیکھکر ان کی دینی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، جو زندہ ہیں (خدا اُن کی زندگی میں برکت دے) ان کے متعلق کچھ کہنا خلافِ احتیاط ہے فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ[1]، لیکن جانے والوں میں سے متعدد اصحاب کے نام لئے جا سکتے ہیں، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے، اور اُن کے حالات اِتنے رفیع ہو گئے جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے مَیں صرف اپنے

---

[1] یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ دُنیا سے چلے جانے والوں کی اقتدا کرو اس لئے کہ جو زندہ ہے اُس کے بارے میں فتنہ سے اطمینان نہیں۔

محبوب اور عزیز دوست حاجی ارشد صاحب مرحوم کا ذکر کروں گا جن کا (اپنے اعلیٰ عہدے اور ذمہ داریوں کے ساتھ) اخلاص وللّٰہیت، تعلق مع اللہ، دعوت کے کاموں میں انہماک استغراق، ایثار وقربانی کی کیفیت، تواضع وانکسار، خدمت کا جذبہ اور پھر اسی راہ کی قابلِ رشک موت اور شہادت برسوں دل کو تڑپاتی اور اُن کی یاد تازہ کرتی رہے گی۔ جاپان میں اشاعتِ اسلام کے کام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر فرمایا تھا۔ اور اہلِ حجاز بھی ان کو عرصہ تک یاد رکھیں گے۔ دُنیا کے دور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سُننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کی زندگی بدل گئی اور اُن کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان ولیقین کی کیفیت، دعوت کی سرگرمی، دُعاء کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیت اور ایثار کی عادت پیدا ہو گئی۔ ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے بڑا عظموں میں بھی ملیں گے ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

مولانا کی دعوت اور شخصیت اپنے پُورے شباب اور عروج پر تھی، اُن کی ہمت کا طائرِ بلند پرواز کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کیلئے تیار نہ تھا۔ کوئی دُور سے دُور جگہ اُن کو دُور، اور کوئی مشکل سے مشکل کام اُن کو مشکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اُنہوں نے اپنی تیز رفتاری، بلکہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بے چینی اور بے تابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں اور دنوں میں کر لیا۔ اپنے والدِ نامدار کے بعد نئے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا افتتاح کیا اور ساری دُنیا کو گھر آنگن بنا لیا، حج کا مسئلہ اُٹھایا[۱] اور اس میں ایک نئی رُوح پھونک دی، اور دیکھتے دیکھتے حجاج کی تعداد اور اُن کی کیفیات میں عظیم فرق پیدا ہو گیا۔ اجتماعات، میوات کے محدود پیمانے

---

[۱] فریضۂ حج میں رُوح پیدا کرنے اور اُس کو تبلیغ و دعوت کا ذریعہ بنانے کا مسئلہ۔

سے نکل کر اتنے عظیم اور وسیع بن گئے کہ بڑی بڑی سیاسی کانفرنسیں اور بڑے بڑے پبلک جلسے (مجمع کی کثرت میں بھی) ان کے سامنے ماند پڑ گئے اور ان کی وہ کثرت ہوئی کہ مولانا کے لئے نظام الدین کا قیام مشکل ہو گیا۔ تبلیغی تقریروں میں غیر مسلموں سے خطاب، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ، موجودہ مادّی زندگی پر تنقید اور فساد کے سرچشمے کی نشاندہی کے باب کا افتتاح کیا۔ اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دی کہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم شریک ہونے لگے، اور متأثر ہوئے۔ یہ سب کام بڑی طویل عمر چاہتے تھے، لیکن مولانا نے پچاس برس سے کم عمر اور اپنی ذمّہ داری اور دعوت کے صرف بیس سال کے اندر انجام دیئے، اور یہ سب منزلیں طے کر کے اپنے خالق سے جا ملے۔

کام تھے عشق میں بہت، پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

اُمت پر جو قحط الرجال کا دَور طاری ہے اس میں اس کی کیا اُمید ہے کہ جلد ان کی سی شخصیت اور تأثیر کا کوئی داعی الی اللہ پیدا ہوگا۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟

مولانا کی وفات کا واقعہ لاہور میں اچانک اس طرح پیش آیا کہ لوگ جگر تھام کر اور دل پکڑ کر رہ گئے۔ بہت سے نیازمندوں اور تعلق رکھنے والوں کو یقین ہی نہ آیا اور اُس وقت تک اس خبر کی صداقت میں شبہ رہا جب تک قطعی اور متواتر طریقہ سے اس کی تصدیق نہ ہو گئی۔ خود راقم سطور اور رفیقِ محترم مولانا محمد منظور نعمانی کو جو اس حادثہ کے وقت مکۂ معظمہ میں تھے اس کی صحت میں بڑا شبہ تھا۔ تبلیغی جماعت کے بعض ممتاز کارکن اور ذمّہ دار اس وقت وہاں موجود تھے، سبھی اس عالمِ حیص وبیص میں تھے۔ لیکن جتنا وقت گزرتا گیا اس خبر کی تصدیق ہی ہوتی چلی گئی اور بالآخر اس پر یقین کرنا پڑا۔

ہندوستان واپسی ہوئی تو مولانا کی سوانح کی ترتیب کا خیال مختلف گوشوں اور حلقوں میں ظاہر کیا جانے لگا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کی سعادت اس راقم کے حصہ میں آئی تھی، اور اپنی کم سوادی و نامہ سیاہی کے باوجود خدا کے متعدد مقبول بندوں اور اصحابِ دعوت و عزیمت کی سوانح حیات لکھنے کا شرف اس کو بار بار حاصل ہو چکا ہے۔ مولانا مرحوم سے بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی ہی سے نیاز حاصل تھا، اور ان کی خصوصی محبت و عنایت بھی تھی۔ شاید انھی مناسبتوں کی بناء پر بعض مخلص دوستوں کی طرف سے اس کی تحریک ہوئی کہ میں ہی یہ کام انجام دوں۔ بیرونِ ہند سے بھی حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں بعض خطوط آئے کہ مجھے اس کا ایماء فرمایا جائے۔

اس عرصہ میں بعض اہلِ قلم نے بطورِ خود سوانح کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا اور بعض حلقوں میں اس کا اعلان بھی ہو گیا۔ حضرت شیخ کی طرف سے اس لطیف اور محتاط پیرایہ میں جو ان حضرات کا مزاج و مذاق ہے اس تحریک کی تائید اور اس خواہش کا اظہار بھی ہوا۔ مجھ جیسے بے بضاعت و تہی دست آدمی کے لئے جس کے پاس اللہ کے مقبول بندوں کی تاریخ و سوانح سے بڑھ کر مغفرت کا کوئی سامان اور عمل کی کوئی دستاویز نہیں، حصولِ سعادت کا اس سے بہتر اور کیا موقع تھا۔ لیکن میرے لئے دو بڑی دشواریاں تھیں جن کی وجہ سے میں اس کام کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک تو یہ کہ میں کئی سال سے بطورِ خود لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور ہو چکا ہوں مجھے اپنا سارا علمی و تصنیفی کام دوسرے عزیزوں کی مدد سے انجام دینا پڑتا ہے، ایسی حالت میں طبع زاد تصنیفی کام اور کسی موضوع پر برجستہ کچھ لکھوانا تو ممکن ہے، لیکن سوانح کی ترتیب خصوصاً ایک ایسی شخصیت کی جو ایسی ہمہ گیر عہد آفریں اور انقلاب انگیز ہو اور ایک ایسی تحریک جو اتنے وسیع رقبہ پر محیط ہو، اور اسی کے ساتھ ساتھ

اس کو منظرِ عام پر لانے کیلئے تحریری سرمایہ، یادداشتوں اور تاریخی دستاویزوں کی غیر معمولی کمی ہو، کسی ایسے شخص کا کام نہیں جو خود پڑھ لکھ نہ سکے، اور متعلّق و غیر متعلّق تحریروں، خطوط کے انبار میں سے اپنے کام کی باتیں نکال سکے۔ یہ کام تو چیونٹی کے مُنہ سے شکر کے دانے چُن کر قند کا انبار لگانے کے مُرادف ہے۔ اسی بناء پر حضرت مولانا سیّد محمّد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء کی سوانح مرتّب کرنے کا خیال پیدا ہوا اور صاحبزادہ محترم مولانا سیّد منت اللہ صاحب رحمانی کی طرف سے بار بار اس خواہش کا اظہار ہوا کہ یہ سوانح مَیں ہی اپنے قلم سے مرتّب کروں۔ خود میرے لئے بھی یہ بہت بڑی سعادت تھی، لیکن اس معذوری کے پیشِ نظر میں نے یہ کام برادرزادہ عزیز مولوی سیّد محمّد الحسنی کے سپرد کیا، اور خدا کا شکر ہے کہ اُنہوں نے اس کو بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ کتاب کی تکمیل کے بعد مجھے صاف محسوس ہوا کہ میں شاید اتنے بہتر طریقہ پر یہ کام انجام نہ دے سکتا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

میرے لئے دوسری دشواری یہ تھی کہ مَیں مولانا کی رفاقت اور اس کام میں اعانت کا وہ فرض انجام نہ دے سکا جس کی وہ توقّع کرتے تھے اور جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔ ان کے یہاں عملی جدّوجہد، یکسوئی و قربانی اور دعوت و عزیمت کا جتنا غلبہ تھا اُتنا ہی یہ ناکارہ اس میدان میں پیچھے اور اس ذخیرہ کے لحاظ سے بے مایہ و تہی دست ہے۔ ان کے یہاں جن مشاغل و امراض کی نفی تھی اُتنا ہی یہ خستہ حال ان میں گرفتار اور ان بیماریوں کا شکار تھا، ان کے یہاں جتنا یقین اور عزم کے ساتھ

"چشم بند و گوش بند و لب ببند"

کی دعوت و تلقین تھی اتنا ہی یہ فریب خوردۂ فکر و نظر ان سے کام لینے اور ان کو کھلا رکھنے کا عادی تھا، ان کے یہاں جتنی محسوسات و مشہودات، مادیات و موجودات کا

انکار و تردید تھی اتنی ہی اِس کم ہمت کے لئے ان کے طلسم سے آزاد ہونا اور ان کے قیود سے باہر نکلنا دشوار معلوم ہوتا تھا، کوتاہی و کم ہمتی اور ضعف و افسردگی کا یہ احساس ایک صاحبِ عزیمت کی زندگی و دعوت پر قلم اُٹھانے سے بار بار روکتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ احساس بھی دل میں چٹکیاں لیتا تھا کہ اگر یہ کام سنجیدگی اور ذمّہ داری کے ساتھ نہ ہوا اور اس کو اس احتیاط کے ساتھ انجام نہ دیا گیا جس کا وہ متقاضی ہے تو پھر غیر ذمّہ دارانہ طریقہ پر ہوگا اور وہ ہم سب کے لئے شرمندگی اور کوفت کا باعث ہوگا۔ دوسری طرف حضرت شیخ کا کھلا ہوا ایما، اس کی تکمیل کا تھا، اور یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کی طبیعت پر اس کا شدید تقاضا ہے۔

بالآخر اس کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ جس طرح مولانا سید محمّد علی صاحب مونگیریؒ کی سوانح کی ترتیب کا کام میرے برادر زادہ عزیز محمّد میاں نے انجام دیا اور سب نے یہ محسوس کیا گویا یہ کتاب میرے ہی قلم سے نکلی ہے اسی طرح مولاناؒ کی سوانح کا کام خواہرزادہ عزیز محمّد ثانی سلمہٗ انجام دیں، عزیز موصوف پر مولاناؒ کی بزرگانہ شفقت تھی۔ ان کو مولاناؒ کے بعض سفروں میں ہمرکابی کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ مولاناؒ کی ذات اور دعوت سے، نیز دینی مضامین اور بزرگوں کے تاریخ وار کارناموں کی تحریر و ترتیب سے ان کو خصوصی مناسبت بھی ہے۔ اس سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہ، سے نسبت حاصل ہے اور حضرت کی ان پر شفقت کی نگاہ ہے۔ حضرت شیخ کا منشاء پورا کرنا وہ اپنی بڑی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ وہ جس ذوق و شوق جس جوش و انہماک کے ساتھ یہ کام کریں گے وہ دوسرے کے لئے مشکل ہے۔ حضرت شیخ کے سامنے میں نے جب یہ تجویز پیش کی تو حضرت نے اس کو پسند فرمایا اور یہ کام انہیں کے سپرد فرما دیا۔ میں نے اس کی ذمّہ داری قبول کی کہ میں ان کی پوری مدد اور اپنے ٹوٹے پھوٹے تجربہ کی بنا پر ان کی پوری رہنمائی کروں گا، ایک ایک لفظ پڑھوں گا اور

اس کی ذمہ داری لوں گا، اور اس طرح سے گویا شریکِ تصنیف بن جاؤں گا۔

الحمد للہ کہ توقع پوری ہوئی اور عزیزی محمد ثانی اس کام میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ آنکھ کی بعض تکلیفوں کی وجہ سے ان کی بصارت بھی عرصہ سے کمزور ہے اور وہ بھی زیادہ لکھنے پڑھنے کا کام انجام نہیں دے سکتے۔ لیکن انہوں نے اس کی بالکل پرواہ نہیں کی، یہ کام پورے طور پر ان کے دل ودماغ اور اعصاب پر مستولی ہوگیا، اور ان میں اس کی تکمیل کا وہ جذبہ اور ذوق وکیفیت پیدا ہوئی جس کے بغیر کوئی تصنیفی کام صحیح طور پر مکمل، پُر اثر اور جاندار نہیں ہو سکتا۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
عشق ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

انہوں نے نہ اپنی صحت کی پرواہ کی، نہ اپنے دوسرے مشاغل کی۔ کام جب شروع ہوا تو اس کی دشواریوں کا اندازہ ہوا۔ تحریری سرمایہ اور تاریخی وثائق کی کمی کا اتنا اندازہ نہ تھا جتنا تجربہ میں آیا۔ مولانا کی عزیمت وبصیرت تھی کہ دعوت کے اس مرحلہ میں تحریر وتصنیف سے ہٹاکر لوگوں کو عمل وقربانی پر لگاتے تھے اور تاریخ نویسی سے زیادہ تاریخ سازی پر زور دیتے تھے، لیکن مولانا نے اس سلسلہ میں جتنا کہا لوگوں نے اس سے زیادہ سمجھا اور عمل کیا اور اس قدر اس کی پابندی کی کہ ایک نہ اجتماعات کی یادداشتیں ملتی ہیں نہ سارے اہم سفروں کی رودادیں۔ اگر خوش قسمتی سے حضرت شیخ الحدیث کا قیمتی روزنامچہ نہ ہوتا جس میں چھوٹی چھوٹی جزئیات بھی محفوظ ہیں تو اس عالم گیر اور عہد آفریں تحریک کا ایک سرسری خاکہ اور ناقص مرقع بھی پیش کرنا ممکن نہ ہوتا۔ سوائے چند خطوط اور چند تقریروں کے مسودوں کے تحریری شکل میں کوئی سرمایہ نہ تھا۔ جن حضرات سے تعاون کی اُمید تھی یا درخواست کی گئی، ان میں سے متعدد حضرات خواہش وارادہ کے باوجود بھی کوئی مدد نہ کر سکے، اس لئے کہ اُن کے پاس بھی کوئی ایسا سامان نہ تھا جس سے معتدبہ

مدد مل سکتی۔ لیکن حضرت شیخ الحدیث کی توجہ، دُعاء، فکرمندی ودلسوزی، انتظار و اشتیاق، عملی تعاون، قدم قدم پر رفیق اور ہمدم وچارہ ساز رہا۔ اپنے بیش قیمت اوقات میں سے نہایت فیّاضی کے ساتھ اوقات نکال کر اپنے بیش قیمت روزنامچہ کے طویل طویل اقتباسات ارسال فرماتے رہے، خطوط کے مفصّل جوابات مرحمت فرمائے، زبانی سوالات کا جواب دینے کیلئے ضروری ضروری کاموں کا حرج کرکے کئی کئی گھنٹے عطاء فرمائے۔ دوسرے خدّام اور احباب کو بھی متوجہ فرمایا۔ مسودے کے اکثر و بیشتر حصّے کو حرف بحرف سُنا۔ اس کے خلاء اور تاریخی اور واقعاتی شگافوں کو پُر کرنے کی کوشش فرمائی۔ کام کو جلد ختم کرنے اور اُس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کی تاکید فرماتے رہے حضرت کی طبیعت پر اس کتاب کی تکمیل کا جتنا تقاضا غالب تھا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حجازِ مقدّس کی فضاء اور وہاں کے بیش قیمت اوقات میں بھی آپ نے اس کو فراموش نہیں فرمایا، اور وہاں سے اس کا تقاضا فرماتے رہے، اس ناچیز کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

"سوانح کی تبیض پر بہت ہی مسرّت ہے، مجھے اس کی تکمیل کا بہت ہی اشتیاق ہے۔"

آخری والا نامۂ مورّخہ ۷ رمحرّم میں فرماتے ہیں:۔

"خدا کرے اگر واپسی مقدّر ہے تو مطبوعہ سوانح بلکہ اس کے مطبوعہ فرمے آتے ہی دیکھوں توجی خوش ہوجائے۔"

اسی جذبہ اور قلبی تقاضے کا یہ نتیجہ ہے کہ اس بے سروسامانی کی حالت میں جس کا اندازہ صرف مصنّف اور اِس مقدّمہ نگار کو ہے یہ عظیم کام جو نہایت دشوار بھی تھا اور نازک بھی، وسیع بھی تھا اور پیچیدہ بھی، ان معذوریوں کے ساتھ اس حد تک انجام پاگیا جس کے نصف یا چوتھائی کی بھی ابتداء میں اُمید نہ تھی۔

کسی کام کی (اس کی مکمل شکل میں) کوتاہیوں اور خامیوں کو محسوس کرنا اور ان کی نشاندہی کرنا بہت آسان ہے کہ کہنے والے نے سچ کہا ہے " ناکردن یک عیب وکردن صد عیب " لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس بے سروسامانی میں یہ کام انجام پایا اُس کے پیشِ نظر یہ کام اس موجودہ شکل میں بھی محض تائیدِ غیبی اور صاحبِ سوانح اور اس کے محرّک وسرپرست کی مقبولیت عنداللہ کی دلیل ہے۔

آخر میں اس مقدمہ نگار کو اپنی ایک جسارت کی معذرت بھی کرنی ہے اور معافی کی درخواست بھی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان ان کے آبائے کرام، ان کے بزرگوں اور سرپرستوں اور خصوصی عزیزوں کا تذکرہ ضروری و ناگزیر تھا۔ (اور یہ ہر سوانح و تاریخِ حیات کا ایک ضروری جزو ہے۔ اس بنا پر خود حضرت شیخ الحدیث کا تذکرہ جن کے صاحبِ سوانح سے متعدد بزرگانہ اور عزیزانہ رشتے اور ان کی اور اُن کی دعوت سے سرپرستی و نگرانی اور اعانت مساعدت کا نہایت گہرا تعلق ہے، نہایت ضروری تھا جس کے بغیر یہ سوانح مکمل نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد صحیح صورتِ حال سمجھنا آسان تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کی سرپرستی، فکرمندی و دلسوزی صاحبِ سوانح اور دعوتِ تحریک کے جسم و جان و رگ وریشہ میں اس طرح پیوست ہوگئی ہے ؎

شاخِ گُل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

ایسی حالت میں حضرت شیخ الحدیث کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ جب یہ مرحلہ آیا تو مصنف عزیز نے اپنے نیازمندانہ نازک تعلق اور اپنی سعادت مندی کی بنا پر اس کی جرأت نہیں کی، اُنہوں نے اس کی مجھ سے فرمائش کی کہ یہ حصہ میں لکھدوں، میری یہ خوش بختی ہے کہ میرے بزرگوں اور محسنین نے مجھے اپنی خدمت میں اتنا بے تکلف اور جری بنادیا ہے کہ میں ان سے ہر طرح کے سوالات کرسکتا ہوں اور میں نے بارہا ان کے

حالات پوچھنے کی جرأت کی ہے اور ان کی بزرگانہ شفقت نے مجھے مایوس نہیں کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے جن کو اس تاریخ نویسی سے اپنے معاصر بزرگوں میں سب سے کم مناسبت تھی، اور جن کی زندگی سرتاپا دعوت وعمل تھی، ان سے پہلی ہی ملاقات میں میں نے حالاتِ زندگی دریافت کئے، اور انہوں نے نہایت بشاشت وشفقت کے ساتھ نہ صرف اُن کا جواب دیا بلکہ مجھے ان کو نوٹ کرنے کا موقع بھی دیا۔ یہی معلومات مولانا کی سوانح کی بنیاد تھی۔ میں نے حضرت شیخ سے خطوط کے ذریعہ سوالات کر کر کے بہت سی قیمتی معلومات حاصل کیں، بہت سی باتیں زبانی پوچھ پوچھ کر نوٹ کیں۔ قدرتی طور پر ان کے لئے یہ ایک بہت بڑا مجاہدہ اور ایثار تھا، لیکن اس کو میری خوش قسمتی کہیئے یا ہنر مندی یا اُن کی شفقت اور دلنوازی کہ میں نے اکثر ضروری معلومات حاصل کرلیں (اللہ تعالیٰ ان کی بیش قیمت زندگی میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے) اور ان کی مدد سے ان کی سوانح حیات کا ایک سرسری اور مختصر خاکہ حاصل کرلیا، اس کو کتاب میں شامل کیا جارہا ہے کہ اس کے بغیر سوانح مکمل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے اضافہ سے اس بیش قیمت کتاب کی قدر وقیمت اور افادیت میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ نہ صرف اہلِ تعلق اور محبین ومخلصین کے لئے، بلکہ اہلِ دل اہلِ علم فضلائے مدارس تعلیم وتعلّم وتصنیف و تالیف اور خدمتِ دین کا ذوق وجذبہ رکھنے والوں کے لئے موعظت وبصیرت کا سامان مہیا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس پورے سرمایہ سے اہلِ ذوق اور اہلِ ہمت کو نفع پہنچائے اور یہ مصنف اور اس کے معاونوں کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے۔

غرض نقشے است کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے زرحمت — کند بر حالِ ایں مسکیں دعائے

★ خاندانِ کاندھلہ و جھنجھانہ

★ حضرت مولانا محمدؒ زکریاؒ صاحب شیخ الحدیث مدظلہ

★ حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

این سلسلہ طلائے ناب است

این خانہ تمام آفتاب است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

خاندان

حکیم محمدؐ اشرفؒ عہدِ شاہجہانی میں جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ایک مشہور بزرگ مولانا حکیم محمدؐ اشرف گزرے ہیں، جن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، اتباعِ شریعت پر ہمعصر علماء اور مشائخ متفق تھے۔ مولانا حکیم محمدؐ اشرف جھنجھانہ کے ایک عالی مرتبت خاندان کے چشم و چراغ تھے، یہ خاندان اپنے علوِ مرتبت اور عالی نسبی میں ممتاز تھا۔ مولانا حکیم محمدؐ اشرف کی اولاد میں بے شمار علماء و فضلاء، مشائخِ طریقت، بلند پایہ فقیہ و مفتی، جامع معقول و منقول عالم، قادر الکلام شاعر، اور حاذق طبیب مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ مولانا حکیم محمدؐ اشرف کو خدا داد صلاحیتیں ملی تھیں، ان کے مؤثر واقعات اس خاندان کے ایک فردِ فرید مفتی الٰہی بخش نے (جو بڑے فاضل بزرگ تھے) اپنی قلمی بیاض میں تحریر کیے ہیں۔ نمونۃً ایک واقعہ تحریر کیا جاتا ہے جس سے اُن کے استغناء اور دُنیا سے بے رغبتی کا حال معلوم ہوگا۔

"شاہجہاں بادشاہ نے جب آپ کے کمالات کا شُہرہ سُنا تو ملاقات کا مشتاق ہوا، اور آپ کو بُلانے کے لئے پالکی اور کچھ لوگوں کو

جھنجھانہ بھیجا۔ آپ علی الصباح نمازِ فجر پڑھ کر دوپٹہ کمر پر باندھ کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے، بادشاہ کی طرف سے شہر کے دروازہ پر آدمی استقبال کے لئے متعین تھے، آپ کی روانگی کی اطلاع پاکر انہوں نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا، اور آپ نے اس امیر کی ہمراہی میں جو آپ سے پہلے سے واقف اور معتقد تھا، بادشاہ سے ملاقات کی، بادشاہ نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان کرنا چاہیئے۔ وزیر نے متفرق علوم کے متفرق سوالات کئے، اور ہر علم میں یگانۂ روزگار پاکر بادشاہ سے عرض کیا "شیخ کو میں نے ایسا بحرِ ذخار پایا جس کا کہیں کنارہ نہیں"۔

شاہجہاں بادشاہ نے اسی وقت علاقۂ جھنجھانہ میں دو ہزار بیگھہ پختہ زمین کا فرمان تیار کرا کے آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور کہا "ہمارا رازق خدا ہے نہ کہ بادشاہ، بادشاہ کے پاس آیا ہوں، املاک و جائداد کے حصول کی طلب و خواہش بالکل نہیں، اور نہ اس کے لئے آیا ہوں[۱]"۔

مولانا حکیم محمد اشرف کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام حکیم محمد شریف تھا، یہ بزرگوار بھی علم و فضل اور اتباعِ شریعت میں اپنے والد ماجد کے قدم بقدم تھے، مولانا حکیم محمد شریف کے دو صاحبزادے ہوئے، ایک مولانا حکیم عبدالقادر، جن کی اولاد میں اہلِ کمال اور علماء فضلاء بڑی تعداد میں گزرے ہیں، خصوصاً مفتی الٰہی بخش اور اُن کے نامور بھتیجے مولانا مظفر حسین کاندھلوی، ممتاز ترین علماء و فضلاءِ وقت میں سے تھے۔ دوسرے صاحبزادے مولانا محمد فیض تھے جن کا قیام جھنجھانہ میں رہا۔ ان کی اولاد میں مولانا محمد اسمٰعیل کاندھلوی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، داعی الی اللہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور اُن کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف کاندھلوی جیسے اہلِ فضل و

---

[۱] "حالات مشائخ کاندھلہ"

کمال اور بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں اور آج بھی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے علم کا فیض جاری ہے اور ان کی خدمت و صحبت سے ایک دُنیا مستفید ہو رہی ہے۔

کاندھلہ[۱] سے تعلق | قاضی شیخ محمد جو سلطان تغلق کے زمانہ میں کاندھلہ کے قاضی اور خطیب تھے، ان کی اولاد میں اُنہیں کے ہمنام شیخ محمد مدرس ایک بہت بڑے عالم و فاضل اور اپنے وقت کے صاحب درس بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی صاحب زادی خان بی بی کے ساتھ جھنجھانہ کے مذکور الصدر گھرانے کے مولانا حکیم عبد القادر کی جو مولانا حکیم محمد شریف ابن حکیم محمد اشرف کے صاحبزادے تھے، شادی ہوئی۔ ان کے دو صاحبزادے ہوئے (۱) مولانا حکیم قطب الدین (۲) مولانا حکیم شرف الدین۔

مولانا حکیم قطب الدین جھنجھانہ کے شرفا، و زعماء میں تھے، اور اطراف میں ان کا بڑا اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دینی بزرگی کے ساتھ ساتھ دنیاوی وجاہت بھی عطا کی تھی۔ اُن کی شادی بھی کاندھلہ میں اُسی گھرانے میں ہوئی جس گھرانے میں اُن کے والد حکیم عبد القادر کی ہوئی تھی۔ اُن کی بیوی شیخ ضیاء الحق ابن شیخ محمد مدرس کی بیٹی تھیں۔ ان کے تین صاحبزادے ہوئے (۱) مولانا حکیم شیخ الاسلام (۲) شیخ محمد مشائخ (۳) شیخ صدر الدین۔ مؤخر الذکر دونوں بزرگ جھنجھانہ ہی میں رہے۔

---

[۱] کاندھلہ کی آبادی | ۲۲ رجب ۷۹۳ھ میں سلطان محمد تغلق شکار کے لئے موجودہ کاندھلہ کی آبادی کے قریب آیا۔ اسی اثناء میں جمعہ کا دن آگیا، سلطان موصوف نے کاندھلہ کی آبادی اور جامع مسجد کی تعمیر کا حکم دیا فوراً جامع مسجد تعمیر کی گئی، جمعہ کے وقت سلطان نے آکر خود حصہ لیا، اور موجودہ وقت کے ایک فاضل اور باکمال عالم قاضی شیخ محمد ابن مولانا کریم الدین (جو قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں تھے) کو للعسکہ، بیگہ زمین کا فرمان دیکر قضاء، امامت، خطابت، مناکحت کا منصب عطا کیا اور قصبہ کی آبادی پر مامور کیا (حالات مشائخ کاندھلہ) اور پھر اُن کی اولاد نے بود و باش اختیار کر لی۔

مولانا شیخ الاسلامؒ | مولانا شیخ الاسلامؒ کی ولادت کاندھلہ میں ہوئی اور اُنہوں نے شیخ محمدؒ مدرس کی آغوش میں تربیت پائی، اور وہیں بود و باش اختیار کرلی۔ شیخ محمدؒ مدرس نے اپنی جائداد مولانا شیخ الاسلام کے نام کردی اور ان کے والد مولانا حکیم قطبُ الدین نے اپنی وہ جائداد جو ماں کی طرف سے کاندھلہ میں ملی تھی اپنے اُنہیں بیٹے کے نام کردی، مولانا شیخ الاسلام علم و فضل میں ممتاز تھے اور بڑے بڑے علما، اُنھیں وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مولانا شیخ الاسلام کے چارؔ صاحبزادے ہوئے (۱) مفتی الٰہی بخش (۲) شاہ کمال الدین (۳) مولوی امام الدین (۴) مولوی محمود بخش۔ یہ چاروں صاحبزادے علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے، اور مرجعِ خلائق تھے۔

مولوی امام الدین، مفتی الٰہی بخش سے چھوٹے تھے، اور ذکاوت و ذہانت اور علمی قابلیت میں ممتاز تھے۔ میرزاہد جلال کی شرح ان کی علمی یادگار ہے۔ ایک فرزند مولانا حکیم اشرف یادگار چھوڑا جو مفتی الٰہی بخش کے داماد ہوئے۔ طلبِ علم میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، اور نبض شناسی میں فائق۔ اُن کے صاحبزادے مولوی حکیم محمد مشرف بھی اپنے زمانہ کے مشہور اطباء میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا شیخ الاسلام کے دوسرے صاحبزادے مولانا کمال الدین کو ریاضت و مجاہدہ کا خاص ذوق تھا اور زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ مفتی الٰہی بخش نے ان کا ایک واقعہ لکھا ہے "کہ سخت سردی کی راتوں میں آدھی رات کو اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے نمازِ تہجد میں مشغول ہوجاتے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اس سخت سردی میں اُٹھنا اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا بہت دشوار ہے، تم روزانہ کس طرح کرتے ہو۔ وہ بولے روزانہ جب میں وضو سے فارغ ہوتا ہوں تو وسوسے شیطانی اور نفسانی دل میں آتے ہیں کہ کل کو سردی میں نہ اُٹھوں گا، نوافل کے لئے

اتنی سخت اذیت اُٹھانا دشوار ہوتا ہے۔ جب اگلی رات آتی ہے اور چکی پیسنے والیوں کی آواز کان میں آتی ہے تو میں بے قرار ہو کر اُٹھ جاتا ہوں کہ سُبحان اللہ، اس سخت سردی میں اپنے دن کی روزی کی خاطر آدھی رات سے اُٹھ کر صبح تک بھاری پتھر چکّی کے پاٹ کو کس محنت و مشقت کے ساتھ گھماتی ہیں، میرے لئے جس کی روزی کی کفالت بے محنت و مشقت حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے، مروت سے بعید تر ہے کہ خوابِ غفلت میں سوتا رہوں اور اپنے رازق کا شکرادا نہ کروں۔ میں نے جب سُنا تو سمجھ گیا کہ بیدار دل شخص ہے[۱]۔"

اس کے علاوہ جودوکرم، ایثار، مروّت وعفّت، خدمتِ خلق، مسافر کی خبرگیری میں بڑے مستعد تھے۔ عمر بھر سماع، مزامیر اور مجالسِ لہوولعب سے پرہیز رکھا۔

مفتی الٰہی بخش صاحبؒ مولانا حکیم شیخ الاسلام کے یہ نامور فرزند اور مرجعِ خلائق بزرگ عالم تھے۔ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۵ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے ممتاز ترین شاگردوں میں تھے۔ اپنے وقت کے نامور صاحبِ فتوےٰ، صاحبِ درس وصاحبِ تصنیف تھے۔ کامل طبیب اور علومِ عقلیہ ونقلیہ میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ عربی وفارسی اور اردو نظم پر اُستادانہ قدرت رکھتے تھے۔ جس کی شاہد اُن کی تصنیف کردہ کتاب شرح بانت سعاد ہے جس میں حضرت کعبؓ کے ہر عربی شعر کا ترجمہ عربی، فارسی اور اردو شعر میں کیا ہے۔ عربی، فارسی کی تقریباً ۴۰ تصانیف یادگار ہیں۔ شمیم الحبیب اور مثنوی مولانا رُوم کا تکملہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ تعلیم کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہی سے بیعت ہو گئے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے جواں سال خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور باوجود کبرسنی اور اپنے شیخ ثانی (حضرت سید احمد شہیدؒ) سے ۳۸

---

[۱] مشائخ کاندھلہ۔

سال بڑے ہونے کے بڑے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ استفادہ کرتے رہے۔ مفتی صاحب کے اہم کارناموں میں بدعات و رسوم کی تردید، رفض کے خلاف فتاوٰی اور دین کی حمایت پر کتابوں کا لکھنا تھا۔ انگریزوں سے بڑی نفرت رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے۔ (۱) مولانا ابوالحسن (۲) مولانا ابوالقاسم۔

مولانا ابوالحسن مولانا ابوالحسن نے ظاہری علوم اور باطنی کمالات اپنے والد مولانا مفتی الٰہی بخش سے حاصل کئے۔ علم طب میں ملکہ رکھتے تھے، اور زہد و ورع میں باکمال تھے، شب و روز کے اکثر اوقات عبادت و ریاضت میں بسر کرتے، ہر سال دو مہینے، شعبان سے رمضان تک مسجد میں معتکف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف علوم کی تعلیم اور فتاوٰی کی تحریر کا مشغلہ تھا۔ متعدد قصیدے اور مثنویاں ان کی یادگار ہیں، جن میں کتاب بحر الحقیقۃ منظوم اردو بہت زیادہ مقبول ہوئی خصوصًا اس کا ایک حصہ جو گلزار ابراہیم کے نام سے شائع ہوا بہت مقبول ہوا۔ یہ مثنوی بڑی عارفانہ مثنوی ہے جو ماضی قریب میں گھر گھر پڑھی جاتی تھی۔ اس مثنوی کی شان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:۔

"مجھے طریق معرفت کا ذوق و شوق اسی مثنوی گلزار ابراہیم سے پیدا ہوا۔"

مولانا کا خصوصی ذوق اور شغف حمد و نعت کہنے کا تھا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شان میں متعدد قصیدے بھی لکھے۔ باوجود دنیاوی وجاہت اور اثر و رسوخ کے اُمراء اور حکام سے اجتناب برتتے، خصوصًا انگریز حاکموں سے نفرت رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی انگریز حاکم ادھر آتا تو حاضری دیتا اور آپ بادل ناخواستہ اُس کی ملاقات کو برداشت کرتے۔ افسر سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنا ہاتھ پاک کرتے تھے، پھر کسی چیز کو ہاتھ لگاتے۔ ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۲۶۹ھ کو انتقال کیا، تاریخ رحلت "داخل خلد" ہے
۱۲۶۹ھ
ایک صاحبزادہ مولانا نور الحسن چھوڑا۔

مولانا نور الحسن اور ان کے اخلاف

مولانا نور الحسن نے ابتدائی تعلیم اپنے جدِ امجد مفتی الٰہی بخش اور والد بزرگوار مولانا ابو الحسن سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۲۴۶ھ میں دہلی گئے اور شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین سے علوم کی تکمیل کی، اس کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی، لیکن بعد میں بعض خلافِ شرع امور کی بنا پر استعفٰے دیدیا۔ اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور کاندھلہ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں رہنے والے طلبہ کی نگہداشت اور ان کے مصارف کے خود متکفل ہوئے۔ دُور دُور سے طلبہ پڑھنے آتے اور استفادہ کرتے۔ کاندھلہ کے قیام سے پہلے آگرہ کالج میں عربی کے پروفیسر رہ چکے تھے اور اسی زمانہ میں سر سیّد احمد خاں نے آپ سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔

تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے، مختلف درسی کتابوں کے حاشیے لکھے ۱۲۷۷ھ میں مولانا مظفر حسینؒ کاندھلوی، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حاجی عابد حسین، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہمراہ حج کیا اور ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔

مولانا نور الحسنؒ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ (۱) مولانا ضیاء الحسن عرف محمد صادق، (۲) مولانا محمد ظہور الحسن عرف محمد ابراہیم (۳) مولانا محمد فیض الحسن عرف محمد اکبر (۴) مولانا محمد ریاض الحسن عرف محمد سلیمان۔ مولانا نور الحسن نے اپنے ان چاروں بیٹوں کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا اور مختلف علوم و فنون میں باکمال بنایا۔

مولانا ضیاء الحسن کو علمِ تفسیر و حدیث اور فقہ میں دستگاہ حاصل تھی، اُنھوں نے بعض کتابوں کے حاشیے لکھے، قصبہ کے معاملات اور سیاسی اُمور میں بڑا دخل رکھتے تھے علم و فضل کے ساتھ ساتھ قوت و طاقت، سُوجھ بُوجھ، غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ ہمدردی و غمگساری کی صفت سے بھی متصف تھے، اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۲۷۷ھ میں حج کیا اور ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی رابعہ صفت صاحبزادی بی امۃ الرحمٰن سے شادی ہوئی جن سے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

صاحبزادوں میں مولوی شمس الحسن نے خاندانی روایات کے مطابق قرآن شریف حفظ کیا اور علی گڑھ میں انگریزی تعلیم حاصل کرکے مدتوں سرکاری ملازم رہے۔ ملازمت کے دوران دیانت داری، راست گوئی، حق پسندی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سبکدوشی کے بعد خانہ نشین ہوگئے۔ پنشن کا اکثر روپیہ غرباء اور مساکین پر خرچ کرتے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

مولانا ضیاء الحسن کے دوسرے صاحبزادے مولانا رؤف الحسن تھے جو ہمہ صفت بزرگ تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری سے بیعت کا تعلق تھا، اپنی آمدنی کا اکثر حصہ مہمانداری اور فقراء و مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک میں خرچ کر دیتے۔ ۱۳۴۴ھ میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے ہمراہ حج کیا اور ۱۳۶۴ھ میں انتقال کیا، پانچ صاحبزادے ہوئے۔ (۱) مولوی نجم الحسن، (۲) مولانا احتشام الحسن (۳) حکیم قمر الحسن (۴) مولانا اظہار الحسن (۵) مولانا افتخار الحسن۔

(۱) مولوی نجم الحسن باوجود انگریزی تعلیم کے حصول کے اپنے اسلاف کا سچا نمونہ تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری سے تعلق قائم کیا اور اُن کے سچے عاشق بن گئے۔ آخر میں دُنیا سے بے تعلقی بہت بڑھ گئی تھی، سوائے ذکر و شغل اور خلوت کے کوئی کام نہ تھا۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اُن کے حق میں بڑے بلند الفاظ فرماتے تھے، وہ فرماتے:-

"اگرچہ حضرتِ اقدس رائے پوریؒ نے اپنی احتیاط کی بناء پر مولوی نجم الحسن کو اجازت نہیں دی تھی، لیکن وہ قابلِ اجازت اور صاحبِ نسبت تھے، اور تمام باطنی کمالات سے آراستہ ہوچکے تھے[1]"

---

[1] مشائخ کاندھلہ

۱۳۳۶ھ میں اپنے والد ہی کی حیات میں انتقال کیا اور اپنے پیچھے تین صاحبزادے (۱) مولوی مصباح الحسن (۲) حکیم علین الحسن[1] (۳) بابو اعجاز الحسن چھوڑے۔

مولانا رؤف الحسن کے دوسرے صاحبزادے مولانا احتشام الحسن ہیں جو مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی کے مجاز اور علمی و تصنیفی دنیا میں مشہور و معروف بزرگ ہیں۔[2]

(۳) تیسرے صاحبزادے مولانا قمر الحسن تھے جنھوں نے ابتدائی فارسی اور عربی تعلیم کے بعد طب پڑھی اور مطب کیا اور ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت "اللہ اور رسولؐ دونوں برحق" کے الفاظ زبان پر تھے، اپنے پیچھے دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔

(۴) چوتھے صاحبزادے مولانا اظہار الحسن اور (۵) پانچویں صاحبزادے مولانا افتخار الحسن ہیں، ماشاء اللہ دونوں کے دونوں صاحبِ علم و صلاح ہیں۔

مولانا نور الحسن کے دوسرے صاحبزادے مولانا ظہور الحسن عرف محمد ابراہیم تھے۔ علومِ متداولہ کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی اور فنِ طب حکیم احسن اللہ خاں ساکن دہلی سے حاصل کیا اور اس فن میں اتنی مہارت حاصل کرلی کہ مرجعِ خلائق بن گئے، اس کے علاوہ قصبہ کی امارت اور دینی قیادت حاصل تھی۔ جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتے اہلِ قصبہ "امام جی" کے لقب سے یاد کرتے تھے، عابد و زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے۔ ۱۳۲۰ھ میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ حج و زیارت سے مشرف ہوئے، دو صاحبزادے ہوئے (۱) مولوی عزیز الحسن (۲) مولوی حکیم رضی الحسن۔ اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

---

[1] ۔۔۔ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے قریب جگہ پائی۔

[2] حالاتِ مشائخ کاندھلہ آپ ہی کی تصنیف کردہ ہے جس سے خاندانِ کاندھلہ کے حالات حاصل کرنے میں زیادہ تر استفادہ کیا گیا ہے۔

مولوی عزیز الحسن نے خاندانی روایات کے مطابق سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا، اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کرکے علی گڑھ کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی، اور عرصۂ دراز تک وکالت کی، اس کے بعد خانہ نشین ہوگئے اور درسِ قرآن کا مشغلہ رکھا، ذہن رسا پایا تھا اور دینی معلومات اچھی خاصی رکھتے تھے۔ نہایت یکسو، تنہائی پسند، ذاکر شاغل تھے۔ دو حج کئے، دوسرا حج حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہمراہ کیا۔ کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، صرف صاحبزادیاں ہوئیں۔

مولوی حکیم رضی الحسن نے قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد علومِ متداولہ کی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ پھر فلسفہ وحکمت کی تعلیم مولانا عبدالحق خیرآبادی سے اور دورۂ حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھا۔ علمِ طب کی تعلیم حکیم عبدالمجید خاں دہلوی سے حاصل کی۔ ابتداء میں نواب لوہارو کے طبیبِ خاص رہے، اس کے بعد کاندھلہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جائداد کا انتظام سنبھالا اور علاج معالجہ کا مشغلہ رکھا، علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے حامل تھے۔ اس وقت کے سارے اکابر وعلمائے دین کی نگاہوں میں وقعت رکھتے تھے۔ یکم شوّال ۱۳۵۰ھ کو عین عید کے دن انتقال کیا۔ اپنے پیچھے ایک صاحبزادے مولوی حافظ اکرام الحسن اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔

مولوی اکرام الحسن صاحب جو مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے بھی ہیں، نے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی، اے ایل، ایل، بی کیا۔ کچھ عرصہ کیرانہ میں نیک نامی اور کامیابی کے ساتھ وکالت کی، پھر یہ مشغلہ ترک کردیا۔ حضرت شیخ الحدیث کی رفاقت اور مدرسۂ مظاہر العلوم کی خدمت کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنالیا۔ ۱۹۵۶ء میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور دوسرے اعزہ اور اہلِ خاندان کی معیّت میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ طبیعت نہایت موزوں پائی ہے، اردو اور فارسی کلام کا نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ اساتذۂ ایران وہندوستان

کے منتخب اشعار یاد رکھنے میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی، صورت و سیرت دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ وہ انگریزی خواں بھی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو ان سے بہت تعلقِ خاطر اور خصوصیت تھی۔ مولاناؒ کے مرضِ وفات میں ان کو طویل صحبت اور خصوصی خدمت کا موقع ملا۔

مولوی اکرام الحسن صاحب کے نامور فرزند مولانا انعام الحسن صاحب ہیں جو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے مجاز اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بعد تبلیغی تحریک کے قائد اور امیر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور عامۃ المسلمین کو فائدہ پہنچائے۔

مولانا نور الحسن کے تیسرے صاحبزادے مولانا فیض الحسن عرف محمد اکبر تھے جو ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کیا، والد ماجد سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور منطق و فلسفہ مولانا فضلِ حق خیرآبادی سے پڑھا۔ عربی ادب اور منطق و فلسفہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ سر سید احمد خاں نے جب علی گڑھ کالج کھولا تو ابتداء سے آخر تک آپ اس کالج کے پروفیسر اور ناظمِ دینیات رہے، طلبہ کی تربیت اولاد کی طرح کرتے اور تربیت کا بڑا اہتمام کرتے۔ دین داری، خدا ترسی، غربا پروری، علم نوازی میں مشہور تھے۔ ۵ شوال ۱۳۱۳ھ کو پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ تاریخِ رحلت "در چشم زدن روح رواں گرد" ہے

دیوانِ حماسہ اور مقاماتِ حریری پر حواشی لکھے اور بعض مستقل رسائل تصنیف فرمائے، اپنی یادگار میں دو صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے (۱) مولوی بدر الحسن (۲) مولوی علاء الحسن چھوڑے۔

مولوی بدر الحسن ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حفظ کیا اور عربی کی تعلیم

اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی اور انگریزی تعلیم علی گڑھ کالج میں حاصل کی، آخر تک کالج سے وابستگی رکھی اور اس کے ٹرسٹی رہے۔ تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی اور سب جج کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ عربی علوم میں اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ خصوصاً عربی ادب میں مہارت حاصل تھی، قرآن مجید سے بڑا عشق تھا، عدالت ہو یا گھر، ہر جگہ قرآن شریف کا ورد رکھتے تھے۔

بڑے علم دوست، علماء نواز، عبادت گزار، شب زندہ دار تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد علی گڑھ میں قیام رہا اور وہیں ۱۳۴۰ھ میں انتقال کیا۔ صرف ایک صاحبزادی یادگار چھوڑی جو مولوی نجم الحسن کو منسوب ہوئیں۔

مولوی علاء الحسن ۱۲۸۸ھ کو پیدا ہوئے۔ خاندانی بزرگوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ نہایت منکسر المزاج لیکن اس کے ساتھ خوددار اور غرباء پرور، بےنفس اور متقی تھے۔ آمدنی کا بیشتر حصہ بیواؤں یتیموں، ناداروں پر صرف کرتے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے۔ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ کو کاندھلہ میں انتقال کیا۔ اپنی یادگار میں صرف ایک فرزند مولوی ظہیر الحسن چھوڑے۔

مولوی ظہیر الحسن نے علی گڑھ سے ایم، اے کیا۔ باوجود اپنی ممتاز علمی و ذہنی صلاحیت، خاندانی اثرات اور مواقع کے کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا۔ ساری عمر مطالعہ، خدمتِ خلق، نفع رسانی میں گزاری۔ کتب بینی اور اوراد و اشغال کا خاص ذوق تھا، مختلف زبانوں اور ہر علم و فن کی نئی کتابوں کے مطالعہ کا شوق رہتا تھا، مولانا محمدؐ صاحبؒ کے نواسے اور اُن کے برادرِ صغیر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ہم ظلف بھی تھے، اور مولاناؒ کو ان سے خصوصیت و محبت تھی۔

بیعت کا تعلق بھی مولانا ہی سے تھا۔ ۱۹۴۷ء، ۱۳۶۶ھ کے ہنگامہ میں شہید

ہو گئے۔ اپنی یادگار میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے حافظ محمد فرید الحسن چھوڑے۔

مولانا نور الحسنؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا ریاض الحسن عرف محمد سلیمان تھے، ۱۲۵۷ھ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کیا، علوم متداولہ اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کئے۔ بڑے خدا ترس صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے۔ باوجود کبر سنی کے تہجد میں تین پارے روز پڑھتے تھے، صبح تک علمی مشغلہ رکھتے۔ قصیدہ بردہ پر عربی میں حاشیہ تحریر کیا ہے، کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی والد کا نام نامی مولانا محمود بخش تھا، جو مفتی الٰہی بخش کے بھائی اور مولانا شیخ الاسلامؒ کے صاحبزادے تھے۔ حُسنِ اخلاق، حلم و متانت، زہد و تقویٰ، خدمت گزاری، ریاضت اور مجاہدہ میں بلند پایہ تھے معقول منقول خصوصاً تفسیر وحدیث میں بڑی دسترس حاصل تھی، تمام زندگی یادِ الٰہی میں گزار دی، دُنیا اور اربابِ دُنیا سے نفرت تھی، درس و تدریس محبوب مشغلہ تھا۔ ۱۴ ار رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ میں انتقال ہوا۔

مولانا مظفر حسین انہیں کے لائق اور نامور فرزند تھے، ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے فاضل چچا مفتی الٰہی بخش سے حاصل کی۔ علوم کی تکمیل نہ کر سکے تھے کہ مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا تو بقیہ ظاہری و باطنی تعلیم شاہ محمد اسحٰق دہلوی نواسۂ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی سے حاصل کی، حضرت شاہ محمد یعقوب سے بیعت ہوئے اور انہیں کے مجاز ہوئے۔ زہد و تقویٰ اور سادگی دُنیا اور اربابِ دُنیا سے نفرت اپنے والد سے ورثہ میں پائی، آپ کا خاص جوہر احتیاط اور زہد و تقویٰ تھا یہ بات مشہور اور مسلّم تھی کہ آپ کے معدہ نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی، تواضع اور استقامت، نماز

کے واقعات ابھی تک زبان زدِ خاص وعام ہیں۔ رمضان المبارک میں تمام شب عبادت میں گزار دیتے اور ایک لمحہ نہ سوتے تھے، یادِ آخرت سے ہر وقت آنسو بہتے رہتے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے تھے "شاہ محمد اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے، اوّل درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحب، دوسرے درجہ کے شاہ عبد الغنی صاحب، تیسرے درجہ کے نواب قطب الدّین خاں صاحب[۱]"۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی فرماتے تھے کہ مولانا مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لیجا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے جا رہا تھا، بوجھ کسی قدر زیادہ تھا، اس وجہ سے اسے مشکل سے لے کر چلتا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اُس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا، اجی تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کاندھلہ میں رہتا ہوں، اُس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں۔ اور ان کی بڑی تعریف کی۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا اور تو اس میں کوئی بات نہیں، البتہ نماز ضرور پڑھ لیتا ہے، اُس نے کہا، واہ میاں! تم اس بزرگ کو ایسا کہتے ہو، مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ اس پر وہ بوڑھا مولانا کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولانا مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا۔ اُس نے اُس بوڑھے سے کہا بھلے مانس، مولوی مظفر حسین صاحب یہی تو ہیں۔ اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔ مولانا بھی اُس کے ساتھ رونے لگے۔ اس پر حضرت تھانوی نے یہ شعر پڑھا۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست　　　به تسبیح و سجّادہ و دلق نیست[۲]

اس واقعہ کے علاوہ مولانا کے زہد و تقویٰ، احتیاط و سادگی کے سیکڑوں واقعات

---

[۱] ارواحِ ثلاثہ۔
[۲] ارواحِ ثلاثہ۔

ہیں جن کے احاطہ کے لئے دفتر درکار ہے[1]

مولانا کی صحبت اتنی پُر تاثیر تھی کہ جو بھی مولانا کا مُرید ہو گیا یا صحبت میں بیٹھا اُس کی پھر کبھی تہجّد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ آپ نے چھ حج پیدل کیئے۔ آخری حج کے لئے ۱۲۸۱ھ میں روانہ ہوئے۔ روانہ ہونے سے پہلے خاندان کی مستورات کو جمع کیا اور نصیحتیں کیں۔ مکہ مکرمہ پہنچتے پہنچتے بیمار ہوئے۔ پھر صحت ہو گئی اور مدینۂ منوّرہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ منوّرہ کے قریب پھر علیل ہوئے اور ۱۰ ارمحرم ۱۲۸۲ھ کو انتقال فرمایا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے تعلّق اور ان کی تحریکِ جہاد سے وابستگی

کاندھلہ کا یہ نیک اور بزرگ خاندان علمی ورُوحانی تعلّق حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور اُن کے فاضل شاگردوں اور اہلِ خاندان سے رکھتا تھا۔ لیکن حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد جبکہ اُن کے جواں سال خلیفہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی دعوتؒ اصلاح کا آفتاب نصف النّہار پر تھا ہندوستان کے علماء ومشائخؒ عمومی طور پر حضرت شہیدؒ کے دامن سے وابستہ ہوتے جارہے تھے، حسنِ اتفاق سے خود مفتی الٰہی بخش اور اُن کے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے شاگردوں میں تھے۔ اور مولانا مظفر حسین کاندھلوی، شاہ محمّد یعقوب شاہ محمّد اسحٰق کے شاگردوں میں تھے۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مجاز تھے۔ ایک تو اس تعلّق کی بنا پر، دوسرے خود حضرت سیّد احمد شہیدؒ ہندوستان کے ایک بڑے بزرگ صاحبِ طریقۂ شیخ اور تحریکِ جہاد کے علمبردار تھے۔ حضرت شہیدؒ نے اس تحریک کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور کاندھلہ بھی تشریف لے گئے۔ مفتی الٰہی بخش نے

---

[1] مولانا مظفر حسین صاحب کے تفصیلی حالات ارواحِ ثلاثہ، حالات مشائخ کاندھلہ اور تذکرۃ الخلیل میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے ملاقات کی اور باوجود اپنی کبرسنی اور علم وفضل کے امام ہونے کے حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ یہ واقعہ ۱۲۳۵ھ کا ہے۔ وابستگی کے بعد بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ساری زندگی استفادہ کرتے رہے اور عشق و محبت میں سرشار رہے۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے پہلی ملاقات کی داستانِ جذب و شوق خود مفتی صاحبؒ کی زبان سے سُنئے:۔

"ناگاہ از مددِ غیبی بہ اعانت سعادتِ ازلی، صیت کمالات و قوّتِ تکمیل و طنطنۂ ارشادات، وسرعتِ تاثیر جزیل و جمیل سید احمد حسنی مقتضی آثار و قدم بر قدم محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم جان بخش گوش و ہوش، و دل نواز سامعہ حقیقت نیوش گردید، و نشۂ اشتیاق درک صحبتِ سرآمد اولیائے آفاق چنداں دوبالا گشت کہ طائرۂ صبر از آشیانۂ دل پرید، و از بیقراری جامۂ آرام برتن درید۔"[1]

اس کے ساتھ ہی ساتھ سیّد احمد شہیدؒ کی مدح و توصیف میں بے شمار اشعار کہے اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے طریقۂ اذکار میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام "ملہماتِ احمدیہ" ہے۔ جس کو "صراطِ مستقیم" کا خلاصہ کہنا صحیح ہوگا۔

مفتی الٰہی بخش کے صاحبزادہ مولانا ابوالحسن کاندھلویؒ حضرت سیّد احمد شہیدؒ

---

[1] ترجمہ:۔ "مددِ غیبی اور سعادتِ ازلی کی دستگیری سے سیّد احمد حسنی (جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے سچے پیرو اور آپؐ کے اتباع میں کامل و راسخ القدم ہیں) کمالات و قوتِ تکمیل کا شہرہ اور ان کے ارشادات وسرعتِ تاثیر کا غلغلہ اچانک کان میں پڑا اور جاں بخش و دل نواز ہوا۔ اس سرآمد اولیاء روزگار کی زیارت و صحبت کے شرف حاصل کرنے کا شوق اتنا غالب ہوا کہ دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور سکون و آرام رخصت ہوگیا۔"

کے عاشق و محب تھے۔ اُنہوں نے بھی حضرت سیّد صاحبؒ کے حج سے واپسی پر ایک قصیدہ کہا جو پُورا کا پُورا عشق و محبت اور تعلّق کے جذبات سے بھرا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی توصیف فرمائی ہے۔ ان اشعار کے علاوہ بقیہ اشعار میں قافلہ کے ارکان کے خصوصاً مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحی کے اوصاف تحریر ہیں ؎

اشعار

کیا کروں قافلہ سالار کا میں اس کے بیاں
جس کے اوصاف ہیں تحریر وبیاں سے باہر

عادل و عالم و عابد شہِ والا ہمّت
اشجع و افصح سخی و نیک نظر

عاقل و فاضل و راحم، زکی عالی طبع
زاہد و متقی و صابر و زیبا منظر

ترک و تجرید و توکل میں فرید دوراں
حلم اور خُلق و دیانت میں وحید اکبر

معدنِ لطف و حیا، مجمع جود و ہمّت
مخزنِ عفّت و الفت شرفِ نوعِ بشر

بحرِ جود و کرم و گلشنِ عرفانِ نبیؐ
مشعلِ راہِ طریقت بہ حقیقت رہبر

صدق میں ثانیٔ اثنین کے مانند قوی
جدّ اور جہد میں اسلام کے ثانیٔ عمرؓ

شرم میں حضرتِ عثمانؓ سا یہ جوں بحرِ حیاء
اور صفِ جنگ میں ہم طرزِ علیؓ صفدر

سیّدِ صفدر و عالی نسب و زینتِ دیں
زیبِ اسلام و امامِ حق و عاجز پرور

سیّد احمد و عالی حسب و فخرِ زماں
رہبرِ راہِ شریعت و خلفِ پیغمبرؐ[1]

ان اشعار کے علاوہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی شہادت و مفارقت پر ایک رقت انگیز حزنیہ نظم کہی تھی جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کو حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے کتنا گہرا تعلّق تھا۔ یہ نظم اُن کی مشہور مثنوی "بحرِ حقیقت" میں درج ہے۔

---

[1] پُورا قصیدہ جناب غلام رسُول مہر کی کتاب سیّد احمد شہیدؒ جلد اوّل ص ۲۴۲ پر درج ہے۔ ۱۲

دوسرے صاحبزادہ مولانا ابوالقاسم بھی حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے بیعت تھے اور تعلق خاطر رکھتے تھے۔ ان کی حضرت سیّد صاحبؒ سے ملاقات اور ضیافت کا حال، مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سیّد احمد شہیدؒ" اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "سیرتِ سیّد احمد شہیدؒ" جلد اوّل میں دوآبہ کے دورہ کے واقعات میں درج ہے۔

مفتی صاحب کے دو نواسے مولانا محمّد مصطفٰی جھنجھانوی اور مولانا محمّد صابر جھنجھانوی نے جو مفتی صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ حضرت سیّد صاحبؒ سے صرف محبت ہی کا تعلق نہیں رکھا بلکہ اُن کے ہمراہ جہاد کرنے بھی تشریف لے گئے۔ مولانا مصطفٰی نے تو شہادت حاصل کرلی، اور مولانا محمّد صابر واپس تشریف لائے اور ساری زندگی اسی جدوجہد میں گزاردی۔ مولانا حیرت لکھتے ہیں:-

"ہمہ عمر در سربراہی وامداد و اعانتِ قافلۂ میر سیّد احمد مرحوم گزرانید"[1]

اسی کا اثر تھا کہ کاندھلہ اور جھنجھانہ کا یہ پورا خاندان حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور اُن کی تحریک کا گرویدہ تھا۔ گھروں میں اندر یا باہر، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت سب کی زبانوں پر اسی تحریک کا چرچا، اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا تذکرہ تھا۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمّد الیاس کاندھلویؒ کی سوانح میں لکھتے ہیں:-

"گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصّوں اور چرچوں سے گرم تھیں۔ ان بزرگوں کے واقعات مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے مائیں اور گھر کی بیبیاں بچّوں کو طوطے اور مینا کے قصّوں کے بجائے یہی روح پرور واقعات سُناتیں۔ اور یہ کچھ بہت پرانی باتیں نہ تھیں مولانا

---

[1] ترجمہ:- "ساری عمر حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے قافلہ کی سربراہی اور اعانت و ہمراہی میں گزاردی۔"

مظفر حسین کی آنکھوں دیکھی باتیں اور اُن کی صاحبزادی کے کانوں سُنی باتیں اور حکایات تھیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور پھر بعد میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کی تحریکِ جہاد سے تعلق نے اس خاندان کو دو آتشہ بنا دیا، اور علم و عمل جہاد و قربانی کی ایسی رُوح پھونک دی کہ جس نے آگے چل کر اس خاندان کو ایک بڑی ہمہ گیر اور عظیم تحریک کا علم بردار بنا دیا، جس کی گُونج اس وقت سارے عالم میں سُنائی دے رہی ہے۔"

خاندان کی بیبیاں اس خاندان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہوئی کہ مرد تو علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے ہی، اس گھرانے کی عورتیں تک علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ مدتِ مدید سے کاندھلہ کا یہ خاندان دین داری کا مرکز رہا ہے گھر میں بیبیاں عام طور پر نوافل میں اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتی تھیں، اور اپنے عزیزوں کے پیچھے سُنتی تھیں۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کی عجب بہار رہتی تھی۔ گھروں میں جا بجا قرآن مجید ہوتے اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا۔ (۱)

عورتوں کو اتنا علم اور ذوق تھا کہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مزالیتیں اور نماز کے بعد اپنے اپنے مقامات کا ذکر کرتی تھیں، نماز میں ایسی محویت اور استغراق تھا کہ بسا اوقات بعض بیبیوں کو گھر میں پردہ کرانے اور کسی حادثہ وغیرہ میں لوگوں کو آنے جانے کا احساس نہ ہوتا، قرآن مجید مع ترجمہ اردو تفسیر، مظاہر حق، مشارق الانوار، حصن حصین، یہ عورتوں کا فقیہانہ نصاب تھا، جس کا خاندان میں رواج عام تھا۔ (۲)

ان بیبیوں میں سب سے ممتاز اور رابعہ سیرت بی بی حضرت مولانا مظفر حسین کی صاحبزادی بی امۃ الرحمٰن عرف اُمّی بی تھیں، وہ ہمہ وقت ذکر و تسبیح میں مشغول رہتیں

(۱) روایت حضرت شیخ الحدیث (۲) مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت صفحہ ۴۲۔

ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ نماز شروع کرتیں تو دنیا کی کسی چیز کا خیال نہ آتا۔ حضرت مولانا محمد الیاس ؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ کی نماز کی جھلک میں نے اُمّی بی کی نماز میں دیکھی [1]۔ کھانا کبھی طلب نہیں فرماتی تھیں، کسی نے لاکر رکھ دیا تو کھا لیا ورنہ بھوکی بیٹھی رہتیں۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ ایسے ضعف کی حالت میں کیسے بے کھائے رہتی ہیں؟ فرمایا الحمدللہ مَیں تسبیحات سے غذا حاصل کرلیتی ہوں، اسی طریقہ سے اُن کی صاحبزادی محترمہ بی صفیہ بڑی جیّد حافظ تھیں۔ قرآن ایسا اچھا یاد تھا کہ معمولی حافظ اُن کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ رمضان مبارک میں روزانہ پورا قرآن مجید اور دس پارے مزید پڑھ لیا کرتی تھیں۔ رواں اتنا تھا کہ گھر کے کام کاج اور خانہ داری میں فرق نہ آتا۔

مولانا ابوالقاسم اور اُن کی اولاد مفتی الٰہی بخش صاحب کے دوسرے صاحبزادہ مولانا ابوالقاسم تھے، جنھوں نے تمام علوم وفنون کی تکمیل اپنے والدِ بزرگوار سے کی، سرکاری عہدہ پر فائز تھے کہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے دوآبہ کا دورہ فرمایا۔ وہیں ملاقات سے مشرف ہوئے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ۱۲۵۷ھ میں انتقال کیا اور اپنی یادگار میں چار صاحبزادے (۱) مولوی محمد اسحٰق (۲) مولوی محمد یعقوب (۳) مولوی احمد علی (۴) مولوی عبدالحق چھوڑے۔ مولوی محمد یعقوب اور مولوی احمد علی کے کوئی اولاد نہ تھی۔

مولوی عبدالحق کے ایک صاحبزادہ نمبردار نصیر الحق تھے۔ اوائل عمر میں آزاد منش تھے آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت وارادت کا تعلق پیدا کرلیا اور مجاہدہ وریاضت سے درجۂ کمال حاصل کیا اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

مولوی محمد اسحٰق کے دو فرزند (۱) مولوی محمد اسماعیل (۲) مولوی محمد احسن ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل متقی وپرہیزگار اور صاحبِ علم تھے۔ ہمیشہ لکھنے پڑھنے کا مشغلہ رکھا، شفاء

---

[1] مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت ص۴۲

قاضی عیاض کا اردو ترجمہ کیا۔ ان کے ایک صاحبزادے مولانا محمد ادریس کاندھلوی ہیں جو نہایت متبحّر عالم اور جیّد محدث ہیں۔ ان کی مشکوٰۃ کی شرح التعلیق الصبیح دمشق میں چھپکر اہلِ علم و درس کے حلقہ میں مقبول ہے۔ پہلے دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر تھے، اب جامعہ اشرفیہ لاہور (پاکستان) میں شیخ الحدیث ہیں۔

مولوی محمد احسنؔ کے ایک صاحبزادے حاجی محمد محسنؔ تھے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری سے بیعت تھے۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بعد حضرت مولانا حسینؔ احمد مدنی رح سے متعلّق ہو گئے تھے۔ دو صاحبزادے (۱) مولوی حسنؔ (۲) مولوی محمدؔ یادگار چھوڑے۔

الغرض اس خاندان کا ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت، دینی حیثیت سے بلند مقام رکھتا ہے۔

ایں سلسلۂ طلائے ناب است

ایں خانہ تمام آفتاب است

مولانا محمدؔ ساجد جھنجھانوی اب تک کے حالات خاندان کی اُس شاخ کے تھے جو کاندھلہ میں قیام پذیر رہی۔ اب اُس شاخ کا ذکر کیا جاتا ہے جو بعد تک جھنجھانہ میں رہی۔ مولانا حکیم محمد شریفؔ کی اولاد میں دوسری شاخ مولانا محمدؔ فیض سے چلی، جن کے نامور فرزند مولانا حکیم محمد ساجد جھنجھانوی تھے۔ جو ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبِ فضل و کمال اور متبحّر عالم اور حاذق طبیب تھے۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے ان کے متعدد فتاوے نقل کئے ہیں۔ شاہجہاں بادشاہ نے جو دو ہزار بیگھہ معافی کا فرمان ان کے جدِ امجد مولانا حکیم محمد اشرف کی خدمت میں پیش کیا تھا اور جس کو موصوف نے قبول نہیں کیا تھا وہ پھر حکیم مولانا محمد ساجد کی خدمت میں پیش کیا گیا جو آپ نے قبول فرمالیا۔ اس طرح آپ دینی و علمی کمال کے ساتھ ساتھ دُنیوی عزّت و وجاہت کے مقام پر بھی فائز تھے۔ آپنے ایک

کتاب بھی تصنیف کی جس کا نام "عجائب الغرائب" تھا۔ شعر و سخن سے بھی ذوق رکھتے تھے، آپ کے ایک فرزند تھے جن کا نام حکیم غلام محی الدین تھا اور ان کے بھی ایک فرزند حکیم کریم بخش نامی تھے۔ حکیم کریم بخش کے دو فرزند ہوئے۔ (۱) شیخ غلام حسن (۲) شیخ غلام حسین۔

مولانا محمد صابر اور مولانا محمد مصطفےٰ شہید اور اُن کی اولاد

شیخ غلام حسن کی شادی حضرت مفتی الٰہی بخش کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے دو فرزند تولّد ہوئے۔ (۱) مولانا حافظ محمد صابر (۲) مولانا حافظ محمد مصطفےٰ شہید۔

مولانا محمد صابر درویش صفت، صوفی منش، عابد و زاہد بزرگ تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ معرکۂ جہاد میں شرکت کی اور واپسی کے بعد ساری زندگی سید صاحب کے قافلہ کی امداد و اعانت میں گزار دی۔ ایک فرزند چھوڑا جن کا نام حافظ محمد عبد اللہ تھا، جو زہد و تقویٰ میں اپنے والد کے قدم بہ قدم تھے۔ دل میں جہاد کا شوق رہتا، آخر میں بینائی جاتی رہی۔ ہر وقت ان کی زبان پر یہ فقرہ رہتا:-

"کوئی بندوق دے دو جہاد کو جاتا ہوں۔"

آپ نے دو فرزند چھوڑے (۱) حافظ محمد یوسف (۲) حافظ محمد یونس۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کو خیر و صلاح کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ صاحب "مشائخ کاندھلہ" نے ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:-

"ان دونوں بزرگواروں کا ابتدائی زمانہ تو بہ سلسلۂ ملازمت باہر گزرا، لیکن اپنے اخیر دور میں کاندھلہ کی زینت اور نمونۂ سلف تھے، نورانی شکلیں ایمانی باتیں، اسلامی اطوار و عادتیں، وضع داری، احباب نوازی، ملنساری ہر ایک کی ہمدردی اور خیر خواہی اور غمگساری، ان دونوں بھائیوں کی نمایاں خصوصیات تھیں اور دونوں دیندار، متقی پرہیزگار تہجد گزار بزرگ تھے۔" [1]

[1] حالات مشائخ کاندھلہ

حافظ محمد یوسف کی پہلی اہلیہ سے ۳ صاحبزادیاں ہوئیں جن میں دو کی یکے بعد دیگرے مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سے شادی ہوئی جن میں دوسری اہلیہ سے مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی ہیں۔ حافظ محمد یوسف صاحب کی دوسری اہلیہ سے ایک فرزند حکیم محمد ابوبکر اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔

حافظ محمد یونس کے پانچ فرزند ہوئے (۱) حافظ محمد عمر (۲) حافظ محمد عثمان[1] (۳) بابو محمد شعیب (۴) مولوی حافظ محمد داؤد (۵) مولوی حکیم محمد یامین۔ مولوی حکیم محمد یامین نے مستقل مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی اور باقی اصحاب اخوان پاکستانی بن گئے[2]۔

مولانا حافظ محمد مصطفےٰ شہیدؒ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے نواسے اور ان کے شاگردِ رشید تھے۔ کاندھلہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، مفتی الٰہی بخش کی توجہ اور شفقت کی بنا پر علم و فضل کا وافر حصہ ملا تھا، بایں فضل و ہنر فنونِ سپہ گری کا ذوق و شوق پایا تھا۔ شجاعت و دلیری میں اپنے ہمعصروں میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ ایک طرف جہاد کا شوق تھا تو دوسری طرف عبادت و ریاضت کا ذوق تھا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق قائم کیا اور پھر اسی کاروانِ جہاد کے ہمراہ ہو گئے۔ ۱۲۴۶ھ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ کے ہمراہ معرکۂ جہاد میں جامِ شہادت نوش کیا۔

ایک فرزند یادگار چھوڑے جن کا نام حافظ عباد اللہ تھا۔ حافظ عباد اللہ لاولد فوت ہوئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل حکیم کریم بخش کے دوسرے صاحبزادے شیخ غلام حسین کے دو صاحبزادے ہوئے (۱) مولانا محمد اسمٰعیل (۲) مولوی محمد اسحٰق۔ مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانہ میں پیدا ہوئے جو آپ کا آبائی وطن تھا۔ قرآن کریم حفظ کر کے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔

---

[1] حافظ محمد عثمان صاحب پہلے علی گڑھ میں ریاضی کے اُستاد رہے۔ پھر اسلامیہ کالج پشاور میں شعبۂ ریاضی کے صدر ہوئے۔ [2] حالات مشائخ کاندھلہ۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اپنی رضاء، طاعت و بندگی، عبادت و ریاضت کا وہ حصّہ عطاء فرمایا تھا جو اپنے مقبول بندوں کو عطاء فرماتا ہے۔ حضرت مولانا کے علوِ مرتبت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

ایک بار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے طریقِ سلوک کے حصول کی درخواست کی تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا :-

" آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے، جو اس طریق اور ان ذکر و اذکار کا مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے کے بعد یوں کہے کہ قاعدہ بغدادی میں نے نہیں پڑھا، اس کو بھی پڑھ لوں[1]"

مولانا محمد اسمٰعیل ہمہ وقت ذکرِ خدا، خدمتِ خلق میں مشغول رہتے، کوئی ایسا وقت نہ گزرتا جس میں آپ مسنون دعاؤں کا اہتمام نہ فرماتے ہوں۔

صاحبِ ارواحِ ثلٰثہ لکھتے ہیں :-

" مولانا ہر وقت ذاکر و باخدا رہتے تھے۔ مختلف اوقات و حالات کے حدیث میں جو اذکار و اوراد آئے ہیں اُن کی پابندی کرتے تھے۔ اور آپ کو اس طرح مرتبۂ 'احسان' حاصل تھا۔"

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد (مولانا محمد اسمٰعیل صاحب) کے متعلق فرماتے ہیں :-

" ذکر و عبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید اور دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا۔ خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے اُدھر سے آ نکلتے اُن کا بوجھ اُتار کر رکھ دیتے

---

[1] مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت۔

اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچکر ان کو پانی پلاتے، پھر دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی، میں اس قابل نہ تھا۔ عام اجتماع و ہجوم کے زمانہ میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضاءِ الٰہی اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلقِ خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔" [1]

ذکر و عبادت کے ساتھ ساتھ قرآن شریف کی تلاوت کا انتہائی ذوق اور شغف تھا، پرانی تمنا تھی کہ بکریاں چراتا رہوں اور قرآن پڑھتا رہوں۔

مولانا کی صحبت کیمیا اثر تھی، جو بھی مولانا سے مرید ہوا یا آپ کی صحبت میں بیٹھا اُس میں اصلاح و تقویٰ کے آثار پیدا ہو گئے۔ صاحبِ حالاتِ مشائخ کاندھلہ مولانا کی صحبت کی تاثیر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"آپ کے جتنے ملنے والوں اور واقف کاروں سے ملاقات کا اتفاق ہوا اُن سب کو اختلافِ عقیدہ کے باوجود دین دار پایا۔ آپ کے متعلق حیرت لکھتے ہیں:۔

نورِ عرفاں از جبینش آشکار — عاشق و صادق جنابِ کردگار
سینۂ او مخزنِ عشقِ خدا — روئے پاکش مطلع شمس الضحٰے
دیدنش حُبِّ خدا یاد آورد — صحبتش سوئے خدا دل را کشد

جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی مولانا محمد اسمٰعیل رحؒ کی پہلی بیوی سے مولانا محمد صاحبؒ تولد ہوئے۔ پھر ان اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ ۱۲۸۵ھ میں ایک بارات میں کاندھلہ تشریف لے گئے۔ کاندھلہ پہلے ہی سے خاندان کی ایک شاخ

[1] حالاتِ مشائخ کاندھلہ۔

کا مسکن و وطن تھا، کاندھلہ میں آپ کا ایک بڑا پُراثر وعظ ہوا۔ اُس وقت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی صاحبزادی اُمّی بی زندہ تھیں، اُنہوں نے اس وعظ کو سُنا اور بہت متأثر ہوئیں۔ اپنے سارے اعزہ کو جمع کیا اور فرمایا دین وعلم اس خاندان سے برابر کم ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو خدانخواستہ بالکل خاتمہ ہو جائے۔ مجھے مولوی اسمٰعیل دین دار اور ذی علم معلوم ہوتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی بڑی لڑکی کی شادی اُن سے کر دوں تاکہ ان روابط اور تعلقات کے ذریعہ خاندان میں دین اور علم کی بنیادیں مستحکم ہوں۔

مگر چونکہ اس وقت مولانا کی عمر زیادہ تھی اور ان صاحبزادی کی عمر بہت کم تھی اس لئے ہر ایک کو تأمل تھا، مگر آپ نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور زور دیکر حضرت مولانا کا نکاحؒ اپنی صاحبزادی سے کرا کے رخصت بھی کر دیا جو دوسرے کی بارات میں آئے تھے وہ اپنی دلہن کو ساتھ لے گئے، اس طور پر اس خاندان کا پھر رُخ پلٹا اور دین داری نمایاں اور غالب نظر آنے لگی، اور مولانا محمد اسمٰعیل بھی اس خاندان کے ساتھ ایسے مربوط اور وابستہ ہو گئے کہ جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی بن گئے اور کاندھلہ کی مستقل سکونت اختیار فرما کر ایک چھوٹا سا رہائشی مکان بھی تعمیر کرا لیا۔ پھر یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے جزو لاینفک بن گئے۔

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی جو خود اس علمی و دینی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی صاحبزادی حضرت اُمّی بی (جنھوں نے اپنی صاحبزادی بی صفیہ کی شادی مولانا محمد اسمٰعیل سے کی تھی) کے پوتے ہیں، اس مبارک رشتہ کے فائدہ کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

> "درحقیقت یہ حضرت دادی صاحبہ اُمّی بی کی انتہائی دوراندیشی اور اعلیٰ کارنامہ تھا جس کے باعث مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے خاندان کا رُخ پلٹنے نہ پایا

ؔ یہ مولانا کا نکاح ثانی تھا جو ۱۳؍ رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۳۰؍ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو ہوا۔

اور جس قدر پلٹ گیا تھا وہ بھی راہِ راست پر آگیا اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور اُن کے نامور فرزندوں نے اس خاندان کی خبرگیری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جو سرپرستی اور رہنمائی اب تک جاری ہے۔"[1]

مثالی استغناء آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ شاہ جہاں بادشاہ نے مولانا کے جدِامجد حکیم محمد اشرف کو جو دو ہزار بیگھہ زمین کی معافی عطا کی تھی اور انہوں نے اس معافی کو قبول نہ کر کے دُنیا بیزاری اور استغناء کی جو مثال قائم کی تھی اور بعد میں مولانا محمد ساجدؒ کو جو مولانا اسمٰعیل کے حقیقی پردادا تھے، وہ معافی عطا کی گئی، اور انہوں نے بعض دینی مصالح کی بناء پر اسے قبول کر لیا تھا، وہ معافی گویا مولانا کے گھر کی تھی اور ذاتی جائداد تھی، اگر مولانا چاہتے تو اس جائداد سے فائدہ اُٹھاتے اور پریشانی کا جو دَور آنے والا تھا اُس میں وہ کام میں لاتے۔ لیکن مولانا کے اندر استغناء سادگی اور دُنیا بیزاری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مولانا نے ترکِ وطن کیا کہ اپنے پرانے وطن کو بھول گئے، اور اتنی بڑی جائداد کو جو ایک پورے خاندان کے لئے کافی تھی، بالکل نظر انداز کر دیا اور ساری زندگی استغناء، توکل اور صبر و عزیمت سے گزار دی اور کاندھلہ میں ایسا بس گئے کہ جھنجھانہ کا رُخ تک نہ کیا۔

بنگلہ والی مسجد میں مولانا محمد اسمٰعیل نے عربی علوم کی تکمیل کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور سب سے پہلے ۱۸۵۵ء میں بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے بچوں کو پڑھانے پر مامور ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مرزا کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ مولانا کی بزرگی اور درویشی کے پیشِ نظر اور اس شہرہ سے کہ آپ بڑے مستجاب الدعوات ہیں، مرزا نے آپ کی دُعائیں لیں، اور خدا نے پریشانیوں سے نجات دی تو اپنی پہلی پنشن لاکر آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اُس میں سے کچھ روپے قبول

---

[1] حالاتِ مشائخِ کاندھلہ ص ۲۱۲

فرمائے جو آخر تک آپ کا مشاہرہ رہا۔

مرزا الٰہی بخش نے دہلی چھوڑ کر بستی حضرت نظام الدین میں مستقل سکونت اختیار کی اور ۶۴ کھمبے کے اندر احاطہ میں اور باہر اپنے رہائشی مکانات تعمیر کرلئے، اور ۶۴ کھمبے کے دروازہ پر مولانا محمد اسمٰعیل کا سکونتی مکان تعمیر کرادیا۔ ۶۴ کھمبے کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی اور اسی مناسبت سے یہ بنگلہ والی مسجد کہلاتی تھی۔ اب مرزا الٰہی بخش آپ کے شاگرد تھے، اور بڑھاپے میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھا جو زندگی میں ختم بھی کرلیا۔ مرزا آپ کے نیازمند اور پورے عقیدت مند تھے۔ علاوہ اس مشاہرہ کے حضرت مولانا اور ان کے متعلقین اور خدام و وابستگان کا کھانا مرزا ہی کے یہاں سے خصوصی اہتمام کے ساتھ آتا تھا۔

میوات اور میواتیوں سے تعلق ایک روز نماز کا وقت تھا، مولانا محمد اسمٰعیل نمازی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلے، کچھ میواتی میوات سے آرہے تھے اور تلاش روزگار کی خاطر دہلی جارہے تھے۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اُنہوں نے کہا مزدوری کے لئے۔ فرمایا کیا مزدوری ملے گی؟ انہوں نے بتلایا۔ آپ نے فرمایا اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے تو پھر جانے کی کیا ضرورت؟ ان میواتیوں نے اس کو منظور کرلیا۔ آپ ان کو مسجد میں لے آئے اور نماز سکھلانے اور قرآن پڑھلانے لگے۔ یومیہ مزدوری

لہ میوات دہلی کے جنوب میں وہ علاقہ ہے جس میں قدیم زمانہ سے میو قوم آباد ہے، جو انگریز مورخین کے خیال میں ہندوستان کی قدیم غیر آرین نسل سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ نسلاً راجپوت ہیں۔ آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو راجپوت مسلمان ہونیکے بعد میواتی کہلائے، لیکن یہ کہیں پتہ نہیں چلتا کہ یہ قوم کب اور کس کے ہاتھ پر اور کیسے مسلمان ہوئی؟

مسلمانوں کی طویل اور مسلسل غفلت اور اس قوم کی بے توجہی اور جہالت سے اس کی دینی حالت بُری طرح بگڑ گئی تھی اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ باوجود مسلمان ہونے کے اسلام سے دُور کا واسطہ

{بقیہ اگلے صفحہ پر}

ان کو دیدیتے اور ان کو پڑھنے سیکھنے میں مشغول رکھتے، کچھ دنوں کے بعد نماز کی عادت پڑگئی اور ان مزدوروں نے مزدوری لینا خود چھوڑ دیا۔ یہ بنگلہ والی مسجد کی بنیاد تھی اور یہ پہلے طالب علم تھے۔ اس کے بعد دس بارہ میواتی طالب علم برابر مدرسہ میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش مرحوم کے یہاں سے آتا۔

مولانا محمد اسمٰعیل ان میواتیوں کو قرآن شریف اور ضروری مسائل کی تعلیم دیکر میوات واپس کردیتے تاکہ وہ میوات جاکر دینی خدمت انجام دیں۔ اس طور پر میواتیوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی اور میواتیوں کو مولانا محمد اسمٰعیل سے عقیدت اور بڑا تعلق پیدا ہوگیا۔

انتقال مولانا بیمار ہوئے تو دہلی میں بہرام کے ترا ہے کی کھجور والی مسجد میں منتقل ہوگئے۔ اور وہیں ۴ شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۸۹۸ء کو انتقال فرمایا، انّ العاقبة للمتقین، اور غفر لہٗ دونوں تاریخہائے وفات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد اسمٰعیل کو عام مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی۔ ساری جماعتیں اور افراد مولانا کی عظمت، تقویٰ و طہارت زہد و ورع پر متفق تھے۔ خود مولانا کی طبیعت اتنی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو بھی کسی قسم کی شکایت نہ تھی، بے ہمہ اور باہمہ بزرگ تھے۔ دہلی میں اس وقت مختلف الخیال جماعتیں اور مختلف العقیدہ علماء تھے اور وہ سب ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے، کوئی

نہ رہ گیا تھا، ناموں تک میں تبدیلی آگئی تھی اور ناموں کے آخر میں سنگھ لگنے لگا تھا، وہ دوسری قوموں کے تہواروں کو اسی طرح مناتے تھے جس طرح عید، محرم وغیرہ کے تہوار، بعض علاقوں میں مدرسوں کی وجہ سے مذہبی فرائض کی پابندی ہوتی اور تھوڑے بہت لوگ کلمہ سے بھی آشنا تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے، لیکن یہ ۳۰ لاکھ کی مسلمان آبادی کا علاقہ دینی اور اخلاقی زبوں حالی میں مبتلا تھا اور قریب تھا کہ یہ مسلمان قوم بحیثیت مسلمان ہونے کے ناپید ہوجائے۔ اپنی روزی حاصل کرنے کیلئے اس قوم کے افراد دہلی اور قرب جوار کے شہروں میں آتے جاتے تھے۔

ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا لیکن مولانا ہی کی ایسی ذات تھی کہ ہر کسی کو یکساں اعتماد اور بلا اختلاف عقیدت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا کے جنازہ میں اتنا زیادہ ہجوم تھا کہ ماضی قریب میں اس کی کم ہی مثال ملتی ہے۔ دہلی شہر کے ایک آباد حصے تراہے کی کھجور والی مسجد میں انتقال ہوا اور تدفین بستی نظام الدین میں بنگلے والی مسجد کے گوشہ میں ہوئی۔ مقامِ انتقال سے مقامِ تدفین تقریباً ساڑھے تین میل دُور ہے۔ اس طویل المسافت راستہ میں برابر ہجوم بڑھتا رہا، آسانی پیدا کرنے کیلئے جنازہ میں دونوں طرف بلّیاں باندھ دی گئیں تاکہ ایک ہی وقت میں زیادہ سے زیادہ آدمی کاندھا دے سکیں، لیکن مجمع تھا کہ ٹوٹا پڑتا تھا۔ حتّٰی کہ نظام الدین تک بہتوں کو باوجود کوشش کے کاندھا دینے کی نوبت نہ آسکی اور وہ تھک تھک کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس ہجوم میں ہر مکتبِ خیال کے عوام و خواص، علماء اور مشائخ شامل تھے جب جنازہ نظام الدین پہنچا تو نماز پڑھانے کا سوال آیا، اس میں اختلاف کا اندیشہ پیدا ہو گیا، مولانا کے منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی فرماتے تھے کہ:۔

"میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بڑے نرم مزاج اور متواضع بزرگ تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی بزرگ کی تواضع فرمائیں، اور نماز پڑھانے کے لئے اُن کو اشارہ کر دیں اور دوسری جماعت کے لوگ اور اُن کے پیشوا اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اس طرح اس موقع پر ایک نامناسب صورت پیش آئے، اس لئے میں خود آگے بڑھ گیا اور میں نے کہا کہ میں خود نماز پڑھاؤں گا۔ سب نے اطمینان کے ساتھ میرے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اختلاف و انتشار نہیں پیدا ہوا"[1]

کثرتِ ہجوم کی بناء پر لوگوں نے بار بار نماز پڑھی جس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر

---

[1] مولانا الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت ص ۳۹

ہوگئی۔ اس عرصہ میں ایک صاحب اور اک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل کاندھلوی فرماتے ہیں:۔

"مجھے جلدی رخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں۔"[1]

مولانا محمد صاحبؒ | مولانا محمد اسمٰعیلؒ کی پہلی اہلیہ محترمہ سے ایک فرزند مولانا محمد صاحبؒ پیدا ہوئے، جو فرشتہ صفت انسان تھے۔ حلم و تواضع، رحمت و شفقت اور خشیت و انابت کی مجسم تصویر اور "عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا" کا ایک نمونہ، کم گو، بے آزار، عزلت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے۔ متوکلانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بنگلے والی مسجد نظام الدین میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام تھا، ایک مدرسہ تھا جو اُن کے والدِ محترم کا قائم کیا ہوا تھا۔ جس میں زیادہ تر میواتی بچے پڑھتے تھے، دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت و عقیدت رکھتے تھے۔ اور دونوں جگہ آپ سے فیض تھا، آپ کے ملنے والوں اور تعلق رکھنے والوں میں دین داری کا ایک خصوصی رنگ تھا، اور عمومی خیر خواہی اور ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پایا جاتا تھا۔ اس کے باعث وہ دوسروں سے نمایاں نظر آتے تھے۔ آپ کا ایک بڑا کارنامہ حاجی[2] عبدالرحمٰن میواتی اور مولانا عبدالسبحان ہیں۔[3]

---

[1] مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت ص ۳۹

[2] حاجی عبدالرحمٰن اٹاور (میوات) کے ایک غیر مسلم بنیا گھر میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مولانا محمد صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ نظام الدین کے مدرسہ میں (جس کا ذکر اُوپر کی سطور میں آچکا ہے) مولانا محمد صاحبؒ سے قرآن مجید اور دین کی تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے بیعت ہوئے۔ مولانا محمد صاحبؒ کے زمانہ میں اُن کے خاص معتمد اور دست راست تھے۔ ان کے بعد مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے تمام دینی کاموں میں اُن کے قدیم

{بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے}

مولانا کا شمار ان بزرگوں میں تھا جن کی صورت دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ وعظ بھی اکثر فرماتے مگر بیٹھ کر اور اس سادگی سے بیان کرتے کہ جیسے کوئی بات کر رہا ہو، مگر دل میں اترنے والے الفاظ ہوتے۔ زیادہ تر اخلاق و زہد کی حدیثیں سناتے اور مطلب بیان کرتے۔ بڑے ذاکر و شاغل تھے۔ حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھی تھی۔ انتقال سے قبل ۱۶ سال تک اُن کی تہجد فوت نہیں ہوئی۔ آخر وقت تک باجماعت نماز پڑھی۔

آخر میں بیمار ہو کر قصاب پورہ نواب والی مسجد دہلی میں بغرضِ علاج منتقل ہو گئے اور شبِ جمعہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ عشاء کی نماز کے بعد نمازِ وتر کے سجدہ میں انتقال فرمایا۔ جنازہ میں بڑا ہی ہجوم تھا، جنازہ کو نظام الدین لے جا کر والد بزرگوار کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
دیکھنے کو جن کے اب تو آنکھیں ترستیاں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ترین رفیق و معاون تھے۔ مولانا ان کے متعلق نہایت بلند کلمات فرماتے تھے اور اپنی تحریک کا روحِ رواں سمجھتے تھے۔ آپ میوات کے حکیم و عارف تھے، اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی دولتیں نصیب فرمائی تھیں۔ آپ کا اصلی ذوق غیر مسلموں میں تبلیغ تھا جس میں آپ کو ملکۂ خاص تھا، ہزار سے اوپر آدمی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ سنگار میں نومسلموں کا ایک مدرسہ قائم کیا جس سے اولاد کی طرح تعلق تھا۔ میوات کے رسوم کی اصلاح آپ کا کارنامہ ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ (مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت صفحہ ۵۹-۶۰)

؎۳ مولانا عبد السبحان صاحبؒ علمائے میوات کے استاد و مربی تھے اور مولانا محمد صاحبؒ کے معتمد علیہ شاگرد و تربیت یافتہ۔ آپ کے درس اور آپ کے قائم کئے ہوئے مدرسہ واقع قرول باغ دہلی سے بکثرت میواتی طلباء عالم اور فارغ التحصیل ہو کر نکلے میوات میں علم کی اشاعت میں آپ کا بڑا دخل تھا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ | آپ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ کے منجھلے صاحبزادہ تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلوی کی نواسی تھیں، بڑی پاکیزہ صفت، عابدہ اور زاہدہ اور ذکر و شغل کرنے والی خاتون تھیں۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ بروز پنجشنبہ غرۂ محرم ۱۲۸۸؁ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "بلند اختر" تھا۔ آپ فطرتاً ذہین وذکی اور طبعاً لطیف المزاج پیدا ہوئے تھے۔

سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا اور اس کے بعد والد صاحب کا ارشاد تھا کہ "ایک قرآن روز پڑھ لیا کرو باقی سارے دن چھٹی"۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں صبح کی نماز پڑھ کے امّی بی کے مکان کی چھت پر قرآن شروع کرتا اور جب تک ختم نہ کر لیتا روٹی نہ کھاتا ___ پھر ایسا نہ ہوتا کہ قرآن شریف کے ختم پر وہ آرام کرتے ہوں بلکہ علم کا ذوق اُن کو مزید کتابوں کے مطالعہ پر آمادہ کرتا اور اسی تازگی اور نشاط سے کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ وہ خود فرماتے تھے:۔

"میں عموماً ظہر سے قبل پورا قرآن مجید ختم کر لیا کرتا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا"۔[1]

آپ کے والد مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ چونکہ بڑے شب زندہ دار بزرگ تھے اور نماز تہجد کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اس لئے آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ کو آخر شب میں سویرے ہی سے اُٹھا دیا کرتے تھے کہ شروع ہی سے اس کی عادت پڑے۔ مولانا محمد صاحبؒ تو اُٹھ کر طویل نفلیں پڑھا کرتے تھے۔ مگر مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے کہ طبیعت اس پر مجبور تھی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ خود فرماتے تھے کہ والد صاحبؒ کو وضوء کے اوراد کا

---

[1] حالات مشائخ کاندھلہ۔

خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں، مگر مجھے علم کی دُھن تھی اس لئے میں وضوء کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کے لغات یاد کیا کرتا۔ والد صاحب میری رٹائی کو سُنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے "خوب وضوء کی دُعائیں پڑھی جا رہی ہیں شرم کی بات ہے[1]"۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی یہ علمی زندگی مدارس کے طلباء بلکہ علماء تک کے لئے قابلِ صد رشک ہے۔ ضرورت ہے کہ علماء اور طلباء مولانا کے ان حالات کو پڑھیں اور ان کو نمونہ بنائیں، اور دیکھیں کہ مولانا نے کتابوں کا کس طرح مطالعہ کیا ہے اور اپنے اوقات کو کیسے مشغول گذارا ہے۔

ادب کے متعلق مولانا خود فرماتے تھے:۔

"تمام ادب میں استاد سے میں نے صرف مقاماتِ حریری کے نَو مقالے پڑھے ہیں، اور وہ بھی اس طرح کہ اُستاد نے کہلایا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستہ میں پڑھ لیا کرو، اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا اور اکثر جگہ استاد فرما دیا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھ کو معلوم نہیں، خود دیکھ لینا[2]"۔

آپ کی علمی استعداد اور علومِ نقلیہ کے ساتھ فنونِ عقلیہ کی مہارتِ تامّہ اس نوعمری ہی میں مسلّم و مشہور ہونے کے ساتھ علماءِ عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی کہ بڑوں بڑوں کو مولانا سے علمی مکالمہ میں فخر تھا۔ عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نظم و نثر دونوں بے تکلّف لکھ لیتے تھے"۔

شوّال ۱۳۱۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حدیث پڑھنے تشریف لے گئے۔ چونکہ بڑے بھائی مولانا محمدؐ صاحب نے حدیث شریف

---

[1] و [2] تذکرۃ الخلیل۔

حضرت گنگوہیؒ سے پڑھی تھی اور مولانا محمدؒ یحییٰ صاحب کو حضرت گنگوہیؒ سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی اِس لئے اُنہیں کی خدمت میں حدیث شریف پڑھنے گئے لیکن اس زمانہ میں حضرت گنگوہیؒ کو نزول مار کی شکایت ہو چلی تھی اس لئے حدیث کا درس بند ہوچکا تھا لیکن مولانا محمد یحییٰ صاحب نے وہیں کا قیام اختیار کرلیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی درخواست پر دَورۂ حدیث پھر شروع ہوگیا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الخلیل میں لکھتے ہیں :۔

"مولانا گنگوہیؒ نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خاص سفارش اور مولانا یحییٰ صاحبؒ کی خاطر سے عرصہ کے بعد درسِ حدیث جاری کیا، یہ مولانا کا آخری درس تھا جس کی رَونق اور رُوحِ رواں مولوی یحییٰ صاحب ہی تھے جب تک باہر رہتے درس رُکا رہتا، مولانا کا ایسا اعتماد اور دل میں جگہ حاصل تھی کہ پیشکار ہوگئے، تھوڑی دیر کیلئے کہیں جاتے تو مولانا بے چین ہوکر فرماتے، مولوی یحییٰ نابینا کی لاٹھی ہیں"[1]

مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اثناءِ درس میں اس کا بھی اہتمام کیا تھا کہ حضرت مولانا گنگوہی کی تقریروں کو جو سبق میں سُنتے، خارج وقت میں ضبط کر کے نقل فرمالیتے اور لکھ لیا کرتے جو ہر کتابِ حدیث کی ایک مستقل تعلیق اور نادر الوجود شرح بن گئی تھی۔[2]

پورے بارہؒ سال حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں گزارے اور اس پوری مدت میں حضرت گنگوہیؒ کی محبت و شفقت کی آغوش میں پلے اور اس وقت گنگوہ سے رخصت ہوئے جبکہ حضرت گنگوہیؒ وصال فرماگئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری چونکہ آپ کی ذکاوت اور ذہانت اُس وقت جانچ چکے تھے جبکہ آپ دہلی میں طالب علم تھے اس لئے آپ مدت سے متمنی تھے کہ کسی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب مدرسہ مظاہر العلوم

---

[1] و [2] تذکرۃ الخلیل۔

میں درسِ حدیث کے لئے آجائیں۔ مولانا کو چند روز کے لئے بلایا اور تیسرے سال مستقل قیام پر زور دیا۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ میں مولانا مدرسہ مظاہر العلوم میں درسِ حدیث کے لئے مستقل تشریف لائے۔ اور اس وقت سے لے کر ساڑھے پانچ سال کامل مدرسہ میں برابر درسِ حدیث دیتے رہے اور کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔

معاش کے لئے ایک تجارتی کتب خانہ قائم کر رکھا تھا جس کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ "عجیب باغ و بہار طبیعت لے کر آئے تھے بکّاء باللّیل، بسّام بالنّہار رات کو بہت رونے والے، دن کو بہت مسکرانے والے آپ کی صفت تھی، ادھر گریہ طاری ہے، اُدھر دوستوں کو اپنے نکتوں اور بذلہ سنجیوں سے ہنسا رہے ہیں۔ دیدۂ گریاں رُوئے خنداں اور زبان گل افشاں کا پورا مجموعہ تھے، دل کے سوز و گداز اور راتوں کے راز و نیاز کی خبر بہت کم لوگوں کو تھی۔ معمولی آدمیوں کی طرح رہتے۔"

قرآن شریف سے بڑا شغف تھا، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الخلیل میں لکھتے ہیں:-

"ایک مرتبہ میری درخواست پر آپ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے میرٹھ تشریف لائے تو دیکھا دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے تھے اور افطار کا وقت ہوتا تو اُن کی زبان پر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہوتی تھی۔ ریل سے اُترے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا، ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی اس لئے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلے پر آ گئے اور تین گھنٹے میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ کہیں لکنت تھی نہ متشابہ۔ گویا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور باطمینان پڑھ رہے ہیں۔ تیسرے دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے کہ دَور کی ضرورت تھی نہ سامع کی حاجت۔"

مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی "حالاتِ مشائخ کاندھلہ" میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں اپنی والدہ صاحبہ اور نانی صاحبہ کو قرآن شریف سنانے کیلئے کاندھلہ تشریف لاتے اور ہمیشہ تین شب میں پورا قرآن شریف سنا کر واپس تشریف لے جاتے، جس سال ذی قعدہ میں آپ کا وصال ہوا اُس میں ایک ہی شب میں پورا قرآن مجید سنایا اور اگلے ہی دن واپس تشریف لے گئے"۔

قرآن کریم کے شغف اور درسِ حدیث کے علاوہ خدمتِ خلق، حسنِ سلوک وظیفۂ زندگی تھا۔ بیواؤں اور یتیموں، نادار طلباء کے ساتھ عمر بھر حسنِ سلوک فرماتے رہے، اور پوشیدہ طریقہ سے یہ کام کرتے کہ کسی دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغناء کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں پانچ روپے کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈلوایا۔ مگر مصارفِ خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار روپے کے مقروض تھے اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کس مد میں خرچ ہوا۔[1]

۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کی صبح یا چاشت کے وقت ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور چند ہی گھنٹہ میں انتقال فرما گئے اور سہارن پور کے مشہور قبرستان حاجی شاہ میں جہاں مولانا محمد مظہر صاحبؒ بانی مدرسہ مظاہر العلوم اور مدرسہ مظاہر العلوم کے اور دوسرے اکابر بھی آرام فرما ہیں، مدفون ہوئے۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم

ولادت وطفولیت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی شادی مولوی یوسف صاحبؒ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث ۱۳۱۵ھ میں رمضان کی گیارہویں شب میں ۱۱ بجے رات کو اپنے آبائی مکان واقع کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کی نوید ملی تو خاندانی مسجد میں خاندان کے شرفاء و بزرگ اور اہلِ محلّہ تراویح سے فارغ ہو رہے تھے، اس لئے بجائے اپنے اپنے گھر جانے کے پہلے اس مکان پر آئے جہاں اس مبارک بچّہ کی ولادت ہوئی تھی۔ بچّہ کی ولادت پر مبارکباد پیش کی، پھر اپنے اپنے گھر واپس گئے۔

بچّہ کے دادا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نظام الدّین میں تھے، پوتے کی پیدائش کی خبر سُنی تو برجستہ زبان سے نکلا کہ "ہمارا بدل آگیا" اور اِسی رمضان میں دنیا سے رحلت فرمائی۔

ساتویں روز آپ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلہ تشریف لائے، گھر پہنچکر بچّہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس زمانہ میں قدیم خاندانوں میں بڑی حیاء اور حجاب تھا۔ باپ بزرگوں کے سامنے بچّوں کو لینے اور اُن سے اظہارِ تعلق کرنے میں بڑا حجاب محسوس کرتے تھے، اور اس کا دستور نہیں تھا کہ اس طرح بچّہ کو دیکھنے کیلئے بُلایا جائے۔ وہاں گھر میں عقیقہ کے لئے کچھ نہ کچھ اہتمام ہونا ضروری تھا۔ خاص طور پر رشتہ کی ایک نانی نے جن کا نام بی بی مریم تھا بچّہ کے عقیقہ کے لئے بڑا منصوبہ بنا رکھا

تھا، اور اُن کو اپنے دل کے ارمان نکالنے کی بڑی خوشی تھی، مولانا یحییٰ صاحبؒ کے اچانک پہنچنے اور بچّہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے سے بیبیوں کو ایک گونہ حیرت اور ایک گونہ مسرت ہوئی۔ اور بعض نے یہ کہکر اپنی حیرت دور کی کہ آخر باپ ہیں، اگر دیکھنے کو جی چاہا تو کیا بے جا ہے!۔

مولانا، حجّام اپنے ساتھ لائے تھے، بچّہ آیا تو حجّام کو اشارہ کیا، اُس نے بال تراش لئے، مولانا نے بال والدہ کے پاس بھجوا دئے اور فرمایا کہ بال میں نے بنوا دئے، بکرے آپ ذبح کرا دیجئے اور بال کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دیجئے۔

بچّہ کے دو نام رکھے گئے، محمّد موسیٰ، محمّد زکریا۔ اسی دوسرے نام نے شہرتِ عام پائی اور اسی سے مشہور و مقبولِ عوام و خواص ہوئے۔

اُس وقت مولانا محمّد یحییٰ صاحب کا قیام حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کی خدمت میں مستقل طور پر گنگوہ رہا کرتا تھا، ضرورتاً کاندھلہ اور دہلی آتے جاتے۔

شیخ الحدیث کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے۔ مولانا محمّد یحییٰ صاحبؒ کے ساتھ حضرتؒ کا جو سرپرستانہ، مربیانہ بلکہ پدرانہ تعلق تھا[1] اُس کی بناء پر اس خوش نصیب اور اقبال مند بچّہ کو (جس کے لئے مستقبل میں حضرتؒ کے کمالاتِ باطنی کا حامل و امین اور آپ کے علومِ ظاہری کا ناشر اور شارح بننا مقدر تھا) آپ کی خصوصی شفقتوں، محبت کی نگاہوں اور مقبول دعاؤں کا جو حصہ ملا ہو وہ ہر طرح قرینِ قیاس ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:-

"میں ابھی ڈھائی سال ہی کا تھا، حضرتؒ گولر کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوتے تھے، مَیں حضرت کے پَیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا، فرماتے تھے کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا، راستہ میں

---

[1] اس کی تفصیل مولانا محمّد یحییٰ صاحبؒ کے حالات میں گزر چکی ہے۔

کھڑا ہو جاتا، جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قرارت سے اور بلند آواز کے ساتھ کہتا "السلام علیکم"، حضرتؒ بھی ازراہِ محبت و شفقت اُسی لہجہ اور آواز میں جواب مرحمت فرماتے۔"

اس وقت گنگوہ صلحا، وعلماء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ حضرت کی تربیتِ باطنی اور شہرۂ آفاق درسِ حدیث نے طالبینِ صادقین اور علمائے کاملین کو دور دور سے کھینچ کھینچ کر اس قصبہ میں جمع کر رکھا تھا۔ اور وہاں ایک ایسی رُوحانی و علمی فضاء در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی جس کی نظیر اس مبارک عصر میں دُور دُور ملنی مشکل تھی۔[1]

شیخ کے بالکل بچپن کا وہ زمانہ جو غیر شعوری طریقہ پر اچھے اور بُرے اثرات کے جذب کرنے اور ابتدائی نقوش کے مرتسم ہونے کا زمانہ ہے، اسی مبارک ماحول میں گزرا۔ وہ بارہ سال کی عمر تک گنگوہ رہے، اس عمر میں ان کا زیادہ تر وقت گنگوہ ہی میں گزرا۔ جب کبھی کسی تقریب میں شرکت کی غرض سے یا کسی ضرورت کے ماتحت والدہ صاحبہ کا عارضی طور پر کاندھلہ جانا ہوتا تو وہ بھی جاتے، پھر گنگوہ واپسی ہو جاتی۔

خود ان کا وطن کاندھلہ ایک بڑا دینی و علمی مرکز تھا جس میں گھر کے اندر و باہر عبادت کا ذوق، نوافل و تلاوت کا اہتمام، اہل اللہ و مردانِ خدا سے وابستگی و شیفتگی، درس و مطالعہ کا انہماک، تہذیب و متانت اور وضع داری و سنجیدگی کی فضاء، بلند ہمتی و جفاکشی ہوا و فضا میں رچی بسی ہوئی تھی، اور اس سے اس ہونہار بچّہ کے حسّاس اور بیدار دل و دماغ کا متأثر ہونا بالکل قدرتی تھا، گنگوہ سے کاندھلہ جاتے ہوئے، اکثر کیرانہ اور تھانہ بھون جہاں سے خاندان کے دیرینہ تعلّقات تھے اور مولانا محمدؒ یحییٰ صاحب کے بعض بے تکلف و مخلص احباب، ہم درس اور ہم عمر موجود تھے کئی کئی روز قیام رہتا۔ کبھی کبھی بڈولی کے راستہ سے جہاں خاندان کی قرابتیں بھی تھیں اور بعض

[1] گنگوہ کے اس دَور کا کسی قدر تفصیلی نقشہ "تذکرۃ الرشید" اور حضرت مولانا محمدؒ الیاسؒ کی سوانح میں ملاحظہ ہو۔

عزیز قریب اور ہم مذاق لوگ موجود تھے، جانا ہوتا، یہاں بھی کئی کئی دن تک بڑی یادگار صحبتیں رہتیں۔ یارانِ بزم اور شرکائے محفل سب بڑے مخلص، باوقار، باوضع و باکمال لوگ تھے، جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن میں کامل تھا۔ کبھی کبھی ان درمیانی منزلوں میں چار چار، پانچ پانچ دن لگ جاتے، شیخ بڑی دلچسپی اور لطف کے ساتھ گنگوہ، کاندھلہ اور راستہ کے مقامات، اور منزلوں کے واقعات سناتے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظہ کے ساتھ ان کی قوتِ مشاہدہ کتنی تیز ہے، اور ان مشاہدات اور گزشتہ صحبتوں نے ان کی سیرت اور ذوق کی تشکیل میں کتنا حصّہ لیا ہے[1]۔

شیخ آٹھ سال کے تھے کہ ۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کو حضرت گنگوہیؒ نے وفات پائی اور وہ آفتابِ رُشد وارشاد غروب ہوا جس نے گنگوہ کی سرزمین کو مطلع انوار بنا دیا تھا اور جس کے دَم سے اس چھوٹے سے قصبے کو یہ مرکزیت و مقبولیت حاصل تھی، حضرت کی وفات پر یہ علماء و صلحاء جو بڑی تعداد میں جمع تھے، متفرق ہو گئے، لیکن مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے جنھوں نے حضرت کو اپنے والدین پر، اور گنگوہ کو اپنے وطن پر ترجیح دی تھی، وہیں پڑے رہنے کا فیصلہ کیا اور بدستور وہیں مقیم رہے۔

---

[1] اس زمانہ کے بزرگ، بچوں کی اخلاقی تربیت اور اُن کے خاص طرح کے ذہنی نشو و نما کیلئے بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جن پر آجکل کے ماہرینِ نفسیات اور ماہرینِ تعلیم (جو بچہ کی ہر طرح کی خواہشات کی تکمیل اور اس کو مکمل آزادی دینے کی تبلیغ و تلقین کرتے رہتے ہیں) چیں بجبیں ہوں گے، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کو خاص طور پر اس کا اہتمام تھا۔ شیخ نے سُنایا کہ ایک مرتبہ والد صاحبؒ نے کاندھلہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا، میں خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا تھا، وہاں جانے کے لئے دن گننے لگا، اور عید کے چاند کی طرح اس کا انتظار کرنے لگا چند دن کے بعد والد صاحبؒ نے یہ ارادہ ملتوی فرما دیا، مجھے اس پر تعجب بھی ہوا اور ملال بھی، ایک روز فرمایا کہ تجھے کاندھلہ جانے کی بیحد خوشی تھی اور تجھ پر اس کا شوق اتنا غالب آگیا کہ میں نے اسی وجہ سے اس کو ملتوی کر دیا کہ اس پر اتنا خوش ہونا اور اس کا اتنا شوق وارمان ٹھیک نہیں۔

تعلیم کا آغاز اس زمانہ کے اکثر قدیم گھرانوں اور شرفاء کے خاندانوں میں رواج تھا کہ ۴-۵ سال کی عمر میں بچہ مکتب بٹھا دیا جاتا، اور اس کی تسمیہ خوانی ہو جاتی۔ شیخ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کا معاملہ تو اور بھی خصوصی تھا کہ خود شیخ کی روایت کے مطابق جب دودھ چھٹا تو پاؤ پارہ حفظ تھا، اور سات برس کی عمر میں قرآن مجید کا حفظ مکمّل ہو چکا تھا لیکن شیخ کی سات برس کی عمر تک بسم اللہ بھی نہیں ہوئی، بچّہ کا نشو و نما اور اٹھان اچھا تھا، اس عمر تک تعلیم شروع نہ ہونے پر خاندان کے بزرگوں کو تعجّب تھا۔ دادی صاحبہ نے (جو خود حافظِ قرآن تھیں) ایک مرتبہ اپنے لائق فرزند سے فرمایا کہ "یحییٰ! اولاد کی محبّت میں اندھے نہیں ہوتے، تو نے سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا، یہ اتنا بڑا بیل بھر رہا ہے، آخر اس سے جوتے گٹھوائے گا یا کیا کرائے گا؟" مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "جب تک کھیلے، اس کو کھیل لینے دیجئے، جس دن یہ کولھو میں سر دیگا، قبر میں ہی دم لے گا۔"

بالآخر وہ مبارک دن آیا کہ بچّہ کی بسم اللہ ہوئی۔ گنگوہ قیام تھا، اس زمانۂ میں مظفّرنگر کے ایک نیک صالح بزرگ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مقیم تھے، جن کے ساتھ مولانا محمد یحییٰ صاحب کی بڑی نشست و برخاست رہتی تھی، ڈاکٹر صاحب کے گنگوہ کے قیام کا ایک ہی مقصد معلوم ہوتا تھا، اور وہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت تھی۔ مولانا محمّد یحییٰ صاحب نے بچّہ کو انھیں کے یہاں پڑھنے کو بٹھایا، اور شیخ نے قاعدہ بغدادی انھیں سے ختم کیا۔

قرآن مجید کا حفظ اس خاندان کا خصوصی شعار، اور تعلیم کا پہلا ضروری مرحلہ تھا۔ اسی کے مطابق حفظ کا سلسلہ شروع کرایا گیا۔ مولانا محمّد یحییٰ صاحب کا تعلیم و تربیت میں نرالا ہی دستور تھا، وہ ایک صفحہ کا سبق دیدیتے، اور فرماتے کہ اس کو سَو مرتبہ پڑھ لو، پھر دن بھر چھٹی ہے۔ فطرتِ انسانی اور تقاضائے عمر سے بڑے سے بڑا ہونہار بچہ

(خصوصاً جس میں ذہانت کا جوہر بھی ہو) مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک صفحہ سَو مرتبہ پڑھنے میں کتنا وقت لگتا ہے، میں بہت جلدی آکر کہہ دیتا کہ سَو مرتبہ پڑھ لیا۔ والد صاحبؒ اس پر کچھ زیادہ جرح قدح نہ فرماتے، اگلے دن کہتا کہ کل تو کچھ یونہی سا پڑھا تھا، آج ٹھیک ٹھیک سَو مرتبہ پڑھا ہے، فرماتے کہ آج کے سچ کی حقیقت تو کل معلوم ہوگی۔ سہارنپور آجانے اور عربی شروع ہو جانے کے بعد بھی یہ حکم تھا کہ ایک پارہ کو اتنی مرتبہ پڑھ لو۔ مغرب کے بعد ایک صاحب اُس کو سُنتے تھے، اس میں خوب غلطیاں نکلتی تھیں۔ اس پر سہارنپور کے مشہور وکیل مولوی عبداللہ جان صاحب نے جن کو اس خاندان سے بڑا گہرا تعلق تھا، مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ایک روز کہا کہ زکریا کو قرآن یاد نہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ بالکل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اسے عمر بھر کرنا ہی کیا ہے، قرآن ہی پڑھنا ہے، یاد ہو جائیگا۔

۱۳۲۸ھ تک، یعنی ۱۲-۱۳ سال کی عمر تک گنگوہ قیام رہا، اس عرصہ میں اُردو کے دینی رسائل، بہشتی زیور وغیرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں گنگوہ میں رہ کر پڑھیں جو زیادہ تر شفیق اور بزرگ چچا مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے پڑھائیں۔

سہارنپور کا قیام اور عربی تعلیم کا آغاز

عربی تعلیم کا سلسلہ سہارنپور آکر شروع ہوا، مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندگی کے اکثر شعبوں بالخصوص تعلیم کے مسئلہ میں مجتہدانہ دماغ رکھتے تھے، وہ مروّجہ نصاب اور عام طریقۂ تعلیم، اور درسی کتابوں کی متعارف ترتیب کے خلاف تھے۔ اُنہوں نے اپنی تجویز و تجربہ، ذہانت اور خداداد ملکۂ تعلیم کی مدد سے خود ایک نصاب تجویز کر رکھا تھا، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا بھی عمل اسی پر تھا کہ شیخ کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی اسی اجتہاد و انتخاب سے کام لیا گیا۔ ان کا دستور تھا کہ وہ بغیر کتاب کے زبانی قواعد لکھواتے تھے، اس کے بعد دو چار حرف بتا کر مثال، اجوف، ناقص، مضاعف چار قاعدوں پر بہت

صیغے ان کے بنواتے اور ان کو رٹاتے۔ شیخ کا بیان ہے کہ صرفِ میر، پنج گنج ۱۰-۱۲ دن میں سُنادی تھی۔ البتہ فصول اکبری میں بہت وقت لگا تھا۔ اسی طرح صرف، نحو کی درسی متداول کتابیں، خاص طرز اور ترمیم و اضافہ کے ساتھ پڑھیں، کافیہ کے ساتھ مجموعہ اربعین اور نفحۃ الیمن کی جگہ (جس سے مولانا بہت ناراض تھے)[1] پارۂ عم کا ترجمہ پڑھا۔ نفحۃ الیمن کے صرف بابِ ثالث کے قصائد پڑھے، اس کے بعد قصیدہ بردہ، بانت سعاد، قصیدۂ ہمزیہ مقامات سے پہلے پہلے پڑھ لئے۔

حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب تقریباً ہر سال کتبِ حدیث کے باقی ماندہ حصہ کی تکمیل کرانے کیلئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی دعوت پر مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لیکن ۱۳۲۸ھ میں مولانا کے اصرار اور تقاضہ پر گنگوہ کا قیام ترک کر کے سہارنپور کا مستقل قیام اختیار فرمالیا، اور مدرسہ کے اساتذہ اور مدرسین میں شامل ہو گئے۔ یہ تعلق اعزازی تھا، اس طرح شیخ کی تعلیم کا سلسلہ سہارن پور میں شروع ہو گیا، آپ نے بقیہ درسیات کی تکمیل کی۔ کتبِ منطق مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم (جن کو معقولات سے خصوصی مناسبت تھی) سے پڑھیں۔ بقیہ معقولات کی تعلیم مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی، استاد مظاہر العلوم سے پائی، جو معقولات کے بڑے جید الاستعداد استاد تھے۔

درسیات کی تکمیل شیخ نے نصاب کی منتہیانہ کتابیں خود مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ختم کیں، مولانا کی تدریس کا خاص اصول اور طریقہ تھا۔ ان کے یہاں استاد کے خود تقریر کرنے کا اور سارے مطالب کو خود حل کر کے دیدینے کا دستور نہ تھا، جیسا کہ اس وقت بڑے بڑے عربی مدرسوں میں رواج پڑ گیا ہے کہ استاد شرح و بسط کے ساتھ تقریر

---

[1] فرماتے تھے کہ ایک فاسد العقیدہ آدمی نے ایک انگریز کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی، معلوم نہیں ہمارے بزرگوں نے اس کو اس قدر اعزاز کیوں بخشا۔

کرتے ہیں، اور مطالب کے حل کرنے کی ساری ذمہ داری انھیں پر ہوتی ہے، طلبہ کی حیثیت صرف سامع اور شریکِ مجلس کی ہوتی ہے۔ مولانا کے یہاں طالب علم کا مطالعہ کرکے سبق کو پورے طور پر حل کرکے لانے کی پابندی تھی، وہ صرف وہیں رہنمائی اور مدد فرماتے تھے جہاں طالبِ علم کی قوتِ مطالعہ اور فہم کی رسائی نہ ہو، اور شرح و حواشی سے مدد نہ ملتی ہو، اس لئے ان کے یہاں اہمیت کتاب کے حرفاً حرفاً ختم کرنے کے بجائے کتاب[1] کے مطالب اور موضوع پر حاوی ہوجانے اور مطالعہ میں ملکہ پیدا ہوجانے کی تھی، اور جس وقت اُن کو اطمینان ہوجاتا تھا وہ کتاب کو بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک ختم کرانے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے اور دوسری کتاب شروع کرادیتے تھے۔

اس زمانہ میں مولانا ماجد[2] علی صاحب کی معقولات کے درس و تعلیم میں خاص شہرت تھی۔ انہوں نے معقولات کی اعلیٰ کتابیں خیرآبادی اساتذہ سے بڑی تحقیق اور محنت سے پڑھی تھیں، اور ان کو معقولات کی تعلیم میں بڑا توغل اور انہماک تھا۔ دور دور سے لوگ ان سے منطق و فلسفہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھنے مینڈھو ضلع علی گڑھ وغیرہ جایا کرتے تھے مولانا ماجد علی صاحب نے حدیث حضرت گنگوہیؒ سے پڑھی تھی، اس درس میں مولانا محمد یحییٰ صاحب ان کے رفیق تھے، اور دونوں میں بڑی دوستی اور بے تکلفی تھی، اس تعلق کی بنا پر، اور کچھ شیخ کی غیرمعمولی ذہانت اور علمی مناسبت دیکھکر انہوں نے مولانا محمد یحییٰ صاحب سے فرمایا کہ شیخ کو ایک سال کیلئے اُن کے حوالہ کردیا جائے، وہ ان کی معقولات کی تکمیل کرادیں گے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ بخاری شریف بھی مجھی سے پڑھنے کی خواہش کریگا

---

[1] قدیم اساتذہ کا یہی دستور تھا، اور اس وقت تک کے تجربوں اور تعلیمی نظریات کے مطابق یہی بہترین اصولِ تعلیم ہے۔

[2] مولانا ماجد علی صاحب مانیکلاں ضلع جونپور کے رہنے والے تھے معقولات کی تعلیم مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی سے پائی۔ حدیث گنگوہ جاکر پڑھی، مینڈھو، گلاؤٹھی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عرصہ تک مدرس رہے۔ علومِ عقلیہ اور کتبِ منطق کے درس و تدریس میں نامور اور مرجع طلبا رہے تھے ۱۹۳۲ء میں عین عیدالفطر کے دن وفات پائی اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔

لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور شیخ کو اپنی تعلیمی تکمیل اور حصولِ علم کیلئے سہارن پور سے کہیں باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کو تعلیم سے کہیں زیادہ تربیت کا اہتمام تھا[۱]۔ ان کے یہاں پڑھنے اور محنت کرنے سے زیادہ اس بات کی نگرانی ہوتی تھی کہ شیخ کسی لڑکے، یا اپنے کسی رفیق یا کسی نوجوان کے ساتھ بے تکلف نہ ہوں اور کسی سے ان کا خلا ملا نہ ہونے پائے۔ اس پر اُن کی بڑی کڑی نگاہ رہتی تھی کہ شیخ کسی سے ہنستے بولتے یا کسی ساتھی یا اہلِ محلّہ سے راہ ورسم تو نہیں پیدا کرتے۔ راستہ چلتے اگر وہ کسی کو خصوصیت کے ساتھ سلام کرتے یا ایک نماز سے زیادہ نمازوں میں کسی ہم عمر یا نوجوان کے برابر کھڑے ہوتے تو اس پر جواب طلب ہو جاتا اور تنبیہ کی نوبت آتی۔ اس ڈر سے شیخ بھی اس کی بڑی احتیاط رکھتے اور

---

[۱] مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی تربیت کے نرالے انداز اور ان کی ذہانت وسلامتِ فہم کے عجیب واقعات ہیں۔ یہاں پر ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ جب شیخ کی فقہ کی تعلیم شروع ہوئی تو اس کے افتتاح کے موقعہ پر مولانا نے شیخ کو بیس روپے عطا فرمائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ان کا کیا کروگے؟ شیخ نے جواب دیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اکابرِ اربعہ سہارنپوری، دیوبندی، رائے پوری، تھانوی کی خدمت میں پانچ پانچ روپے کی مٹھائی پیش کر دوں۔ بڑی مسرت کے ساتھ اس کی تصویب فرمائی۔ پھر دریافت فرمایا کہ کون سی مٹھائی؟ شیخ نے متفرق مٹھائیوں کے نام لئے۔ فرمایا لاحول ولاقوۃ، ان میں سے کون ایسا ہے جو مٹھائی کھائے گا، تمہاری خاطر میں ایک آدھ ڈلی چکھ لیں گے، باقی سب دوسروں کی نذر ہو جائے گی۔ ایسا کرو کہ پانچ روپے کی مصری (شکر) خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دو، ایک مہینہ تک تمہاری ہی مصری کی چائے نوش فرمائیں گے۔ چنانچہ تعمیل کیگئی بقیہ اکابرِ ثلاثہ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے نقد مختلف اوقات میں پیش کر دیئے گئے۔ ان سب حضرات نے بڑی مسرت سے قبول فرما کر دعائیں دیں۔

سب سے الگ تھلگ اپنے کام میں مشغول رہتے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی احتیاط اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اپنے یا مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہی کے بغیر مدرسہ سے باہر جانے یا مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی سیر و تفریح کا شوق پیدا نہ ہوا اور وہ طبیعتِ ثانیہ بن گئی۔ سہارن پور میں بڑے بڑے جشن کا موقعہ آتا اور نمائش ہوتی آپ والد صاحب کی اجازت کے باوجود اس میں شریک نہ ہوتے۔ یہ یکسوئی اور تنہائی پسندی اتنی بڑھی کہ ایک مرتبہ مدرسۂ قدیم سے چھ مہینے تک باہر جانے کی نوبت نہ آئی[1]۔

حدیث کا آغاز بالآخر وہ مبارک دن اور وہ مبارک ساعت آئی کہ اس علم کی تعلیم کا آغاز ہوا جس کے دامن سے ساری عمر وابستہ رہنے اور اسی کی خدمت کیلئے وقف ہو جانے کا فیصلہ قضاء و قدر میں ہو چکا تھا اور جس کی نسبت پیدائشی نام پر اس طرح غالب ہو کر رہنے والی تھی کہ "شیخ الحدیث" نام کا قائم مقام اور نام سے بھی زیادہ مشہور ہوا۔ اس دن حدیث کے خادموں اور اس کے ناشرین و شارحین کی صف میں ایک وقیع اضافہ ہونے والا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ اس "نووارد" کی آمد پر اس فن اور اس کے مخلص خدمت گزاروں کی روح نے کہا ہو کہ ؏

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اس سلسلہ کا آغاز بھی بڑے اہتمام کے ساتھ ہوا۔ پہلے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے غسل فرمایا، پھر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ کرائی، خطبہ پڑھا، پھر رو بہ قبلہ ہو کر دیر تک دُعا کی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ والد صاحب نے کیا کیا دُعائیں کیں، لیکن میری ایک ہی دُعا تھی۔ اور وہ یہ کہ "حدیث کا سلسلہ دیر میں شروع ہوا۔ خدا کرے کبھی

---

[1] مدرسہ قدیم میں ابتداء سے سب ضروریات کا انتظام ہے۔ مدرسہ، کتب خانہ، مسجد، غسلخانہ اور بیت الخلاء سب موجود ہیں، بیت الخلاء کیلئے کچھ ٹوٹے پھوٹے جوتے بھی پڑے رہتے ہیں، اس طرح بعض اوقات شیخ کو ہفتوں، مہینوں اپنا جوتا استعمال کرنے یا نیا جوتا خریدنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔

چھوٹے نہیں[۱]۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے شاگرد تھے، کہ استاد کو بھی اپنے اس شاگرد پر ناز تھا۔ حضرت کے عمیق مطالعہ، دقیق فہم اور خصوصی تحقیقاتِ علمیہ کے ماسوا، "کہ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے ان کو قلمبند بھی کیا، اور ان کی شرح و وضاحت بھی فرمائی[۲]۔ وہ اپنی خداداد علمی مناسبت وذکاوت، فنِ حدیث سے شغف وانہماک اور اپنی نکتہ رس طبیعت اور ذوقِ سلیم کی وجہ سے حدیث کی تدریس اور (فقہ و حدیث کی تطبیق میں) خاص مقام رکھتے تھے، اور ان کے شاگرد رشیدان کے درس کے بعد کم کسی کے درسِ حدیث کے قائل ہوتے تھے۔

دورۂ حدیث | ۱۳۳۳ھ میں دورۂ حدیث کی ابتداء ہوئی۔ یہی سال تھا جب حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہما) نے طویل قیام کے ارادہ سے حجاز کا قصد کیا۔ شیخ کا خیال تھا کہ مجھے نہ ملازمت کرنی ہے، اور نہ کوئی عجلت ہے، ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے کی کوئی پابندی نہیں۔ اس لئے اپنے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کے درس میں ابوداؤد شروع کر دی۔ ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی پر ملتوی رکھا تھا لیکن بعض اسباب کی بناء پر ترمذی، بخاری اور (ابن ماجہ کے سوا) بقیہ کتب صحاح والد صاحب ہی سے پڑھیں۔ یہ سال بڑی محنت اور انہماک کا تھا، اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کوئی روایت بھی بے وضوء نہ پڑھی جائے، مسلسل پانچ، چھ گھنٹے سبق ہوتا تھا، اس میں کبھی کبھی ہفتہ عشرہ میں سبق کے درمیان وضوء کی ضرورت پیش آتی تھی، اور اتنی دیر کے لئے اُٹھنا ہوتا تو ہمدرد و ہم مذاق رفیق کوشش

---

[۱] اس دُعا کی قبولیت کے آثار سب کے سامنے ہیں، عیاں راچہ بیاں۔

[۲] ملاحظہ ہو ترمذی کی تقریر درس و تعلیقات موسوم بہ "الکوکب الدری" اور بخاری کی تعلیقات معروف بہ "لامع الدراری"

کرتے کہ حرج نہ ہو اور سبق آگے نہ بڑھنے پائے۔

حضرت سہارنپوری سے بیعت شوال ۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب طویل قیام کے ارادہ سے حجاز کا قصد فرمارہے تھے، اور لوگ کثرت سے بیعت ہورہے تھے، شیخ فرماتے ہیں کہ بچّوں کی طرح سے دیکھا دیکھی اپنے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا۔ حضرت سے عرض کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہوجاؤں، اس وقت آجانا۔ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی جو خلافت سے سرفراز ہوچکے تھے اُنھوں نے بھی تجدید کی درخواست کر رکھی تھی۔ حضرت نے فراغت کے بعد دونوں کو قریب بُلایا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیئے، اور بیعت کے الفاظ کہلوانا شروع کئے۔ مولانا عبداللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار کر رونا شروع کیا جس کا اثر حضرت پر بھی تھا۔ حضرت کی آواز بھرّا گئی۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اُوپر بیٹھے ہوئے تھے، وہ یہ آواز سن کر مُنڈیر پر دیکھنے کے لئے آئے، دیکھا تو شیخ بھی بیعت ہورہے ہیں۔ اس پر مولانا کو تعجب اور احساس ہوا کہ بِلا علم و اطلاع کے اُنھوں نے اتنا بڑا کام کرلیا، لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے اس جراُت کی بڑی تصویب فرمائی، اور بہت دُعائیں دیں۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی وفات اور شیخ کی بلند ہمتی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۸ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی جس دن حضرت سہارنپوری بمبئی پہنچے اور جہاز سے اُترے، اُسی دن یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت کو حادثہ کی اطلاع تار سے ملی، لیکن ریشمی خطوط اور حضرت شیخ الہندؒ کے معاملہ کی تحقیق کے سلسلہ میں آپ کو نینی تال لیجایا گیا اور وہاں چند روز قیام کرنا پڑا۔

شیخ نے اس صدمہ کو اپنی نوعمری کے باوجود، اپنے اس ضبط و تحمّل اور قوتِ ایمانی سے نہ صرف برداشت کیا، جو اہلِ یقین اور اصحابِ نسبت کی شان ہے، بلکہ پورے خاندان

اور غمزدہ گھر کے لئے تسکین و تقویت کا ذریعہ بن گئے۔ مولاناؒ نے آٹھ ہزار کا قرض چھوڑا تھا۔ شیخ نے اس موقعہ پر بڑی مردانگی اور بلند ہمتی کا ثبوت دیا۔ جن کا بھی علم ہو سکا اُن کو فوراً یہ خطوط لکھدیئے کہ مرحوم قرضہ سے بَری ہیں، وہ قرضہ میرے ذمہ ہے، اِس وقت شیخ کی عمر اُنیس[19] سال کی تھی۔ عام طور پر سب قرض خواہوں کو قدرتاً یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ رقم ضائع ہو جائے گی، اس لئے بہت شدت سے مطالبے شروع ہو گئے۔ شیخ ایک سے لیکر دوسرے کو ادا کر دیتے تھے۔ یہ سال بہت شدت کا گزرا مولانا مرحوم کا قرض تو دو تین مہینے میں ختم ہو گیا اور وہ اس سے بالکل سبکدوش ہو گئے البتہ شیخ مقروض ہو گئے۔ ۱۳۴۴ھ تک اس قرضہ کا، جو مولاناؒ کے قرض کی ادائیگی میں ہو گیا تھا، ایک ہزار شیخ کے ذمہ باقی تھا، جس کی ادائیگی ۱۳۴۴ھ میں حج کے سفر کے موقعہ پر مولوی نصیر الدین صاحب کے حوالہ کر کے گئے، جو اُس وقت ناظم کتب خانہ تھے۔

طالب سے زیادہ مطلوب | ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے انتقال فرمایا تو صدمہ کی شدت اور محبت کے جذبہ سے لائق فرزند کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بس اب دوبارہ بخاری، ترمذی پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے واپسی پر حکم فرمایا کہ ترمذی و بخاری دوبارہ پڑھنی ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ طبیعت بالکل نہیں چاہتی تھی لیکن انکار کی کوئی صورت نہ تھی۔ اسی دَوران میں خواب دیکھا کہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ دیوبندی) فرماتے ہیں کہ مجھ سے بخاری پڑھ لو، سوچتا رہا کہ حضرت مالٹا میں اسیر ہیں، ان سے پڑھنے کہاں جاؤں؟ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے خواب سُنا تو فرمایا کہ اس کی تعبیر یہی ہے کہ مجھ سے دوبارہ پڑھو۔

بالآخر حضرت کے یہاں کتابیں شروع ہوئیں۔ یہ سال انتہائی انہماک کا تھا

فرماتے ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے، شب و روز میں دو، ڈھائی گھنٹہ سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا۔ ساری رات شروح حدیث کا مطالعہ کرتے اور سبق میں پورے طور پر تیار ہو کر جاتے۔ اس محنت و انہماک اور فطری سعادت اور خوش بختی نے حضرت کی نظرِ انتخاب کو متوجہ کر لیا، اور وہ تقریب پیدا ہوئی جو شیخ کامل کے قرب و اختصاص اور استاذِ فاضل کے انتخاب و اعتماد کی موجب ہوئی۔ اور اس سے شیخ کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جو ان کے مستقبل کی کامیابیوں اور اقران و اماثل میں خصوصیت و امتیاز کا راز ہے۔

بذل المجہود کی تالیف میں اعانت و شرکت درس میں شرکت کو دو مہینے گزر رہے تھے، حضرت ایک دن سبق پڑھا کر دار الطلباء سے مدرسۂ قدیم آ رہے تھے۔ شیخ حسبِ معمول ساتھ تھے، راستہ میں ایک جگہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا "ابو داؤد پر حاشیہ کچھ لکھنے کی خواہش رہی، تین مرتبہ شروع کر چکا ہوں لیکن مشاغل کے ہجوم نے چلنے نہ دیا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی حیات میں بار بار شروع کیا، یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور جو اشکال ہو، حضرت قدس سرہٗ سے حل کر لوں۔ حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد ہو گیا، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا یحییٰ صاحبؒ تو حیات ہیں، ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہیں گے۔ مگر ان کی وفات پر یہ ارادہ بالکل نکال دیا تھا، اب مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں[1] میری مدد کرو تو میں شاید لکھ لوں۔"

شیخ نے بے ساختہ جواب دیا کہ "حضرت ضرور شروع کر دیں، اور یہ میری دعاء کا اثر ہے۔" حضرت نے فرمایا "کیسی دعاء؟" شیخ نے کہا کہ "میں نے مشکوٰۃ شروع کرتے

---

[1] یعنی شیخ الحدیث اور ان کے رفیقِ قدیم مولوی حسن احمد مرحوم جو محلہ کھلے پار سہارنپور کے رہنے والے تھے اور نہایت خاموش، متین و سنجیدہ، مسکین طبع نوجوان تھے، جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ رحمہ اللہ

وقت یہ دُعاء کی تھی کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے، یہ اب مجھ سے چھوٹے نہیں۔ مگر اس کو مَیں محالات سے سمجھتا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ اگر مَیں پڑھنے کے بعد مدرّس بھی ہو گیا تو حدیث تک نہ معلوم کتنے سَال میں پہنچوں گا؟ اس لئے کہ قدیم مدرّسین جو کئی سَال سے پڑھا رہے ہیں، اُن کو حدیث ابھی تک پڑھانے کی نوبت نہ آئی۔ اب صورت سمجھ میں آگئی، حضرت کی شرح میں اس ناکارہ کا اشتغال رہیگا، اور جب تک وہ مکمّل ہو، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ حدیث کی تدریس تک پہنچا دے۔" یہ واقعہ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ کا ہے، یہی شرح بذل المجہود کی ابتداء ہے۔

حضرت نے اُسی وقت شروحِ حدیث کی ایک لمبی چوڑی فہرست بتادی اور کتبخانہ سے لینے کا حکم فرمادیا۔

تدریس پر تقرر یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو بحیثیت مدرّس مظاہر العلوم میں تقرر ہوا، ۱۵ھ تنخواہ[1] مقرر ہوئی۔ ابتداءً دوٗ سبق، اصول الشاشی، جو پہلے مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کے یہاں ہو رہی تھی، اور علم الصیغہ جو مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ کے پاس تھی، منتقل

---

[1] اُس زمانہ کے قدیم مدارس میں تنخواہوں کا معیار آج سے بہت مختلف تھا، خصوصًا ابتدائی مدرّسین کی تنخواہیں اتنی کم ہوتی تھیں جو آجکل کے لوگوں کے قیاس میں مشکل سے آئیں گی۔ چنانچہ مولانا منظور احمد صاحب کی، جو اُس وقت مدرسہ کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں، ابتدائی تنخواہ چار روپے تھی، بہت عرصہ کے بعد وہ بارہ تک پہنچے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میری (پندرہ روپے کی) تنخواہ پر سب کی اُنگلیاں اُٹھتی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ نے جو مدرسہ کے سرپرستوں میں سے تھے، بحیثیت سرپرست کے فرمایا کہ شیخ پر والد صاحب کے انتقال کے بعد جو بار ہے، اُس کے لحاظ سے یہ تنخواہ کم ہے، کم سے کم ۲۵ (پچیس) ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن شیخ سے فرمایا کہ جب اللہ توفیق دے تو یہ تنخواہ چھوڑ دینا۔ چنانچہ شیخ نے اس پر عمل کیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ہوکر آئے، اس کے علاوہ چار پانچ سبق، نحو و منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابوں کے تھے، اس وقت شیخ کی عمر بیسؔ سال تھی، اور مدارس کی روایات اور دستور کے لحاظ سے ان کو اصول الشاشی گویا قبل از وقت مل گئی تھی، لیکن بہت جلد شیخ نے اپنی محنت، ذہانت اور مطالعہ و تیاری سے اپنی غیر معمولی اہلیت اور استحقاق کا ثبوت دیا، اور طلباء اتنے مطمئن اور گرویدہ ہوئے کہ اُنھوں نے پڑھا ہوا حصّہ بھی شیخ سے دوبارہ پڑھنے کی خواہش کی۔

اگلے تعلیمی سال شوال ۳۵ھ میں پہلے سال سے اونچی اور درسی و فنّی لحاظ سے اہم کتابیں پڑھانے کو ملیں۔ تیسرے سال شوال ۳۶ھ میں مقاماتِ حریری اور سبعہ معلقہ بھی درس میں آئے۔ سبعہ معلقہ منتظمین نے بڑے شک و تذبذب کے ساتھ دیا تھا۔ اس جماعت میں وہ طلباء بھی تھے جو حدیث کے بعض اسباق میں شیخ کے ہم درس رہے تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد مدرسہ کے قابلِ احترام اور مخلص ناظم مولانا عنایت الٰہی صاحب نے ان لفظوں میں شیخ کی کامیابی کا اعتراف کیا کہ "مولوی زکریا، تم نے تو میری آنکھیں نیچی کر دیں"۔ ۱۳۳۷ھ میں ہدایہ اولین، حماسہ وغیرہ، اور رجب ۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے بھی حضرت سہارنپوری کے حکم و اصرار سے منتقل ہو کر آئے، اور اُن کے پڑھانے میں بھی شیخ سے غیر معمولی اہلیت، قوّتِ مطالعہ اور فنّی مناسبت کا اظہار ہوا، اس کے بعد آپ کو مشکوٰۃ مِل گئی ۴۴ھ تک مشکوٰۃ آپ کے زیرِ درس رہی۔

بذل المجہود کے کام کا انہماک اور حضرت سہارنپوری کی خصوصی شفقت و اعتماد

شیوخ کاملین سے استفادہ اور باطنی ترقیات میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ ان کی مفوضہ خدمت کی تکمیل اور ان کے ذوقی مشغلہ میں، جو اُن کو دل و جان سے عزیز ہوتا ہے تندہی، خود فراموشی اور جانکاہی سے رفاقت و اعانت کی جائے! اہلِ بصیرت کے نزدیک ایک مسترشد کو اس سے اپنے شیخ کی جو محبوبیت اور اعتماد حاصل ہوتا ہے اور اس سے جو باطنی ترقیات حاصل ہوتی ہیں، اور جس سُرعت کے ساتھ سلوک کے مدارج

طے ہوتے ہیں، وہ عام طور پر کسی اور راہ سے، اور بعض اوقات بڑے بڑے مجاہدات سے بھی طے نہیں ہوتے۔ اس زمانہ میں حضرت سہارنپوری ہمہ تن "بذل المجہود" کی تالیف کی طرف متوجہ تھے، اور اس کی تکمیل کا جذبہ اور ذوق ہر چیز پر غالب تھا۔ یہ شیخ کی بڑی خوش قسمتی، اور اسی کے ساتھ ان کی بڑی ذہانت، اور حقیقت شناسی تھی کہ انہوں نے اپنے کو اس کام کے لئے وقف کر دیا، اور دُنیا و مافیہا سے بے خبر اور بے تعلق ہو کر اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اس میں لگ گئے۔ تالیف کا طرز یہ تھا کہ حضرت شروح حدیث اور مآخذ کی نشاندہی فرما دیتے۔ شیخ ان کا مطالعہ کر کے متعلقہ مواد جمع کر لیتے۔ اور حضرت کی خدمت میں اس کو پیش فرما دیتے۔ حضرت اپنے الفاظ میں اس کو منتخب اور مرتب کر کے منصفانہ حیثیت سے لکھواتے۔ تسوید اور تحریر کا یہ کام شیخ انجام دیتے۔ اس کے نتیجہ میں حضرت کا قُربِ اختصاص روز بروز بڑھتا چلا گیا۔

انسانی فطرت کے مطابق اس چیز نے شیخ کے ہم عمروں اور ان نوجوان علماء یا ان کے سرپرستوں کے دل میں رشک اور منافست کا جذبہ پیدا کیا جو حضرت کا قُربِ اختصاص چاہتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے کہا کہ اس مشغولیت سے تدریس پر اثر پڑتا ہے، اس کے لئے کسی ایسے معین کا انتخاب ہونا چاہیئے کہ جس پر تدریس کا بار نہ ہو اور وہ مدرسہ کا ملازم نہ ہو۔ چنانچہ ایک دوسرے صاحب اس کام کیلئے مقرر ہوئے لیکن جن کو مقرر کیا گیا وہ جلدی جلدی گھر جاتے تھے، حضرت کو اس سے گرانی ہوتی تھی اس پر شیخ نے پھر اپنی خدمات کی پیش کش کی، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "میرا کام دوسرے سے نہیں چلتا" اس طرح وہ خدمت پھر شیخ کے سپرد ہو گئی۔ دوسری مرتبہ تسوید و تحریر کے لئے ایک ایسے صاحب کو مقرر کیا گیا جو زیادہ خوش خط تھے، لیکن کاپی نویس نے کہدیا کہ مجھے شیخ کے خط سے نقل کرنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں نقطوں وغیرہ کا اہتمام رہتا ہے، اس طرح گھوم پھر کر یہ خدمت شیخ ہی کے پاس آ گئی۔

شیخ نے اس عرصہ میں سوائے شدید مجبوری کے ہر طرح کے سفر نقل وحرکت اور ہر اُس چیز سے جس سے اس کام میں حرج واقع ہو، گریز کیا ان کو پہلے بھی سفر سے وحشت اور عدم مناسبت تھی، اس زمانۂ تالیف میں تو اُنھوں نے اپنے کو گویا بالکل پا بہ زنجیر بنا لیا۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض بزرگوں اور عزیزوں کے اصرار سے حضرت نے کسی سفر میں اپنے ساتھ لے لیا، شیخ نے موقعہ دیکھکر راستہ میں عرض کیا کہ اگر اس سفر میں ہمرکابی رہی تو "بذل" کی کاپیوں کی تصحیح میں حرج واقع ہوگا، اس لئے راستہ ہی سے واپسی کی اجازت دیجائے، حضرت نے یہ سُن کر بخوشی اجازت دیدی، اور شیخ راستہ ہی کے کسی اسٹیشن سے واپس آگئے۔

جب "بذل" کی طباعت کا مرحلہ شروع ہوا تو پہلے اس کا انتظام میرٹھ میں کیا گیا۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں مولانا شبیر علی صاحب کے پریس میں اس کو منتقل کر دیا گیا۔ اُس وقت شیخ کا معمول یہ تھا کہ جمعرات کی شام کو تھانہ بھون جاتے اور سنیچر کی صبح کو واپس آتے۔ یہ سفر ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیش آتا۔ اس میں بھی کبھی جو اتوار کو پریس کو چھٹی نہ ہوتی تو ایک آدھ دن بڑھ جاتا۔ عرصہ تک یہ معمول رہا، اس کے بعد ۴۲ھ سے ۴۴ھ تک دہلی کے ہندوستانی پریس میں طباعت کا کام ہوتا رہا، اس زمانہ میں اکثر ہفتہ وار اور کبھی پندرہ دن میں دہلی جانا ہوتا تھا۔ جمعہ کی شب میں بارہ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوتے، بارہ بجے تک اپنا کام کرتے، پھر تنہا پیادہ پا اسٹیشن جاتے۔ "بذل" کی کاپیاں سینہ سے لگا کر سو جاتے۔ دہلی اسٹیشن سے سیدھے مطبع جاتے، شام کو مطبع کے بند ہونے کے بعد شیخ رشید احمد صاحب مرحوم کے یہاں تشریف لے آتے، اور دوسرے دن اتوار کی شب میں دہلی سے روانہ ہو کر ایک بجے سہارنپور پہنچ جاتے۔ یہ اُن دو تین سال کا مستقل معمول رہا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ "اتوار کو پریس کی چھٹی ہوتی تھی، لیکن ہندوستانی پریس کے مالک، جو ایک شریف اور خلیق ہندو

تھے، اِس ناکارہ کے ساتھ ضرورت سے زیادہ مدارات کرتے۔ وہ کبھی کبھی میرے کام کی اہمیت کی وجہ سے ایک دو مشینوں کی چھٹی موقوف کر دیتے اور کارکنوں کو اُوَر ٹائم (OVER TIME) دیتے۔ اس صورت میں بجائے اتوار کی شب کے پیر، منگل کو واپسی ہوتی۔ شمائلِ ترمذی کا ترجمہ "خصائلِ نبویؐ" اِنہیں ایام میں صرف دہلی کے قیام میں لکھا گیا۔ جب دہلی جاتا تو حاجی محمد عثمان صاحب مرحوم کی دکان سے جو پریس کے بالکل قریب تھی یہ اوراق اُٹھا لیتا، اور پروفوں کی تصحیح سے جو وقت بچتا اُس میں ایک آدھ صفحہ کا ترجمہ لکھ لیتا، اور جب واپس آتا تو ان اوراق کو اُنہیں کی دکان پر رکھ کر چلا آتا، گویا یہ تالیف صرف ایامِ سفر کی ہے۔ البتہ نظرِ ثانی میں طباعت کے وقت کچھ اضافے ہوئے۔"

عقدِ نکاح مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے انتقال پر معاً شیخ کی والدہ صاحبہ کو بخار شروع ہو گیا تھا۔ اور اُس نے بڑھتے بڑھتے تپِ دِق کی صورت اختیار کر لی۔ اُنھوں نے مولانا کے انتقال کے بعد ہی سے شدت سے شیخ کی شادی کا تقاضہ کیا اور فرمایا کہ مَیں جلد ہی جانے والی ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ تیرا گھر کھلا رہے۔ شیخ کی نسبت مولانا رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے تھی۔[1] اُنہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار حضرت سہارنپوری سے کیا۔ حضرت نے کاندھلہ لکھوا دیا کہ میرا خیال ہے کہ عزیز زکریا کا نکاح جلد ہو جائے۔ امتثالِ حکم میں ان حضرات نے لکھ دیا کہ جب چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ حضرت چند آدمیوں کو لیکر کاندھلہ تشریف لے گئے نکاح کے بعد شیخ نے کہلوایا کہ کاندھلہ تو میرا وطن ہے، رخصتی کر کے لیجانے کی ضرورت

---

[1] ایک صاحبزادی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نکاح میں تھیں جو مولانا یوسف صاحبؒ کی والدہ تھیں۔ اس طرح شیخ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ ہم زلف بھی تھے۔

نہیں، میں دو تین روز کاندھلہ ٹھہر کر چلا آؤں گا۔ کاندھلہ والوں نے قدرتاً اس کو بہت پسند کیا، لیکن جب حضرت کو یہ فقرہ پہنچا تو فرمایا کہ "وہ کون ہے لے جانے والا؟ باپ بنکر تو میں آیا ہوں، لڑکی کل کو میرے ساتھ جائے گی۔" چنانچہ دوسرے دن رخصتی ہوگئی اور یہ حضرات سہارنپور واپس آئے۔ ۲۷ رمضان ۱۳۳۵ھ کو والدہ ماجدہ نے انتقال کیا، حضرت سہارنپوریؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

پہلا حج ۱۳۳۸ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے پھر حج کا عزم فرمایا، شیخ کو اب تو یہ یاد نہیں کہ اُن پر حج فرض تھا یا نہیں؟ لیکن بیت اللہ کا شوق اور مرشد کی ہمرکابی کا جذبہ رفاقت کا محرک ہوا۔ یہ شیخ کا حج اسلام (پہلا حج) تھا شعبان ۱۳۳۸ھ کی کسی تاریخ کو روانگی ہوئی۔ حضرت نے بمبئی میں اعلان فرمادیا کہ جس کو جس سے مناسبت ہو، وہ اُس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو۔ شیخ مولوی مقبول صاحب کی اجازت و منظوری سے جو حضرت کے منتظم کار تھے، حضرت ہی کے شریکِ طعام اور خادمِ خاص رہے جس کو حضرت نے بخوشی منظور کرلیا۔ شیخ نے مصارف کے لئے اپنی پوری رقم بلاحساب کتاب مولوی مقبول صاحب کے حوالہ کردی۔ جہاز ہی میں رمضان شروع ہوگیا۔ تراویح کا انتظام ہوا۔ حضرتؒ اور شیخ دونوں قرآن شریف سناتے تھے۔ مکہ معظمہ حاضری ہوئی تو مولانا محب الدین[1] صاحب نے جلد ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا، اور فرمایا کہ یہاں تو ایک قیامت[2] آنے والی ہے۔

رمضان مبارک میں شیخ کا معمول تھا کہ تراویح سے فراغت کے بعد، روزانہ احرام کی چادریں لے کر، پیدل اپنے چند ہم عمر نوجوان ساتھیوں کے ساتھ "تنعیم" جاتے اور

---

[1] آپ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ اور بڑے صاحبِ کشف و ادراک بزرگ تھے۔

[2] شریف حسین کی بغاوت اور نجدیوں کے حملہ کی طرف اشارہ ہے۔

"عمرہ" ادا فرماتے۔ ساری رات اسی مبارک معمول میں گزرتی۔ اس زمانہ میں حجاز میں سخت بد امنی تھی۔ قافلے لُٹتے تھے اور حُجاج سخت خطرات اور مصائب سے گزر کر مدینہ طیبہ پہنچتے تھے۔ شوّال کا مہینہ شروع ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ میں تو مدینۂ طیبہ کئی بار حاضری دے چکا ہوں، معلوم نہیں، تم لوگ پھر حاضر ہو سکو یا نہیں، اس لئے مدینہ طیبہ کی زیارت کر آؤ۔ شیخ کو یہ کہکر کہ "الائمّة من قریش" قافلہ کا امیر بنا دیا۔ خدا کے فضل و کرم سے راستہ بڑے امن واطمینان کے ساتھ طے ہوا۔ رفقائے سفر اور عرب جمّال، شیخ سے بہت مانوس اور بے تکلف رہے، اور اُنہوں نے بڑی خدمت کی۔ مدینہ طیبہ میں صرف تین دن کا قیام کا ارادہ تھا لیکن بعض غیبی اسباب کی بنا پر ایک ماہ کا قیام رہا۔ اس زمانہ میں مدّتِ مقررہ سے زائد رہنے پر فی یوم ایک گنّی ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن یہ مدّتِ قیام نہ صرف مفت، بلکہ امیرِ مدینہ کی معذرت کے ساتھ پُوری ہوئی۔ اس سفر میں اور بھی غیبی مددیں اور عنایاتِ خاص رہیں۔ جن کے واقعات شیخ اب بھی بڑے لُطف اور کیفیت سے بیان فرماتے ہیں۔

محرم ۱۳۳۹ھ میں سہارنپور واپسی ہوئی۔

دو نازک امتحان اور توفیقِ الٰہی جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا، شیخ کی ابتدائی تدریس کا زمانہ تھا کہ ایک امتحان پیش آیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے شیخ کو ثابت قدم اور راسخ العزم رکھا۔ ایسے امتحانات، اور توفیقِ الٰہی سے ان میں ثابت قدمی بعض اوقات پُورے مستقبل کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اس عالمِ اسباب میں اس کے بڑے دُور رس نتائج نکلتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ بعض اوقات زندگی میں حدِ فاصل کا کام دے دیتا ہے اور بہت سی ترقیات اور فتوحات کا مستحق بنا دیتا ہے۔

شیخ کے خاندان کا تعلق مدرسۃ العلوم علی گڑھ سے (جو بعد میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوا) بہت قدیم اور گہرا تھا۔ علی گڑھ تحریک کے بانی سر سید

احمد خاں، مولانا نور الحسن صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے، اور انہوں نے اس تلمذ کا ہمیشہ بڑا احترام کیا، جس کے نتیجہ میں اس خاندان کے ذہین اور شریف نوجوان مختلف دوروں میں علی گڑھ کالج سے استفادہ کرتے رہے۔ ان میں بیسویں صدی کی ابتداء میں دو بھائی مولوی بدر الحسن صاحب (جو سب جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے) اور مولوی علاء الحسن صاحب (جو ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے) خاص طور پر ممتاز و نامور ہوئے۔ شیخ کے اکثر ہم عمر اور قریبی عزیز علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے۔ مولوی بدر الحسن صاحب نہ صرف علی گڑھ کے اولڈ بوائے (OLD BOY) تھے، بلکہ کالج کے ٹرسٹی اور اس کے اہم ارکان میں سے تھے۔ شیخ کی تنخواہ ۱۵؎ پندرہ روپے ماہانہ تھی۔ آئندہ کی ترقیات کا بھی حال معلوم تھا۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ خاندان کا معیارِ زندگی، زمینداری اور اعلیٰ سرکاری عہدوں کی وجہ سے خاصا بلند تھا۔ مولوی بدر الحسن صاحب نے ازراہِ شفقت یہ منصوبہ بنایا کہ شیخ، جن کی ذہانت اور محنت خاندان میں مشہور اور مسلم تھی، پرائیویٹ طریقہ پر علومِ مشرقیہ کے دو امتحانات دیدیں۔ اس کے بعد کالج میں تین سو ۳۰۰ روپے کی ملازمت یقینی ہے۔ خاندان کے بزرگوں کی طرف سے اس بارے میں نہ صرف تائید تھی، بلکہ اصرار تھا جو ناراضگی کی حد تک پہنچ گیا۔ لیکن شیخ نے ادب مگر شدت کے ساتھ اس سے انکار کیا اور فرمادیا کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس میں کمی و بیشی کا تعلق صرف مقدر سے ہے، اگر اللہ کو رزق کی کشائش اور روزی کی فراخی منظور ہے تو یہیں بیٹھے بیٹھے وہ حاصل ہوگی، ورنہ ہزار جتن کرنے کے بعد بھی اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ شیخ کا یہ جواب سن کر خاندان کے ایک بزرگ (مولوی شمس الحسن صاحب) نے جو شیخ کو سمجھانے آئے تھے، بڑی مسرت کا اظہار کیا اور بڑی داد دی۔

اس سے بڑا امتحان چند دنوں کے بعد پیش آیا، کرنال میں نواب عظمت علی

خان مظفر جنگ کے مشہور وقف کی جانب سے ایک بڑا تبلیغی دار العلوم قائم کیا گیا،
جس کی خصوصی غرض وغایت یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی حقانیت ثابت کرنے
کے لئے، نیز جدید شبہات اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے
جو اس وقت اپنی تبلیغی کوششوں میں بہت سرگرم تھے، ایسے فضلاء تیار کئے جائیں
جو عربی وانگریزی دونوں سے واقف اور علوم قدیم وجدید دونوں کے جامع ہوں۔
اس کے لئے یہ تجویز ہوئی کہ بڑے وظائف دیکر مستند عربی مدارس کے فضلاء کو انگریزی
اور کالجوں ویونیورسٹیوں کے فارغین کو عربی پڑھائی جائے۔ مولانا سر رحیم بخش صاحب
مرحوم جو ریاست بھاولپور کے صدر کونسل اور ریجنٹ تھے۔ اس تحریک کے بڑے
سرپرستوں میں سے تھے۔ ان کا تعلق گنگوہ، رائے پور اور سہارنپور سے خادمانہ، اور
مخلصانہ تھا، اور وہ مظاہر العلوم کے بھی سرپرستوں میں تھے۔ انہوں نے ابتدائی مدرس
حدیث کیلئے شیخ کا انتخاب کیا۔ اور اس کے لئے سہارن پور کا مستقل سفر کیا۔ ضابطہ کی
تین سو ماہانہ تنخواہ کے علاوہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کا وعدہ فرمایا۔
مثلاً رمضان کی چھٹی، حضرت کی خدمت میں رہنے کے لئے ہر سال تین ماہ کی چھٹی۔ بلا وضع تنخواہ
اجناس کی سہولت، ان سب کے ساتھ ان کی صرف ایک شرط یہ تھی کہ حضرت پر ظاہر نہ ہو کہ یہ
تحریک ان کی ہے، اس لئے کہ مظاہر العلوم کے ایک سرپرست کی حیثیت سے ان کے لئے
یہ مناسب نہیں تھا کہ مدرسہ کے مدرس کو کسی اور جگہ کے لئے آمادہ کریں۔ انہوں نے یہ بھی
فرمایا کہ ایک دو سال کی چھٹی لے لو، اور یہ کہو کہ قرض کا بار زیادہ ہے، شادی بھی ہو چکی ہے،
اور بچے بھی ہیں، مدرسہ کی تنخواہ میں گزارا نہیں ہوتا۔

اس وقت شیخ کی تنخواہ بیس روپے تک پہنچی تھی۔ مولانا سر رحیم بخش صاحب کے
دیرینہ تعلقات، ان کی بزرگانہ، مخدومانہ حیثیت، ان کا پُر خلوص اصرار، قرض کا بار،
تنخواہ کی قلت اور ترقی کے امکانات کا فقدان۔ یہ سب وہ "حقائق" تھے۔ جو اس

پیش کش کو قبول کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے، اور ان کے لئے شرعی، اخلاقی و علمی دلائل بھی پیش کرتے تھے۔ یہ ایک نوجوان عالم کے لئے، جو ذہانت کے جوہر سے آراستہ اور حدیث و ادب میں شہرت یافتہ تھا، ایک بڑی آزمائش تھی، شیخ اس وقت حقیقتاً ایک دوراہے پر کھڑے تھے، اگر وہ اثبات میں فیصلہ کرتے، تو اُن کی زندگی کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، اور آج شاید ان سطور کے لکھنے کی نوبت نہ آتی، کہ عرصہ ہوا کہ وہ اسکیم فیل ہو چکی، مدرسہ کا نام ونشان باقی نہیں رہا، اس کے لائق مدرسین کچھ تو پیوندِ خاک ہو گئے، اور کچھ گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ نظر بر اسبابِ ظاہر شیخ کا معاملہ اس سے کچھ مختلف نہ ہوتا۔

لیکن توفیقِ الٰہی نے دستگیری فرمائی اور جس کو شیخ الحدیث کے لقب سے مقبولِ خاص و عام ہونا تھا، اور جس سے خدا کو حدیث کی خدمت، طلبائے علومِ دینیہ کی تربیت اور ایک عالم گیر دینی تحریک (تبلیغ) کی سرپرستی، اور مشائخِ عصر کی جانشینی کا اہم کام لینا تھا، اس کو اس معاملہ میں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی گئی، شیخ کے الفاظ ہی میں سُنئے، فرماتے ہیں:۔

"اس ناکارہ نے مولانا مرحوم سے کہا کہ آپ کے مجھ پر احسانات بہت زیادہ ہیں۔ ان احسانات کے مقابلہ میں مجھے آپ سے معذرت کرنی نہایت ہی نامناسب ہے، لیکن اس سب کے باوجود، آپ تو مجھ سے یہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سے اجازت لوں، لیکن آپ کے براہِ راست کہنے پر، اگر حضرت مجھے حکم بھی فرمائیں گے، تو مَیں عرض کر دوں گا کہ اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں۔"

عزیمت کا یہ جواب سُن کر مولانا رحیم بخش صاحب جو بڑے جوہر شناس اور جہاں دیدہ تھے، کبیدہ خاطر نہیں ہوئے بلکہ اُنہوں نے جواب کی بڑی قدر کی اور فرمایا کہ

"میں تمہارا معتقد تو پہلے سے تھا لیکن اس جواب سے میں اور زیادہ معتقد ہو گیا۔"

اس کے بعد پھر غالباً کوئی اور ایسا امتحان پیش نہیں آیا، اور نہ اس کا کوئی موقعہ تھا، کہ شیخ کی بلند ہمتی، ان کا طرزِ زندگی، خداداد مقبولیت اور خدا کی مسبّب الاسبابی کا عینی مشاہدہ، جو ہر جانے والے، اور ہر آنے والے کو کھلی آنکھوں ہوتا رہتا ہے، کسی کے اندر اس کا خیال بھی نہیں ہونے دیتا کہ ایسا مشورہ دیا جائے یا کوئی ایسی پیش کش کی جائے۔ نوعمری اور مدرسی کے آغاز ہی میں اُن کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی ایسے سب لوگوں کو یہ کہہ کر مایوس کر دیتی ع

بروایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اور اس کے بعد جب اللہ تعالٰی کی نُصرت اور کفالت کا اور بھی مشاہدہ اور تجربہ ہو گیا، اور اللہ تعالٰی نے مدارجِ عالیہ سے سرفراز فرمایا، اور اپنی محبت و رضا کی دولت سے نوازا تو آپ توزبانِ حال امیر خسروؔ کی زبان میں اس طرح گویا ہے کہ ع

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دُوسرا سفرِ حج، حضرت کی رفاقت اور مدرسہ کی تنخواہ کا معاملہ

۱۳۴۴ھ میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حج کا قصد فرمایا، اپنی غیر موجودگی میں مدرسہ کا انتظام اس طرح کیا کہ مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کو مدرسہ کا ناظم[1] اور شیخ کو صدر مدرّس مقرر کیا۔ مظاہر العلوم کے صدر مدرّس کی ذمّہ داریوں اور روایات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مختلف شہروں میں ہونے والے اُن تبلیغی اور دینی جلسوں میں شرکت بھی کرے، جہاں سے دعوت آئے، نیز مدارس کے سالانہ اجتماعات وغیرہ میں بھی

---

[1] دوسرے عربی مدارس میں مہتمم کی اصطلاح مروّج ہے۔

شریک ہو۔ شیخ کو سفر سے شروع سے وحشت اور عدم مناسبت تھی۔ یہ معلوم کرکے کہ حضرت نے صدر مدرسی کیلئے ان کو نامزد فرمایا ہے، اس عہدہ کی جلالتِ شان اور اس کی ذمہ داریوں کے خیال سے شیخ کو فکر پیدا ہوئی۔ اُنہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت "بذل" کے کام کا کیا ہوگا؟ اس کا سلسلہ تو سفر میں منقطع ہو جائے گا۔ فرمایا ہاں، مجھے بھی اس کا خیال ہے۔ عرض کیا کہ میں ساتھ چل سکتا ہوں، اس خدمت کو انجام دوں گا۔ فرمایا، مصارفِ سفر کا کیا انتظام ہوگا؟ عرض کیا کہ قرض لے لوں گا۔ فرمایا، تمہاری تنخواہیں بھی تو باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ اجارہ فسخ کر دیا۔ فرمایا فسخ دونوں طرف سے ہوتا ہے، تم نے تو فسخ کیا، ہم نے تو منظور نہیں کیا۔ حضرت کے حکم پر شیخ نے ان مہینوں کی تنخواہیں وصول کیں جن کو وصول نہیں کیا تھا[1]۔ جن کی مجموعی رقم -/۹۴۰ یا -/۹۴۲ ہوتی تھی۔ شیخ نے اس حکم کی تکمیل تو کی، اور اس سے سفر کا بآسانی انتظام ہو گیا، لیکن حجاز پہنچکر ایک ہزار کا وصیت نامہ مدرسہ کو بھیج دیا کہ میری واپسی تک مولوی نصیر الدین صاحب میرے کتب خانہ سے بالاقساط ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ واپسی پر شیخ نے یہ حساب معہ اس اضافہ کے جو بعد میں ہوا، اور جس کی میزان -/۲۷۱۷ (دو ہزار سات سو سترہ) روپے ہوتی تھی، ادا کر دی۔

حج کا یہ سفر، اور استاد و مرشد کی مسلسل وہمہ وقت رفاقت ایک عالی استعداد، سراپا محبت و اطاعت مسترشد کے لئے جس کے سفر کا اصل مقصد ہی شیخ کی خدمت و اعانت اور استفادہ تھا، جیسی روحانی اور باطنی ترقیات اور حصولِ کمالات کا ذریعہ بنی ہوگی، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ شیخ نے مدینہ طیبہ کے طویل قیام میں بھی حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے "بذل" کی تالیف میں مدد دینے کے علاوہ کسی مشغلہ

[1] دوران ملازمت میں شیخ کبھی تنخواہ لیتے تھے، کبھی نہیں لیتے تھے۔ جن مہینوں کی تنخواہیں لیتے تھے، اُنکے متعلق بھی یہی نیت تھی کہ واپس کر دیں گے۔

اور دلچسپی سے سروکار نہیں رکھا، اس مصروفیت وانہماک کی وجہ سے وہ مسجد نبوی کی حاضری اور بقیع کی زیارت کے علاوہ کہیں آجا نہیں سکے۔ "بذل" کے کام کے علاوہ انھوں نے (غالباً مدینہ طیبہ کی رعایت سے) امام دارالہجرۃ، امام مالکؒ کی مشہور و مقبول کتاب "مؤطا" کی شرح لکھنی شروع کی، جو "اوجز المسالک" کے نام سے بعد میں چھ جلدوں میں مکمل[1] ہوئی۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں بھی اگر حضرت نے کسی کتاب کی نقل یا کوئی علمی خدمت سپرد کر دی، تو شیخ نے اس کی تکمیل کو بھی اپنا وظیفہ اور اپنی ترقی کا ذریعہ سمجھا اور اس میں پورے انہماک سے کام لیا۔

اجازت و رخصت حضرت سہارنپوری مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کے ارادہ سے گئے تھے، آپ کا واپسی کا کوئی ارادہ نہ تھا، رفقائے خاص کو اس کا علم تھا، اور کہتے تھے کہ آپ تو یہاں بقیع میں آسودۂ خاک ہونے کے لئے آئے ہیں، مدرسہ کے شیرازہ کو مجتمع رکھنے اور اس دورِ پُرفتن کے آفات و شرور سے اس کو الگ رکھنے کے لئے نیز ارشاد و تربیت کے اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے جو حضرت کی ذات سے وابستہ تھا، شیخ کی واپسی ہندوستان ہی کو مناسب تھی۔ مولانا سید احمد صاحب مدنی[2] نے اپنے مدرسۂ شرعیہ کیلئے شیخ کو روکنے کی بڑی کوشش فرمائی، اُن کا اصرار تھا کہ واپس نہ جائیں وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کرایہ کی رقم بھیجدیں گے تاکہ وہ شیخ کے متعلقین کو مدینہ طیبہ پہنچا دیں۔ لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے مظاہر العلوم کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ شیخ کے لئے "شیخ الحدیث" کے عہدہ

---

[1] شیخ فرماتے ہیں کہ اس کی تصنیف کا کام مواجہہ شریف کے قریب ہوتا تھا اور جتنا حصہ مدینۂ طیبہ کی مختصر مدتِ قیام میں لکھا گیا وہ ہندوستان کے مہینوں اور برسوں کے قیام میں بھی نہ ہو سکا۔

[2] برادرِ اکبر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ و بانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ۔

اور" نائب ناظم" کے منصب کی تحریر لکھ کر دیدی جس پر شیخ نے بڑی عرض و معروض کی، آخر میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کو بیچ میں ڈالا۔ مولانا نے ایک لطیف عنوان سے خدمت میں عرض کر کے" نائب ناظم" کی ذمہ داری سے انکو سبکدوش کرادیا۔ شیخ الحدیث کے منصب کیلئے حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر لکھ کر کتاب میں رکھدی اور ایسا انتظام فرمایا کہ شیخ کی نظر اس پر پڑ جائے۔

رخصت کرنے سے پہلے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی عام اجازت عطاء فرمائی اور اس کے لئے بڑا اہتمام فرمایا۔ اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سید احمد صاحب کو دیا کہ شیخ کے سر پر باندھیں۔ جس وقت وہ عمامہ شیخ کے سر پر رکھا گیا شیخ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چیخیں نکل گئیں۔ حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے۔ شیخ نے بعض........ مجلسوں میں فرمایا کہ عمامہ رکھتے ہی مجھے اپنے اندر کوئی چیز آتی محسوس ہوئی۔ اس سے میں سمجھا انتقالِ نسبت کی شاید یہی حقیقت ہے۔ شیخ نے اس اجازت کو بہت پوشیدہ رکھا اور شاید عرصہ تک ہندوستان میں اہلِ تعلق کو اس کا علم نہ ہوتا لیکن حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشہیر کر دی، پھر بھی عرصہ تک بیعت لینے سے انکار کرتے رہے لیکن عمِ معظّم مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اس کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے خاندان کی چند بیبیوں نے بیعت کی درخواست کی۔ شیخ نے حسبِ عادت انکار و معذرت کی۔ انہوں نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے عرض کیا۔ مولانا نے شیخ کو بٹھایا اور حکم دیا کہ وہ بیعت کریں نیز تفقتاً اپنا عمامہ بھی سر پر رکھدیا۔ رفتہ رفتہ اہلِ صلاح اور علم کا رجوع ہوا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

حجاز سے واپسی اور سہارنپور کے مشاغل

حجاز سے واپسی پر آپ ہمہ تن تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے، واپسی کے بعد سے ابو داؤد کا درس بھی آپ ہی کے پاس آگیا۔ " بذل " کی ترتیب میں شریک رہنے اور حضرت سہارنپوری کی خصوصی توجہ

کی وجہ سے اس کی تدریس میں قدرتی طور پر آپ کو امتیاز حاصل تھا۔ "اوجز" کی تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور والد ماجد کی تحقیقات و تقریرات کی اشاعت کا بھی شغل رہتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے دینی و تبلیغی رسائل جو زیادہ تر بزرگوں و سرپرستوں بالخصوص عم بزرگوار حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ارشاد و تاکید سے لکھے گئے، تحریر میں آتے رہے۔

ان تدریسی و تصنیفی مشاغل کے علاوہ مدرسہ کے انتظام میں آپ شریک غالب اور مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کے قوتِ بازو اور دستِ راست تھے۔ بحث طلب مسائل و امور میں اکثر آپ ہی کی رائے فیصلہ کن اور قطعی ہوا کرتی تھی، پھر مشائخ عصر اور اکابرِ سلسلہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی اور شاہ محمد یٰسین صاحب نگینوی، سب کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی۔ اور آپ سب کے معتمد علیہ، محبوب مشیر اور محرمِ راز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو فطری جامعیت، اعتدال و توازن اور بے ہمہ اور باہمہ ہونے کی صفت عطا فرمائی ہے، اُس کی وجہ سے آپ کی ذات اور آپ کا مستقر سب کا مرکز اور سب کیلئے "نقطۂ جامعہ" تھا اور کلیات سے لیکر جزئیات تک آپ اکثر مشیر و دخیل رہتے۔

اس سب کے ماسوا مہمانوں کا ہجوم جو اس مقبولیت کا قدرتی نتیجہ تھا، واردین اور صادرین کی کثرت اور دستر خوان کی وسعت بڑھتی چلی گئی۔ اور اس نے آپ کی مشغولیت میں روزافزوں اضافہ کیا، یہاں تک کہ وہ آپ کا ایک ایسا امتیاز بن گیا اور اُس نے ایک ایسی شہرت حاصل کرلی جو بہت سے لوگوں کے لئے موجب حیرت ہے۔ مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کی وفات کے بعد جو ایک کہن سال اور تجربہ کار

مخلص اور مستعد ناظم تھے، مدرسہ کے انتظام و انصرام اور اُس کی بقاء و قیام کا سب سے بڑا بوجھ آپ پر پڑ گیا، اگرچہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سابق صدر مدرس اپنے علم و فضل اور اخلاص و للٰہیت کی بناء پر مدرسہ کے قدیم شیوخ و اکابر اور ذمہ داروں کے صحیح جانشین ہیں اور ان کا وجود مدرسہ کے لئے ایک بڑی نعمت ہے لیکن ان کے گوناگوں امراض، بڑھتی ہوئی معذوری اور طبعی ضعف کی بناء پر شیخ کو مدرسہ کے نظم و نسق اور جزئیات و کلیات کے لئے خاصا وقت دینا پڑتا ہے اور ان کی ذات ان کی قوتِ فیصلہ اور ان کا شخصی اثر ہی مدرسہ کی پُشت پناہ ہے۔

اِدھر خُدا کا ان کے ساتھ خاص معاملہ یہ ہے کہ جو شیخ و مربّی دُنیا سے جاتا ہے وہ اپنے مسترشدین و متعلقین کو یا تو خود شیخ کے سپرد کر جاتا ہے یا وہ خود کسی اشارہٗ غیبی سے یا اس یگانگت و اعتماد کی بناء پر جو ان کے شیخ و مربّیِ رُوحانی کو شیخ پر تھا وہ سب شیخ کی ذات ہی کی طرف رجُوع کرتے ہیں اور بالعموم شیخ سے اپنی تکمیل و تربیت اور مشورہ و رہبری کا کام متعلق کر دیتے ہیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ تو گھر ہی کا تھا لیکن ان سے پہلے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ اور ان کے بعد مولانا مدنیؒ پھر مولانا رائے پُوریؒ اور سب کے آخر میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد ان سب حضرات کے اکثر اہلِ ارادت اور اہلِ تعلق نے شیخ ہی کو اپنا روحانی سَرپرست، مشیر و رہنما اور اپنے مشائخ کا جانشین اور وارث و امین سمجھا پھر خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی رحلت کے بعد تبلیغی حلقہ کا جس نے اب عالمگیر شکل اختیار کر لی اور ہندوستان سے متجاوز ہو کر ایک طرف مراکش اور دوسری طرف انڈونیشیا تک اور یورپ امریکہ تک پھیل گیا ہے، آپ ہی مرجع اور مرکز بن گئے۔ اس سلسلہ کو باقی رکھنے، اس کو زمانہ کے خطرات اور اس دَور کے فتنوں سے بچانے، اس کے مسلک و اصول کی حفاظت، اس کے سرگرم کارکنوں کی دینی نگرانی

روحانی تربیت و تکمیل کی ساری ذمہ داری اور نظام الدین کے مرکز اور اس کے ذمہ داروں کی سرپرستی کا پورا بوجھ آپ ہی کے کاندھوں پر پڑ گیا ہے، اسی کے ساتھ جتنا جتنا یہ حلقہ وسیع ہوتا جارہا ہے، کام کی مقبولیت بڑھ رہی ہے، مشائخ کبار اُٹھتے جارہے ہیں۔ آپ کی مرجعیت و مرکزیت و ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور ملک کے اندر اور ملک کے باہر سے آنے والی جماعتیں اور وفود کی آمد و رفت بھی بڑھ رہی ہے۔ اور اسی کے مطابق آپ کی مشغولیت اور ضیافت و تواضع کا دامن بھی وسیع ہوتا چلا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ اب اگر کوئی ناواقف یا نو وارد ان مہمانوں کی کثرت اور دسترخوان کی وسعت دیکھے تو وہ یہ سمجھے گا کہ آج کوئی نئی بات ہے اور کوئی عظیم تقریب یا غیر معمولی مہمانداری ہے حالانکہ یہ روزمرہ کا واقعہ ہے اور اس میں کسی دن کوئی خصوصیت نہیں۔

تیسرا حج جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، شیخ کو سفر سے طبعی عدم مناسبت بلکہ ایک طرح کی وحشت ہے۔ ان کے لئے دہلی جانا تو بڑی چیز ہے رائے پور اور دیوبند تک جانا بھی مجاہدۂ عظیم بن گیا ہے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ سفر کے ارادہ سے ان کو حقیقتاً بخار آگیا ہے اور واپسی پر تو اکثر کئی کئی دن تک صحت اور اعصاب پر اثر رہا ہے۔ ایسی حالت میں حج کا سفر خواہ کتنی ہی سہولت و اہتمام کے ساتھ ہو، ان کے لئے ایک بڑا امتحان اور ایک شدید مجاہدہ تھا۔ ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ شاید ۱۳۴۶ھ کا حج آخری حج ثابت ہوگا لیکن دفعتاً غیب سے ایک سامان پیدا ہوا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے (جن کی ہستی اب ان کے لئے عزیز ترین ہستی اور جن کا ایماء اور خواہش ان کے لئے سب سے زیادہ قابلِ لحاظ اور قابلِ رعایت تھی) ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۴ء) میں رفقاء اور خدام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کا عزم فرمایا اور شیخ سے معیت و رفاقت کی درخواست کی۔ یہ درخواست ایسے عزم و اصرار اور ایسی محبت و خلوص سے تھی کہ شیخ کے لئے

معذرت و انکار ممکن نہیں رہا۔ قابلِ فخر اور سرمایۂ نازش بھائی کا پُر محبت اصرار دیارِ حبیب کی حاضری، حج و زیارت کی سعادت جس کے شوق و عشق کی چنگاریاں ہمیشہ سینہ میں دبی اور سُلگتی رہیں، بقولِ شاعر ؏

اِک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

آپ نے رفاقت منظور کرلی اور بجلی کی طرح یہ خبر سارے ہندوستان اور پاکستان میں پھیل گئی کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ شیخ بھی حج کو جارہے ہیں۔ ہر طرف سے شمعِ حرم کے پروانوں کا ہجوم ہوا اور شیخ سے جو لوگ ارادت اور عقیدت کا تعلق اور تبلیغی جماعت سے محبت و رفاقت کا رشتہ رکھتے تھے اُن کی بڑی تعداد اس زرّین موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کیلئے تیار ہوگئی۔ یہ ایک تاریخی سفر تھا جس کی تفصیل مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح و حالات میں اپنی جگہ پر آئے گی۔

۶ر ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ کو سہارن پور سے روانگی ہوئی۔ چار ماہ کے عرصہ میں پاکستان ہوتے ہوئے وسطِ ربیع الاوّل میں سہارن پور واپسی ہوئی، واپسی کے سفر میں کراچی، لاہور، سرگودھا اور ڈھڈیاں ایک ایک دو دو دن ٹھہرنا ہوا۔ پاکستان کے مہجور و محروم عقیدت مندوں نے جو سالہا سال سے زیارت کو ترس رہے تھے اس موقع کو نعمتِ خداداد تصوّر کیا۔ شیخ کا مستقل سفرِ پاکستان کا نہایت دشوار اور بعید از قیاس تھا سفرِ حج کی برکت سے ان دور اُفتادہ خدام و محبّین کی قسمت جاگ اُٹھی۔ اُنھوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ایک طرف مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی کشش، دوسری طرف اس نعمتِ غیر مترقبہ سے فائدہ اُٹھانے کا شوق سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کو درمیانی اسٹیشنوں پر کھینچ کھینچ کر لاتا، ایرکنڈیشن گاڑی میں ہونے کے باوجود ساری رات جاگ کر سراپا اشتیاق محبّین کو مصافحہ و ملاقات کا موقع دیتے اور گرمی و لو کی پرواہ نہ کرتے شیخ کو ڈھڈیاں جاکر حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے اور کچھ

وقت وہاں گزارنے کا بڑا شوق تھا، اور جیسا کہ بعض خاص مجلسوں میں فرمایا کہ پاکستان کا سفر ہی خاص اسی شوق میں کیا گیا تھا۔ سرگودھا پہنچے تو سخت گرمی تھی، دونوں طرف برف کی سلیں رکھی جاتیں اور پنکھا چلتا رہتا۔ خدام نے ڈھڈیاں کے پروگرام ملتوی کرنے کی بار بار درخواست کی کہ وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے نہ وہاں بجلی ہے نہ برف کا انتظام ہو سکتا ہے لیکن شیخ نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا، خدا کی قدرت کہ وہاں پہنچتے ہی موسم ایسا تبدیل ہوا کہ کسی چیز کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ رات کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت پڑ گئی۔ جب تک قیام رہا ایسا ہی خنک و خوشگوار موسم رہا۔ فرماتے تھے کہ حضرتؒ کو زندگی میں میرا قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا لیکن اس کی نوبت نہ آئی، میں نے وہاں قبر مبارک کے پاس پورا قرآن مجید ختم کرنے کا اہتمام کیا۔

چوتھا حج مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایک سال خالی گیا اگلے سال (۱۳۸۶ھ) ۱۹۶۷ء حجاز میں کام کرنے والوں کا تقاضا ہوا کہ حجاز نیز بیرونی ممالک میں کام اور کام کرنے والوں کی ضرورت و مصلحت کا اقتضا ہے کہ مولانا کے جانشین اور تبلیغی دعوت کے موجودہ ذمہ دار مولانا انعام الحسن صاحب اپنے خاص رفقاء کے ساتھ اس سال حج کو آئیں تاکہ دعوت میں نئی طاقت و استحکام اور مزید وسعت و عمومیت پیدا ہو، بڑے غور و خوض اور حالات و ضروریات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت شیخ الحدیث کے مشورہ اور تائید سے اس کو منظور کر لیا گیا۔ یہ مولانا انعام الحسن صاحب کا مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بعد اور ان کے بغیر حج کا پہلا سفر تھا جس میں ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ اسلامی و غیر اسلامی ممالک کے بکثرت رفقاء، احباب، کارکن اور علماء و خواص کا اجتماع متوقع تھا۔ قدرتاً مولانا انعام الحسن صاحب کی طبیعت پر اس سفر کی اہمیت اور اپنی تنہائی کا احساس غالب تھا، اور ان کا قلبی و طبعی تقاضا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث کی معیت ان کیلئے

اس عظیم سفر میں تقویت وطمانینت کا موجب ہو، دوسری طرف حجاز کے اہلِ تعلق اور جماعت کے رفقاء اور کارکنوں کے پیہم خطوط اور متواتر تقاضے آرہے تھے کہ شیخ اس سفر میں ضرور ساتھ ہوں۔ حجاز و پاکستان کے اہلِ تعلق کو صرف اسی سفر کے بہانے اور اسی سفر کی تقریب سے زیارت وصحبت کا موقع مل سکتا تھا۔ شروع میں جماعت کے نظم ونسق کی نگرانی اور مولانا انعام الحسن صاحب کے باہر چلے جانے کی وجہ سے جو خلاء پیدا ہوتا تھا اس کے پیشِ نظر شیخ الحدیث کا نہ جانا سہارنپور میں طے کر دیا گیا اور اس کی اطلاع بھی دیدی گئی لیکن جوں جوں مولانا انعام الحسن صاحب کی روانگی کی تاریخ قریب آتی جارہی تھی سارے ہندوستان میں شیخ کے جانے کی خبر بھی گرم ہورہی تھی اور استفساری خطوط کا تانتا بندھ رہا تھا اور مقررہ تاریخ پر دہلی اور بمبئی زائرین اور رخصت کرنے والوں کے پہنچنے کی اطلاعیں آرہی تھیں بالآخر ۱۹ر فروری ۱۹۶۷ء کو شیخ دہلی تشریف لے آئے اور ابھی تک روانگی طے نہ تھی کسی وقت جانے کی خبر گرم ہوجاتی، کسی وقت نہ جانے کی۔ راقم السطور مولانا محمد منظور صاحب اور مولوی معین اللہ صاحب ندوی رخصت کرنے کی نیت سے ۲۰ر فروری کو دہلی پہنچے، شیخ نے فوراً یاد فرمایا اور تخلیے کا حکم دیا اس وقت صرف مولانا انعام الحسن صاحب مولانا منظور صاحب اور یہ ناچیز تھا شیخ نے اپنے ذہنی کشمکش اور تردد کا اظہار فرمایا اور بعض غیبی اشارات ومبشرات دوستوں کے انتظار واشتیاقِ سفر کے محرکات اس کے مقابلے میں قیام کے اسباب وموجبات کا ذکر فرماتے ہوئے رائے طلب کی ہم لوگوں نے قیام کا رجحان ظاہر کیا اور اس کے مصالح عرض کئے۔ شام تک کوئی ایک پہلو غالب اور قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا رات کو جب سعودی سفیر محمد الحمد الشبیلی ملنے کے لئے تشریف لائے اور اس موقع پر مجلس خاص میں حاضری ہوئی تو جانے کا فیصلہ معلوم ہوتا تھا چنانچہ یہ اندازہ ہوگیا کہ سفر طے ہوگیا ہے، ملاقات اور رخصت کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا، نظام الدین

میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے اور شیخ تک پہنچنے میں ہزار دقتیں معلوم ہوتی تھیں اُوپر نیچے سب بھرا ہوا تھا، عشار کے وقت سے کھانا کھلانے کا جو سلسلہ شروع ہوا تو آخری قسط نے فجر کے وقت کھانا کھایا۔ تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ صبح نمازِ فجر کے بعد ہوائی اڈّے کے لئے رخصت ہوئے۔ بعض اسباب و قرائن کی بنا پر بہت سے خواص کو اندیشہ تھا کہ اب واپسی نہیں ہوگی۔ ہوائی اڈّے پر بھی ایک بڑا مجمع رخصت کرنے کیلئے پہنچ گیا۔ بعض خدام نے ہندوستان کی خصوصیات اور مسلمانوں کے مخصوص حالات کی بنا پر واپسی کی مخلصانہ درخواست اور اس کی تمنا کا اظہار کیا۔ نو بجے کے قریب وہاں سے بمبئی کے لئے پرواز ہوئی۔ ۲۱ر، ۲۲ر بمبئی قیام رہا۔ اِس مرتبہ مدرسہ رحمانیہ واقع مدنپورہ میں قیام تھا۔ ۲۳ر کو براہِ راست بمبئی سے جدہ کو پرواز ہوئی، اور اسی روز مع الخیر وہاں پہنچ گئے۔ سفیرِ ہند جناب مدحت کامل قدوائی صاحب نے جدہ کے ہوائی اڈّے پر استقبال کیا اور اپنے ہی ساتھ اپنے مکان پر لے گئے۔ وہیں کھانا کھایا۔ وہاں سے تھوڑی دیر کے بعد مولوی محمد شمیم صاحب وغیرہ کی معیت میں مکہ معظمہ حاضری دی، مکہ معظمہ میں قیام حسبِ سابق مدرسۂ صولتیہ میں تھا، وہاں کا نظام الاوقات ایک اہم مکتوب سے نقل کیا جاتا ہے :۔

"اس سے پہلے سفر میں صحت بھی بہ نسبت پہلے کے اچھی تھی، اور مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے موٹریں بھی ہر وقت کئی کئی موجود رہتی تھیں۔ اس لئے سابقہ سفر میں صبح کی نماز حرم شریف میں ہوتی تھی۔ اور اگر کسی دن تاخیر ہو جاتی تو نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً حرم جاتے، اس لئے کہ نماز کے بعد تین گھنٹے کی تقریر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ہی ہوتی تھی۔ شیخ الحدیث بھی ساتھ تشریف لے جاتے تھے اور مولانا محمد یوسف

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بھی سُنتے تھے۔ اس کے بعد قیام گاہ پر
مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ چائے کا وسیع دسترخوان لگتا تھا
جس میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو جاتا تھا اور جملہ حاضرین پر چائے
کے ساتھ ساتھ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شدید گرفت
بھی رہتی تھی۔ امسال صبح کی تقریر تقریباً ڈھائی گھنٹہ مولانا محمد عمر صاحب
یا مولانا سعید خاں صاحب کی ہوتی۔ حضرت شیخ الحدیث اپنے امراض اور
ضعف اور سواری کی عدم فراوانی کی وجہ سے مدرسہ کی مسجد میں نماز ادا
فرماتے ہیں، اس کے بعد قیام گاہ پر ذاکرین کے ذکر کا سلسلہ بحمد اللہ
زور و شور سے رہتا ہے، جس کی پہلے سفر میں نوبت نہ آسکی تھی۔ اس کے
بعد ایک بجے (عربی وقت سے) حضرت شیخ الحدیث اپنی تنہا چائے نوش
فرماتے ہیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب اور مولوی ہارون صاحب اس
وقت تک اپنے کمرہ میں آرام کرتے رہتے ہیں اور اپنی چائے اپنے کمرہ
ہی میں پیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دونوں اور حرم کے اجتماع والے
خواص مولانا محمد عمر صاحب وغیرہ حضرت شیخ الحدیث کے کمرہ میں
آجاتے ہیں، اور تین بجے تک مختلف مسائل پر گفتگو رہتی ہے۔ تین
بجے سے پانچ بجے تک حضرت شیخ نے مختلف احباب کی ملاقات کیلئے
وقت رکھا ہے۔ اسی دوران میں مدرسہ کی مسجد میں خصوصی حجاج
کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ آج ہندوستان و پاکستان کے علماء کا اجتماع
ہے، کل افغانیوں کا تھا، اس سے پہلے الجزائر وغیرہ کے مختلف
اجتماعات ہوتے رہے ہیں۔ ان میں حضرت شیخ کی بھی شرکت تھوڑی دیر
کے لئے ہو جاتی ہے اور مولانا انعام الحسن صاحب بھی اس میں شریک

ہوتے ہیں۔ اسی وقت ان حضرات کی اپنی تعلیم بھی مدرسہ کے دوسرے کمرہ میں ہوتی رہتی ہے۔ حضرت شیخ کی طبیعت پہلے سے بھی ناساز تھی، یہاں آکر کچھ حرارت کا سلسلہ بھی مسلسل سا ہوگیا، اور اس سے زیادہ پیشاب کا سلسلہ بھی بے قابو ہوگیا، شاید اس میں زمزم کو بھی دخل ہو اِس لئے کہ یہاں آنے کے بعد اس وقت تک زمزم کے علاوہ دوسرا پانی بجز اس کے کہ جو برف میں ملا ہوا ہوتا ہے، نوبت نہیں آئی۔ ظہر کی نماز ساڑھے چھ پر ہوتی ہے۔ ظہر سے متصل کھانے سے فراغت کے بعد عصر تک قیلولہ ہوتا، عموماً کھانے میں ایک گھنٹہ لگ جاتا۔ لیکن دعوت کے دن جو اکثر ہوتی رہتی ہے قیلولہ میں ہی دیر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کھانے کے لئے کہیں جانا نہیں پڑتا۔ دعوت اپنے مستقر پر ہی ہوتی ہے۔ عصر ساڑھے نو بجے عموماً ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے قہوہ شروع کر دیا تھا جو اچھا معلوم ہوتا مگر اس سے نیند پر اثر پڑنے لگا، اس لئے بجائے اس کے سبز چائے شروع کر دی اس دَوران میں احباب بھی آتے رہتے ہیں۔ ۱۱ بجے سے حرم کی تیاری کے بعد ساڑھے گیارہ بجے سے ڈھائی بجے تک حرم میں سب کا قیام رہتا۔ اس دوران میں ان حضرات کے یہاں خصوصی ملاقاتیں، عمومی اجتماعات، اُردو کے مختلف حلقے اور عربی کے مختلف حلقے ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری زبانوں کے حلقے، افغانی، تُرکی، انگریزی وغیرہ میں ہوتے رہتے ہیں اور حکومت کی طرف سے مطالبات بھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابھی تک بندش نہیں ہے۔ حضرت شیخ الحدیث پیشاب کی کثرت کی بناء پر ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ ڈھائی بجے واپسی کے بعد تمام حضرات کھانا کھاتے ہیں اور حضرت

شیخ کچھ میوے تناول فرماتے ہیں۔ ۴ بجے حضرت شیخ مخصوص حضرات کے ساتھ حرم میں دوبارہ حاضر ہوتے ہیں اور گاڑی پر بہت معذوری کی وجہ سے تین چار طواف کرتے ہیں۔ چھ بجے حرم سے واپسی پر حضرت شیخ آرام فرماتے ہیں اور دس بجے تہجد کی اذان اور ۱۱ بجے کے قریب صبح کی نماز ادا ہوتی ہے۔"

حج سے فارغ ہو کر اور مکۂ معظمہ میں معتد بہ قیام کر کے مدینۂ طیبہ روانگی ہوئی وہاں سے ۲۲ر اپریل کو مکۂ معظمہ آمد ہوئی۔ دو دن وہاں قیام کے بعد جدہ اور ۲۶ر کو جدہ سے کراچی، وہاں سے ۲۸ر کو دہلی روانگی ہوگئی۔ وہاں حسب توقع استقبال کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ جمعہ اور سنیچر دہلی قیام کر کے یکشنبہ ۳۰ر اپریل کو دس بجے کے قریب سہارنپور تشریف لائے۔ کچے گھر میں وضوء فرما کر مسجد تشریف لے گئے اور دوگانہ ادا فرمانے کے بعد مجمع سے مصافحہ فرمایا، اعزہ اقرباء اور خواص کسی سے بھی نماز سے قبل مصافحہ نہیں کیا۔ اسی وقت بعد نمازِ عصر دعاء کا اعلان ہوا۔ چنانچہ دار الطلباء جدید کی مسجد میں مولانا انعام الحسن صاحب نے دعاء کرائی جس میں شہر اور مضافات کے لوگوں نے شرکت کی۔ دو شنبہ کو صبح چائے کے بعد ہر دو حضرات مع بعض حضرات گنگوہ تشریف لے گئے اور کھانے کے وقت تک لوٹ آئے۔ ظہر کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب بستی نظام الدین واپس گئے اور حضرت شیخ نے بخاری شریف کا درس شروع کرا دیا۔

شیخ کے معمولات و نظامِ اوقات | شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمتِ خلق یکسوئی اور شدید مصروفیت کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی زندہ یادگار ہے جن کا ایک ایک لمحہ عبادت و خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کیلئے وقف تھا اور جن کے کارنامے دیکھ کر ان کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی اور بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتا ہے اور ان کی روحانیت

تائیدِ الٰہی کے سوا اس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد[1] کچے گھر میں[2] تشریف لے آتے ہیں اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ چائے نوش فرماتے ہیں جن کی تعداد پچاس ساٹھ سے شاید کبھی کم ہوتی ہو۔ بعض دنوں میں اس سے بہت بڑھ جاتی ہے، کچھ لوگوں کے لئے ناشتہ کا بھی انتظام ہوتا ہے لیکن اس وقت شیخ کا معمول صرف چائے پینے کا ہے۔ اگر کوئی ایسا عزیز اور اہم مہمان ہوتا ہے جو تھوڑے وقت کے لئے سہارنپور آیا ہوتا ہے یا اس سے کوئی ضروری باتیں کرنی ہوتی ہیں تو تخلیہ کر لیا جاتا ہے اور کچھ دیر وہیں تشریف رکھتے ہیں، پھر بالاخانہ پر اپنے علمی و تصنیفی معمولات پورے کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ جاڑے، گرمی، برسات، حوادث، تحریکات اور کسی بڑے سے بڑے معزز مہمان کی آمد کے موقعہ پر بھی اس میں کمتر فرق واقع ہوتا ہے بعض مرتبہ فرمایا کہ حضرت رائے پوریؒ یا ایسے اکابر و مشائخ کی تشریف آوری کے موقعہ پر میں نے احتراماً اپنا یہ معمول ترک کر دینا چاہا تو سر میں درد ہو گیا۔ اجازت لیکر تھوڑی دیر کے لئے گیا اور تھوڑا سا کام کر کے واپس آگیا۔ اکثر یہ حضرات خود ہی باصرار شیخ کو رخصت فرما دیتے اور حرج گوارا نہ فرماتے۔ اُوپر کی نشست گاہ دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی، ایک چھوٹا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ ہے گویا در و دیوار اسی کے ہیں۔ ان کتابوں کے درمیان بمشکل ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہے جس میں شیخ تشریف رکھتے ہیں۔ وہ جب اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں اور ان کتابوں کے درمیان "پناہ" لیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پرندہ جو دن بھر غیر جنس میں رہا ہو اپنے آشیانہ میں واپس آگیا ہے۔ اس وقت ان کا وہی

---

[1] اس وقفہ میں اب روز بروز طول ہوتا جا رہا ہے، پہلے فجر کی نماز کے کچھ ہی دیر کے بعد تشریف لے آتے تھے، اب دیر تک تلاوت و وظائف میں مشغول رہتے ہیں، سوائے ان خاص موقعوں کے کہ کوئی عزیز مہمان آیا ہوا ہو۔

[2] شیخ کا مکان اسی نام سے مشہور ہے۔

حال ہوتا ہے جس کی تصویر خواجہ میر درد نے اس شعر میں کھینچی ہے ؎

جائیے کس واسطے اے درد میخانہ کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

اگر کسی کو اُس وقت کوئی ضروری بات کہنے کیلئے یا کسی عزیز مہمان کو ملنے کیلئے جانا پڑتا ہے تو اُس کو مشکل بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر، ایک آدھ چمڑہ یا چٹائی کا فرش، کچھ پُرانی شیشیاں اور دواؤں کی بوتلیں، گردجس میں معلوم نہیں کتنا علم کا جوہر اور اخلاص کی تب وتاب ہوتی ہے۔ ۱۱½ بجے تک شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ وہاں کام کرتے رہتے ہیں اور ان کا جی چاہتا ہے کہ سوائے نہایت ضروری اور فوری کاموں کے خلل واقع نہ ہو۔ ان اوقات میں ان خاص مہمانوں اور ذکر وشغل کرنے والے عزیزوں کو اجازت ہوتی ہے کہ صحن میں بیٹھ کر ذکر جہر کرتے رہیں، وہ کام میں مشغول رہتے ہیں اور اس سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۱۱½ بجے نیچے تشریف لے آتے ہیں، دسترخوان بچھتا ہے، مہمانوں کی جماعت کثیر شریکِ طعام ہوتی ہے۔ عام طور پر دو اور تین مرتبہ مجمع بیٹھتا ہے۔ شیخ کی اصطلاح میں اس کو پہلی پیڑھی اور دوسری پیڑھی کہتے ہیں۔ شیخ اول سے آخر تک کھانے میں شریک رہتے ہیں، اپنے کھانے کی رفتار اور مقدار ایسی رکھتے ہیں کہ آخری کھانے والے تک کا ساتھ دے سکیں۔ کھانے میں بالعموم تنوع ہوتا ہے۔ متعدد قسم کے سالن وافر مقدار میں ہوتے ہیں اور بڑے اصرار سے مہمانوں کو کھلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نووارد وناتجربہ کار بعض اوقات اس اصرار سے اپنے معمول سے زیادہ کھا کر تکلیف بھی اٹھاتے ہیں لیکن غور سے دیکھنے والا معلوم کرلیتا ہے کہ شیخ برائے نام شریک ہیں۔ ان کی خوراک اتنی کم ہوتی ہے کہ اس مقدار کے ساتھ اتنی محنت پر تعجب ہوتا ہے۔ لیکن دسترخوان پر وہ ایسا سماں باندھتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلنے پاتا کہ کریم النفس اور فراخدل میزبان خود

کس قدر اس کھانے میں شریک ہے۔

کھانے سے پہلے ڈاک آجاتی ہے جس پر ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں۔ اس ڈاک کی مقدار روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ ان سطور کی تحریر کے زمانہ میں ۳۰۔۴۰ (تیس چالیس) کے درمیان روزانہ خطوط کا اوسط ہے۔

کھانے کے بعد شیخ آرام کرنے کیلئے مضطر ہوتے ہیں ۱۲½ - ۱ (ساڑھے بارہ تا ایک) اس میں ضرور بج جاتا ہے، یہی وقت ان کے آرام کا ہے۔ ظہر کے بعد ایک گھنٹہ وہ ڈاک اور اسی درمیان میں کسی عزیز مہمان سے گفتگو کی نذر کرتے ہیں، گھنٹہ ختم ہونے کے بعد حدیث کے درس کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ پہلے یہ درس دار الطلباء کے دار الحدیث میں ہوتا تھا جو بالائی منزل پر ہے، اب چڑھنے بلکہ چلنے تک کی معذوری کی بنا پر دار الطلباء کی مسجد میں ہوتا ہے۔ مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کی وفات کے بعد سے بخاری شریف آپ ہی پڑھاتے ہیں۔ اس درس کی کیفیت بھی دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی۔ حدیث کے احترام سُنّت کے شغف، اور ذاتِ نبوی سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا ہے۔ اور بعض مرتبہ تو ساری مجلس پر ایک بجلی سی کوند جاتی ہے۔ خصوصاً ختم کتاب اور دُعاء کے موقع پر تو یہ پیمانہ ہزار وسعت وعالی ظرفی کے باوجود چھلک پڑتا ہے، اسی طرح وفات نبویؐ کی احادیث پر دامنِ ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ آنکھیں بے اختیار اشکبار اور آواز گلوگیر ہو جاتی ہے۔

عصر کی نماز کے بعد مکان پر عام مجلس ہوتی ہے، سارا صحن زائرین اور حاضرین سے بھرا ہوتا ہے۔ ان میں مدرسہ کے طلباء اور بعض اساتذہ بھی ہوتے ہیں اور مدرسہ کے مہمان بھی۔ چائے کا اس وقت بھی دور چلتا ہے۔ تعویذ لکھنے کا اسی وقت معمول ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد اب دیر تک مسجد ہی میں رہتے ہیں۔ اگر کوئی خاص مہمان یا عزیز آئے ہوئے ہوتے ہیں تو اُن کو خصوصی طور پر وقت دیدیتے ہیں۔ عشاء کی نماز سے پہلے دسترخوان

پھر بچھ جاتا ہے۔ لیکن شیخ کا عرصہ سے رات کو کھانے کا معمول نہیں۔ کوئی خاص عزیز مہمان ہوئے تو ان کی خاطر دو چار لقمے تناول فرمالیتے ہیں۔ عشاء کے بعد پھر کچھ دیر مخصوص و محدود مجلس رہتی ہے جس میں زیادہ تر بے تکلف اور ہر وقت کے حاضر باش خدام یا عزیز مہمان ہوتے ہیں، پھر آرام فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دن نمازِ جمعہ سے پہلے مختلف دیہاتوں اور اطراف و مواضعات سے آنے والے اہلِ تعلق و ارادت کو مجلس میں شرکت کی اجازت ہوتی ہے۔ اسی موقع پر نئے طالبین کو بیعت بھی فرماتے ہیں اور ذکر و اصلاحِ حال کی تلقین بھی۔ یہ تعداد یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے، سارا صحن اور اندر باہر سب بھر جاتا ہے۔ پھر جمعہ کی تیاری ہوتی ہے۔ جمعہ اب حکیم ایوب صاحب کی چھوٹی مسجد میں جو قریب ترین مسجد ہے ادا فرماتے ہیں۔ کھانا معمولاً و التزاماً جمعہ کے بعد ہوتا ہے۔ عصر کی مجلس عام جمعہ کے دن ملتوی رہتی ہے۔ شیخ کا برسوں سے جمعہ کے دن مابین عصر و مغرب دعا میں مشغول اور متوجہ الی اللہ رہنے کا معمول ہے۔ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا بھی یہی معمول تھا، چائے بھی اس روز مغرب کے بعد ہوتی ہے۔

رمضان المبارک میں تو نظام الاوقات بہت بدل جاتا ہے۔ سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوقِ عبادت و تلاوت اور یکسوئی و انقطاع اپنے نقطۂ عروج پر ہوتا ہے۔ شیخ کے یہاں رمضان کا معاملہ بالکل الگ ہے اور وہ اولیائے متقدمین اور مشائخِ سلف کی آخری یادگاروں میں سے ہے۔ راقم السطور کو ۱۹۴۶ء میں ایک مرتبہ پورا رمضان ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نظام الدین میں قیام تھا اور شیخ کی خصوصی شفقت و تعلق کی وجہ سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، پورے مہینہ کا اعتکاف تھا، روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا التزام تھا قدرے اضافہ کے ساتھ (تاکہ اگر ۲۹ کا چاند ہو جائے تو تیس قرآن مجید ختم کرنے کے معمول میں فرق نہ آئے) نظام الاوقات یہ رہتا

تھا کہ افطار صرف ایک مدنی کھجور سے، پھر ایک پیالی چائے اور ایک بیڑہ پان نمازِ مغرب کے بعد اوّابین شروع فرمادیتے، جن میں کئی پارے پڑھتے۔ اوّابین سے فراغت کے بعد اور عشاء کی نماز سے پیشتر ایک خصوصی مجلس ہوتی جس میں خاص عزیز و خدام شریک رہتے۔ اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی، جس میں ہلکی سی افطاری عموماً امرود یا کیلہ کے کچالو یا کچھ پھلکیاں بُرے وغیرہ۔ لیکن قلیل مقدار میں کھانے کا اس وقت بھی ذکر نہیں۔ یہ گرمیوں کا زمانہ تھا مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لئے تراویح میں بہت دیر ہوجاتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرینِ مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے، شیخ نوافل میں مشغول ہوجاتے۔ سونے کا ایک منٹ کیلئے بھی معمول نہ تھا، اخیر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا۔ نمازِ فجر اوّل وقت ہوجاتی، نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے۔ ۲۴ گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا دَور رہتا۔ یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا، جو کچھ وقت ملتا قرآن مجید کی تلاوت اور دَور میں گزرتا۔

رمضان کی اس مشغولیت اور علوئے ہمت میں صحت کے تنزّل کے باوجود اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی۔ ان سطور کے تحریر کے وقت تک جو پچھلا رمضان ۸۵ھ (۶۶-۱۹۶۵ء) کا گزرا ہے اس کی تفصیل ایک خادمِ خاص اور ہر وقت کے حاضر باش[1] اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"وسطِ شعبان سے ۲۸ رمضان تک جو مہمان باہر سے آئے اور پورا رمضان یا کچھ ایام گزار کر واپس گئے ان کی ایک فہرست ایک خادم نے بطور خود مرتب کی تھی، اس فہرست میں ۳۱۳ مہمانوں کے نام ہیں۔"

---

[1] مولانا منور حسین صاحب بہاری مدرس مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور

حضرت شیخ کا نظام الاوقات رمضان شریف میں یہ رہا۔ سحری کے لئے جب لوگ بیدار ہوتے تو حضرت عموماً نوافل میں مشغول ہوتے اور جب سحری کا وقت ختم ہونے لگتا تو ایک دو انڈے نوش فرماتے اور چائے کی ایک پیالی، پھر جماعت تک تکیہ لگائے لوگوں کی طرف متوجہ رہتے۔ مہمان حضرات آمنے سامنے ہوتے۔ بعد نمازِ فجر آرام فرماتے تقریباً ۹ بجے دن تک۔ پھر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے دوپہر زوال کے قریب تک، پھر ڈاک ملاحظہ فرماتے اور بعض ضروری خط لکھواتے اذانِ ظہر تک۔ پھر نماز میں مشغول ہوتے، بعد ظہر فوراً تلاوت شروع فرماتے مسلسل عصر تک۔ مہمانوں کو ہدایت تھی کہ سب لوگ ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جائیں قبیل عصر تک۔ چنانچہ ذاکرین ذکر میں مشغول ہوتے اور دوسرے حضرات تلاوت میں مشغول رہتے عصر تک، بعد عصر حضرت قرآن شریف سناتے، اکثر مہمان یا تو قرآن شریف سنتے یا خود تلاوت کرتے قبیل افطار تک۔ صرف چند منٹ پہلے تلاوت موقوف کر کے مراقب ہو جاتے۔ مہمانوں کو ہدایت تھی کہ صحنِ مسجد میں افطاری کے دسترخوان پر چلے جائیں۔ اور حضرت اکیلے پردہ میں ہو جاتے اذان پر مدنی کھجور سے افطار اور اس پر زمزم ایک پیالی نوش فرماتے پھر مراقب ہو جاتے یا ٹیک لگا کر بیٹھتے۔ نماز مغرب سے فراغت کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا اور حضرت دیر تک نوافل میں مشغول رہتے اذان کے آدھ گھنٹے پہلے تک۔ اس وقت ایک دو انڈے نوش فرماتے اور ایک پیالی چائے۔ یہ چائے بھی ہفتہ عشرہ کے بعد بہت اصرار پر شروع ہوئی، اسی طرح انڈا بھی سخت اصرار پر منظور فرمایا تھا۔ روٹی چاول وغیرہ کی قسم سے کوئی چیز بھی رمضان بھر بلکہ ایک دن پہلے بھی نوش نہیں فرمائی۔

اذانِ عشاء سے آدھ گھنٹہ پہلے پردہ ہٹایا جاتا حضرت ٹیک لگا کر مہمانوں کی طرف متوجہ رہتے عجب منظر ہوتا۔ نئے آنے والے ملتے پھر اذان ہو جانے پر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل پھر فرض وتراویح میں مشغول ہو جاتے۔ اس رمضان میں تین قسم کی سماعت

فرمائی۔ پہلے مفتی یحییٰ صاحب نے سُنائی، پھر حافظ فرقان صاحب نے، پھر میاں سلمان سلمہٗ، پسر مفتی یحییٰ صاحب نے، پُورا ماہ اعتکاف میں گزرا اور اکثر و بیشتر مہمان بھی معتکف رہے حتّٰی کہ بسا اوقات ڈاک خانہ بھیجنے کے لئے کسی آدمی کا ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ بس حضرت کے تین چار خادموں کو خاص کر کے ضروریات کے لئے غیر معتکف دیکھا گیا۔

آخر عشرہ میں یا اس سے کچھ پہلے بعض بعض دوستوں کے بار بار مٹھائی یا کباب لانے کی بنا پر تراویح کے بعد ایک دو لقمہ مٹھائی یا شامی کباب بھی نوش فرما لیتے، مگر اکثر تو تقسیم ہی کرا دیتے۔ اوائلِ رمضان میں اعلان کرا دیا گیا تھا، یعنی حضرت نے خود فرما دیا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی۔ چنانچہ کتاب ہی سُنانے کا معمول رہا اور اُس وقت چنا یا پھلکی وغیرہ کا جو معمول پہلے سے چلا آرہا تھا اِس رمضان میں بند کروا دیا گیا تھا کہ وقت ضائع ہوگا، کتاب وغیرہ سے فراغت کے بعد فرماتے "حضرات جاؤ، وقت کی قدر کرو"۔ چنانچہ اکثر تلاوت یا نماز میں لگ جاتے اور حضرت بھی مشغول ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد کچھ دیر کے لئے آرام فرماتے مگر "تنام عینائی ولا ینام قلبی" کی طرح کیفیت رہتی کہ ابو الحسن سلمہٗ سے جو پاس ہی کو ہوتے کبھی کوئی بات فرما بھی دیتے اور یہ فرماتے کہ تم لوگوں کی تلاوت و ذکر سے میرے آرام میں فرق نہیں آتا۔

اگلے رمضان (۱۳۸۶ھ) کا نظام تقریباً وہی رہا، کچھ چیزوں میں تبدیلی تھی مولوی منور حسین صاحب بہاری نے اپنے مکتوب میں جو حالات لکھے ہیں اُس کی چند اہم باتیں یہ ہیں:۔

"۲۹ رشعبان کو فجر کی نماز سے پہلے ہی مہمانوں اور معتکفوں نے اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کرنا اور بستر ے پھیلانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ بعد فجر جو لوگ گئے تو اکثروں کو تیسری صف میں جگہ ملی۔ حضرت پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے کہ ۲۹ رشعبان کو بعد عصر مسجد ہی سے اعتکاف گاہ منتقل ہو جائیں گے

چنانچہ تشریف لے گئے اور نو بجے سے اُوپر، سَو سے تین چار کم مہمان بھی مسجد دار الطلباء جدید میں اقامت و اعتکاف کی نیت سے پہنچ گئے، حالانکہ مسجد بہت وسیع اور اندر چھ صفوں کی جگہ ہے مگر مہمانوں اور سامان سے مسجد بھر گئی۔ چنانچہ جو مہمان رات کو یا صبح سے پہلے یا بعد پہنچے اُن کو مسجد کے برآمدے میں جگہ دلوائی گئی، شام کے دستر خوان میں سَو سے کم اور سحری کے وقت سَو سے زائد مہمان ہو گئے تھے۔ پھر مہمان آتے گئے اور برآمدۂ مسجد کے پُر ہو جانے پر اندرونِ مسجد جگہ جا بجا دلوائی گئی اور ہر مہمان کو تقریباً ڈیڑھ فٹ کی جگہ اخیر کے دو عشروں میں میسّر رہی۔ مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے عشرہ کے وسط میں ایک عظیم الشان خیمہ نصب کرایا گیا یعنی مسجد کے کھلے صحن میں۔ وہ بھی اخیر عشرہ میں بھر گیا۔ پہلے ہی سے دار الطلباء جدید کے چھ کمروں کو خالی کرالیا گیا تھا، چنانچہ پہلے دوسرے عشروں میں تو صرف معززین کو ان کمروں میں چارپائیوں پر ٹھہرایا جاتا تھا مگر اخیر عشرہ میں دو کمرے تو معززین کے لئے رہے، باقی چار کمروں میں پیال ڈلوا کر عام مہمانوں کو ٹھہرایا گیا۔ بعد کو سب ہی کمروں میں پیال پڑے۔ ۲۳ سے ۲۸ تک تقریباً پونے تین سو مہمان دستر خوان پر کھاتے رہے، مزید مولوی نصیر الدین صاحب کے پاس کھاتے رہے...... اس سال تبلیغی جماعتیں، علماء اور مدرسین اور اہلِ علم کثرت سے آئے۔ حضرت نے متعدد اشخاص کو اجازت دی، گجرات، بمبئی، پالن پور کے مہمانوں کی تعداد نمایاں تھی۔ یوں یوپی والوں کی تعداد مجموعی طور پر زیادہ تھی۔ افریقہ، انڈمان، میسور، مدراس، بنگال اوڑیسہ، بہار اور آسام کے مہمان بھی تھے۔"

ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے رہتے، تمام مہمان ذکر میں مشغول رہتے۔ عصر تک اکثر

ذکرِ جہری میں، بعض ذکرِ سرّی یا مراقبہ میں اور کچھ تلاوت میں۔ بات چیت کرنے کی قطعی اجازت نہیں تھی، عام ہدایت تھی کہ ہمارے یہاں آؤ تو بات چیت نہ کرو، خواہ سورہو، یا خاموش بیٹھے رہو، کوئی حرج نہیں۔ عصر کے بعد کتابیں سُنائی جاتیں۔ امداد السلوک، علامہ سیوطی کا ایک رسالہ، نیز ایک اور رسالہ، پھر اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم پھر اکمال الشیم شرح اتمام النعم، سلوک کی کتابیں پورے رمضان میں سُنائی گئیں۔ افطار سے پندرہ منٹ پہلے کتاب سُنانی موقوف کر دیتے اور پردہ میں مراقب ہو جاتے۔ نمازِ مغرب کے بعد تقریباً پون گھنٹے نوافل میں مشغول رہتے، پھر دو انڈوں کی زردی نوش فرما کر ایک پیالی چائے پی لیتے۔ پردہ ہٹادیا جاتا۔ تقریباً سوا سات بجے عام مجلس شروع ہو جاتی۔ نئے آنے والوں سے مصافحہ فرماتے اور کب تک قیام کا سوال فرماتے اور محلِ قیام کے لئے ہدایت فرماتے، پھر آٹھ بجے تک بزرگوں کے واقعات بیان فرماتے، اسی درمیان میں بیعت بھی فرماتے، اذان ہوتے ہی نماز کی تیاری کو فرماتے اور خود ضروریات سے فارغ ہوتے اور نوافل شروع فرماتے۔

تراویح سے فراغت پر سورۂ یاسین کا ختم ہوتا اور دیر تک دُعا فرماتے رہتے، تبلیغی جماعت کے مخصوص حضرات ہوتے تو ان سے دُعا کی فرمائش۔ پھر کتاب سُنانے کا سلسلہ ساڑھے گیارہ بجے تک رہتا اور تبلیغی کارروائی سُنائی جاتی۔ اس کتابی مجلس کے اختتام پر تقریباً ۱۲ بجے شب کو پردہ گرادیا جاتا۔ اس سال گھر والوں اور دوستوں کے اصرار، تقاضہ اور اس بناء پر کہ بالکل فاقہ رہنے پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا اور پانی پینے پر معدہ میں رطوبت بہت بڑھ گئی تھی، جس کے نتیجہ میں رمضان کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کھایا نہیں جاتا افطاری کا سلسلہ شروع کیا گیا، حضرت کچھ تفکّہ فرمالیتے۔ پون بجے تک مخصوص مجلس جاری رہتی، مراقبہ کی کیفیت رہتی۔ ایک بجے کے بعد سو جاتے۔ چار بجے اُٹھتے، ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ اذان ہو جاتی۔

شیخ کا ان سب علمی و تحقیقی اور دینی و روحانی مشاغل و معمولات کے علاوہ (جن کی موجودگی میں فرصت عنقا معلوم ہوتی ہے) ایک قدیم معمول اہم واقعات و حوادث وفیات اور اپنے بزرگوں، احباب اور مخصوص خدام کی آمد و رفت دورہ و سیر، نقل و حرکت کے قلمبند کرنے کا بھی ہے، جس کی حیثیت ایک مکمل و مفصل روزنامچہ کی سی ہو گئی ہے۔ اس روزنامچہ میں قمری و شمسی، سنہ و مہینہ اور تاریخ کی قید کے ساتھ گردوپیش کے اہم واقعات درج ہیں اسی کی مدد سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت رائے پوریؒ اور سب سے بڑھ کر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح مرتب ہو سکی۔ مولانا مدنیؒ سے متعلق بھی اس میں بہت معلومات و اندراجات ہیں۔ ان بزرگوں کے علاوہ بہت سے خدام اور اہلِ تعلق کے آنے جانے اور ان کے تعلق رکھنے والے واقعات کی تفصیل ملے گی۔ یہ ایک طرح کا "جامِ جہاں نما" ہے جس میں ہندوستان، ہندوستان سے باہر کے بھی بہت سے واقعات اور شخصیات کی سوانح و سنین اور تاریخیں ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ شیخ کو اتنی مصروفیت میں اس کے لئے وقت کیسے مل جاتا ہے۔

اخبارات کے مطالعہ کا ہمیشہ معمول رہا، بڑے اہتمام سے روزانہ کے اہم اخبارات محفوظ رکھے جاتے اور شیخ ان کو فرصت سے مطالعہ فرماتے۔ دُنیا کے حالات اور جماعتوں کے مزاج و اشتعال سے باخبری کا ہمیشہ ذوق رہا۔ لیکن اب جب سے نزول الماء کی شکایت ہوئی ہے اور آتشیں شیشہ کی مدد کے بغیر وہ مطالعہ نہیں کر سکتے اخبارات کے مطالعہ کا معمول تقریباً چھوٹ گیا ہے۔ کبھی کوئی اہم مضمون ہوتا ہے تو اس کو پڑھوا کر سن لیتے ہیں، لیکن باخبری اور بیدار مغزی میں اب بھی کوئی فرق نہیں۔

چند اہم خصوصیات و کمالات کسی ایسی ہستی کی خصوصیات اور کمالات کو لکھنا جس کے ساتھ اللہ تعالٰی کا اجتبائی معاملہ ہو اور جس کو مدارجِ عالیہ سے نوازا گیا ہو نہ صرف دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہے کہ روحانی کمالات، باطنی کیفیات اور

عبد و معبود کے معاملات کا صحیح علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا ع
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

لیکن جو نمایاں پہلو کوتاہ نظروں اور کم نگاہوں کو بھی نظر آجاتے ہیں، ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں نہایت اختصار کے ساتھ اور عجلت میں یہ چند سطریں قلمبند کی جارہی ہیں۔

علوئے استعداد و علوئے ہمّت شیخ کی سب سے زیادہ نمایاں صفت اور اقران و معاصرین میں ان کا امتیاز، وہ عالی جوہر، بلند استعداد، اور بلند ہمت ہے جو ان کے حصہ میں آئی ہے، ان کی اس علوئے استعداد کی شہادت بڑے بڑے اہلِ نظر نے دی ہے۔ اور اس کے بغیر یہ ترقیات اور کمالات جن سے اللہ تعالےٰ نے ان کو بہرہ مند کیا ہے، ممکن نہیں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہماری جہاں انتہا، ہوتی ہے وہاں سے تم لوگوں کی ابتدا ہوتی ہے، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ان چچا بھتیجے (مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور شیخ الحدیث) کی بات ہی الگ ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوئی، مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے ساتھ اپنے ایک خورد اور فرزند کا سا معاملہ جتنا فرماتے تھے اس سے زیادہ ایک بزرگ اور بلند مرتبت شیخ کا سا معاملہ فرماتے۔ اس کا کچھ اندازہ اس خط سے ہوگا، جو خوش قسمتی سے راقم سطور کے پاس محفوظ ہے، اور خلافِ معمول مولانا ہی کے قلم سے لکھا ہوا ہے:۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنے ساتھ آپ کا حُسنِ ظن خوش قسمتی اور عند اللہ بڑی اُمیدوں کا باعث جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ شانہٗ خوش رکھیں اور اپنے ساتھ صافی و صادق یکسوئی و طمانیت کے ساتھ

نسبتہ محمدیہ مرضیہ روزی فرمائیں، اللّٰھم آمین۔

دل خواہاں تھا کہ رمضان مبارک میں تمہارے قُرب سے حلاوت اندوز ہوتا مگر تمہیں اپنی دلجمعی جس طرح بھی معمول ہو اُس کی پابندی مناسب ہے، تم جیسے عالی ہمت کے لئے اہل وعیال کا روڑا ہو جاتا تو قلب قبول نہیں کرتا مگر انشاء اللہ مناسب وہی ہوگا جس طرف طبیعت مائل ہو، اسبابِ ظاہری کچھ ہی ہوں۔

رمضانِ مبارک میں بندہ بھی دعوات کا خواہاں ہے، بھولیں نہیں بندہ کے لئے تمہاری ذات انشاء اللہ سرمایۂ دارین ہے تو دعاء دل وجان سے نکلنی ضروری ہے، مگر افسوس خدا جانے دل وجان کس غاشیہ میں ہیں، کچھ پتہ نہیں، اللّٰھم ارحم، اللّٰھم ارحم، گھر میں سب کو دعوات۔

عزیزی حکیم ایوب کو سلام کے بعد فرمادیں کہ ہمت رکھیں، غفلت نہ کریں آپ اپنا ورد و مشغلہ...... تحریر فرمائیں۔ فقط والسّلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

۱۴ر فروری ۲۹ء

ڈاک خانہ کی مہر کی تاریخ

بلند ہمتی وعالی حوصلگی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ان کی زندگی کا سارا محور گھومتا ہے۔ ان کے خمیر میں علوئے ہمت اور فراخیِ حوصلہ کا جوہر ہے۔ علم وتصنیف کا میدان ہو یا عبادت وقُربِ الٰہی کا یا خدمت ومہمانداری کا یا زہد وتوکّل کا، ہر جگہ ان کی بلند ہمتی کے جوہر عیاں ہیں۔ مال ودولت کو انہوں نے کبھی قابلِ توجہ اور قابلِ التفات نہیں سمجھا، بیش قرار تنخواہوں اور زرّیں موقعوں کے ٹھکرا دینے کے دو واقعے گزر چکے ہیں۔

جھنجھانہ کی ایک بڑی آبائی جائداد سے جو تھوڑی سی کوشش سے حاصل ہو سکتی تھی یہ کہکر صرفِ نظر کر لیا اور ہمیشہ کے لئے اس کا خیال بھی دل سے نکال دیا کہ میرے پاس اس کے حصول کی کوشش کے لئے نہ وقت ہے نہ موقع ۔ اس عالی ہمتی کا کرشمہ ہے کہ اپنے خاص عزیزوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بے تکلف قرض لے لئے ہیں. مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اس حج کے موقع پر جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد مع اہل وعیال واعزّہ ہونے والا تھا تقریباً تیس ہزار کی رقم قرض لیکر مہیا فرمادی اس کا نتیجہ ہے کہ کبھی کبھی ساٹھ ہزار تک قرض کی مقدار پہنچ گئی لیکن اللہ تعالیٰ برابر اس بار کو ہلکا کرتا رہتا ہے اور غیب سے سامان پیدا فرماتا رہتا ہے ۔

اس علوئے ہمت وایثار کا ایک حیرت انگیز واقعہ جو اس زمانہ کے لحاظ سے ناقابلِ قیاس اور بہت سے لوگوں کے لئے ناقابلِ یقین ہوگا ، یہ ہے کہ ایک ایسے بزرگ عالم کے انتقال پر جن کے ساتھ مل کر شیخ نے بہت عرصہ تک کام کیا تھا اور جن سے کچھ تلمذ کا رشتہ بھی تھا ، جب ان کے ترکہ کی تقسیم اور قرض کے تصفیہ کے لئے ان کے ورثاء اور اہلِ تعلق جمع ہوئے تو ورثاء نے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لینے سے جو غالباً پانچ ہزار کی مقدار میں تھا صاف معذرت کر دی ۔ شیخ نے بے تکلف اس قرض کو اپنے ذمہ لے لیا اور ادا فرمایا ۔

مہمانوں کی کثرت مصارف کی زیادتی آنے جانے والوں کے ہجوم افکار و تردّدات روز افزوں ترقی پے در پے جانکاہ حادثات اور جان سے زیادہ عزیزوں اور بزرگوں کی وفات کے داغ ، خاص طور پر شفیق چچا مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور محبوب باعثِ فخر بھائی و داماد مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اچانک رحلت وہ صدمے ہیں جن کا برداشت کر لیجانا اور اس سب کے باوجود زندگی کے معمولات ، طبیعت کی شگفتگی اور مہمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں فرق نہ آنے دینا ، غیر معمولی استعداد اور ہمتِ خداداد

کے بغیر ممکن نہیں۔

شیخ کا زہد و توکّل بھی اسی علوئے ہمّت کا ایک کرشمہ ہے۔ اُنھوں نے اسبابِ دُنیا کی فراہمی کی طرف کبھی از خود توجہ نہیں فرمائی کرایہ کے مکان میں رہنا شروع کیا جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں کا مکین زندہ نہیں رہتا۔ چنانچہ پے در پے دو تین موتیں ہوئیں، پہلے والد صاحب، پھر والدہ، پھر چھوٹے بھائی نے قضا کی لیکن شیخ نے اس مکان سے جنبش نہ کی۔ کبھی اس کو خریدنے کا خیال نہ تھا لیکن اسباب غیب سے ایسے پیدا ہوتے چلے گئے کہ مکان خریدنا پڑا، گھر نیم خام، نیم پختہ تھا، باہر مردانہ میں بیٹھنے کے لئے اور زنانخانہ میں رہنے کے لئے بہت کم گنجائش تھی۔ بہت سے مخلصین نے توسیع کی طرف متوجہ کیا اور مشورہ دیا کہ مکان میں اضافہ اور مرمت کرادی جائے۔ عمر کی بے ثباتی کا حوالہ دیکر ہمیشہ معذرت کی۔ باہر کے جس کمرہ میں قیام تھا اُس کی چھت کہنہ اور شکستہ تھی عرصہ تک ایک ستون کے ذریعہ اس کو روکا گیا بالآخر ان کے منتظم کار مولوی نصیر الدین صاحب نے ان کے رائے پور کے قیام سے ایک مرتبہ فائدہ اُٹھایا، حضرت رائے پوری کو لکھدیا کہ میں مکان میں کام لگا رہا ہوں آپ شیخ کو ایک ہفتہ کے لئے مزید روک لیجئے۔ حضرت نے بہانوں سے روک لیا اور کمرہ کو پختہ کرادیا گیا۔ ایک پختہ چھجّہ بھی بارش سے حفاظت اور آراستگی کے لئے بنادیا گیا۔ شیخ واپس آئے تو اس چھجّہ کی تعمیر پر بہت ناراض ہوئے۔ اور اس کو مدِ فضول اور اسراف قرار دیکر خود توڑ ڈالا اور اس کی جگہ وہی پُرانا ٹین کا سائبان لگادیا گیا۔ جب مہمانوں کی کسی طرح سے گنجائش نہ رہی تو اس کمرہ کے بالمقابل خدّام نے ایک مسقف حصّہ بنادیا، جس میں عام طور پر دوپہر کا کھانا ہوتا ہے اپنے لباس اور اسباب خانہ داری کے بارے میں اور تمام ذاتی معاملات میں اسی قناعت زہد و توکّل، بے اعتنائی اور وارستہ مزاجی سے کام لیتے ہیں اور تلاش کرنے والے کو کہیں کوئی سامانِ تجمّل یا اہتمام نظر نہیں آئے گا۔

صدمات وحوادثات کے موقع پر شیخ کا ضبط وتحمل، عالی حوصلگی اور شانِ تسلیم و رضا، اولیائے متقدمین اور عارفینِ قدیم کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اور اس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ عام طور پر وہ بڑے سے بڑے صدمہ کے موقعہ پر نہ خود راضی برضا، صابر وضابط اور متبسّم و پُرسکینت نظر آتے ہیں بلکہ دوسرے غمزدہ اعزہ واحباب کیلئے وجہ تسکین، باعثِ تقویت اور عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہوشربا اور رُوح فرسا حادثۂ وفات پر ان کی یہی کیفیت دیکھی، بعض عزیز و نواسوں اور صاحبزادیوں کے انتقال پر بھی اُن کی یہی شان نظر آئی کہ وہ دوسروں کو تسلّی دے رہے تھے اور تبسّم وخوش مزاجی کے ساتھ مہمانوں کی مہمانداری اور آنے والوں کے استقبال میں مصروف ہیں اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی کی وہ مجسّم تصویر نظر آتے ہیں۔

جامعیّت اللہ تعالیٰ نے شیخ کے ذات ومزاج کو عجیب وغریب جامعیت عطاء فرمائی ہے، جس نے بارہا پنبۂ وآتش وشیشہ وآہن کو جمع کر کے دکھایا، طبعی یکسوئی اور فطری خلوت پسندی کے ساتھ مختلف النوع مہمانوں کے حقوقِ ضیافت کی ادائیگی اور ان کا اکرام واہتمام، علم وعمل کے تقاضوں کو باہم جمع کرنا نہ صرف مختلف المذاق بلکہ مقابل مسلکوں اور مختلف تحریکات اور مشاغل کے حاملین سے بیک وقت عقیدت ومحبّت اعتراف واقرار، حمایت ودفاع کا تعلق رکھنا اور ان سب کا بیک وقت معتمد علیہ ہونا ایک ایسی خصوصیت ہے جس میں بہت کم لوگ شیخ کے شریک وسہیم ہوں گے۔ کانگریس اور لیگ کے شدید اختلاف اور تھانہ بھون اور دیوبند کے بُعد کے دَور میں بھی وہ دونوں جگہ وقیع محترم اور محبوب رہے اور ان کی ذات ان تمام تنازعات اور کشاکشوں سے الگ تھلگ رہی، حضرت رائے پوریؒ اور ان کے خدّام

کی جماعتِ احرار اور اس کے سرگروہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیبُ الرحمٰن لُدھیانوی اسی طرح ان کے گھر کو اپنا گھر اور اُن کی ذات کو اپنا خیر خواہ دُعاگو اور مخلص سمجھتے رہے، جیسا کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اور حضرت تھانویؒ کے خلفاء و مریدین مولانا مدنیؒ کے ساتھ ان کو جو خصوصی تعلق و محبت اور اسی کے ساتھ مولانا تھانویؒ کے ساتھ ان کی جو عقیدت و عظمت اِس پُورے دَورِ اختلاف میں رہی وہ کسی جاننے والے سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی تصنیف "الاعتدال فی مراتب الرجال" ان کے اس ذوق اس جامعیت اور اس توسط و اعتدال کا آئینہ ہے جس سے اللہ تعالٰی نے ان کو نوازا ہے اور جس نے بارہا ان دینی گروہوں میں جو سب کے سب ایک ہی مرکز و ایک ہی مسلک سے وابستہ تھے وصل و اتحاد کا بہت کام انجام دیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مختلف مذاق کے لوگ اور مختلف مشائخ سے تعلق رکھنے والے اپنی علمی و عملی مشکلات کے اُلجھنوں کے موقعوں پر شیخ کی طرف رُجوع کرتے ہیں اور اُن کو اطمینان بخش اور فیصلہ کُن جواب ملتا ہے۔

سوز و گداز و محبت اور خودانکاری و تواضع

شیخ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار و سکینت اور ضبط و تحمل کے فانوس میں عشق و محبت کا ایک ایسا شعلہ ہے جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں۔ ان کا خمیر عشق و محبت کے اس جوہر کے ساتھ گوندھا گیا ہے اور وہ شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاء و عناصر سے زیادہ مقدار میں ہے ان کا حال وہ ہے جو سوداؔ نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے ؏

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

عشق و محبت کے اس جوہر کا اندازہ اُس وقت ہوتا ہے اور اس کے شرارے اسی وقت نظر آتے ہیں جب عشقِ الٰہی، ذاتِ رسالت پناہی اور واصلانِ بارگاہِ الٰہی

کا تذکرہ ہو۔ راقمِ سطور نے اپنے پہلے سفرِ حجاز کے موقعہ پر مدینۂ طیبہ سے ایک خط لکھا جس میں مدینہ کے راستہ کی کیفیات اور بعض نعتیہ اشعار تھے۔ جب یہ خط پہنچا تو شیخ کی عجیب کیفیت تھی، جو لوگ پاس موجود تھے اُن کا بیان ہے کہ ایک عزیز خادم[۱] جو خوش الحان بھی ہیں، ان اشعار کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کی فرمائش ہوئی۔ گرمی کا زمانہ تھا، رمضان کے ایام تھے، اعتکاف کا موقعہ تھا، اس وقت کچھ لوگ شیخ کا بدن دبا رہے تھے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس وقت ان صاحب نے یہ اشعار پڑھے، اُس وقت شیخ فرطِ شوق اور شدتِ جوش میں بالشت بالشت بھر اُچھل جاتے۔ جو لوگ بدن دبا رہے تھے اُن کو محسوس ہو رہا تھا کہ شیخ کے جسم میں ایک بجلی سی پیدا ہو گئی ہے، اور وہ اپنی کیفیت کو کسی طرح چھپا نہیں سکتے۔ راقمِ سطور نے خود بارہا دیکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حالات اپنے ایک مسودہ سے حضرت رائپوریؒ کو سنا رہا ہے، شیخ پاس کی چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، ان پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ چارپائی ہلنے لگی۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی معیت میں جو حج ہوا تو اس سے واپسی کے موقع پر اس طرح بلک بلک کر رونے لگے جیسے بچہ اپنی ماں کی گود سے علیحدہ کیا جائے تو وہ بیقرار ہو کر روتا اور بلکتا ہے[۲]

اس سرزمینِ مقدس اور دیارِ حبیب سے ان کی روح اور قلب کو جو تعلق اور وابستگی ہے اور اُس کے چھوٹنے پر ان کے دل پر جو کچھ گزر رہی تھی اس کا کچھ اندازہ ان سطور سے ہوگا جو ان کے ایک مخلص خادم نے ان سطور کے راقم کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھی ہیں:۔

" طائف سے واپسی پر عمرہ کر کے (جعرانہ سے احرام باندھا تھا)

---

[۱] مولوی عبدالمنان صاحب دہلوی مراد ہیں۔ [۲] روایت مولوی محمد اقبال صاحب ہوشیارپوری

دوسرے روز جدہ روانگی ہوگئی۔ حدودِ حرم کے ختم پر جو کنواں ہے وہاں مغرب کا وقت ہوا۔ نماز کے بعد سوار ہونے کے وقت حضرت پر گریہ طاری ہوا، پھر جدہ پہنچکر محمد علی خاں صاحب کے مکان پر رات قیام تھا، ساری رات عجیب بے چینی میں گزری۔ حضرت کی خدمت میں صرف محترمی ابوالحسن صاحب اور بندہ موجود تھے۔ باقی خدام اور حضرات، حضرت جیؒ کے ساتھ دوسرے کمروں میں تھے۔ حضرت بار بار اُٹھ کر بیٹھتے، اور ہم لوگ بھی آہٹ پاکر اُٹھ جاتے اور کسی وقت سوئے بنے رہتے اور دیکھتے رہتے۔ بندہ کو ۲۲ سال سے کئی دفعہ کافی عرصہ کے لئے حضرت کی خدمت میں رہنا ہوا۔ سفر حضر، عزیزوں بزرگوں کی اموات، رمضان المبارک کی راتیں، حج کا سفر عرفات وغیرہ، مختلف اوقات وحالات میں حاضری نصیب ہوئی، مگر ایسی حالت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کبھی کھڑکی سے مُنہ نکال کر گلی میں راستوں کو دیکھ رہے ہیں اور فرمارہے ہیں ابوالحسن آج اور عرب کی زمین دیکھ لے، صبح کو جانا ہی ہے۔ دوسرے روز ہوائی اڈہ پر انتظار میں ویٹنگ روم میں بیٹھنا ہوا، موسم حج اور اپنے ساتھ پاکستان جانے والوں کا کثیر مجمع اور جدہ میں رخصت کرنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے کافی وقت بیٹھنا ہوا۔ بندہ نے حضرت کو روتے ہوئے پہلے بھی بہت کثرت سے دیکھا ہے۔ اکثر اوقات تو ایسا کہ اجنبی کو تو ظاہر نہ ہوتا تھا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت رو رہے ہیں۔ اور بعض وقت دیکھنے والوں کو محسوس ہوجاتا تھا کہ نماز، تلاوت وغیرہ میں حضرت رو رہے ہیں، لیکن آنسوؤں کی کثرت کا دستور نہ تھا۔ اور یہ قانون تھا کہ ایسی حالت میں جب کوئی ملنے والا آگیا یا کوئی دوسرا موضوع سامنے آیا جس میں کسی سے ہنسی مذاق اور خندہ پیشانی

کی ضرورت ہوتی یا کسی کو ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی تو ظاہری طور پر حضرت کی وہ حالت فوراً ختم ہو جاتی اور آنے والے کو کچھ محسوس نہ ہوتا، وقت کے حق کے مطابق حالت ہو جاتی۔ اس رخصتی والے دن کی حالت بالکل نرالی تھی۔ حضرت تشریف فرما تھے، اردگرد کافی مجمع تھا، لیکن حضرت ایسے بیٹھے ہوئے تھے جیسے کہ بالکل اکیلے ہوں۔ کوئی بات، کلام، توجہ نہ تھی۔ بے تحاشہ رو رہے تھے، آنسو آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے، کُرتہ تربتر ہو رہا تھا، چہرۂ مبارک سُرخ اور آنکھوں کے پانی سے ایسا دُھل رہا تھا جیسا کہ کوئی نل کے نیچے بیٹھا ہو۔ بس آواز تو نہیں تھی، حضرت ہاتھ ڈھیلے کئے بیٹھے تھے، لوگ چُپ چاپ مصافحہ کرتے جاتے تھے، ایک دہشت سی تھی، اسی حالت میں رخصتی ہوئی۔ چونکہ اس قسم کی حالت ہمیشہ مخفی رکھنے کی عادت تھی، اس لئے اگر خود نہ دیکھا ہوتا تو مجھے بھی یقین نہ آتا، بیان کو مبالغہ سمجھتا، اور اب اس بیان کو ناکافی سمجھ رہا ہوں۔"

اسی محبت واخلاص نے ان کے درس، ان کی تصنیفات اور ان کے ساتھ بیعت و ارادت کے تعلق میں وہ تاثیر اور کیفیت پیدا کر دی ہے جو اہلِ عشق کے ساتھ مخصوص ہے۔

ان کمالات کے ساتھ جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے اور اس محبوبیتؔ اختصاص کے باوجود جو ان کو اکابر و شیوخ کے حلقہ میں ہمیشہ سے حاصل رہا ہے وہ اپنے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اور دعائے نبویؐ " اللّٰھمّ اجعلنی فی عینی صغیرًا و فی اعین النّاس کبیرًا " کا ان کی زندگی میں کس قدر ظہور ہوا ہے اس کا کچھ اندازہ مندرجۂ ذیل اقتباسات سے ہوگا۔ جو اِن گرامی ناموں سے ماخوذ ہیں جو اس عاجز کے نام حجاز بھیجے گئے تھے، پیش کئے جاتے ہیں:۔

"بعد سلام مسنون رائے بریلی والا پرچہ پہنچا۔ روانگی سے قبل ملاقات

کو تو بندہ کا دل بھی چاہتا ہے، مگر وقت تنگ رہ گیا۔ یہاں تشریف لانا ایسے تنگ وقت میں دشوار ہوگا۔ اور مجھے بھی مولوی یوسف صاحب آجکل میں بلا رہے ہیں۔ اس وقت جاکر فورًا دوبارہ جانا مشکل ہے۔ میں نے ان کو کل لکھا تو ہے کہ بجائے اِس وقت کے اگر اُس وقت بُلائیں تو زیادہ اچھا ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ دہلی سے روانگی کس وقت ہے، یا روانگی براہِ سہارنپور ہے۔ دہلی سے دریافت بھی کیا ہے، مگر وہاں سے جواب کا آنا بھی کارے دارد، بہرحال اگر ملاقات نہ ہو سکے تو تُو اوّلاً اپنی تمام تقصیرات اور بے عنوانیوں کی معافی چاہتا ہوں، ثانیًا

جاتے ہو تو جاؤ، پہ اتنا تو سُن جاؤ

یاد جو آجائیں تو مرنے کی دعا کرنا

بارگاہِ رسالت پر پہنچ کر اگر یاد آجائے تو یہ الفاظ بھی عرض کر دینا ایک رُو سیاہ ہندی کُتّے نے بھی سلام عرض کیا تھا۔ اگر ایک دو طواف بھی اس ناکارہ کی طرف سے کر دیں تو آپ جیسے کریم جفاکش حضرات سے اُمید ہے کہ بار نہ ہوگا۔ یہی چیزیں اس ناکارہ اور نااہل کیلئے اعلیٰ تبرکات ہیں۔ کسی تبرک کے لانے کا ہرگز ہرگز ارادہ نہ کریں، اس کا نعم البدل میں نے تعلقات کی قوت کے زور میں خود ہی تجویز کر دیا کہ مجھے کھجور، زمزم وغیرہ تبرکات کی بہ نسبت دعاء اور طواف کی مسرت ہی زیادہ ہوگی اور احتیاج بھی زیادہ ہے

فقط والسلام

زکریا، مظاہر علوم

۲۳ر رجب ۶۶ھ

ے کس پر؟ یہ کیا بتاؤں!

"روضۂ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ وسلام"

بعد سلام مسنون، گرامی نامہ مورخہ ۱۳ر رمضان ۲۰ر ماہِ مبارک کو پہنچا۔ ہر چند کہ ماہِ مبارک میں خط لکھنے کا وقت ارادہ سے بھی نہیں ملتا لیکن آپ کے انتظار نے مجبور کیا کہ چند سطور تو لکھ ہی دوں۔

گرامی نامہ نے گرمی کے رمضان میں ایک شعلہ سا بدن میں پیدا کر دیا اس کے سوا کیا عرض کروں ھنیئاً لأرباب النعیم نعیمھم، آپ نے راستہ کی کیفیت اور مناظر تحریر فرما کر سابقہ حالات اور پرانے واقعات یاد دلا دئے۔ آپ نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ مدینہ طیبہ کا قیام کب تک ہے؟ تاکہ عید کے بعد کے عرائض کے متعلق رائے قائم کرسکوں۔ ماہِ مبارک اب قریب الختم ہے، اس میں دوسرا عریضہ بظاہر نہ جا سکے گا۔ اس کے بعد تقریباً ایک عشرہ مسلسل اسفار رائپور وغیرہ میں صرف ہوگا.........

.... روضۂ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ وسلام کی درخواست جملہ حضرات کی خدمت میں مکرر عرض ہے۔

زکریا، نظام الدین

۲۳ر رمضان ۶۶ھ۔

"بعد سلام مسنون، خیال بلکہ یقین تھا کہ دہلی میں الوداعی زیارت ضرور ہوگی اور اپنی بدحالی کو پیش کر کے کچھ مانگنے کی درخواست کروں گا، اپنے دہلی کے اس سفر میں اہم مقصد آپ کی زیارت ہی تھی، مگر نظامِ سفر ایسا گڑبڑ ہوا کہ مجھے خود ہی مولانا مولوی محمد منظور صاحب نعمانی کی معرفت یہ کہلانا پڑا کہ آپ سیدھے ہی تشریف لے جائیں مگر یہ ضرور ہے کہ نہ ملنے کا

قلق ضرور رہا اور رہے گا، اب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ان حروف کے ذریعہ اپنی بدحالی کو پیش کروں، آپ خود ہی اندازہ کر لیں گے کہ اس سے زیادہ محروم القسمت کون ہوگا جس کو حضرت اقدس اور آپ جیسا بہترین رفیق سفر ملے اور کرایہ کا اس کو اشکال نہ ہو بظاہر کوئی مانع نہ ہو پھر بھی وہ محروم رہے تو اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی رُو سیاہی اس قابل نہیں کہ اس پاک دیار میں حاضری کی اجازت دیجا سکے۔ اب آپ سے انتہائی لجاجت سے درخواست ہے کہ ملتزم پر اور مواجہہ پر آپ اس ناپاک کیلئے جو کچھ کر سکتے ہوں، کر دیجئے۔ اللہ جل شانہٗ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور یہاں کے مسلمانوں کیلئے کیا کہنا ہے یہ تو آپ کا دل مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہوگا۔۔۔

.... فقط والسلام

زکریا، مظاہر علوم

۱۴ر ذیقعدہ ۶۹ھ

اس تعلق، باطنی کیفیت اور عشقِ رُوحانی کا کچھ اندازہ کرنے کیلئے یہاں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے ازراہِ شفقت وکرم راقم سطور کو حجاز کے دوران قیام میں (۱۹۴۷ء ۱۹۵۰ء) دو حج کے موقعہ پر تحریر فرمائے ہیں:۔

ہمارا نام لے کر آہ بھی اک کھینچیو قاصد

جو وہ پوچھیں تو کہدینا، یہ پیغام زبانی ہے

بعد سلام مسنون، کراچی سے دو گرامی نامے پہنچے، اوّل مفصل لفافہ اور پھر مختصر کارڈ، مگر وہاں جواب کا وقت نہ تھا، آپ نے اس ناپاک کی معیت ورفاقت کی آرزو لکھی مگر یہ نجس العین اس پاک خطہ کے قابل کہاں، دو

مرتبہ حاضری ہوئی مگر ایک طاہر و مطہر ہستی تھی جس کے پیچھے قطمیر بھی لگ لیا بلکہ حکماً لگالیا گیا، اب کوئی پاک ہستی ایسا سمندر نظر نہیں آتا جس میں ہر قسم کی غلاظت مغلوب ہوجائے فیا حسرتا آپ نہ معلوم کس مغالطہ میں ہیں۔ اپنی حالت یہ ہے ؎

کان ظنی بان الشیب یرشدنی | إذا أتی فاذا غیتی بہ کثرا
کنت امرا من جند ابلیس فارتقی بلکہ | بی الدھر حتی صار ابلیس من جندی
فلو مات قبلی کنت احسن بعدہ | طرائق فسق لیس یحسنہا بعدی

اس تعلق اور محبت کے واسطہ سے جو آپ کو اللہ رب العزت کی ستاری کی وجہ سے اس ناپاک سے محض مغالطہ کی وجہ سے رہا ہے درخواست ہے کہ مبارک مہینہ میں مبارک راتوں میں مبارک جگہ میں اگر دعا سے دستگیری فرمادیں تو وہ پاک ذات وہ مقلب القلوب، قادر مطلق جو جُلیع کو عمر بنادے اُس کیلئے کیا مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنادے اور بدکار کو نیک کار بنادے ؎

چشمۂ فیض سے گر ایک اشارہ ہوجائے | لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

عمر ختم ہوتی جارہی ہے، ظاہری طور پر وقت قریب ہی آتا جارہا ہے اور حالت یہ ہے ؎

آئی تھی کچھ لین کو بھول چلی کچھ اور | کیا دکھاؤنگی اپنے پیا کو میرے خالی دونوں ہاتھ
دیتے ہیں موئے سفید افسوس پیغام اجل | نفس سنتا ہی نہیں ہر چند کہتا ہوں سنبھل

اپنی حالت کو کہاں تک روؤں اور اس منافقانہ تحریر سے آپ کے مبارک اوقات کو کہاں تک ضائع کروں، یہ سطریں اس اُمید پر لکھی ہیں کہ آپ کے دل پر کچھ چوٹ لگے تو آپ اس پاک دربار میں کچھ عرض کرسکیں جس کی پاک

جوتیوں کے ذرّے "لو اقسم علی اللہ لأبرّہ" کے مصادیق ہیں بہت ادب سے صلوٰۃ وسلام کے بعد عرض کر دیں کہ اس ناپاک کا سلام اس پاک دربار کے ہرگز لائق نہیں لیکن تم رحمۃ للعالمین ہو اس ناپاک کیلئے تمہاری نظر رافت کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے ؂

نہ آخر رحمۃ اللعالمینی ز محروماں چرا غافل نشینی

یہ بھی عرض کر دیں کہ کچھ عرض کرنے کا منہ نہیں، اس لئے کیا عرض کروں.................. فقط والسلام

زکریا، مظاہر علوم

۲۲ر شعبان ۷۶ھ

ایک خصوصی درخواست آپ سے یہ بھی ہے کہ ملتزم پر ایک مرتبہ یہ بھی اس ناپاک کیلئے مانگ دیجئے ؂

من نگویم کہ طاعتم بپذیر قلم عفو بر گناہم کش

کیا بعید ہے، کہ گناہوں سے پاک صاف لوگوں کی زبان کسی ناپاک کی معافی کا ذریعہ بن جائے، اس میں کوئی تصنع نہیں کہ اپنی ساری گندگیوں کے باوجود جس چیز پر بڑا فخر اور اس کی بڑی ڈھارس ہے وہ صرف یہ ہے کہ بچپن سے اس وقت پیری تک اللہ کا بہت بڑا کرم یہ رہا کہ ہر دور کے اکابر اہل اللہ کی خصوصی شفقتیں انتہا سے زیادہ رہیں اس پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے لیکن ساری خوشی ایک دم سناٹے سے بدل جاتی ہے جب قیامت کے حکم "وامتازوا الیوم ایھا المجرمون" کا اعلان دل میں گزر جاتا ہے۔ کاش آپ سب مخلصوں، حسن ظن رکھنے

والوں کے زور اس سال اس ناپاک کے اعمالنامۂ سیاہ کو بھی دھو ڈالیں تو آپ سب کا کس قدر احسان اس ناپاک پر ہو، ورنہ جب کل کو میری ناپاک حالت آپ کے سامنے ہوگی تو آپ کے اپنے اس تعلق پر بھی افسوس ہوگا جو آپ نے اپنے اس مفصّل گرامی نامہ میں تحریر فرمایا جو بمبئی سے لکھا........

فقط والسلام

زکریا، مظاہر علوم

۲۶ ذیقعدہ ۶۹ھ

تصنیفات و تالیفات شیخ کی تصنیفات و تالیفات بالکل دو مختلف قسم و طرز کی ہیں۔ (۱) خالص علمی و تحقیقی (۲) خالص دعوتی و اصلاحی۔

عام طور پر جو لوگ پہلے طرز کے عادی ہوتے ہیں وہ دوسرے طرز میں کامیاب نہیں ہوتے، اور جو دوسرے طرز کے عادی ہو جاتے ہیں وہ پہلے طرز میں اس کے آداب و معیار کو قائم نہیں رکھ سکتے، لیکن شیخ کے دونوں طرز کی تصنیفات مؤثر اور کامیاب ہیں۔ پہلے طرز کا نمونہ اوجز المسالک (۶ اجزاء) اور لامع الدراری ہے۔ دوسرے طرز کا نمونہ حکایاتِ صحابہؓ اور فضائل کی مقبول عام کتابیں فضائل نماز، فضائلِ رمضان، فضائلِ ذکر، فضائلِ قرآن، فضائلِ حج، فضائلِ صدقات، فضائلِ تبلیغ اور فضائلِ درود ہیں۔ اور ان دونوں طرزوں کی جامع شمائلِ ترمذی کا ترجمہ و شرح خصائل نبوی ہے۔ پہلے طرز کی کتابیں خواص اہلِ علم میں مقبول ہیں، میں نے علامۂ حجاز مفتی مالکیہ سید علوی مالکی سے جو نہایت متبحر وسیع النظر عالم ہیں "اوجز" کی تعریف سنی، وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ خود مالکیہ کے اقوال و مسائل کا اتنا گہرا علم اور اتنی صحیح نقل موجب حیرت ہے۔ "لامع الدراری" کے شروع میں بڑی تقطیع ($\frac{27 \times 17}{4}$) پر ایک سو باون ۱۵۲

صفحے کا فاضلانہ مقدمہ ہے جس میں نہ صرف امام بخاریؒ اور اُن کی نادرۂ روزگار "جامع صحیح" کے مختلف گوشوں، مباحث و مسائل پر مبسوط کلام ہے اور اس میں وہ معلومات فوائد و نکات جمع کر دیئے گئے ہیں جو اصول و رجال اور تذکروں کے ہزاروں صفحات میں منتشر ہیں بلکہ مراتب کتبِ حدیث، ابوابِ حدیث، تقلید و اجتہاد اور احناف کے دفاع کے سلسلہ کی وہ تحقیقات بھی جمع کر دی گئی ہیں جن سے یہ مقدمہ طالبینِ علمِ حدیث بالخصوص حنفی المسلک علماء کیلئے ایک اچھی بیاض (علمی کشکول) بن گیا ہے، اس میں کچھ شیخ کی بعض ذاتی تحقیقات اُن کے طویل درسِ حدیث اور وسیع مطالعہ کا بھی ہے۔ "لامع" کی پہلی جلد اسی بڑی تقطیع پر مع مقدمہ کے پانچ سو بارہ صفحات پر تمام ہوئی ہے۔ متن میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ افادات بھی ہیں جو احادیث کی شرح یا ابواب و تراجم کی توجیہ اور امام بخاریؒ کے مقاصد کی تشریح اور فقہ و حدیث کی تطبیق میں اپنے حلقۂ درس میں ارشاد فرمائے اور مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قلمبند کر لیا۔ اس متن پر شیخ الحدیث کے حواشی ہیں جہاں کہیں متن میں کوئی غموض یا ابہام یا تفصیل طلب اجمال رہ گیا یا جہاں کہیں ان کو اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنے درس میں انہوں نے عملی طور پر وہاں اشکال محسوس کیا اور اس کے حل یا توجیہ کی ضرورت ہوئی اس کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح یہ کتاب اساتذۂ علمِ حدیث کے لئے بڑی مفید معاون اور رہبر بن گئی ہے۔ "لامع" کی دوسری جلد بھی اسی سائز پر اتنے صفحات پر تمام ہوئی ہے اور "کتاب الجہاد" تک پہنچ گئی ہے۔

اسی طرح سے "اوجز" کے شروع میں نوّے صفحے کا ایک مبسوط مقدمہ ہے، جس میں فنِ حدیث کے تعارف و تاریخ اور تدوینِ حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پھر کتاب اور صاحبِ کتاب امام مالکؒ کا مفصل تعارف اور ان دونوں کے خصوصیات و امتیازات کا مفصل تذکرہ ہے۔ نیز اس کے شروح اور عہد بہ عہد خدمات اور اس کے ساتھ امت کے

اعتناء کا ذکر ہے، پھر اپنے مشائخ اور سلسلۂ ولی اللّٰہی کے اسانید کی تفصیل، پھر اس سب کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اور ان کی محدثانہ حیثیت و درجہ اور اُن کے اصول و مسلک کا تذکرہ ہے۔ پھر متفرق فوائد و قواعد اور ہدایات و توجیہات ہیں۔

فضائل کے رسائل ہمارے زمانہ کی مقبول ترین اردو مطبوعات میں ہیں۔ شیخ کے اخلاص اور تبلیغی جماعت کے اپنا لینے کی وجہ سے ان کی اتنی اشاعت ہوئی اور وہ اس کثرت سے پڑھے اور سنائے گئے کہ شاید دینی حلقہ کی کوئی کتاب نہ اتنی بار چھپی اور نہ اتنی پڑھی گئی۔ حکایاتِ صحابہؓ اور فضائل کے بعض رسالوں کا ترجمہ ہندوستان کی متعدد علاقائی زبانوں کے علاوہ انگریزی اور جاپانی میں بھی ہو گیا ہے، اور یہ اشاعت و مقبولیت بفضلہٖ تعالیٰ روز افزوں ہے۔

"اطال اللہ حیاتہ ونفع المسلمین بہ"

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی[1]

آج جس تبلیغی تحریک کی سارے عالم میں صدائے بازگشت ہے اس کے بانی مبانی اور بام عروج تک پہنچانے والے، خون پسینہ ایک کرنے والے بزرگ انہیں کے مجاہدوں ریاضتوں اور روحانیت سے اس تحریک کی ابتدا ہوئی، میوات کا گلشن انہیں کے ہاتھوں سے لگایا اور سنوارا گیا۔ اور انہیں کی کوششوں سے شورہ پشت میواتی، فرشتہ خصلت انسان بنے ؎

جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس بابرکت شخصیت (حضرت مولانا محمد یوسفؒ) کے حالاتِ زندگی، مجاہدات، صفات و کمالات پر مشتمل یہ سوانح پیشِ خدمت ہے وہ انہیں عظیم المرتبت والد مولانا محمد الیاسؒ کے عظیم المرتبت فرزند تھے اور ان کی تربیت یافتہ اور انہیں کی چلائی ہوئی تبلیغی تحریک کو دنیا میں عام کرنے والے اس جیسی گرانقدر اور عالی مرتبت شخصیت کے متعلق اگر یہ شعر پڑھے جائیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

---

[1] حضرت مولانا کا تذکرہ ان صفحات میں مجمل طریقہ سے کیا گیا ہے اس لئے کہ آپ کے حالات پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام "مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت" ہے مولانا کی سیرت اور تحریک دعوت کو سمجھنے کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب لعل گردد، در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ساعتے بسیار می باید کشیدن انتظار تا کہ در جوفِ صدف باراں شود دُرِّ عدن

(حکیم سنائیؒ)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ الیاس اختر تاریخی نام رکھا گیا۔ حضرت مولانا کی نانی صاحبہ "امی بی" حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی رابعہ سیرت صاحبزادی، اپنے زمانہ کی نہایت عابدہ اور زاہدہ اور خدا رسیدہ بی بی تھیں اور حضرت مولانا کی والدہ صاحبہ صفیہ بی بڑی جیّد حافظہ تھیں، معمول تھا کہ رمضان المبارک میں روزانہ ایک قرآن شریف اور مزید دس پارے پڑھ لیا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ غیر رمضان میں خانہ داری کے کاموں کے ساتھ ساتھ اور اوراد و اذکار کے معمولات[۱] بھی اتنے زائد تھے کہ آج ہم لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انہیں جیسی ماں اور نانی کی گود میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شیر خوارگی کا زمانہ گزرا۔ ایک بار حضرت مولانا نے ان بیبیوں کے حالات سناتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ وہ گودیں ہیں جن میں ہم نے پرورش پائی اب وہ گودیں دنیا میں کہاں سے آئیں گی۔"[۲]

---

[۱] معمولات حسب ذیل تھے۔ درود شریف ۵ ہزار، اسمِ ذات ۵ ہزار، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۹ سو، یا مغنی ۱۱ سو، لاالٰہ الا اللہ ۱۲ سو، یا حیُّ یا قیوم ۲ سو، حسبی اللہ و نعم الوکیل ۵ سو، سُبحان اللہ ایک سو، الحمد للہ ۲ سو، اللہ اکبر ۲ سو، استغفار ۵ سو، افوض امری الی اللہ ایک سو، حسبنا اللہ و نعم الوکیل ایک سو، رب انی مغلوبٌ فانتصر ایک سو، رب انی مسّنی الضرّ وانت ارحم الراحمین ایک سو، لاالٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین ایک سو، ان کے علاوہ قرآن مجید ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول تھا۔ (تذکرۃ الخلیل)

[۲] حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت ص ۴۲

امی بی کو آپ سے حد درجہ شفقت تھی، فرمایا کرتیں "اختر مجھے تجھ سے صحابہؓ کی خوشبو آتی ہے۔" کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں "کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہؓ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔" لہ

ابتدائی تعلیم | آپ کا بچپن ننھیال کاندھلہ اور والدِ بزرگوار کے پاس بستی حضرت نظام الدینؒ میں گزرا۔ قرآن مجید کی تعلیم کاندھلہ کے مکتب میں حافظ منگتو صاحب سے حاصل کی، لیکن صرف پارہ سوا پارہ پڑھا تھا کہ پھر والد صاحب کے پاس آگئے اور پھر قرآن حفظ کیا۔ اس کے بعد ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب اور مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب کاندھلوی سے پڑھیں۔ جب دہلی رہتے تو والد صاحب سے پڑھتے اور جب کاندھلہ تشریف لے جاتے تو حکیم محمد ابراہیم صاحب سے پڑھتے۔

بزرگوں کی نظر | حضرت مولانا کے اندر ابتداء ہی سے صحابۂ کرامؓ کے والہانہ شان کی ادا اور دینی بے قراری کی ایک جھلک تھی۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ امی بی کتنی شفقت فرماتی تھیں اور صحابۂ کرامؓ کی خوشبو محسوس کرتی تھیں، خود حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی فرمایا کرتے تھے کہ "میں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہؓ یاد آجاتے ہیں۔" اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری .... حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری، نیز اس وقت کے سارے مشائخ اور بزرگ انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

گنگوہ کا قیام | کاندھلہ اور بستی حضرت نظام الدین کے قیام میں تعلیم کا کافی حرج ہوا اور صحیح نظام نہ بن سکا تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ جو آپ کے بڑے مشفق بھائی

لہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص ۴۲

تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں ۲ سال سے گنگوہ میں مقیم تھے اپنے والد بزرگوار سے اجازت لیکر بھائی کو گنگوہ لے گئے۔ ۱۳۱۴ھ کا سال تھا۔ گنگوہ اس وقت صلحاء اور علماء کا مرکز تھا، جو شمع رشیدی پر، پروانہ وار نثار ہو رہے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو ان علماء کی صحبت شب و روز میسر آنے لگی، خود حضرت گنگوہیؒ کی محبت اور شفقت حضرت مولانا کے اندر دینی جذبات کی پرورش اور دین کی صحیح سمجھ اور سلیقہ پیدا کر رہی تھی۔ حضرت مولانا کی دینی تربیت اس مبارک ماحول میں ہوئی اس وقت حضرت مولانا کی عمر ۱۱ سال کی تھی جو نشو و نما کا بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے حاصل کرتے تھے اور صحبت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور اُن کے ذریعہ دوسرے مشائخ کی اُٹھاتے تھے۔ خود حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ان بزرگوں کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ حضرت مولانا فرماتے تھے:۔

"جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور انکی باتیں سنو۔"

باوجود اس کے کہ حضرت مولانا کی عمر بہت کم تھی لیکن خلافِ معمول حضرت گنگوہیؒ نے حضرت مولانا کے غیر معمولی حالات و کیفیات کی بناء پر بیعت کر لیا۔ حضرت مولانا کو حضرت گنگوہیؒ سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا کہ رات کو اکثر اُٹھ جاتے اور حضرت گنگوہیؒ کی زیارت کر کے سو رہتے، خود حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا سے حد درجہ شفقت فرماتے۔

اس کم عمری میں حضرت مولانا ذکر و شغل فرماتے تھے۔ ایک بار ارشاد فرمایا کہ "جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا معلوم ہوتا تھا، حضرت سے عرض کیا تو حضرت تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے بھی یہی شکایت حاجی صاحب سے فرمائی

تھی تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ "اللہ آپ سے کوئی کام لیگا۔"

۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا وصال ہوا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اُس وقت بالیں پر موجود تھے اور سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے، اس حادثہ کا آپ کے دل پر بڑا زیادہ اثر ہوا، فرماتے تھے کہ دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے، ایک والد کا انتقال، ایک حضرت کی وفات۔

حدیث کی تکمیل | حدیث کی ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے گنگوہ میں حاصل کی اور پھر ۱۳۲۶ھ میں حدیث کی تکمیل کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے حلقۂ درس میں دیوبند جاکر شریک ہوئے اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی اور بعد میں پھر اپنے فاضل یگانہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے حدیث کا دورہ کیا، یہ دورہ چار مہینے میں مکمل ہوگیا۔

بیعت اور تکمیل سلوک | شروع شروع بیعت تو حضرت گنگوہیؒ سے ہو گئے تھے اور اسی زمانۂ طفلی سے حالات و کیفیات میں روز افزوں ترقی ہو رہی تھی، لیکن جب حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہوگیا تو حضرت مولانا پر ایک عجیب حال طاری ہوگیا، سلوک و مراقبہ بڑھ گیا، اکثر حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے روضہ کے پیچھے بوریہ بچھا کر بیٹھ جاتے اور دیر تک خاموش بیٹھے رہتے اور بعد مغرب عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے، اس وقت حضرت مولانا کی عمر ۲۰-۲۲ سال کی تھی، اس کے بعد جب شیخ الہندؒ سے حدیث پڑھنے تشریف لے گئے تو بیعت کی خواہش کی۔ شیخ الہند کے مشورہ پر مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے......... اور بیعت کا تعلق قائم کرلیا اور انہیں کی نگرانی اور تربیت میں منازل سلوک طے کئے اور نیابت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مدرسہ مظاہر علوم میں | شوال ۱۳۲۸ھ میں جب کہ سہارنپور سے مدرسین اور ذمہ داروں کا ایک بڑا قافلہ حج کو جانے لگا تو نئے مدرسین کا تقرر کیا گیا، اس سلسلہ

میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا بھی تقرر رہوا۔ حج سے واپسی کے بعد یہ عارضی مدرسین سبکدوش ہوگئے مگر حضرت مولانا تدریسی خدمت پر مامور رہے۔ ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کی ہمراہی میں پہلا حج کیا اور واپسی پر پھر مدرسہ مظاہر علوم میں فرائض تدریس انجام دینے لگے۔ حج کے اگلے سال ۱۳۳۴ھ میں بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ جو مربی و استاد بھی تھے انتقال فرما گئے۔ اس چوٹ کا درد حضرت مولانا آخر تک محسوس کرتے تھے۔ اس کے بعد ہی والدہ صاحبہ داغِ مفارقت دے گئیں۔ ان متواتر صدمات نے حضرت مولانا کو نڈھال سا کر دیا۔

بستی حضرت نظام الدینؒ میں جب تک حضرت مولانا محمد صاحبؒ زندہ تھے بستی نظام الدین میں والدِ محترم حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی نیابت کر رہے تھے اور مدرسہ چلا رہے تھے جس میں میواتی بچے پڑھتے تھے اور میوات کے اہلِ تعلق آتے جاتے تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ جگہ خالی ہوگئی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے جو بھائی کی بیماری کے زمانہ سے بغرضِ تیمارداری دہلی میں مقیم تھے۔ اہلِ تعلق حضرات نے اصرار کیا کہ مستقل طور سے یہیں قیام فرمائیں اور والد اور بھائی کی خالی جگہ کو آباد کریں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تجہیز و تکفین اور مدرسہ کے عارضی انتظام سے فرصت پاکر سہارنپور گئے اور اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے ساری کیفیت بیان کی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے اہلِ تعلق کے اصرار اور نظام الدین کے قیام سے افادۂ عام کے پیشِ نظر اجازت دیدی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مدرسہ مظاہر علوم سے ایک سال کی چھٹی لی اور بستی نظام الدین تشریف لے آئے اور قیام فرمالیا۔ اس درمیان میں سخت علیل ہوگئے اور مجبوراً کاندھلہ منتقل ہوگئے صحت کے بعد پھر نظام الدین آگئے۔ اُس زمانہ میں بستی نظام الدین بالکل غیر آباد جگہ واقع تھی ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا، ایک مختصر سی پختہ مسجد اور ایک بنگلہ اور ایک حجرہ اور درگاہ

کے جنوب میں درگاہ سے متعلق لوگوں کی آبادی تھی، کچھ میواتی غریب طالب علم تھے جو ہر وقت حاضر رہتے تھے۔

یہ زمانہ سخت تنگدستی اور فقر و فاقہ کا تھا، اکثر اوقات فاقے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی حضرت مولانا اعلان فرمادیتے جس کا جی چاہے رہے، جس کا جی چاہے چلا جائے اور کہیں اور انتظام کرلے، مگر طلبا، جانے پر آمادہ نہ ہوتے اور اسی حال میں خوش رہتے۔ کبھی کبھی گولر تک سے پیٹ بھر لئے جاتے۔ طلبا، خود جنگل سے لکڑی لاکر روٹی پکاتے اور چٹنی سے کھالیتے۔

حضرت مولانا کا یہ شروع کا دور بڑے مجاہدے، جفاکشی اور ریاضت کا گذرا۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب میواتی جو آپ کے رفیق و ہمدم تھے، فرماتے تھے:۔

"عرب سرا کے پھاٹک، حضرت نظام الدین اولیاؒ کی قدیم عبادت گاہ (ہمایوں کے مقبرہ کے شمال میں عبدالرحیم خان خاناں کے مقبرہ اور مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے شیخ حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کے مزار کے قریب) پہروں خلوت میں رہتے۔ دوپہر کا کھانا وہاں چلا جاتا، رات کا مکان پر آکر کھاتے، نماز سب وقتوں کی جماعت کے ساتھ پڑھتے۔ ہم لوگ جماعت کرانے وہیں چلے جاتے، طلبا، سبق پڑھنے کبھی وہیں پہنچ جاتے، کبھی چکر والی مسجد میں آکر پڑھاتے۔"

میوات میں اصلاح و تعلیم کا آغاز اس سے پہلے کہ ہم میوات میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی اصلاحی تحریک اور اُس کے اثرات و نتائج کا ذکر کریں ضروری ہے کہ مختصراً میوات اور میواتیوں کے دورِ ماضی پر روشنی ڈالدیں تاکہ تقابل میں آسانی ہو (اس سے پہلے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے تذکرہ میں حاشیہ پر ہلکی سی روشنی ڈالی جاچکی ہے) دہلی کے جنوب میں بڑا علاقہ ہے جس میں میو قوم آباد ہے، اس کو میوات کہتے ہیں۔ میوات کے رہنے والے شروع شروع مہذب دُنیا سے بالکل ناواقف

تھے، دہلی کی مسلمان سلطنت کے ابتدائی دور میں بہت ہی تکلیف دِہ اور اذیت رساں عنصر بن گئے تھے، انہوں نے دہلی پر حملے کرنے شروع کر دیئے تھے، ان کے خوف سے سرِ شام دارالسلطنت کے دروازے بند کرا دیئے جاتے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح شہر میں داخل ہو کر لُوٹ مچا دیتے تھے۔ اُن کے خلاف بادشاہ کی طرف سے مہم چلائی گئی اور اُن کو بہت حد تک تاخت و تاراج کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی دلیری سے میوات میں حکومت قائم کر لی تھی اور مرکزی حکومت کی لشکر کشی کے بعد ایک علاقہ اور جاگیر کی صورت میں رہ گئی۔

یہ قوم کب اور کیسے مسلمان ہوئی، اس کا تذکرہ تفصیل سے نہیں ملتا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مسلمان مبلّغین کی غفلت سے یہ قوم اسلامی اور غیر اسلامی عقائد کے لحاظ سے ایک معجونِ مرکب بن کر رہ گئی تھی۔

میجر پاؤلٹ جو اُنیسویں صدی کے آخر میں ریاست آلور کا افسر بندوبست رہا ہے، لکھتا ہے:۔

"میو اپنے عادات میں آدھے ہندو ہیں، ان کے گاؤں میں شاذ و نادر ہی مسجدیں ہوتی ہیں۔ تحصیل تجارا میں میوؤں کے باون ۵۲ گاؤں ہیں جن میں صرف آٹھ ۸ مسجدیں ہیں۔ البتہ مندروں کو چھوڑ کر میوؤں کے عبادت کی ویسی ہی جگہیں بنی ہوتی ہیں جیسی اُن کے ہمسایہ ہندوؤں کے یہاں ہوتی ہیں۔ مثلاً پانچ پیرا، بھیسا اور چاہنڈ، چاہنڈ یا کھیڑا دیو مہادیوی کے نام ہوتا ہے جس پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں، شبِ برات میں سید سالار مسعود غازیؒ کا جھنڈا بھی ہر گاؤں میں پوجا جاتا ہے[1]"

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

بعض علاقوں میں مدرسے تھے جن کی وجہ سے مذہبی فرائض کی پابندی ہوتی تھی اور بعض لوگ لباس وشکل سے بھی مسلمان معلوم ہوتے تھے لیکن عام طور پر ناموں میں سنگھ لگتا تھا اور گوبر تک کی پوجا ہوتی تھی۔ اکثر علاقوں میں نماز تک سے ناواقفیت تھی۔ اگر کسی کو نماز پڑھتا دیکھتے تو حیرت میں آجاتے اور سمجھتے کہ یہ شخص بیمار ہے اور کسی درد میں مبتلا ہے۔ لیکن شروع شروع حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور مولانا محمد صاحبؒ کے ذریعہ دینداری کا آغاز ہوا اور پھر انہیں میواتیوں کے متعلق ضلع گوڑگانواں کے گزیٹیر شائع شدہ سنہ ۱۹۱۰ئہ میں ہے:۔

"کچھ عرصہ سے میوات میں کچھ مذہبی معلّم پیدا ہو گئے ہیں، اور کچھ میو رمضان کے روزے بھی رکھنے لگے ہیں۔ نمازیں بھی پڑھنے لگے ہیں، ان کی عورتیں ہندوانہ گھیگھروں کے بجائے پیجامے پہننے لگی ہیں، یہ مذہبی بیداری کی علامات ہیں[1]۔"

ان خوش آیند تبدیلیوں میں ان میواتی حضرات کا بڑا دخل ہے جن کا تعلق بستی نظام الدین کے اس عالی مرتبت خاندان سے رہا ہے ان میں حاجی عبدالرحمٰن اور مولانا عبدالسبحان میواتی سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھیں حضرات نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے درخواست کی کہ وہ قدیم تعلّقات کی بنا پر میوات تشریف لے چلیں اور والد بھائی کے نیازمندوں کو زیارت اور پھر سے ارادت و اخلاص کا رشتہ قائم کرنے کا موقع دیں۔

چونکہ حضرت مولانا کو معلوم تھا کہ یہ میو قوم باوجود جہالت، دین سے ناواقفی اور تہذیب و تمدّن سے دُوری کے بیش بہا خوبیوں کی مالک ہے اور بعض اعلیٰ اخلاق وصفات رکھتی ہے۔ سادگی وجفاکشی، عزم اور قوتِ عمل پختگی اس کے خاص جوہر ہیں جس کی وجہ سے وہ ارتداد کے سیلاب میں اب تک نہ بہہ سکی اور برائے نام سہی اسلام

[1] مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت

پر قائم ہے اس لئے حضرت مولانا کو اِدھر توجہ ہوئی اور دین کی تعلیم عام کرنے کا ایک نظام بنایا تاکہ اُن کی وحشت و جہالت دور ہو۔

مکاتب کا آغاز چونکہ پہلے ہی سے میواتی بچے بستی نظام الدین میں پڑھ رہے تھے اور پڑھنے کے بعد وہ اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور اُن میں اکثر علمِ دین کو پھیلانے میں لگ جاتے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ان کے ذریعہ میوات میں دینی مکاتب اور مدارس کا آغاز کیا اور اسی شکل میں اپنے میوات جانے کو منظور فرمایا ایک مرتبہ خود فرمایا:۔

"جب پہلی مرتبہ چند مخلصوں نے بڑے جوش و اخلاص کے ساتھ مجھ سے میوات چلنے کی درخواست کی تو میں نے کہا کہ میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کروگے۔"

اس وعدہ کے بعد حضرت مولانا میوات تشریف لے گئے اور اپنی شرط کا مطالبہ کر کے ایک مکتب قائم کرایا اور اس طرح مکاتب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس پہلے سفر میں دس مکتب قائم کئے اور کچھ ہی مدت میں کئی سو مکتب قائم ہو گئے جن میں قرآن مجید کی تعلیم ہوتی تھی۔ لیکن اس طرز سے میو قوم میں صرف جزئی اصلاح ہوئی اور جس نتیجہ کے حضرت مولاناؒ آرزو مند تھے وہ برآمد نہ ہوا۔

تبلیغ و دعوت کی عمومی تحریک مکاتب کے ذریعہ جو معمولی اصلاح ہو رہی تھی اس سے رفتہ رفتہ حضرت مولانا کی بے قرار طبیعت غیر مطمئن ہونے لگی، اور پھر ایک واقعہ نے حضرت مولانا کے خیالات کی کایا پلٹ دی۔

ایک سفر میں حضرت مولانا کے سامنے بڑی تعریف کے ساتھ ایک نوجوان لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ فلاں مکتب سے قرآن پڑھ کر نکلے ہیں، لیکن اس کی صورت غیر شرعی تھی اور ڈاڑھی منڈی ہوئی، لباس غیر اسلامی تھا اور کسی طرح پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ دینی تعلیم حاصل

کرچکا ہے ۔ اس واقعہ سے حضرت مولانا کی حسّاس اور غیور طبیعت کو سخت ٹھیس پہنچی اور مکاتب کی طرف سے دل پھر گیا اور ایک عمومی تبلیغ کا خیال دل میں آیا تاکہ ان مکاتب سے بچوں کو علم آئے اور عمومی تحریک سے بڑوں کو دین کی واقفیت ہو اور دین کا احساس پیدا ہو ۔

حضرت مولانا سے میوات کے لوگوں کو گہرا تعلق ہو چکا تھا ، حضرت مولانا نے جابجا میواتیوں کے نزاعات اور جھگڑوں کو اپنی حکمت اور رُوحانیت سے ختم کیا تھا جس سے یہ میواتی حضرت مولانا کو محبوب ترین ذات سمجھنے لگے تھے اور اشاروں پر چلنے لگے تھے ۔ حضرت مولانا اب اس یقین پر پہنچ چکے تھے کہ نہ تو صرف بچوں کی تعلیم سے کوئی دینی انقلاب آسکتا ہے نہ خواص اور عمائد کی اصلاح سے کوئی نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے بلکہ ایک عوامی دینی تحریک کی ضرورت ہے اور یہی موجودہ فساد اور دینی بے راہ روی کا صحیح علاج ہے ۔ حضرت مولانا کے اس تأثر کو ایک میواتی نے اس طرح بیان کیا :-

”جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے کچھ نہیں ہوسکتا“

پنچایت نامہ | اسی سلسلہ میں قصبۂ نوح ضلع گوڑگانواں میں ۲ر اگست ۱۹۳۴ء کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی صدارت میں ایک پنچایت کی گئی جس میں سارے میوات کے چودھری صاحبان ، میاں جی ، ذیلداران و انعامداران ، نمبرداران ، صوبہ داران ، منشی حضرات وسفید پوشان ودیگر سربرآوردگانِ علاقہ میوات جمع ہوئے جن کی تعداد تقریباً ۱۰۷ تھی ۔ اس پنچایت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی اور پھر اسلام کی ساری باتوں کی پابندی اور اس کی اجتماعی طور پر اشاعت اور دین کی دعوت کا کام کرنے ، اس کے لئے پنچایتیں کرنے اور اس کام سے زندگی میں کسی وقت بھی نہ ہٹنے کا عہد کیا ، خصوصًا (۱) کلمہ (۲) نماز (۳) تعلیم حاصل کرنا اور اس کی اشاعت (۴) اسلامی شکل وصورت (۵) اسلامی رسوم کا اختیار کرنا اور رسومِ شرکیہ کا مٹانا ۔

(۶) عورتوں کا پردہ (۷) اسلامی طریقہ کا نکاح کرنا (۸) عورتوں کو اسلامی لباس زیب تن کرنا (۹) اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا۔ (۱۰) باہمی حقوق کی نگہداشت و حفاظت (۱۱) ہر اجتماع و جلسہ میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا (۱۲) بغیر دینی تعلیم کے دُنیوی تعلیم بچّوں کو نہ دینا (۱۳) دین کی تبلیغ کے لئے محنت اور کوشش کرنا (۱۴) پاکی کا خیال رکھنا (۱۵) ایک دوسرے کی عزّت و آبرو کی حفاظت کرنا ــــــ اس کے علاوہ اس پنچایت میں طے کیا گیا تھا کہ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں بلکہ ہم سبؔ کا فریضہ ہے اس کو انجام دیں گے، یہ ساری طے شدہ چیزیں لکھی گئیں اور پنچایت نامہ مرتّب کیا گیا اور سان پر شرکاء کے دستخط ہوئے۔

اسی طرح عرصہ تک حضرت مولانا میوات جاتے رہے اور میوات کے لوگوں کو روحانی فیض ملتا رہا۔ لوگ بکثرت آپ سے مرید ہوتے اور ہدایت پاتے۔ ربیع الاول ۴۴ھ میں علماء اور مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری میوات تشریف لے گئے اور فیروز پور نمک میں قیام فرمایا۔ شرکاء کا بیان ہے کہ انسانوں کا ایک جنگل تھا جو اس علاقہ میں جمع تھا۔

کام کا طریقہ، اصول اور مُطالبے چند سطروں میں اس تحریک کے اصول و طریقہ اور مُطالبہ کو بھی بیان کر دیا جائے، جس کی اثر انگیزیوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک زندگی کا ایک صور پھُونک دیا ہے اور محیّر العقول دینی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ نے اپنی عمومی دینی تحریک کا ایک طریقہ کار کچھ اصول اور اُن کے مُطابق چند مطالبے رکھے، طریقۂ کار میں (۱) دین سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقہ ضروری قرار دیا، یعنی دینی اداروں اور اسلامی درسگاہوں کے ماتحت اُمّت کے سارے طبقوں میں دینی دعوت پہنچانے والے اور ان طبقوں کو اُن کا

۔ حامل و داعی بنانے کی کوشش کرنے والے پیدا کئے۔

(۲) دین کے لئے عملی جد و جہد، نقل و حرکت اور سعی و عمل کو فروغ دیا۔

(۳) دین کی تعلیم و تعلم اور دین کی خدمت و اشاعت کو مسلمانوں کی زندگی کا جزو قرار دیا۔

(۴) دین کے لئے عارضی ترکِ وطن کو لازمی قرار دیا، یعنی ہر مسلمان دین کے سیکھنے اور سکھانے کیلئے اپنے مشاغل اور ماحول کو چند دنوں کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ جائے اور ایک بہتر ماحول میں یکسو ہو کر دین سیکھے۔

اس کے لئے چھ اصول ضروری قرار دئے (۱) کلمہ کی تصحیح (۲) نماز کی تصحیح (۳) علم اور ذکر کی تحصیل (۴) اکرامِ مسلم (۵) تصحیح نیت (۶) تفریغ وقت یعنی وقت فارغ کرنا۔

حضرت مولانا نے اس طریقۂ کار اور اصولوں کے ساتھ حسب ذیل مطالبے رکھے:۔

(۱) ہر ہفتہ کچھ وقت کے لئے اپنے ماحول میں ضروریاتِ دین (کلمہ نماز) کی تبلیغ کریں اور باقاعدہ جماعت بنا کر ایک امیر اور ایک نظام کی ماتحتی میں اپنی جگہ اور قُربِ جوار میں گشت کریں۔

(۲) ہر مہینہ تین دن کیلئے میواتی پانچ کوس کے اندر اندر جو گاؤں ہوں اُن میں جائیں جس کو میواتی "پنج کوسہ" کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں اور شہری دوسرے شہروں اور قریب کے مقامات میں جا کر یہ تبلیغی کام کریں، اور اس سلسلہ میں گشت و اجتماع کریں اور دوسروں کو نکلنے پر آمادہ کریں۔

(۳) کم سے کم چار مہینے (۳ چلّوں) کے لئے دین کے سیکھنے کو اپنے گھر اور وطن سے نکلیں اور ان مرکزوں میں جائیں جہاں دین اور علم زیادہ ہے۔

اس دعوتی سفر اور نقل و حرکت کے ایّام کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا

جس کے ماتحت جماعتیں اپنے اوقات گزاریں۔

ایک وقت میں گشت، ایک وقت میں اجتماع، ایک وقت میں تعلیم، ایک وقت حوائجِ ضروری کا پورا کرنا۔ پھران سارے کاموں کی ایک ترتیب و تنظیم کی گویا کہ یہ تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ، اخلاقی اور دینی تربیت گاہ بنجاتی۔

گشتوں کی ابتداء اور جماعتوں کی چلت پھرت

شوّال ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہمراہ دوسرا حج کیا، مدینہ منورہ کے قیام میں عجیب بےچینی اور اضطراب محسُوس کیا۔ مدینہ منوّرہ سے ہندوستان واپسی کے لئے آمادہ نہ تھے۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ کے دَوران میں مجھے اس کام کے لئے امر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ "ہم تم سے کام لیں گے"۔ کچھ دن میرے اس سبے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کرسکوں گا۔ کسی عارف سے ذکر کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے، یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ تم کام کروگے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، پس کام لینے والے کام لے لیں گے۔ اس سے بڑی تسکین ہوئی۔

حج سے واپسی پر حضرت مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دئے اور میوات میں تبلیغی اجتماعات کئے، لوگوں کو دعوت دی کہ وہ عوام میں دین کے اوّلین ارکان واصول (کلمۂ توحید و نماز) کی تبلیغ کریں، لوگ اس طریقہ سے ناآشنا تھے اور بڑی مشکل سے اس پر آمادہ ہوتے تھے۔

آپ نے قصبہ نوح میں ایک بڑا اجتماع کیا اور دعوت دی کہ لوگ جماعتیں بنا کر نکلیں۔ ایک ماہ بعد جماعت بنی اور مختلف گاؤں میں اُس نے گشت کیا، ایک جمعہ سے جماعت چلی، دوسرا جمعہ سوہنے ضلع گوڑگانوہ میں پڑھا۔ حضرت مولانا بھی جمعہ میں تشریف لے گئے۔ تیسرا جمعہ تاؤڑو میں اور چوتھا جمعہ نگینہ تحصیل فیروز پور میں ہوا۔ ہر جمعہ کو حضرت مولانا جاتے اور نظام بناتے، اور ہر دو جمعہ کے درمیان

میں جماعت مختلف گاؤں میں گشت و اجتماع کرتی اور لوگوں کو آگے چلنے پر آمادہ کرتی رہی اور تبلیغی کام کی اس طرح ابتدا ہوئی اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی۔

۱۳۵۱ھ میں تیسرا حج فرمایا اور حج سے واپسی پر میوات کے دو دَورے کئے۔ جو تبلیغی کام کیلئے انتہائی مفید اور مؤثر ثابت ہوئے، پورے میوات میں جماعتوں کا ایک جال بچھا دیا اور پورے میوات کو کھنگال کر رکھ دیا۔ "پنج کوسہ" کی ایک اصطلاح قائم کی کہ ہر گاؤں کے ہر گھر والے پانچ پانچ کوس کے علاقوں میں گشت کریں اور اس عمومی دعوت کو پھیلا دیں۔ اب میوات میں کام کرنے والے تربیت یافتہ لوگوں کی اچھی خاصی جماعت پیدا ہوگئی۔ علماء بکثرت ہونے لگے، جہالت کی تاریکی دُور ہوئی، اور ہر گاؤں گویا تبلیغ کا مرکز بن گیا۔ حضرت مولانا نے اب ان میواتیوں کو میوات سے باہر جماعتیں بنا بنا کر بھیجنا شروع کیا اور دینی مرکزوں میں ان تبلیغی جماعتوں کو روانہ کیا سب سے پہلی جماعت کاندھلہ گئی جو خود حضرت مولانا کے خاندان کا وطن ہے، اور جہاں علماء کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ دوسری جماعت رائے پور بھیجی، جہاں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائیپوریؒ کی خانقاہ ہے۔ اس چلت پھرت سے میواتیوں کا باہر سے تعلق قائم ہوا۔ میوات میں باہر کے لوگ آنے جانے لگے اور چند ہی سال میں میوات کے وسیع علاقہ میں دین اور دینداری کی ایسی اشاعت ہوئی اور اس تاریک خطہ میں ایسی روشنی پھیلی جس کی مثال دُور دُور نہیں ملتی۔ میواتی جو خود دین سے ناآشنا اور نابلد تھے، دوسرے شہروں اور دور دراز علاقوں میں اپنی سادگی کے ساتھ دین کی اشاعت کا کام کرنے لگے۔ جہاں میلوں اور کوسوں تک مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بننے لگیں۔ جہاں دُور دُور تک کوئی قرآن پڑھنے والا نہ تھا اب وہاں ایک ایک گھر میں کئی کئی حافظ ایک ایک گاؤں میں کئی کئی عالم ہونے لگے۔ ہندووانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی، اسلامی وشرعی لباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی، شادیوں کے مشرکانہ رسوم

کا خاتمہ ہونے لگا۔ جرائم، فسادات اور بداخلاقیوں کا تناسب کم ہوگیا۔ ایک سن رسیدہ میواتی نے، میوات کے ماضی وحال کا فرق اس طرح بتلایا:۔

"جن باتوں کیلئے پہلے بڑی کوششیں کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہیں۔ اور جن باتوں کو بند کرنے کیلئے پہلے بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی نہیں بند ہوتی تھی وہ اب بے کہے سنے خود بخود بند ہوئی جا رہی ہے۔"

جن لوگوں نے میوات کے دونوں دَور دیکھے ہیں وہ صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مولانا کی ایک نحیف الجثہ شخصیت نے کس طرح سب کچھ قربان کر کے میوات کو ایک مثالی علاقہ بنا دیا۔ پہلے دَور کا اندازہ اِن دُو واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

ایک بار حضرت مولانا نے کسی گاؤں میں تبلیغی بات کرتے ہوئے ایک شخص کے اُوپر محبت سے ہاتھ رکھ دیا، وہ اس طرز سے بگڑ گیا اور بولا مولوی! پرے ہٹ، اگر تو نے اب کی ہاتھ لگایا تو لٹھ مار دوں گا۔ آپ نے فوراً اس کے پاؤں پکڑ لئے اور فرمایا کہ پاؤں کو تو نہیں کہا تھا۔ حضرت مولانا کی اس عدیم المثال خاکساری اور تواضع کو دیکھکر وہ پتھر جیسا دل رکھنے والا انسان بھی پگھل گیا، ندامت سے اپنا سر جھکا لیا۔

ایک جگہ اور حضرت مولانا تشریف لے گئے اور ایک میواتی سے تبلیغ کی بات کرنے لگے۔ وہ اُجڈ اتنا بگڑ گیا کہ ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ حضرت مولانا نحیف الجثہ تھے، وہ اس گھونسہ کی تاب نہ لا سکے اور زمین پر بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد حواس بجا ہوئے تو بڑے اطمینان و سکون سے اس کے دامن کو تھام کر فرمایا:۔

"اچھا تم اپنا کام کر چکے، اب میری سُنو۔"

یہ دیکھکر میواتی شرم سے پانی پانی ہوگیا اور فوراً حضرت مولانا کے قدموں پر گر پڑا اور بولا "مولوی مجھے معاف کر، ورنہ میری بخشش نہ ہوگی۔"

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں کہ کس طرح حضرت مولانا کے اخلاص، محنت، جفاکشی اور للّٰہیت نے ایسی سرکش اور جبّار قوم کو ہدایت کے راستہ پر ڈالدیا جس کا اقرار اور احساس ہر میواتی کو ہے اور وہ حضرت مولانا کے اس احسان کو بار بار ذکر کرتا ہے، ایک میواتی نے کسی بزرگ کے اس سوال پر کہ تم تبلیغی دَورے کس لئے کرتے ہو، نہایت سادگی اور متانت سے اس طرح جواب دیا:۔

"ہم جہالت میں پڑے ہوئے تھے، نہ ہم کو خدا کی خبر تھی نہ رسُولؐ کی، اس مولوی کا خدا بھلا کرے، اس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دوسرے بھائیوں تک یہ نعمت پہنچائیں جو ہمیں ملی تھی"۔[1]

بے قرار طبیعت حضرت مولاناؒ کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی، اپنی بات پوری طرح سمجھا نہیں سکتے تھے۔ مزید برآں مضامین علمی اور تصوّف کی اصطلاحات سے بھرپور ہوتے تھے، میواتی جو ان الفاظ اور اصطلاحات سے ناآشنا تھے۔ شروع تو بالکل سمجھنے سے قاصر رہے۔ حضرت مولانا بے قرار ہو ہو کر اور پہلو بدل بدل کر اپنی بات کہتے مگر سمجھنے والا کوئی نہ ہوتا۔ حضر مولانا راتوں کو خدا کے سامنے روتے، دُعا کرتے اور بیچارگی اور تنہائی کا اظہار کرتے، ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے میرے اللہ میں کیا کروں کچھ ہوتا ہی نہیں۔ آپ کی مثال بالکل اسی طرح تھی جس نے یہ کہا ؎

من مثالِ لالۂ صحرا استم　　　درمیانِ انجمن تنہا استم
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست　　　آہ یک پروانۂ من اہل نیست
انتظارِ غمگسارے تا کجا　　　جستجوئے رازدارے تا کجا؟
درجہاں یارب ندیمِ من کجاست　　　نخلِ سینایم کلیمِ من کجاست

---

[1] مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت۔

سب سے زیادہ واقف وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہمہ وقت ساتھ رہنے والے اور اندرونِ خانہ سے واقف ہوں، اسی لئے سب سے زیادہ بیوی کو شوہر کے حالات وکیفیات سے واقفیت ہوتی ہے۔ حضرت مولاناؒ کی زوجہ محترمہ نے ایک بار کسی کے پوچھنے پر حضرت مولانا کی بے قراری کو اس طرح بیان کیا:۔

"جب میری شادی ہوئی اور میں رخصت ہو کر مولانا کے گھر گئی تو میں نے دیکھا کہ مولانا راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، اُن کی راتیں بستر پر کروٹ بدلنے اور آہ بھرنے میں گزرتی ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ کو راتوں کو نیند نہیں آتی؟ مولانا نے ایک آہ بھری اور فرمایا کیا بتاؤں، اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں۔"

اور پھر اپنی ہمت، طاقت، مال وزر سب کچھ ان میواتیوں پر اور ان کے ذریعہ اس تبلیغی کام پر لگا دیا اور صدیقی شان کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ اپنے گھر سوائے خدا اور رسولؐ کے نام کے کچھ نہ چھوڑا۔ حضرت مولاناؒ نے اپنے ایک مکتوب میں میواتی حضرات کو تحریر فرمایا:۔

"میں اپنی قوت وہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو اور قربان کر دوں کوئی اور پونجی نہیں ہے، میرا ہاتھ بٹاؤ۔"[1]

حضرت مولانا سراپا درد وسوز بن کر دیوانہ وار میوات کے ہر علاقہ میں پھرے، ایک ایک کا دامن تھاما، ایک ایک گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی، کئی کئی وقت فاقے کئے، گرمی

---

[1] مکتوب بنام مولوی سلیمان میواتی۔

اور سردی سے بے پرواہ ہو کر گشت کئے اور جب بھی حضرت مولانا کے حسب خواہش لوگوں نے لبیک نہ کہا تو حضرت مولانا بے قرار ہو گئے، اور اپنے ان رفقاء سے شکوہ کیا جو پہلے سے کام میں لگ چکے تھے۔ ایک بار ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"عیسیٰ تم غور تو کرو، دُنیائے فانی میں کام کے لئے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس کیلئے صرف ایک آدمی کو کہا جائے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دُنیا سے گھٹایا یا نہیں گھٹایا؟"[1]

اور پھر دُنیا نے دیکھا کہ میواتی حضرات نے اپنی جان و زندگی کو قربان کر دیا، کہاں ایک گاؤں سے ایک آدمی نکلنا دشوار تھا اور پھر کہاں ایک ایک گھر سے ایک ہی وقت میں کئی کئی افراد چلوں کیلئے باہر نکلنے لگے۔ وہ میواتی جو "پنج کوسہ" کیلئے آمادہ نہ ہوتے تھے اب مُلک مُلک اسی دین کی خاطر پھرنے لگے، حتّٰی کہ حضرت مولانا نے میواتیوں کی اس قربانی و ایثار کو سراہتے ہوئے فرمایا:۔

"دنیاوی کام میں مصروف رہنے والے بہتیرے ہیں، دین کے فروغ کے لئے گھر بار چھوڑنا اِس وقت اللہ نے میواتیوں کو نصیب کیا ہے"۔[1]

آج جہاں جہاں اس طریقہ پر جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے اس میں ان میواتیوں اور ان سے پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مبارک ہاتھ کام کر رہا ہے ؎

یہ سب پَودا اُنہیں کی لگائی ہوئی ہے

آخری حج اور کام کی ترقی ۱۳۵۶ھ میں آپ نے آخری حج کیا۔ اس حج میں جہاز سے لیکر حجاز تک تبلیغ و دعوت کا بڑا چرچا ہوا۔ اہلِ عرب نے اس کو سُنا اور خوب سراہا، حج سے واپسی پر اس کام میں حضرت مولانا نے اپنی ساری متاعِ زندگی لگا دی میواتیوں

---

[1] مکتوب بنام میانجی محمد عیسیٰ صاحب۔

کی جماعتیں مختلف صوبوں، شہروں میں بھیجیں، دہلی کے تاجروں کو حضرت مولاناؒ سے بہت زیادہ تعلق ہوگیا تھا، ان میں جو معمر اور سن رسیدہ لوگ تھے اُن کا تعلق حضرت مولانا کے والد محترم اور بھائی سے پہلے ہی سے تھا اور بستی نظام الدین میں آمد و رفت اور ان بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے اور وہ گویا حضرت مولانا کے دست و بازو بن گئے بستی نظام الدین میں ہر جمعہ کی شب کو اور مہینہ کے آخری چہار شنبہ کو جامع مسجد میں جمع ہوتے تھے، حضرت مولانا کے اثر انگیز اور رُوح پرور کلمات سُنتے۔ دہلی کی تمام جماعتوں کا امیر حافظ مقبول حسن صاحب (جو حضرت مولانا کے پُرانے رفیقِ کار اور مجازِ بیعت ہیں) کو بنادیا جنہوں نے اپنی مستعدی اور فرض شناسی سے دہلی کے کام کو بہت آگے بڑھادیا۔ اس میں حضرت حافظ فخر الدین صاحب کی توجہات کا بھی بڑا دخل تھا۔ اکثر نئی دہلی کے بعض معززین اور انگریزی تعلیمیافتہ حضرات، خصوصاً جامعہ ملیہ کے بعض اساتذہ نیز ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں آتے اور حضرت مولانا اُن کے سامنے بڑے جوش و تأثر کے ساتھ تقریر فرماتے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف عربی مدارس کے علماء اور طلباء، خصوصاً دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر علوم سہارنپور، دار العلوم دیوبند کے فضلاء نے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اپنے مقام پر کام شروع کیا اور یہ بات اُس وقت ہوئی کہ جب ۵۸-۱۳۵۹ھ میں اس تحریکِ دعوت کے متعلق ملک کے مختلف رسائل میں مضامین شائع ہوئے اور اہلِ علم و اہلِ مدارس نے اس طرف توجہ دی۔ حضرت مولاناؒ اس کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتے تھے کہ اہلِ علم حضرات اِس طرف توجہ کریں۔ جب علماء نے توجہ کی تو حضرت مولانا نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ مراد آباد کے تاجروں اور مدرسوں میں بھی کام ہوا۔ اوّل اوّل حضرت مولانا نے ایک جماعت بھیجی جس نے تین روز کام کیا مگر لوگ مانوس نہیں ہوئے۔ جماعت مایوس لَوٹی۔ پھر حضرت مولانا نے

واپس کیا، پھر وہ لوگ لوٹ آئے، پھر واپس کئے گئے، انہوں نے ٹوٹے ہوئے دل سے دعا کی اور پھر کام کیا اور مقامی لوگوں نے شرکت کی اور پھر مراد آباد کام کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ حضرت مولاناؒ کے آخری دنوں میں بکثرت لوگ آنے جانے لگے اور کام میں جڑنے لگے خصوصاً کئی اشخاص نے مراد آباد کے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا جو علمی لیاقت اور سیاسی سوجھ بوجھ اور تنظیم کار میں ملکہ رکھتے ہیں۔ ان کی محنت اور جد و جہد اور حضرت مولانا سے تعلق و تقرب نے تبلیغی کام کو بہت آگے بڑھا دیا اور کام کو بہتر سے بہتر استعداد اور گوناگوں صلاحیتیں رکھنے والے کارکن دئے۔

۱۳۶۰ھ میں قصبۂ نوح میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع کیا گیا۔ میوات کی سرزمین میں اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ شرکار جلسہ کا اندازہ ۲۵ ہزار کا کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ جو اس اجتماع میں شریک تھے، فرماتے تھے کہ "میں ۳۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا"

یہ انسانوں کا جنگل، ایک جلسہ بھی تھا، ایک خانقاہ بھی، حضرت مولاناؒ نے اس اجتماع میں عوام میں، امراء میں، علماء و مشائخ میں تقریر فرمائی اور کھل کر اپنی بات کہی۔ اس اجتماع کے بعد میواتی، دہلی کے تاجر، مدارس کے علماء، کالجوں کے طلباء باہم مل جلکر جماعتیں بنا بنا کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھرنے لگے خصوصاً سہارنپور، خورجہ، علی گڑھ، آگرہ، بلند شہر، میرٹھ، پانی پت، کرنال، رہتک کے دورے بار بار ہوئے۔ ان کے علاوہ کراچی اور پشاور کو جماعتیں بھیجیں۔ کراچی کے حاجی عبدالجبار، حاجی عبدالستار صاحب (ایس جے اینڈ جی فضل الٰہی) کا تعلق حضرت مولانا سے اچھا خاصا تھا اور انہیں کی دعوت پر کراچی جماعت گئی تھی۔

۱۳۶۲ھ میں لکھنؤ ایک بڑی جماعت جس میں میواتی اور دہلی کے تجربہ کار تاجر

تھے، گئی اور بعد میں حضرت مولانا تشریف لے گئے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں کئی دن قیام فرمایا۔ شہر کے محلّوں میں جماعتوں کے روزانہ گشت ہوئے اور مختلف مقامات پر اجتماعات ہوئے جن میں حضرت مولانا کے خطاب ہوئے، لکھنؤ کے علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہوئیں، جن میں خصوصی طور پر فرنگی محل کے مولانا قطب میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی قابلِ ذکر ہیں۔ ان دنوں میں لکھنؤ کی فضا، دعوت و تبلیغ کی آواز سے گونج اٹھی اور سوتا ہوا شہر صدائے ایمان و یقین سے جاگ اُٹھا، لکھنؤ کے اثنائے قیام میں ایک دن کے لئے رائے بریلی (تکیہ شاہ علم اللہؒ) تشریف لے گئے اور واپسی پر کانپور رہتے ہوئے دہلی تشریف لیگئے۔

شورشِ عندلیب نے رُوح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

بیماری اور انتقال حضرت مولانا ہمیشہ سے کمزور تھے، دین کی تڑپ اور کام کی بے چینی اور مسلسل بے قراری نے اندر اندر گھلا دیا تھا اور آخر کار مرض نے آگھیرا پیچش کی شکایت ہوگئی، کمزوری بڑھتی گئی اور حضرت مولانا لاغر ہوتے گئے۔ لیکن مرض کے ساتھ ساتھ بے قراری بڑھتی گئی۔ دو آدمیوں کے سہارے جماعت میں شرکت فرماتے کبھی کبھی غفلت ہونے لگی اور دورہ پڑنے لگا۔ جب بھی ہوش آتا تو دین کی وہی بیقراری سامنے آجاتی۔ ایک بار دو گھنٹے کی غشی طاری ہوئی، یکایک آنکھیں کھلیں تو زبان پہ یہ کلمات جاری ہوگئے "اَلْحَقُّ یَعْلُوْ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی" پھر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، پھر تین دفعہ فرمایا "کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ حق ہے) پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا "کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے"۔

اس زمانہ میں علماء و طلباء، انگریزی تعلیم یافتہ، سیاسی شخصیتیں اور مذہبی حلقوں کے

حضرات برابر آتے رہے۔ مرکز میں ہر وقت اژدہام رہتا اور مختلف لوگ حضرت مولانا کے لبوں سے کان لگا کر سنتے اور اس پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہتے۔

حضرت مولانا صاحب فراش تھے، آواز پست سے پست تر مگر بے چینی و تڑپ حد سے بڑھ کر۔

ایک صبح کو آبِ زمزم پیتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ دعا مانگی "اللّٰھم ارزقنی الشهادة فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك"۔

زندگی کی آخری شب میں پچھلے پہر اپنے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا:-

"یوسف آ مل لے، ہم تو چلے"۔

اور صبح کی اذان سے پہلے جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت مولانا کا انتقال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کو ہوا۔ حضرت مولاناؒ کے انتقال سے رنج و غم کی فضا چھا گئی اور ہر ایک نے انتہائی حزن و ملال کا اظہار کیا اور امتِ محمدیہ پر حضرت مولاناؒ کے احسانات پر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے زبانِ حال سے کہا:

فَاذْهَبْ كَمَا ذَهَبَتْ غَوَادِي مُزْنَةٍ
اَثْنٰى عَلَيْهَا السَّهْلُ وَالْاَوْعَارُ

(بس آپ اس طرح جائیے جس طرح صبح کی بارش کے بادل برس کر جاتے ہیں کہ پہاڑی اور میدانی ہر طرح کی زمینیں ان بادلوں کی ثنا خواں ہوتی ہیں)

تجہیز و تکفین | یوں تو پہلے ہی سے مرکز میں اژدحام تھا، علماء و مشائخ موجود تھے لیکن انتقال کی خبر سنتے ہی ہر طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر پہنچنے لگے۔ علماء اور فقہاء نے

اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ اعضاءِ سجود پر جب خوشبو لگانے لگے تو حاجی عبدالرحمٰن صاحب میواتی نے فرمایا کہ پیشانی پر اچھی طرح خوشبو لگاؤ، یہ گھنٹوں سجدوں میں ٹکی رہتی تھی۔

مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی جو اس وقت موجود تھے ازدحام اور نمازِ جنازہ وغیرہ کی کیفیت ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

"مجمع برابر بڑھ رہا تھا، ظہر کی نماز کے وقت بے اندازہ مجمع تھا، حوض کا پانی وضو کرنے والوں کی کثرت سے نیچا ہو گیا، مسجد کی تمام وسعتیں زیریں، بالائی حصے بالکل بھر گئے، جنازہ نماز پڑھنے کیلئے باہر لایا گیا، مجمع قابو اور نظم وضبط سے باہر تھا۔ بلّیاں باندھ دی گئی تھیں تاکہ لوگ کاندھا دے سکیں، بمشکل بڑی کش مکش کے بعد جنازہ درختوں کے نیچے لایا گیا۔ شیخ الحدیث صاحب نے نماز پڑھائی اور دفن کے لئے جنازہ واپس ہوا، مسجد کے اندر پہنچنا مشکل تھا، بہت سے لوگ رسّیاں ڈال ڈال کر اندر پہنچے، مسجد کے جنوبی مشرقی گوشہ میں باپ اور بھائی کے پہلو میں لحد تیار تھی۔ بڑی مشکل اور کش مکش سے جنازہ قبر تک پہنچا، نعش قبر میں اتاری گئی اور دین کی یہ امانت خاک کے سپرد کی گئی۔ سورج غروب ہوا تو دین کا یہ آفتاب جس کی تابش سے ہزاروں خاک کے ذرّے چمک اٹھے، دُور دُور تک دین کی حرارت پیدا ہو گئی تھی، خاک میں اوجھل ہو چکا تھا۔"

حضرت مولاناؒ کی اہلیہ محترمہ مولانا رؤف الحسن صاحب کی ایک رابعہ سیرت اور خدیجہ صفت صاحبزادی تھیں، اُن سے ایک صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ (جن کی سیرت وحالاتِ زندگی اور مجاہدانہ کارناموں پر یہ کتاب پیشِ خدمت ہے) اور ایک صاحبزادی اہلیہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث متعنا اللہ بحیاتہ یادگار چھوڑے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ حضرت مولاناؒ کے حقیقی بھتیجے اور داماد، محبوب بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے نامور فرزند اور حضرت مولانا کے محبوب و معتمد اور اُن کی یادگار ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر حضرت مولاناؒ کی چلتی جاگتی یادگار ان کا تبلیغی کام اور کام کرنے والے اہلِ میوات ہیں، حضرت مولانا نے انتقال سے پہلے خود فرمایا تھا کہ:۔

"لوگ آدمی چھوڑ کر جاتے ہیں، میں اپنے پیچھے الحمد للہ پورا ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں[1]"

وما مات من کانت بقایاہ مثلھم
شباب تسامیٰ للعلیٰ وکھول

[1] حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت۔ مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

داعی الی اللہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے نگاہِ پاک بینے جان بیتابے

دوسرا باب

ولادت سے تکمیلِ علوم تک

سالہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

نام ونسب آپ کا نامِ نامی محمد یوسف، والد ماجد کا نام مولانا محمد الیاس تھا والد ماجد کی طرف سے نسب اس طرح ہے۔ مولانا محمد یوسف ابن مولانا محمد الیاسؒ، ابن مولانا محمد اسماعیل، ابن شیخ غلام حسین، ابن حکیم کریم بخش، ابن حکیم غلام محی الدین ابن مولانا محمد ساجد، ابنِ مولانا محمد فیض، ابن مولانا حکیم محمد شریف، ابن مولانا حکیم محمد اشرف، ابن شیخ جمال محمد شاہ، ابن شیخ نور محمد، ابن شیخ بہاء الدین شاہ، ابن مولانا شیخ محمد ابن شیخ محمد فاضل، ابن شیخ قطب شاہ[1]

والدہ ماجدہ کی طرف سے نسب حسب ذیل ہے:۔

والدہ ماجدہ بنت مولوی رؤف الحسن ابن مولانا ضیاء الحسن، ابن مولانا نور الحسن، ابن مولانا ابو الحسن، ابن مفتی الٰہی بخش، ابن مولانا شیخ الاسلام، ابن حکیم قطب الدین، ابن حکیم عبد القادر، ابن حکیم محمد شریف، ابن مولانا حکیم محمد اشرف الخ

---

[1] خاندانی نسب نامہ میں یہیں تک اندراج ہے۔

والدین کے ہر دو سلسلے حکیم محمد شریف پر جا ملتے ہیں، پھر اُوپر ایک ہی سلسلہ ہے۔

یہ مبارک گھرانا جو مولانا کے دادھیالی اور نانہالی دونوں سلسلوں پر مشتمل ہے۔ کاندھلہ اور جھنجھانہ کے صدیقی شیوخ کا ایک مشہور اہلِ فضل و کمال خاندان ہے جو اطراف و جوانب میں اپنی عالی نسبی، دنیاوی وجاہت میں ممتاز اور علم و فضل، دینداری، زہد و ورع میں مشہور ہے جس کا تفصیل سے ذکر پہلے باب میں آچکا ہے۔

ولادت | مولانا محمد یوسف صاحبؒ کاندھلہ میں ۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ رمارچ ۱۹۱۷ء کو بروز چہارشنبہ پیدا ہوئے، اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس تھے۔

پیدائش کے ساتویں دن یعنی ۲ رجمادی الاُخریٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۶ رمارچ ۱۹۱۷ء بروز دوشنبہ عقیقہ ہوا۔

ماحول اور بچپن | مولانا محمد یوسف صاحب نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی اُس میں مرد تو مرد، عورتیں تک دینداری اور تقوے میں ممتاز تھیں۔ خاندان میں قرآن مجید کا حفظ کرنا معمول سا بن گیا تھا، بچے بوڑھے، مرد و عورت عام طور پر حافظ ہوتے تھے۔ گھر کی بیبیاں تلاوت، ذکر و تسبیح اور نوافل وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتیں، ہر طرف علم کا چرچا اور تقوٰے کی فضا قائم تھی۔ خود خاندان کے اندر کثیر تعداد میں بزرگ موجود تھے۔ علماء، فضلاء اور اہلِ کمال بکثرت تھے۔ آپ کے عمِ مکرم مولانا محمد صاحب خود والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور خاندان کے دوسرے اکابر بقیدِ حیات تھے، خاندان کے باہر کئی مشائخ اور بزرگ موجود تھے۔ جن میں سر فہرست حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری تھے، جن کی دُعائیں اور شفقتیں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ تھیں۔

حفظ قرآن | اسی کا نتیجہ تھا کہ دس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، حافظ

امام خاں میواتی ایک بڑے جید حافظ تھے، انہیں سے قرآن شریف حفظ کیا۔ مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی جو حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے بڑے بھائی تھے، اور ایک بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے، مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے اور علومِ شرعیہ کے نام سے ایک مدرسہ کھولا تھا، انہوں نے مدینۂ منورہ سے حفظِ قرآن کی ایک اعزازی سند مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو بھیجی، اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں رہتے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نظرِ عنایت و شفقت

مولانا محمد یوسف صاحبؒ پر بچپن ہی سے بزرگوں کی اور مشائخِ وقت کی نظریں رہیں۔ مولانا ان بزرگوں کی گودوں میں پلے اور ان کے نازپروردہ تھے، خصوصاً حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری جو اس وقت کے شیخ المشائخ اور مرجعِ خلائق تھے، اس روشن جبیں اور بلند اقبال فرزند پر خاص عنایت کی نظر رکھتے تھے۔ خود مولانا محمد یوسف صاحبؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے اس طرح پیش آتے تھے کہ جیسے کوئی لاڈلا بچہ اپنے بے پایاں شفقت کرنے والے باپ سے پیش آتا ہے۔ یہ حضرت مولاناؒ کو "ابا" کہکر پکارتے تھے۔ گھر میں رحمتی نام کی خادمہ کھانا پکاتی تھی۔ ایک مولانا محمد یوسف صاحب مچل گئے اور کہنے لگے کہ میں تو ابا کے ہاتھوں کی پکائی ہوئی روٹی کھاؤں گا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اندر تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ "میں اپنے بیٹے کے لئے روٹی پکاؤں گا" اور بے تکلف اپنے ہاتھوں سے روٹی پکائی اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو کھلائی۔

حج کا شوق

بہت ہی کم عمری سے حج کا شوق تھا، ۳ سال کی عمر تھی کہ حج کی تمنا کروٹیں لینے لگی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری کی خادمہ بی رحمتی کی

بکری کا ایک بچہ تھا، مولانا محمد یوسف صاحبؒ دن بھر اُس کے پیچھے دَوڑتے پھرتے اور فرماتے "چل تیرے پر بیٹھ کر حج کو جاؤں گا" حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جب گھر میں تشریف لاتے تو مولانا سے ازراہِ شفقت و محبت پوچھتے، ہاں بھائی کہاں جاؤ گے؟ تو مولانا فرماتے حج کو جاؤں گا۔ حضرت فرماتے کس پر بیٹھ کر جاؤ گے؟ تو کہتے اِس بکری کے بچہ پر بیٹھ کر۔ حضرت اس جواب سے بہت خوش ہوتے۔

والدین کی تربیت | مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی والدہ ماجدہ ایک معزّز اور صَالح بزرگ مولانا رؤف الحسن صاحب کی صَاحبزادی تھیں اور خود بھی ایک بڑی صالحہ اور عابدہ خدیجہ صفت اور رابعہ سیرت خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بی بی کو عبادتؔ تلاوت کا بڑا ذوق اور صلاح و تقوے کا وافر حصّہ عطا فرمایا تھا۔[1] دوسری طرف مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ایک بڑے بزرگ صاحبِ دعوت اور شیخِ طریقت تھے، تعلیم و تربیت کا ایک خاص انداز رکھتے تھے اپنے ہونہار فرزند کی خوب اچھی طرح تربیت کی اور ہر چھوٹی بڑی بات کا خیال رکھا۔ اور اس کیلئے لطیف سے لطیف طریقے استعمال کئے اور ایسی نازک باتوں پر دھیان دیا جن کا خیال بڑے بڑے ماہرینِ نفسیات کو بھی نہیں ہو سکتا، اور اُن کے ذہن و دماغ کی سلوٹوں میں بھی اُن کی گنجائش نہ ہوتی۔ لیکن حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ذہن کی رسائی اور فکر کی بلند پروازی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ایسی معمولی سے معمولی اور بظاہر غیر اہم سے غیر اہم غلطیوں اور بھولوں پر تنبیہ فرماتے اور اُن کی نشاندہی کرتے، جن کا اثر وقتی طور پر نہ پڑتا۔ اور بادی النظر میں

---

[1] ۲۸ر اگست ۱۹۶۵ء کو حضرت شیخ الحدیث سہارنپور سے دہلی تشریف لائے، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حجرے میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ ملنے کی خاطر تشریف لائیں اور تھوڑی دیر کے بعد واپسی میں دَورہ پڑا اور چند ہی لمحوں میں انتقال ہو گیا اور اسی شب کو بستی نظام الدین میں سپردِ خاک کی گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دیکھنے والوں کے نزدیک وہ نشاندی بے وقعت اور سرسری معلوم ہوتی۔ مگر حقیقت میں نگاہ میں بڑی لطیف اور دُور رَس نتائج کی حامل ہوتی۔ پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ تربیت کے اسی انداز و طریقہ نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو ایمان و یقین کی وہ داعیانہ زندگی عطا کی جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور منور کرنے والی بنی اور جس نے لاکھوں کی زندگیاں ایمان و یقین اور اعتماد علی اللہ کی صفات سے مالامال کر دیں۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے ایک قریبی تعلق رکھنے والے صاحب سے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے:۔

"حضرت جی (مولانا محمد الیاسؒ) چائے کے موافق نہ تھے، امّاں جی (والدہ مولانا محمد یوسفؒ) ایسے وقت جبکہ حضرت جی ٹہلنے چلے جاتے چائے بنا کر پلا دیتیں۔ اس درمیان (دوسری) جنگ عظیم چھڑ گئی تو چائے کی قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ اب چائے چھوڑ دینی چاہیئے اور اپنے اس خیال کا اظہار حضرت جی کی خدمت میں بھی کر دیا اور عرض کیا کہ ہم لوگوں نے اب یہ طے کیا ہے کہ چائے نہ پئیں گے۔ اِس خیال اور ارادہ پر حضرت جی بہت خوش ہوئے اور شاباشی دی۔ مگر یہ پُوچھا کہ چائے کیوں چھوڑ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا چونکہ چائے کی قیمت بڑھ گئی ہے اور اس کے پیسے آپ ہی کو دینے پڑتے ہیں تو ہم لوگ اپنی وجہ سے آپ کے بار میں کیوں اضافہ کریں۔ حضرت جی اس سوچنے کے طریقہ پر ناراض ہوئے اور آپ کی خوشی رنج میں تبدیل ہو گئی اور ارشاد فرمایا یہ غلط ہے، پیسے کی کمی و بیشی پر چائے مت چھوڑو، جو خدا چار آنے دیتا تھا وہ پانچ آنے کا بھی انتظام کر سکتا ہے۔"

دوسرا واقعہ بھی مولانا محمد یوسف صاحب خود بیان فرماتے تھے:۔

"ایک بار مہمانوں کے لئے اندر سے میں چائے لایا۔ جب برتن اندر بے

گیا تو ایک چمچی اُس میں نہ تھی، وہ گُم ہوگئی، امّاں جی نے اس بے خیالی پر ناگواری کا اظہار کیا اور پھر حضرت جی اندر تشریف لے گئے تو حضرت کے سامنے بھی کہہ دیا "یوسف نے چمچی گم کر دی"۔ حضرت جی میری طرف متوجہ ہوئے اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا "کیا یہ چمچی تمہاری ملکیت تھی، تم نے کیوں گُم کی؟" حضرت کی اِس دن والی تنبیہ سے میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب یہ میری ملکیت میں نہیں ہے تو ان چیزوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں اور یہ تأثر آج تک تازہ ہے کہ یہ چیزیں جو بظاہر ملکیت میں ہیں درحقیقت ملکیت میں نہیں بلکہ ان سب کا معاملہ اس آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (اللہ نے مؤمنوں سے جنت کے عوض اُن کی جانیں اور مال خرید لیا ہے) کا مصداق ہے اور حضرت بھی اسی حیثیت سے ان چیزوں کو اپنی ملکیت میں نہیں سمجھتے تھے۔"

ایک ایسی مجلس جس میں مدرسہ کے چند خدمت کرنے والے طلباء اور قریبی تعلق رکھنے والے بعض حضرات موجود تھے، اپنے والدین کی تربیت کے طریقے اور انداز پر گفتگو فرماتے ہوئے اپنی والدہ محترمہ کی تربیت کے طور طریقہ کو ان الفاظ میں فرمایا:-

"ہماری امّاں جی نے ہماری تربیت اس طرح کی کہ کوئی مہمان بی بی مٹھائی یا کیلے وغیرہ تحفہ میں لاتیں اور میں اُن کی طرف دیکھ لیتا تو مہمان کے جانے کے بعد امّاں جی میری پٹائی کر دیتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور کر کیوں دیکھا۔"

دین و اخلاق کی تباہی عموماً بُرے ماحول اور امارت و ثروت کی زندگی سے ہوتی ہے جو بچے بُرے ماحول میں پڑ جاتے ہیں، یا لاڈ و پیار اور دولت و امارت کی آغوش میں پلتے ہیں وہ قوم اور مُلک کے لئے بارِ گراں بن کر رہ جاتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب پر

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں تھیں۔ ایک طرف علماء و مشائخ مربی تھے، دوسری طرف ماحول ایک دیندار گھرانے کا تھا، تیسری جانب امارت وثروت کا نام نہ تھا، جو زمانہ مولانا کی خوردسالی کا گذرا ہے وہ بستی نظام الدین میں بڑی تنگدستی اور عسرت کا تھا، گھر میں کئی کئی فاقے ہو جاتے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ اس حال سے وہی لوگ واقف تھے جو گھر کے افراد تھے یا معتمد علیہ خدام و رفقاء۔ بچے بوڑھے سبھی اس حال میں مست اور صبر و قناعت کے پیکر تھے۔

مولانا نے خود اس دور کا حال اپنی ایک نجی مجلس میں شیخ رشید فارسی (جو کہ مکہ مکرمہ میں ایک اچھے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد تبلیغی سفر کے سلسلہ میں کئی بار ہندوستان آچکے ہیں اور صاحبِ علم و فضل شخص ہیں) کے استفسار پر بیان فرمایا:۔

"حضرت (مولانا محمد الیاسؒ) کے دور میں شروع کئی کئی فاقے ہو جاتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم میں کام کرنے والے حضرات بھی اس سے لطف اندوز ہوتے۔ ایک بار مسلسل کئی دن سے فاقہ تھا اور اندر باہر کچھ نہ تھا۔ حضرت اپنے حجرے سے نکلے اور حوض کے کنارے اہلِ مدرسہ کو جمع کر کے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو، تم یہاں سے کہیں اور جا سکتے ہو، کسی اور مدرسہ میں کام کر سکتے ہو، میں اکیلا ہوں، حوض کا پانی پی کر گذارا کر لوں گا۔ گھر اور مدرسہ کے خزانے میں کچھ نہیں ہے۔ حضرت کے اس فرمانے پر سب اہلِ مدرسہ نے ایک زبان ہو کر عرض کیا۔ حضرت ہم بھی آپ کے پاس رہیں گے چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی پینا پڑے حضرت اس جواب پر آبدیدہ ہو گئے، اپنے حجرہ تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد نکل کر باہر آئے اور فرمایا، اللہ برکت دیگا اور آسانی مہیا کرے گا۔"

ایک دوسرے موقع پر (جس میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ شریکِ فقر و فاقہ تھے)

شروع میں جو حال گذرا ایک خاص تعلق رکھنے والے ہمدم وہمراز، اس کے متعلق مولانا کی زبان سے سُنا ہوا واقعہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں :۔

"جب کبھی کہیں سے آٹا آتا تھا تو ایک صندوق میں جو اسی مقصد سے رکھا رہتا تھا بھر دیا جاتا تھا اور اندر باہر صرف میں لایا جاتا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ صندوق میں آٹا بالکل نہ تھا اور کئی روز سے فاقہ کی حالت چل رہی تھی، مولانا محمد یوسف صاحب رح نے صندوق کھول کر صندوق کے درازوں سے آٹا نکال کر جمع کیا وہ اتنا کم تھا کہ بڑی محنت سے جمع ہوا اور اس کی چند ٹکیاں بن سکیں، مولانا محمد یوسف صاحب کی اس محنت اور عمل کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے حجرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا، حال دریافت کیا اور انکشافِ حال سے چہرے پہ ایک خاص قسم کا اثر پڑا اور حجرے واپس تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد نکلے اور فرمایا "یوسف اب اس چہار دیواری کے اندر انشاء اللہ فاقہ نہ آئے گا۔"

مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر کا شروع دور اسی حال اور اسی ماحول میں گذرا ایسی حالت میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنے نیک نہاد فرزند کی تربیت کی اور جود وسخاوت، ایثار وقربانی، ذکر وعبادت کے اوصاف پیدا کئے اور يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کا مصداق بنایا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مولانا نے تنہا خوری سے کام لیا ہو یا اپنے ساتھیوں اور مہمانوں سے چشم پوشی برتی ہو۔

مولوی محمد ادریس صاحب انبیٹھوی جو مولانا محمد یوسف کی کم عمری کے زمانہ سے ساتھ رہے، ساتھ پڑھا اور خلوت وجلوت میں رفیق وجلیس رہے ہیں مولانا کی اس صفت کو اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

"مخلص جو ہدایا و تحائف لے کر حضرت (مولانا محمد الیاسؒ) کے لئے آتے تھے وہ گھر بھجوا دیئے جاتے، ناشتہ یا کھانے میں دستر خوان پر آجاتے مگر حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) اندر سے حلوہ سوہن، حبشی حلوہ مٹھائیاں اور پھل لیکر آجاتے اور طلباء کے ساتھ بیٹھکر اپنے حجرے میں کھاتے اور ساتھی طلباء کو کھلاتے تھے، خیال یہ ہے کہ گھر میں جو بچی ہوئی مٹھائی وغیرہ ہوتی اُس کو اس طرح پر ٹھکانے لگاتے تھے[1]"

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اسی اندازِ تربیت نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو ایک مثالی شخصیت بنا دیا، یہی وجہ تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ ہمیشہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کو بالکل پسند نہ کرتے تھے، اور کم سے کم خرچ پر اپنا کام چلاتے۔ سفر ہمیشہ کم درجہ میں کرتے اور سارا پیسہ تحریک پر لگا دیتے۔ اپنے آرام سے زیادہ جماعتوں کے آرام کی فکر کرتے۔

والدین کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو دوسرے اور بچوں کی طرح لہو و لعب میں وقت ضائع کرنے، سیر سپاٹے، اور فضول کاموں اور باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان سے اُمت کا ایک عظیم کام لینا تھا، اس لئے شروع ہی سے ہونہار تھے اور اپنا وقت مفید کاموں میں لگاتے تھے خصوصاً سیرتِ نبوی کی کتابوں سے زیادہ دلچسپی رکھتے، ایک بار خود فرمایا:-

"میں نے سوائے ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی خرید کر نہیں کھائی، وجہ یہ نہ تھی کہ میرے پاس پیسے نہ ہوتے تھے، بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنا لیا تھا اور اس میں جو پیسے مجھکو

---

[1] مضمون مولانا محمد ادریس انبیٹھوی (خدام الدین حضرت جی نمبر)

ملتے ڈال دیا کرتا تھا کہ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کتابیں خریدوں گا۔"

مولانا کے بچپن کے ساتھی مولانا محمد ادریس انصاری بیان کرتے ہیں :-

"تین سال تک میں حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کے قریب ترین ساتھیوں میں رہا، اس عرصہ میں میں نے حضرت جی کو بازاروں میں گھومتے ہوئے یا ہمایوں کے مقبرہ وغیرہ میں سیر سپاٹے کرتے ہوئے نہیں دیکھا، گھر، مدرسہ یا دوپہر میں باولی میں نہانا یا عصر کے بعد کھیلنا یا جمنا جاکر نہانا، پھر مہمانوں کی خدمت اُن کے مشاغل تھے۔"

مشائخ وقت کی نگاہِ تربیت

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ ایک عالی مرتبت اور صاحبِ فضل و کمال خاندان کے ایک فرد اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خلف الرشید ہونے کی وجہ سے مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے اس زمانہ کے سارے بزرگوں کو ایک خاص قسم کا تعلق اور بے پایاں شفقت تھی، خصوصاً جن مشائخ کا تعلق گلشنِ رشیدی سے تھا وہ سارے کے سارے اس ہونہار فرزند سے باپ کی جیسی شفقت فرماتے لیکن اس شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی نگاہ رکھتے تھے، خصوصاً حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے بعد حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث (جن کی خاص توجہ و تربیت تعلیم اور دیکھ بھال نے مولانا محمد یوسف صاحب کو اس عالی منزل تک پہنچایا) والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہوتے ہوئے بھی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تعلیم و تربیت میں بڑی حد تک دخیل تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو علم و عمل، صلاح و تقویٰ خدا پرستی اور انسانیت دوستی اور دین کے لئے جہد و مشقت اور ایثار و قربانی کے اعلیٰ مقام تک پہنچانے میں مذکورالصدر بزرگوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے، یہی وجہ تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ان بزرگوں کو ہمیشہ اپنے

والد کی جگہ سمجھا، ان کی خدمت میں برابر حاضری دی اور آخر آخر تک ان حضرات کا انتہائی ادب احترام ملحوظ رکھا اور ان کے ہر اشارہ اور خواہش کو دل وجان سے زیادہ عزیز سمجھا رائے پور، سہارنپور اور دیوبند کی حاضری ہمیشہ کا معمول بنالیا اور اپنی خوردی و احتیاج اور ان بزرگوں کی عظمت و وقعت کو زندگی بھر پیش نظر رکھا، آنکھیں کھولیں تو انھیں بزرگوں کی شفقت بھری نگاہوں کے سامنے پرورش پائی تو انہیں بزرگ ہستیوں کے سایۂ عاطفت میں، اور اپنی عملی اور ایمانی زندگی کا باب کھولا تو انھیں مشائخ کی سرپرستی میں ان بزرگوں نے مولانا کی تعلیم و تربیت کی راہ میں جو اقدامات کئے اس سلسلہ میں کئی واقعات ہیں جو ذکر کئے جاسکتے ہیں مگر طوالت کے خوف سے اُن کو تحریر نہیں کیا جارہا ہے اور یہ شعر لکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا تا درے ایں رہ برید

ہم بعون ہمتِ مرداں رسید

قرآن شریف سے شغف اس پورے گھرانہ کے ہر ہر فرد کو بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، قرآن شریف سے انتہائی شغف تھا اور سب سے پہلے ہر بچّہ کو اس کے والدین قرآنِ کریم کی عظمت اور اُس کی تلاوت کا شوق دلاتے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو بچپنے ہی سے قرآن شریف سے گہرا تعلق پیدا ہوگیا تھا، حفظ کرنے کے بعد اس کی تلاوت سے بڑا شغف تھا، تلاوت کو سارے کاموں پر فوقیت دیتے۔

نمبردار محراب خاں میواتی کا بیان ہے کہ مولانا کی عمر پندرہ ۱۵ سال کی تھی، ایک جماعت کاندھلہ جارہی تھی، بڑے حضرت (حضرت مولانا محمد الیاسؒ) نے مجھ سے فرمایا "یوسف سے کہو جماعت میں چلے۔ میں نے مولانا سے کہا کہ جماعت میں چلو، اُنہوں نے انکار کردیا میں نے پھر کہا اچھا اگر جماعت میں نہیں جاتے تو آئندہ رمضان میں گاؤں میں تراویح سُنادو، تو وہ اس پیشکش پر بخوشی راضی ہوگئے۔ میں بڑے حضرت کے پاس حاضر ہوا اور

خدمت میں عرض کیا "حضرت جی، مولوی یوسف سے معاملہ طے ہوگیا۔"

سوال سے نفرت بچپن ہی سے سوال سے نفرت تھی، حالانکہ کون بچہ ہے جو سوال سے مجتنب رہتا ہو، مولانا خود بھی کسی سے سوال کرنا باعثِ شرم سمجھتے تھے اور دوسروں کو بھی معصومانہ انداز سے سوال سے روک دیا کرتے تھے۔ نمبر دار محراب خاں میواتی اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ سناتے ہیں :-

"مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عمر دس سال کی تھی، مولانا روٹی کھا رہے تھے، میں نے کہا کہ ایک روٹی اور لے آؤ، تو بڑے معصومانہ انداز سے جواب دیا۔ نمبردار، مانگا نہیں کرتے کسی سے سوال نہ کرنا چاہیئے۔"

مہمانوں کی خدمت بستی نظام الدین اولیاءؒ میں مہمانوں کی کثرت رہتی تھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ہمیشہ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عمر ۱۲-۱۳ سال کی رہی ہوگی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس سلسلہ کی دوسری خدمتیں اس کم عمری میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے سپرد کر دی تھیں۔ مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔ مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں پڑھنے والے طلباء کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، طلباء کی ٹولیاں باری باری سارے طلباء کا کھانا پکاتیں اور اس سلسلہ کے چھوٹے بڑے سارے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ ان کے کاموں میں بھی شریک رہتے، ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مصالحہ پیستے اور جنگل سے جلانے کیلئے جھاڑ جھنکاڑ گھسیٹ کر لاتے۔

ایک بار آگ جلانے کی باری مولانا کی تھی۔ جنگل سے کریل تازہ لاکر آگ جلانے لگے۔ چونکہ کریل تازہ اور گیلی تھی اس لئے وہ جل نہ سکی اور دھواں ہی دھواں ہونے لگا مولانا برابر پھونکتے رہے اور بڑی مشقت اٹھائی، پھونکتے پھونکتے تھک گئے، حضرت

مولانا محمد الیاس صاحبؒ دُور سے دیکھ رہے تھے، کچھ دیر انتظار کیا، پھر تشریف لے گئے اور کاغذ کا ایک ٹکڑا لکڑیوں میں رکھکر دیا سلائی سے آگ دی جس سے وہ لکڑیاں جلنے لگیں۔ پھر فرمایا ہر کام سیکھنے سے آتا ہے[۱]

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم میں قاری معین الدین صاحب نے تجوید سکھائی۔ حفظِ قرآن کے بعد گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدینؒ میں عربی پڑھنی شروع کی۔ سب سے پہلے میزان الصرف پڑھی اور پندرہ ۱۵ بیس ۲۰ دن میں ختم کر دی۔ اس وقت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھیوں میں قاری رضا حسن صاحب بھوپالی اور مولانا محمد ادریس صاحب انصاری انبیٹھوی اور بعض دوسرے حضرات تھے۔ طلباء کی یہ مختصر جماعت تھی جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھ رہی تھی۔ میزان الصرف کے بعد منشعب، اس کے بعد صرفِ میر پڑھی۔ پھر پنج گنج دوسرے اُستاد سے پڑھی۔ پنج گنج کے بعد پھر خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے طریقۂ تعلیم[۲] کے مُطابق نحو میر پڑھائی۔ اس کے بعد قصیدۂ بُردہ، قصیدہ بانت

---

[۱] حافظ صدیق نوح والے۔

[۲] ان کتابوں کے پڑھنے میں مولوی محمد ادریس صاحب انصاری، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہم سبق رہے ہیں وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے طریقۂ تعلیم کو .... بیان کرتے ہوئے نحو میر پڑھانے کے طریقہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

"پھر ہمیں حضرت نے نحو میر شروع کرائی، اس کتاب پر بھی اپنی عادت کے مُطابق ہم سے بڑی محنت کرائی اور صرف کے اصول کی حفاظت کیلئے قرآن شریف کے الفاظ لکھنا شروع کرائے، اس کی خانہ پُری کی کاپی دی، اس میں ہمیں صیغہ، بحث، مادۂ ہفت اقسام کی خانہ پُری کرنا ہوتی تھی۔ اس طرح غالباً ۷ پارہ تک حضرت نے قرآن پاک کے الفاظ

{بقیہ بر صفحۂ آئندہ}

سعادؔ، اس کے بعد مجموعۂ چہل حدیث جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، ملّا جامیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی چہل حدیث درج ہیں حفظ کرائی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم میں مولوی منیر الدین صاحب نے بھی حصّہ لیا اور متعدد کتابیں پڑھائیں۔

متوسّطات کی تعلیم | فقہ کی کتابیں، کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔ ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سفرِ حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کر دیا۔ وہاں اس سال آپ نے ہدایہ اولین مولانا زکریا صاحب قدوسی گنگوہی سے اور میبذی مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی سے پڑھی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی حج سے واپسی کے کچھ مدّت بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ پھر بستی نظام الدین میں آگئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ، جلالین پڑھیں۔ مشکوٰۃ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے اور جلالین مولانا احتشام الحسن صاحبؒ کاندھلوی سے پڑھی۔ ساتھیوں میں مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی، قاری سید رضا حسن صاحب بھوپالی، مولوی عبد الغفور صاحب میواتی تھے۔ اسی زمانہ میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے رواتِ صحابہؓ و تابعینؒ کی تحقیقات کا کام شروع کیا۔

حدیث کی تعلیم و تکمیل | ۱۳۵۴ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں داخل کیا اور آپ نے وہاں صحاح اربعہ پڑھیں، صحیح بخاری شریف مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد

{حاشیہ بقیہ صفحۂ گذشتہ} ہمیں کاپی پر لکھائے جس سے ایک تو ہماری صرف پختہ ہوگئی دوسرے قرآنی الفاظ کے ترجمہ سے کافی واقفیت ہوگئی۔

نحو میر پڑھانے میں اچھا خاصا وقت مشقوں پر خرچ فرماتے اور اس میں ۱۶ اقسام منصرف غیر منصرف اسماء اشارات و موصولات وغیرہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین کرائے گئے۔"

احمد خاں صاحب سے، جامع ترمذی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری سے، سُنن ابی داؤد مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے پڑھیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی بھی ہم درس رفیق تھے۔ مولانا انعام الحسن صاحب ذکر کرتے ہیں:-

"ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصّہ میں ہم میں سے ایک مُطالعہ کریگا اور دوسرا سوئے گا، اور آدھی رات ہو جانے پر مُطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اُٹھا کر اور اُس کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا، اور اس دوسرے کے ذمّہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اُٹھائے گا۔ ایک دن مولانا محمد یوسف صاحبؒ شروع رات میں مُطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔"

لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو علالت کی وجہ سے مظاہر علوم سے نظام الدین آجانا پڑا۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے اور صحاح اربعہ کا جو حصّہ باقی رہ گیا تھا وہ اور صحاح ستّہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ اور نسائی اور انہیں کے ساتھ شرح معانی الآثار طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے نظام الدین میں پڑھیں۔

تعلیم کا شوق اور خالص علمی مشغلہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو بہت ہی کم عمری سے تعلیم کا انتہائی شوق تھا۔ عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے اور نہ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کرنا پسند کرتے تھے۔ جب تک فقہ اور حدیث کی کتابیں شروع نہیں کیں تو صحابۂ کرامؓ کے تذکرے اور خدا کی راہ میں اُن کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دلچسپی تھی اور اس سلسلہ کی جو کتابیں ملتیں بڑے ہی ذوق و شوق اور جذب و کیف سے پڑھتے، کتاب محاباتِ اسلام جس میں

صحابۂ کرامؓ کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ بے بچپن ہی میں بڑے اشتیاق سے پڑھا کرتے تھے۔ جب فقہ اور حدیث کی تعلیم شروع کی تو اس مبارک علم میں پوری طرح مشغول ہوگئے دن کا کوئی حصّہ ایسا نہ ہوتا جس میں خالی بیٹھتے ہوں اور کوئی کتاب ہاتھ میں نہ ہوتی ہو وہ کسی ایسے کام کو پسند نہ کرتے تھے جو تعلیم میں کسی طرح بھی حائج ہو۔ حضرت مولانا محمد زکریّا صاحب شیخ الحدیث اس زمانہ کا واقعہ بتاتے ہیں :۔

" دہلی کے حضرات کا چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادہ سلّمہٗ کو شادی میں ضرور ساتھ لائیں، مگر مرحوم اپنے طلبِ علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اُس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اس ناکارہ کا دہلی جانا ہوا تو عزیزم مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو آپ نہ کہیں۔ اور جب چچا جان مجھ سے یہ ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لو تو میں یہی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں [1]۔"

حافظ محمد صدّیق صاحب نوح والے جو بچپن ہی سے مولانا کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور مختلف کاموں میں شریک رہے، مولانا کے علمی انہماک اور تعلیم و مطالعہ سے گہری دلچسپی کے متعلق بیان کرتے ہیں :۔

"حضرت مولانا مسجد کے جنوبی حصّہ کے اُوپر والے کمرہ میں کتابوں کا مُطالعہ کرتے رہتے اور لکھتے رہتے، رات گئے تک بیدار رہتے اور آخر رات کو سو جاتے، صبح کی نماز کے وقت بڑے حضرت (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) حوض کے کنارے سے آواز دیتے۔ اس آواز پر حضرت مولانا، جی کہکر

---

[1] ارشاداتِ حضرت شیخ الحدیث مطبوعہ "الفرقان" مولانا یوسف نمبر ص ۳۶

اُٹھ جاتے۔ خود حضرت مولانا اکثر فرماتے کہ عام طور پر میں تین تین بجے رات تک جاگتا اور علمی کاموں میں اتنا منہمک ہو جاتا کہ پتہ تک نہ چلتا کہ کمبل پیروں سے ہٹ کر کہاں پڑا ہے"۔

نکاح اور رخصتی ۳ر محرم ۱۳۵۵ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ مولانا محمد یوسف صاحبؒ[1] کا نکاح ہوا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بلا کسی سابقہ اور طے شدہ امر کے اچانک ارادہ فرمایا۔ نکاح حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے پڑھایا، اس نکاح میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، نیز دوسرے مقامات کے علماء و مشائخ شریک تھے۔ تقریباً ایک سال کے بعد رخصتی بھی اچانک اور پوری سادگی کے ساتھ ہوئی، اس وقت چونکہ مظاہر علوم کے سرپرستوں کا جلسہ ہو رہا تھا اس لئے اُس وقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری بھی تشریف فرما تھے۔ اسی وقت رخصتی کا فرض ادا کر لیا گیا اور رخصتی بھی حضرت شیخ الحدیث کے گھر میں ہوئی اور دوسرے دن صبح کو مختصر دعوتِ ولیمہ ہوئی۔

پہلا حج حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ تبلیغ و دعوت کا جو کام ہندوستان میں چل چکا ہے اور کچھ علاقوں میں اللہ کے فضل و کرم سے جم بھی گیا ہے، وہ اب باہر بھی پہنچانا چاہیئے، خصوصاً دیارِ عرب میں (جہاں سے یہ کام چلا تھا) اس کام کی بنیادیں مستحکم ہوں اور اہلِ عرب اس کام کو "بضاعتنا ردت الینا" کہکر قبول کریں۔ ۱۳۵۶ھ میں آپ کے دل میں اس کا داعیہ بڑی شدت سے پیدا ہوا

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی دوسری صاحبزادی کا نکاح مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے ساتھ ہوا اور یہ دونوں نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے۔

آخر کار ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا یہ تیسرا حج تھا اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا پہلا حج تھا۔ ساتھیوں میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے علاوہ مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ، مولانا نور محمد صاحب میواتی، متولی طفیل صاحب، الیاس صاحب، سلطان العارفین صاحب، مولوی ادریس صاحب انبیٹھوی، مولوی ظہیر الحسن صاحب شہید کاندھلوی، ماسٹر محمود الحسن صاحب کاندھلوی تھے۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب میواتی اور مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی بعد میں آکر سفرِ حج میں شریک ہو گئے تھے، اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر ۲۱ سال کی تھی اور وہ خالص علمی مطالعہ میں منہمک رہتے تھے۔ یہ مبارک کارواں ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء، ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ کو بوقت ۹ بجے شب بھٹنڈہ ایکسپریس سے براہ رائے ونڈ لاہور ہوتے ہوئے کراچی گیا اور ایس، ایس رحمانی جہاز سے ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ گیارہ بجے شب کو روانہ ہوا۔ اس وقت ڈیک کا ٹکٹ[1] ۵۵ پچپن روپے فی کس کے حساب سے ملا۔ یکم فروری ۱۹۳۸ء، ۱۳۵۶ھ یہ لوگ جدہ پہنچے۔ بروز جمعہ ۴ فروری ۱۹۳۸ء، ۱۳۵۶ھ مکہ مکرمہ پہنچے اور رباب ابراہیم پر ایک مکان میں قیام کیا۔ دورانِ قیام حجاز میں تبلیغی کام ہوا، عربوں کے ایک اجتماع میں جو جبلِ اُحد پر ہوا تھا مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عربی میں تقریر ہوئی، یہ مولانا کی عربی زبان میں پہلی دعوتی تقریر تھی۔ اس تقریر کا سامعین پر اچھا اثر پڑا اور اس سفر سے عرب میں دعوتی کام کی بنیاد پڑ گئی۔ اہلِ عرب نے اس کام کی بڑی تحسین کی اور کام کے وعدے کئے۔ اسی سفر میں اس

---

[1] اس وقت سندھیا کمپنی اور مغل کمپنی میں خوش قسمتی سے مقابلہ ہو گیا تھا اور ان حضرات کے ٹکٹ فی کس ۵۵ (پچپن روپے) کے حساب سے آئے۔ اس کے بعد حاجی عبدالرحمٰن صاحب کا ۲۰ (بیس روپے) اور آخر میں ۵ (پانچ روپے) تک کی نوبت آگئی تھی۔

کام کے متعلق کئی بشارتیں ملیں۔

علمی و تصنیفی ذوق طالب علمی کا دَور تو سراپا علمی دَور تھا، شب و روز یہی مشغلہ رہتا، لیکن فراغت کے بعد بھی اسی ایک مشغلہ میں اپنی عمر کا اکثر حصہ صرف کیا۔ خصوصًا حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کی حیات کی تقریبًا پوری مدت مولانا علمی مشاغل میں منہمک رہے، نیز تصنیفی شوق غالب رہا اور ہمہ وقت اسی مشغلہ سے کام رکھتے یہ ذوق اور مشغلہ اتنا غالب ہو چکا تھا کہ ضروری سے ضروری کام کی طرف پوری توجہ رکھنا مشکل ہوتا، حتّٰی کہ وہ دعوت جس کی خاطر حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ اپنی زندگی گھُلا رہے تھے اور اوڑھنا بچھونا اسی تبلیغی کام اور دینی دعوت کو بنائے ہوئے تھے، مولانا محمّد یوسف صاحبؒ اپنے والد ماجد کی دعوت سے کوئی خاص لگاؤ اور گہرا تعلق نہ رکھتے تھے۔ اس زمانہ کی کیفیت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔

> "اس وقت مولانا موصوف کی زیادہ توجّہ کتابی مُطالعہ اور تصنیف و تالیف کی طرف تھی۔ فنِ حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنے کا کام وہ شروع کر چکے تھے۔ ان کے اوقات کا بڑا حصّہ اسی میں صرف ہوتا تھا، اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی سراسر عملی اس دینی دعوت سے جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رُوح کو تحلیل کر دیا تھا اس زمانہ میں زیادہ دلچسپی اُن کو نہیں تھی، گویا ان دنوں ان کا ذوق وہ تھا جو ان کے دوسرے مُربّی و استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد زکریا مدظلّہٗ کا تھا اور ہے۔ دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی وہ کچھ حصّہ تو لیتے تھے لیکن یہ اُن کے لئے دوسرے درجہ کا کام تھا۔ اصل شغف اور انہماک حدیثِ نبوی کی علمی و تصنیفی خدمت سے تھا۔"

مولانا محمّد یوسف صاحبؒ نے ایک خط مولانا سیّد ابوالحسن علی صاحب ندوی کو

تحریر فرمایا تھا جس میں اس دَور کے علمی انہماک کے متعلق درج ذیل باتیں تحریر کیں:۔

"میں نے اُن کی (حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ) کبھی نہیں سُنی، جب کسی طبقہ کا افتتاح ہوتا میں سہم کر ہٹتا، جب کبھی جماعت جانی میں ڈرتا، جب دعوت کا وقت آتا میری رُوح فنا ہوتی، جب کوئی حکم دیتے میں اُس کی تعمیل سے قاصر رہتا۔ ہر مشورہ میں میری رائے حضرت شیخ (مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث) کے ساتھ ہوتی، اور میں اُن کی (حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ کی) رائے کے خلاف بیباکی کے ساتھ کرتا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ علالت کے زمانہ میں فرمایا بھی کہ تم نے میری وہاں تک مانی جہاں تک شیخ نے۔ بڑی مشکل سے سخت خفا ہو کر گویا دھکّے دیکر میوات کے گشت کیلئے روانہ کیا۔ ایک مہینہ گشت کیا، دعوت دینی شروع کی بہت کیفیات کے ساتھ سفر ختم ہوا۔ اس کے بعد طحاوی کی شرح نے غلبہ کیا اور وہ دعوت پھر مغلوب ہو گئی"[1]

کتابوں کا شوق

مولانا محمدؒ یوسف صاحبؒ کو چونکہ علم سے گہرا لگاؤ تھا اور اپنے اوائل عمر میں اس سے شب و روز تعلق رکھتے تھے اس لئے علمی کتابوں (خواہ وہ کسی فن سے تعلق رکھتی ہوں، ان میں پہلا درجہ حدیث و فقہ کی کتابوں کو حاصل تھا) کو جمع کرنے کا از حد شوق تھا اور اس کیلئے ہر طرح کی محنت، قربانی اور ایثار سے کام لیتے۔ مولانا نور محمد صاحب یاجوئی جو مولانا کے شروع ہی سے ساتھ رہے ہیں اور سفر و حضر کے ساتھی ہیں وہ بیان کرتے ہیں:۔

"مولانا بچپن میں اکثر دہلی کے کُتب خانوں کا چکر کاٹتے تھے خصوصًا

---

[1] مکتوب مولانا محمدؒ یوسف صاحب بنام مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی

کباڑیوں کے یہاں بہت جاتے اور سستے داموں پر قیمتی سے قیمتی کتابیں خرید لاتے۔ ۱۳۵۶ھ میں جب والد محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے تھے، اس میں کھانے پکانے کی باریاں مقرر ہوتی تھیں، روٹی میں پکاتا، اور سالن مولانا محمد یوسف صاحبؒ پکاتے۔ مولانا کی جب باری ہوتی تو اپنا کام جلدی سے پورا کر کے کتب خانوں میں چلے جاتے، اور قیمتی سے قیمتی اور نایاب سے نایاب کتابیں خرید لاتے۔ اور اگر کبھی کتب خانوں میں جانا نہ ہوتا تو ان کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے جو خرید چکے ہوتے۔ اسی انہماک اور کتابوں کے جمع کرنے کے شوق کا یہ نتیجہ ہے کہ مولانا کا وہ ذاتی کتب خانہ جو اُنہوں نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اس میں تقریباً چالیس ہزار کی مالیت کی کتابیں ہوں گی۔"

مولانا کا یہ ذوق و انہماک اتنا بڑھ چکا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور ذوق نہیں تھا کتابوں کے خریدنے میں اپنی عزیز سے عزیز مایہ لگا دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی، مولوی نور محمد صاحب کہتے ہیں کہ اکثر اوقات اپنے بدن تک کے کپڑے بیچکر کتابیں خرید لیتے۔

اس کے باوجود ان کی پیاس نہ بجھتی اور ذوق و شوق بڑھتا ہی جاتا، کسی قیمت پر بھی کتاب خریدتے تو اُس کو سستی جانتے اور زبان حال سے پڑھتے ؎

جمالے بہ چند دادم ، جاں خریدم
بحمد اللہ بس ارزاں خریدم

ادبی ذوق مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو علمی اور دینی ذوق کے ساتھ ساتھ لطیف ادبی ذوق بھی ملا تھا، بچپن سے ان کا حال تھا کہ ادبی مجلسوں میں اگر وہ شریک ہوتے تو اُن میں جان ڈال دیتے۔ زبان پر بے اختیار ایسے اشعار آجاتے جو

منتخب ہوتے کبھی کبھی مجلس میں اگر کوئی اردو یا فارسی کے شعر پڑھتے تو دیر تک سُننے والے لُطف لیتے، یا کسی موقع پر کوئی جُملہ کہدیتے تو اس سے بات میں جان پڑجاتی۔ مولانؒا کے پاس ایک بیاض تھی جس میں سینکڑوں عربی، فارسی اور اردو اشعار، اکابر کے مقولے امثال و روایات اور تاریخی چیزیں درج تھیں۔ راقم سطور جب ۱۹۴۵ء کے اوائل میں ان کی خدمت میں کچھ دنوں رہا تھا تو مولانا نے ازراہِ شفقت مجھ کو وہ بیاض دیکھنے کے لئے دی تھی اور میں نے اُس میں سے بہت سی مفید اور کام کی باتیں نقل بھی کیں۔

وہ حضرات جو مولانا کے ساتھ بچپن میں رہے ہیں اور اُن کے شریکِ مجلس اور بے تکلّف دوست رہے ہیں وہ اس سلسلہ میں کئی واقعات سُناتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا ادبی ذوق بھی اعلیٰ اور لطیف تھا۔ مولانا اپنی تقریروں میں کبھی کبھی ایسے منتخب اشعار اور جملے کہہ دیا کرتے تھے جن سے ادبی اور علمی ذوق رکھنے والا آدمی بھی لطف اندوز ہوتا۔

تقویٰ اور کامل احتیاط مولانا نے اس علمی دَور میں بھی تقویٰ اور کامل احتیاط کی صفت اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں پائی تھی اور وہ اس دولتِ بے بہا سے خوب نوازے گئے تھے۔ تبلیغی کام کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بعض حضرات کی چیزیں بعض دینی مصلحتوں سے استعمال فرمائیں تو مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اس کو مناسب نہیں جانا۔ وہ خود اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ

> "حضرت جی (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) بعض دفعہ دہلی کے تاجروں کی کاریں استعمال فرمالیا کرتے تھے۔ مجھ کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ امراء کا احسان لیا جائے، ایک دن میں نے حضرت سے خلوت میں وقت مانگا، حضرت جیؒ نے دیدیا، میں نے ادب سے عرض کیا حضرت اُمراء کی کاریں آپ استعمال فرماتے ہیں، یہ بات بظاہر استغناء کے خلاف

معلوم ہوتی ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا ' یوسف! جو کچھ کرتا ہوں سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور صرف دین کیلئے کرتا ہوں "۔

مولانا کے اندر ان صفاتِ حسنہ کا پیدا ہونا درحقیقت خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تربیت اور بزرگوں کی نظرِ عنایت اور توجہات ہی کا مرہونِ منت اور نتیجہ تھا۔

مولانا باوجود اپنی کم سنی اور خوردی کے اظہارِ حق فرمانے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے، لیکن اس کے باوجود احترام ملحوظ رکھتے۔ مولانا کے اظہارِ حق کے اس انداز وطور پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بجائے ادنیٰ سی خفگی کے مسرت کا اظہار فرماتے۔

حافظ محمد صدیق نوحی اس سلسلہ کا ایک عجیب واقعہ بیان کرتے ہیں:۔

" ایک مرتبہ منشی غلام سرور میواتی جن کو خدا نے شعروسخن کا ذوق عطا فرمایا تھا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور تبلیغی تحریک پر اپنی کہی ہوئی ایک نظم سنائی۔ اس نظم میں ایک جگہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی منقبت اور تعریف کا پہلو نکلتا تھا۔ اس وقت مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اُن کو مُنہ پر یہ تعریف کرنا پسند نہیں آیا، اُنہوں نے ایک کاغذ لیا اور اس پر تھوڑی سی مٹّی رکھ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے سامنے رکھ دیا اور خاموشی سے چلے گئے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی یہ ادا بہت بھائی اور ادب احترام کے ساتھ اس اظہارِ حق کو بہت پسند فرمایا۔"

تصنیفی کام کی ابتداء | جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۳۵۵ھ میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے بستی حضرت نظام الدّین میں اپنے والد ماجد سے حدیث کی کتابیں مستدرک

اور شرح معانی الآثار پڑھیں، اسی وقت سے مولانا کے اندر حدیث کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا اور اس سلسلہ میں ایک کتاب لکھنے کا شوق دل میں ہوا۔ حضرت شیخ کے اشارہ سے امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنی شروع کی جس کا سلسلہ آخر عمر تک رہا۔ اس شرح کا نام امانی الاحبار رکھا۔ یہ مولانا کی تصنیف کی ابتدا تھی جو تین جلدوں میں پوری ہوئی جس کے دو حصے طبع بھی ہو گئے اور تیسرا حصہ زیر تالیف تھا کہ وقت موعود آگیا۔

مولوی محمد ہارون کی پیدائش نکاح کے تقریباً چار سال کے بعد ۲۳ / ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایک فرزند عنایت فرمایا۔ محمد ہارون نام رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر چلائے اور اپنے اسلاف کا بہترین نمونہ بنائے۔

تیسرا باب

بیعت و ارادت سے خلافت و نیابت تک

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

بیعت و ارادت مولانا محمد یوسف صاحبؒ ابھی تک کسی شیخ طریقت سے بیعت نہیں ہوئے تھے اگرچہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جیسے شیخ کامل اور عارف باللہ موجود تھے۔ نیز قریب ہی دوسرے شہروں اور علاقوں میں اولیائے کاملین اور شیوخ کبار کا وجود مسعود تھا اور ایک خلقت ان بزرگوں کی طرف رجوع ہو رہی تھی اور یہ حضرات مرجع خاص و عام بنے ہوئے تھے، لیکن مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنی علمی مشغولیتوں اور تصنیفی مصروفیتوں میں اتنے زیادہ منہمک تھے کہ انہوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ایک مدت کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ (جو مولانا کے مربی بھی تھے اور شفیق استاد بھی، محبت کرنے والے بھائی بھی) کے توجہ دلانے پر انہوں نے اس طرف توجہ دی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت سے مشرف ہو گئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے دین کی خدمت اور دعوت الی اللہ کا بڑا کام لینا تھا جو اُن کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی بھر کا سرمایہ تھا اور عزیز مایہ اس لئے انہیں کی نیابت ان کے

مقدّر میں لکھی ہوئی تھی۔ مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی جو مولانا محمّد یوسف صاحبؒ کے ہم زلف بھی ہیں اور بچپن اور تعلیم کے ساتھی بھی اور آخر تک مشیر کار اور دستِ راست رہے ہیں اور اِس وقت مولانا کے جانشین اور تبلیغی کام کے نگراں و امیر ہیں وہ فرماتے ہیں :۔

"جب حضرت شیخ مدظلہ العالی کو یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ سے بیعت نہیں ہوئے تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ) سے بیعت ہو چکے ہوگے، بہرحال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت جی (حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ) سے بیعت ہونے کی درخواست کی، حضرت جیؒ نے اُسے منظور فرمالیا۔ خود غسل فرمایا اور بڑے اہتمام کے بعد خوشی و مسرّت کے ساتھ ہم لوگوں کو بیعت فرمالیا اور ارشاد فرمایا، اللہ مبارک فرمائے، اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے۔"

عُلوِّ استعداد اللہ تعالیٰ نے ہر مردِ مؤمن کے اندر نیکی کی مقبولیت اور تعلق مع اللہ کی استعداد رکھی ہے، لیکن وہ لوگ جو خود علمِ دین سے بہرہ ور ہوں اور جن کے شب و روز حدیثِ نبوی کی تشریح و تفسیر میں گزرتے ہوں، مزید برآں بزرگ عالی مرتبت خاندان کے چشم و چراغ ہوں اور اُن پر مشائخ کی نظرِ کرم بھی ہو اُن کی استعداد کا کیا عالم ہوگا! مولانا محمّد یوسف صاحبؒ انہیں خوش بخت انسانوں میں تھے جو ان صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ بیعت و ارادت کے بعد والد بزرگوار اور مشائخ کی توجہ سے اپنے اندر ایسی استعداد پیدا کرلی تھی جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا:۔

"یہاں جتنے لوگ رہتے ہیں ان سب میں یوسف کی استعداد اعلیٰ ہے۔"

حضرت مولانا محمدؒ الیاسؒ کی فکر و خواہش حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ باوجود اس کے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی علمی اور تصنیفی مشغولیتوں کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے اور اس کی قدر کرتے لیکن تبلیغ سے عدم مناسبت یا برائے نام تعلق کو ناپسند فرماتے اور باصرار تبلیغ کے کاموں اور پروگراموں میں شرکت کرنے پر مجبور کرتے حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ کو جو تڑپ اور بیچینی تھی وہ چاہتے تھے کہ ان کا فرزند بھی اس بیچینی اور بے قراری میں اُن کا سہیم و شریک ہو، اس لئے بعض دفعہ اس سلسلہ میں سختی اور کرختگی کی نوبت آجاتی اور حکماً مبوات بھیجتے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو ورثہ میں سعادت، ذہانت اور دین سے تعلق و محبت کا جذبہ عنایت فرمایا تھا، اس لئے وہ والد ماجد کے حکم پر اپنی مشغولیتوں کو چھوڑ کر اور وقت نکال کر بعض اجتماعات میں شرکت فرمالیتے اور تھوڑے عرصہ کے لئے جب تک وہ اجتماع میں رہتے یا تبلیغی سفر میں رہتے دینی جذبہ اور تبلیغی شوق بیدار ہوجاتا اور دبی ہوئی چنگاری سلگ اُٹھتی، لیکن جب واپس آکر اپنے علمی کاموں میں لگ جاتے تو وہ جذبہ پھر دب جاتا۔

جب بھی مولانا محمدؒ یوسف صاحبؒ اپنے والد ماجد کے حکم پر تبلیغی اسفار میں ہوتے خواہ وہ کسی جماعت کے ساتھ ہوں یا اپنے والد ماجد کے ہمراہ تو حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ اس طرح خوشی کا اظہار فرماتے جیسے اُن کی کھوئی ہوئی مایہ دوبارہ مل گئی ہو، اور وہ مسرت سے جھوم اُٹھتے۔

نوح میں پہلی تقریر اس سلسلہ کی سب سے پہلی تقریر مولانا محمدؒ یوسف صاحبؒ نے قصبۂ نوح میں اپنے والد ماجد کی موجودگی میں کی۔ جو حضرات اس تقریر میں موجود تھے اُن کا کہنا ہے کہ مولانا محمدؒ یوسف صاحبؒ کی طبیعت اس تقریر میں خوب چلی۔ صحابۂ کرامؓ کے حالات و واقعات سنائے اور پھر دعوتی طرز کی تقریر فرمائی۔ حضرت

مولانا محمد الیاس صاحبؒ الگ ٹہل رہے تھے اور تقریر سُن رہے تھے۔ حافظ صدیق صاحب نوحی جن کا ان دونوں بزرگ ہستیوں سے تعلق بھی تھا بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس تقریر پر بڑی خوشی و مسرت کا اظہار فرمارہے تھے، اور اُسی وقت ایک بار یہ بھی فرمایا "یہ لڑکا کام کرلے جائے گا"۔

کنسالی کی تقریر قصبۂ نوح کی اس تقریر کے بعد موضع کنسالی میں دوسری تقریر فرمائی وہ بھی پہلی تقریر کے انداز کی تھی اور اس میں بھی دعوت و تبلیغ پر زور دیا۔ اس تقریر پر بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنی بے پایاں مسرت کا اظہار کیا۔

خیرتل کا اجتماع مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی کبھی کبھار تبلیغ میں شرکت کرنے اور اجتماعات میں تقریر کرنے اور پھر اس تقریر و شرکت پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اظہارِ مسرت اور بنظرِ استحسان دیکھنے کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:۔

"خیرتل راجستان کی سرحد پر میوات کا ایک گاؤں ہے۔ ۱۹۴۱ء کے اواخر کی بات ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ میں اور مولوی محمد ناظم صاحب ندوی، نیز اور دوسرے اصحاب خیرتل ایک اجتماع کے سلسلہ میں صرف ایک شب کے لئے گئے۔ مغرب کے بعد کسی وجہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے بجائے اس کے کہ خود تقریر فرمائیں مولانا محمد یوسف صاحب سے تقریر کرنے کو فرمایا۔ مولانا موصوف نے ایسی تقریر کی کہ میں اور مولوی محمد ناظم صاحب حسنِ تقریر اور خطابت کے لحاظ سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے۔ تقریر کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا "یوسف نے اچھی تقریر کی"۔ ہم لوگ سوچنے لگے کہ نہ معلوم کیا بات ہے جو حضرت مولانا کو اس تقریر میں پسند آئی، ہم لوگوں کو تو کوئی خاص

بات نظر نہیں آئی، مگرسہ

قلندر ہرچہ گوید، دیدہ گوید

کے مصداق ممکن ہے کہ حضرت مولانا کی ہمّت افزائی اور نگاہِ استحسان اس دبی ہوئی صلاحیت کی طرف ہو جو بدرجۂ کمال بعد میں اُبھری اور سہ

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

کا سبب بنی۔"

میوات میں ایک چلّہ ان تقریروں کے بعد مولانا محمّد یوسف صاحبؒ کی طبیعت کھُلنے لگی اور انشراحِ قلب ہونے لگا۔ اب علمی مشغلہ کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت وقت تبلیغ میں بھی دینے لگے لیکن اس میں والد کے حکم اور ارشاد کا بڑا دخل ہوتا۔ جب وہ فرماتے اور جہاں فرماتے سعادت مندی اور احترام میں چلے جاتے۔

حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کے حکم پر ایک مرتبہ میوات میں ایک چلّہ کا ارادہ فرمالیا اور پھر اس ارادہ کو عملی جامہ پہنایا۔ مولانا محمّد یوسف صاحبؒ کو اس چلّہ سے جن کیفیات کا احساس ہوا اور جو شرحِ صدر ہوا اُس کا ذکر وہ کبھی کبھی فرماتے۔ حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد جب کام کا بوجھ اُن کے سر آگیا اور دین کے درد و فکر اور بےچینی و بےقراری کی نسبت والد ماجد سے منتقل ہوکر اُن میں آئی تو اُنھوں نے مولانا سیّد ابوالحسن علی صاحب ندوی کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں اپنے والدِ محترم کی زندگی میں تبلیغی کام سے گہرا ربط نہ ہونے اور خالص علمی مشغلہ کی بناء پر عدم انہماک پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے اس ایک چلّہ کا ذکر کیا اور اس کی نورانیت و کیف و سرور کا اظہار کیا جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

مولانا کا یہ چلّہ بڑے مجاہدوں اور مشقتوں کا ہوا۔ گئے تو تھے اپنے والد حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کے حکم و اصرار پر مگر خود اُن پر ایسی کیفیات طاری ہوئیں کہ سراپا

دعوت بن گئے۔ ہر ہر گاؤں میں اجتماع کرتے اور ان اجتماعات سے جماعتیں نکالتے۔ اگر کسی اجتماع سے جماعت نہ نکلتی تو اس گاؤں میں کھانا نہ کھاتے اور کوشش میں لگے رہتے یہاں تک کہ جماعت نکال کر روانہ کر دیتے۔ جو لوگ اس ایک چلّہ میں مولانا کے ہمرکاب تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ کئی کئی دن فاقہ میں گزر جاتے، لوگ کھانے پر اصرار کرتے مولانا اپنی شرط سامنے رکھتے۔ ایک مرتبہ یہی صورت حال پیش آگئی۔ کئی دن گزر گئے مگر مولانا نے کھانا نہیں کھایا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو معلوم ہوا۔ دہلی کے تاجر مٹھائیاں اور خورد و نوش کی بعض چیزیں لیکر آگئے اور اُن کے کھانے پر اصرار کیا، مگر مولانا نے جماعت نکلنے کی شرط رکھی اور جماعت نکالی، اس کے بعد کھانا کھایا۔

اس چلّہ کا آخری اجتماع قصبہ نوح میں ہوا اور نوح سے جماعت نکالی۔ مولانا کے اصرار اور درد و اثر میں ڈوبے ہوئے کلمات اور ترغیب سے ایک پُرانے کام کرنیوالے میواتی ایسے نازک وقت میں کہ ان کے لڑکے کا انتقال ہو گیا تھا اس خیال سے کہ تدفین ہو ہی جائے گی، اِس وقت ہماری تبلیغ کو ضرورت ہے تدفین سے پہلے ہی جماعت میں نکل گئے اور ایثار و قربانی کی رَوشن مثال پیش کر دی۔

کراچی و سندھ میں ایک چلّہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے حکم و ارشاد سے ایک چلّہ کراچی اور سندھ کے علاقہ میں بھی گزارا۔ ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء میں حاجی عبد الجبار صاحب حاجی عبد الستار صاحب (ایس، جے اینڈ جی فضل الٰہی کراچی) کی دعوت و خواہش پر (جو تھوڑا عرصہ پہلے سے اس تبلیغی کام سے متعارف ہو گئے تھے اور اس سے گہری دلچسپی بھی پیدا ہو گئی تھی) ایک جماعت صفر ۱۳۶۲ھ مطابق فروری ۱۹۴۳ء کو اور دوسری جماعت اپریل کی ابتدا میں مولوی سید رضا حسن صاحب کی امارت میں کراچی گئی اور اس جماعت کے ذریعہ سندھ میں کام شروع ہوا۔ اِنہیں دنوں مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی ایک جماعت

کے ساتھ کراچی اور سندھ میں ٹھہرے اور مختلف علاقوں میں چالیس۴۰ دن تک کام کیا۔ مولانا کا یہ سفر بڑا مفید اور بار آور ہوا اور خود مولانا کو اس سے بڑا فائدہ ہوا، اور رُوحانی تسکین کا باعث ہوا۔ مولانا کے اس سفر کی تفصیلات سے پُوری طرح آگاہی نہیں ہو سکی۔ ہم کو ایک خط مل گیا ہے جو اُنہیں دنوں کا ہے، اس خط کے مُطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغی کام ان دنوں سندھ کے علاقہ میں اچھا خاصا ہو رہا تھا اور مولانا مختلف شہری اور دیہاتی علاقوں میں تبلیغی جدّوجہد میں مصروف تھے۔ مولانا کے ایک قریبی عزیز مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی اُس زمانہ میں (جبکہ مولانا سندھ وکراچی کے دَورے پر تھے) بھاولپور گئے ہوئے تھے، اُنہوں نے مولانا کو مندرجۂ ذیل مکتوب تحریر کیا:۔

برادرم، السّلام علیکم۔

افسوس ہے کہ میں جماعت کے ہمراہ نہ آسکا۔ ۱۱ر کو میں بھاولپور پہنچا، یہاں چند ایک تقریبات میں شرکت کرنی تھی، اب ان سے فارغ ہو گیا ہوں، انشاء اللہ ۱۸ر کو یہاں سے کراچی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا، اگر آپ کی جماعت ۱۸ر۔۲۰ر تک کراچی سے کسی دوسرے مقام پر پہنچ جائے تو مجھے فوراً بذریعہ تار اطلاع دیدیجئے تاکہ میں بجائے کراچی کے وہاں پہنچ جاؤں۔ بھاولپور میں مختلف حضرات سے اس کے متعلق گفتگوئیں ہو رہی ہیں، سراج الدّین صاحب پنشنر چیف ہائی کورٹ، جمیل صاحب ڈسٹرکٹ جج، مولانا فاروق صاحب شیخ الحدیث، مولانا غلام محمّد صاحب شیخ الجامعہ مولوی اسرار الحق صاحب مدرّس جامعہ عبّاسیہ سے مفصّل گفتگو ہوئی ہے۔ کل انشاء اللہ جامعہ عبّاسیہ کے اساتذہ اور طلباء سے بات چیت کروں گا بھاولپور کے وزراء اور سر عبد القادر سے آج ملاقات کر رہا ہوں، ان کی

جماعتِ تبلیغ میں شرکت اور اعانت کے لئے کہوں گا۔ مولانا فاروق صاحب کے یہاں چند رؤساء سے گفتگو ہوئی، وہ بہت متأثر ہوئے، انہوں نے خود بھاولپور میں کام کا قصد اور نظام الدین جماعت لیجاکر تبلیغ سیکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ والسّلام

مولانا اظہار الحسن صاحب کا یہ مکتوب ۱۵ ر مئی ۱۹۴۳ء کا چلا ہوا ہے اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو ۱۷ ر مئی ۱۹۴۳ء کو ملا ہے جو اُن دنوں حاجی عبدالستار صاحب کراچی والے کے یہاں مقیم تھے۔ اس کے بعد سندھ کے دوسرے علاقوں میں جماعت لیجاکر کام کیا، اور بعد میں کراچی و سندھ کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ نظام الدین آئے اور تبلیغی کام کو سیکھا اور بعد میں جاکر اپنے اپنے علاقہ میں کام کیا۔

گھاٹ میکا کا سفر مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ایامِ علالت میں تبلیغی کام کی طرف اس سے زیادہ متوجہ ہوئے جتنا حضرت مولاناؒ کی صحت کے زمانہ میں متوجہ تھے اور اپنی علمی مشغولیتوں میں سے وقت نکالکر حضرت مولانا کی خواہش کو پورا کرنے کی طرف دھیان دینے لگے۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ان دنوں اس کام میں تھوڑا بہت لگنے کے متعلق حسبِ ذیل الفاظ تحریر کرتے ہیں:-

"وہ جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصّہ لیتے تھے وہ اپنے والد ماجد اور شیخ و استاد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے حکم کی تعمیل میں اور اُن کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔" [۱]

اور پھر آگے وہ تحریر کرتے ہیں:-

"اس زمانہ میں مولانا موصوف کا طرزِ عمل اور طرزِ فکر یہ تھا لیکن

---

[۱] الفرقان "یوسف نمبر" ص ۲۱

حضرت والد ماجد کی علالت کے بالکل آخری ایام میں اُن کے حال میں کچھ تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی، اور پھر تو اس ابتدار کی وہ انتہا ہوئی جس کو ایک دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" [۱]

حضرت والد ماجد کے ایامِ علالت میں ایک تبلیغی سفر گھاٹ میکا کا ہوا، ایک جماعت سَاتھ تھی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ اس جماعت کے امیر تھے۔ یہ سفر بڑا کامیاب ہوا اور تبلیغی کام خوب ہوا، اس سفر کے متعلق مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی جو شریکِ سفر تھے تحریر کرتے ہیں:۔

"ان ہی دنوں میں صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی امارت میں گھاٹ میکا کا ایک کامیاب تبلیغی سفر پیش آیا جس میں میوات کے ان تمام جلسوں کی تمام خصوصیات اور مناظر دیکھنے میں آئے جو مولانا (حضرت مولانا محمد الیاسؒ) کی موجودگی میں دیکھنے میں آئے تھے۔" [۲]

اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صَاحب جب بھی کسی اجتماع میں (اور وہ اجتماع جبکہ میوات میں ہو) شرکت فرماتے تھے تو قُرب و جوار، نزدیک و دُور سے ہزاروں میواتی جوق در جوق اجتماع میں شرکت کرتے اور اپنی جان نثاری اور جاں سپاری کا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ثبوت دیتے اور اپنے اوقات زیادہ سے زیادہ لگاتے اور جماعتوں میں نکلتے۔

تبلیغی کام سے، مقامی طور پر تعاون

مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے علمی کاموں کے سَاتھ سَاتھ مقامی طور پر بھی تبلیغی خدمت انجام دینے لگے لیکن وہ بھی کم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے آخری ایام میں تبلیغی کام سے ربط کچھ زیادہ ہونے لگا اور ان کے حال میں کچھ تبدیلی ہونے لگی۔ اب وہ کام سے بالکل بے تعلق نہ تھے۔ ممکن ہے حضرت

---

[۱] الفرقان "یوسف نمبر" صا۲۱۔ [۲] مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت ص۱۳۳

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی بیماری اور بے انتہا بے قراری کا ان کے دل پر کسی خاص قسم کا اثر پڑنے لگا ہو۔

کبھی کبھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرف سے مختلف لوگوں کو خطوط بھی لکھتے۔ اسی زمانہ کا ایک خط جو ایک سرگرم تبلیغی کارکن کو تحریر فرمایا تھا درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس خط میں ایک اجتماع میں شرکت کے متعلق جو غالباً مُرادآباد میں ہو رہا تھا تحریر ہے:۔

مکرمی و محترمی زید عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

خط آیا، حالات معلوم ہوئے۔ مولانا طیب صاحب غالباً دورہ سے واپس آگئے ہوں گے۔ آپ ان کو دوبارہ جلسہ میں شرکت کا عریضہ ارسال فرمادیں مولانا ابوالحسن علی صاحب کے دورہ کا پتہ......درج ہے، اس پتہ پر آپ اُن کو جلسہ کی شرکت کی اطلاع فرمادیں۔ مولانا فخرالحسن صاحب کو لانے کی سعی کی جاوے گی۔ حضرت والا کی طبیعت حسب دستور علیل ہے۔ یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہے کہ آپ نے مُرادآباد کے مقامی حضرات کو اس جلسہ کی شرکت کی دعوت نہیں فرمائی، ضرور دعوت دیجئے۔ فقط والسلام

بندہ محمد یوسف عفی عنہٗ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

اس مکتوب کے علاوہ اور بھی کئی مکاتیب ایسے ملے جو مولانا ہی کی طرف سے لکھے ہوئے ہیں۔ مذکورۃ الصدر واقعات اور ان مکاتیب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو آخری دنوں میں تبلیغی کام سے ایک طرح کا ربط پیدا ہو گیا تھا، لیکن جس تعلق اور لگاؤ کا یہ تبلیغی کام متقاضی تھا اور جس کی فکر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو ہمہ وقت رہتی تھی وہ تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی حیات تک نہ پیدا ہو سکا اور مولانا کا ذہن زیادہ تر علمی انداز سے سوچتا اور کام کرتا رہا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی جانشینی کا مسئلہ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے مرض الموت میں سب سے بڑا مسئلہ جس نے حضرت مولانا کے متعلقین اور اکابر وقت کو فکر و تشویش میں مبتلا کر دیا تھا وہ یہ تھا کہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی نیابت کون کرے گا؟ اور دعوت کا وہ کام جو بڑے یقین، درد و سوز اور ذوق و شوق، انہماک کو چاہتا ہے جو اس وقت بظاہر کسی میں نہیں ہے کیسے چلیگا؟ اس وقت مرکز میں بڑے بڑے بزرگ اور مشائخ جمع تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حافظ فخر الدین صاحب مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قابل ذکر ہیں۔ ان سب کو اس معاملہ میں تشویش و فکر تھی۔ اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا وہ تفصیل سے مولانا محمد منظور نعمانی نے منضبط کیا ہے درج ذیل ہے۔ اب انہیں کے الفاظ میں اس مسئلہ کے متعلق پڑھیئے:۔

”حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی علالت، وصال سے دو تین مہینے پہلے سے اگرچہ بہت نازک شکل اختیار کر چکی تھی لیکن حضرت کے بعض خاص حالات کی وجہ سے خدام کو ان کی زندگی اور صحت کے بارے میں اچھی امیدیں تھیں، مگر دو ہفتے پہلے سے حالت اتنی نازک اور سقیم ہو گئی کہ بظاہر اسباب صحت کی امید کیلئے گنجائش نہیں رہی۔ یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت کے دوسرے بیسیوں خدام اور محبین کی طرح وہیں مقیم تھے، ہم لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی دینی دعوت سے بھی اچھا خاصا تعلق ہو گیا تھا، اس لئے قدرتی طور پر حضرت کی زندگی کے مسئلہ کے ساتھ ہم اُن کے بعد اُن کی دعوت کے انجام کے بارے میں بھی فکرمند تھے۔ ہمارا احساس یہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت اس دعوت کے کام سے

جڑے ہوئے ہیں اُن کا تعلق اور اُن کی محبت دراصل حضرت کی شخصیت سے ہے، دعوت سے ان کا تعلق آپ کی اس ذاتی محبت کی وجہ سے ہے، اس لئے یہ اُمید نہیں ہے کہ حضرت کے بعد بھی یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا اور جس طرح لوگ حضرت کے سامنے اس کام کیلئے قربانیاں دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد بھی اسی طرح دیتے رہیں گے۔

ایک رات کو اس ناچیز اور رفیقِ محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں اس دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق و محبت رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا، اور ایسی شخصیت اُس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کی تھی اور ممدوح کی بے انتہا عنایت و شفقت نے ہم لوگوں کو انتہائی محبت و عقیدت کے باوجود کسی قدر بے تکلف بھی کر دیا تھا اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ ہم اس بارے میں حضرت موصوف سے صاف صاف بات کریں اور اصرار کریں کہ وہ ابھی یہ فیصلہ فرمالیں اور ہمیں اس بارے میں مطمئن کر دیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے وہ نظام الدین میں مستقل قیام فرمائیں گے۔ ہم نے طے کیا کہ آج صبح ہی حضرت ممدوح سے وقت لے کر تنہائی میں اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔

صبح صادق ہوئی، فجر کی اذان ہوتے ہی میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نماز کے بعد آپ سے ایک خاص معاملہ میں کچھ عرض کرنا ہے اس کے لئے وقت مقرر فرما دیجئے۔ فرمایا کہ نماز کے بعد متصلاً قاری سید

رضا حسن (مرحوم) کی درسگاہ میں بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہونیکے بعد حضرت شیخ وہاں تشریف لے آئے اور یہ عاجز بھی حاضر ہو گیا اور اس ناچیز نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اور مولانا علی میاں کی طرف سے وہ بات عرض کی جو رات کے مشورہ میں ہم دونوں نے طے کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کے مرض اور ضعف کی رفتار دیکھتے ہوئے اب اُمید ٹوٹتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں یہ فکر اُبھر رہی ہے کہ حضرت کے بعد اس دینی کام کا کیا ہوگا۔ ہم لوگوں کا اندازہ ہے، اور غالباً جناب والا کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت جتنے عناصر کام میں لگے ہوئے ہیں اُن سب کا اصل تعلق حضرت کی ذات سے ہے اور اس ذاتی تعلق کی وجہ سے وہ اس کام میں جُڑے ہوئے ہیں۔ اس کا کافی اندیشہ ہے کہ حضرت کے بعد آہستہ آہستہ یہ شیرازہ منتشر ہو جائے گا اور یہ اُمت کا بہت بڑا خسارہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ حضرت کے بعد جناب یہاں قیام کا فیصلہ فرمالیں اور یہ کام جناب کی رہنمائی اور سرپرستی میں ہو۔ ہمارا اندازہ ہے اور اپنے اس اندازہ پر ہمیں پُورا اعتماد ہے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ سب عناصر اسی طرح جُڑے رہیں گے کیونکہ ان سب کو جناب کے ساتھ بھی الحمدللہ عقیدت و محبت کا خاص تعلق ہے ـــــــ اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اور اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا۔ اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت "وہابی" ہیں ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہیں ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے، یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے ـــــــ اور اگر جناب نے یہاں قیام فرمایا تو انشاءاللہ ہم سب کا تعلق اس کام سے اور اس جگہ سے

ایسا ہی رہے گا جیسا آج ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے میری بات پوری خاموشی سے سنی اور جب میں اپنی بات عرض کر چکا تو فرمایا:۔

مولوی صاحب! حضرت چچا جان کی حالت دیکھ کر جو فکر آپ کو ہو رہی ہے میرا خیال یہ ہے کہ وہ یہاں سب کو ہو رہی ہے اور سب اس سوچ میں ہیں۔ لیکن یہ بات ایسی نہیں کہ ہم اور آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور وہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ جو اس کے لئے مرتے مٹتے ہیں یہ ہے کہ وہ اُن کی چیز کو ضائع نہیں فرماتا۔ ان کے بعد بھی ان کے کام اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اکثر و بیشتر تو ایسا ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی میں کچھ لوگ اُن کی محنت و تربیت سے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اُن سے اُمید ہوتی ہے کہ اس بندہ کے بعد انشاءاللہ اس کا سلسلہ اور فیض اُن کے ذریعہ جاری رہے گا ——— مشائخ کے یہاں خلافت و اجازت کا سلسلہ دراصل اسی کی ایک عملی اور انتظامی شکل ہے۔ خلافت و اجازت کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت کچھ حاصل ہو گئی ہے اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا جو کام شیخ سے لیا جا رہا ہے وہ انشاءاللہ ان سے بھی لیا جائیگا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کی عمر بھر کی محنت اور تربیت سے ایک آدمی بھی ایسا بنتا ہوا نظر نہیں آتا جس سے توقع کی جا سکے کہ اس کے ذریعہ اس بندہ کا جلایا ہوا چراغ روشن رہے گا۔ لیکن اس بندہ کا وصال ہوتے ہی اچانک اُس کے لوگوں میں سے کسی ایک میں غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جانے والے کی نسبت دفعتہً اس کی طرف منتقل ہو گئی ——

ایسا بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن جب ہوتا ہے تو نسبت کا یہ انتقال بہت غیر معمولی خارق عادت قسم کا ہوتا ہے۔ حضرت چچا جان کے لوگوں میں، مَیں کسی کے متعلق نہیں سمجھتا کہ وہ تیار ہو چکا ہے اور ان کے اس کام کو وہ جاری رکھ سکے گا۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ سے پُوری اُمید ہے کہ وہ ان کے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا، اس لئے مجھے توقع ہے کہ غالباً یہاں دوسری شکل واقع ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی کو یہ دولت مل جائے گی، پھر اس کو تم بھی دیکھ لوگے اور مَیں بھی دیکھ لوں گا، اور پھر انشاء اللہ یہ کام اسی سے لیا جائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں، پھر مَیں خود یہاں رہوں گا، بلکہ اگر تم سب ملکر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اُس کو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لیگا، بس انتظار کرو، اللہ سے دُعا کرو۔ اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب! مَیں خود تم سے بڑا "وہابی" ہوں تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ کے در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس عاجز کو اب دن تاریخ تو یاد نہیں، لیکن اتنی بات یقین کے ساتھ یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث سے یہ گفتگو حضرتؒ کے وصال سے ٹھیک بارہ[۱۲] دن پہلے ہوئی تھی، اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت شیخ کا جواب سُننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اطمینان نصیب فرما دیا تھا اور فکر کا سارا بوجھ دل و دماغ سے اُتر گیا تھا۔"

حضرت مولانا محمدؒ الیاس صاحبؒ کے انتقال کا وقت جتنا جتنا قریب آتا گیا

اور لوگ اُن کی زندگی سے مایوس ہوتے گئے، جانشینی کا مسئلہ ایک اہم ترین سوال بنتا گیا، اُس وقت کے حاضر باش بزرگ اور اہل الرائے مشائخ اس سلسلہ میں مشورہ کرنے لگے اور غور و فکر کرنے لگے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحؒ کی رائے

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہٗ (جن کا تعلق حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ سے بڑا گہرا تھا اور مولانا محمدؐ یوسف صاحبؒ کی استعداد صلاح وتقوٰی اور احتیاط، علم و عمل اور گوناگوں صلاحیتوں کے پیشِ نظر اُن سے محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے) کی رائے تھی کہ حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ کی نیابت جتنی اُن کے صاجزادے مولانا محمدؐ یوسف صاحبؒ اپنی استعداد اور صلاحیت کی بناء پر کرسکتے ہیں کوئی اور نہیں کرسکتا، اس لئے اُن کی تجویز اسی کی تھی کہ اُن کو حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ اجازت و خلافت سے نوازیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمدؐ زکریا صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> "چچا جان نوراللہ مرقدہٗ کی طویل بیماری کے پیشِ نظر حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کئی دفعہ نظام الدین تشریف لے گئے۔ آخری دو ایک پھیروں میں مجھ سے فرمایا کہ مولوی یوسف کو ذکر و شغل کی تاکید کیجئے مگر وہ مرحوم اپنے علمی مشغلہ میں بہت منہمک رہتا تھا۔ حضرت اقدس رائپوریؒ کی آخری تشریف آوری ۱۱ رجب ۱۳۶۳ھ ۳ جولائی ۱۹۴۴ء دوشنبہ کو ہوئی اُس وقت اُنہوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت سے کہکر مولوی یوسف کو اجازت دلوادو۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی اُس نے کچھ کیا کرایا نہیں، حضرت نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، تمہاری بہت چیزوں کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں ہماری انتہا ہوتی ہے۔ اس کے بعد خود چچا جان سے بھی ارشاد فرمایا۔"

مولانا محمّد یوسف صاحبؒ کا انتخاب | حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کی علالت اب اپنی شدّت کو پہنچ چکی تھی اور لوگوں میں اضطراب و بے کلی بڑھتی جارہی تھی، انتقال سے دو دن پہلے حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ نے اپنے چند معتمد علیہ خدّام کے نام لئے اور ان پر اعتماد کا اظہار کیا، ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور ان میں سے کسی ایک کو اپنے نائب و جانشین کے انتخاب کا مسئلہ حاضر الوقت بزرگوں پر چھوڑ دیا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلّہٗ اس سلسلہ میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:۔

"چچا جان (حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ) کا انتقال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ، مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء پنجشنبہ کو صبح کی اذان کے وقت ہوا۔ اس سے دو روز قبل چچا جان نے ارشاد فرمایا کہ میرے آدمیوں میں سے یہ چند قابلِ اجازت ہیں (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲) قاری داؤد صاحبؒ (۳) مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی (۴) مولوی محمّد یوسف صاحبؒ کاندھلوی (۵) مولوی محمّد انعام الحسن صاحب کاندھلوی (۶) مولوی سیّد رضا حسن صاحب بھوپالی۔ ان میں سے تم اور حضرت رائے پوری مشورہ سے جس کو تجویز کرو، میرے سامنے ہی بیعت کرادو۔ میری رائے حافظ مقبول کے متعلق تھی اس لئے کہ وہ بہت قدیم اجازت یافتہ تھے اور بہت عرصہ سے انہماک سے ذکر و شغل کرتے تھے لیکن حضرت رائے پوری کی رائے مولوی یوسف کے متعلق تھی۔ چچا جان نوّر اللہ مرقدہٗ کے سامنے جب دونوں آئیں آئیں تو انھوں نے فرمایا "اہلِ میوات جتنا یوسف پر جمع ہوسکتے ہیں، اور کسی پر نہیں ہوسکتے"۔ میں نے کہا پھر بس وہ متعین ہے"۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی جو اس پورے زمانہ میں مرکز نظام الدین ہی میں مقیم تھے اور ان مشوروں میں شریک تھے اپنی تصنیف (مولانا محمّد الیاسؒ اور اُن کی

دینی دعوت) میں اس صورتِ حال کو اور زیادہ وضاحت سے تحریر کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"۱۲ر جولائی چہار شنبہ کے دن شیخ الحدیث، مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ کو یہ پیام پہنچا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں ان چند پر اعتبار ہے، آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرا دیں، جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ ان حضرات نے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خلافت کیلئے القول الجمیل میں جو شرائط لکھے ہیں وہ سب بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں۔ عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں۔

فرمایا اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا، مجھے منظور ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی، اب بہت اطمینان ہو گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔"[1]

ان تمام گفتگوؤں اور مشوروں کے بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اجازت خلافت عطاء کی گئی اور وہ اپنے نامور والد داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے جانشین اور نائب ہو گئے۔ خلافت و اجازت کی سند حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرمائی، جس میں انہوں نے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے:۔

"میں ان لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

اس پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اس جملہ کا مزید اضافہ کیا اور یہ عبارت لکھوائی:۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت دیتا ہوں۔"

---

[1] مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص ۱۶۸

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جانشینی اور نیابت سے سارے اہلِ تعلق اور اہلِ میوات کو بڑی مسرت ہوئی اور اطمینان وسکینت کی فضا پیدا ہو گئی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو خلافت ونیابت سے سرفراز فرما کر اسی وقت چاہا کہ تمام لوگ اُن کے دستِ مبارک پر بیعت ہو جائیں، لیکن یہ خیال کیا گیا کہ لوگ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ہوتے ہوئے اُنہیں کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے کے متمنی ہیں، اس لئے حضرت کی حیات میں کسی اور کے ہاتھ پر بیعت ہونا خوش دلی سے پسند نہ کریں گے۔

شام کو فرمایا "مجھ سے جس کسی کو بیعت ہونا ہے ہو جائے۔" مگر اُس وقت حضرت مولانا کی حالت بہت زیادہ گر چکی تھی، اور علالت اپنے شدید مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ تھکاوٹ انتہائی تھی، جسم واعصاب کمزوری ونقاہت سے حددرجہ متأثر ہو چکے تھے، اس لئے یہ کارِ خیر سرِ دست ملتوی کرنا پڑا اور اس دن اس کی نوبت نہ آسکی، اور پھر اسی دن پر کیا انحصار، زندگی ہی میں نوبت نہ آئی اور اسی رات میں صبح ہوتے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی رُوحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور لوگوں کی یہ خواہش دل ہی میں رہ گئی۔

انتقالِ نسبت | انتقالِ نسبت صوفیائے کرام کے یہاں ایک اصطلاح ہے اور وہ کبھی کبھی اس طرح ظہور کرتی ہے کہ لوگ خدا کی اس شانِ عطائی پر سراپا حیرت واستعجاب بن کر رہ جاتے ہیں۔ جو لوگ علماء ومشائخ اور صوفیاء کے حالات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اکثر بڑے بڑے مجاہدوں اور برسوں محنت ومشقت کے بعد اس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اور اپنے شیخ کے صحیح جانشین بن جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی یہ دولتِ عظمیٰ وہبی طور پر کسی کو مل جاتی ہے اور لوگوں کے خیال وتصور کے علی الرغم وہ اس عالی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ بھی خدا کی اسی شانِ عطائی

کا معاملہ ہوا اور وہی صورتِ حال پیش آئی جس کا اشارہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ، نے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی سے اُن کی اُس گفتگو کے وقت کیا تھا جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال سے بارہ دن پہلے فکر و پریشانی میں ہوئی تھی۔ اس کا ظہور یکایک ہوا اور دیکھنے والی آنکھوں نے بخوبی دیکھا اور "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ" کا کرشمہ نظر آیا۔

انتقال سے کچھ ہی دیر پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے فرزند مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو پاس بُلایا، محبت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا:-

"یوسف! آمل لے، ہم تو چلے"

خدا جانے اُس پُر محبت نگاہ میں کیا جادو بھرا تھا، اور اس شفقت بھرے جملے میں کیا مقناطیسیت تھی جس نے درد و فکر، فیضانِ الٰہی، یقین و ایمان کی ایک نہ بجھنے والی آگ بجلی کے کرنٹ کی طرح ایک سے دوسرے کے اندر منتقل کر دی اور وہ خلاء جو ایک عظیم شیخ و داعی الی اللہ کے جانے سے پیدا ہو رہا تھا وہ اسی انتقالِ نسبت سے اور خدا کی شانِ عطائی اور فضل سرمدی سے پُر ہوا، اور ایسا پُر ہوا جس کو ہر آنکھ دیکھتی ہے اور کان سُنتا ہے۔ غالباً ایسے ہی موقع پر کسی شاعر نے کہا ہوگا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی نسبت جس طرح مولانا محمد یوسف صاحبؒ میں منتقل ہوئی اُس کی طرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اُس نے (مولانا محمد یوسفؒ) کی، جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس

رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی نسبتِ خاصّہ منتقل ہوئی ہے۔ اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا، اس کے بعد اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرتِ اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار و تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت و محبت کا یہ ثمرہ ہو۔"

انتقالِ نسبت کی کیفیت و صورت

اللہ تعالیٰ نے جو خصوصی صفات و کمالات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو عطاء فرمائے تھے اور جن کا ان صفاتِ عالیہ میں کوئی ثانی نظر نہیں آتا تھا، اُن کے انتقال کے بعد ہی یہ صفات و کمالات مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اندر نفوذ کر گئے اور درد و سوز، دین کا فکر، اس کیلئے بے قراری، اللہ پر اعتمادِ کُلّی اور یقینِ کامل اُن کے رگ و پے میں سما گئے اور ان کی زبان معارف و حقائق کا گنجینہ بن گئی۔ وہ مولانا محمد یوسف صاحب جو کل تک دینی دعوت کے لئے بے چین و بے قرار ہونے کے بجائے خالص علمی شغلہ میں منہمک تھے، آج اپنے عالی مقام والد ماجد کے انتقال کے بعد ہی سے دین کے فکر اور دعوت الی اللہ کے لئے تڑپنے والے بن گئے۔ اس کی صحیح صورتِ حال اور سچی تصویر کشی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خصوصیات اور امتیازی صفات سے پوری طرح واقف ہیں اور جن کے سامنے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی دونوں زندگیاں بھی ہیں) ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تین باتیں بہت ہی غیر معمولی درجہ میں دیکھیں۔ (۱) دین کا درد و فکر (۲) اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین (۳) معارف و حقائق کا فیضان۔

دین کے درد و فکر کے لحاظ سے اُن کا حال بلا مُبالغہ اُس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا با کمال بیٹا جس سے اُس کی بڑی اُمیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں سخت بیمار اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو اور اُس کی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اُس کی مدد پر اُن کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضا و قدر کے فیصلوں کو اُنہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں، آخرت کے بارے میں، دین کے بارے میں جب باتیں فرماتے تو اہلِ علم اور اصحابِ درس بھی محسوس کرتے تھے کہ اُن کے قلب پر حکمت کا فیضان ہو رہا ہے اور " وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا " کی تفسیر سامنے آجاتی۔

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتاً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میں آگئیں اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے۔"

مولانا محمد یوسف صاحبؒ میں اچانک اس بڑی تبدیلی کو ہر خاص و عام نے محسوس کیا۔ اور صرف محسوس ہی نہیں کیا بلکہ بے اختیار پکار اُٹھا کہ یہ آج کے مولانا محمد یوسف کل کے مولانا محمد الیاسؒ معلوم ہوتے ہیں۔ خود مولانا محمد منظور نعمانی جنھوں نے حضرت شیخ الحدیث سے اس بارے میں گفتگو کی تھی اور حضرت شیخ کی عالی مرتبتی اور عارفانہ کلام

کے سامنے اپنے احساس وخیال کی سپر ڈال چکے تھے لیکن دل میں ایک خلش محسوس کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں جانشینی کا مسئلہ طے ہوا تھا جب واپس آئے اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جانشینی کا واقعہ سُنا تو حیرت واستعجاب کا اظہار کیا لیکن ایک واقعہ سے یہ حیرت و استعجاب بالکل ختم ہو گیا اور شیخ الحدیث کی پیش گوئی کی صداقت کا یقین ہوا اور اُس کا کُھلی آنکھوں مشاہدہ کیا۔ اُنہیں کے الفاظ میں اس تفصیل کو پڑھیئے۔

"میں بدقسمتی سے دو دن پہلے ایک خاص ضرورت سے اُس وقت اپنے مستقر پر بریلی آگیا تھا اور دہلی اُس وقت واپس پہنچا جب لوگ حضرت کے دفن سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے۔ خلافت و جانشینی کا واقعہ مَیں نے وہاں پہنچ کر سُنا، چونکہ اُس وقت میری ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا، اور اپنے علم و انداز کے مُطابق تبلیغی کام سے تو اُن کو گہری دلچسپی بھی نہیں تھی، بلکہ اس لحاظ سے قاری داؤد صاحب وغیرہ حضرت کے بعض پُرانے خادم اور رفیق ان سے آگے تھے۔ اس لئے مجھے اس واقعہ کو سُن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارے میں بھی طرح طرح کے وسوسے آئے اور میں ان وساوس سے اتنا مغلوب ہوا کہ ان کی تاریکی میں بارہ دن پہلے کی حضرت شیخ الحدیث والی عارفانہ بات بھی بالکل یاد نہیں آئی۔ دن کا باقی حصہ اور پُوری رات اسی حالت میں گزری۔ اگلے دن صبح کو جب مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مُطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف کی زبان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہیں۔ اُس

وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی وہ بات یاد آئی اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ اُس کا ظہور ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحبؒ میں منتقل فرمادی ہے۔

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط

انتقالِ نسبت کا لفظ سُنا بھی تھا اور کتابوں میں پڑھا بھی تھا لیکن اس کا مشاہدہ اس دن پہلی دفعہ ہوا[1]۔

---

[1] الفرقان "یوسف نمبر" ص ۲۵

چوتھا باب

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال سے تقسیم ہند تک

گماں مبر کہ تو چوں بگذری جہاں بگذشت
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا انتقال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء پنجشنبہ کو صبح کی اذان کے وقت ہوا۔ اُس وقت تبلیغی کام کی نوعیت محدود قسم کی تھی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور شہروں سے مرکز بستی نظام الدین میں جماعتیں آنے لگی تھیں اور بعض شہروں میں کام جم چکا تھا۔ ان شہروں میں سرفہرست مراد آباد کا نام لیا جاسکتا ہے، جہاں کے بعض علماء، سرگرم اصحاب اور اجتماعی کاموں کا تجربہ رکھنے والے کارکن مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور اُن کی دینی دعوت سے وابستہ ہوچکے تھے، اسکے علاوہ لکھنؤ، کانپور، سہارنپور اور مظفر نگر کے علاقے، پشاور، سندھ کے بعض مقامات اور کراچی میں کام شروع ہوچکا تھا۔ دہلی سے سہارنپور تک جماعتوں کا تسلسل تھا۔ باقی اور علاقوں سے جماعتیں آتی بھی تھیں اور جاتی بھی تھیں۔ عوامی کام کے علاوہ خاص درسگاہوں اور عربی مدارس میں بھی کام پہنچ چکا تھا اور ان مدارس کے علماء و طلباء مرکز آنے جانے لگے تھے۔ مشائخ اور اکابر نے اس کام کی طرف توجہ شروع کردی تھی۔ اور ہندوستان کی بعض اہم اور دینی شخصیتیں حضرت مولانا کی خدمت میں آچکی تھیں اور دینی دعوت سے

تعلق قائم کرچکی تھیں جس وقت حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ کا انتقال ہوا اُسوقت ہندوستان کے کئی مشائخ اور اکابر مرکز میں موجود تھے۔ حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ کے انتقال سے بظاہر ایک بڑا خلاء پیدا ہوگیا۔ اور بہت سے متعلقین اور مخلصین پر کام کی طرف سے مایوسی طاری ہوگئی، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ جس کام کی بنیاد اخلاص اور رضائے الٰہی پر رکھی گئی تھی اور جس کو اس منزل تک پہنچانے میں حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا، خود قربان ہوگئے تھے اور بڑی محنتوں اور مسلسل جدوجہد کے بعد دینی دعوت کے اس درخت کو لگایا تھا وہ بار آور ہو اور دینی دعوت کا کام ہندوستان سے نکل کر دُنیا کے سارے علاقوں میں پھیل جائے اور دین کی دعوت دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے۔

مولانا محمدؐ یوسف صاحبؒ کی جانشینی اور پہلی بیعت

جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے کہ اکابر و مشائخ خصوصاً حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری کے ایماء پر حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ نے اپنے صاحبزادے مولانا محمدؐ یوسف صاحبؒ کو اپنے انتقال سے ایک روز قبل خلافت و نیابت سے سرفراز فرمایا تھا اور کام کے متعلق پورے اطمینان کا اظہار فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسی وقت چاہا کہ عام لوگ مولانا محمدؐ یوسف صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں، لیکن خیال یہ کیا گیا کہ لوگ حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ کے ہوتے ہوئے اُنہیں کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے کے متمنی ہیں۔ شام کو حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحبؒ نے فرمایا جس کو مجھ سے بیعت ہونا ہے بیعت ہولے۔ لیکن اس کے بعد ہی حضرت مولانا کی حالت اور نازک ہوگئی۔ اس لئے یہ مبارک کام دوسرے دن پر رکھ چھوڑا گیا، لیکن قضاء و قدر کو کچھ اور منظور تھا۔

یہ شب مولانا کی زندگی کی آخری شب ثابت ہوئی اور صبح ہوتے روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولانا محمدؐ

یوسف صاحبؒ کی جانشینی عمل میں آئی۔ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا عمامہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے سر پر باندھا اور برابر میں بیٹھ کر مولانا محمد یوسف صاحب سے لوگوں کو بیعت کرایا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے پیچھے مسجد کے اندر ایک مجلس میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہٗ، حافظ فخرالدین صاحب دہلوی، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی موجود تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی یہ پہلی تھی جو اُنہوں نے اپنے والد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد بہ حیثیت جانشین کے لی۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی پہلی تقریر

بیعت کی تقریب کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا جانے لگا۔ مرکز میں سب جتنے متعلقین تھے اُن پر یاس و حرمان طاری تھا اور پورے مرکز پر افسردگی اور بے دلی کی فضا قائم تھی۔ جو جہاں تھا پریشان تھا۔ ایک بڑا مجمع حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تدفین میں شرکت کیلئے اکٹھا ہو گیا تھا۔ ہزاروں کا مجمع تھا جو مسجد کے اندر اور باہر اُداس بیٹھا اور کھڑا تھا۔ تدفین سے پہلے مسجد کے باہر نیم کے درخت کے سامنے ایک اسٹول پڑا تھا اور مجمع بہت زیادہ تھا۔ اس اسٹول پر سب سے پہلے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے مجمع کے لحاظ سے مختصر سی تقریر فرمائی۔ اس کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب تشریف لائے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، جن سے چہرہ تر ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے حسب ذیل آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الخ پڑھی اور پھر آیت کی تشریح کرتے ہوئے ایسی پُر اثر تقریر فرمائی کہ مجمع بے اختیار رونے لگا اور اُداسی وافسردگی کے بجائے عزم وہمت اور زندگی کی نئی لہر پیدا ہو گئی۔

ظہر و عصر کے درمیان تدفین ہوئی اور آنے والی رات جیسے تیسے کٹی۔ صبح کو نماز مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے پڑھائی اور اس کے بعد اس مقام پر کھڑے ہوئے جس پر حضرت مولانا محمد

الیاس صاحبؒ مدتوں کھڑے ہوکر دینی دعوت کا پیغام دیا کرتے تھے۔ آج وہ نہ تھے، اُن کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے دینی دعوت کے اس پیغام کے اس فریضہ کو انجام دیا۔ اب انہیں کی طرف لوگوں کی نظریں تھیں اور انہیں کو ان کی قیادت سنبھالنی تھی۔ لوگ اس وقت تک مولانا محمد یوسف صاحب کی نئی صلاحیتوں سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مولانا کو علمی کام کرتے یا تھوڑی بہت دینی کام میں شرکت کرتے دیکھا تھا۔ اور اگر کوئی تقریر سُنی بھی تھی تو وہ عام علمی تقریر ہوتی۔ لیکن آج خدا نے ایسی طاقتِ گویائی اور جذبہ و ولولہ کی قوت و دولت عطا فرمائی تھی جس کو دیکھ کر ہر ایک پکار اُٹھا کہ یہ مولانا محمد یوسف نہیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ معلوم ہوتے ہیں۔ آواز میں وہی دبدبہ، وہی جوش اور وہی ایمان و یقین جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ میں تھا۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حمد و ثناء کے بعد تقریر شروع کی اور فیضانِ الٰہی کا نزول شروع ہوا۔ مضامین کی روانی اور جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ چوٹ کھایا ہوا انسان ہے جو اپنا دل نکال کر رکھے دے رہا ہے۔ مجمع پر بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا زمانہ پھرنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حجرہ میں موجود ہیں اور وہ یہ مضامین کہلوا رہے ہیں۔ ہر سُننے والے میں نئی اُمنگ، نیا جذبہ اور کام کرنے کی نئی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

مولانا نے اس تقریر میں سب سے پہلے کلمہ کی تشریح فرمائی۔ اس کے بعد صحابۂ کرامؓ کے مؤثر اور دلپذیر حالات و واقعات سُنائے، چونکہ سامنے اُن حضرات کا مجمع زیادہ تھا جو مدتوں سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس میں ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں میوات اور غیر میوات میں تبلیغی کام شروع ہوا اور جن پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو مکمل اعتماد تھا۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے اخلاص و محبت سے مولانا کا تقرب حاصل کر لیا تھا اور اب وہ اپنے کو بے سہارا پا رہے تھے۔ اس لئے وقت

کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے فرمایا:۔

"حضرت جیؒ کے سامنے جو بھی جس طرح کام کرتا تھا، کرتا رہے اور جیسا معاملہ حضرت جیؒ جس کے ساتھ کرتے تھے ویسا ہی معاملہ میں بھی اُس کے ساتھ کروں گا اور کرتا رہوں گا۔"

حافظ محمد صدیق صاحب نوح والے جن سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بڑا تعلق تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اُسی دن دوپہر کے کھانے میں ایک طرف دبک کر کنارے بیٹھ گیا کہ ناگاہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی نظر پڑ گئی تو فوراً پاس بلایا اور فرمایا "حافظ جی! حضرت جی کے سامنے جس کے ساتھ جو معاملہ تھا وہی میرے سامنے بھی انشاء اللہ ہوگا۔" اور میرے اس طرح دبک جانے پر ناراض ہوئے۔

مختلف مراکز کے نام مرکز سے ایک مفصّل خط ہندوستان میں جہاں جہاں بھی دعوتِ دین اور تبلیغ کا کام ہو رہا تھا اور جن جن علاقوں میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے موجود تھے اُن سب پر حضرت مولانا کے انتقال سے افسردگی اور بے دلی چھا گئی تھی اور مولانا کے انتقال کے بعد مرکز میں جو تبدیلی ہوئی تھی اور مولانا محمد یوسف صاحب کو جانشین مقرر کیا گیا تھا اُس کے سلسلہ میں ایک مفصّل خط سارے متعلقین کو لکھا گیا۔ اس خط میں اس بڑے حادثہ پر جو درحقیقت کسی کا ذاتی حادثہ نہ تھا بلکہ پوری ملّتِ اسلامیہ کا خصوصًا دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کا حادثہ تھا۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحدٍ
ولکنہ بنیان قوم تھدّما

صبر و عزیمت کی تلقین کی گئی تھی اور اس کام میں جی جان سے لگنے کی اور مسلسل محنت کرنے کی دعوت دی گئی تھی، نیز مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جانشینی کے متعلق خبر دی گئی تھی اور اُن سے تعلق قائم رکھنے کو کہا گیا تھا۔ اس خط سے اندازہ ہوگا کہ اس خط نے ایسی

افسردگی اور بے دلی کے دَور میں جب کہ کام کرنے والوں کے دل ٹوٹے ہوئے اور جی چھوٹے ہوئے تھے کتنا اثر پیدا کیا۔ اس خط سے سارے کام کرنے والوں کو خواہ وہ قریب کے ہوں یا دُور کے، مرکز سے دلی تعلق پیدا ہوگیا اور وہ ربط جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی میں تھا وہ پھر سے قائم ہوگیا۔ استفادہ کی خاطر اس خط کو نقل کیا جاتا ہے[۱]:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ

اخوانا فی اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ غالباً آپ حضرات کو ریڈیو و اخبارات کے ذریعہ یہ غمناک خبر مل چکی ہوگی کہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان طویل علالت کے بعد ۲۱ر رجب بروز پنجشنبہ صبح صادق کے وقت واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واقفین کو معلوم ہے کہ حضرت مرحوم کا وجود دعوت الی اللہ کا پیکر تھا بالخصوص اس آخری علالت میں اور خصوصاً اس کے بھی آخری ایام میں جبکہ حالت نازک تر ہو چکی تھی اور جبکہ پورے جملہ کے تلفظ پر بھی قدرت نہ تھی، اور چھوٹے چھوٹے ایک ایک جملہ کو کئی کئی سانس میں ادا کیا جا سکتا تھا اس وقت بھی خدام کو قریب بلا کر اور اُن کے کان اپنے لبوں پر رکھوا کر اپنا کام پورا کرتے رہے اور الحمد للہ پورا کر کے گئے۔

---

[۱] یہ خط مولانا محمد منظور نعمانی کا لکھا ہوا ہے جو انہوں نے مرکز نظام الدینؒ سے اہلِ شوریٰ کے مشورہ سے تحریر فرمایا تھا۔

ان سطور کے ذریعہ حضرت قدس سرہ کے محبّین و مخلصین کو خصوصاً اور جملہ اہلِ ایمان کو عموماً یہ پیغام پہنچانا ہے کہ حضرت کا ظاہری وجود اب ہماری آنکھوں سے اگرچہ اوجھل ہوگیا ہے لیکن جس کام کو آپ نے اپنا خون پسینہ ایک کرکے زندہ کیا اور اللہ کے بندوں کو نصرت و خدمتِ دین کے جس سلسلہ میں لگایا وہ بحمداللہ حضرت کی ہدایت و وصیت کے مطابق انہیں اصولوں کے ساتھ جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ حضرت مرحوم کی اس دینی دعوت کا پیغام جہاں جہاں اور جن جن حضرات تک پہنچ چکا ہے، بالخصوص جن حضرات کو کچھ عملی حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور ان میں خاص کر وہ حضرات جو اپنے یہاں جماعتیں قائم کر چکے ہیں اُن کی خدمت میں خصوصیت کے ساتھ گذارش ہے کہ حضرت کے وصال کو معاذاللہ اُن کے کام کے اختتام کے مرادف ہرگز نہ سمجھ لیں اور اُٹھے ہوئے قدم کو ہرگز نہ روکیں۔ حضرت مرحوم کا اصل کام ہی غافلوں کو بیدار کرنا اور کام پر لگا دینا تھا، سو حضرت اس کو کر کے تشریف لے گئے۔ اس وقت ہم میں سے ہر ایک کے سامنے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خطبہ ہونا چاہیئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسجدِ نبوی میں صحابۂ کرامؓ کے سامنے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا تھا ـــــ لوگو! جو تم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا ہو اُسے مایوس ہوجانا چاہیئے کہ حضرت کی وفات ہو چکی اور جس نے حضورؐ کی رہنمائی سے اللہ سے بندگی کا رشتہ جوڑا ہو اور وہ اللہ کی عبادت کرتا ہو وہ مطمئن رہے کہ وہ اللہ زندہ ہے اور اسی طرح ہمیشہ زندہ رہے گا۔

قرآن مجید ہم کو پہلے ہی سُنا چکا ہے کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥ {ترجمہ: یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بے شک آپ سے قبل بھی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر آپ انتقال فرما جاویں یا (خدانخواستہ) شہید کر دیئے جائیں تو تم دین سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور اللہ شاکرین کو اجر دیں گے}

اِس وقت مایوس ہو کر ہم لوگوں کا بیٹھ رہنا اور دین کی جس خدمت میں ہم لوگ لگ چکے ہیں صرف حضرت کی وفات کی وجہ سے اس کو چھوڑ بیٹھنا ہی شیطان کی بڑی فتح ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ناراضگی کا موجب اس کے معنیٰ خدانخواستہ یہ ہوں گے کہ ہم جو کچھ اب تک کر رہے تھے وہ اللہ کے لئے نہیں بلکہ حضرت مرحوم کے لئے اور انہیں کے بھروسہ پر کر رہے تھے۔ یہ ہمارا خود اپنے اُوپر بھی ظلم ہوگا اور حضرت مرحوم کی رُوح مبارک پر بھی۔ کیونکہ اُنھوں نے کسی ایک دن بھی اپنی طرف نہیں بُلایا۔ بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ ہی کی طرف بُلانے میں وقف تھا۔ اُنھوں نے ہمیشہ اور بالخصوص اس آخری علالت میں بار بار مبلّغوں اور اپنے خاص خادموں کو ہدایت کی ہے کہ ہرگز ہرگز اپنی شخصیت کی طرف دعوت نہ دی جائے بلکہ بندگانِ خدا کو براہِ راست اللہ کے نام کی دعوت دی جائے لہٰذا اب اس کام کو اسی طریق پر جاری رکھنا ہمارا اور آپ کا اوّلین فرض ہے۔

دوستو! اس وقت حضرت کی وفات سے عمومی تأثر کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس کام میں لگانے

کی جدوجہد کرنا ہمارا اور آپ کا خاص کام ہونا چاہیئے۔ دیکھو یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا، بس کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہی چیز حضرت کی رُوحِ پاک کو ہماری طرف سے خوش کرے گی، اور انشاءاللہ حسبِ وعدہ احادیث نبویہ اسی کے ذریعہ حضرتِ والا کی رُوحِ پاک کو درجاتِ عالیہ نصیب ہوں گے۔ نیز ہم خُدّام و پس ماندگان کے ساتھ ہمدردی و تعزیت بھی یہی ہے کہ حضرت کے اس کام کو جاری رکھنے کی جو ذمّہ داری ہمارے ضعیف کاندھوں پر ہے اُس میں ہمارا ہاتھ بٹایا جائے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرتِ اقدس رحمۃُ اللہ علیہ کے وصال کے بعد کام کو اُسی طرح جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کی ذمّہ داری اب ہماری اور آپ کی ہے اور خود اپنے فریضہ کی ادائیگی بھی ہے اور اپنی ذاتی فلاح اور ترقی بھی نیز اللہ و رسُول کی رضا، اور حضرت والا کی رُوح مُبارک کی خوشی بھی ہے اور یہی ہم متوسّلین کی تعزیت کی صورت بھی ہے۔

حضرت رحمۃُ اللہ علیہ کا جاری کردہ کام انشاءاللہ ان کے متوسّلین اور خُدّام بدستور جاری رکھیں گے اور حضرت کے صاحبزادے مولوی محمد یوسُف صاحب اور دیگر خدّام بستی حضرت نظام الدینؒ میں قیام کریں گے۔ اس سلسلہ میں تمام خط و کتابت وغیرہ صاحبزادہ مولوی محمد یوسُف سلمہٗ سے کی جائے۔ والسّلام

(خدّام و متوسّلین حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

قصبۂ نوح کا جلسہ میوات کے ضلع گوڑگانواں میں نوح نامی ایک مشہور قصبہ ہے۔ جس میں تقسیمِ ہند سے پہلے تک مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی خصوصًا اکثریت دینی دعوت کے کام سے متعلق اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی معتقد

اور حلقہ بگوش تھی۔ اس قصبہ میں اہلِ علم اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والے میواتی بکثرت آباد تھے۔ جن کو اللہ تبارک تعالیٰ نے دینی تعلق کے ساتھ ساتھ دُنیاوی وجاہت بھی عطاء فرمائی تھی۔ تقسیمِ ہند کے بعد اس قصبہ میں بہت کم مسلمان رہ گئے، لیکن چونکہ وہ آس پاس کے دیہاتوں کا مرکز ہے، اور اس میں ایک عربی مدرسہ ہے جس میں کافی تعداد میں طلباء رہتے ہیں، اس وجہ سے وہ آباد اور بارونق اب بھی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ۱۳۴۱ھ میں اس قصبہ میں ایک عربی دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا نام معین الاسلام ہے۔ اس مدرسہ میں شروع سے ہر سال ایک مرتبہ جلسہ ہوتا ہے جس میں دہلی کی تبلیغی جماعتیں اور تجار۔ نظام الدین کے رہنے والے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء نیز بعض اور دوسرے عربی مدارس کے علماء اور مدرسین شرکت کرتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس جلسہ کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ کہنے کو تو یہ مدرسہ کا جلسہ ہوتا لیکن درحقیقت ایک بڑا تبلیغی اجتماع بن جاتا تھا جس میں میوات کے اطراف واکناف نیز دوسرے علاقوں کے اہلِ علم اور عوام وخواص کھنچ کھنچ کر آتے اور شرکت کرتے۔ اہلِ قصبہ ذوق وشوق سے پیشوائی کرتے اور مہمان نوازی کا حق ادا کرتے۔

یہ جلسہ ایسا دینی اور رُوحانی اجتماع بن جاتا ہے اور فضا میں ایسی نورانیت پیدا ہوجاتی ہے کہ شرکت کرنے والا ہر شخص متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مسجد کے علاوہ سڑکوں اور راستوں پر بھی نماز کی صفیں بنتی ہیں۔ اس قصبہ کے مدرسہ کا سب سے بڑا جلسہ ۸، ۹، ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸، ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء میں ہوا۔ اس جلسہ میں تقریبًا بیس پچیس ہزار کا مجمع تھا۔ اس کے بعد ہر سال حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی شرکت میں یہ جلسہ ہوتا رہا۔ مولانا کی زندگی کا آخری جلسہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ لیکن مولانا اپنی شدید علالت کی بناء پر شریک نہ ہوسکے۔ یہی وہ پہلا جلسہ ہے جس میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ بہ حیثیت امیر جماعت کے شریک

ہوئے۔ اُن کے ہمراہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا زکریا صاحب قدوسی، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی، پروفیسر عبدالمغنی صاحب جے پوری، مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب رائے بریلوی شریک ہوئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے انتقال کے بعد ۱۳ر اگست ۱۹۴۴ء میں نوح میں ایک تبلیغی اجتماع ہوا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ میوات کے چودھری حضرات کا اجتماع بھی کیا گیا۔ چودھریوں کا اجتماع بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ہمیشہ کیا کرتے تھے اور اس مرتبہ بھی اُن ہی نے دعوت دی تھی لیکن اُن کی علالت کی وجہ سے اُن کی زندگی میں نہ ہو سکا اور اب ۱۳ر اگست ۱۹۴۴ء مطابق ۲۳ر شعبان ۱۳۶۳ھ گویا انتقال سے ایک مہینہ دو دن بعد بروز اتوار ہوا۔ اس جلسہ میں جماعتوں کے علاوہ اکابر و مشائخ میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے شرکت فرمائی۔ چونکہ یہ جلسہ تبلیغی تھا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد ہو رہا تھا، میوات کے لوگوں کے دل ٹوٹے ہوئے تھے اور پورا میوات افسردہ خاطر ہو رہا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ وہ اکابر و مشائخ بھی شرکت کا اہتمام فرمائیں جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے زمانہ میں شرکت کرتے تھے تاکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی شدید کمی نہ محسوس ہو۔ یہ تبلیغی اجتماع اسی شان و شوکت اور اسی نورانیت و روحانیت کے ساتھ ہوا جیسے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی میں ہوتا تھا۔ میواتیوں کا اُسی ذوق و شوق سے شریک ہونا، اسی فراخدلی سے اپنے اوقات دینا، اُسی مہمان نوازی اور اکرام سے پیش آنا اس اجتماع میں ہوا جس طرح وہ پہلے اس کا اظہار کرتے تھے۔ لوگوں نے کثیر تعداد میں اوقات دیئے۔ مختلف اطراف میں جماعتیں نکلیں۔ علماء کے مواعظ ہوئے اور مولانا محمد یوسف صاحب نے پورے جوش و خروش اور عزم و ہمت سے دعوت دی۔ اگرچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تشریف نہیں رکھتے تھے اور اُن کی جسمانی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی لیکن ان کی

نسبت پوری طرح کام کر رہی تھی۔ اور جو کام ان کی زندگی میں موجودگی کے وقت ہوتا وہ اسی طرح ہو رہا تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے اگرچہ مولانا محمد یوسف صاحب کی امارت و قیادت میں یہ پہلا اجتماع تھا لیکن میواتی حضرات مولانا محمد یوسف صاحب پر اُسی طرح اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے اور اپنے تعلق اور گہری عقیدت کا اظہار اُسی طرح کر رہے تھے جس طرح آپ سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ساتھ کرتے رہے تھے۔

پہلا رمضان اور اس کا اہتمام

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ رمضان مبارک کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ میوات کی بکثرت جماعتیں اس ماہِ مبارک میں مرکز آتی تھیں، نیز اسی مہینہ میں مختلف علاقوں میں جماعتیں نکلتی تھیں۔ خود مرکز میں مقامی کام بڑے اہتمام سے کیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد ڈیڑھ مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ ماہِ مبارک آپہنچا۔ اس لئے مولانا محمد یوسف صاحب نے اس ماہِ مبارک کا دو حیثیتوں سے بڑے ہی اہتمام کے ساتھ استقبال فرمایا۔ اس کے لئے متعلقین کو خطوط لکھے۔ بزرگوں سے دُعائیں کرائیں، میواتی حضرات سے مرکز میں رمضان گزارنے پر اصرار کیا اور خود بھی اس کے لئے کمربستہ ہوئے۔ پہلی بات یہ کہ ہمیشہ سے اس رمضان کا اہتمام کیا جاتا رہا اس لئے کہ رمضان مبارک سے اس دینی دعوت کو بڑی مناسبت ہے اور لوگوں کے دل اس مہینہ میں دینی کام کے لئے بہ آسانی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی امارت و قیادت میں یہ پہلا رمضان تھا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے وصال سے ہر تعلق والے پر کافی اثر تھا اس لئے یہ رمضان بڑے اہتمام سے کیا گیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے بعض رفقاء کو اس رمضان سے چند دن پہلے ایک خط تحریر فرمایا تھا اس کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوگا کہ مولانا دعوت کس انداز سے دیا کرتے تھے۔ اور رمضان

کے استقبال کے لئے کیا تحریر فرمایا کرتے تھے۔

۲۸ر شعبان ۱۳۶۳ھ مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تبلیغ کا مقصد کسی خاص چیز کی اشاعت نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ہمیں اس چیز کو زندہ کرنا ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم مسلمانوں کی فلاح کے لئے لے کر آئے اور تدریجی طور پر ہم مسلمانوں کی استعداد کے مطابق عمل پر ڈالتے رہے۔ اس سب کی بنیاد اللہ کی رضا کیلئے گھر بار کو چھوڑنے کی عادت کو عمومیت دینا ہے۔ جتنی یہ چیز عام ہو جائے گی حق تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں عام طور پر نازل ہونی شروع ہو جائیں گی۔ ان رحمتوں اور نعمتوں کا انداز قائم کرنا جو اس سنت کے زندہ ہونے پر حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں ایسے لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے جن کیلئے ہر دنیاوی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے لئے سفر سہل اور اس اعلیٰ ترین مبارک سنت کے احیاء کیلئے سفر کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ مشکل اس لئے ہے کہ ہم نے ابھی تک ان تبلیغی اسفار کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا ہم اس کو تصحیح کلمہ یا تصحیح نماز کی تحریک سمجھتے ہیں، لہٰذا زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ اس کا مقصد ان سب کو جِلا دینا اور منوّر کرنا ہے، جن کے ذریعہ ہمارے اعمالِ دُنیاوی دینی بن جائیں۔ اور دینی اعمال سطحیت کے بجائے حقیقت اختیار کر لیں۔ ایک اور اس کے ذریعہ جو اسلام کا مقصد ہے بندہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ وتعلق کا قوی اور مضبوط ہونا اور دن بدن اُس میں اضافہ ہوتے رہنا اور اس کی ترقی کے لئے ایک تڑپ اور بیقراری کی کیفیت پیدا ہو جانا۔ یہ کیفیت پیدا ہو کر استقامت کی صورت اختیار کر لیں۔ چونکہ یہ مقصد ایک نورانی و روحانی مقصد ہے لہٰذا اس کے لئے سب سے

زیادہ موزوں رمضان کا مہینہ ہے۔ اس کا موضوع نورانیت کا پیدا کرنا اور
اس میں ترقی دینا ہے۔ لہٰذا جتنا زیادہ اس ماہِ مبارک میں اس مبارک
کام کو زندہ کیا جائے اور اس کی کوشش کی جائے کہ اس مبارک سنت کے
احیاء کے لئے عام حرکت ہو جائے تو حق تعالیٰ کی مسلمانوں پر وہ عمومی رحمتیں
اور نعمتیں نازل ہونی شروع ہو جائیں گی جو عموم کے بگڑنے کی وجہ سے بند ہیں
اس مبارک کام کو اس مبارک ماہ میں رواج دینے سے اور مہینہ کی بہ نسبت
ستر گنی زیادہ استقامت و نورانیت پیدا ہوگی۔ اور اگر اہلِ دل، اہلِ درد،
حق تعالیٰ کے نام و کام کو بلند دیکھنے والے حضرات اپنی جدوجہد کے ذریعہ بارہ
ہزار آدمیوں کو اس کام کے لئے حرکت دیدیں تو پھر یہ کام مستحکم و مضبوط ہو جائے
گا اور یہ رمضان دہریت کی ہواؤں کو مذہب کی ہواؤں سے بدل دے گا۔
اور مذہب سے اعراض والی کیفیت استقبال سے بدل جائے گی۔ بہرحال
رمضان کا کام بقیہ گیارہ مہینوں کے کام سے زاید ہے اور رمضان ہر چیز
کو موجودہ سطح سے ترقی دینے کے لئے آتا ہے۔ جس چیز میں ترقی دینا چاہو اُس
کو اِس میں زیادہ کرو۔ اور اپنی خصوصی ترقی چاہو تو جو عموم کے تابع اور اس سے
مربی ہوگی تو کونے سنبھالو، اور اگر عمومی مذہبی انقلاب چاہتے ہو تو رمضان
کو اس مبارک عمل کیلئے فارغ کر کے نکلو۔ اس سے عموم درست ہوگا اور خصوصی
کاموں میں نورانیت و استقامت پیدا ہوگی۔ بہرحال کام وہی ہے جو صحابۂ
کرامؓ کا تھا۔ وہی اجر و ثواب ہے۔ اس کیلئے اُن کی سی صورت درکار ہے۔
صحابۂ کرامؓ اس چیز کے لئے رمضان کی تنہائی کو قربان کرتے تھے۔ ضرورت
سمجھتے تھے تو روزہ کھولتے تھے مگر سفر میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ اس چیز
کی آج بھی اسلام کو ضرورت ہے، ہمت کیجئے اور باہر نکل کھڑے ہو جائیے۔

(دستخط) بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

اس رمضان میں مولانا نے اپنے بزرگوں اور اہلِ ورد واثر حضرات کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس میں دُعاؤں کی طلب اور جو کچھ جماعتوں کا کام ہو رہا تھا اُس کی اطلاع اور ان کی کامیابی کے لئے خصوصی دُعاؤں کی درخواست کی۔ یہ خط ۹ رمضان ۱۳۶۳ھ میں لکھا گیا۔ اور تقریباً اس وقت کے سارے بزرگوں کے نام ارسال کیا گیا۔ اس کے علاوہ جماعتوں کی نقل وحرکت مختلف دیار میں جاری کی گئی۔ ۱۲-۱۴ نفر کی ایک جماعت مراد آباد بھیجی جس نے وہاں جاکر تقریباً سو نفر کی جماعت تیار کی جو بعد میں میوات آئی۔ اور بڑی تعداد میں مراد آبادی حضرات نے رمضان نظام الدین میں گذارا اور دعوت وتبلیغ کے کام میں شرکت کی۔ ایک جماعت علی گڑھ، ایٹہ اور آگرہ بھیجی اس کے ساتھ ساتھ مختلف علماء کی ایک جماعت میوات میں گشت کر رہی تھی۔

خود مرکز میں علماء اور مشائخ کا اچھا خاصہ اجتماع ہو گیا تھا۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث تو موجود ہی تھے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کئی سال سے جیل میں تھے۔ ۶ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کو رہائی ہوئی اور سہارنپور، دیوبند ہوتے ہوئے ۱۵ رمضان کو سیدھے نظام الدین تشریف لے گئے۔ چونکہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال حضرت مدنی کے ایامِ اسیری میں ہوا تھا اس لئے حضرت نے رہائی پاتے ہی تعزیت کا کام سب سے پہلے کیا۔ پندرہ ۱۵ سولہ ۱۶ رمضان کی درمیانی شب نظام الدین میں گزاری اور اس رات کو تراویح بھی حضرت ہی نے پڑھائی۔ پارہ رُبَما کے نصف سے تا ختم سورۂ بنی اسرائیل قرأت فرمائی اور دوسرے دن شام کو دیوبند تشریف لے گئے۔[1]

ہر رمضان کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر قرآن شریف سنایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ اُن کی جگہ مولانا محمد یوسف صاحب نے قرآن شریف سنایا۔

---

[1] روایت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ،

حسبِ سابق کئی آدمیوں نے اعتکاف کیا اور تبلیغی کام کے سلسلہ میں سابقہ رمضانوں میں جو بھی نظام چلا کرتا تھا اِس رمضان میں بھی اس پر عمل ہوا اور بعض اسباب کی بناء پر جماعتوں کی نقل و حرکت، مرکز کے قیام اور معمولات میں زیادتی رہی۔

سہارن پور اور رائپور کی حاضری یوں تو مولانا محمد یوسف صاحب کا سہارن پور کے سفر کا ہمیشہ سے معمول تھا اور تعلیم کے دوران تقریباً زیادہ وقت وہیں گزارتے تھے۔ پھر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہمراہ بارہا سہارنپور اور اس کے اطراف میں سفر کیا۔ خود کاندھلہ اُن کا وطن تھا جو سہارنپور کے قریب ہی ہے، اس لئے آمد بار بار ہوتی۔ لیکن یہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد پہلی حاضری ہوئی۔ ۲۰ر شوال ۱۳۶۳ھ کو تشریف لے گئے اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے ہمراہ رائے پور تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ نے اپنے عزیز مہمان کا بڑا احترام کیا اور بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا۔ سہارنپور و رائپور کا یہ سفر بعد کے مسلسل سفروں کی تمہید تھی۔ اس کے بعد سے بے شمار بار سہارنپور اور رائپور میں حاضری دی اور اپنے منتسبین اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والوں کو برابر دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں اور رائپور حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری کی خدمت میں حاضری اور وہاں کچھ وقت صرف کرنے اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے پر زور دیتے تھے۔ اپنے ایک پُرانے تعلق رکھنے والے صاحب کو اس سلسلہ میں ایک مکتوب لکھتے ہوئے کتنے اہتمام سے ہدایت فرماتے ہیں:-

> "آپ کے لئے باہمی مشورہ سے رائپور کا قیام طے ہوا۔ نہ صرف ایک چلہ کے لئے بلکہ تین چلوں تک۔ آپ حضرت کے پاس بخوشی رہیں۔ حضرت عالی کی صحبتِ مبارکہ کو کیمیا اور اخلاق کو بلند ہونے کا بہت بڑا علاج تصور فرماتے ہوئے، وہاں کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے

ذکرِ الٰہی کا شوق اور محبتِ ربانیہ کی پیداوار کی کوشش میں رہیں۔ ہم سے تو کچھ نہ ہو سکا، آپ ہی اس عظیم ترین دولت کی تحصیل میں لگ جائیں۔ اللہ پاک وہاں آپ کے قیام کو ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ قرار دے۔ حضرت سے بعد سلام مسنون اس عاجز و ناچیز کیلئے دعا کی درخواست عرض کر دیں اور تمام منتسبین و مقیمین بارگاہ کو بھی ــــــ

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

گلالتہ کا جلسہ سہارنپور اور رائے پور سے واپسی پر گلالتہ (جو میوات کا ایک گاؤں ہے) میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع منعقد کیا گیا۔ اس اجتماع کا بڑا اہتمام کیا گیا۔ چونکہ یہ اجتماع قصبہ نوح کے اجتماع کے بعد میوات کے علاقہ میں دوسرا اجتماع تھا اور اسمیں میوات کے پُرانے پُرانے حضرات اور عام میواتی لوگ شریک ہو رہے تھے، اس لئے کام کرنے والوں کا ایک مثالی اجتماع تھا۔ اس لئے باہر کے کام کرنے والے اور تبلیغی جماعتیں اسمیں شرکت کے لئے مرکز نظام الدین میں آئیں اور اس کے بعد گلالتہ گئیں جن میں بہت سے حضرات پیدل چلے۔ خصوصاً مرادآباد کے ستر آدمی جو اس اجتماع میں شرکت کی خاطر گلالتہ گئے۔ پیدل چلے۔ لیکن ذوق و شوق اور کیف و سرور اتنا تھا کہ تھکان کا پتہ بھی نہ چلا۔ سہارنپور سے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور رائے پور سے حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری ۲۹ر شوال ۱۳۶۰ھ کو نظام الدین تشریف لے آئے۔ ان دونوں بزرگوں کی آمد ایک تو نظام الدین میں چند دن قیام کی نیت سے تھی، اور دوسرے گلالتہ کے اجتماع میں شرکت کے لئے تھی۔ یہ دونوں حضرات یکشنبہ صبح کے وقت نظام الدین سے گلالتہ روانہ ہوئے۔ اسی روز گلالتہ میں اجتماع ہوا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی حسبِ معمول تقریر ہوئی اور جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔ اس اجتماع میں بعض سیاسی شخصیتیں بھی شریک ہوئیں۔ شرکت کرنے والوں میں حافظ علی بہادر خاں، مولانا

سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مراد آباد اور دہلی کے عربی مدارس کے طلباء اساتذہ اور علماء نے شرکت کی۔ اس اجتماع کا سب سے دلچسپ، سُرور آگیں اور ایمان پرور منظر یہ تھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی میواتی اور غیر میواتی ہی نظر آتے تھے۔ جو لوگ کام میں نئے نئے لگے تھے اور اُن کی میوات میں آمد پہلی بار ہوئی تھی وہ حد درجہ متأثر ہوئے۔ ایک میواتی لڑکے نے بڑے ہی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی آواز سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی یاد میں ایک نظم پڑھی جس نے سارے حاضرین کو آبدیدہ کر دیا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مبارک دور نظروں کے سامنے پھر گیا۔ یہ نظم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ایک مخلص باوفا اور اہلِ علم جاں سپار مولوی سعید الدین وفا دہلوی نے حضرت مرحوم کے انتقال پر کہی تھی۔ ہر ہر شعر درد و کرب اور تأثر میں ڈوبا ہوا ہے، جس کا نام "تذکرہ ہائے حبیب" ہے جو حضرت مولانا کے انتقال کا مادّہ تاریخ بھی ہے (۱۳۶۳ھ)۔ جب اس لڑکے نے ان اشعار کو مترنم آواز سے پڑھا تو ایک سناٹا سا چھا گیا۔ ہر آدمی دَم بخود تھا اور ہر آنکھ سے آنسو بہنے لگے، جیسے ہر شخص یتیم ہو گیا ہو۔ اس نظم کے آخر میں حسبِ ذیل بند تھا جس کے پڑھنے پر مجمع پر سکون و طمانیت چھانے لگی اور زخم کو مرہم مل گیا ؎

کچھ سبق لے، قدر کر، یہ وقت ہے باقی ابھی — سایہ افگن شیخ عبد القادر[1] عارف ولی
اور مولانا ظفر[2]، شیخ الحدیث[3] متقی — مولوی احتشام[4] و حافظ مقبول[5] بھی
تجھ پہ شفقت خاص حضرت مفتی اعظم[6] کو ہے — جس سے ڈھارس قلب محزونِ دل پُرغم کو ہے

---

[1] حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ [2] مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ [3] حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث۔
[4] مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی [5] حافظ مقبول حسن صاحب گنگوہیؒ [6] حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ۔

جانشینِ شیخ حضرت یوسفؒ[1] یوسف لقاء — جن کی زیارت دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کی ضیاء
دست و بازو مولوی انعامؒ[2] اور سید رضاؒ[3] — اور معاون ہیں میاںؒ[4] داؤد مخلص بے ریاء
سرپرستی ہے اکابر کی تجھے حاصل ابھی — شفقتِ احباب ہے تیری طرف مائل ابھی

یہ اجتماع دن کو ہوا تھا اور اس میں باہر کے بعض علماء نے بھی تقریریں کی تھیں۔ مرکز کے اکابر اور حضرت شیخ الحدیث اور مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری دو شنبہ کی شام کو نظام الدین واپس آئے اور ان دونوں حضرات نے نظام الدین میں ١٠ ذیقعدہ یوم شنبہ تک قیام کیا اور پھر سہارنپور تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ١٢ ذی الحجہ کو پھر نظام الدین تشریف لائے اور ١٥ ذی الحجہ ٦٣ھ کو سہارنپور واپس ہوئے۔

میوات کے دو خصوصی دورے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال سے سارے میوات پر غم و افسوس کی گھٹا چھا گئی تھی۔ ہر میواتی جس کا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا اپنے کو یتیم محسوس کرنے لگا تھا۔ جس چمن کی آبیاری حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے خون پسینے سے کی تھی اور جس کو آراستہ کرنے میں اپنی ساری توانائیاں ختم کر دی تھیں وہ بظاہر مولانا کے انتقال سے بے یار و مددگار ہو گیا تھا، اور ایسا خلاء پیدا ہو گیا تھا جس کا پُر ہونا مشکل معلوم ہو رہا تھا، ایسی صورت میں میوات کے تعلق کی بناء پر اس کا تقاضا تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب کا اس علاقہ میں اسی طرح کا دورہ ہو جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے ابتدائی دور میں فرمایا تھا اور ہر ہر گاؤں اور قصبہ میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ورود مسعود ہو۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے مشورہ سے اور اہلِ میوات کی خواہش پر اس تقاضہ کو شدت سے محسوس کیا گیا کہ اگر اس علاقہ کو جو مدتوں سے کام میں لگا ہوا ہے دیکھا نہ گیا اور نیا

---

[1] مولانا محمد یوسف صاحبؒ کاندھلوی [2] مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی [3] قاری رضا حسن صاحب بھوپالی [4] قاری محمد داؤد صاحب

خون نہ پہنچایا گیا تو کام کو بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے ایک بڑی تعداد میں با اصول اور تربیت یافتہ میواتی اور غیر میواتی کام کرنے والوں کے ساتھ آپ نے دَورہ شروع کیا دورہ سے پہلے ہندوستان میں جہاں جہاں کام ہو رہا تھا اُن سارے مراکز و مقامات کے اہلِ تعلّق کو خطوط لکھے گئے کہ میوات کا مولانا محمد یوسف صاحب مع اپنے رفقاء کے خصوصی دَورہ کر رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اہلِ تعلّق اور پُرانے کام کرنے والے شریک ہوں۔ یہ دورہ آخری ذی قعدہ ۶۳ھ میں شروع ہوا اور بارہ۱۲ دن کا رہا۔ سب سے پہلے ضلع گُڑگانواں میں رائے سینا تشریف لے گئے۔ اس مقام پر ایک دن قیام فرمایا۔ اس میں سارے پُرانے کام کرنے والے میاں جی، چودھری حضرات شریک ہوئے۔ مولانا نے ان سب کے سامنے تقریر فرمائی۔ اس میں فرمایا:۔

"حضرت جی (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کے بعد مجھ پر ایک مایوسی اور غم کی کیفیت طاری تھی، وہ کیفیت اس سفر سے ختم ہو گئی اور طبیعت میں انشراح پیدا ہو گیا۔"

اور پھر فرمایا:۔

"اس دَورہ کی تاخیر کا سبب یہ تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے، سفر کیا جائے یا نہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میوات کی محنت کو جاری رکھنا ہے۔ اس کے بعد نمبردار محراب خاں، میاں جی منگل، میاں جی محمد عمر، میاں جی رحیم بخش، چودھری نواز خاں نیز اور دوسرے پُرانے حضرات نے میوات میں دَورہ کرنے کی دعوت دی کہ آپ آیئے ہم لوگ پُورا پُورا ساتھ دیں گے اور میوات کی قوم آپ کے ساتھ ہے۔ ان کے وعدہ اور اصرار سے مجھ کو حوصلہ ہوا اور اس دَورہ پر طبیعت اُبھری۔"

اس کے بعد مولانا نے دعوتی انداز میں پُرزور تقریر کی جس سے سارا مجمع متأثر ہوا اور

لوگ بلساختہ بول اُٹھے کہ یہ تو حضرت (مولانا محمد الیاس) آگئے۔ ویسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہم کو تو حضرت جی مل گئے۔ اس کے بعد اُن سارے گانوؤں میں جو پہاڑوں کے دامنوں پر واقع ہیں قیام فرمایا۔ کسی کسی گانوں میں ایک رات ایک دن اور کسی میں صرف دن اور کسی میں صرف رات۔ اگر دوپہر ایک گانوں میں ہوئی تو شام کسی دوسرے گانوں میں۔ ایک دینی کارواں تھا جو رواں دواں تھا اور اس شان سے چلتا تھا کہ ایک نظر سے دیکھنے والے پر بھی بہت اثر پڑتا تھا۔ اس قافلہ میں دس دس، بارہ بارہ بیل گاڑیاں اور بہلیاں ہوتیں۔ ان بیل گاڑیوں اور بہلیوں میں جماعت کے افراد خصوصاً وہ حضرات جو میوات کے باہر دوسرے علاقوں کے آئے ہوئے ہوتے۔ ان کے علاوہ علماء اور عربی مدارس کے طلباء اور مدرسین بھی ہوتے تھے۔ ہر وقت دینی مذاکرہ، تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری رہتا۔ خود مولانا محمد یوسف صاحب کسی گاڑی پر اپنے بعض رفقاء کے ساتھ اسی سادگی اور بے تکلفی کی حالت میں سفر فرماتے۔ سواریوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد پیدل بھی ساتھ ساتھ چلتی۔ بعض علاقوں میں اُونٹ اور گھوڑے بھی سواری کا کام دیتے۔ گانوں نظر آتا تو گانوں کے سارے افراد بصد شوق و ذوق پروانہ وار گانوں سے نکل پڑتے۔ اور خصوصی مہمانوں کا، خصوصاً اپنے محبوب قائد مولانا محمد یوسف صاحب اور اُن کے رفقاء کا نیازمندانہ استقبال کرتے۔ اجتماع کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جس وقت بھی گانوں پہنچتے ذرا دیر کو آرام کرتے اور بعض جگہ بے آرام کئے ہی اجتماع میں شرکت فرماتے۔ اور خطاب فرماتے۔

یہ دَورہ بڑا بابرکت اور مؤثر ہوا۔ اس میں مرادآباد کے کافی حضرات شریک تھے۔ اس دَورہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں حاجی عبدالرحمان صاحب نومسلم (مولانا محمد صاحبؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اخص الخواص رفیقوں میں تھے) بھی شریک تھے۔ یہ دَورہ رائے سینا سے شروع ہوا، اور پھر سُونا، پیپاکا، باولا، گوالدہ، ینبا ہیڑی، حمیرا کا، روپ باس، تجارہ جہاں جمعہ کی نماز پڑھی۔ تجارہ الور کا ایک قصبہ ہے، جہاں ایسے مسلمانوں کی

آبادی تھی جن کا اس تبلیغی کام سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ ایک طرح کی وحشت سی تھی جب مولانا نے تقریر شروع کی تو مقامی حضرات نے انتشار پیدا کر دیا اور ناگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور وہاں مجمع کر بات نہ ہو سکی اور جماعت اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا کا مصداق اور اس صفت کی حامل بنتی ہوئی دوسرے گاؤں چلی گئی، جس کا نام کنسالی ہے۔ کنسالی کے بعد مانکی رام گڑھ وغیرہ ہوتی ہوئی واپس ہوگئی۔ مولانا ان سارے مقامات پر تقریر فرماتے، چلوں کی دعوت دیتے اور توبہ اور بیعت کراتے ہوئے سفر کرتے رہے۔

اس دورہ کے بعد چند دن ٹھہر کر دوسرا دورہ شروع کیا جو ۱۲ر ذی الحجہ ۶۳ھ سے ۲ر محرم ۶۴ھ تک رہا۔ یہ دورہ پہاڑوں کے نیچے جو قصبات اور گاؤں آباد ہیں اُن میں ہوا۔ یہ دورہ بھی پہلے دورہ کی طرح بڑا کامیاب رہا۔ اس دورہ میں بھی باہر کے لوگ شریک ہوئے۔ مولانا جہاں بھی پہنچتے مقامی لوگ فرطِ مسرت سے رونے لگتے۔ اور ان کے استقبال میں ایسا جذبہ پایا جاتا جو کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوگ میلوں آگے نکل نکل کر استقبال کرتے۔ اس دورہ میں بھی چند بڑے گاؤں اور قصبات پڑے، جیسے سنگھار، آنی، کوٹ، اُٹاوڑ، روپڑاکا، ملائی، نوح۔ ان میں اہم اجتماع ہوئے۔ ان میں عربی مدارس کے علماء شریک ہوئے۔ ان اجتماعات کا سب سے پُرکشش منظر وہ ہوتا تھا کہ ایک ساتھ بارہ بارہ، پندرہ پندرہ لڑکوں کے نکاح نہایت سادگی سے ہوتے اور مولانا ایک خطبۂ نکاح پڑھ کے سب سے ایجاب و قبول کرا دیتے۔ دوسرا دلآویز منظر بیعت کا ہوتا تھا۔ ایک عمامہ یا کوئی کپڑا پھیلا دیا جاتا، بسا اوقات ایک کپڑے کے ساتھ دوسرا کپڑا جوڑ دیا جاتا اور کپڑے کے دونوں طرف پچاسوں آدمی جوان اور بوڑھے اور کم عمر میواتی بیٹھ جاتے اور کپڑا تھام کر بیعت ہوتے۔ ہزاروں آدمی اس منظر کو دیکھتے اور بڑا اثر لیتے۔ مولانا کے یہ دونوں دورے کام اور تعلق کی تجدید کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوئے۔ ان دو دوروں سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

رحمۃ اللہ علیہ کے اُن دو۲ دوروں کی یاد تازہ ہو گئی جو تیس۳۰ پینتیس۳۵ سال پہلے تقریباً ان ہی مقامات کے کئے تھے۔

میوات کی آمدورفت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے صرف ان دو۲ دوروں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ میوات کی آمدورفت برابر جاری رکھی اور مختلف علاقوں میں چھوٹے بڑے اجتماعات کراتے رہے۔ اسی طرح جو جماعت بھی کسی شہر سے مرکز آتی تو مولانا اُس کے لئے یہ لازمی قرار دیتے کہ چند دنوں کے لئے میوات کے علاقہ کا گشت ضرور کرے۔ چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں اور ان کے بعد خود مولانا محمد یوسف صاحب کی آمدورفت سے میوات دعوت کا ایک مثالی مرکز بن چکا تھا اور دین اور شعائرِ دین کے مسلسل نمونے دیکھنے میں آتے تھے۔ اس لئے کوئی بھی جماعت اس علاقہ میں جاتی اور چند دن گذارتی تو بڑے گہرے اثرات لیکر آتی۔ ایک شاہدِ عینی اپنے ایک سفر کا حال یوں بیان کرتے ہیں :-

"ہمارا چند نفری قافلہ مرکز نظام الدین سے میوات روانہ ہوا۔ گڑ گانواں سے نوح اور نوح سے دوسرے دیہاتوں میں قیام کرتا ہوا آگے بڑھا۔ ہم جس گانوں میں ٹھہرتے تھے تو مقامی لوگ اس طرح پیش آتے تھے جیسے کوئی حقیقی بھائی مدّتوں سے بچھڑے ہوئے بھائی سے مل کر خوش ہوتا ہے۔ مہماں نوازی کا یہ عالم تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ صرف قصّوں اور تاریخوں میں اہلِ عرب کی ایسی مہماں نوازی پڑھی تھی۔ جب کوئی اجتماع ہوتا تو گھروں کے تمام بچے بوڑھے جوان مرد و عورت ہمہ تن گوش ہو کر سُنتے اور جو دعوت دیجاتی اُس پر لبّیک کہتے۔ دین داری کا یہ حال دیکھا کہ ایک دن ہمارا قافلہ ایک گانوں سے دوسرے گانوں جا رہا تھا، عصر کا وقت تھا، ہم سب بہیلی پر سوار تھے اور دونوں طرف کھیت تھے۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ چھ سات بچے جن کی

عمریں بارہ چودہ سال سے زائد کی نہ ہوں گی بکریاں چرا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی بکریوں کو چھوڑ کر نمازِ باجماعت میں مشغول ہو گئے۔ یہ سادہ مزاج بچے جن کے سروں پر سفید عمامے تھے اور جو سفید کُرتے پہنے اور سفید تہبند باندھے اپنے رب کے حضور میں جس طرح کھڑے تھے اُس نے ہمارے دلوں کو اتنا متاثر کیا کہ دُور تک ہم ان کو دیکھتے رہے اور اُن کی عمروں کے لحاظ سے اُن کی دین داری پر رشک کرتے رہے"۔

اِنہیں مناظر کے پیشِ نظر مولانا محمد یوسف صاحب ہر طبقہ کے لوگوں کو میوات کے سفر پر آمادہ فرماتے تاکہ وہ دین داری کی چلتی پھرتی ان زندہ تصویروں کو دیکھیں اور متاثر ہو کر اپنے اپنے علاقوں میں دینی دعوت کا کام کریں۔ اپنے ایک مکتوب میں جو ۱۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو مراد آبادی رفقاء کار کو جنہوں نے ایک جماعت طلب کی تھی جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"آپ حضرات بجائے اس کے کہ یہاں سے پُرانے مبلغین کو اپنے یہاں بلائیں، کثرت سے لوگوں کو یہاں بھیجیں کیونکہ یہ کام گھر سے باہر بغیر نکلے اور بغیر پُرانے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کے، آتا نہیں ہے۔ اور اس کا بہترین موقع یہ ہے کہ آپ کے یہاں کی جماعتیں کثرت سے نکلیں اور یہاں ہوتی ہوئی میوات جائیں، اس لئے کہ میوات میں ان کو زیادہ پُرانے کام کرنے والے ملیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی لئے میوات کو تبلیغی درسگاہ فرمایا ہے، لہٰذا جتنی جماعتیں مراد آباد کے اِرد گرد رامپور وغیرہ جائیں اس سے زیادہ میوات جانے کے لئے کم سے کم ایک ہفتہ کے واسطے یہاں آئیں"۔

بندہ محمد یوسف (بقلم محمد واصف علی غفرلہ)

اس کے ساتھ ساتھ اس کا خاص اہتمام فرماتے کہ باہر سے آئی ہوئی جماعتوں کے ساتھ بااصول اور پُرانے تربیت یافتہ میواتی جو مدتوں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی صحبت

اُٹھائے ہوئے ہوں اور مرکز نظام الدین نیز جماعتوں میں کافی وقت گذارا ہو جیسے میوات کے میاں جی یا چودھری صاحبان ان کو جماعت کے ساتھ کر دیا کرتے تاکہ یہ میوات کا سفر اصول کی پابندی کے ساتھ گذرے اور کسی ایک کا بھی وقت ضائع نہ ہو، اُن میں کسی کی تخصیص نہ تھی عامی ہو یا عالم یا کوئی مشغلہ رکھنے والا ہو، اُس کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا کرتے۔ اور اگر کوئی اجتماع ہوتا تو مولانا کا یہ اہتمام اور بڑھ جاتا اور اس کی کوشش فرماتے کہ ذمہ دار اور علماء اس میں ضرور شریک ہوں۔ مولانا نسیم احمد فریدی صاحب میوات کے اجتماع کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:-

"ایک مرتبہ حاضر ہو کر ایک دو دن کے بعد رخصت ہونے لگا تو بڑی محبت سے فرمایا کہ میوات میں ایک اجتماع ہو رہا ہے آپ اُس کو دیکھکر جائیں۔ تمام عمر میں میوات کا وہی ایک اجتماع دیکھ سکا تھا اس اجتماع کی یاد بھی عمر بھر دل سے نہ جائے گی۔ وہ اجتماع میواتیوں کے دینی شعور اور مذہبی احساس کا آئینہ دار تھا۔ میواتیوں کا جوق در جوق اک بڑی تعداد میں بہ نیتِ ثواب اور بارادہ کر تفریغِ وقت اجتماع میں شرکت کرنا، مہمانوں کی مدارات اور خاطر تواضع سلیقہ کے ساتھ جلسہ کا نظم و نسق، توجہ کے ساتھ ارشاداتِ یوسفی کا سُننا اور سادگی کے ساتھ اجتماع کے موقع پر اپنے لڑکے لڑکیوں کا نکاح کرانا یہ تمام مناظر دینی نقطۂ نگاہ سے انتہائی مسرت انگیز تھے۔"

پھر ان اجتماعات سے کثیر تعداد میں میواتی اوقات فارغ کرکے باہر نکلتے تھے۔ مولانا اپنی ولولہ انگیز دعاؤں سے ان کو رخصت کرتے تھے اور پورے میوات میں کام کرنے والوں کا ایک جال سا بچھ جاتا تھا۔ اور نہ صرف میوات بلکہ میوات کے باہر دوسرے علاقوں میں جماعتیں پھیل جاتی تھیں۔

مالب کا جلسہ مالب قصبہ نوح ضلع گڑگانواں سے تقریباً تین چار میل کے فاصلہ پر

ایک قصبہ ہے۔ ۱۲ محرم ۱۳۶۴ھ بروز جمعہ ایک بڑا تبلیغی اجتماع تھا۔ جمعرات کو مرکز نظام الدین سے ایک بڑی جماعت روانہ ہوئی جس میں پشاور اور کلکتہ کے افراد تھے۔ امیر حاجی ارشد صاحبؒ تھے اور اُن کے ہمراہ کلکتہ کے رضوی برادرس تھے۔ نیز لکھنؤ کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ اسی قافلہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاںؔ[1] شیخ الجامعہ بھی تھے۔ دوپہر کو بذریعہ ریل گڑگانواں اسٹیشن پہنچے اور وہاں سے پیدل جامع مسجد سڑکوں اور بازاروں سے ہوتے ہوئے گئے۔ رات کو ایک اجتماع ہوا۔ دوسرے دن صبح بذریعہ موٹر نوح پہنچے۔ جمعہ کی نماز نوح میں پڑھی گئی اور ایک اجتماع ہوا۔ اس کے بعد ہی مالب روانگی ہوگئی۔ اتنی بڑی جماعت جس میں سَو سے زائد افراد تھے بہت کم اجتماع میں اس طرح نکلی ہوگی جیسے اس میں نکلی تھی۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث ۱۰ محرم کو سہارنپور سے نظام الدین دہلی تشریف لےگئے۔ اور ۱۲ محرم بروز جمعہ صبح کے وقت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہمراہ قریشی صاحبؒ کی کار میں روانہ ہوئے اور ان سب حضرات نے نوح میں جمعہ پڑھا۔ شام کو مالب میں اجتماع ہوا۔ اس اجتماع کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں میوات کے علاوہ مختلف شہروں، اور علاقوں سے بڑی تعداد میں جماعتیں شریک ہوئی تھیں۔ دور دراز علاقوں کی جماعتوں کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کی ایک بڑی جماعت جس میں تقریباً چالیس پچاس افراد شامل تھے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی سرکردگی میں اس اجتماع میں شریک ہوئی۔ ساری مسجد جو اچھی خاصی بڑی تھی شرکا سے بھر گئی تھی۔ اندر وباہر کسی جگہ پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ مختلف مکانات میں جماعتوں کا قیام تھا۔ مسجد کے مغربی جانب کئی مکانات میں لکھنؤ اور کلکتہ، پشاور کی جماعتوں کے افراد مقیم تھے اور ایک مکان میں شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا قیام تھا جہاں ہر وقت طالبین کا ازدحام رہتا تھا اور حضرت شیخ کی صحبت بابرکت سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ مسجد میں میواتی اور مرکز نظام الدین

---

[1] سابقہ صدر جمہوریہ ہند

کے تبلیغی کارکن مقیم تھے۔ میواتیوں کی کثرت سے مسجد کے اندرون و بیرون دونوں حصے بالکل بھر چکے تھے۔ مسجد کے شمال مشرق میں ایک جھونپڑی تھی اُس میں بھی مرکز اور بعض دوسرے شہروں کے پرانے کام کرنے والے مقیم تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب مسجد کے جنوب مشرق میں ایک حجرہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اجتماع نماز عشاء کے بعد شروع ہوا، تقریباً ۱۲ بجے تک جاری رہا۔ اس میں مختلف علماء نے تقریریں فرمائیں۔ اجتماع کے بعد جو جہاں تھا وہیں لیٹ گیا اس لئے کہ سخت سردی کی بنا پر اندرونی حصہ پہلے ہی بھر چکا تھا۔ لوگ باہر صحن میں بھی رات گذارنے لیٹ گئے تھے اس کی وجہ سے کئی آدمیوں کو لیٹنے کی جگہ بھی نہ ملی، اس اجتماع میں خود راقم الحروف جو مہینوں سے مرکز نظام الدین میں مقیم تھا اپنا ایک تأثر اور واقعہ پیش خدمت کرتا ہے :-

" اجتماع کے ختم ہونے پر میں نے اپنا بستر تلاش کیا لیکن ہجوم کی کثرت اور بے پایاں ازدحام کی وجہ سے وہ نہ مل سکا۔ سردی اپنے شباب پر تھی سردی سے بچنے کے لئے میں نے مسجد میں گھس کر جگہ تلاش کی لیکن کہیں بیٹھنے تک کو جگہ نہ ملی، باہر صحن کے ایک گوشہ میں بیٹھنے کو جگہ مل گئی اور اُسی حالت میں پوری شب گذارنا پڑی۔ سخت سردی کی بنا پر جبکہ ہوا بھی تیز چل رہی تھی اور میرے پاس صرف ایک پھٹا ہوا کمبل تھا۔ اس صورتِ حال سے جو مجھ پر گذری وہ بیان سے باہر ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب سردی لگ جائے گی۔ تقریباً ۴ بجے جبکہ میری حالت غیر ہو رہی تھی اور قریب میں کوئی جان پہچان کا آدمی بھی نہ تھا کہ ناگاہ کسی نے میرا کمبل سر سے سرکا کر ایک مٹی کا پیالہ جو گرم چائے سے بھرا ہوا تھا یہ کہہ کر دیا کہ حضرت جی نے یہ بھیجا ہے۔ وہ چائے اس نازک موقع پر نعمتِ غیر مترقبہ معلوم ہوئی۔ اس کو لب سے لگاتے ہی جسم میں گرمی پیدا ہوئی اور جان میں جان آئی۔ گویا

کہ نئے سرے سے زندگی ملی۔ اس کی کوئی توجیہہ سمجھ میں نہ آئی کہ مولانا محمد یوسف صاحب نے جن کو بظاہر اس کا علم نہیں تھا کہ مَیں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں، کس طرح یہ چلّے بھیجی۔ یہ خدا کی خاص رحمت اور نصرتِ الٰہی کا ایک کرشمہ معلوم ہوئی، اس کو اگر مولانا کے کشف و کرامت پر محمول کیا جائے، تو بھی غلط نہ ہوگا۔"

یہ اجتماع اپنی نوعیت کا میوات میں دوسرا اجتماع تھا۔ دوسرے دن بروز شنبہ ۲ جماعتوں کی روانگی ہوئی جن کی تشکیل رات کے اجتماع میں ہوئی تھی۔ ان میں دو جماعتیں جو میوات کی تھیں اور بڑی تھیں کلکتہ اور پشاور روانہ ہوئیں۔ ۱۵ محرم کو مولانا محمد یوسف صاحب اور مرکز کے دوسرے اکابر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مختلف مقامات ہوتے ہوئے مرکز نظام الدین واپس ہوئے۔

مرادآباد کا اجتماع حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ میں یو، پی کے علاقہ میں کوئی بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ جماعتوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور اس سلسلہ میں وقتی طور پر اجتماعات ہو جایا کرتے تھے۔ مرادآباد انہیں خوش قسمت شہروں میں ہے جہاں پر کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا اور جماعتوں کی آمد و رفت برابر ہوتی رہتی تھی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تبلیغی تحریک کے شروع کرنے سے پہلے بھی مرادآباد جا چکے تھے۔ تبلیغی کام شروع کرنے پر ایک جماعت بھیجی جس کی کسی نے بات نہ سُنی وہ واپس آگئی۔ مولانا نے پھر واپس کیا، وہ جا کر پھر مایوس لوٹی۔ تیسری بار مولانا نے بھیجا اور فرمایا "خوب رو رو کر دُعا کرو"۔ اس مرتبہ وہ گئی اور جنگل میں خوب ہی روئی اور دُعا مانگی۔ بس پھر کیا تھا، دروازہ کُھل گیا اور لوگوں نے بات سُنی۔ مرادآباد میں کام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خادمِ خاص اور مجاز بیعت قاری محمد داؤد صاحب اپنے علاج کے سلسلہ میں ایک عرصہ تک مرادآباد میں رہے۔ نیز حضرت مولانا

محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی میں مولوی عبدالملک صاحب جامعی اور افتخار فریدی صاحب نظام الدین آنے لگے تھے۔ اُنھوں نے مراد آباد میں ایک اجتماع کیا جس میں حضرت مولانا تو شریک نہ ہو سکے اُن کی جگہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب شریک ہوئے اور پھر رمضان میں چالیس آدمی نظام الدین پہنچے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد مراد آباد کی بکثرت جماعتیں مرکز آئیں۔ اس کے علاوہ چند مہینے مراد آباد میں جم کر کام ہوا اور جماعتوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ کوئی محلہ ایسا نہ تھا جہاں جماعتیں نہ گئی ہوں اور کام نہ ہوا ہو۔ مراد آباد کی فضا کو ہموار کرنے اور وہاں کے رہنے والوں کو کام سے متعلق ہونے کے بعد اس کی بڑی ضرورت تھی کہ وہاں پر ایک بڑا اجتماع کیا جائے تاکہ یوپی میں کام پھیلے اور بار آور ہو۔ اس پہلے اور بنیادی اجتماع کے لئے مراد آباد کی سرزمین سے بہتر کوئی اور سرزمین بظاہر نہ تھی۔ اس اجتماع کا بڑا استقبال اور اہتمام کیا گیا۔ دُور دُور سے لوگ آکر شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں تقریبًا باہر کے ایک ہزار افراد تھے، اسی طرح اندرون شہر کے ایک ہزار آدمی شریک ہوئے۔ شرکاء میں تقریبًا ۵۰۰ میواتی تھے جن کی تعداد بڑھتی جارہی تھی، لیکن بعض مصالح کی بناء پر مزید آنے سے روک دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے ۳۰ جماعتیں مختلف شہروں میں اجتماع کی دعوت دینے سے پہلے گئی تھیں۔ اور تقریبًا دو سو مراد آبادی حضرات مولانا محمد یوسف صاحب کو لینے مرکز گئے تھے۔ اور مقامی اور غیر مقامی علماء اور مشائخ نے اپنی شرکت سے سرفراز کیا۔ یہ اجتماع ۱۴ر، ۱۵ر، ۱۶ر جنوری ۱۹۴۵ء مطابق ۲۷ر، ۲۸ر، ۲۹ر محرم ۱۳۶۴ھ بروز شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ کو شاہی مسجد مراد آباد میں ہوا۔ اس اجتماع میں اور دوسرے علماء اور مشائخ کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب شریک ہوئے۔ اس اجتماع کا اہتمام و انتظام مولانا محمد منظور نعمانی، افتخار صاحب فریدی، فضل عظیم صاحب مراد آبادی، مولوی

عبدالملک صاحب جامعی مرادآبادی نے بڑے غور و فکر کے ساتھ کیا۔ چونکہ یوپی کا یہ سب سے بڑا اور پہلا اجتماع تھا اس لئے اس کا نظام الاوقات تحریر کیا جاتا ہے۔

تعلیمی انچارج مولانا محمد منظور نعمانی، فضلِ عظیم مرادآبادی، مولوی عبدالملک صاحب جامعی مرادآبادی اور حکیم خلیق احمد صاحب تھے۔ شنبہ کو بعد نمازِ فجر شاہی مسجد میں مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ ۸ بجے تعلیمی حلقے ہوئے اور تعلیم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کرائی جس میں تجوید و تصحیحِ نماز، عملی نماز اور اس کے بعد فضائل کی بعض کتابیں اور حکایاتِ صحابہؓ پڑھی گئی۔ آدھ گھنٹے تعلیمی اصول پر تقریر قاری سید رضا حسن صاحب بھوپالی نے کی، اس کے بعد۔ بعد نمازِ ظہر جماعتوں کی گشتوں کے لئے روانگی ہوئی۔ شہر کے محلوں اور جوار میں جماعتیں روانہ کی گئیں۔ ہر جماعت پچیس ۲۵ آدمیوں پر مشتمل تھی۔ دعائیہ تقریر مولانا محمد یوسف صاحب نے کی اور حضرت شیخ الحدیث اور مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے دعا میں شرکت فرمائی۔ یکشنبہ بعد نماز صبح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے تقریر کی اور تعلیم کے بعد مولانا محمد منظور نعمانی نے تقریر کی۔ اس کے بعد حاجی عبدالرحمٰن صاحب میواتی نے تقریر کی......

دوشنبہ کی صبح مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریر کی۔ اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تقریریں ہوئیں۔ تتمۂ تعلیم مولانا محمد یوسف صاحب کے ہاتھوں ہوا اور بعد عشاء درس اور دعا بھی مولانا محمد یوسف صاحب نے فرمائی۔ (نقشہ نظام الاوقات مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی)

اس اجتماع میں شرکت کیلئے مرادآباد کے حضرات ۲۵ محرم بروز پنجشنبہ رائے پور حاضر ہوئے اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ معہ بیس خدام کے جمعہ کی صبح کو سہارنپور تشریف لائے اور بعد نمازِ جمعہ مرادآباد تشریف لے گئے۔ حضرت مدنیؒ دوشنبہ کی شب میں مرادآباد پہنچے اور منگل کی شب میں بستی وغیرہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب بستی نظام الدینؒ سے سیدھے مراد آباد شب شنبہ میں پہنچے اور یکم صفر بروز سہ شنبہ حضرت مولانا رائے پوری حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ مراد آباد سے سہارنپور گئے اور سہارنپور میں چار دن قیام رہا۔ ۵ر صفر کو دہلی واپس تشریف لے گئے۔

اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ حضرت مدنیؒ کو لانے کیلئے مراد آباد کے بعض ایسے حضرات جو حضرت شیخ الہند سے تعلق رکھتے تھے اور مراد آباد سے برسوں نہیں نکلے تھے۔ حضرت شیخ الہند کی وفات سے اُن پر اتنا اثر پڑا تھا کہ اُن کے بعد دیوبند حاضری کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ لیکن اس کام کی اہمیت اور مراد آباد کے اجتماع کو زیادہ کامیاب بنانے کے لئے اس عہد کو توڑا اور حضرت مدنیؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچے اور باوجود شدید مشغولیت کے جلسہ میں شرکت فرمانے پر آمادہ کرلیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اس اجتماع کے آخری دن بڑی ولولہ انگیز اور ایمان پرور تقریر فرمائی تھی جو آج تک شریک ہونے والوں کو یاد ہے۔ مولانا کی تقریر کا لُبِّ لباب یہ تھا کہ "حرکت میں فتنوں سے حفاظت ہے جب منافقین نے ایک غزوہ کے موقع پر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ٹھہرو مت، آگے بڑھتے رہو اور چلتے رہو" پھر اس سلسلہ میں مثالیں دیں اور واقعات سُنائے۔ اور دین کے لئے جدوجہد، ایثار و قربانی ترکِ وطن پر بڑی مؤثر تقریر فرمائی۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا نے تقریر شروع فرمائی اور حسبِ معمول تقریر میں کلیجہ نکال کر رکھدیا۔ اس کے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا، بہت ہی کم نام آئے۔ حدیہ کہ بجنور، چاندپور اور رامپور جیسے بالکل قریبی مقامات کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکیں۔ مولانا محمد منظور نعمانی جو اس اجتماع میں شریک تھے بلکہ پیش پیش تھے وہ فرماتے ہیں:۔

"ہم کئی آدمی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے

لیکن ناموں میں اضافہ بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب جو تقریر فرمانے کے بعد مسجد کے اندرونی محراب میں تشریف فرما تھے، لوگوں کی سردمہری دیکھکر اُن کو جلال آگیا۔ یکدم اُٹھ کر تشریف لائے اور مائیکروفون میرے ہاتھ سے لیکر فرمانا شروع کیا "آج تم بجنور، چاندپور اور رام پور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کے لئے وقت دینے کیلئے تیار نہیں ہو رہے ہو ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤگے، مصر جاؤگے، عراق جاؤگے لیکن اُس وقت کام کا عام رواج ہوچکا ہوگا اس لئے اجر گھٹ جائے گا" چونکہ یہ اجتماع بالکل پہلا اور اپنے طرز کا نیا اجتماع تھا اور لوگ نکلنے اور حرکت کرنے کے عادی نہ تھے اس لئے مولانا کے یہ الفاظ حیرت کا باعث بنے تھے۔ میرا خام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اسلئے مولانا کی شام، عراق اور مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جب لوگوں کا حال یہ ہے کہ چاندپور اور رام پور کیلئے نہیں تیار ہو رہے ہیں تو اس حالت میں شام و عراق اور مصر جانے والی بات بہت بے موقع ہے۔ مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی یہ بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی اور ان ممالک عربیہ میں غالباً پہلی جماعت مرادآبادیوں ہی کی گئی۔[1]

اس اجتماع میں مرادآباد سے باہر کے تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے شرکت کی اور اجتماع کے بعد جماعتیں بجنور، چاندپور وغیرہ گئیں اور جو لوگ ان جماعتوں میں گئے اُن پر گہرا اثر پڑا اور وہ پھر کام میں لگ گئے۔ ایک صاحب جو اس جماعت میں گئے تھے وہ اپنے ایک رفیق کو لکھتے ہیں:-

---

[1] الفرقان "حضرت جی نمبر"۔

"ہم سب آپ کے مشکور و ممنون ہیں کہ آپ نے ہمیں ایک جماعت کی شکل میں بجنور بھیجا اور بالخصوص مَیں ذاتی طور پر یہاں آکر بہت خوش ہوا بہت اچھے آثار ہیں[1]"

اس اجتماع کے بعد بعض مقامات کے علاوہ مرکز نظام الدین، مراد آبادی حضرات کی ایک بڑی جماعت جو ۲۰۰ آدمیوں پر مشتمل تھی، گئی۔ اس کے امیر مولانا عبد الحق مدنی تھے۔ دہلی کی جنگل والی مسجد میں ایک بڑا اجتماع ہوا، جس میں مولانا عبد الحق مدنی نے خاص دعوتی تقریر کی۔

پشاور کو ایک بڑی جماعت مراد آباد کے اس بڑے اجتماع سے مقامی اور بیرونی کام کو بڑی تقویت پہنچی۔ اور سینکڑوں آدمی جن کا کام سے کوئی خاص تعلق نہ تھا گہرا تعلق پیدا ہوگیا اور بکثرت آدمی باہر جماعتوں میں نکلنے لگے اور نظام الدین کی آمد و رفت کافی بڑھ گئی ——— اتنی بڑی جماعت اس سے پہلے اتنی دُور کے لئے نہیں نکلی تھی۔ مولانا محمد یوسف صاحب سہارنپور تک جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کے آگے مولانا محمد منظور نعمانی جماعت کے ہمراہ پشاور تک تشریف لے گئے۔ اس جماعت نے ریلوں پر گشت کئے جہاں جہاں قیام کیا وہاں گشت اور اجتماع کئے، خصوصًا سہارنپور میں جامع مسجد میں بہت بڑا اجتماع ہوا تھا جس میں مولانا عبد الحق مدنی نے تقریر کی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی مسجد میں ایک بڑے اجتماع میں مولانا محمد یوسف صاحب نے بڑی پُر جوش تقریر فرمائی۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اپنی یادداشت میں اس سفر کے متعلق حسب ذیل کیفیت تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۴ ربیع الاول چہار شنبہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۴۵ء عزیزان مولوی محمد یوسف، انعام ۴ بجے شام نظام الدین سے سہارنپور پہنچے۔ ان کے

---

[1] خط مولوی عبد الملک صاحب بنام افتخار فریدی صاحب

ساتھ تقریباً ۲۰۰ نفر سے زائد افراد مراد آباد، دہلی، میوات وغیرہ کے تھے جو راستہ میں دیوبند اُتر گئے۔ عزیزان (مولانا محمد یوسف، مولانا محمد انعام الحسن) پنجشنبہ کی شام کو دیوبند گئے۔ اور ایک جماعت ان میں سے پنجشنبہ کو مولانا عبدالحق صاحب مدنی مراد آبادی کی امارت میں ۸۰ نفر کی سہارن پور پہنچی۔ گشت وغیرہ کے بعد شبِ جمعہ میں جامع مسجد میں جلسہ ہوا جس میں مولانا عبدالحق صاحب نے تقریر کی اور صبح کو ۵ بجے مراد آباد ایک جماعت کے ساتھ واپس چلے گئے اور تقریباً ۵۰ نفر اس جماعت کے جمعہ کی صبح رائے پور گئے۔ مولوی منظور نعمانی ۱۲ بجے دیوبند سے پہنچے۔ بعد نمازِ جمعہ اس تبلیغی اجتماع میں تقریر کی اور ۵ بجے دیوبند واپس چلے گئے۔ عزیزی مولوی یوسف مع جماعتِ تبلیغ ۱۱ بجے شبِ شنبہ میں دیوبند سے سہارنپور پہنچے۔ شنبہ کو یہاں گشت وغیرہ ہوتے رہے۔ اتوار کی شب دارالطلباء کی مسجد میں زوردار جلسہ ہوا۔ جس میں مولانا یوسف صاحب نے کئی گھنٹے تقریر کی اور تقریر کے بعد رات ہی کو ۲ بجے بندہ[۱] کے ساتھ رائے پور روانگی ہوئی۔ مولانا منظور صاحب بھی رائے پور پہنچ گئے اور منگل کی شب کو رائے پور سے واپسی ہوئی جو جماعتیں رائے پور گئی تھیں وہ اتوار کو بعد ظہر حضرتِ اقدس رائے پوری سے الوداعی رخصت ہونے کے بعد مع مولوی منظور و فریدی صاحب وغیرہ سہارن پور پہنچے اور پیر کی صبح کو ۵۳ نفر کی جماعت لدھیانہ، جالندھر وغیرہ ٹھہرتی ہوئی پشاور کے لئے روانہ ہوئی۔"

اس جماعت نے پورے پنجاب کے بڑے بڑے علاقوں میں کام کیا اور برابر خطوط سے مولانا محمد یوسف صاحب کو کام کی کیفیت اور حالات سے مطلع کیا جاتا رہا۔ مولانا محمد منظور صاحب

---

[۱] یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔

نعمانی نے لدھیانہ پہنچکر جماعت کے کام اور حالات وکوائف سے مطلع کیا اور دُعا کی درخواست کی تو مولانا محمد یوسف صاحب نے اس کا حسبِ ذیل جواب مرحمت فرمایا:۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل ۱۰ر مارچ شنبہ کو کارگذاری لدھیانہ سے مطلع فرماکر مسرور فرمایا۔

آپ ایسے کام کے لئے نکلے ہوئے ہیں جس کے اندر اسلام کی سرسبزی ہے اور بڑے خیر کی توقعات ہیں اس لئے آپ کے لئے ہر چیز دُعا گو ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ خانقاہوں اور علمی مراکز میں اپنے کام کی بہت مختصر سی کیفیت کے بعد دُعا کی درخواست خط کے ذریعہ کرتے رہیئے اسکا ضرور اہتمام کیا جائے۔ آپ کی جماعت میں جو افراد مراد آبادی یا غیر مراد آبادی اپنا وقت ختم کر کے واپس جائیں اُن سے ترغیب کے بعد یہ ضرور کہا جائے کہ باہر نکل کر جن چیزوں کی تم سے مشق کرائی گئی ہے اور جو ایک طرز کی زندگی تم نے دیکھی ہے اُس کا مقصد یہ ہے کہ اب اسی زندگی کو اپنے گھر رہتے ہوئے اختیار اور پیدا کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ گھر جا کر اپنے مشاغل میں پہلے ہی کی طرح اُلجھ کر رہ جاؤ اور مقامی کام اور اس زندگی کو بھول جاؤ اور جو تأثرات ان میں پیدا ہوئے ہیں اُن سے فائدہ اس طرح اُٹھایا جائے کہ جانے والے کے ذہن میں یہ خوب بٹھا دیا جائے کہ اُس نے جو وقت دیا وہ بہت کم ہے اب اس کے بدل میں اور تأثر کو قائم رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ افراد کو تیار کر کے بھیجیے۔ والسّلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ ۱۱ر مارچ ۱۹۴۵ء

۱۱، ۱۲ر مارچ کی درمیانی شب میں یہ جماعت لاہور سے پشاور روانہ ہوئی۔ اس جماعت کے پہلے سے ہی مولانا عبید اللہ بلیاوی معہ ایک جماعت کے پشاور میں کام کر رہے

تھے اور اپنی کارگذاری کی اطلاع برابر مولانا محمد یوسف صاحب کو دے رہے تھے۔ مولانا عبید اللہ بلیاوی کے ایک مکتوب کے جواب میں مولانا نے پشاور اور راہ میں کام کرنے کی چند ہدایتیں تحریر فرمائیں۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"پشاور کا کام نہایت اہم ہے جو بہت سے خطرات کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لئے وہاں پر نہایت احتیاط کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے کام کی جو نوعیت ہو جائے گی آئندہ اس پر کاربند ہوں گے۔"

یہ جماعت پورا ایک چلّہ گذار کر واپس ہوئی۔ جن جن مقامات پر کام کیا وہ حسب ذیل ہیں: دیوبند، سہارن پور، لدھیانہ، امرت سر، لاہور، پشاور، کوہاٹ، پنڈی گجرات، گوجرانوالہ، لاہور ہوتی ہوئی واپس ہوئی۔

حاجی عبدالرحمٰن میواتی کا انتقال اور حضرت رائے پوری کی مرکز میں آمد حاجی عبدالرحمٰن میواتی نومسلم جو مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے زمانہ سے مرکز میں مقیم تھے اور مولانا محمد صاحبؒ کے شاگردِ خاص اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خاص معتمد اور رفیق کار تھے اور مولانا محمد یوسف صاحب بھی حد سے بڑھ کر لحاظ کرتے تھے۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ بروز دوشنبہ دہلی میں انتقال کر گئے۔ اُن کے انتقال سے اہلِ مرکز پر مجموعی طور سے اور مولانا محمد یوسف صاحب پر خصوصی طور سے بڑا اثر پڑا۔ اس کے دوسرے دن حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی مرکز تشریف لے گئے اور آٹھ دن قیام فرمایا۔ ۱۲ ربیع الثانی کو مرکز نظام الدین سے سہارن پور واپس تشریف لے گئے۔

تین مقامات کے تین اہم اجتماع مراد آباد کے اجتماع کے بعد دوسرے شہروں میں اجتماعات کا دروازہ کھل گیا۔ چونکہ مراد آباد کے اجتماع میں مختلف شہروں اور قصبات کے لوگ شریک ہوئے تھے اور متاثر ہوئے تھے؛ اب ان سب کی کوشش یہ ہوئی کہ ان کے

مقامات پر بھی اسی طرح کے اجتماعات ہوں۔ اس سلسلہ میں جوالاپور (ضلع سہارن پور) بڑوت (میرٹھ) میں ایک ہی مہینہ میں مختلف تاریخوں میں اجتماعات کیے گئے۔

۳ر جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری سہارنپور تشریف لائے اور جوالاپور تشریف لے گئے۔ جوالاپور میں دوشنبہ ۳ر جمادی الاولی، منگل ۴ر جمادی الاولی اجتماع ہوتے رہے۔ تیسرے دن صبح سے جماعتیں روانہ ہوئیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے حسبِ معمول ولولہ انگیز تقریر فرمائی اور جماعتوں کی تشکیل فرمائی۔ چہارشنبہ کو بعد ظہر جوالاپور سے واپسی ہوئی۔

دوسرا اجتماع بڑوت میں ہوا۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث بھی شریک ہوئے۔ ۱۴ر جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ کو اجتماع ہوا اور اسی دن مولانا محمد یوسف صاحب کے ہمراہ حضرت شیخ نظام الدین بستی تشریف لے گئے۔

تیسرا اجتماع اجڑاڑہ[1] میں ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ کو ہوا۔ اس اجتماع میں حافظ مقبول حسن صاحب گنگوہی کی امارت میں تقریباً ۲۵ نفر کی تبلیغی جماعت شریک ہوئی۔ اجتماع کے بعد جمعہ کی صبح کو یہ حضرات رائے پور تشریف لے گئے۔ ان اجتماعات سے دوآبہ کے علاقہ میں کام کو کافی تقویت پہنچی اور سہارنپور و مظفر نگر کے قصبات میں کام کی داغ بیل پڑگئی اور لوگ خاصے کام سے متعلق ہوگئے اور جماعتوں کی آمد و رفت کا تسلسل قائم ہوگیا۔

دیوبند کی حاضری مولانا محمد یوسف صاحب کو اپنے مشائخ یا اپنے مشائخ سے تعلق رکھنے والے بزرگوں سے گہرا تعلق تھا۔ خصوصاً حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب

---

[1] اجڑاڑہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک خادم خاص حافظ محمد حسین صاحب تھے جن کا یہ سارے اکابر بڑا لحاظ رکھتے تھے اور انہی کی وجہ سے یہ حضرات اجڑاڑے جاتے تھے۔

مدنی سے خاص الخاص تعلق رکھتے تھے اور اُن کی خدمت میں حاضری اپنے لئے باعثِ برکت اور کام کے لئے مفید تر جانتے تھے۔ اس لئے سہارنپور جب بھی جاتے تھے یا سہارنپور سے واپس ہوتے تھے تو گھڑی دو گھڑی کیلئے دیوبند ضرور حاضری دیتے اور حضرت مدنیؒ سے شرفِ ملاقات حاصل کرتے۔ اکثر ایک شب کیلئے قیام فرماتے۔ اُس وقت تک مولانا محمد یوسف صاحب نے کار سے سفر نہیں شروع کیا تھا اور زیادہ تر ریل سے سفر ہوتا تھا۔ اس لئے دیوبند کی حاضری آسان ہوتی اور بسہولت حضرت مدنیؒ کی خدمتِ بابرکت میں شرفِ حضوری حاصل ہوجاتا۔

سہارنپور کا ایک سفر اور مولانا کو تکلیف

رمضان ۶۴ھ کو نظام الدین میں مولانا محمد یوسف صاحب نے قرآن سُنایا اور ۲ شوّال بروز دوشنبہ اپنے وطنِ مالوف کاندھلہ تشریف لے گئے۔ ارادہ تھا کہ وہ سہارنپور تشریف لے جائیں گے مگر ایک روز کاندھلہ میں مسجد سے نکلتے ہوئے پیر پھسل گیا جس سے ان کی تھوڑی میں زخم آگیا۔ اس زخم کی وجہ سے سہارنپور کا ارادہ ملتوی کردیا اور دہلی واپس تشریف لے گئے۔ پھر ۸ شوّال کو بروز شنبہ دوبارہ سہارنپور تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کا بھی رائے پور جانے کا ارادہ تھا، مگر اس دن بخار آگیا، اس لئے مولانا محمد یوسف صاحب دو روز ٹھہر کر دوشنبہ کے دن صبح کو رائے پور تشریف لے گئے اور اُسی روز حضرت رائے پوری کے ہمراہ سہارنپور واپس ہوئے۔ حضرت رائے پوری بغرضِ عیادت سہارنپور تشریف لائے اور بُدھ (چہارشنبہ) کو مولانا محمد یوسف صاحب دہلی تشریف لے گئے۔

بستی نظام الدینؒ میں ایک اہم دینی مشورہ

سہارنپور سے واپسی کے بعد مرکز میں ایک اہم دینی مشورہ ہوا۔ اس اجتماعی مشورہ کا اہتمام و انتظام رمضان سے پہلے ہی سے کیا جارہا تھا۔ مختلف مقامات کے کام کرنے والوں کو خطوط لکھے گئے اور پرانے کام کرنے والوں کو اس میں شرکت کی پُرزور دعوت دی گئی۔ اس اجتماع کی خصوصیت یہ تھی کہ اس

میں اکثر پُرانے کام کرنے والے حضرات جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی میں کام سے لگے تھے اور حضرت مرحوم سے بہت ہی قریبی تعلق رکھتے تھے، نیز حضرت مرحوم کے بعد جو لوگ کام میں لگے تھے اور کام سے گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اُن کے علاوہ علماء و مشائخ جیسے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مزید برآں اور دوسرے علماء و مشائخ، میواتی و غیر میواتی کام کرنے والے شریک ہوئے۔ یہ اجتماعی مشورہ آٹھ دن کا تھا۔ گویا علماء و مشائخ کی سرپرستی میں ایک تربیتی کیمپ تھا جس میں کام کرنے کی مفید شکلیں سوچی گئیں اور نئے سرے سے اور نئے جذبہ سے کام کرنے اور دعوت کو عام کرنے کی مشق کرائی گئی۔ یہ مشورہ ۱۱ر اکتوبر ۴۵ء تا ۱۹ر اکتوبر ہوا۔ اس اجتماع میں سید علی اکبر شاہ سندھی ایم ایل اے بھی شریک ہوئے۔ حضرت مولانا رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث صاحب ۱۱ر اکتوبر ۴۵ء کو نظام الدین پہنچے اور ایک ہفتہ قیام فرما کر ——— سہارنپور واپس تشریف لے گئے۔

اس اجتماعی مشورہ کیلئے مولانا محمد یوسف صاحب نے مختلف مقامات کو جو خطوط اور دعوت نامے ارسال فرمائے تھے اُن میں صرف دو مکتوب نقل کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ مولانا کسی اجتماع میں دعوت دیتے وقت کیا طرزِ تحریر اختیار فرماتے تھے عمومی دعوت نامہ حسبِ ذیل تھا:۔

مکرم بندہ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اور حضرت رائے پوری مدظلہ نے ذیقعدہ کا درمیانی عشرہ یہاں کے لئے قیام کا طے فرمایا ہے۔ اس کے لئے کثرت سے لوگوں کو کافی اوقات کیلئے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کام بفضلہ تعالیٰ بڑھتا جا رہا ہے اور حق تعالیٰ کے یہاں پُرانے لگنے والوں کے بہت بڑے درجے ہیں۔ لیکن اسی کے بقدر کام کی ذمہ داریاں اور اس کے متعلق وسعتوں اور پھیلاؤ کے لئے غور و

خوض اور دَوڑ دھوپ کی بھی پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کی ضرورت ہے۔ اس کام میں اَوقات کو بڑھاتے چلے جاؤ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب کے درجات پر فائز ہوتے چلے جاؤ اور دوسروں کو ہمراہ لیتے چلے جاؤ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

۲۴ر شوّال المکرم

خصوصی دعوت نامہ جو مختلف علماء کو لکھا گیا مندرجہ ذیل ہے:-

مخدوم و مکرم متعنا اللہ والمسلمین لفیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ تبلیغ کا اہم کام جو اس فتن اور انحطاط کے زمانہ میں ان کے دُور کرنے کے لئے ایک غیبی اور غیر مترقبہ نعمت ہے بہمہ اپنے جاننے والوں کے قربان ہونے کے لئے ایک دعوت ہے۔ جس کا اگر استقبال کر لیا جائے اور وقت کے مناسب اپنے اعذار و مشاغل کو قربان کر دیا جائے کہ جن کا موضوع مسلمانوں کیلئے قربان کر دینا ہی ہے تو یہ چیز مستحکم ہو جائے اور اسلام کی چمک کی صورتیں ظاہر ہوں اسی کام کے لئے آپ جیسی متبرک ہستی متوجہ ہے۔ اگر یہ توجہات اور فکر اس کام کی جڑوں کے مستحکم کرنے کی طرف ہوئیں اور ایسے وقت میں جبکہ ہر طرف سے اہم اور ناکے کے لوگ بکثرت متوجہ ہیں۔ حضرتِ اقدس اُن تک فیض پہنچانے کی طرف متوجہ ہونے اور ہم ضعفاء کی اس کس مپرسی کے وقت ہاتھ بٹانے کا ارادہ فرماتے تو نہ معلوم اس سے کتنی اعلیٰ اُونچی صورتیں نمودار ہوتیں۔ مگر کس طرح عرض کروں کہ وہ صورتیں آپ جیسے مخزنِ ظاہر و باطن حضرات کے گراں بہا اوقات حاصل کر کے اس اہم کام کے فروغ دینے کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی وجہ سے محل خیال

میں ہیں اور اب تک کی پیدا شدہ صورتیں بھی خطرہ میں ہیں، نہ معلوم کونسا وقت آئے گا کہ آپ سی بابرکت ذاتیں اپنے وقتوں کی زکوٰۃ ہم پر تصدق فرمائیں جس سے وہ نتائج مثمر اور ہماری جدوجہد منتج ہو۔ بہرحال بہت سا وقت اسی تہی دستی میں گذر چکا ہے اور بہت سی صورتیں ضائع ہوچکیں۔ اگر آنجناب اب بھی تشریف آوریوں سے اِن غربا کو مالا مال فرمائیں، بالخصوص قریبی اجتماع میں تشریف لائیں تو آپ کے یہاں کام کے متعلق بھی اور اس کے مضافات کے متعلق بھی، اور جہاں جہاں کام ہورہا ہے جناب کی بصیرتوں کے ذریعہ غور وفکر کی نعمت بھی حاصل ہوجائے۔ آں مخدوم ہماری موجودہ صورتوں اور حالات کا بھی جائزہ لیں اور موجودہ سطح تک پہنچنے والے کام کی ذمہ داریاں بھی محسوس فرمائیں اور اضافہ وافادہ کا تاحیاتِ مبارکہ عزم مصمم فرمائیں تو انتہائی خیروں کی توقعات ہیں۔

حضرت رائے پوری دام مجدہٗ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب و دیگر اکابر اصاغر ۴ ذیقعدہ کو تشریف لارہے ہیں اور بہت سے اصحابِ خیر کے مجتمع ہونے کی اس اجتماع میں اُمید ہے، اگر جناب بھی قدم رنجہ فرمائیں تو ہم صدمہ زدگان کی بہت کچھ اشک شوئی اور کام کی سرپرستی ہو اور اسلام اور اُس کے اہم کام کی غربت مبدل بہ عزت ہو، والسلام۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

اس اجتماع میں شرکت کے لئے مولانا نے تقریباً ہر اہلِ علم اور درد و فکر رکھنے والے کو دعوت دی اور اس کا بڑا اہتمام کیا۔ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کو ایک ماہ پہلے رمضان کے آخر میں تحریر فرمایا:۔

ایک اجتماع خصوصی حضرات کا کیا جارہا ہے جس میں دور دور سے اکابر اور حضرتؒ کی نگاہ دیکھے ہوئے حضرات کی تشریف آوری کی توقع ہے۔ اس

موقع پر جناب کا تشریف لانا اور سید سلیمان صاحب مدظلہٗ کو دعوتِ شرکت دینا بے حد ضروری ہے۔ بغیر اجتماع کے صحیح متحدہ اصولوں پر کام کا ہر جگہ ہوتے رہنا مشکل ہے۔ اور جب تک شورائی گبرائی کی آمیزش نہ ہوگی کام ناقص ہی رہیگا۔

والسلام۔ (طالب ادعیائے کثیرہ بندہ محمد یوسف غفرلہٗ)

۲۳ رمضان ۱۳۶۴ھ۔

یہ مشورہ والا اجتماع ایک ہفتہ تک بخیر و خوبی جاری رہا۔ اس میں اہم ترین شخصیتیں اور اور پرانے کام کرنے والے شریک ہوئے اور کام کیلئے بڑا موثر و مفید ہوا۔ لوگوں میں نیا جذبہ، نئی اُمنگ اور نیا عزم و جوش پیدا ہوگیا اور بعد کے کام کے لئے تیر بہدف ثابت ہوا۔ اس اجتماع میں لکھنؤ، مرادآباد، سہارنپور، دہلی، میوات کے علاوہ دُور و نزدیک کے اکثر اہل الرائے اور بااصول کام کرنے والے شریک ہوئے۔

خود مولانا محمد یوسف صاحب کو اس اجتماع سے بڑی تقویت پہنچی اور ان کے ارادوں میں نئی تازگی پیدا ہوگئی، اُن کے ہمنوا بڑھ گئے، جو دُور دُور تھے وہ قریب ہوگئے، اور مولانا ہی کی زبان میں بولنے لگے، اور اُن کے دستِ راست بن گئے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

مرادآباد کا سفر | مرادآباد اب کام کا اچھا خاصا میدان بن چکا تھا اور مولانا کے عقیدتمند اور کام سے تعلق رکھنے والے بہت سے ہو گئے تھے، اس کے علاوہ مرادآبادی حضرات کا تعلق شیخ الحدیث مدظلہٗ سے اور خصوصی طور سے حضرت مولانا رائے پوری سے گہرا تھا۔

حضرت مولانا رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۴۶ء بروز شنبہ بریلی تشریف لے گئے تھے، وہاں سے ۱ صفر کو مرادآباد واپس ہوئے۔ مرادآباد میں مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا ابوالحسن علی ندوی بھی تشریف

لے گئے اور ان بزرگوں کے ہمرکاب ہوگئے۔ مراد آباد میں ان بزرگوں کا قیام چار دن رہا۔ ۵ر صفر سے ۹ر صفر تک اِن دنوں میں کئی اجتماع ہوئے اور مولانا محمد یوسف صاحب نے مجمع کو خطاب فرمایا اور پُرانے کام کرنے والے جڑے اور مشائخ کی خدمت میں وقت گذارا۔ ۹ر صفر کو علماء کا یہ قافلہ مراد آباد سے سہارنپور پہنچا۔ مراد آباد کا یہ سفر بھی کام کی حیثیت اور دینی دعوت کی اشاعت کے سلسلہ میں بہت کامیاب رہا اور مقامی کام میں تقویت پیدا ہوگئی۔ مراد آباد سے حاجی نور الٰہی صاحب، پشاوری حضرات اور مراد آبادی حضرات کے ساتھ کلکتہ جماعت بنا کر گئے۔

گنگوہ میں ایک دن گنگوہ ضلع سہارنپور کا ایک مشہور قصبہ ہے، چونکہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے ان حضرات کا بالواسطہ تعلق ہے۔ مدتوں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ حضرت مرحوم کی خدمت میں رہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (جن کے مجاز حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تھے اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث ہیں) اور حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری (جن کے مجاز حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری تھے) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے تعلق رکھتے تھے اور مجاز تھے اس رشتہ کی بناء پر مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ، حضرت حضرت مولانا عبد القادر صاحب کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے جو تعلق تھا اُس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اسی تعلق کی بناء پر اس دیارِ محبت میں بلا کی کشش تھی، اسی لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے حلقہ کے مشائخ اور بزرگ اکثر اس دیار محبوب کی زیارت اور گاہے بگاہے اپنے شیخ کے مزار پر فاتحہ کی خاطر آنا جانا ضروری سمجھتے تھے، نیز حضرت مرحوم کی صاحبزادی بقیدِ حیات تھیں اور ان کے صاحبزادوں سے گھر کا سا تعلق پیدا ہو گیا تھا اس لئے ان کی خدمت میں برابر آنا جانا ہوتا تھا، یہ سفر اسی سلسلہ کی ایک

کرڈی تھا۔

۲۰ر صفر جمعہ کی شام کو حضرتِ اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، رائے پور سے سہارنپور تشریف لائے اور شنبہ کی صبح کو مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی حضرت رائے پوری کے ہمرکاب ہوگئے۔ گنگوہ میں ایک دن ایک رات قیام رہا۔ دن بھر مقامی لوگ زیارت کی خاطر آتے رہے۔ ٹھنڈے وقت حضرت گنگوہیؒ کے مزار پر یہ حضرات تشریف لے گئے۔ اور فاتحہ پڑھی اور یکشنبہ کی صبح کو سہارنپور واپس ہوگئے۔ دوشنبہ کی صبح کو مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کاندھلہ تشریف لے گئے۔ وہاں دو دن قیام رہا۔ چہارشنبہ کو پھر سہارنپور واپس ہوئے اور پنجشنبہ کی صبح کو مولانا محمد یوسف صاحب حضرت رائے پوریؒ کی معیت میں رائے پور تشریف لے گئے۔ گنگوہ کاندھلہ، سہارنپور اور رائے پور کا یہ سفر بڑا مبارک رہا۔ مشائخ اور علماء کی ایک جماعت تھی جس نے تقریباً ایک ہفتہ اس دینی اور تبلیغی سفر میں لگایا۔ ان حضرات کے علاوہ جو اور دوسرے بعض لوگ ہمسفر تھے اُن کو استفادہ کا بڑا موقع ملا اور اُن کے لئے یہ سفر بہت مفید ثابت ہوا۔

لندن میں گشت کی ابتداء مولانا محمد یوسف صاحب کے دینی کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ یہ بھی تھا کہ اُن کے ابتدائی عہد ہی سے بیرونی ممالک میں تبلیغی کام شروع ہوگیا تھا اور وہ حضرات جنھوں نے مولانا محمد یوسف صاحب کی صحبتِ بابرکت میں وقت گذارا تھا اور مولانا کی تقریریں سُنی تھیں اُنھوں نے اس کام کی داغ بیل ڈالی تھی اور بعد میں وہ کام مختلف ممالک میں پھیل گیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے جب اس کام کی قیادت سنبھالی اُسی وقت سے اپنے ساتھیوں اور عقیدت کیشوں کو باہر جانے اور غیر ممالک میں پھیل جانے کی دعوت دی۔ اس کی ابتداء مرادآباد کے اجتماع میں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والوں میں کئی ایسے اہلِ علم اور مغربی علوم سے

واقف اور یورپ کے تمدّن و تہذیب سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات تھے۔ اُن میں سرفہرست ڈاکٹر ذاکر حسین خاںصاحب شیخ جامعہ ملّیہ اور حال[1] صدرِ جمہوریہ ہیں۔ مدّتوں سے یہ حضرات مولانا محمّد الیاس صاحب کی خدمت میں آتے جاتے تھے اور حضرت مرحوم سے گہرا تعلق ہوگیا تھا اور اس تحریک کے مؤیّدین میں سے تھے۔ اسی طرح لکھنؤ کا ایک دین دار گھرانہ جو کلکتہ میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھا اور جس کے ایک فرد راحت رضوی صاحب تھے، حاجی ارشد صاحب پشاوری کے ذریعہ اس کام سے لگ چکا تھا اور مولانا محمّد یوسف صاحب سے گہرا تعلق پیدا کرلیا تھا۔ اس گھرانے کے سارے بھائی اس کام میں دل و جان سے لگ گئے تھے۔

۲۰ر جنوری ۱۹۴۶ء میں انہی دو کے ذریعہ لندن میں تبلیغ کا ابتدائی گشت شروع ہوا۔ جو لوگ لندن کی ہماہمی اور وہاں کے رہنے والوں کی مشغولیت، فضا کی ناہمواری تہذیب و تمدّن کے عروج کو جانتے ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس مُلک میں خالص دینی اور تبلیغی کام جبکہ اس میں گشت جیسے عمل کو ایک ضروری جزء قرار دیا گیا ہے کتنا مشکل اور نامانوس ہوگا۔ اور جن لوگوں نے اس کام کو شروع کیا اُن کے سامنے کتنے دشوار مسائل آئے ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اُن لوگوں کو جنھوں نے یورپین ممالک میں اس کام کو شروع کیا اور برابر کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک تعلیمی کانفرنس میں لندن گئے ہوئے تھے اُنھوں نے اس گشت کا افتتاح کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب علمی دُنیا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں اس لئے لندن کے رہنے والوں نے اِدھر توجّہ کی۔ یہ گشت ہندوستانی آبادی کے علاقہ میں ہوا۔ مقامی لوگ بھی شریک ہوئے۔ گشت کی اس جماعت کے امیر و قائد راحت رضوی صاحب لکھنوی رہے۔ یہ گشت بڑا مبارک ثابت ہوا اور اس سے مقامی کام کی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد جماعتوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی جس کی تفصیل آئندہ آپ پڑھیں گے۔

---

[1] اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے وقت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب حیات تھے اب چند سال قبل ان کا انتقال ہوچکا ہے۔ (ناشر)

مرکز میں علماء اور مشائخ کا ایک ہفتہ قیام

مولانا محمد یوسف صاحب ہمیشہ عموماً اور اپنے ابتدائی دور میں خصوصاً اس کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ مرکز میں جو مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال سے خلاء سا پیدا ہو گیا تھا اور مرکز کے حضرات ایک بڑے صاحبِ نسبت بزرگ اور دعوتِ دین کے ایک انقلاب انگیز اصلاحی طریقہ کے بانی مبانی سے محروم ہو چکے تھے، اُن کی تسکین اور استفادہ کی خاطر گاہے بہ گاہے مشائخ وقت کا اجتماع ہوتا رہے تاکہ دعوتِ دین کے اس کام میں پختگی و گہرائی پیدا ہو اور کام کرنے والوں کو تقویت پہنچے۔ اس لئے اکثر علماء و مشائخ کی آمد و رفت اور کئی کئی دن قیام رہا کرتا تھا۔ یہ قیام بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔

حضرت شیخ الحدیث اس سفر و قیام کی روداد اِن الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۲ ربیع الاول ۶۵ھ کو شنبہ کو حضرتِ اقدس رائے پوری رائے پور سے تشریف لائے اور ریڑھی کے مدرسہ میں حافظ عبدالرحیم نو مسلم کے ختمِ قرآن میں شریک ہوئے۔ میں اور قاری سعید احمد[1] مرحوم بھی سہارنپور سے اتوار کو صبح کو وہاں گئے اور بعد ختمِ قرآن ظہر کے بعد بمعہ حضرت اقدس رائپوریؒ سب سہارنپور آ گئے۔ اور دو شنبہ کی صبح کو ہم سب ۱۶ نفر بمعہ حضرتِ اقدس رائپوری نظام الدین گئے اور ایک ہفتہ قیام کے بعد حضرت اقدس اور ہم سب سہارنپور واپس ہوئے اور حضرت اقدس رائپوری پنجاب کے طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔"

یہ واضح رہے کہ ان علماء و مشائخ کا نظام الدین میں قیام برائے قیام نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی آمد اور قیام کے دوران سارا میوات کھینچ کر آ جاتا تھا نیز اِن حضرات سے تعلق رکھنے والے خواہ وہ دہلی کے باشندے ہوں یا اطراف و جوانب کے رہنے والے، سب ان مبارک دنوں کو غنیمت جان کر اس پورے عرصہ میں مرکز میں قیام کرتے۔ مولانا اس

---

[1] قاری مفتی سعید احمد صاحب منشی مظاہر علوم سہارنپور۔

موقع کو قیمتی جان کر اپنی دعوت کو جم کر پیش کرتے اور ان چند دنوں میں تبلیغ وہ کام ہوتا جو مدتوں نہ ہوتا اور ان مشائخ کے اثر و رسوخ سے مختلف الخیال لوگ اس کام سے جڑ جاتے۔ نیز کام کرنے والے ان مبارک صحبتوں سے فائدہ اٹھاتے اور تبلیغی دعوت میں جان سی پڑ جاتی۔ ذکر و شغل اور توجہ الی اللہ کی ایک فضا قائم ہو جاتی اور ایک ہفتہ تک یہ مرکز عظیم خانقاہ بن جاتا تھا۔

رحیم آباد کا اجتماع لکھنؤ اور اطرافِ لکھنؤ میں کام کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی لکھنؤ آمد سے پڑ چکی تھی اور لکھنؤ کے قصبات و جوانب میں کام ہونے لگا تھا جن مقامات میں تبلیغی کام ہو رہا تھا اُن میں باقی نگر (رحیم آباد) بھی ہے جو لکھنؤ سے ۲۵ میل دور مغربی جانب واقع ہے۔ رحیم آباد کے قُرب جوار میں گدیوں کی آبادی ہے۔ خاص باقی نگر میں صدیقی شیوخ کا ایک معروف اور معزز گھرانہ آباد ہے جو ان علاقوں کا زمین دار رہ چکا ہے۔ اس خاندان کے ایک معزز اور ذی حیثیت فرد حاجی فیاض علی صاحب نے اس مسلمان آبادی میں تبلیغی کام کی بنیاد بہت پہلے ڈالی تھی۔ اور وہ اس سلسلہ میں تمام علاقوں کا دورہ کرتے ہیں جہاں جہاں گدی آباد ہیں۔ ان کی ایک بڑی جماعت ہوتی ہے جس میں اس برادری کے اکثر لوگ ہوتے ہیں اور پُورے نظام سے وہ ہر مہینہ میں ۱۰ دن باہر نکلتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے سفر سے اس کام کو اور تقویت پہنچی۔ حاجی شیخ فیاض علی صاحب اور ان کے ساتھیوں اور رفیقوں کی ایک بڑی تعداد نے بعد میں نظام الدین کا سفر کیا۔ چونکہ رحیم آباد اور اس کے قُرب جوار میں کام کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا ہو چکی تھی اس لئے اس مقام پر کسی اجتماع کا رکھا جانا نہ صرف رحیم آباد کیلئے مفید تھا بلکہ لکھنؤ کے اطراف ہردوئی اور سنڈیلہ کے اطراف میں کام پھیلنے کی بہت زیادہ اُمیدیں تھیں۔ اس لئے شیخ فیاض علی صاحب کی خواہش اور لکھنؤ کے پُرانے کام کرنے والوں کی درخواست پر ۶، ۷، ۸ مئی ۱۹۴۶ء مطابق ۳، ۴، ۵ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ دوشنبہ، منگل

بدھ کو ایک سہ روزہ بڑا اجتماع طے کیا گیا۔ اور بہت پہلے سے اس کی بڑی تیاری کی گئی۔ خصوصاً ایک ہفتہ پہلے افتخار فریدی صاحب جو تبلیغی کام کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں رحیم آباد پہنچ گئے اور کام کا پورا انتظام بنایا۔ چونکہ مشرقی اضلاع میں یہ پہلا بڑا اجتماع تھا اس لئے لکھنؤ اور رحیم آباد کے کام کرنے والوں اور اہلِ ہمت لوگوں نے مختلف مقامات پر جماعتیں بھیجکر اور مسلسل کام کرکے اس اجتماع کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی، یہ اجتماع شیخ فیاض علی صاحب کی کوٹھی کے نیچے احاطہ میں اور شیخ مشتاق علی صاحب کے باغ کے متصل مدرسہ کی عمارت میں جو ایک بڑے احاطے میں قائم تھا منعقد کیا گیا۔

جن علماء اور مشائخ نے اس اجتماع میں شرکت کی اُن میں حضرت شیخ الحدیث، مولانا محمد یوسف صاحب معہ رفقاء، مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی، مولانا عبد الحق صاحب مدنی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سلونوی اور ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا عمران خاں صاحب بھوپالی سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور سارے اساتذہ۔ ان کے علاوہ لکھنؤ، مراد آباد، کانپور، رائے بریلی، بارہ بنکی، دہلی، میوات نیز اور دوسرے علاقوں کی بکثرت جماعتوں نے شرکت کی۔

۲ رجمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق ۵ رمئی ۱۹۴۶ء یکشنبہ کی صبح کو حضرت شیخ الحدیث سہارنپور سے روانہ ہوئے۔ مراد آباد کے اسٹیشن پر مولانا محمد یوسف صاحب بھی اسی گاڑی پر سوار ہوئے۔ مغرب کے قریب بریلی پہنچے، رات کو ایک بجے کی گاڑی سے رحیم آباد روانہ ہوئے اور دو شنبہ کی دوپہر کو ظہر کے قریب رحیم آباد پہنچے۔

اس اجتماع کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ قیام و طعام میں کوئی تمیز و تفریق نہیں برتی گئی۔ عوام و خواص، علماء و مشائخ سب ایک جگہ ٹھہرے، ایک طرح کا کھانا

کھایا۔ تعلیم و تعلّم، گشت و اجتماع میں یکسانیت برتی گئی۔ اس سہ روزہ اجتماع میں جس میں مختلف الخیال لوگ جمع تھے کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی یادداشت لکھتے ہوئے خاص طور پر اس خصوصیت کو نوٹ فرماتے ہیں:۔

"اس اجتماع کی ایک بڑی خاص بات یہ تھی کہ مقامی مصلحت کی بنا پر کھانے میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ سارے مجمع کو بلا تخصیص ایک ہی کھانا نان اور دال، دو وقتوں کے علاوہ کہ ان میں نان اور شوربا دیا گیا۔"

اس اجتماع کا نظام وہی رہا جو ہر اجتماع کا رہا کرتا ہے۔ دونوں وقتوں کی تعلیم آس پاس کے دیہاتوں کا گشت اور چھوٹے اجتماعات، رات کو بڑا اجتماع۔ اتنا بڑا اجتماع جو خالص دینی طرز کا تھا، مقامی لوگوں نے اس سے پہلے کہیں نہ دیکھا تھا، اس کے باوجود کہ بادوباراں کے طوفان نے خیموں کی طنابیں تک اکھیڑ دیں۔ اور سخت بارش نے نظام میں خلل ڈالا، لیکن گشت و اجتماع، تعلیم و تعلّم کا کام بحسن و خوبی ہوتا رہا۔ تقریروں میں مولانا عبد الحلیم صدیقی، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی کی تقریریں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ خصوصاً مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی کا نہایت سادہ مگر پُر مغز اور دلکش بیان آج تک لوگوں کو یاد ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے کئی مرتبہ ولولہ انگیز اور ایمان پرور خطاب کیا۔ اس وقت تک اگرچہ مشرقی اضلاع کے لوگ مولانا کی خاص زبان اور سب سے الگ طرز ادا اور اندازِ بیان سے نامانوس تھے اور تصوف کی اصطلاحات کے کثرتِ استعمال سے ناآشنا تھے اس لئے شروع شروع میں جی نہ لگتا تھا۔ لیکن مولانا کا جوشِ یقین، اضطراب، بے کلی اور خالص داعیانہ تقریر نے جس میں حشو و زوائد قصے اور لطیفے نہ ہوتے تھے، سننے والوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اوقات کے مطالبہ کے وقت بہ کثرت لوگوں نے اوقات دیئے اور جماعتوں کے ساتھ نکلنے کے لئے نام لکھوائے۔

پنجشنبہ کی شب میں مغرب کے قریب یہ حضرات رحیم آباد سے روانہ ہوئے اور وہ شہر جو صرف تین دن کے لئے آباد ہوا تھا اُجڑنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے جماعتیں روانہ ہوگئیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سہارنپور تشریف لے گئے اور مولانا محمد یوسف صاحب لکھنؤ آئے اور ایک دن ڈاکٹر سید عبد العلی[۱] صاحب کے مکان واقع گوئن روڈ میں قیام کیا اور مسجد کے سامنے والے میدان میں رات کو آرام کیا اور دوسرے دن سیالدہ سے اپنے رفقاء کے ہمراہ کلکتہ تشریف لے گئے۔

---

[۱] ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب لکھنؤ کے ایک مشہور معالج اور جید الاستعداد عالم تھے، آخر عمر تک ندوۃ العلماء کے ناظم رہے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے برادرِ اکبر، شفیق سرپرست و مربّی تھے ــــــ حدیث کی تعلیم دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے حاصل کی۔ علومِ دینیہ کی تکمیل کے بعد طب پڑھی اور ایک عرصہ تک حکیم اجمل خاں کی خدمت میں رہے اور اُن کے مطب میں بیٹھے۔ طب کے حصول کے بعد لکھنؤ میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی اور امتیازی حیثیت سے بی۔ ایس سی۔ ایم، بی، بی، ایس پاس کیا۔ ۳۰ سال تک مطب کیا اور مرجع خاص و عام بن گئے۔ نہایت باوقار، سنجیدہ، متین، کم گو، بے آزار اور عزلت پسند تھے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا۔ حضرت مدنیؒ ہمیشہ لکھنؤ کے قیام میں ڈاکٹر صاحب کے مکان میں قیام فرماتے اور اُنہیں کے مہمان ہوتے۔ خدا نے دینی و دُنیاوی علوم میں بڑی جامعیت عطاء فرمائی تھی۔ عالمِ اسلام اور عالمِ عربی کے حالات سے بڑی واقفیت اور مختلف ممالک میں تبلیغی اور دینی جد وجہد کی بڑی فکر رکھتے تھے۔ اس درد و فکر نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے محبت و یگانگت کا تعلق اور ان کی تحریک سے بڑی حد تک وابستہ کر دیا تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں بستی نظام الدینؒ گئے اور چند دن قیام کیا۔ اُس وقت حضرت مولانا شدید علیل تھے۔ لیٹے لیٹے معانقہ کیا اور فرمایا کہ میں آپ کے آنے کی خوشی میں پہلے سے اچھا ہوں اور جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ "حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد"۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے برابر تعلق رکھا۔ ۷ رمئی ۱۹۶۱ء کو ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا اور روضہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔

اس اجتماع کا اثر لکھنؤ اور اُس کے اطراف و جوانب پر بہت اچھا پڑا۔ جماعتوں کی آمد و رفت اور چلت پھرت بڑھ گئی۔ رحیم آباد کے حضرات نے نظام الدین اور میوات کا سفر کیا اور مقامی کام کو بڑی تقویت پہنچی اور کام کرنے والوں نے بڑے انہماک، یقین اور جذبۂ شوق سے کام کو آگے بڑھایا۔ یہی وہ پہلا اجتماع تھا جس میں مشرقی اضلاع خصوصاً گونڈہ اور بستی کے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔

کلکتہ کا سفر حاجی ارشد صاحبؒ[1] کا تبادلہ کلکتہ ہو چکا تھا، اُن کو اللہ تعالیٰ نے اس

---

[1] حاجی ارشد صاحبؒ جو پہلے اے، آر، ارشد کے نام سے معروف تھے، ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ عنایت ہوئی۔ اور باوجود اپنی خالص مغربی تعلیم اور اعلیٰ ملازمت کے، اپنے اخلاص و للّٰہیت، دینی انہماک و خود فراموشی اور مجاہدہ و ایثار کے ذریعہ اعلیٰ دینی ترقیات و کمالات تک پہنچے اور پھر اسی راہ میں شہید ہو کر جنّت المعلّٰی میں اکابر اولیاء اللہ کے پاس جگہ پائی ـــــــ وہ پشاور کے رہنے والے تھے اصل نام عبدالرشید تھا، ارشد کو تخلّص کے طور پر اختیار کیا تھا جو ان کا نام بن گیا۔ تقسیم سے پہلے پشاور، کلکتہ اور بمبئی میں ٹیلیفون کے محکمہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز رہے۔ تقسیم کے بعد عرصہ تک لاہور میں محکمۂ ٹیلی گراف کے ڈویزنل انجینئر رہے۔ پشاور کی ملازمت کے زمانہ میں دعوت و تبلیغ سے تعارف ہوا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب نے اپنے تعارفی خط میں ان کے متعلق لکھا تھا کہ "یہ صوبۂ سرحد کے رجل رشید نہیں بلکہ ارشد ہیں"۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی نظر میں ان کو بھانپ لیا اور ان کے متعلق بڑی خصوصیت کے کلمات فرمائے۔ پاکستان سے وہ محکمہ جاتی مشن پر جاپان گئے اور وہاں تقریباً دو ڈھائی سال رہے۔ اس عرصہ میں اُن کے ہاتھ پر بڑی تعداد میں جاپانی مسلمان ہوئے اور اُن کی مقبولیت و تاثیر اور تائیدِ الٰہی کے عجیب واقعات پیش آئے۔ اگر ان کا قیام رہ جاتا تو شاید قبولِ اسلام کا سلسلہ بہت وسیع اور طویل ہو جاتا۔ لیکن کام ختم ہونے پر اُن کو بُلا لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ تبلیغی جماعت میں امریکہ گئے، وہاں بھی اُن سے بڑا فائدہ پہنچا۔ جب حکومتِ سعودیہ نے آٹومیٹک ٹیلیفون کی اسکیم منظور کی تو اس کے انچارج اور افسرِ اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہوا۔ انہوں نے زور و شور سے

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

دینی دعوت سے اتنا زیادہ تعلق دیا تھا کہ وہ جہاں بھی جاتے اس دینی دعوت کی داغ بیل ڈال دیتے اور جی جان سے اس کام کو کرتے اور اپنے جذب کیف، درد و سوز سے بہت سے رفیق بنا لیتے۔ اور یہی درد و سوز ان رفیقوں میں پیدا کر دیتے۔ حاجی ارشد صاحبؒ نے کلکتہ پہنچکر اس دینی دعوت کو وہاں کے اہلِ علم و اہلِ درد کے سامنے پیش کیا اور بہت جلد لوگوں نے اس کو اپنا لیا اور کام شروع کر دیا۔ اِن کام کرنے والوں میں رضوی برادران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے اس کام کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ان سب کی یہ خواہش تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کلکتہ بھی تشریف لائیں تاکہ کلکتہ کے لوگ مولانا کے ولولہ انگیز خطاب سنیں اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوں۔ یہی وہ داعیہ تھا جس نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو کلکتہ جانے پر آمادہ کیا اور رحیم آباد کے اجتماع کے بعد لکھنؤ ہو کر کلکتہ روانہ ہو گئے۔ ہمراہی میں مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائلپوری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور ان کے علاوہ میوات و دہلی کے کام کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ساتھ تھی۔ مولانا اور اُن کے رفقاء کا قیام حافظ جمال الدین کی مسجد میں ہوا۔ حافظ جمال الدین حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاص آدمیوں میں تھے۔ تبلیغی اجتماعات ناخدا کی مسجد میں ہوتے تھے۔ مولانا کے کلکتہ تشریف لے جانے سے کلکتہ میں تبلیغی فضا قائم ہو گئی اور محلہ محلہ گشت ہوا۔ چھوٹے بڑے اجتماعات ہوئے، تعلیم کے چرچے ہوئے اور ذکر سے فضا،

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) حجاز میں تبلیغی کام شروع کیا، ان سے اس کام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ ۱۴ر شعبان ۱۳۸۳ھ کو مدینۂ طیبہ سے خاص کیفیت کے ساتھ مواجہہ شریف سے رخصت ہو کر پندرہویں کا روزہ رکھ کر ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ جس میں بعض وہ پاکستانی افسران بھی تھے جنھوں نے یورپ سے واپسی پر عمرہ کی نیت کی تھی روانہ ہوئے۔ جدہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں موٹر کا حادثہ پیش آیا جس میں وہ روزہ اور احرام کی حالت میں جاں بحق ہوئے۔ حرم شریف میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ نماز ہوئی، پھر اس گنج ایمانی کو جنت المعلیٰ میں شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

گونج اٹھی۔ مولانا کا پورا قیام بڑی مشغولیت اور انہماک میں گذرا۔ اس وقت مولانا پر سوائے تبلیغ اور تفریغِ اوقات کی دعوت کے اور کوئی کیفیت طاری نہ تھی۔ ہمہ وقت اسی کی فکر اور اسی کی لگن تھی۔ کلکتہ کے دورانِ قیام میں ایک بڑے صاحبِ ثروت اور صاحبِ اثر تشریف لائے اور پچاس لاکھ روپے کی پیش کش کی اور کہا کہ آدمی باسیوں میں آپ کام کریں۔ اور اس رقم کو اس کے سلسلہ میں خرچ کریں۔ آپ نے پورے استغناء سے کام لیکر اتنی بڑی رقم لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا اِن پچاس لاکھ روپے کے بجائے تم پچاس آدمی دے دو جو جماعتوں کے ساتھ باہر نکلیں اور وقت لگائیں۔

کلکتہ میں کئی دن قیام رہا۔ اس پوری مدت میں کافی لوگ کام سے لگے۔ حتیٰ کہ بعض ایسے لوگ جو دینی اور اخلاقی لحاظ سے پست تھے وہ کام سے لگ کر نیک بن گئے۔ اُن کی زندگیوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہوگئی کہ دیکھنے والے حیرت میں آگئے۔ دین کی دعوت دینے والوں نے کلکتہ کی مسلمان آبادی کا رنگ ہی بدل دیا۔ بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہوئے۔ محلہ محلہ جلسے ہوئے اور مسجدیں نمازیوں سے بھر گئیں اور بازاروں میں خدا کا ذکر ہونے لگا۔ ۱۵ر جمادی الثانی شنبہ کی شب میں کلکتہ سے سہارنپور واپسی ہوئی، سہارنپور ایک دو روز قیام کر کے نظام الدین روانہ ہوئے۔

قلات کی جماعت دہلی میں | بلوچستان جو اب پاکستان میں ہے پہلے ایک مستقل ریاست تھی، جو متمدن اور شہری آبادی سے دور تھی۔ اس لئے بہ نسبت اور شہروں اور علاقوں کے دین داری میں مشہور تھی۔ خصوصاً امیر قلات ایک نیک اور صالح آدمی تھے۔ اس ریاست کے وزیر صاحب کے محمد شفیع صاحب قریشیؒ سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ قریشی صاحب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے معتمد علیہ رفیق و معتقد تھے۔ دہلی کے ایک بڑے تاجر اور بڑے اثر و رسوخ کے آدمی تھے۔[1] افغانستان میں تھے کہ قلات کے وزیر صاحب سے

---

[1] تقسیم کے بعد پاکستان میں مقیم رہے تبلیغی کام سے بڑا گہرا تعلق تھا، چند سال قبل انتقال فرما چکے ہیں۔

تعلقات پیدا ہوگئے اور تبلیغی کام سے تعارف ہوا۔ اس تعارف کی بنا پر قلات سے ایک جماعت جس میں اس ریاست کی بعض ذمہ دار اور دینی شخصیتیں بھی تھیں بستی نظام الدینؒ آئی اور اس نے دہلی اور میوات کا دورہ بھی کیا۔ اس جماعت کی آمد وسطِ اپریل ۱۹۴۴ء میں ہوئی۔ مولانا نے اس جماعت کا بڑا استقبال فرمایا اور اس کیلئے اپنے خصوصی تعلق والوں اور بزرگوں کو خطوط لکھے اور مختلف مراکز سے جماعتوں اور پرانے کام کرنے والوں کو مرکز آنے کی پُرزور دعوت دی۔ اسی سلسلہ میں ایک مکتوب ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء کو (جن کا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بڑا تعلق تھا اور لکھنؤ کے کام کے درحقیقت وہی سرپرست و مربّی تھے) ارسال فرمایا جس میں اُن کو مرکز میں آنے اور قیام کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سب سے اہم اس وقت قلات سے ایک جماعت آئی ہوئی ہے جس میں وہاں کے ذمہ دار حضرات آئے ہوئے ہیں۔ ایک قاضی القضاۃ ہیں۔ دوسرے ناظمِ امورِ دینیہ تیسرے مستوفی، اور پانچ ریاست کے مبلّغ ہیں۔ ریاست کی طرف سے آئے ہیں۔ نواب صاحب نے اپنے یہاں تبلیغ کی اس تحریک کو موافق ایمان بنانے کا تہیہ فرمایا ہے۔ ان کو اگر کام پر اصول کے مطابق اور ان کے حقوق کی پوری رعایت رکھتے ہوئے نہ سمجھا دیا گیا تو کام کی بنیاد یا غلط پڑے گی یا آئندہ وہاں پر کام کی صورتیں مسدود لنظا ہر ہوں گی۔"[1]

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک فاضل اور تبلیغی امور سے دلچسپی رکھنے والے عالم ان دنوں بستی نظام الدینؒ میں مقیم تھے۔ ان کے واپس ہونے کے متعلق ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک خط لکھا جس کی وجہ سے وہ فوری طور پر واپس ہونے کو تیار ہوگئے۔ مولانا نے اس قلات والی جماعت کے پیشِ نظر اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

---

[1] مکتوب مولانا محمد یوسف صاحبؒ

"مولوی مظفر حسین صاحب کشمیری جناب کے گرامی نامہ پر فوراً روانہ ہونے کے لئے تیار رہیں، لیکن قلات کی جماعت کے قیام تک انہیں روک لیا گیا اور جماعت کے ہمراہ میوات روانہ کر دیا گیا، آپ ان کو ایک کارڈ اطمینان کا تحریر فرمادیں تاکہ وہ دلجمعی کے ساتھ اُن کے ساتھ مشغول رہیں، نیز لکھنؤ سے جماعت کے سلسلہ میں بھی سعی فرمائیں۔ دعاؤں کی اور دوسرے اہلِ درد حضرات سے دعا کی استدعا فرماتے رہیں۔

بندہ محمد یوسف ۱۷؍اپریل ۴۶ء

قلات کی یہ جماعت جب دہلی پہنچی تو اُس وقت مختلف اطراف کے کام کرنے والے موجود تھے یا آرہے تھے اور مرکز اصحابِ علم اور اہلِ درد و فکر کا اجتماع گاہ بن گیا تھا۔ مختلف جماعتیں آجا رہی تھیں، جس کی وجہ سے قلات کے ان مبارک و مسعود مہمانوں کا بڑا استقبال ہوا۔ مولانا اپنے اسی مکتوب میں ڈاکٹر صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِس وقت عمومی تأثرات پائے جاتے ہیں، آمد بڑی کثرت سے ہے۔ اِس وقت مختلف جماعات لاہور وغیرہ سے آئی ہوئی ہیں۔ ۱۸؍اپریل کو اجمیر کی جماعت آرہی ہے اور ۲۲؍اپریل کو مرادآباد کے انگریزی طبقہ کے اُونچے لوگ آنے والے ہیں۔"

قلات کا سفر قلات سے جماعت آنے کے بعد قلات میں اسی طریق پہ کام شروع ہوگیا اور ایک ماہ بعد قلات کے ذمہ داروں اور کام کرنے والوں کی درخواست اور استدعا پر، نیز قلات میں کام کے پیشِ نظر دہلی سے ایک بڑی جماعت جو اسّی آدمیوں پر مشتمل تھی قلات کو روانہ کی گئی۔ اس جماعت کے امیر حافظ مقبول حسن صاحب گنگوہی تھے۔ قلات کے سفر سے پہلے کراچی میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہوا تھا اور اسی اجتماع سے ایک بڑی جماعت قلات گئی۔ یہ جماعت تقریباً سو آدمیوں پر مشتمل تھی جو کراچی سے

شکارپور، کوئٹہ، قلات گئی۔ قلات کے اجتماع کے بعد جماعتیں پٹن، سراوان، جھالاوان ہوتی ہوئی پورا ایک ہفتہ کام کرتی ہوئی واپس ہوئیں۔

۵؍جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق ۸؍مئی ۱۹۴۶ء بروز سہ شنبہ صبح کے وقت مولانا محمد یوسف صاحب ۷ بجے کے ہوائی جہاز سے روانہ ہوکر ۱۲ بجے کراچی پہنچے اور اجتماع میں شرکت فرمائی۔ کراچی میں تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا۔ اس قیام میں برابر دعوت کا کام ہوتا رہا اور وہ سارے نظام ہوئے جو مولانا کے کسی شہر کے قیام کے دوران ہوا کرتے ہیں۔ جیسے ملاقاتیں، اجتماعات، تعلیم و تعلّم کی مجالس، گفتگوئیں وغیرہ۔ کراچی سے ۲؍رجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۳؍جون ۱۹۴۶ء بروز دوشنبہ کو قلات روانہ ہوئے۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ریل کے ذریعہ کراچی گئے اور کراچی سے ساتھ ہو گئے۔

قلات پہنچکر ایک ہفتہ قیام کیا۔ ۱۱؍رجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲؍جون ۱۹۴۶ء کو سہارنپور واپس ہوئے اور اسی دن شام کو نظام الدین تشریف لے گئے۔

قلات کے مختلف علاقوں میں لاری سے سفر ہوا۔ ایک جگہ لاری اُلٹ گئی اور کئی آدمیوں کو چوٹیں آئیں۔

اس سفر میں مولانا محمد عمر صاحب قلاتی ساتھ تھے۔ یہ بلوچی زبان میں ترجمانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس طرح قاضی القضاۃ عبدالصمد صاحب قلاتی کا تعلق مولانا محمد یوسف صاحب سے اور مرکز سے قائم ہو گیا تھا۔ وہ اس سفر میں بھی ساتھ رہے اور بعد تک نظام الدین آتے رہے اور قیام کرتے رہے اور اس تعلق کو برابر قائم رکھا۔ جمعہ کے بعد جامع مسجد قلات میں مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی تقریریں ہوئیں۔ اس اجتماع میں خان قلات اور اُن کے بھائی بھی موجود تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر حسب معمول طویل ہوئی لیکن اس کا اثر سارے علاقہ میں پڑا۔ اور عوام و خواص اس دینی دعوت سے جُڑنے لگے۔ مولانا کے اس خطاب سے ریاست کی دینی حالت میں تازگی آگئی اور دین کا

ذوق وشوق بڑھ گیا۔ لوگ جماعتوں کے ساتھ باہر نکلنے لگے، اس کے بعد مقامی اور غیر مقامی جماعتوں کی عرصہ تک چلت پھرت جاری رہی۔ مولانا قلات برابر جماعتیں بھیجتے اور وہاں کام کرنے پر آمادہ فرماتے رہے۔ تبلیغی کارکنوں کو اس سلسلہ میں ایک مکتوب لکھا جس میں تبلیغی کام کی ضرورت اور اہمیت کا اظہار فرماتے ہوئے قلات میں کام کرنے کے متعلق تحریر فرمایا:۔

"حق تعالیٰ شانہٗ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ قلات میں اس کام کی صورتیں پیدا فرمائیں اور وہاں جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ وہاں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حکّام، علماء، عوام تینوں طبقے بے انتہا متوجہ ہیں۔ پچھلی جماعت کا وقت ختم ہونے کے قریب آرہا ہے۔ وہاں سے بہت سی جماعتیں واپس آنے کو تیار ہیں۔ ایسی حالت میں کام خطرہ میں آگیا کہ جس مقدار پہ کام پہنچا کر واپس ہونا چاہیئے تھا وہ مقدار حاصل نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں جبکہ وہاں سے قاری سید رضا حسن صاحب کا خط آیا کہ اخیر جون تک جلد جماعت بھیجو، ہمارے اور تمہارے لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ اپنے مشاغل قربان کر کے چلّوں پر آمادہ ہو کر ان صورتوں کا جلد از جلد استقبال کریں ورنہ ہماری بے توجہی اور سستی اور قربان نہ ہو جانے سے کام کو خدانخواستہ ٹھیس لگی تو وہ ایک اعتبار سے بچ جائیں جو وہاں اپنے مشاغل اور دکان، زمین، دفتر، اسکول چھوڑتے ہوئے کام کر رہے ہیں اور ہم تم جو اپنے مادّی منافع میں اٹکے ہوئے ہیں کہیں گرفت میں نہ آجائیں لہٰذا آج جامع مسجد میں آخری بدھ کے اجتماع میں خود بھی شریک ہوں اور اپنی پوری جماعتوں کو بکثرت شریک کرنے کے ارادے سے قلات کے لئے خصوصاً اور مختلف اوقات کے لئے عموماً آمادہ کرتے ہوئے لائیں۔"

نظام الدین کا ایک اہم رمضان

نظام الدین میں ہمیشہ رمضان کا بڑا ہی اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ جب تک حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے

رمضان مبارک کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب نے پہلے رمضان کا پورا اہتمام کیا۔ اور اس طرح رمضان مبارک گذرا جیسے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ میں گذارا جاتا تھا۔ جماعتوں کی خوب آمد ہوئی اور تشکیلیں ہوئیں۔ لیکن یہ رمضان مبارک جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد تیسرا رمضان تھا، بڑے اہتمام سے گذارا گیا۔ ۲۸ر شعبان ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۹ر جولائی ۱۹۴۶ء کو حضرت شیخ الحدیث یکشنبہ کی شب کے میں نظام الدین تشریف لے گئے، تاکہ پورا رمضان گذاریں۔

اس رمضان میں سب سے زیادہ معتکفین تھے، تقریباً ۴۲ معتکف تھے۔ اندر باہر چند چند فٹ کے فاصلہ سے چادریں تنی تھیں۔ دور دور سے آئے ہوئے لوگوں نے اعتکاف کیا۔ حجرہ سے متصل جو مغربی گوشہ ہے وہاں حضرت شیخ الحدیث معتکف تھے اور جنوبی جانب مغربی گوشہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اعتکاف میں تھے۔ باقی حضرات مسجد کے ہر حصہ میں اعتکاف کر رہے تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحب نے تراویح میں قرآن سنایا۔ ۱۱½ بجے تراویح ختم ہوتی۔ ۱½ بجے تک حضرت شیخ کی خدمت میں یہ حضرات تشریف رکھتے۔ اور اکابر کی مجلس شوریٰ ہوتی۔ اور پھر نوافل اور سحری، بعد نماز صبح لوگ سو جاتے۔ ۱۰ بجے بیدار ہو کر قرآن کریم کی تلاوت، مذاکرہ، تعلیم وغیرہ ہوتی۔ بعد ظہر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی حضرت شیخ الحدیث صاحب کو حصن حصین سناتے۔ اور مولانا محمد یوسف صاحب بھی کبھی کبھی اس میں شرکت فرماتے۔

یہی وہ رمضان ہے جس میں ۱۶ر اگست کو یوم پاکستان منانے پر کلکتہ میں خون ریز فساد ہوا تھا، اور فسادات کا سلسلہ بمبئی وغیرہ شہروں میں بھی پھیل گیا تھا۔

لے لیکن سونے سے پہلے مولانا کی حسب معمول تقریر ہوتی اور یہ تقریر ڈیڑھ دو گھنٹے جاری رہتی اور باوجود رات بھر جاگنے کے تقریر ذوق وشوق سے سنتے رہتے۔

یہ رمضان المبارک نظام الدین میں باغ و بہار بن کر آیا تھا۔ ساری مسجد ذکر و تلاوت سے گونجتی رہتی تھی۔ ایک ہی وقت خانقاہ بھی تھی، مدرسہ بھی۔ ہر چھوٹا بڑا سارا دن اور ساری رات بس ذکر و تلاوت میں گذارتا۔ کوئی ایک قرآن روز پڑھتا، کوئی اس سے کم یا زیادہ۔ حضرت شیخ الحدیث اور مولانا محمد یوسف کی عبادت و ریاضت، مجاہدہ اور تلاوتِ قرآن کا پوچھنا ہی کیا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا جس میں یہ بزرگ خالی بیٹھتے ہوں پورے رمضان کی راتوں میں سونا خارج از بحث تھا۔ دن کو چند گھنٹے سو لیتے۔ پھر شب و روز عبادت میں گذار دیتے۔

نظام الدین میں اکابر کا ایک ہفتہ کا پُر آشوب قیام کلکتہ کے فساد کے بعد پورے ہندوستان کی فضا، بڑی مکدر ہو چکی تھی اور تقسیم ہند سے پہلے ہی سے ہندو مسلمانوں کے دل ایک دوسرے سے اتنے دور ہو چکے تھے کہ اب بات صرف زبان ہی پر نہیں آتی تھی بلکہ شمشیر و سناں کی حد تک پہنچ رہی تھی۔ خصوصاً دہلی کی فضا بہت زیادہ مسموم اور اشتعال پذیر ہو چکی تھی۔ ہر وقت اس کا خطرہ رہتا تھا کہ کہیں کسی جگہ فساد نہ ہو جائے۔

۱۶ر ذی الحجہ ۶۷ھ صبح کو حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری سہارنپور تشریف لائے اور مظاہر علوم کے سرپرستوں کے جلسہ میں شرکت فرمائی، اس کے بعد ارادہ تھا کہ نظام الدین میں طویل قیام کیا جائے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

" جلسہ سے فراغ پر نظام الدین کا کچھ طویل قیام تجویز تھا کہ سہارنپور میں شیخ رشید احمد صاحب کا تار ملا کہ راستے خطرناک ہیں اس لئے میں نہیں آ سکتا اور آپ بھی یہاں نہ آویں۔ اس سفر میں جامعہ ملیہ دہلی کے موقعہ پر اس کی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنا بھی حضرتِ اقدس رائے پوری کے دستِ مبارک سے

طے تھا، اور دہلی سے حضرتِ اقدس کی روانگی لکھنؤ طے تھی۔ مگر خطرات کی وجہ سے دہلی کا سفر بھی ملتوی ہوگیا۔ ۱۸ر ذی الحجہ کی صبح کو علی میاں بھی لکھنؤ سے سہارنپور آئے تھے تاکہ دہلی کے سفر میں حضرت کے ساتھ رہیں، اور پھر حضرت کو اپنے ساتھ لکھنؤ لے جاویں۔ مگر یہ سبب حضرت کے سفر کے التوا کی وجہ سے علی میاں جمعہ کی صبح کو دہلی روانہ ہوگئے۔ ۲۴ر ذی الحجہ تک حضرت رائپوریؒ کا قیام سہارنپور ہی میں رہا۔ اور ۲۴ر کی صبح کو میرے ساتھ ریل سے نظام الدین روانگی ہوئی۔ دہلی میں اسٹیشن سے اُترتے ہی شیخ جی سے ملاقات ہوئی، اور فساد کا شدید خطرہ بتلاکر بہت جلد بند کار میں نظام الدین چلتا کر دیا۔ ایک ہفتہ قیام کے بعد یکم محرم کو نظام الدین سے واپسی ہوئی۔"

اس ایک ہفتہ قیام کے دوران اہلِ تعلق کا بڑا ہجوم رہا۔ راستے پُرخطر تھے۔ جو لوگ پہلے ہی سے مرکز میں مقیم تھے یا سُن کر کسی نہ کسی طرح مرکز پہنچ گئے اُنھوں نے ان اکابر سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ خود مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ان دنوں آنے والوں میں تبلیغ کے متعلق بڑے ولولہ انگیز انداز میں خطاب کیا اور انھوں نے اس نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر کام کی اہمیت اور گشت و تعلیم پر بہت زور دیا نیز آنیوالوں کو ان اکابر کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی تلقین فرمائی۔

لکھنؤ اور رائے بریلی کا سفر لکھنؤ میں کام کی ابتداء حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہی کے زمانہ میں ہوچکی تھی اور حضرت مولانا لکھنؤ اور رائے بریلی، کانپور تشریف بھی لاچکے تھے۔ اس سفر میں حضرت مولانا کے ہمراہ میوات اور دہلی کی ایک بڑی جماعت تھی۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد لکھنؤ اور اطرافِ لکھنؤ، جیسے رحیم آباد، کرسی، نگرام وغیرہ کے لوگ مرکز جاتے اور قیام کرتے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی آمد ان اطراف میں رحیم آباد اور کرسی کے اجتماعات کے سلسلہ میں ہوئی۔ یہ مولانا کی ان اطراف میں دوسری

آمد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ لکھنؤ اور اطرافِ لکھنؤ پر اپنی رحمت فرمائی کہ مولانا کا سفر طے ہوگیا۔ سفر اس شان سے ہوا کہ اس سفر میں بھی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحؒ حضرت شیخ الحدیث نیز اور دوسرے علماء اور مشائخ ساتھ تھے۔ جن میں پیر محمد جان جو سندھ کے ایک مشہور بزرگ اور سلسلۂ مجدّدیہ کے ایک شیخ ہیں قابلِ ذکر ہیں مولانا محمد یوسف صاحب کا یہ سفر فروری ۱۹۴۷ء میں ہوا، ایک بڑا قافلہ مولانا کے ساتھ تھا۔ ایک روز پہلے حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا رائے پوری ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ براہِ کانپور پہنچ چکے تھے۔ یہ حضرات ۵ ربیع الثّانی پنجشنبہ کی صبح دہلی سے کالکا میل کے ذریعہ روانہ ہوکر کانپور اسٹیشن اُترے اور بذریعہ بس لکھنؤ آئے۔ اور بعد عشاء دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں قیام فرمایا۔ ۸ ربیع الثّانی کو صبح مستقل لاری کرکے رائے بریلی تشریف لے گئے۔ رائے بریلی لکھنؤ سے جانبِ شرق اُنچاس میل دور ایک شہر ہے جس کے مغربی جانب تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر "دائرہ شاہ علم اللہ" نام کا ایک گاؤں ہے جو تقریباً ۳۰۰ سال سے لبِ دریائے سئی آباد ہے جس میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجاہد اور بزرگ پیدا ہوئے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب مدظلہٗ کا بھی وہ وطن ہے۔ ان حضرات کا منتہائے سفر یہی گاؤں تھا۔ اس سفر میں بھی حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب شریک تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب

ؒ حضرت شاہ علم اللہ عہدِ عالمگیری کے ایک مشہور متبع سُنّت زاہد و عابد بزرگ گذرے ہیں جو شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین احمد المدنی (جنھوں نے ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہندوستان آکر کڑا مانک پور میں جو اس زمانہ میں الہ آباد سے پہلے الہ آباد تھا جہاد کیا) کے خاندان کے آخری مورث تھے۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت سید آدم بنوری کے فیض سے مستفیض ہوئے اور ۱۵۔۱۶ سال کی عمر ہی

{بقیہ حاشیہ برصفحۂ آئندہ}

رائے پوریؒ" میں اس سفر اور شرکائے سفر کے متعلق درج کرتے ہیں :۔

"آپ دہلی سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں قیام رہا، اور وہیں سے ۲۴ گھنٹے کے لئے راقم السطور کے وطن رائے بریلی تشریف لائے۔ علماء اور عمائد کی ایک بڑی جماعت ہمراہ تھی جن میں حضرت شیخ الحدیث اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے علاوہ پیر ہاشم جان صاحب مجددی، مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی، مولوی ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی مرحوم محمد شفیع قریشی (مرحوم سابق مقیم راولپنڈی) مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی بھی تھے۔ حضرت شاہ علم اللہ (جد امجد حضرت احمد شہیدؒ) کی مسجد کے سامنے دریا کے دوسرے کنارے یہ مبارک قافلہ اترا اور کشتی سے دریا عبور کر کے "شاہ علم اللہ صاحب کے دائرے" میں داخل ہوا۔ یہ ایک شب و روز کا قیام عجب کیف و سرور کا تھا جس کی لذت شرکائے سفر کو اور اہل شہر کو ابھی تک یاد ہے۔ دوسرے روز صبح لکھنؤ واپسی ہو گئی۔"

{حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ} میں مشرق کے دیار میں ان کے خلیفۂ خاص ہوئے۔ ان کی اولاد میں مسلسل مشائخ اور بزرگ ہر دور میں ہوتے رہے، ان سب میں ممتاز حضرت سید احمد شہیدؒ کی ذات بابرکات ہے جن سے اس کتاب کے ناظرین بخوبی واقف ہونگے۔ حضرت شاہ علم اللہؒ نے ۱۰۸۰ھ میں رائے بریلی سے مغربی جانب ایک میل کے فاصلہ پر لب دریائے سئی ایک گاؤں کی بنیاد رکھی جس کا نام دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) ہے۔ اور خود بنفس نفیس وہیں قیام فرمایا۔ ۱۰۸۲ھ میں بالکل لب دریا کعبہ کی شکل کی ایک مسجد تعمیر کی اور ۱۰۹۶ھ ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ہر دور میں علماء و مشائخ اس گاؤں میں برابر تشریف لیجاتے رہے اور عاصی قریب میں، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث اور آخر میں مولانا محمد یوسف صاحب تشریف لے گئے۔

علماء اور عمائد کا یہ مبارک قافلہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۰ فروری ۱۹۴۷ء
بروز اتوار تقریباً ۹ بجے صبح "دائرہ شاہ علم اللہ" پہنچا۔ استقبال کے لئے بستی کے سارے حضرات
نیز شہر کے اصحاب موجود تھے۔ ان حضرات کے قیام کے لئے مختلف بیٹھکوں میں انتظام کیا
گیا۔ راقم سطور ایک روز پہلے ہی انتظام کی خاطر پہنچ چکا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے
اس ایک روزہ قیام میں بھی تبلیغ کا کام کیا، اور بعد عصر قریب کے ایک گاؤں میدان پور میں
گشت و اجتماع کیا گیا۔ جس میں قریشی صاحب نے تقریر کی۔ بعد مغرب رائے بریلی کی عالمگیری
مسجد میں اجتماع ہوا، جس میں مولانا کا خطاب ہوا۔ بعد عشاء "دائرہ شاہ علم اللہ" کی مسجد میں
مولانا کا خصوصی خطاب ہوا جس میں بستی کے حضرات شریک ہوئے۔ اس وقت مولانا پر عرب
میں کام کرنے کا بہت زیادہ حال طاری تھا۔ خصوصی خطاب کے ختم پر اسی بستی کے ایک عالم
مولوی سید ابوالخیر صاحب (جن کو عربی ادب و زبان سے اچھا مذاق ہے) سے تعارف کرایا گیا
تو فرمایا آپ عرب میں کام کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ "دائرہ شاہ علم اللہ" کی یہ بستی
صدیوں سے بزرگوں کی آمد و رفت سے مستفید ہوتی رہی ہے۔ اور ہمیشہ بزرگوں نے اس بستی
میں مزید قیام کی خواہش کی ہے۔ اس سے پہلے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی آچکے
تھے۔ مولانا نے بھی طویل قیام کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ دوسرے دن صبح کو لکھنؤ واپسی
ہوئی اور وہاں سے ۱۱ ربیع الثانی بدھ کو ہاوڑہ ایکسپریس سے براہ رامپور دہلی واپس ہوئے۔

کراچی کا سفر کراچی اور ممبئی دو ایسی بڑی بندرگاہیں ہیں جہاں سے کثیر تعداد میں ہر
سال حجاج روانہ ہوتے ہیں۔ ان ساحلی مقامات پر عرصہ سے کام ہو رہا تھا۔ اور ۱۹۴۶ء سے
اس کام میں زیادہ زور اور تقویت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اسی سال سے جماعتوں کی حجاز روانگی
شروع ہوئی جو زیادہ تر کراچی سے ہوئی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی اس زمانہ میں حج
کو تشریف لے گئے اور مولانا محمد یوسف صاحب نے ان کو اس حج کی تحریک کی تھی تاکہ ان
کے ذریعہ حجاز کے لوگوں میں کام کی بنیاد پڑ جائے۔ اس لحاظ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کا یہ سفرِ حج بسلسلۂ تبلیغ ہی ہوا۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب ۵ رشعبان ۱۳۶۶ھ کو روانہ ہوئے اور اس کے بعد ہی مولانا محمد یوسف صاحب ۷ رشعبان کو ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی تشریف لے گئے۔ مولانا کے ہمراہ مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی بھی تھے۔ ۹ دن قیام فرمایا۔ اس درمیان میں مختلف مقامات کے اجتماعات کے علاوہ زیادہ تر حاجی کیمپ میں حاجیوں کے اجتماعات ہوتے رہے۔ اور مولانا ان اجتماعات میں برابر خطاب فرماتے رہے جن میں تبلیغی جماعتوں کی حجاز روانگی، حجاز میں کام کرنے کا طریقہ اور حجاز میں اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کے متعلق ہدایات فرماتے رہے۔ حجاج کے خیموں میں گشت بھی کراتے۔ اور نجی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی چلتا رہتا[1]۔ ۱۶ رشعبان کو مولانا ابوالحسن علی ندوی اور راقم الحروف ایک بڑی تبلیغی جماعت کے ہمراہ جس میں فضل عظیم صاحب مرادآبادی، حاجی نور الٰہی مرادآبادی، مولوی عبدالملک صاحب جامعی مرادآبادی، مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائلپوری بھی تھے، روانہ ہوئے۔ یہ حجاج کا دوسرا جہاز (اسلامی) تھا جس میں تبلیغی جماعت روانہ ہوئی۔ اس سے پہلے مولانا سعید خاں صاحب علوی جہاز سے ایک تبلیغی جماعت کے ہمراہ روانہ ہو چکے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب ہوائی جہاز سے ذریعہ دہلی تشریف لائے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے اس سفر سے ہی تبلیغی جماعتوں کی حجاز روانگی کی بنیاد پڑی۔

---

[1] حاجی عبدالجبار صاحبؒ جو مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ سے تبلیغی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اُن کی تحریک پر حضرت مولانا کراچی گئے اور حاجی احمد شاہؒ کے مکان پر قیام فرمایا۔

پانچواں باب

تقسیمِ ہند، اُس کے اثرات ونتائج

اور متأثرہ علاقوں میں دعوت و اصلاح کا کام

آ گئے تھے بجلیوں کی زد میں سب اہلِ چمن
میں نے اپنے آشیانے کو مقابل کر دیا

تقسیمِ ہند ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ بدنما اور خونی دور جس میں انسان جس کو خدا نے رحمت و شفقت کی اعلیٰ صفات عطاء کی تھیں، پھاڑ ڈالنے والا درندہ بن گیا، جانور تک کو تکلیف میں مبتلا پاکر جس کی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے تھے اُسی کی آنکھوں میں خون اُترنے لگا، جس نے معصوم سے معصوم مخلوق تک کو نہ چھوڑا، اور اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا، وہ دور ۱۹۴۷ء کا دور تھا، جب ملک دو ٹکڑے ہوا اور تبادلۂ آبادی کا خطرناک اقدام کیا گیا اور اس جمہوریت کے دور میں "ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ" کا منظر سبھی آنکھوں نے دیکھا۔

بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ، دہلی کے بالکل دہانے پر واقع ہے، مشرقی پنجاب کے علاقہ کی رہگذر ہے۔ پھر ہندوستان کے اس دارالحکومت میں مسلمان آبادی کا ایک اہم جزو تھے، اور تجارت و صنعت میں ممتاز، اس لئے ان کا آفت و مصیبت کا نشانہ

بننا قدرتی تھا۔

رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ (اگست ۱۹۴۷ء) بستی نظام الدین میں بڑا پُر آشوب گزرا تھا، حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ بھی ۲۹؍ شعبان کو نظام الدین میں پُورا رمضان گزارنے تشریف لے گئے تھے، مسجد میں اس سال قاری رضاء حسن صاحب بھوپالی نے قرآن شریف سُنایا اور مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے مکان میں۔ ۲۵؍ رمضان کو مولانا محمد منظور نعمانی بھی ایک جماعت کے ساتھ نظام الدین پہنچ گئے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان دنوں اپنے پہلے حج کے لئے حجاز گئے تھے۔ ۲۷؍ رمضان کی شب میں جبکہ ۱۵؍ اگست ۱۹۴۷ء تھی ملک تقسیم ہو گیا۔ اس سے ایک سال پہلے مسلم لیگ نے کلکتہ میں یوم سیاہ منایا تھا جس سے کلکتہ میں ہولناک فساد ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے تقریباً پورے مُلک کی فضا مسموم ہو چکی تھی۔

پناہ گزینوں میں تبلیغی کام کلکتہ کے فساد کے بعد مشرقی پنجاب، الور، بھرت پور کی ہندو ریاستوں میں فساد ہو گیا تھا۔ جہاں کے میواتی مسلمان جو بہت کم پڑھے لکھے اور کاشتکار قسم کے لوگ تھے اپنے گھروں سے اُجڑ اُجڑ کر دہلی آ چکے تھے۔ یہ تھے تو میواتی مگر تبلیغی کام سے بہت دُور تھے اور عقیدہ کے اختلاف کی بناء پر بھی بہت بُعد تھا، ان پناہ گزینوں کا پڑاؤ عموماً جامع مسجد کے سامنے والے میدان میں تھا۔ اس صورتِ حال سے مولانا کو بہت ملال اور دلی رنج تھا۔ چونکہ بعض بڑے تاجر، خصوصاً کراچی کے حاجی عبدالجبار صاحبؒ وغیرہ بھی رمضان گذارنے نظام الدین آئے تھے اور یہ سب معتکف تھے۔ پناہ گزینوں کی کثرت اور اُن کی بدحالی اور خستہ حالی تیز دین سے بُعد حتّٰی کہ کلمہ تک سے ناواقفیت کا اثر مولانا کے دل و دماغ پر بہت پڑا۔ مولانا کے نزدیک ان پناہ گزینوں کی اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ ان کو کلمہ نماز سے واقفیت ہو اور اُن کے اندر انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو۔ مولانا کے نزدیک یہ فساد اور اس فساد سے

یہ مصیبت درحقیقت عذابِ خداوندی تھا جس کو دور کرنے کا طریقہ صرف انابت الی اللہ کا ہی ہوسکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ظاہری آرام و راحت اور مادّی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے مختلف جماعتیں اور انجمنیں خدمت انجام دے رہی تھیں۔ ان جماعتوں کے علاوہ وہ حضرات جو اس وقت دہلی میں اچھے عہدوں پر فائز تھے اور ان کا تعلق تبلیغی تحریک سے بھی تھا، مادّی ضروریات جیسے ان پناہ گزینوں کی غذا، لباس وغیرہ کے انتظام میں مشغول تھے لیکن مولانا اس مصیبت کے حقیقی اسباب پر نظر رکھتے ہوئے ان میں تبلیغی کام پر زور دے رہے تھے اور یہ کیفیت اُن پر اتنی زیادہ طاری تھی کہ اُنہوں نے حاجی عبدالجبار صاحبؒ وغیرہ کا اعتکاف تک تڑوادیا اور فرمایا "آپ اپنی پنجابی برادری کو جو دہلی میں پھیلی ہوئی ہے ان مصیبت زدہ لوگوں میں کام کرنے پر آمادہ کیجئے"۔ مولانا بڑے زور و قوت سے فرماتے کہ "اِس وقت ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں یہ آپ کے کام کرنے سے خدا کی طرف پوری طرح متوجّہ ہو جائیں گے تو عذاب ٹلے گا"۔

مولانا کے حکم پر تبلیغی جماعتوں نے ان پناہ گزینوں میں پہنچ کر کام کرنا شروع کر دیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان میں پہنچے۔ کرفیو لگا ہوا تھا اور فوج کا سخت پہرہ تھا تبلیغی جماعت نے مچھلی والوں کی مسجد میں (جو جامع مسجد کے سامنے والے میدان کے جنوبی جانب ہے) پڑاؤ ڈالا۔ میدان میں جانا دشوار تھا لیکن موقعہ پا پاکر تیزی سے میدان میں پہنچ جاتے اور پناہ گزینوں میں کام کرتے۔ پہلے پہل یہ پناہ گزین مچھلی والوں کی مسجد میں پڑے تھے، ان کی کثرت اور مصیبت کی وجہ سے مسجد کی صفائی اور انتظام میں دقت ہوتی تھی۔ مسجد میں آنے جانے والوں میں بہت سے ایسی طبیعت کے لوگ تھے جو اِن پناہ گزینوں کی بے ترتیب زندگی اور ان کی وجہ سے گندگی سے ناک بھوں چڑھاتے اور ان کو اس طرح رہنے اور گھریلو انداز سے سونے جاگنے سے منع کرتے۔ مگر وہ کہاں اس پر عمل کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد کے منتظمین نے اُن کو خدا کے گھر سے بھی نکال دیا اور

وہ سامنے والے میدان میں آسمان کے نیچے بارش اور دھوپ میں زندگی گزارنے لگے۔ ان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ اخلاقی پستی، دینی بدحالی، دنیاوی مصیبت کا طوفان آگیا جس نے ہر دردمند دل کو رونے پر مجبور کر دیا۔ تبلیغی جماعتوں نے موت سے بے پرواہو کر سر سے کفن باندھا اور بے خطر شب و روز ان میں کام کرنا شروع کر دیا۔

رمضان کا مہینہ تھا، جماعتوں کا یہ حال تھا کہ دن کو روزہ رکھے ہوئے میلوں پیدل چلتیں، افطار کا وقت ہو جاتا، ایک دانہ بھی پاس نہ ہوتا کہ اس سے افطار کریں۔ مگر ان مصیبت زدوں کی مصیبت کا احساس اتنا غالب ہو چکا تھا کہ بھوک پیاس سے بے پرواہ ہو کر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک پیدل چل چل کر گھنٹوں مسلسل ان پناہ گزینوں میں تبلیغی کام کرتیں، ان کو مسلمان ہونے کا احساس دلاتیں، خلاف اسلام باتوں سے روکتیں اور اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتیں، جماعتیں پیدل اس لئے زیادہ تر چلتیں کہ اس وقت تانگے چلانے والے اکثر غیر مسلم شرنارتھی ہوتے جو کھلے طریقہ پر مسلمان نظر آنے والوں کو اپنی سواریوں پر بٹھلانے پر بالکل راضی نہ ہوتے۔ اور یہ حال صرف تبلیغی جماعتوں کا نہ تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی اسی بے قراری اور بے تابی کے ساتھ ان میں پھرتے۔ ایک پرانے کارکن[1] جو اس زمانہ میں پناہ گزینوں کے اندر باوجود اپنی معذوری اور ایک پیر کے نہ ہونے کی وجہ سے کام کر رہے تھے اور سینکڑوں تندرست و توانا جوان ہمت لوگوں کے لئے باعثِ غیرت بنے ہوئے تھے، مولانا کے عمل اور جدوجہد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"حضرت مولانا کا حال یہ تھا کہ وہ پناہ گزینوں میں دوڑتے رہتے تھے اُن کو اپنے تن بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ پیروں میں چھالے پڑ جاتے، پیدل، سوار جیسے بن پڑتا پہنچتے اور دربدر پھرتے اور اُن کو جمع کر کے تقریریں کرتے

[1] افتخار فریدی صاحب مراد ہیں۔

ان کی ہمت بندھاتے، ایمان و توکل کا سبق دیتے، اور اس پوری مدت میں حضرت مولانا کو بھوک پیاس کا ذرا بھی ہوش نہ رہتا۔"

ایک اثر انگیز دعاء تقسیم کی رات کو چونکہ مولانا محمد یوسف صاحب اپنے گھر میں قرآن شریف سنا رہے تھے اس لئے باہر مسجد میں تراویح کے بعد بارہ بجے کے قریب جبکہ تقسیم کا اعلان ہونے والا تھا اہلِ مرکز متوجہ ہوکر اللہ کے حضور دعاء گو ہوئے۔ سارے اہلِ مرکز جمع ہوئے۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اپنے خاص انداز میں دعاء کرانی شروع کی اور خوب رو رو کر دعاء کی۔ خود بھی روئے اور سارے حاضرین جن کے دل شکستہ تھے، بہت زیادہ اشکبار ہوئے۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے سب سے پہلے " اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ الخ پڑھا، اس کے بعد دعاء کی۔

دہلی کا فساد اور تبلیغی کام کرنے والوں کا عزم و ثبات عید کے بعد دہلی اور اطراف دہلی میں فساد شروع ہوگیا راستے بند ہوگئے، اب فساد اور کشت و خون خاص شہر میں ہونے لگا۔ مولانا اس وقت صرف پناہ گزینوں میں کام کرنے پر مُصر تھے، اس سلسلہ میں آپ مرکز میں مقیم حضرات کے سامنے برابر خطاب فرماتے، شہر کے دفاتر میں کام کرنے والے ان مسلمانوں نے جن کا پہلے سے تبلیغی کام سے تعلق تھا اور ہر جمعرات کو حاضری ہوتی رہتی تھی، چلّہ کا نظام بنایا۔ دن بھر دفاتر میں کام کرتے اور سرِ شام نظام الدین آجاتے اور رات وہیں گذارتے اور پھر صبح ہی اپنے دفاتر چلے جاتے۔ ان حضرات کا یہ عمل بڑے عزم و ہمت کا تھا۔ راستے پُر خطر تھے، کئی بار یہ حضرات فسادیوں کی زد میں آئے اور ان میں بعض شہید بھی ہوگئے اور بعض کو جسمانی اذیت پہنچی اور مقابلہ میں ہاتھوں کی انگلیاں کٹ گئیں، مگر اُن کے عزم و ثبات میں فرق نہ آیا۔ اُن کے عزم سے دوسروں کی ہمت

بندھی اور سر ہتھیلی پر رکھ کر اہلِ مرکز نے ان پناہ گزینوں میں دین کا کام کیا۔ اب پورا شہر فساد کی آگ میں جھلس رہا تھا اور کسی کی عزت، مال، جان محفوظ نہ تھی۔ مگر تبلیغی کام کرنے والے حضرات مولانا کی بے چینی و بے قراری سے متأثر ہو ہو کر اس آگ میں کود کود کر دین کا کام کر رہے تھے۔

دہلی سے اُجڑنے والے مسلمان ہمایوں کے مقبرہ، عرب سرائے اور نظام الدین کی سڑکوں پر اور پرانے قلعہ میں پناہ گزین تھے اور میوات کے اُجڑنے والے وہ میواتی جن کا تعلق مرکز سے تھا، نظام الدین میں بسے ہوئے تھے۔

مولانا کی بیقرار طبیعت مولانا کو خدا نے ایسا دردمند دل دیا تھا کہ وہ اس صورتِ حال سے انتہائی بے قرار ہو گئے اور ان اُجڑے ہوئے مسلمانوں کی آبادکاری اور ان کے دین و ایمان کی فکر میں شب و روز وقف کر دیئے۔ نظام الدین میں ایک صاحب رہتے تھے، جن کے کئی مکانات تھے۔ جب پناہ گزینوں کی آمد ہوئی تو مولانا نے ان صاحب سے کہا کہ آپ چند مکانات ان اُجڑے ہوئے مسلمانوں کے قیام کے لئے دیدیں، تو ان صاحب نے معذرت کی، اور کہا کہ ایک مکان میں میرا لڑکا رہتا ہے، ایک میں میں، ایک میں میرا داماد رہتا ہے۔ مولانا نے ان کی بے توجہی اور سخت دلی کو دیکھکر فرمایا "اللہ سے ڈریئے اور اس مصیبت کے وقت ان مصیبت زدوں کے کام آیئے۔ ایک مکان میں آپ سب رہ سکتے ہیں، بقیہ مکانوں میں اُجڑے ہوئے مسلمانوں کو پناہ دیں۔" اس کے باوجود اُنھوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ خدا کا کرنا کہ وہ بھی فساد کی لپیٹ میں آگئے اور عبرت مقام یہ تھا کہ پناہ گزینوں کے کیمپ میں وہ صاحب بڑی بے سر و سامانی کی حالت میں دکھائی دیئے اور اُن کے گھر والوں کا پتہ نہ چل سکا کہ وہ کس حال میں ہیں اور کہاں ہیں؟

جو پناہ گزین مرکز کے قریب مقیم تھے وہ پانی لینے کی خاطر مرکز آجاتے اور حوض سے اس طرح پانی لیتے کہ سارا حوض گدلا ہو جاتا اور پانی ختم ہونے لگتا۔ مرکز کے بعض رہنے

والے اس گندگی اور افراتفری کو دیکھکر ان پانی لینے والوں کو منع کرنا چاہتے مگر مولانا سختی سے اس طرز عمل کو روکتے اور فرماتے کہ "یہ مصیبت زدہ ہیں، ان کو مت روکو بلکہ ان کی سہولت کا ہر سامان مہیا کرو۔"

افتخار فریدی صاحب جو اس نازک موقعہ پر مرکز میں موجود تھے مولانا کی بیقرار طبیعت اور ان پناہ گزینوں اور مصیبت زدہ بھائیوں پر شفقت و رحمت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"بستی نظام الدین کے مسلمان تقریباً بستی خالی کر کے جا چکے تھے، حتیٰ کہ درگاہ کے تمام لوگ بستی چھوڑ چکے تھے۔ لیکن یہ تبلیغی مرکز اسی طرح آباد رہا جیسے پہلے تھا۔ حضرت مولانا بے قرار ہو ہو کر ہر اُس شخص سے جو مرکز میں مقیم تھا فرماتے "جو کچھ تمہارے پاس ہے جمع کر دو اور ان مصیبت زدہ اور فلاکت زدہ لوگوں پر خرچ کرو، ان کو کھلاؤ پلاؤ، ان کی حفاظت کا سامان کرو ان میں کام کرو۔ تم کو معلوم نہیں کہ یہ لوگ کس سبب سے لُٹے پٹے ہیں۔ یہ اس لئے لُوٹے اور پیٹے گئے ہیں کہ مسلمان ہیں۔ ایمان اور کلمہ والے بننے کے جرم میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں، اب یہی چیزیں ان میں پیدا کرو تا کہ صحیح طور پر اور سچّے طریقہ سے مسلمان رہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا بے دریغ روٹی اور کپڑا، ان لوگوں میں تقسیم کرتے، اور اس وقت جمع کرتے اور دوسرے وقت کیلئے محفوظ رکھنے کو گوارہ نہ فرماتے۔"

تبلیغی کام کا طریقہ ہزاروں کی تعداد میں پڑے ہوئے پناہ گزینوں میں کام کرنے کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا، ایک تو راستہ کا خطرہ، دوسرے ان میں پہنچکر ان کی مصیبت اور بدحالی کا دیکھا نہ جانا اور سینکڑوں مسائل کا در پیش ہونا۔ جو لوگ بھی ہمت کر کے ان میں پہنچ جاتے تو اُن کی بیکسی و بے بسی کا قیامت خیز منظر دیکھ کر بے قابو ہو جاتے

اور جب یہ دیکھتے کہ اس مصیبت اور کس مپرسی کے عالم میں بھی انابت الی اللہ اور خوفِ خدا کا اثر تک نہیں ہے اور شعائرِ دینی اور احکامِ خداوندی سے اسی طرح رُوگردانی ہے، جیسے اطمینان و سکون کے دور میں ہوا کرتی ہے تو ان کا دل رکھنے لگتا ہے، ان کی پستی کا حد سے گزرنا دیکھ کر آنکھیں اشک بار ہو جاتیں اور وہ کام کرنے والے کام کر کے واپس لوٹتے اور یہ سارا حال جب سناتے تو ہر ایک افسردہ ہو جاتا۔

کام کرنے والے اہل الرائے حضرات نے تقسیم کے وقت دہلی کو چار منطقوں میں (جہاں جہاں مسلمان آباد تھے یا سمٹ کر جمع ہو گئے تھے) تقسیم کر دیا تھا اور شب و روز کبھی ایک منطقہ میں، کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے اور چوتھے میں پہونچتے اور نہایت اخلاق و شفقت و محبت سے پیش آتے، ان کو نزاکت کا احساس دلاتے اور اللہ کی طرف متوجہ کرتے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کا احسان

اس طرح چلنے پھرنے میں ہزار رکاوٹیں تھیں ایسے پُرخطر دور میں ادھر سے ادھر جانا دشوار تھا۔ ذرا قدم نکالا موت نے آدبوچا یا گرفتار بلا ہوئے، یا فوج یا پولیس کے حوالے، بڑے سے بڑے ہمدرد و تعلق رکھنے والے آنکھیں پھیر لیتے، حتیٰ کہ بعض ایسے اہم ترین اور مخلص ترین پُرانا تعلق رکھنے والے اصحاب جو اس وقت صاحبِ اختیار تھے اور جن کا حکومت میں اثر و رسوخ تھا انھوں نے بھی ایسے پُرخطر دنوں میں خاموش رہنے کا مشورہ دیا اور اس طرح بے محابہ پھرنے اور کام کرنے سے مصلحتِ وقت کی بناء پر منع کیا اور اسی کا مشورہ دیا کہ اپنی اپنی جگہ پر خاموشی سے کام کیا جائے۔

لیکن اس اندھیری رات میں روشنی کی ایک ایسی شمع بھی جلی جس نے روشنی دی،

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا کہنا ہی کیا کہ وہ برابر مرکز اور مرکز والوں کی سرپرستی فرماتے رہے اور ان کی ہمت کو شکستہ ہونے سے بچائے رکھا، لیکن مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ نے اپنی مجاہدانہ زندگی، دیرینہ تعلق اور احساسِ فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا، دامے، درمے، سخنے تبلیغی جماعتوں کا ساتھ دیا، مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کے ہمراہیوں کی خبر گیری شب و روز رکھی۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ ہمیشہ اُن کے اس احسان کا ذکر کرتے رہے کہ جب کہ سب کی ہمتیں چھوٹ چکی تھیں اور اپنے بھی پرائے ہو رہے تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور "اپنی جماعت" بتا بتا کر جہاں جہاں یہ جماعت جانا چاہتی بھیجتا اور اس کی حفاظت کا سامان کرتے۔ افتخار فریدی صاحب جو عام طور پر ایسے نازک موقع پر تبلیغی جماعت لے کر مولانا کے پاس جاتے اور پروانہ راہ داری کے طلب گار ہوتے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ہمیشہ ان نازک مواقع پر جماعت کا جی بھر کر ساتھ دیا۔ جماعت جب بھی ان کے پاس جاتی وہ باوجود اس کے کہ سینکڑوں مسائل ان کے ذہن و دماغ کو مشوش بنائے ہوتے اور جب کہ بڑے سے بڑا مضبوط دل و دماغ رکھنے والا بھی ہوش میں نہ رہتا اس جماعت کی بات کو غور سے سنتے اور فوراً پرچہ لکھ دیتے "یہ جماعت ہماری جماعت ہے۔" اس پرچہ کو لے کر جماعت جہاں جانا چاہتی چلی جاتی اور کہیں بھی پولیس مزاحم نہ ہوتی، اس کے علاوہ خود مولانا اپنا وقت نکال کر گشت کرتے ہوئے بستی نظام الدین آجاتے اور حالات دریافت کر کے اطمینان حاصل کر کے واپس ہو جاتے۔"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا رویہ اس زمانے میں تبلیغی جماعتوں کے ساتھ ایسا مشفقانہ اور کریمانہ تھا کہ بعض اوقات ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں جو مولانا کو پریشانی

اور اُلجھن میں ڈال دیتیں لیکن کسی وقت بھی ہمدردی اور شفقت کا ہاتھ نہ اُٹھاتے اور اپنے رویّہ میں ادنیٰ سا فرق بھی نہ آنے دیتے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ایک خاص مزاج تھا، وہ کسی ایسے اجتماع اور جلسہ میں شریک نہ ہوتے جو صرف سیاسی ہو یا جس میں شرکت سے تبلیغی کام پر اثر پڑے، اس نازک موقع پر ایسے کئی حالات پیش آئے۔

ایک مرتبہ میوات میں گھاسیڑہ کے مقام پر ہندو مسلمانوں کا حکومتی پیمانے پر ایک جلسہ کیا گیا، جس میں گاندھی جی، سردار پٹیل اور پنڈت نہرو بھی شریک تھے، چونکہ یہ میوات کا علاقہ تھا اور مولانا محمد یوسف صاحب سے تعلق رکھنے والے اس کے باشندے تھے اور وہی لوگ فساد سے متاثر ہوئے تھے، لیکن یہ جلسہ خالص سیاسی طرز کا تھا اور مولانا اس قسم کے کسی جلسہ میں شرکت نہ فرماتے تھے، بلکہ اپنے کام کے لئے مفید بھی نہ جانتے تھے اور مزید خطروں کا باعث سمجھتے تھے، اس لئے اس جلسہ میں بھی شرکت نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحب جن کا تعلق بھی مولانا سے گہرا تھا، اور ہمیشہ شفقت و محبت سے پیش آتے تھے، بستی نظام الدین تشریف لے گئے اور مولانا سے فرمایا کہ، آپ بھی اس جلسہ میں شریک ہوں لیکن مولانا نے ان حضرات کے احترام کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے اپنی عدم شرکت کا اظہار فرما دیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے مولانا کے صریح انکار اور اپنی پوزیشن کی نزاکت کے باوجود کسی قسم کی ناراضگی یا بیزاری کا اظہار نہیں کیا اور آئندہ بھی کبھی اس ناگواری کو زبان پر نہ لائے اور دبی زبان سے بھی کبھی ذکر نہ کیا، بلکہ ہر آڑے وقت برابر جماعتوں کی ہر طرح کی مدد کی اور جو بھی رکاوٹیں پیش آئیں ان کو دُور کیا۔ یہی وہ مولانا کا طرزِ عمل تھا کہ جس نے مولانا محمد یوسف صاحب کے دل کو تشکّر اور ممنونیت سے بھر دیا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا یہی وہ احسان ہے جس کو ہمیشہ یاد کیا گیا اور مرکز کے ہر بڑے چھوٹے نے اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

دِل کی چوٹ دہلی کی تباہی اور مسلمانوں کے خون کی ارزانی خصوصاً اہل تعلق کے گھر بار کے اُجڑنے سے مولانا کے دل کا کام ہو گیا۔ برسوں جس چمن کی آبیاری میں مولانا اور اُن سے پہلے ان کے والدِ محترم نے اپنی ساری توانائیاں خرچ کر دی تھیں اور جس کام کے لئے اپنی زندگی جیسی عزیز متاع قربان کر دی تھی، اس کے کارکنوں کے اس طرح اُجڑنے اور بے گھر ہونے نے مولانا کے دل میں رِستا ہوا ناسور پیدا کر دیا۔ مولانا کو ان کے جان و مال کی بربادی سے زیادہ ان کے ایمان اور دین جیسی متاع کے لٹنے کا غم تھا اور یہی غم ان کو اندر اندر گُھلا رہا تھا

صُبّت علیّ مصائب لو انّھا

صبّت علی الایّام صرن لیالیا

وہ میوات جس کی اصلاح کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ساری زندگی ختم کر دی، جہاں صدہا مدرسے اور مکاتب کھولے، جہاں سینکڑوں حفاظ اور قراء تیار ہوئے۔ وہ آگ کی لپیٹ میں آگیا اور چشم زدن میں ویران ہو گیا۔

مدارس آیات خلت من تلاوتی

ومنزل علی مقفر العرصات

جہاں آیاتِ قرآنی کا دن رات درس ہوتا تھا، وہ مقامات تلاوت تک سے محروم ہیں اور جہاں علم کا شب و روز چرچا تھا، وہاں دھول اُڑتی نظر آرہی ہے۔

مثالی عزم و ثبات میوات کے چند علاقے اس آگ سے محفوظ رہے تھے اور خدا کی شان جہاں تبلیغی کام ہوتا رہا تھا اور جہاں کے لوگ تبلیغی تحریک سے گہرے طور پر وابستہ تھے، ان کو اللہ نے ایک حد تک اس محشر خیز فساد سے محفوظ رکھا، لیکن دہلی کی کایا پلٹ گئی، اس کے چند ہی محلے محفوظ رہے ورنہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس فساد کی آگ پھیل گئی اور مرکز کے برابر آتے جانے

والے تک اس کی لپیٹ میں آگئے اور ہزاروں کو ملک تک چھوڑ دینا پڑا، حتیٰ کہ مرکز بھی اس کی زد میں آگیا، ہر وقت اس کا خوف لگا رہتا تھا کہ کب فسادیوں کا مرکز پر حملہ ہو جائے رات ہوتی تھی تو صبح کا ٹھیک نہ تھا اور دن ہوتا تھا تو رات کا ٹھیک نہ تھا۔ ایک عرصہ تک نظام الدین کا مرکز ایک جہاز کے مانند ہو گیا تھا جو بلاخیز طوفانوں کے درمیان ہچکولے کھاتا پھرتا تھا اور بڑے سے بڑے صاحب ہمت آدمی کے بھی بعض وقت قدم اکھڑ جاتے تھے، اس غیر یقینی صورتِ حال سے بعض حضرات کی ہمت چھوٹ گئی اور باوجود عزم و ثبات اور ارادہ و عہد کے وہ اپنے عزم پر قائم نہ رہ سکے اور چار و ناچار وہ ترکِ وطن کر گئے۔

اس غیر یقینی صورت حال کی کیفیت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی زبان فیض ترجمان سے سنئے:۔

"تقسیم کے بعد اسپیشلوں کی روانگی نظام الدین کے اسٹیشن ہی سے ہوتی تھی اور پاکستان جانے والی جماعتیں اور افراد سب جگہ سے کھینچ کر نظام الدین میں جمع ہو جاتے تھے اور بعض اوقات اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بنگلہ والی مسجد، پوسٹھ کھمبا اور نظام الدین کی سڑکیں اور گلیاں اتنی پُر ہو جاتی تھیں کہ قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی، لیکن جب اسپیشل روانہ ہو جاتی تھی تو "ہو" کا عالم ہو جاتا تھا۔ جانے والوں کو جاتا دیکھ کر نظام الدین میں رہنے والے بہت سے متزلزل ہو جاتے تھے اور بہت سے ساتھ بھی چلے جاتے تھے۔ مولانا یوسف صاحبؒ کا اور میرا ایک مستقل اختلاف تھا، وہ مرحوم جب کوئی شخص ان سے جانے کا نام لیتا تھا، اس پر ناراض ہوتے تھے، اور خوب خفا ہوتے تھے کہ موت سے بھاگتے ہو، اور مجھ سے جب کوئی شخص اجازت مانگتا تھا تو میں کہدیتا تھا کہ شوق سے۔ اس سلسلے میں بار بار مولانا یوسف

صاحب کو لوگوں سے یہ پوچھنا بھی پڑا کہ جو یہاں مرنے کے لیے جم کر رہنا چاہیے وہ بتادے، بہت سے لوگ امنگوں میں اور مولانا کے جوش تقریر میں بڑھ بڑھ کر اپنا نام پیش کرتے تھے، لیکن حالات [illegible] پیش ہی جانے والوں کا ہجوم ہوتا تھا تو پھر متزلزل ہو جاتے [illegible] پختہ سید رضا مرحوم بھوپالی رہے، [illegible] کیا کہ [illegible] شیخ الحدیث اور مولانا یوسف صا[illegible] چلے [illegible] مردوں کا [illegible] سلسلے میں ایک مولوی صاحب جو پہلے کسی [illegible] [illegible] شوق میں بلا کسی مشورے کے استعفا د[illegible] مقیم تھے حضرت رائے پوری سے بیعت بھی تھے، کچھ دن [illegible] نظام الدین آگئے تھے، وہ اس سلسلے میں نظام الدین میں قیام [illegible] پڑے رہنے پر ایسی زوردار تقریریں کیا کرتے [illegible] جانے والے حضرات بھی نہ جانے کا فیصلہ کر لیتے تھے۔ مولانا یوسف [illegible] تو ہر وقت تقریر کا سلسلہ تھا، لیکن جب وہ کسی ضرورت سے کہیں استنجے وغیرہ کے لئے جاتے تھے تو کوئی دوسرا تقریر شروع کر دیتا تھا اس میں یہ مولوی صاحب بہت پیش پیش تھے جب مولانا یوسف صاحب کی تقریر ختم ہوتی تو یہ فوراً تقریر شروع کر دیتے تھے اور مولانا یوسف صاحب سے زیادہ زوردار الفاظ میں ثبات پر زور دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ظہر کے بعد مولانا یوسف رح صاحب کے منبر پر پہنچنے میں دیر ہوئی تو وہ نہایت زوردار تقریر کر رہے تھے، جب مولانا یوسف صاحب رح منبر پر پہونچ گئے تو وہ منبر سے سیدھے میرے پاس آئے اور آکر کہا کہ :۔

"حضرت یہاں دین کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر دین کا کوئی کام کرنا ہے

تو اس وقت پاکستان جانا چاہیئے، وہاں مسلمانوں کا اجتماع ہے، مسلمان سب وہاں جارہے ہیں اور یہاں مسلمان رہے گا کون، آپ حضرت سے اجازت دلوادیں، میں اسی وقت اسپیشل سے جارہا ہوں"۔

میں نے حسب عادت کہا کہ "خوشی سے، اجازت ہے میری طرف سے بھی اور حضرت کی طرف سے بھی"۔ ان صاحب نے کہا،

"میں حضرت کی زبان سے براہ راست اجازت لینا چاہتا ہوں"۔

وہ اس قدر بے تاب تھے اور اسپیشل کا وقت قریب تھا، میں نے ایک لڑکے کو منبر پر بھیجا اور مولانا یوسف صاحبؒ کو یہ پیغام دیا کہ ایک منٹ کو میرے پاس ہو جاؤ۔ مولانا یوسف صاحبؒ تقریر چھوڑ کر اور یہ کہہ کر کہ "میں ابھی آیا، بیٹھے رہو"، وہ مولوی صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا کہ یہ مولوی صاحب جانا چاہتے ہیں، میں نے تمہاری اور اپنی طرف سے اجازت دے دی، لیکن یہ تمہاری زبان سے اجازت چاہتے ہیں"۔ مولانا نے کہا کہ حضرت شیخ کی اجازت کے بعد میری اجازت کیا چیز ہے؟ "شوق سے اجازت ہے"، مولانا چلے گئے۔ اور وہ بھی رخصت ہو گئے، پھر انھوں نے نظام الدین کے خواص کو چُن چُن کر بابو جی[1] کے ہوٹل کے سامنے نیم کے نیچے سب کو جمع کیا اور جو رہ گئے تھے ان کو بھی بلایا اور ایک بہت زوردار تقریر کی کہ اب دین کا کام ہونے کی کوئی صورت یہاں نہیں ہے۔ اصل مقصود دین کا کام ہے۔ قبر پرستی ہمارا کام نہیں، جس کو دین کا کام کرنا ہو ہمارے ساتھ چلے اور جس کو قبروں کی پرستش کرنا ہو وہ یہاں رہے۔ حضرت جی ہمارے ساتھ چلنے کو بالکل تیار ہیں مگر وہ صرف شیخ کی وجہ

---

[1] بابو ایاز صاحب جو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی خدمت میں رہتے تھے اور سفر و حضر کے رفیق و خادم تھے۔

سے مجبور ہیں اور شیخ الحدیث صاحب مدظلہ صرف شہادت کے شوق میں یہاں پڑے ہیں، ان کی طرف کوئی نہ دیکھے، میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے خوب معلوم ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی تمنا صرف یہ ہے کہ ان کو شہادت مل جائے اور ان کے اس مقولے کا مقصد، کہ حضرت جی تیار ہیں یہ تھا کہ دہلی کے وہ مخلص جو نہایت تعلق رکھنے والے، نہایت کام سے وابستہ جو پاکستان جا رہے تھے ان کا مولانا مرحوم پر شدید اصرار تھا کہ دین کا کام صرف پاکستان میں ہو سکتا ہے، ہندوستان میں دین کے کام کی کوئی صورت نہیں اور اس وقت کے ظاہری حالات کا تقاضا بھی یہی تھا، اور مولانا مرحوم پر جب وہ اصرار کرتے تو مولانا مرحوم کا صرف ایک جواب ہوتا تھا کہ اگر شیخ الحدیث جا دیں تو مجھے کوئی انکار نہیں، وہ نہ جاویں تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اس لئے ان میں سے بعض حضرات روزانہ تقریباً ۲۵۔۳۰ ٹکٹ ہوائی جہاز کے خرید کر ظہر کے وقت روزانہ آتے تھے اور عشاء تک اصرار کرتے تھے کہ دین کی خاطر پاکستان تشریف لے چلیں، میرا صرف ایک جواب تھا کہ اس وقت میرے دو بزرگ موجود ہیں، حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) اتنے ان دونوں سے بات نہ کر لوں جانے کا واہمہ بھی نہیں کر سکتا۔ ان حضرات کا اصرار تھا کہ آدمی بھیج کر دونوں حضرات سے اجازت منگوالیں، میرا جواب تھا کہ یہ کافی نہیں۔ اجازت تو وہ حضرات فرما دیں گے لیکن کوئی زبانی گفت گو نہ ہو اتنے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور راستے اس قدر بند تھے کہ مجھ کو مسجد سے نکلنا اور ان دونوں حضرات کو اپنے مستقر سے نکلنا نہایت دشوار تھا، اس بنا پر ان مولوی صاحب کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو آمادہ ہیں اور شیخ کو شہادت کی تمنا۔ اس تقریر پر نظام الدین کے بعض حضرات جو مستقل قیام کرنے والے تھے پاکستان روانہ

ہو گئے اور مولوی صاحب شام کو اسپیشل سے روانہ ہو گئے۔"

مرکز پر حملے کا خطرہ مرکز چونکہ اس وقت قدم جمانے والے اہل محبت کا مرکز اور پناہ گزینوں مرجع بنا ہوا تھا، اس لئے فسادیوں کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتا تھا، کئی بار انھوں نے حملہ کی تیاری کی مگر خدا نے حفاظت کی اور اپنی خاص نصرت سے اس کو محفوظ رکھا۔ شیخ الحدیث فرماتے ہیں:۔

"مسجد کے اوپر فسادیوں کی طرف سے ہر دوسرے تیسرے دن شدید فساد کی اطلاع آتی رہتی تھی اور وہ بے محل بھی نہیں تھیں، معلوم ہوا کہ یہ غلط بھی نہیں تھیں۔ کئی مرتبہ بہت کوششیں مسجد پر حملہ کی ہوئیں مگر ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی غیبی مدد کھلی ہوئی ہوتی تھی کہ اس کو اللہ کے انعام کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ بھوگل سے پرلی طرف کئی ہزار کا مجمع لاٹھیوں اور بندوقوں سمیت جمع ہے اور آج رات کو مسجد پر حملہ ہونا طے ہے، مغرب کے بعد سے ایسی زور کی بارش بجلی کی کڑک اور اولے پڑے کہ راستے پانی سے بھر گئے اور ان کو پیش قدمی کی ہمت نہ پڑی،

ایک مرتبہ ایسے ہی مجمع کی پھر خبر سنی گئی، مگر حملہ نہ ہوا، دوسرے دن یہ سننے میں آیا کہ اُن کے روکنے کے لئے اتنا بڑا مجمع ان کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکے، جس کے متعلق ان ہندوؤں میں یہ مشہور ہوا کہ:

"یہاں کے زندہ ہی نہیں، یہاں کے تو مردے بھی لڑتے ہیں۔"

ایک دفعہ مسجد کے چاروں طرف برابر برابر مشین گنیں لگ رہی تھیں ایک واقف نے بتایا کہ یہ مشین گنیں مسجد کو اڑانے کے واسطے لگی ہوئی ہیں جس کا مبنیٰ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ فوج میں کوئی گولہ گرا تھا جس کے متعلق

کسی نے یہ بیان کر دیا کہ وہ مسجد سے آیا تھا۔ لیکن اللہ کے محض انعام سے افسر اعلیٰ نے حکم دینے کے لئے تھوڑی سی تاخیر کا حکم دیا۔ اس دوران میں اسکو متعدد روایات اس کی پہنچیں کہ وہ گولہ مسجد کی طرف سے نہیں آیا تھا بلکہ مشرق کی جانب سے آیا تھا جس پر اس نے ان کے ہٹا دینے کا حکم دیا۔

مرکز چھوڑ دینے کا مشورہ اور مولانا کا انکار

مسلسل حملہ آوروں کے ہجوم اور صبح و شام فسادات کے تلاطم خیز سمندر میں مرکز کا ہچکولے کھاتے ہوئے جہاز کی مانند بن جانے کی وجہ سے اہل الرائے حضرات کا اصرار تھا کہ کم سے کم، مرکز چھوڑ دینا چاہیے اور کسی محفوظ جگہ منتقل ہو جانا چاہیئے، مگر اس وقت بھی مولانا محمد یوسف صاحب کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور درحقیقت مولانا کی ہمت اور مرکز میں حضرت شیخ الحدیث کی موجودگی سے اس میں ہمت و تازگی آگئی اور جان پڑ گئی۔ خود حضرت شیخ سے اس کی داستان سنئے:۔

"ایک مرحلہ اس زمانے میں یہ بھی درپیش تھا کہ ان خطرات بالا کی بناء پر دہلی کے احباب اور مخلصین کا یہ اصرار تھا کہ اگر پاکستان نہیں جاتے ہو تو امن ہونے تک دہلی منتقل ہو جاتے، اس کے لئے سب تقریباً تیار بھی ہو گئے تھے اور اتنا شدید اصرار رہا کہ ہر مخلص اس پر مصر تھا۔ حتیٰ کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم بھی اسی رائے کے تھے اور وہ کئی مرتبہ سرکاری ٹرک لے کر نظام الدین آئے کہ وہ سب متعلقین کو لے کر دہلی منتقل کر دیں، اس سلسلے میں سب سے زیادہ اصرار حضرت حافظ فخر الدین صاحب کا تھا جو اصرار سے بڑھ کر حکم بلکہ ناگواری کی حد تک پہونچ گیا تھا جسکی وجہ سے مولانا یوسف صاحب بھی نیم راضی ہو گئے تھے، لیکن اس میں علاوہ اس کے کہ مولانا مرحوم کی طبیعت اس کو نہیں چاہتی تھی، یہ بھی مانع تھا کہ عزیز مولوی ہارون کی والدہ[1] مرحومہ کی بیماری ایسی حد تک

---

[1] مولانا محمد یوسف صاحب کی اہلیہ محترمہ بڑی عابدہ و زاہدہ، ایثار پسند، خدمت گزار، مہمان نواز (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پہنچ گئی تھی کہ اس کے لئے حرکت بہت مشکل تھی اور اس کا بھی خطرہ تھا کہ ٹرک تک پہنچنے تک روح پرواز نہ کر جائے۔ اس لئے اس انتظار میں کہ وہ مرحومہ شام تک نہیں تو صبح تک چل دیں گی روز و فردا ہوتا رہا۔ مولانا حفظ الرحمٰن کو اصرار تو زیادہ نہیں تھا مگر پسند کرتے تھے اور اسی لئے وہ مخلصانہ مشورہ کے ساتھ سرکاری ٹرک لے کر کئی دفعہ تشریف لائے۔ ایک دفعہ انھوں نے فرمایا کہ ٹرک بار بار واپس ہونا تو بہت مشکل ہے اب جب تم جانا طے کر کے اطلاع کرو گے جب ٹرک آئے گا۔ مولانا مرحوم اس زمانے میں باوجود شدید مشکلات کے ہر دوسرے تیسرے دن خبر گیری کے واسطے ضرور آتے تھے۔

افتخار فریدی صاحب جو اس وقت حاضر باش تھے اور مولانا کے حکم ثبات پر لبیک کہنے والوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خاتون تھیں، باوجود اپنی شدید علالت کے مولانا محمد یوسف صاحب کو کہہ سنکر اور با صرار اپنی خدمت سے فارغ کر رکھا تھا جس کی مثال نیک سے نیک خاتون میں بھی ملنا مشکل ہے اور یہ صفت ان میں کیوں نہ ہوتی، حضرت شیخ الحدیث کی صاحبزادی، مولانا محمد الیاس صاحب کی بہو اور مولانا محمد یوسف صاحب جیسے مجاہد و داعی الی اللہ کی بیوی تھیں، مولانا محمد الیاس صاحب کے انتقال کے بعد ہی سے علیل ہوئیں اور ۳ سال تک علالت کا سلسلہ چلتا رہا، آخر میں انتہائی کمزوری اور نقاہت ہو چکی تھی، آخر کار ۲۹ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ ایسی حالت میں کہ مغرب کی نماز اشارہ سے ادا کر رہی تھیں اور سجدہ کا اشارہ کر کے گویا سجدہ میں جا چکی تھیں، جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللھم اغفر لہا وارحمہا۔ تقریباً ۲ سال کے بعد حضرت شیخ الحدیث ہی کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ مولانا محمد یوسف صاحب کا عقد ثانی ہوا۔ یہ عقد ۹ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ کو ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ بحمد اللہ بقید حیات ہیں لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں۔

"ایک مرتبہ حسین بخش کے مدرسہ میں جانے کا انتظام کرلیا گیا۔ سامان تک بندھ گیا، حضرت مولانا نے حاضرین کے سامنے ایک بڑی ولولہ انگیز تقریر کی اور مرکز میں رہنے اور مرمٹنے پر بیعت لی، ۲۳ آدمیوں نے بخوشی رہنے پر بیعت کرلی۔

خانہ تلاشی

خانہ تلاشی کی بھی کئی دفعہ نوبت آئی، ایک دفعہ اس اطلاع پر کہ انکے یہاں ہتھیار چھپے ہوتے ہیں، زنانہ مکان کی ایک ایک چیز کو دیکھا گیا اور اس میں گورکھا فوج بندوقوں سمیت تلاشی کے لئے آئی۔ لیکن اللہ کے فضل سے کوئی چیز بھی ایسی نہ مل سکی جو قابلِ اشتباہ ہو نہ اس سلسلے میں کوئی گرفتاری ہوئی اور نہ کوئی پریشانی پیدا ہوتی۔

اس زمانے میں مولانا کی بکثرت تقریریں ہورہی تھیں، ان کے علاوہ مولانا نے بہت سے لوگوں کو اوراد کیلئے تقریبًا متعین کردیا تھا، جس میں آیت کریمہ یٰسین شریف کے ختمات، حصن حصین وغیرہ چیزوں کا بہت ہی اہتمام سے، بالخصوص عورتوں میں اور ضعفاء مردوں میں اہتمام رہتا تھا۔ اور ہمہ وقت ذکر الٰہی تلاوت، دعا میں متعین شدہ مرد و عورت مشغول رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ساری شکلوں یعنی (جد وجہد، عزم و ثبات، ایمان ویقین اور اعتماد علی اللہ ذکر و دعا اور خدمت وسلوک) کی وجہ سے اپنا خاص لطف وکرم کا معاملہ ان حضرات پر کیا اور ہر شر اور فتنے سے کلی طور پر حفاظت کی۔

صدیقی شان

مولانا ان پُرآشوب دنوں میں بڑی قوت وطاقت اور خدا کی قدرت پر پورے یقین سے دین کی دعوت پھیلانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ کو اپنانے پر زور دیتے، جن لوگوں نے مولانا کی اس وقت کی تقریروں کو سنا ہے، وہ جانتے ہیں کہ مولانا کے اندر کتنا عزم اور بڑی سے بڑی باطل طاقت کو حقیر جاننے کی قوت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے سامنے فسادات

کا یہ خونی منظر کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا اور یقین کامل تھا کہ اگر صحیح دین کی دعوت دی جاتے اور چند اصحاب دعوت وعزیمت اپنی جانوں کو پیش کر دیں اور اپنی زندگیوں کو وقف کر دیں تو بڑی سے بڑی طاقت پاش پاش ہوسکتی ہے اور یہ آگ کی جہنم گل وگلزار بن سکتی ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

مولانا اس طرح کے مضامین ہمیشہ بیان فرماتے تھے جبکہ عام دنوں میں مولانا کی زبان سے ایمان پرور الفاظ نکلتے تھے تو ایسے پُرآشوب دور میں مولانا کے عزم وثبات اور ایمان ویقین نے لٹے پٹے اور خانماں برباد لوگوں کے قدموں کو جما دیا۔ آپ مولانا کے عزم وثبات کا اندازہ ایک تقریر کے اقتباس سے لگا سکتے ہیں:

"تم حضورؐ کے نمونہ پر بننا شروع کر دو، جتنا بننا ہوگا بن جائیگا اور جو بننے والا نہیں ہوگا اور بننے والوں کے لئے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے، تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑیوں کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے، اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے، جب حضورؐ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا کے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم وفارس کے جالے صاف کر دیئے گئے تھے بالکل یہی صورت روس وامریکہ کی ہوگی۔"

مولانا کے نزدیک یہ ساری تباہی درحقیقت اپنے ہی اعمال کی بدولت آئی تھی، اور اعمال ہی کی درستگی اور درست کرنے کی راہ میں محنت ہی سے دُور ہوسکتی ہے، ان کے نزدیک ظاہری طاقت وقوت جو ایمان باللہ اور اعمال صالحہ کے بغیر ہوگی، تباہی کو دُور نہیں کر سکتی۔

مولانا کے نزدیک اللہ کے راستہ میں محنت کرنے اور محنت کرتے ہوئے دعائیں کرنے سے، ذلت عزت سے، قہر خداوندی مہر خداوندی سے بدل سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں، یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا، اسی طرح اس محنت کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہلِ عالم کے قلوب میں ان کی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے۔"

صحیح علاج مولانا اہلِ وطن کے بغض و عداوت اور دشمنی کا بدلہ دشمنی سے دینا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ پتھر کا جواب پھول سے دینا صحیح سمجھتے تھے، اور اس کی صورت ایمان باللہ، عمل صالح اور دین کے راستے کی محنت اور اس محنت کی دعوت تھی۔ اس پُر آشوب دور میں مولانا کا وہ حال ہو گیا جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں حدیث شریف آئی، "کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم" معلوم ہوتا تھا کہ کسی لشکر کے خطرے کا اعلان فرما رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ صبح و شام بس پر آیا ہی چاہتا ہے۔ مولانا عذابِ الٰہی اور غضب الٰہی سے اسی طرح چونکاتے اور ڈراتے۔

تقسیم ہند کے چند ماہ بعد پاکستان تشریف لے گئے، دورہ سے فارغ ہو کر لاہور میں قیام فرمایا۔ جمعہ کا دن تھا اور نیلے گنبد کی مسجد میں آپ کو خطاب کرنا تھا جماعتیں لاہور اور قرب و جوار کے علاقوں میں گشت کر کے دعوت دے چکی تھیں۔ اس کے نتیجے میں غیر معمولی تعداد میں لوگ آ گئے، اس مسجد میں سیرت کمیٹی کے بانی عبدالمجید صاحب قرشی ہر جمعہ کو تقریر کرتے تھے، ان دنوں ہندوستان کے لاکھوں پناہ گزین پاکستان منتقل ہو چکے تھے اور لاہور میں بھی بکثرت پہنچے تھے۔ قرشی صاحب نے اس صورتِ حال کے پیش نظر ایک تحریک چلائی تھی کہ "ہر غازی نمازی ہر نمازی غازی" یعنی ہر نمازی مجاہد بنے اور اس کیلئے

قواعد پریڈ کرے اور حکومت کے فوجیوں اور پولیس کے سپاہیوں کو نمازی بنایا جائے اس جمعہ کو قریشی صاحب سے طے ہو گیا تھا کہ آج وہ اپنے پروگرام کیمطابق تقریر نہیں کریں گے بلکہ مولانا محمد یوسف صاحب بیان فرمائیں گے، مولانا کی تقریر ہوئی اور آپ نے پورے زور و شور سے حسب معمول اپنی دعوت پیش کی، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو انتہائی متاثر کیا، معمول کے مطابق آخر میں دعا کر کے تقریر ختم کر دی۔ قریشی صاحب جو سامنے بیٹھے ہوئے تھے اس خیال سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ مولانا کی تقریر نے لوگوں پر بہت زیادہ اثر کیا ہے اس سے وہ اپنی تحریک کے لئے فائدہ اٹھائیں چنانچہ میکروفون پر آ گئے اور تقریر شروع کر دی اور مولانا کی تقریر کو بنیاد بنا کر لوگوں کو اپنے پروگرام کی دعوت دینے لگے۔ مولانا فوراً کھڑے ہو گئے اور میکروفون اپنی طرف کھینچ کر فرمایا کہ:۔

"جو عذاب معاصی کی وجہ سے اور اللہ کے فرائض اور اسکے حدود توڑنے کی وجہ سے آرہا ہے اور آنے والا ہے اسے تمھاری قواعد پریڈ بلکہ تمھاری توپیں اور تمھارے بم کے گولے بھی نہیں روک سکیں گے، اصل علاج یہ ہے کہ اپنے اندر ایمان پیدا کرو، اللہ کی طرف رجوع کرو، صرف یہی چیز تمھیں اور پورے عالم اسلام کو بچا سکتی ہے۔"

اس پر جلسہ منتشر ہو گیا اور قریشی صاحب کی تقریر نہیں ہوئی۔ مولانا نے دہلی آکر یہ واقعہ خود سنایا۔ اپنے تعلق کے ایک عالم جن کی پنڈت نہرو کے یہاں آمد و رفت تھی اور پنڈت جی ان کا لحاظ بھی بہت کرتے تھے، انھوں نے کہا کہ اگر آپ راضی ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو لے کر پنڈت نہرو سے ملوں اور آپ کی زبان سے یہ واقعہ ان کو سنواؤں اور اگر آپ تیار نہ ہوں تو میں خود ان کو سناؤں گا۔

مولانا نے فرمایا:۔

"ہرگز نہیں، میں نے یہ بات پاکستان والوں سے کہی تھی، آپ اگر
پنڈت نہرو سے یا حکومت کے دوسرے ذمہ داروں سے بات کریں، تو
ان سے یہی کہیں کہ تمھیں اور ملک کو صرف فوجی تیاریاں نہیں بچا سکیں گی،
خدا کو راضی کرنے کی، ظلم کو ختم کرنے کی اور انصاف کو رواج دینے کی کوشش
کرو تو تم بھی بچ جاؤ گے اور ملک بھی بچ جائے گا"[1]

مشرقی پنجاب کا فساد

تقسیم ہند کا سب سے بڑا اثر دہلی اور اطراف دہلی کے علاوہ مشرقی پنجاب پر پڑا تھا۔ وہ مشرقی پنجاب جہاں مسلمانوں کی غالب آبادی تھی اور سینکڑوں بڑے چھوٹے مدارس اور خانقاہیں تھیں جہاں تقسیم سے پہلے تبلیغی جماعتوں نے کام کیا تھا اور بے شمار آدمی تبلیغی تحریک سے وابستہ ہو چکے تھے، خط تقسیم کے کھنچتے ہی آگ کی ایک بھٹی بن گیا تھا، مدرسے اجڑ گئے، خانقاہیں بند ہو گئیں، علماء ہجرت پر مجبور ہو گئے اور بڑی آبادی اپنے عزیز و محبوب وطن کو چھوڑ کر پاکستان منتقل ہو گئی، بے شمار آدمی شہید کئے گئے اور جو لوگ ہجرت یا انتقال وطن نہیں کر سکتے تھے وہ یا تو پہاڑوں کے دامنوں میں چھپ گئے یا اپنے دین کو چھوڑنے پر مجبور کئے گئے اور انھوں نے بادل ناخواستہ ترک دین کیا دوسری طرف پاکستان کی ہندو آبادی منتقل ہو ہو کر مشرقی پنجاب میں آباد ہونے لگی۔ اس خونی انقلاب نے سارے علماء اور اکابر کو بے چین کر دیا جن کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جان و دل سے زیادہ تعلق تھا اور مشرقی پنجاب میں ان کے معتقدین و محبین اور اہل تعلق آباد تھے خصوصاً حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری اور ان کے شیخ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائے پوری کا لگایا ہوا باغ اس پورے حصے میں تھا جہاں ان کے بے شمار خلفاء آباد تھے اور پوری فضا

---

[1] روایت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔

کو ذکر الٰہی سے مشکبار کئے ہوئے تھے، وہ دیکھتے دیکھتے اجڑ گیا، اس لئے قدرتی طور پر حضرت رائے پوری کے دل و دماغ پر اس کا بڑا اثر پڑا اور دل کو ایسا زخم لگا جو آخر تک نہ بھر سکا۔

پہلی تبلیغی جماعت دہلی سے لاہور تک

تقسیم کے فوراً بعد سب سے پہلی تبلیغی جماعت جو پاکستان گئی۔ اس کی روداد سفر بڑی عبرتناک ہے۔ اس جماعت کے ایک رکن نے لاہور پہنچ کر مولانا محمد یوسف صاحب کو اپنے عجیب اور خطرناک سفر کے تاثرات لکھے تھے، جس کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خدا پر یقین رکھتے ہوئے اور احکام شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرتا ہے تو خدا اس کی کھلی مدد کرتا ہے۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ جب عقل و ہوشمندی یہ کہتی تھی کہ جو جہاں ہے وہیں دبکا رہے یا پناہ گزینوں کے کیمپ میں حکومت و طاقت کی حفاظت میں چلا جائے لیکن تعلق مع اللہ اور ایمان باللہ کہتا تھا کہ مارنے جلانے والی صرف ایک خدا کی طاقت ہے مخلوق سے ڈرنا کیسا؟ اس تبلیغی جماعت نے خدا پر بھروسہ کرکے علی الاعلان یہ سفر کیا ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

تاثرات کا یہ مکتوب ہم کو خطوط کے ایک نادر ذخیرہ سے میسر آگیا ہے اسلئے ہم اس کو نقل کرتے ہیں:۔

از لاہور۔ ۲۴ اگست ۴۷ء

محترم المقام مخدومنا جناب مولانا محمد یوسف صاحب

"سلام مسنون! ہماری لاہور جانیوالی جماعت جو کہ چھ افراد پر مشتمل تھی، آپ سے

اجازت لے کر جب اسٹیشن پہنچے تو ہمیں مختلف ذرائع سے یہ پتہ چلا کہ براستہ بھٹنڈا جانا انتہائی خطرناک ہے۔ ہم نے امیر جماعت سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو انھوں نے ٹکا سا جواب یوں دیا، فاذا عزمت فتوکل علی اللہ اور یوں کہا کہ ہمیں فضاؤں اور ظاہری حالات اور مشاہدہ سے متاثر نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہی حق ہے کہ ہم ایسے میں اپنے آپ کو اللہ پر چھوڑ دیں، اس سے زیادہ اور کونسا وقت ہوگا۔ جبکہ ہم اللہ کے دین کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ ہم نے حکم امیر کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا۔ وضو کیا، نمازیں پڑھیں اور تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ اب تک تو چند مسافر ہمارے ڈبے میں ہم سفر رہے لیکن اس کے بعد سوائے ہمارے اور بھٹنڈا اترنے والے قلی کے اور کوئی نہ تھا جلنید کے اسٹیشن پر جب ہماری گاڑی پہنچی تو، فسادی گروہ در گروہ جو کہ بلموں خنجروں اور چھریوں سے مسلح تھے، آپس میں کانا پھوسی ہمکو دیکھ کر کر رہے تھے۔ گاڑی کو جب جی چاہتا کھڑا کر لیتے تھے اور جہاں جی چاہتا تھا چلنے کا حکم دیتے تھے۔ غرضکہ ریل کا تمام اسٹاف من عن انھیں میں کا تھا۔ جب موڑ کا اسٹیشن آیا تو ہم نے ایک لاش چادر میں لپٹی ہوئی خون سے لت پت اور دوسری پندرہ سالہ مسلمان بچے کی لاش تلواروں سے کٹی ہوئی ریل کی پٹری پر پڑی ہوئی دیکھی۔ فسادی بدستور سرگوشیاں کرتے اور ہماری طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ بھٹنڈا سے آگے جب گیانہ اسٹیشن پر ہم پہنچے تو اس وقت تعداد میں فسادی ایک ہزار کے قریب تھے، انھوں نے وہاں گاڑی کھڑی کر لی اور پہلے کچھ دیر مشورہ کیا۔ بعد میں انھوں نے چار گروپ میں تمام فسادیوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ ایک گروہ ڈبہ کے آگے

جن کے پاس تلواریں، بلم اور چھبیاں تھیں، کھڑا کیا اور دوسرا گروہ مسلح ڈبہ کے اندر دو حصوں میں تقسیم کرکے بھجوا دیا۔ ایک حصہ کا کام صرف یہ تھا کہ مال واسباب، عورتیں اور بچیاں لوٹ کرلے جائیں اور دوسرا گروہ مسلمان مردوں کو باہر نکال کر ڈبے کے آگے کھڑے ہوئے گروہ کے حوالے کرتا جائے جنھیں وہ منٹوں میں کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتے تھے، تیسرا گروہ گاڑی کے دوسرے رُخ پر صرف پستولوں سے مسلح تھا کہ جو مسلمان ادھر سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے اسے گولی مار دی جائے اور چوتھا گروہ ساتھ ہی بیلچوں اور زمین کھود اوزار کے ساتھ اس لئے زمین کھود رہا تھا تاکہ لاشوں کو ساتھ ساتھ جوڑ کر ان گڑھوں اور خندقوں میں ڈال دیا جاسکے۔ اب انھوں نے قتال کا کام یوں شروع کیا کہ گاڑی کھڑی کرلی اور گاڑی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمان مردوں عورتوں کو ایک ایک ڈبے سے نکال کر ڈبے کے آگے والے گروہ کے حوالے کر دیا جاتا اور چوتھا گروپ لاشوں کو گڈھوں اور خندقوں میں دباتا جاتا اور گاڑی کے دوسرے رُخ سے نکلنے والوں کو گولیوں سے بھونا جا رہا تھا، ہم نے جب ہیبتناک منظر دیکھا تو اللہ میاں سے دعائیں مانگنی شروع کیں اور آہستہ سے ریل کے ڈبے کی سیٹوں کے نیچے پڑ رہے اور بھائی رحمت علی صاحب کو جن کی ڈاڑھی مونچھ نہیں تھی باہر ہی رہنے دیا۔ اتفاق سے ایک ہندو نیم پاگل جیسا جس کے سر پہ چوٹی جنیو اور ہندوانہ وضع قطع بھی صاف دکھ رہی تھی ہم نے اسے پہلے ہی اپنا لیا تھا اور ایک چودہ سالہ بچہ جو بھائی رحمت علی کا رشتے دار تھا اسے بہاولپور جانا تھا وہ بھی بیٹھا ہوا تھا ایک اصلی ہندو اور دو نقلی ہندو بن بیٹھے تھے۔ جب قتال کرتے والے نوبت

بہ نوبت ہمارے ڈبے تک پہنچے (یہاں اس دوران میں ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک لاش فسادی ہمارے ڈبے میں پھینک گئے تھے) قتال والوں کو رحمت علی نے کہا، یہاں تو کوئی مسلمان نہیں ہے، پہلے یہاں سے ہو گئے ہیں، تم بھی اپنی تسلی کر لو اور یہ لاش ہمارے حوالے اس لئے کر گئے ہیں کہ چلتی گاڑی سے ہم اسے پھینکدیں، قتال کرنیوالا گروہ ہمارے ڈبے میں چڑھا، دیکھا اور کمرہ خالی پاکر ساتھ والے کمرہ پر حملہ کر دیا۔ اس طرح پر تمام ٹرین میں خون کی ہولی کھیلتے ہوئے دوسرے سرے تک پہنچے ہم نے یہ خیال کیا کہ چلو "رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت"۔ لیکن اگلے اسٹیشن پر ہو بہو یہی انتظام اسی فعل کے ساتھ عمل میں لایا گیا۔ آنکھوں دیکھے اور سننے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم جو دیکھ رہے تھے حیطۂ امکان سے باہر ہے کہ وہ صفحۂ قرطاس پر اپنے احساسات وکیفیات کے ساتھ رقم کر سکیں۔ ان کے قتال کا ڈھنگ اولاً جو عرض کیا گیا آخر تک یہی رہا اور اس دوران میں ۳۶ میل کے رقبے میں گاڑی کو ۱۳ مرتبہ کھڑا کیا گیا اور مذکورہ طے شدہ طریقے قتال سے فسادی ہولی کھیلتے رہے۔ ہماری طرف سے انھیں یقین ہو چکا تھا کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں۔ آخر میں ہم پانچ آدمی، سید رسول شاہ، مولوی عبدالوہاب صاحب، مولوی صدیق صاحب، اکرام صاحب، محمود صاحب، یکے بعد دیگرے آہستہ آہستہ اس ڈبے کے بیت الخلا میں گھس گئے جہاں ہمیں ساڑھے چار گھنٹے تک محصور رہنا پڑا۔ ہمارا اندازہ ہے کہ فسادی اس ڈبہ میں تیرہ ۱۳ بار آئے لیکن حق تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے ہم بال بال بچ گئے، لیکن معصوم بچوں کی چیخیں، عورتوں کا واویلا اور مردوں کا کراہنا، قتال کے وقت کی ایسی چیزیں ہیں جن کے نقوش زندگی بھر تک ہمارے دل سے نہیں مٹ سکتے

اور مقتولین مسلمانوں کی تعداد کم از کم ۲۰۰ سے زیادہ ہوگی، جن میں بوڑھے بچے، عورتیں شامل ہیں۔ فسادیوں نے اپنی طرف سے کوئی لاش بھی گاڑی میں نہیں چھوڑی۔ لاہور کے اسٹیشن پر آٹھ لاشیں ان لوگوں کی ملیں جو گھائل تھے جنھوں نے فیروزپور اور لاہور کے درمیان دم توڑ دیا ایک قافلہ جو ۲۰ یا ۳۰ افراد پر مشتمل تھا اور ان میں سے ایک آدمی جب ہم دعا کر رہے تھے آکر شامل دُعا ہوا اور تھوڑی دیر بعد اپنے گروہ میں چلا گیا۔ یہ ابتدا کا واقعہ ہے......... اللہ تعالیٰ کے راستے پر پڑنے اور نکلنے میں جو برکات تھے، ہم نے بدرجۂ اتم اس سفر میں دیکھے اور ہم ہی سے ہر ایک اس وقت یہی کہتا تھا، کہ اللہ اس وقت ان ظالموں سے اگر نجات دے دے تو ساری عمر ہم تبلیغ کے کاموں میں گزار دیں گے۔ ہم محفوظ و مامون طریقے سے اپنی منزل مقصود کو پہونچ گئے اسی لئے یہ خیریت نامہ تحریر کر رہے ہیں۔ ہم آتے ہی اپنے کام میں لگ گئے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ زندگی بھر لگے رہیں گے اور لوگوں کے اس نوع پر پڑنے اور کامیابی کار کے نمایاں طور پر اثرات نظر آرہے ہیں، خصوصی طور پر دعا فرمائیں۔"

مشرقی پنجاب میں جماعتوں کی نقل و حرکت اور ان کی رُوداد سفر

مندرجہ بالا مکتوب سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پورا مشرقی پنجاب مسلمانوں کے لئے آگ کی بھٹی بن چکا تھا۔ نہ مال و زر محفوظ نہ جان و ایمان کی خیر تھی، بغض و عداوت نفرت، غیظ و غضب کا دور دورہ تھا اور مسلمان کُشی کی وبا پھیل چکی تھی، ان علاقوں

میں جو مسلمان بچے کھچے رہ گئے تھے وہ اتنے سہمے ہوئے تھے کہ ایک قدم چلنا بھی موت کو دعوت دینے کے مرادف سمجھتے تھے۔

چال ہے مجھ نیم جاں کی مُرغِ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے گماں، یاں رہ گیا واں رہ گیا

مولانا محمد یوسف صاحب کی تمنا اور آرزو تھی کہ خدا کا نام لینے والے اسلام کے اس اُجڑے ہوئے دیار اور ویرانے میں پھر سے جائیں اور خدا کا نام بلند کریں اور ان مسلمانوں کو ڈھارس بندھائیں جو دور دراز علاقوں میں چھپے ہوئے ہیں اور ان غیر مسلم حضرات کے سامنے صحیح اسلام کی تصویر پیش کریں جو انھوں نے اپنے ہمسایہ مسلمانوں کے غلط طریقوں اور خلاف اسلام اعمال سے غلط سمجھا ہے اور وہ معصوم انسانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ ان غیر مسلموں میں کثرت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے لاعلمی اور صرف بھڑکانے سے فساد کیا ہے۔

لیکن اس پُر آشوب دور میں یہ کام تھا بہت مشکل، اول تو راستہ ہی نہ تھا۔ دوم وہ داخل ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کا راستہ ہموار کرنے کے لئے کئی سال چاہئیے تھے۔ اس آگ کے الاؤ میں کودنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی، بڑے سے بڑا اہل عزیمت بھی اس پر عمل کرنا ناممکن سمجھتا تھا۔

تقسیم ہند کے دو ہی تین سال بعد جبکہ قتل و غارت کا جنون سروں سے اترا اور دلوں کے پھپھولے پھوٹ چکے اور دست و بازو شل ہو چکے اور فساد کے تلاطم خیز سمندر میں قدرے سکون سا آیا تو تبلیغی جماعتوں نے کئی بار مشرقی پنجاب کا دورہ کیا، جن جن آزمائشوں سے اور تکلیفوں سے ان کو گذرنا پڑا ان کی رُوداد بڑی سبق آموز اور عبرت خیز ہے۔ ہر جماعت بڑے سے بڑے ابتلا سے گذری

اپنی دانست میں آمادہ بہ فساد لوگوں نے جماعت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا مگر خدا کی نُصرت اور غیبی مدد سے ہر بار جماعت موت کے منھ سے صاف نکل گئی اور مَن کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ کی مصداق بن کر دوسروں کے لئے عبرت و دعوت کا سامان بن گئی، اس سلسلے کے کئی واقعات ہیں جو طوالت کے خوف سے تحریر نہیں کئے جا رہے ہیں، صرف نمونتاً دو واقعے ذکر کئے جاتے ہیں:۔

۱۹۵۱ء میں مولانا نے ایک جماعت دہلی سے سہارنپور بھیجی، یہ جماعت جس میں پرانے حضرات تھے، رائے پور گئی اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری کی خدمت میں حاضری دی، حضرت رائپوری کے خدام و متوسلین چونکہ مشرقی پنجاب و مغربی پنجاب میں پھیلے ہوئے تھے اور ان سب پر مشرقی پنجاب کی تباہی کا اثر پڑا تھا اور یہ حضرات، حضرت موصوف کی خدمت میں برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ اس لیے ہمہ وقت حضرت موصوف کی مجلس میں اس تباہ شدہ خطہ کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ جب یہ جماعت پہونچی تو ایک ایسے صاحب سے ملاقات ہوئی جو مشرقی پنجاب کے فساد کے زخم خوردہ تھے، انھوں نے مشرقی پنجاب کا حال سنایا اور بڑے درد سے بولے کہ گوجر اور جاٹ مرتد ہو گئے یہ سن کر وہ پوری جماعت انتہائی متاثر ہوئی، اس وقت جماعت میں ۲۷ آدمی تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں یہ جماعت حاضر ہوئی اور مشرقی پنجاب میں جماعت کے جانے کا مشورہ کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا اگر چند شرائط پر عمل کیا جائے تو اللہ کا نام لے کر جایا جا سکتا ہے۔

۱۔ صلوٰۃ الحاجۃ کا پوری طرح اہتمام کیا جائے۔

۲۔ اجتماعی دعا کا اہتمام کیا جائے۔

۳۔ پچھلے پہر نماز تہجد کا اہتمام کیا جائے تو جس خدا نے صحابہ کرامؓ کی مدد کی ہے وہ تمہاری بھی مدد کرے گا۔

جماعت میں مشورہ ہوا، ۲۷ میں صرف ۷ آدمیوں نے اس آتش فشاں علاقہ میں داخل ہونے پر ہمت کے ساتھ آمادگی ظاہر کی، حالات بہت نازک تھے، موت منھ پھیلائے سامنے کھڑی تھی، زندہ بچنے کی امید نہ تھی۔ اکثر لوگ (وَلا تلقوا بايديكم الى التهلكة) پڑھ پڑھ کر جانے سے منع کرتے تھے مگر ان سات آدمیوں نے ہمت کر ہی لی اور اس کی اطلاع مولانا محمد یوسف صاحب کو دے دی مولانا نے ان حضرات کی ہمت سُن کر بے انتہا خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور ان جانے والوں کی ہمت افزائی کی اور ان کے لئے دعاؤں، خصوصاً سورۂ یٰسٓ اور اس کے بعد خصوصی دعا کا خوب اہتمام فرمایا۔ ایک صاحب جو اس جماعت کے رکن رکین تھے، اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"۷ / مارچ ۱۹۵۱ء کو ہماری جماعت جمعہ کی نماز پڑھ کر رائے پور سے روانہ ہوئی۔ رائے پور والوں نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعائیں کرتے ہوئے رخصت کیا۔ جماعت خدا کا ذکر کرتی ہوئی روانہ ہوئی اور جمنا کے شاہی راستے سے (جہاں بند سا ہے) مشرقی پنجاب میں داخل ہوئی اور خضر آباد میں پہلا پڑاؤ کیا۔ سکھوں نے اس عجیب و غریب جماعت کو دیکھا حیرت میں پڑ گئے، مسلمان صورتیں دیکھ کر غیظ و غضب میں آ گئے۔ دلوں کے زخم تازہ تھے، جس مسجد میں ہماری جماعت نے قیام کیا تھا اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور شور و ہنگامہ کرنے لگے، حملہ کی صورت پیدا ہو گئی تھی اس تشویش ناک صورت حال کو دیکھ کر خدا کے نحیف و نزار بندے اس وقت خدا پر یقین و اعتماد کے پیکر بن گئے اور اپنی شہادت کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے۔ امیر جماعت نے خدا کا نام لے کر حملہ آوروں کو مخاطب کر کے تقریر کرنی شروع کر دی۔ جماعت کے بقیہ لوگ صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر ذکر و دعا

میں مشغول ہوگئے۔ خدا نے اپنے بے سروسامان بندوں کی دعا کو سن لیا
امیر جماعت کی تقریر جو حقیقت میں درد و اثر میں ڈوبی ہوئی اور اخلاص و
للّٰہیت سے معمور تھی، سننے والوں کے دلوں میں گھر کرنے لگی۔ مقلب القلوب
نے دلوں کو پلیٹ دیا، جو آنکھیں سرخ اور خونیں تھیں۔ دیکھتے دیکھتے آنسوؤں
سے تر ہوگئیں، بلند آوازیں خاموش ہوگئیں، اٹھتے ہوئے ہاتھ گر گئے۔
وہ لوگ جو مارو مارو کی صدائیں بلند کر رہے تھے، اپنی انھیں زبانوں سے کہنے
لگے "یہ ملّا تو بہت اچھی باتیں کرتے ہیں، واقعی ہمارے اندر حیوانیت
آگئی تھی۔ امیر جماعت نے آدھے گھنٹے تک بات کی، بات ختم ہوئی تو ایک
لحیم شحیم آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اعلان کیا کہ یہ لوگ دہلی سے آئے ہیں
آپس میں امن و صلح کی دعوت دیتے ہیں، ظلم و عداوت اور انسان کُشی کے
خلاف آواز اُٹھاتے ہیں، ہر شخص ان کی بات سنے، اگر کوئی ان کو تکلیف
دیگا تو میں سب سے پہلے ان کے ساتھ مرنے کو تیار ہوں۔"
۸ روز تک جماعت کا قیام رہا۔ خدا نے ہر شخص کے دل میں محبت و
رافت ڈال دی، ہر مقام پر پولیس اور اس شخص نے ساتھ دیا، مجمع میں
سب غیر مسلم ہوتے اور بعد میں وہ خود جماعت کو ان مسلمانوں کے پاس لے
جاتے جو مرتد ہو چکے تھے اور کہتے یہ پہلے مسلمان تھے، ان کو پھر اپنا جیسا بنا لیجئے
جماعت ان لوگوں کو دیو بند دہلی اور سہارنپور لائی، سارے اکابر حضرت
رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، حضرت مدنی اور قاری محمد طیب صاحب
وغیرہ ان احوال کو سن کر اور لائے ہوئے پھر سے مسلمان ہونے والوں کو دیکھ
کر بہت خوش ہوتے، انکو لپٹا لیا اور دعائیں دیں، مولانا محمد یوسف صاحب
کی خوشی تو بیان سے باہر ہے۔ آج ان کو اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا

ہوا نظر آیا، خوشی اور مسرت سے ان کی آنکھیں نم تھیں۔

اس جماعت کے جانے سے مشرقی پنجاب میں کام کی بنیاد پڑ گئی۔ ان اہلِ عزیمت نے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر کام کا ایک وسیع میدان پیدا کر لیا، دوسروں کی ہمت بندھی اور پہلے جانے والوں کو "السابقون الاولون" میں شمار کیا جانے لگا، چند دنوں کے بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے دوبارہ جماعت کی تشکیل فرمائی جس میں ۳۰، ۴۰ آدمی تھے۔ جب جماعت روانہ ہونے لگی تو جماعت کو مخاطب کر کے اپنے خاص اور پُرکشش انداز میں ولولہ انگیز اور یقین افروز الفاظ میں ارشاد فرمایا:۔

"جاؤ اللہ تمہاری مدد فرمائے، صلوٰۃ الحاجۃ کا اہتمام کرنا، جس اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی مدد فرمائی، حضرت موسیٰؑ کی مدد فرمائی اور حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی، وہ اللہ آج بھی موجود ہے، اسی کے کام کے لئے جا رہے ہو، وہ تمہاری بھی مدد فرمائے گا۔ راتوں کو اٹھنا اور خوب رو رو کر دعا مانگنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو تلاش کر کر کے ان پر عمل کرنا، جاؤ، خدا کی حفاظت میں جاؤ، وہی تمہارا ناصر و حامی ہے۔"

مولانا کے یہ الفاظ دلوں میں اترتے چلے گئے اور ہر آدمی عزم و یقین میں ڈوب گیا، لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور اس مبارک جماعت میں ہر ایک شرکت کی تمنا کرنے لگا۔ لیکن سعادت جن کے حصے میں لکھی ہوئی تھی، ان کو خدا نے اس سفر کی توفیق عطا فرمائی۔ ایک صاحب جو اس جماعت میں شریک تھے اپنے پُرخطر سفر کی روئیداد اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"جماعت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی دعا پر روانہ ہوئی اور مشرقی پنجاب میں خضر آباد سے ہوتے ہوئے ٹھسکہ پہونچی، وہاں پھر خطرات سامنے آئے۔ پولیس تھانہ پر جماعت کو لے گئی اور آپس میں گفتگو کرنے لگی کہ ان کو

کیا سزا دی جائے، قتل کیا جائے یا قید کیا جائے؟ جماعت کے افراد نے جب یہ منظر دیکھا کہ پولیس کی آنکھیں پھری ہوتی ہیں اور قتل کرنے کی سازش ہو رہی ہے تو سب کے سب ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

پولیس انسپکٹر نے جب جماعتی بھائیوں کو ذکر کرتے دیکھا تو پوچھا، "کیا کر رہے ہو؟"

امیرِ جماعت نے جواب دیا، "کہ ہم لوگ اپنے خدا کا نام لے رہے ہیں۔" انسپکٹر بولا، "تمھارے اس فعل سے زمین ہلتی ہوئی نظر آرہی ہے، تم لوگ یہاں سے واپس ہو جاؤ، آگے خطرہ ہے، پھر اس نے آگے کہا، "میرے پاس ایک قرآن ہے جو میں نے یہاں کے مقامی مسلمانوں سے چھینا تھا، وہ امانت ہے، اس کو بھی لیتے جاؤ۔" اس کے بعد جماعت کو رہا کر دیا گیا، جماعت نے پھر آپس میں مشورہ کیا۔ امیرِ جماعت نے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو سنایا اور حضرت سعد ابنِ ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور دریا پار کرنے کا قصہ سنایا اور پھر پورے اعتماد و یقین سے جماعت آگے بڑھ گئی اور راستہ بھٹک گئی اور پھر غلطی سے اسی تھانے پر پہنچ گئی جہاں سے انسپکٹر نے واپس کیا تھا۔ اب اللہ نے اس انسپکٹر کے دل میں جماعت کی ہمدردی ڈال دی اس نے جب اس جماعت کو پھر آتے دیکھا تو اس کے بے خوفی اور ایمان سے بہت متاثر ہوا، اب وہ بجائے واپس کرنے کے، ساتھ ہو گیا۔ جماعت جس بازار اور آبادی سے گزرتی مرد و عورت کوٹھوں سے اس عجیب و غریب جماعت کو تعجب اور حیرت سے دیکھتے اور جماعت ذکر کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی، نرائن گڈھ میں جماعت پہونچی تو مقامی مسلمانوں میں حد درجہ خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور خوف کی وجہ سے جماعت کو ٹھہرنے کی بھی اجازت نہ دی تو

غیر مسلموں نے اپنے گردواروں میں جگہ دی اور سب جمع ہو گئے اور اس جماعت کی باتوں کو غور سے سنتے اور مسلمانوں کی نشان دہی کر کر کے جماعت کو ان کے پاس لے جاتے اور کہتے، یہ مسلمان ہیں، ان سے اپنی بات کہئے۔"

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ بھی صرف خدا پر بھروسہ کر کے خدا کا کام کرتے ہیں، تو اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ کس طرح خون کے پیاسے لوگوں نے اسلام کے نام لیواؤں کی بات سُنی اور ان کی حفاظت کی ؎

"پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جو لوگ تقسیم اور اس کے اثرات کو جانتے ہیں اور اس خونی دور کو دیکھ چکے ہیں وہ ان واقعات کو ایک عجوبہ ہی تصور کریں گے، لیکن اس طرح کے واقعات اس مشرقی پنجاب میں بے شمار ہوئے، خود مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے کئی بار اس طرح کے واقعات اپنی زبان سے سُنائے۔ اوّل اوّل مقامی باشندوں اور پولیس والوں نے جماعت والوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کی، ان کو دریا کے تیز دھارے میں ڈال دیا، لیکن سب کی خدا نے اپنی قدرت سے حفاظت کی اور وہ پولیس تھانے پہنچے جو سمجھتے تھے کہ جماعت ڈوب چکی ہوگی، انھوں نے دیکھا کہ ہر ایک صحیح وسلامت کھڑا ہے، خدا کے حکم سے دریا نے ان کو کنارے پھینک دیا۔ خون کے پیاسے دشمنوں کے دل رحم سے بھر دیئے ؎

حفاظت جس سفینہ کی اُنھیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک اُسے خود لا کے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے یقین و اعتماد علی اللہ اور عزم وہمت کا توشہ دے کر جماعتوں کو اس محشرستان میں بھیج دیا، جنھوں نے بعد میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی ہمّت بندھائی اور پہاڑوں کے دامنوں سے مسلمان نکل کر آبادیوں میں آگئے

دوسری طرف حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کے اہل تعلق علماء نے مشرقی پنجاب کے بعض علاقوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے جمانے کا کام کیا اور مدرسے قائم کئے، ان دونوں کاموں کی وجہ سے اس اُجڑے ہوئے دیار میں مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادکاری کا کام ہوا اور بےزاری اور دُشمنی کی جو فضا قائم ہوچکی تھی، وہ جماعت کی چلت پھرت اور حضرت رائپوری کے اہل تعلق کے ذکر وفکر اور مدرسوں کے قیام سے دور ہونے لگی۔

چھٹا باب

ہندوستان میں

مولاناؒ کے دورے اور اجتماعات

سعی پیہم ہے نشانِ قیس و شانِ کوہ کن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت و کوہسار

اس سے پہلے کہ ہم مولانا کے دوروں اور اجتماعات کی روئیداد اور انکے نظام کو پیش کریں، اجتماعات کے متعلق ایک عمومی تاثر پیش کرتے ہیں تاکہ بخوبی اس کا اندازہ ہوجائے کہ ان اجتماعات کے کیا اثرات و نتائج مُرتّب ہوتے تھے اور فضا اُنکے انوار و کیفیات سے کس طرح معمور ہوتی تھی۔

اِس باب میں ہم خصوصی طور پر ان اجتماعات کا ذکر کریں گے جو مستقلاً کسی مقام پر کئے جاتے تھے اور اُن کا اہتمام مہینوں پہلے اور بعض بعض مقامات پر ایک ایک سال پہلے سے کیا جاتا تھا۔ مولانا کی شرکت انھیں اجتماعات میں ہوا کرتی تھی جن میں حسبِ ذیل شرائط کو ملحوظ رکھا جاتا اور ان پر عمل کیا جاتا۔

تاریخ کا تعیّن جب بھی کسی شہر یا علاقہ والے بڑا اجتماع کرتے تو ان کے لئے ضروری ہوتا کہ وہ جماعت لے کر مولانا کی خدمت میں جائیں اور

اجتماع کی تاریخ طے کرائیں، اب یہ علاقہ والوں کے تعلق اور کام سے دلچسپی پر منحصر ہے کہ وہ کتنی بڑی جماعت لے کر جاتے ہیں عموماً بڑی جماعت جایا کرتی تھی۔ اس صورت میں جو لوگ جایا کرتے تھے ان کا کام سے تعلق بڑھتا تھا۔ وہ مولانا کے صبح و شام کے خطاب سنتے تھے اور ان کے دل ایمان و یقین سے معمور ہوتے تھے۔ ان کے سامنے کام کے نشیب و فراز آتے تھے اور وہ جب اپنے علاقے کو لوٹتے تھے تو بڑی ذمے داریوں کے ساتھ اور بڑی کیفیات، شوق و ذوق اور کام کی لگن لے کر لوٹتے تھے۔ وہ گویا اصل کام کرنیوالے اور کام کا مزاج پہچاننے والے بنتے تھے۔ اس سفر سے اجتماع کو بڑی مدد ملتی تھی اور ان کی وجہ سے پورے علاقے میں کام کی ہوا چل جاتی تھی۔ تاریخ جب بھی طے ہوتی تھی یہ باہر کے آنے والے بیٹھتے تھے اور مولانا محمد یوسف صاحب مع اہل شوریٰ کے تشریف رکھتے اور سب کے مشورے سے کسی ماہ کی تین تاریخیں طے ہو جاتیں۔ جن مقامات پر ایک روزہ اجتماع ہوتا وہاں کی کوئی ایک تاریخ طے ہو جاتی۔ اسی حساب سے اس شہر کے کام کرنے والے اطراف و جوانب میں گشت اور امدادی اجتماعات میں مشغول ہو جاتے۔

اجتماعات سے پہلے تفریغ اوقات

مولانا اس پر بھی زور دیتے کہ اجتماعات کے ہونے سے پہلے بھی کثیر تعداد میں لوگ اوقات لگائیں، کچھ تو اپنے اپنے مقامات اور ان کے اطراف و جوانب میں اجتماع کو کامیاب کرنے کے لیے کوشش کریں اور کچھ لوگ چلّہ فارغ کریں اور دور دور تک سفر کریں۔ مولانا کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ اجتماع کے لئے لوگوں میں خوب جم کر کام کیا جائے اور فضا اتنی ہموار کر دی جائے کہ اجتماع سے اوقات دینے والے بکثرت نکل جائیں۔

مگرا ہاٹ کے اجتماع کے سلسلے میں مولانا نے ایک خط کلکتہ کے کام کرنے والوں کو بھیجا تھا اس کی چند سطریں درج ذیل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتماع سے پہلے کام کرنے پر کیوں زور دیا جاتا تھا۔ یہ صرف مگرا ہاٹ کے اجتماع کے سلسلے میں روّیہ نہ تھا بلکہ ہر اجتماع

کے قبل یہی عمل رہتا تھا۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"مگراہاٹ کے نواح میں کام کا ہونا ازبس ضروری ہے تاکہ لوگ خالی اجتماعات میں شریک ہونے کی غرض سے نہ آویں بلکہ پہلے سے ان کے اوقات لئے جاویں اور جماعتی تشکل سے تلاش کر کے لایا جاوئے۔ دور نزدیک کے لئے تیار کیا جاوے اور مگراہاٹ میں آنا گویا روانگی اور ضروری ہدایتیں لینے کے لئے ہو۔"

ایک دوسرے مکتوب میں میاں جی عیسیٰ کو تحریر کرتے ہیں:۔

"اجتماع سے پہلے آپ مع مولوی داؤد صاحب و مولینا رحمت اللہ صاحب اور حافظ اسمٰعیل صاحب اجتماعی مشاورت کے ذریعے علاقے میں ایسی کوشش کریں کہ اوقات کی تفریغ، اصولوں کے اتباع اور ترکِ وطن کا اور اس کام کو نازک سمجھ کر اس کے سیکھنے کا رُخ پڑ جائے ورنہ صرف اجتماعات کا ذہن اور نقل وحرکت کا ذہن بغیر دین سیکھنے اور اللہ ربّ العزت کے حصول کو مطلوب بنا لینے کے سراسر فتنہ ہی فتنہ ہے۔"

اندرون و بیرون ہند کی جماعتوں کی تشکیل

اجتماعات میں مولانا کی شرکت کی ایک شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ ایک معتد بہ تعداد اندرون و بیرونِ ملک کے لئے جماعتوں کی شکل میں جانے کو تیار ہو جائے، اجتماعات میں ان جماعتوں میں اضافہ تو ہوتا مگر بنیاد پہلے ہی سے رکھ دی جاتی اور اسی حساب سے کام کیا جاتا اور لوگوں کو آمادہ کیا جاتا اور اس کی اطلاع عام طور سے مولانا کو کی جاتی۔ صرف شوقیہ جلسے کرنے اور اس میں مولانا کو شریک ہونے کی دعوت نہ تو دی جاسکتی تھی اور نہ مولانا اس کو قبول فرماتے۔ اس بات کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے نمونتًا ایک اجتماع سے قبل اس کی تیاری اور مرکز سے رابطہ قائم رکھنے کے متعلق ایک مکتوب پڑھیئے۔ نہٹور کے اجتماع کے ذمہ دار

حضرات اجتماع سے تقریباً دو ماہ پہلے مرکز کے ایک بڑے ذمہ دار کو اپنی تیاری اور اجتماع کو کامیاب بنانے کے طریقوں اور مفید مشوروں کی خواہش کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

"ہمارے یہاں خدا کا شکر ہے اجتماع کی تیاری شروع ہوگئی ہے، سرگرمی سے کام جاری ہے، لوگ جوق در جوق حصہ لے رہے ہیں۔ کارکنوں کے سامنے بڑی کٹھن منزل ہے۔ راہ میں مشکلات و موانع بے شک ہیں مگر خدا سے قوی امید ہے کہ وہ ضرور ہمارا اجتماع کامیاب فرمائیں گے، آپ سے اور مرکز کے تمام بزرگوں سے دعا اور خاص دعا کی درخواست ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمیں اجتماع کامیاب بنانے کی ہدایت و نصائح سے ضرور سرفراز فرمائیں، نیز حسب ذیل مقامات کا کرایہ و فاصلے سے مطلع فرمائیں۔ ان مقامات پر جماعتوں کی روانگی کا کام کیا جارہا ہے: بمبئی، کلکتہ، مدراس، حیدرآباد، کشمیر، آسام، برما، جزائر انڈمان، مالابار، بہار، اڑیسہ، یو۔پی، ایم پی، سی۔پی، گجرات، راجستھان، پنجاب، پانڈیچری۔"

زیادہ تر ایسے اجتماعات ہوتے تھے جن سے بیرون ہند کے لئے بڑی بڑی جماعتیں نکلتی تھیں اور یہ اسی وقت ہوتا تھا جب کہ اجتماعات سے پہلے پوری تن دہی اور لگن سے کام کیا جاتا۔ مولانا ہر اجتماع سے پہلے اس کا خصوصی طور پر اہتمام فرماتے اور اس کی ہدایات دیتے، جہاں اجتماع ہوتا وہاں مہینوں پہلے سے پرانے کام کرنے والوں با اصول میواتی اور غیر میواتی حضرات کو کام کرنے کے لئے اور اوقات لینے کے لئے بھیجتے اور جن جن اطراف سے جماعتیں مرکز جاتیں ان کا رُخ اسی اجتماع والے شہر یا مقام پر موڑ دیتے جو پیدل اور سواری سے کام کرتی ہوئی اور لوگوں کو اجتماع کی دعوت دیتی بیرون واندرونِ ملک کے لئے اوقات لیتی ہوئی مقام اجتماع پہونچتیں اور اس کے اطراف

جماعتوں کا ایک جال بچھا دیا جاتا اور اجتماع ہوتے ہوتے بڑی تعداد میں لوگ ملکوں اور شہروں کے سفر کی تیاری کر لیتے اس لئے جو لوگ اجتماع کی تاریخ مقرر کرنے جاتے ان سے استفسار کیا جاتا کہ اندرون ملک کی کتنی جماعتیں اور بیرون ملک کی کتنی جماعتیں اس اجتماع سے نکلیں گی، تسلّی بخش جواب کے بعد اجتماع کی تاریخ مقرر کر دی جاتی اور پھر اس کے لئے کام کیا جاتا۔

عظیم الشان اجتماع

مولانا جس اجتماع میں شریک ہوتے تنہا شریک نہ ہوتے بلکہ ان کی ہم رکابی میں مرکز کے اہل شوریٰ پرانے میواتی، اہل علم حضرات اور شب و روز ساتھ رہنے والے لوگ ہوتے۔ مہینوں پہلے کام ہونے کی وجہ سے اطراف و جوانب نیز دُور دُور کے صوبوں اور بعض دفعہ دوسرے ملکوں کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے، وہ اجتماع کیا ہوتا انسانوں کا ایک جنگل ہوتا، معلوم ہوتا ایک شہر آباد ہو گیا ہے، جو لوگ بھوپال، کاوی، چھاپی، نکھنؤ، کانپور، مگراہاٹ وغیرہ کے اجتماعات دیکھ چکے ہیں وہ انسانوں کی اس کثرت، والہانہ انداز اور ذوق و شوق کی ان کیفیات کا جو شریک ہونے والوں پر طاری ہوتیں بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ایک ویرانہ کس طرح ایک آباد اور بارونق شہر میں تین دن کے لئے تبدیل ہو جاتا تھا۔ پھر وہ شہر ایک مدرسہ، ایک خانقاہ اور تربیت گاہ بن جاتا تھا۔ اس وقت تعلیم کے حلقے ہو رہے ہیں بیسیوں حلقے قریب قریب بنے ہوئے ہیں، کلمہ، نماز، فرائض اور فضائل کی تعلیم ہو رہی ہے، قرآن کی تصحیح کی جا رہی ہے، ابھی جماعتیں بن رہی ہیں، عمومی اور خصوصی جماعتوں کی تشکیل ہو رہی ہے۔ رات ہوئی اجتماع شروع ہوا، مولانا کی ایمان پرور اور یقین افروز تقریر ہونے لگی اور سارا مجمع بیخود ہونے لگا نہ مولانا کو اپنے تن من کا ہوش رہا نہ مجمع کو کروٹ لینے اور پہلو بدلنے کی فرصت، ہر ایک ہمہ تن گوش ہو کر روح پرور خطاب سننے لگا" از دل خیزد و بر دل ریزد" کا سماں بندھ گیا، آنکھوں سے آنسو

جاری ہونے لگے اور ہر شخص سراپا یقین بنتا نظر آنے لگا۔ مولینا سے تعلق و محبت کا عجیب عالم ہوتا لوگ پروانہ وار مصافحہ کے لئے بڑھتے، ایک اجتماع کا حال مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں:۔

"عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کرلوں، انتظاماً قیام گاہ پر میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چوکھٹ داخلے کی بے محابہ کوششیں کرنے والوں کے ہاتھوں اکھڑ گئی تھی۔ جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ تشریف لاتے تھے تو مجمع آپ کے ارد گرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا جس سے انتشار ہوتا تھا اور ضعیفوں کے کچل جانے کا اندیشہ ہوجاتا تھا۔"

خطاب ختم ہونے پر مطالبے شروع ہوجاتے، سیکڑوں نام جو پہلے آچکے تھے وہ لکھے جانے لگتے، نئے لوگ کھڑے ہوہو کر اپنا نام لکھاتے۔ جماعتوں کی تشکیل کا ایک کمرہ الگ ہوتا، اسمیں ان تمام لوگوں کو جمع کیا جاتا جو نام لکھا چکے ہوتے اور وہیں اندرون و بیرون ملک کی جماعتیں بنتیں۔ اوقات مقرر ہوتے۔ پیدل، ریل کے ذریعے، سائیکلوں کے ذریعے اور دوسرے ملکوں میں جانے کے واسطے ہوائی جہاز اور بحری جہاز کے ذریعے نظم بنتا۔

اجتماع کے خاتمے پر عمومی طور پر تیسرے دن صبح سے دوپہر تک تقریباً ۱۱ بجے تک مولانا کا آخری خطاب ہوتا جس میں کام کے اصول، طریقہ کار، گشت و اجتماع اور سفر کے متعلق ایک مرتب اور منظم ہدایت نامہ ہوتا تاکہ جماعتوں میں ہر جانے والا شخص اس کے مطابق اپنے اوقات گزارے۔

اس خطاب کے بعد مولانا بڑی مؤثر دعا فرماتے جس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتے اور پوری فضا آمین سے گونج اٹھتی۔ ان ہدایات اور دعاؤں کے مستقل باب انشاء اللہ آپ آخر میں پڑھیں گے دعا کے بعد سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد جماعتوں کی شکل میں مولانا سے مصافحہ

کرتے ہوئے اور دعائیں لیتے ہوتے رخصت ہوتے، دور تک دو رویہ دیکھنے والوں کی قطار ہوتی اور وہ جماعتیں ہر ایک سے مصافحہ کرتی ہوئی آگے نکل جاتیں۔ یہ منظر بھی ہر دیکھنے والے کو انتہائی متاثر کر دیتا اور سیکڑوں آنکھیں محبت تعلق سے اور اپنی محرومی کے احساس سے اشک بار ہو جاتیں۔

جماعتوں میں نکلنے والوں کی کثرت

ان بڑے بڑے اجتماعات سے جنھیں مولانا شرکت فرماتے ہزاروں کی تعداد میں لوگ نکلتے دس، دس، بارہ بارہ جماعتیں دوسرے ملکوں کے لئے نکلتیں اور سیکڑوں جماعتیں اندرونِ ملک کے صوبوں اور شہروں میں نکلتیں۔ ہر اجتماع میں نکلنے والے لوگ یکساں تعداد میں نہ ہوتے بلکہ اجتماع کے حساب سے لوگوں کا نکلنا ہوتا۔ بہر حال اوسطاً بڑے اجتماع سے دو ڈھائی ہزار آدمی نکلتے، اگر کسی اجتماع سے نکلنے والوں کی تعداد ہزار سے کم رہتی تو بعض اجتماع سے نکلنے والوں کی تعداد دو تین ہزار تک جا پہنچتی اور مولانا کے آخری دور میں تو اس سے بھی بہت زیادہ تعداد بعض اجتماعات سے نکل چکی ہے اور اوقات بھی ایک دو دن کے لئے نہیں بلکہ عمومی طور پر نکلنے والے تین تین چلّوں کا وقت لے کر نکلتے تھے۔

تبلیغی دوروں میں مولانا کا نظامِ سفر

ان دوروں اور اجتماعات کے لئے مولانا کے اسفار کا نظام کیا رہتا تھا۔ صبح و شام سفر و حضر میں کس طرح اوقات گذارتے تھے؟ وہ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ایک سفر کا نظام ہم پیش کرتے ہیں بس اسی طرح کا نظام تقریباً ہر تبلیغی سفر اور اجتماع میں رہتا تھا۔

۱۹۶۴ء میں کاوی صوبہ گجرات میں ایک عظیم الشان تبلیغی اجتماع ہوا، ایک رفیقِ سفر جو مولانا کے بالکل قریب رہے شب و روز ہمرکابی کا شرف حاصل کیا وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"۱۸ر دسمبر کو جی۔ ٹی ایکسپریس سے دہلی سے روانہ ہوئے۔ ۱۹ر کو بھوپال میں حکیم پور کے مقام

میں اجتماع ہوا، ایچ، ای، ایل بھوپال کے مسلمان ملازموں کے سامنے مولانا کی تقریر ہوئی اس کے بعد اسی دن شام کو ساڑھے رفقاء سوائے مولانا کے بڑودہ کیلئے روانہ ہوئے، مولانا کار سے سیہور گئے اور اجتماع میں شرکت کی اور وہاں سے سفر میں شریک ہو گئے صبح کے وقت ناشتہ کے بعد حیاۃ الصحابہ کی تعلیم شروع ہوئی، عربی کے حلقے میں مولانا اور مولانا انعام الحسن صاحب شریک ہوئے۔ تقریباً دو گھنٹے تعلیم جاری رہی۔ تعلیم کے درمیان جو اشکالات پیش آتے تھے وہ خود مولانا ہی دور فرماتے تھے۔ اس کے بعد ضروریات کی فراغت کے لئے منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد صرف تھوڑی دیر آرام، پھر ظہر کی نماز، نماز کے بعد پھر تعلیم ہوئی، ساڑھے تین بجے بڑودہ پہنچے۔ اسٹیشن پر دعا ہوئی، دعا کے بعد سارا سامان بس پر لادا گیا اور قریب کی ایک مسجد میں عصر کی نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد ایک مقامی رفیق کے گھر پر عصر کی چائے نوش کی گئی۔ چائے کے بعد جیپ اور کاروں میں مولانا اور مخصوص رفقاء اور باقی جماعتیں بسوں پر کاوی کے لئے روانہ ہوئیں۔ راستے میں ایک کارخانے میں مغرب کی نماز پڑھی، عشا کے قریب کاوی پہنچے، عشا کی نماز وہیں پڑھی، نماز کے بعد مولانا اور ان کے خاص رفقا ایک مقامی رفیق کے یہاں کھانے پر مدعو ہوئے۔ صبح فجر کے بعد ہی اجتماع شروع ہو گیا۔ تین گھنٹے کے قریب مولانا کی تقریر ہوئی، تشکیل وغیرہ سے فارغ ہو کر ایک گھنٹے کا وقفہ ناشتے وغیرہ سے فراغت کے لئے دیا گیا۔ وقفے کے بعد تعلیمی حلقے قائم کئے گئے حلقے تقریباً بارہ بجے تک جاری رہے۔ اس کے بعد ظہر کا کھانا، نماز، تقریر، عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز تک ذکر و تسبیحات کیلئے وقفہ ہوا، مغرب کے بعد تقریر ہوئی، پہلے کسی عرب مقرر کی تقریر، اس کے بعد مولانا کی تقریر ہوئی، تقریر کے بعد تشکیل، اس کے بعد عشا کی نماز گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ہوئی، ایک بجے کے قریب آرام کیا گیا، پھر دوسرے دن یہی نظام تیسرے

دن نماز فجر کے بعد مختصر تعارفی تقریر، اس کے بعد ناشتہ اور ضروریات کی تکمیل، پھر رخصتی تقریر اور رخصت ہونے والی جماعتوں کو ہدایات دی گئیں، اس کے بعد تقریبًا ڈیڑھ سو جماعتیں رخصت ہوئیں۔

اس کے بعد عورتوں کے ایک اجتماع میں شرکت کی، رات کے قیام کے بعد صبح سویرے ناشتہ کے بعد آنند براہ بڑودہ روانہ ہوئے۔ آنند میں طلبا و اساتذہ سے خطاب فرمایا، ظہر کی نماز کے بعد مدرسے کی ایک نئی عمارت کی جگہ دُعا فرمائی اور مختصر خطاب، عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد راندیر روانہ ہوئے۔ راستے میں بڑودہ بس اسٹینڈ پہ نماز مغرب ادا کی اس کے بعد سفر شروع ہوا۔ رات کو نو دس بجے کے درمیان راندیر پہونچے۔ مدرسۂ حسینیہ میں قیام ہوا۔ دوسرے دن بعد نماز فجر مدرسے کی مسجد میں ایک عربی مُبلّغ کی تقریر ہوئی۔ طلبہ نے نام لکھوائے۔ اسکے بعد مدرسہ میں ختم بخاری کرایا اور پھر تقریر فرمائی، ظہر بعد مدرسہ اشرفیہ میں ختم بخاری شریف ہوا اس کے بعد تقریر فرمائی۔ مغرب کے بعد ڈابھیل کے لئے روانہ ہوئے۔ مہمان خانہ میں قیام فرمایا۔ عشاء بعد جامع مسجد میں تقریر فرمائی، فجر کی نماز کے بعد مدرسہ کی مسجد میں مولانا نے تقریر فرمائی اور تقریر بعد سورت کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں کی جامع مسجد میں تقریر فرمائی، بعد تقریر ڈیڑھ بجے جنتا سے دہلی روانہ ہوگئے۔

اجتماع کے بعد کی کیفیات

مولانا جن جن اجتماعات میں شریک ہوتے وہ مہینوں پہلے سے تو فضا کو جذب و شوق اور جد و جہد کی کیفیات سے معمور کر دیتے اور لوگ ذوق و شوق سے مولانا کی آمد کا انتظار کرتے لیکن اصل کیفیات اور نورانیت اجتماع کے بعد پیدا ہوتی اور مدتوں تک دین کا غلغلہ اور خدمتِ دین کا جذبہ فضا میں سرایت کئے رہتا۔ اور عوام و خواص سب کئی مہینے تک اس کا تذکرہ کرتے رہتے اور ان مبارک دنوں کو یاد کرتے رہتے اور اپنے دل ایمان و یقین

کی دولت سے مالا مال پاتے۔ ایک صاحب ایسے ہی ایک اجتماع کے بعد کی کیفیات کو اس طرح سناتے ہیں:۔

"شہر سے ڈیڑھ میل دور اجتماع تھا کئی دن پہلے سے وہ پُر رونق بازار معلوم ہونے لگا۔ ضرورت کی ہر چیز کی دوکانیں نظر آنے لگیں۔ ایک بڑا سا پنڈال لگایا گیا تھا جس میں تیس چالیس ہزار کی جگہ تھی، مختلف صوبوں، شہروں دیہاتوں اور قصبات کی جماعتیں ایک روز پہلے سے آنے لگیں اور جہاں جہاں ان کے قیام کی تختیاں لگی تھیں ٹھہرنے لگیں، تعلیم کے حلقے بننے لگے، حضرت مولانا کی آمد آمد ہوئی، ایک بڑا مجمع اسٹیشن پہنچا اور اجتماع گاہ لایا حضرت مولانا کی تقریریں شروع ہوگئیں اور مسلسل بولنا شروع کر دیا۔ آخری تقریر میں مولانا کے جوش و خروش کا کہنا کیا ہر شخص دم بخود تھا کہ گھنٹوں سے بول رہے ہیں مگر تکان نہیں، عزم و یقین کا پیکر بنے سارے انسانوں کو دعوت حق دے رہے ہیں۔ سارا مجمع ایمان و یقین میں ڈوبتا نظر آنے لگا اجتماع ختم ہوا، مولانا رخصت ہوئے اور اپنے پیچھے ایسے دیرپا اثرات چھوڑ گئے کہ مہینوں تک فضا اُن سے معمور رہی، ہر شخص کی زبان پر انکی تقریروں کا تذکرہ، ان کے اعتماد علی اللہ، یقین و توکل کا چرچا تھا، ایسے لوگ بھی نظر آئے جو اجتماع سے پہلے سخت مخالف تھے مگر اجتماع کے بعد انکی زبانوں پر مولانا کے ایمان افروز خطاب اور روح پرور گفتگوؤں کی بے پایاں تعریف و توصیف کے کلمات تھے:

اجتماعات کی ابتداء تقسیم کے چند مہینوں بعد تک مولانا نے تبلیغی کام زیادہ تر دہلی اور اس کے اطراف میں جو مسلمان پناہ گزین آکر بس گئے تھے اُن میں کیا اور زیادہ سے زیادہ جماعتیں فسادات سے متاثر مسلمانوں میں

بھیجیں چند مہینوں کے بعد جب حالات کچھ بہتر ہوئے اور مختلف علاقوں میں اجتماعات کرنے کے راستے کھلے تو مولانا نے اجتماعات کی ابتدا فرمائی اس لئے کہ اجتماعات سے ٹوٹے ہوئے دلوں کو قوت اور اکھڑے ہوئے قدموں کو ثبات ملتا تھا۔

جہاں جہاں پر اجتماعات ہوئے وہاں پر ہمت اور جرأت کی فضا پیدا ہوگئی اور جو مسلمان کھلے عام نکلتے ہوئے ڈرتے تھے وہ بے جھجک سفر کرنے لگے تبلیغی جماعتیں نہ عین فسادات کے دور میں رکیں نہ ویران جگہوں میں سفر کرنے سے ڈریں۔ جس ذات باری تعالیٰ کا وہ کام کررہی تھیں اس پر پورے ایمان اور یقین کے ساتھ فسادات کے الاؤمیں "یا نار کونی برداً وسلماً" کہتی ہوئی داخل ہوگئیں۔ خدا نے فضا کو ہموار کیا اور دینی دعوت کے راستے کھول دیئے۔ جب عام مسلمانوں میں اعتماد، جرأت اور بے خوفی کی قوت پیدا ہونے لگی تو مولانا نے عام اجتماعات کی طرح ڈالی۔

رائے پور کا اجتماع

مولانا محمد یوسف صاحب نے تقسیم ہند کی لائی ہوئی مصیبت اور وحشت پیدا کرنے والے دور میں اجتماعات کی ابتدا ایسے مقام سے کی جہاں پر ذکر کی فضا قائم تھی اور برسوں سے اللہ اللہ کرنے والے وہاں پر موجود تھے اور ایک ایسے مردِ خدا اور بزرگ شخصیت کا سایہ تھا جسنے برسوں ایمان و یقین اور یادِ الٰہی کا سبق دیا۔ رائے پور سہارنپور سے تقریباً ۲۱-۲۲ میل دور ایک قصبہ ہے جہاں پر راؤ صاحبان کی زمینداری ہے اور آبادی ہے۔ اس آبادی سے قریب گلشن رحیمی نام کی ایک بستی ہے جس میں حضرت مولینا عبدالقادر صاحب رائے پوری کا قیام تھا۔ اسی رائے پور میں تقسیم ہند کے بعد سب سے پہلا تبلیغی اجتماع ہوا۔

۳ ربیع الثانی ۶۷ھ کی شب میں مطابق ۱۴ فروری ۴۸ء کو مولانا محمد یوسف صاحب نظام الدین سے سہارنپور تشریف لیگئے۔ لکھنؤ سے مولینا ابوالحسن علی ندوی اور

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پنجاب میل سے سہارن پور پہونچے، دوسرے دن صبح کو ان سارے حضرات کی رائے پور روانگی ہوئی، رائے پور میں ایک طویل اجتماع تھا جس کے سلسلے میں یکشنبہ کی شب میں جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا، مولانا محمد یوسف صاحب نے اس میں خطاب فرمایا۔ یہ جلسہ اپنی نوعیت کا ایک کامیاب بنیادی جلسہ تھا۔ اس سے آئندہ اجتماعات اور جلسوں کی راہ ہموار ہوئی، رائے پور کے اطراف کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے مشرقی پنجاب کے بہت سے مسلمان پناہ گزین جنھوں نے رائے پور میں آکر قیام کر لیا تھا وہ بھی اس میں شریک ہوئے، دوسرے دن دوشنبے کو یہ سارے حضرات سہارن پور آئے بدھ کے روز مولانا ابوالحسن علی وغیرہ لکھنؤ چلے گئے اور حضرت رائے پوری جو ان حضرات کے ساتھ سہارن پور تشریف لائے تھے۔ رائے پور واپس گئے اور مولانا محمد یوسف صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ یہی وہ سفر ہے جس میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے مولانا محمد یوسف صاحب سے پاکستان کے سفر اور دورہ پر اصرار فرمایا۔

کرسی کا اجتماع

کرسی لکھنؤ سے تقریباً ۱۲ میل شمال مشرق کی طرف بارہ بنکی کے ضلع میں ایک قصبہ ہے جو بزرگوں کا مسکن[1] رہا ہے اور آج بھی وہاں اچھی خاصی مسلمان آبادی ہے اور اطراف میں دور دور تک گدی آباد ہیں۔ لکھنؤ میں عرصے سے کام ہو رہا تھا اور تقسیم سے ایک سال پہلے لکھنؤ کے ضلع بمقام رحیم آباد ایک اجتماع ہو چکا تھا جس میں مولانا مع اپنے رفقاء کے شریک ہو چکے تھے

---

[1] اس قصبہ میں تیرھویں صدی کے اوائل میں ایک بزرگ حضرت شاہ نجات اللہ صاحب گزرے ہیں جو سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ تھے۔ علمائے فرنگی محل کو بھی ان سے ارادت و اجازت کا تعلق رہا ہے۔ انھیں کی اولاد میں مولانا صادق الیقین صاحب تھے جو قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے مخصوص ترین تلامذہ و مریدین میں تھے۔

اب ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ لکھنؤ کی دوسری جانب بھی اجتماع کیا جائے جب کہ خود کُرسی کے دوسرے حضرات، حضرت شیخ الحدیث سے خادمانہ تعلق رکھتے ہیں بخصوصًا مولوی عبد اللہ صاحب حضرت شیخ سے بیعت و ارادت کا اور مولانا محمد یوسف صاحب سے تبلیغ و دعوت کا تعلق رکھتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر کُرسی کا اجتماع قرار پا گیا۔

مولانا محمد یوسف صاحب پاکستان گئے ہوئے تھے وہاں سے واپسی پر ۱۹ مئی ۱۹۴۸ء شام کو سہارن پور پہنچے اور پنجشنبہ کی صبح کو ہوڑہ اکسپریس سے لکھنؤ کیلئے روانہ ہوگئے، لکھنؤ پہونچ کر جمعہ کی صبح کو مولانا ابو الحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے ہمراہ کرسی گئے، دہلی اور لکھنؤ کی ایک بڑی جماعت اس اجتماع میں شریک ہوئی۔

کرسی کا یہ اجتماع ۲۱، ۲۲، ۲۳ مئی کو ہوا تھا۔ ۱۱ بجے یہ حضرات کرسی پہنچے۔ اس اجتماع میں کرسی کے اطراف کے کثیر التعداد آدمی شریک ہوئے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کا خطاب ہوا اور حسبِ قاعدہ جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔ دوشنبے کو مولانا لکھنؤ واپس ہوئے اور منگل کی شام کو پنجاب میل سے سہارن پور پہنچے اور دوسرے دن صبح کو رائے پور تشریف لے گئے۔ جن حضرات کا کرسی کے اجتماع میں جانا ہوا ان کا کہنا ہے کہ اِس پُرآشوب دَور میں اس نواح میں اتنا بڑا اجتماع اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔

لکھنؤ کے تبلیغی سلسلے کا اہم مشورہ

لکھنؤ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے دور ہی سے تبلیغی کام ہو رہا تھا اور مولانا ابو الحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے زیر سرپرستی لکھنؤ اور لکھنؤ کے اطراف میں کام پھیل رہا تھا لیکن اس کی مزید وسعت کے لئے اور لکھنؤ کے کام کو زیادہ سے زیادہ نظم کے ساتھ چلانے کے لئے مرکز نظام الدین کے تعاون

کی زیادہ ضرورت تھی اس سلسلے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مولانا محمد یوسف صاحب سے مکاتبت چل رہی تھی، اس خط وکتابت کے ذریعے یہ طے ہوا کہ سہارن پور میں اس سلسلہ کا مشورہ کیا جائے، اس لئے ۱۴ شعبان ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۴۸ء دوشنبہ کی شام کو مولانا سہارن پور پہنچے اور منگل کی دوپہر کو ۱۲ بجے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پہونچے ان دونوں حضرات کے ساتھ لکھنؤ، رام پور اور مُراد آباد کی ایک بڑی جماعت تھی، یہ جماعت کا قیام مسجد بنجاران میں ہوا اور یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ صوفی عبدالرب صاحب، حضرت شیخ الحدیث کے یہاں قیام پذیر ہوئے اور لکھنؤ کے کام کے سلسلے میں مشورہ ہوا اور اس کی وسعت اور گہرائی کے کے لئے بہت سی شکلیں سوچی گئیں۔ جمعہ کی صبح کو مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نصاب کمیٹی میں شرکت کی خاطر دیوبند گئے اور مولانا شنبہ کو کاندھلہ جاکر یکشنبہ کو سہارن پور واپس ہوئے اور دوشنبے کو رائے پور تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس دہلی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد اہل لکھنؤ نے ۲۶ اگست ۱۹۴۸ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یوپی نیز دوسرے صوبوں کے دینی درد رکھنے والوں کا ایک مشاورتی اجتماع رکھا جس میں تقریباً دوسوا دوسوا فراد کو دعوت نامے جاری کئے گئے اور اس کے نتیجے میں یہ مشاورتی اجتماع بڑا کامیاب رہا کثیر تعداد میں اہل تعلق اور تبلیغی ذوق رکھنے والوں نے شرکت کی لکھنؤ کے کام پر نئے سرے سے غور ہوا اور متفقہ طور پر لائحہ عمل بنایا گیا اور اسی کی روشنی میں لکھنؤ اور دوسرے شہروں میں گشت واجتماع کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

نوح کا تبلیغی اجتماع

قصبہ نوح ضلع گڑگانواں میں ایک تبلیغی اجتماع، ۴ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ بروز یکشنبہ ہوا اس جلسہ میں مرکز کے اکابر کے علاوہ مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب (دہلوی) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی شریک ہوئے اس تبلیغی اجتماع میں

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے تبلیغ کی ضرورت اور افادیت پر کئی گھنٹے تقریر فرمائی، اس اجتماع میں میوات کے اہلِ تعلق اور کثیر تعداد میں میواتی شریک ہوئے۔

مظاہر العلوم میں خصوصی خطاب

مدرسہ مظاہر العلوم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا قدیمی مادر علمی تھا۔ خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اس میں پڑھایا اور مولانا محمد یوسف صاحب نے اس میں پڑھا اور خود مظاہر العلوم کے سرپرست بھی تھے اس لئے لازمی طور پر اس مدرسہ سے گہرا تعلق تھا اور شروع ہی سے مدرسے کے اساتذہ اور طلبا نظام الدین آتے جاتے رہتے تھے، مولانا کو علما اور طلباء میں کام کرنے اور ان کو ان کا اصل فریضہ یاد دلانے کی بڑی خواہش اور تمنا تھی۔ ان کے نزدیک علم کے تین مقصد تھے اور ان مقاصد کے لئے علماء و طلباء کو محنت کرنے پر زور دیتے تھے۔

(۱) اس علم کے مطابق اپنے اندر کا یقین۔

(۲) اس علم کے مطابق عمل۔

(۳) اس یقین و عمل کو عالم میں پھیلانا۔

عام طور پر مدارس کے علماء مدرسین اور طلباء کے سامنے اسی پر زور دیتے تھے کیوں کہ مدرسہ مظاہر العلوم کے اہلِ حل و عقد اساتذہ اور طلباء مولانا سے تعلق رکھتے تھے اور اس تبلیغی تحریک سے وابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ اس لئے مولانا نے اس مدرسہ سے خاص تعلق رکھا اور گاہے گاہے مظاہر العلوم جاکر خطاب بھی فرمایا اسی سلسلے میں ۴؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۰ھ بروز سہ شنبہ مولانا اپنے خصوصی رفقاء کے ساتھ مدرسہ مظاہر علوم تشریف لے گئے۔ چہار شنبہ کی صبح کو مدرسہ کی بالائی منزل "دار الحدیث" کے وسیع ہال میں طلباء کا ایک اجتماع کیا گیا اور مولانا نے ان طلباء کے سامنے ان کے فرائض منصبی اور اس دینی علم

کے حاصل کرنے کے مقاصد پر ایک خصوصی خطاب فرمایا جس میں علم دینی کے سارے پہلوؤں پر تفصیل سے بحث فرمائی۔

مگراہاٹ کا اجتماع

۱۹۴۶ء میں رحیم آباد کے اجتماع کے بعد مولانا کلکتہ تشریف لے گئے تھے اور وہاں کے اجتماع میں شرکت فرمائی تھی اس سے کلکتہ کی فضا پر بڑا اچھا اثر پڑا تھا اس لئے کلکتہ کے اطراف میں بھی مولانا کی تشریف بری کو ضروری محسوس کیا جاتا تھا۔ مگراہاٹ جو کلکتہ کے مضافات میں ہے، ایک بڑا اجتماع کیا گیا جس میں کامیابی کے لئے پہلے سے کوششیں جاری ہو گئیں اور ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء بروز جمعہ شام کے وقت دہلی سے اہل مرکز اور کام سے تعلق رکھنے والوں کا ایک سفر ہوا جن میں مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی اور حضرت حافظ فخر الدین صاحب تھے، یہ حضرات سب سے پہلے کلکتہ گئے اس کے بعد مگراہاٹ۔ اس اجتماع میں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی شریک ہوئے۔ یہ اجتماع اطراف میں تبلیغی کام کا ایک عظیم اجتماع ہوا مختلف صوبوں اور بنگال کے مختلف اطراف و جوانب کے علماء اور طلباء شریک ہوئے اور عوام و خواص نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی، ۲۷ جمادی الثانی بروز پنجشنبہ دہلی واپس ہوئے۔

گڑھی دولت اور کیرانہ کا اجتماع

گڑھی دولت اور کیرانہ مظفر نگر کے علی الترتیب گاؤں اور قصبہ میں ان دونوں جگہوں میں مختلف تاریخوں میں دو اجتماع کئے گئے۔ پہلا اجتماع گڑھی دولت میں ہوا جو ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ کو کیا گیا تھا، اس اجتماع میں قرب و جوار کے مسلمان اور اہل مدارس شریک ہوئے، مولانا محمد یوسف صاحب پہلے کاندھلہ تشریف لے گئے اور ظہر کے بعد گڑھی دولت تشریف لے جاکر تبلیغی اجتماع میں شریک ہو گئے۔

دوسرا اجتماع کیرانہ میں ہوا جو ۵ صفر ۱۳۷۱ھ کو کیا گیا۔ یہ اجتماع بعض حیثیتوں سے

پہلے اجتماع سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس اجتماع میں باہر کی جماعتیں بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئیں۔ خصوصًا مولوی جمیل احمد صاحب حیدرآبادی جن کی وجہ سے حیدرآباد میں کام کو بڑا فروغ نصیب ہوا۔ وہ علی گڑھ کے طلباء کو لے کر کیرانہ کے اہم اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔

اس اجتماع کے بعد ہی، ۲۰ صفر بروز چہار شنبہ ایک اجتماع سرہند میں کیا گیا تھا جہاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ اس اجتماع میں مولانا محمد یوسف صاحب تو نہیں شریک ہو سکے ایک بڑی جماعت کو حافظ مقبول حسن صاحب گنگوہی کی قیادت میں بھیجا جس کی وجہ سے مشرقی پنجاب کے ان علاقوں کے مسلمانوں میں کام کا... دروازہ کھلا جو ۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے تھے اور آزادی سے کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔

بھوپال کا اجتماع بھوپال مسلمانوں کا ایک بڑا دینی اور تہذیبی مرکز رہ چکا ہے اس میں بیگمات کے دینی رجحان اور خصوصیت کے ساتھ مولوی جمال الدین خاں صاحب مدار المہام کے دور وزارت اور امیر الملک (والاجاہ) نواب سید صدیق حسن خاں صاحب کے عہد امارت میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء کا مرکز ہونے کی وجہ سے اسکو نہ صرف وسطِ ہند میں بلکہ ایک زمانے میں سارے ہندوستان میں ایک اہم تعلیمی اور دینی مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا ہے اور ابھی تک وہاں کے باشندوں میں دینی محبت، اسلامی حمیت، علماء اور اہل دین سے تعلق نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور اسلامی شعائر اب تک نمایاں ہیں، تقسیم ہند کے بعد اس کا اندیشہ تھا کہ وہاں تیزی کے ساتھ دینی اور اخلاقی انحطاط رونما ہوگا اور مسلمان احساس کمتری کا شکار ہوں گے جو مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے زوال کا لازمی نتیجہ ہے لیکن بانیان ریاست کی نیک نیتی اور ان علماء و صلحاء کے اخلاص و برکت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے عین موقع پر ایسے اسباب مہیا کر دئے کہ کم سے کم اس ریاست میں تقسیم و انضمام کے بعد کوئی خلا اور کسی بڑے انقلاب کے نتائج نہیں محسوس ہوئے۔ مولانا محمد عمران

خان صاحب ندوی نے جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب سے دینی و قلبی تعلق رکھتے تھے اور لکھنؤ کے تبلیغی کام میں بھی شریک تھے۔ یہاں تبلیغی اجتماعات کی بنیاد ڈالی اور تاج المساجد کی عمارت اور اس کے وسیع صحن کو جس کی نظیر ہندوستان میں بھی ملنا مشکل ہے اور جو شاہ جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ کے خلوص اولوالعزمی کی یادگار ہے، اس کا مرکز بنایا۔

بھوپال کے اضلاع میں مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہے قاری رضا حسن صاحب جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے مجازین میں سے تھے اور تبلیغی کام میں شروع ہی سے ان کے رفیق اور معتمد علیہ تھے، وہ بھوپال ہی کے رہنے والے تھے، اسکے علاوہ بھوپال کے علماء خصوصاً مولانا عبدالرشید صاحب مسکین، بھوپال کے مشہور عالم اور ملی کارکن نے مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی وساطت سے بھوپال میں تبلیغی کام کی دعوت دی تھی اور قاری رضا حسن صاحب کے ہاتھوں اس کی داغ بیل پڑ گئی تھی لیکن اس کی ترقی اور وسعت مولانا محمد عمران خان صاحب کے مضبوط ہاتھوں پر مقدر تھی، اہل بھوپال کی خواہش اور مولانا محمد عمران خان صاحب کی سفارش و کوشش پر ۵، ۶، ۷، فروری ۱۹۵۲ء کو ایک اجتماع مقرر ہوا جس میں شرکت کی خاطر مولانا محمد یوسف صاحب ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۵۲ء بروز شنبہ شام کے وقت ایک بڑی جماعت کے ساتھ بھوپال روانہ ہوئے۔ اس بڑی جماعت میں مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے علاوہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولینا ابوالحسن علی ندوی بھی تھے۔ بھوپال میں اجتماع تین دن ہوا۔ ۵، ۶، ۷، فروری ۱۹۵۲ء ہوا اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے دین سے تعلق رکھنے والے اور تبلیغی کام کرنیوالے شریک ہوئے۔ اس اجتماع کا نہ صرف صوبہ متوسطا ور حیدرآباد پر اچھا اثر پڑا بلکہ اور دور دور تک اس کے اثرات پڑے۔

اس کے بعد بھوپال میں ہر سال اجتماع ہونے لگا جو ہندوستان گیر ہوتا اور اتنا بڑا ہوتا کہ اس کا مقابلہ (شرکاء کی تعداد کے لحاظ سے) صرف کانگریس کے سالانہ جلسوں سے کیا جاسکتا تھا۔ بھوپال سے لے کر مدراس تک یہ سب سے بڑا دینی اجتماع ہوتا تھا۔ ان سارے اجتماعات میں مولانا نے شرکت فرمائی۔ بھوپال کے ان اجتماعات سے جماعتوں کی اس کثرت سے نقل و حرکت ہوتی جس کی مثال ہندوستان کے اور اجتماعات میں مشکل ہی سے ملتی تھی اور اب بھی جبکہ مولانا اس دنیا میں نہیں ہیں بھوپال کا اجتماع ہر سال ہوتا ہے اور اسی شان سے ہوتا ہے جس شان سے مولانا کی زندگی میں ہوتا تھا۔

اسارہ کا اجتماع

شروع ہی سے دہلی سے سہارن پور جماعتوں کی آمد و رفت تھی اور ان دونوں کے درمیانی علاقوں میں ہر چھوٹے بڑے دیہات اور قصبے میں کام ہوتا رہا تھا، اس کام کے سلسلے میں گاہے گاہے اجتماعات بھی ہوتے رہے ان اجتماعات میں یہ اسارہ کا ایک اجتماع بھی ہے۔ اس میں مرکز سے مولانا محمد یوسف صاحب مع اپنے رفقاء کے تشریف لے گئے اور سہارن پور سے حضرت شیخ الحدیث نے شرکت فرمائی۔ یہ اجتماع تین دن تک جاری رہا جس میں جماعتوں کی تشکیل ہوئی اور صبح و شام خطاب ہوئے، اجتماع کے بعد بدھ کی شام کو یہ حضرات کاندھلہ تشریف لے گئے اور ایک رات قیام کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث سہارن پور اور مولانا دہلی تشریف لے گئے۔

کانپور کا اجتماع

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ۱۹۴۳ء میں لکھنؤ کے سفر کے خاتمہ پر کانپور تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے ہمراہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نیز لکھنؤ کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ حضرت مولانا کے تشریف لے جانے کے بعد کانپور میں کام برابر ہوتا رہا اور کام کرنے والوں کا حلقہ بڑھتا رہا جب کام ایک حد تک پہونچ گیا اور جماعتوں کی نقل و حرکت بڑے پیمانے پر ہونے لگی تو ایک بڑے اجتماع کی تجویز ہوئی اور مولانا محمد یوسف صاحب کی اجازت سے اجتماعات کی تاریخیں

مقرر ہوگئیں۔ یہ اجتماع اتوار دوشنبہ منگل بتاریخ ۹ شعبان ۱۳۷۰ھ تا ۱۱ شعبان مطابق ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۵۲ء کو مسلم حلیم انٹر کالج کے وسیع میدان میں ہوا۔ اس اجتماع میں لکھنؤ کے کام کرنیوالوں نے کانپور کے کام کرنیوالوں کے ساتھ بڑا تعاون کیا۔ اس اجتماع میں ہندوستان کی جماعتوں کے علاوہ دوسرے ممالک کی جماعتیں بھی شریک ہوئیں۔ اہل کانپور نے اس اجتماع کیلئے بڑے انتظامات کئے تھے اور ہزاروں انسانوں کے کھانے پینے اور تعلیم وگشت کے اوقات منضبط کئے تھے اور جماعتوں کی بڑی الوالعزمی کے ساتھ نصرت کی تھی۔ اس سے قبل لکھنؤ میں حلقہ واری اجتماعات ہو رہے تھے اور لکھنؤ کو چار منطقوں میں تقسیم کردیا گیا تھا اس کے ایک اجتماع میں جو امین آباد کے منطقہ کا نعمت اللہ بلڈنگ میں کیا گیا تھا۔ مولانا نے کئی گھنٹے تقریر فرمائی تھی جو تقریباً ایک بجے رات کو ختم ہوئی تھی۔ کانپور کے اس اجتماع کا نظام اس طرح تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مولانا کی تقریر، اس کے بعد جماعتوں کی تشکیل۔ ۹ بجے سے بارہ بجے تک مختلف حلقوں اور جماعتوں میں تعلیم اور مولانا کا کسی نہ کسی خصوصی مجمع کو خطاب، بعد ظہر جماعتوں کی گشت کے لئے روانگی اور مولانا کی مجلسی گفتگو، بعد نماز مغرب کھانا، بعد نماز عشا اجتماع۔

اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد بروز چہارشنبہ دہلی واپس ہوئے۔ اس اجتماع نے خصوصی طور پر کانپور کی فضا پر بڑا اچھا اثر ڈالا۔ کانپور کا غالباً کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس میں جماعتیں نہ گئی ہوں اور کوئی متنفس ایسا نہ ہوگا جس کے کانوں تک تبلیغ کی صدا نہ پہونچی ہو۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے مختلف خطاب ہوئے، عمومی بھی خصوصی بھی۔ تاجروں کا اجتماع الگ ہوا۔ کالجوں کے طلبا کا اجتماع الگ، عمائد اور خصوصی لوگوں کا الگ اور سب میں مولانا نے اپنے خاص انداز میں خطاب فرمایا۔ اس اجتماع سے کانپور میں کام بڑھ گیا اور پھر بآسانی نزدیک و دور جماعتیں نکلنے لگیں اور عام طور پر لوگ اپنے اوقات فارغ کرنے لگے اور مرکز نظام الدین میں ان علاقوں کی جماعتوں کی آمد ورفت

بڑھ گئی۔

مُراد آباد کا اجتماع مراد آباد کا ایک اجتماع ۱۹۴۵ء میں ہوا تھا جو سب سے پہلا اجتماع تھا، اس کے بعد مراد آبادی حضرات نے تبلیغی کام کی پوری قدر کی اور انکی جماعتیں ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں متعدد بار گئیں اور درحقیقت حجاج اور حجاز میں تبلیغی کام کا سہرا ان ہی حضرات کے سر ہے، اس کے بعد چھوٹے بڑے اجتماعات ہوتے رہے۔

۳/اپریل ۱۹۵۳ء مطابق ۷ار رجب ۷۲ھ جمعہ کے دن سے ایک بڑے پیمانے پر سہ روزہ اجتماع کیا گیا۔ یہ اجتماع بھی اپنی نوعیت کا بڑا اجتماع تھا جس میں قرب وجوار کے علاوہ دور دور کی جماعتیں اپنے اوقات کو لے کر شریک ہوئی تھیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب اس میں مع اپنے رفقا کے شریک ہوئے۔ مولینا کے ساتھ ۲۵ نفر تھے۔ مولانا نے اس اجتماع میں بھی بڑے عجیب انداز سے تقریر فرمائی جس سے ہر سننے والے کے دل پر بڑا اثر پڑا اور لوگوں نے اپنے اوقات کی مقدار کو بڑھا دیا۔ اجتماع سے فارغ ہو کر مولینا ۲۱ر رجب ۷۲ھ کو سہارنپور تشریف لے گئے۔

اُجراڑہ کا اجتماع ۴ شعبان ۷۲ھ مطابق ۱۸/اپریل ۵۳ء کو اجراڑہ ضلع سہارنپور میں ایک تبلیغی اجتماع کیا گیا۔ یہ تبلیغی اجتماع علاقائی اجتماعات میں بڑا اجتماع تھا۔ مولانا محمد یوسف ۹ بجے صبح ہی کو نظام الدین سے روانہ ہوگئے اور اجراڑہ کے اجتماع میں شرکت فرمائی، خطاب فرمایا، جماعتوں کی تشکیل فرمائی اور اسی شام کو لکھنؤ روانہ ہوگئے اور لکھنؤ کے ایک اجتماع میں شرکت فرمائی۔

رائے پور کا دوسرا اجتماع رائے پور کا یہ اجتماع طے شدہ نہ تھا، اس کے متعلق نہ پہلے سے کسی کو خبر تھی اور نہ کوئی اسکے لئے انتظام ہی کیا گیا تھا۔ مولینا محمد یوسف صاحب حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ سے ملنے کی خاطر رائے پور تشریف لے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل فیض آباد ضلع سہارنپور

بہت دنوں سے حضرت شیخ الحدیث سے فیض آباد آنے کی درخواست اور اصرار کر رہے تھے مگر حضرت رائے پوری نے حضرت شیخ الحدیث کو سفر کی مشقت کی خاطر فیض آباد جانے کی رائے نہ دی اور جو حضرات انھیں فیض آباد لے جانے پر مُصر تھے ان سے فرمایا کہ تم لوگ رائے پور میں رہو اور حضرت شیخ سے یہیں نیاز حاصل کرو۔

۱۶ محرم ۱۳۷۳ھ بروز شنبہ مولانا محمد یوسف صاحب سہارن پور تشریف لیگئے ان کے ساتھ قاری رشید الحسن صاحب بھوپالی اور دوسرے رفقا تھے، انھوں نے جب حضرت شیخ کو سہارن پور نہ پایا تو اسی وقت رائے پور تشریف لے گئے۔ اسی طرح پر اس وقت رائے پور میں اہل تعلق کا ایک اجتماع ہوگیا۔ حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے اہل رائے پور کو حکم دیا کہ وہ قرب وجوار میں آدمی بھیج کر لوگوں کو جمع کریں اور بدھ کی صبح کو جامع مسجد رائے پور میں ایک تبلیغی اجتماع کریں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے عرض کیا کہ "میں اس وقت صرف حضرت کی زیارت کی نیت سے آیا ہوں"۔

مگر حضرت رائے پوری نے فرمایا اور باصرار فرمایا، مولانا اس پر آمادہ ہوگئے اور بدھ کی صبح کو تقریباً ۸ گھنٹے جامع مسجد رائے پور میں اجتماع ہوا۔ قرب وجوار کا یہ کامیاب اجتماع تھا۔ حضرت شیخ اور مولانا کی تشریف بری کی خبر سنکر لوگ بڑی تعداد میں جمع ہوگئے۔ مولانا نے اس اجتماع میں چار گھنٹے تقریر فرمائی اور تقریر کے بعد دو گھنٹے تشکیل ہوئی۔

مظفر نگر کا دورہ مظفر نگر اور اس کے نواح میں بہت سی بستیوں میں مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہے اور ان بستیوں میں مختلف اوقات میں تبلیغی جماعتیں پیدل بھی اور ریل وغیرہ کی سواری کے ذریعے بھی آتی جاتی رہتی ہیں لیکن اس بات کی ضرورت تھی کہ مولانا کا بنفس نفیس دورہ ہو۔ مولانا کے تشریف لے جانے سے کام کرنے والوں میں قوت پیدا ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی مرکز میں آمد ورفت بڑھ جائے گی، اس

خیال سے ۲۴ صفر ۱۳۷۳ھ مطابق ۳؍ نومبر ۵۳ء کو مولانا نے مظفر نگر کے قصبات اور دیہاتوں میں تین دن کا ایک مختصر دورہ کیا۔ ان دوروں میں حسب معمول خطاب فرمائے اور جماعتوں کی تشکیل فرمائی۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں کئی سال سے کام ہو رہا تھا اور وہاں کے طلباء برابر مرکز نظام الدین آتے جاتے تھے اور مولینا کی تقریریں سنتے تھے۔ مولانا کی تقریروں اور مجلسی گفتگوؤں سے علی گڈھ یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ میں ایمان ویقین کی کیفیات پیدا ہوئیں اور یونیورسٹی کے طلبا اور اساتذہ دوسری یونیورسٹیوں کے کالجوں کے طلباء میں کام کرنے لگے۔ انہیں سے کئی تعلیمی سلسلہ میں یورپین ممالک بھی گئے اور وہاں پر انھوں نے تبلیغی کام کیا۔ ان سب کی خواہش تھی کہ مولینا یونیورسٹی بھی تشریف لائیں، مولانا نے اس خواہش کا احترام فرمایا اور مظفر نگر کے نواح کے دورے کے بعد اُدھر ہی سے علیگڈھ تشریف لے گئے اور بدھ کو نظام الدین واپس ہوتے۔ مولانا نے یونیورسٹی میں طلباء کے سامنے خطاب فرمایا، اس خطاب سے طلبا پر اچھا اثر پڑا اور انھوں نے تبلیغی کام میں شرکت کے زیادہ سے زیادہ ارادے کئے۔

پتھر گڈھ کا اجتماع

پتھر گڈھ ضلع مظفر نگر میں ایک تبلیغی اجتماع کیا گیا جس میں مولانا محمد یوسف صاحب نے مع اپنے رفقاء کے شرکت فرمائی پتھر گڈھ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی چند اجتماعات کئے گئے جو ۲۸ جمادی الاخریٰ سے لیکر ۳ رجب ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۵ مارچ ۵۴ء تا ۱۸ مارچ ۵۴ء ہوئے۔ مولینا سید ابوالحسن علی ندوی بھی جو دیوبند کے طلباء کے ایک جلسہ کی صدارت کرنے گئے تھے، پتھر گڈھ گئے اور اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ ۴ رجب کو مولانا، نظام الدین واپس ہوئے [1]

---

[1] یادداشت حضرت شیخ الحدیث۔

سہارن پور کا اجتماع

سہارن پور میں اب تک کوئی اتنا بڑا اور اہم اجتماع نہیں ہوا تھا کہ جس میں دور دور سے لوگ شریک ہوئے ہوں اور جس کا انتظام بہت پہلے سے کیا گیا ہو۔ جب سہارن پور کے اجتماع میں کام جم گیا تو ایک بڑا تبلیغی اجتماع رکھا گیا یہ اجتماع ۲۴؍ شوال ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۶ رجون ۱۹۵۴ء شنبہ کے دن سے سہارنپور میں منعقد ہوا جو منگل کی دوپہر تک چلتا رہا۔ سارے مہمانوں اور جماعتوں کا شب و روز قیام اسلامیہ اسکول میں رہا۔ مولانا محمد یوسف صاحب دہلی سے شنبہ کی صبح ہی کو سہارن پور تشریف لے گئے اور منگل کی دوپہر تک اسکول ہی میں مقیم رہے۔ اور ان دنوں میں کسی وقت بھی مکان تشریف نہیں لے گئے۔[1] شیخ الحدیث نے بھی ان چار دنوں میں دن رات اسکول میں قیام فرمایا حضرت رائپوری اس وقت پاکستان میں تھے۔ وہ ۲۴؍ شوال شنبہ کو دہلی پہونچے اور دوشنبہ کو سہارنپور تشریف لے گئے۔ اس وقت چونکہ تبلیغی اجتماع ہو رہا تھا اس لئے حضرت رائے پوری کا خود بھی قیام کا ارادہ تھا اور تبلیغی کام کرنے والوں نے بھی شدید اصرار کیا، لیکن یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اس لئے حضرت شیخ کے فرمانے کے بموجب حضرت رائے پوری تشریف لے گئے اور یہ حضرات اسکول ہی میں قیام پذیر رہے۔ یہ اجتماع اس علاقے کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اس میں مولانا کی شب و روز تقریریں ہوئیں۔ جماعتوں کی تشکیلیں ہوئیں۔ اسی درمیان دہلی میں حافظ فخرالدین صاحب کا انتقال ہو گیا اور مولانا محمد یوسف صاحب کی سہارنپور میں ہونے کی وجہ سے شرکت نہ ہو سکی، منگل کی شام کو مولانا اور حضرت شیخ الحدیث رائے پور تشریف لے گئے اور بدھ کی شام کو واپس آکر دہلی واپس ہوئے۔

بستی نظام الدین میں دورۂ حدیث

مولانا کو ہمیشہ سے خواہش تھی کہ نظام الدین میں دورۂ حدیث شروع کیا جائے لیکن حضرت شیخ

---

[1] مکان سے مراد حضرت شیخ کا دولت خانہ ہے۔

کے بغیر مشورے کے یہ کام نہیں کرنا چاہتے تھے، کئی بار حضرت شیخ سے عرض کیا مگر بعض مصالح کی بنا پر اس خواہش کی تکمیل نہ ہو سکی۔ آخر کار ربیع الاول ۸۴ھ میں یہ مبارک کام شروع کیا گیا۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

"مولانا یوسف صاحب کا نظام الدین میں مستقل دورہ جاری کرنے کا اصرار پہلے سے تھا۔ شروع ۸۴ھ میں بھی رہا۔ میرا مشورہ ہوا کہ امسال حج کا سفر در پیش ہے واپسی پر رکھا جائے۔ حج سے واپسی پر ۴ ربیع الاول ۸۴ھ جمعہ کو بعد عصر مولانا یوسف صاحب نے ابو داؤد شروع کرائی اور ۷ رکو دوشنبہ کے دن مولانا انعام صاحب نے بخاری شروع کرائی اور مولانا عبید اللہ صاحب نے ترمذی۔ یہ ان حضرات کی تدریس حدیث کی ابتدا ہے۔"

بھوپال کے اجتماع میں مولانا کی عدم شرکت

ہر سال بھوپال میں اجتماع ہوتے تھے اور اسمیں مولانا محمد یوسف صاحب کی شرکت اپنے سارے رفقاء کے ساتھ برابر ہوتی رہی، اسی سلسلے کا ایک اجتماع ۷، ۸، تا ۹، ۲ر نومبر ۵۴ء کو ہوا۔ اس مرتبہ مولانا محمد یوسف صاحب نے علالت کی بنا پر شرکت سے معذوری ظاہر کی، چوں کہ بھوپال کا یہ اجتماع ہندوستان میں سب سے بڑا اہم اور مثالی سمجھا جاتا ہے اور ملک اور بیرون ملک سے بہت سے حضرات مولانا محمد یوسف صاحب کی شرکت کی بنا پر شریک ہوا کرتے تھے، اس لئے مولانا کی معذرت اجتماع والوں کے لئے پریشان کن بن گئی۔ مولانا محمد عمران خان صاحب نے جو بھوپال کے اجتماع کے نگراں تھے اور مولانا سے قریبی تعلق رکھنے والے ہیں فرمایا کہ:

"اگر مولانا شریک نہ ہوئے تو اجتماع ملتوی کر دیا جائے گا" اور مولانا کی کسی

معذرت کو قبول نہیں کیا، خدا کا کرنا کہ ۲۵ر نومبر کی رات میں مولانا محمد یوسف صاحب کو اتنی شدت سے سردی سے بخار چڑھا کہ جس کی شدت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ٹمپریچر ۱۰۴ ڈگری پر پہنچ گیا۔ پہلے حکیم شریف صاحب کا علاج ہوا پھر ڈاکٹر زیدی کا علاج ہوا، انھوں نے مولانا کی غذا بالکل بند کر دی۔ علالت کا سلسلہ ایک ہفتہ تک جاری رہا ضعف حد کو پہونچ گیا تھا جس کی وجہ سے مولانا باوجود مولانا عمران خان صاحب کے اصرار کے بھوپال کے اجتماع میں شرکت نہ کر سکے اور ان کے بجائے مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی، حافظ مقبول حسن صاحب گنگوہی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب نے شرکت کی۔

میوات کے مدرسین کا اجتماع

میوات کے علاقے میں سیکڑوں مکاتب اور مدارس ہیں، ان میں میوات ہی کے اہل علم اور حفاظ مدرس ہیں۔ ان سارے مدرسین کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی دینی تحریک سے رہا ہے اور وہ میوات میں تبلیغی کام بھی کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی ان مدرسین کا اجتماع بھی ہو جایا کرتا تھا جس میں مولانا محمد یوسف صاحب اتحاد، یکجہتی، دینی تعلیم و تربیت اور تبلیغ دین کے متعلق خطاب فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ۲۶ر جمادی الاخری ۱۳۷۴ھ بمطابق ۲۰ر فروری ۱۹۵۵ء یکشنبہ کے دن مرکز نظام الدین میں مدرسین کا ایک بڑا اجتماع کیا گیا جو منگل تک جاری رہا۔ اس اجتماع میں شرکت کی خاطر حضرت شیخ الحدیث اور مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور سے دہلی تشریف لے گئے۔ اس اجتماع میں میوات کے سارے مدرسین جمع ہوئے۔

ڈاسنا کا اجتماع

۳ر جمادی الاخری ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۷ر جنوری ۱۹۵۶ء منگل کی دوپہر کو مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب دہلی سے سہارنپور تشریف لے گئے اور اسی دن مغرب کو رائے پور حاضری دی۔ اس سفر میں حضرت

شیخ الحدیث بھی تھے، جمعرات کی صبح کو رائے پور سے چل کر ۱ بجے کی گاڑی سے ڈاسنا کے اجتماع کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس اجتماع میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ بھی شریک ہوئے اور غالباً حضرت مدنی کی یہ شرکت تبلیغی اجتماعات میں اپنی زندگی کی آخری شرکت تھی[1]۔

علیگڈھ کا دوسرا اجتماع کچھ عرصے پہلے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں ایک اجتماع کیا گیا تھا اور اس میں مولانا کی شرکت ہوئی تھی۔ یہ دوسرا اجتماع علیگڈھ شہر کی جامع مسجد میں کیا گیا۔ اس اجتماع سے پہلے ۴ ارشوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۵ر مئی ۱۹۵۶ء بروز جمعہ اجراڑہ میں ایک اجتماع کیا گیا تھا جس میں مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ کی شرکت ہوئی تھی، اسکے دوسرے دن سنیچر کو ۱ بجے کاندھلے سے علیگڈھ روانہ ہو گئے وہاں سنیچر، اتوار دوشنبہ کو سہ روزہ تبلیغی اجتماع ہوا، منگل کی صبح کو مولانا علیگڈھ سے سہارنپور ہوتے ہوئے رائے پور تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس ہو کر دہلی۔

لکھنؤ اور کانپور کا اجتماع اہل لکھنؤ اور کانپور نے بھی اب اپنے اطراف میں اجتماعات کرنا شروع کر دیئے تھے اور ان اجتماعات کی شکل تھوڑی بہت بھوپال کے اجتماعات سے ملنے لگی۔ ان اجتماعات میں بھی ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں سے جماعتیں آکر شرکت کرنے لگیں۔ قرب وجوار کے سیکڑوں کی تعداد میں ملازم

---

[1] حضرت مدنی ایک عرصے تک علیل اور صاحب فراش رہے اور آخر کار ۱۳ر دسمبر ۵۷ء کو دیوبند میں انتقال فرمایا۔ انتقال کی خبر آناً فاناً پورے ہندوستان میں پھیل گئی اور عقیدت مند کسی نہ کسی طرح دیوبند پہنچ گئے۔ رات ہی کو دیوبند کے قبرستان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللھم ارحمہ و اغفرلہ وارفع درجاتہ۔

کاشت کار اور تاجر اپنے اوقات کو فارغ کر کے شریک ہوئے، ان اجتماعات کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی، کبھی اجتماع لکھنؤ میں کیا جاتا تو کبھی کانپور میں۔ اجتماعات کی کامیابی کے لئے دونوں حلقوں کے حضرات یکساں طور پر کام کرتے، جہاں کہیں بھی یہ اجتماع ہوتا لکھنؤ اور کانپور کے اصحاب کا مشترکہ اجتماع سمجھا جاتا۔ اس سلسلے کا ایک اجتماع ۱۹ر مئی ۱۹۵۶ء تا ۲۱ر مئی ۱۹۵۶ء کانپور میں کیا گیا۔ اس میں شرکت کے لئے مولانا محمد یوسف صاحب اپنے رفقاء کی بڑی تعداد کے ساتھ پہلے لکھنؤ پہنچے اور ایک شب لکھنؤ میں قیام کیا۔ شب میں "انجمن اصلاح المسلمین" کے میدان میں ایک جلسہ ہوا، جس میں مولانا عبیداللہ بلیاوی نے تقریر کی، مولانا کی آمد کی خبر سنکر قریب و دور کے بہت سے حضرات مرکز تبلیغ کچہری روڈ لکھنؤ میں جمع ہوگئے۔ ایک شب گزارنے کے بعد دوسرے دن صبح بتاریخ ۸ار شوال ۷۵ھ مطابق ۱۹ر مئی ۵۶ء کو کانپور تشریف لے گئے اور مسلم حلیم انٹر کالج چمن گنج کانپور میں منعقدہ اجتماع میں شرکت فرمائی۔ گرمی کا سخت موسم تھا۔ اہل کانپور نے اجتماع کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور شرکت کرنیوالوں کے آرام و آسائش کا ہر سامان مہیا کیا۔ اس اجتماع میں علاوہ شب کے عمومی جلسوں کے شہر کے عمائد و خواص کے ایک جلسے میں جو کالج کے احاطہ میں مسجد کے اندرونی حصہ میں ہوا تھا۔ مولانا نے ایک نہایت پُر اثر تقریر فرمائی جس میں حالات کے بگاڑ کے حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی اور ان کی اصلاح کا راستہ بتایا۔ رات کے جلسوں میں حسب معمول اہل کانپور کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی تھی اور بڑی پُر اثر تقریریں ہوتی تھیں۔ اجتماع کے دوران قصبہ ہسوہ[1] ضلع فتحپور کے

---

[1] ہسوہ ضلع فتحپور کا مشہور قصبہ ہے جس کو آٹھویں صدی میں مجاہدوں نے فتح کیا تھا، اس قصبہ میں حسینی سادات کا ایک مشہور خاندان آباد ہے جس میں بڑے بڑے علما و مشائخ ہوئے، ان سب

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کچھ حضرات نے ایک وفد کی شکل میں مولانا محمد یوسف صاحب سے ملاقات کی اور قصبہ کی زبوں حالی کو بیان کیا اور مولانا کو قصبہ آنے کی دعوت دی۔ مولانا نے اس وفد کے سامنے ایک بڑی پُر اثر تقریر فرمائی۔ یہ خصوصی ملاقات اور گفتگو دو ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ اجتماع کے بعد چند اصحاب کو ہسوہ بھیجا جنھوں نے وہاں تبلیغی کام کیا۔ اس کے علاوہ اس قصبہ میں پیدل جماعتوں کی مدتوں آمد و رفت ہوتی رہی۔

مدراس کا دورہ

مولانا نے اب تک ہندوستان کے مختلف علاقوں کے اجتماعات میں شرکت فرمائی تھی لیکن طویل دوروں کی شکل میں کوئی سفر نہیں ہوا تھا۔ مولانا کا دورہ سب سے پہلے علاقۂ مدراس میں ہوا۔ مدراس کے عبدالحمید صاحب ۴ رجب ۸۰ھ کو ہوائی جہاز سے نظام الدین پہنچے تاکہ مولانا محمد یوسف صاحب کو مع چار نفر کے ہوائی جہاز سے مدراس لے جاویں۔ مولانا نے جب یہ سنا کہ ہوائی جہاز سے لے جانا چاہتے ہیں تو ان سے فرمایا کہ "میں تم لوگوں کو ہوائی جہاز سے پیدل پر لانا چاہتا ہوں اور تم مجھ سے اس کے عکس کی توقع رکھتے ہو" اور یہ کہکر انکار فرما دیا اور پھر ریل سے سفر فرمایا۔ حالاں کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سے جانے میں بہت کم وقت لگتا اور ریل کے سفر سے بہت زیادہ وقت صرف ہوا لیکن مولانا نے اس تکلیف اور مجاہدے کو اختیاری طور پر برداشت کیا اور ۳ رجب ۸۰ھ مطابق ۲۴ رجنوری ۱۹۶۱ء جمعہ کی شام کو ریل میں سوار ہو کر ۱۵ گھنٹے مسلسل چل کر اتوار کی دوپہر کو مدراس اور وہاں سے شام کو ریل سے چل کر دوشنبہ کی صبح کو ڈنڈی گل پہنچے۔ ڈنڈی گل میں سہ روزہ بڑا اجتماع تھا۔ جو ۲۸ رتا ۳۰ رجنوری جاری رہا۔ اس اجتماع میں مولانا نے حسب معمول خطاب فرمایا اور مدراس کے مختلف شہروں اور علاقوں سے بڑی بڑی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں ممتاز اور قابل ذکر بزرگ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ہسوی تھے جو اپنے زمانے کے بڑے زاہد و عابد اور شیخ طریقت بزرگ گزرے ہیں۔

جماعتیں شریک ہوئیں اور اجتماع کے بعد جماعتوں کی دور دراز علاقوں کے لئے تشکیلیں ہوئیں۔ اجتماع کے دوران ہی بہت سے حضرات نے مولانا کی موجودگی کو غنیمت جان کر اپنے لڑکوں، لڑکیوں کا نکاح کرایا۔ مولانا کا یہ قاعدہ تھا کہ نکاح سے پہلے ایک مختصر سی تقریر فرماتے تھے۔ عام طور سے مولانا تبلیغی اجتماعات میں کئی کئی گھنٹہ کی تقریر فرمایا کرتے تھے جن کا نقل کرنا دشوار ہوتا لیکن مولانا کی یہ تقریر جو نکاح سے پہلے ہوتی تھی عام تقریروں کی نسبت بہت مختصر ہے اور اس تقریر کا ٹامل[1] زبان میں ترجمہ بھی ہوا تھا۔ ہم اس تقریر کو نقل کرتے ہیں۔ خطبہ کے بعد فرمایا:۔

"اس وقت چند نکاح ہو رہے ہیں۔ یہ ایسا عمل ہے جس میں ہم اپنی تمام قوتوں کو خرچ کر دیتے ہیں۔ مال بھی، جان بھی لیکن وہ خرافات اور ہنگامے جو نکاح میں ہوتے ہیں وہ ان نکاحوں میں نہیں ہو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مبارک ساتھی بھی انسان تھے، انسانی تقاضے وہ بھی پورے فرماتے تھے مگر ان کا زیادہ مال و جان خدا کی راہ میں خرچ ہوتا تھا۔ امت کے کچھ اسباب ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے سے اُمّت پھلتی پھولتی ہے اور کچھ اسباب ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے سے بگاڑ آتے ہیں جن کی ساری دلچسپیاں اپنی زبانی اور نفسانی خواہشوں میں آجاتی ہیں وہ مٹ جاتے ہیں جن انسانوں کا نظریہ فقط مال حاصل کرنا ہوا اور مال کو اپنی نفسانی خواہش اور زبان پر خرچ کرنا ہو وہ مٹا کرتے ہیں۔ بڑی بڑی حکومتیں اور مالدار انسان ان دونوں چیزوں میں پھنس کر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں مُصیبت اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں، نیست و نابود ہو جاتے ہیں، ان کی جڑیں کٹ جاتی ہیں اور جن کو اللہ رب العزّت چمکانے کا ارادہ کرتے ہیں ان کو ان دونوں چیزوں سے نکالتے ہیں وہ ان دونوں

[1] اہل مدراس کی زبان کا نام ہے۔

چیزوں پر اپنا پیسہ خرچ نہیں کرتے بلکہ وہ ایمان و اخلاق کی راہ میں اپنے مال اور جان کو خرچ کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے بہت نکاح کئے ہیں، جب وہ غربت میں تھے اور حکومتیں ان کے قبضے میں تھیں، دونوں وقتوں میں نکاح و شادیاں کی ہیں۔ اپنے روزانہ کے معمولی خرچ میں شادیاں ہو جاتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ نکاح ہوئے ہیں، ولیمہ میں کوئی خاص انتظام کھانے کا نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں بہت معمولی خرچ کیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جب وہ گورنر تھے نکاح کیا تو سسرال والوں نے مکان سجا رکھا تھا تو فرمایا کہ "کیا کعبہ کندہ میں منتقل ہو گیا ہے یا تمھارے مکان کو بخار چڑھ رہا ہے جو تم نے کپڑے پہنا رکھے ہیں؟"

جواب ملا "آپ کی شادی کے لئے سجایا تھا"۔

فرمایا "میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مکان میں رہنے سے منع فرمایا ہے جس کو کپڑوں سے سجایا گیا ہو"۔ پہلے مکان کی زینت ساری کی ساری اتار کر رکھی گئی پھر مکان میں داخل ہوئے، پھر بہت سے غلام، باندیاں خدمت کے لئے سامنے آئیں۔ اس پر فرمایا "سب قیامت میں حساب و کتاب دینے کا ذریعہ بنیں گی اس لئے میں ان کو نہیں لوں گا، آگے بہت سا ساز و سامان دیکھا، سب سامان واپس کیا، آگے گئے تو بہت سی عورتیں جمع تھیں جو دلہن کو رخصت کرنے کے لئے آئی تھیں ان سب کو اٹھا دیا، اس کے بعد اپنی بیوی کے پاس گئے۔

حضرت ابن عمرؓ کی شادی میں مکان سجایا گیا، حضرت ابو ایوبؓ نے اس شادی میں شرکت سے منع فرمایا جس میں مکان شادی کی وجہ سے سجایا گیا ہو۔

ایک گورنر نے ایک بارات کی رخصتی دیکھی جس میں بہت سے لوگ روشنی میں دلہن

کو لئے جارہے تھے تو آپ نے دُرّہ سے کر سب کو مارنا شروع کیا سب دُلہن کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور اگلے روز خطبہ دیا کہ خدا ایسے لوگوں پر لعنت کرے جنھوں نے محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف شادی کی"۔

"یہی وہ لوگ ہیں جو غریبوں پر مال خرچ کرتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کے لئے سارا مال لاکر پیش کر دیا کرتے تھے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری شادیوں میں انبیاءؑ، صحابہؓ اور اولیائےؒ والی برکتیں پیدا ہوں اور ہماری اولاد نیک اور صالح ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا طریقہ اختیار کرلو۔ نکاح میں ایک مرد کو ایک عورت سے ملانا ہوتا ہے۔ اگر خدا کی مخلوق کو خدا سے ملائے تو کتنا ثواب ملے گا۔ نکاح میں نیت یہ ہو کہ گناہ سے بچوں گا، بیوی اور اس کے رشتہ داروں کے حقوق ادا کروں گا تو یہ شادی جنت دلائے گی"۔

اس کے بعد خطبۂ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا۔

ڈنڈی گل کے بعد مدراس کے دوسرے شہروں اور علاقوں کا دورہ کیا اور ۱۷ رجب بروز جمعہ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ حیدرآباد میں ۴ دن قیام کیا اور ۲۲ رجب بروز چہارشنبہ نظام الدین واپس ہوگئے اور ۲۶ رجب بروز یکشنبہ سہارنپور تشریف لے گئے اور دوسرے دن صبح حضرت شیخ الحدیث کی معیت میں گنگوہ جاکر بعد مغرب واپس ہوئے اور دوشنبہ کی دوپہر کو نظام الدین روانہ ہوگئے۔

بستی کا اجتماع یوپی کے مشرقی اضلاع میں مولانا کے کئی سفر ہوتے اور مختلف علاقوں کے اجتماع میں شرکت فرمائی۔ انہی اجتماعات کے سلسلے میں بستی میں بھی اجتماعات شروع ہوئے۔ ان اجتماعات میں ملک کے بہت سے صوبوں اور شہروں سے جماعتیں آئیں اور شرکت کرتیں۔ ان میں سب سے پہلا اجتماع ۲۸ شوال مطابق ۸ مئی ۵۸ء سے سہ روزہ

ہوا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جمعہ کی شام کو دہلی سے روانہ ہوئے۔ آپ کی معیت میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی بھی تھے۔ لکھنؤ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی بھی ساتھ ہوگئے۔ نیز لکھنؤ کی ایک بہت بڑی جماعت بھی ساتھ ہوگئی۔ اجتماع کے بعد گورکھپور ہوتے ہوئے پنجشنبہ کی صبح کو نظام الدین واپس ہوگئے۔ بستی کے اس سفر میں مولینا محمد عمران صاحب بھوپالی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی شریک تھے۔

آگرہ کا اجتماع آگرہ میں ایک عرصہ سے کام ہو رہا تھا، لیکن چھوٹے موٹے اجتماعات کے علاوہ کوئی بڑا اجتماع نہیں ہو سکا، آگرہ کے کام کرنے والوں نے بہت دنوں سے مولانا سے درخواست کرنی شروع کردی تھی کہ وہ ایک بڑے اجتماع کی اجازت مرحمت فرمائیں اور اپنی شرکت سے آگرہ کو عزت بخشیں۔

آخر کار اجازت مل گئی اور بڑے اہتمام کے ساتھ ۱۹ تا ۲۱ رجولائی ۱۹۵۸ء مطابق یکم تا ۳ محرم الحرام ۷۸ھ بروز شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ ایک بڑا عظیم الشان اجتماع منعقد کیا گیا، مولانا نے شرکت فرمائی اور اس اجتماع سے مختلف علاقوں کی جماعتیں نکلیں، اس اجتماع کے بعد آگرہ اور اس کے اطراف میں چھوٹے بڑے اجتماعات ہونے لگے اور مرکز کی جماعتیں ان اطراف میں مسلسل جانے لگیں۔

سیتاپور کا اجتماع لکھنؤ اور اس کے اطراف کا علاقائی اجتماع جو کبھی لکھنؤ میں اور کبھی کانپور میں ہوتا تھا، سیتاپور میں تجویز ہوا، سیتاپور میں مخلص اور فہیم کارکنوں کی ایک اچھی جماعت پیدا ہوگئی تھی۔ ظفر احمد صدیقی صاحب، وکیل سیتاپور کے خلوص و انہماک، وسیع ذہن اور تبلیغی کام سے خصوصی مناسبت کی وجہ سے سیتاپور (بہت بڑا شہر نہ ہونے کے باوجود) ایک اچھا تبلیغی مرکز بنگیا تھا۔ یوں بھی سیتاپور اودھ کے بہت سے تاریخی اور مردم خیز قصبات کا صدر مقام (ضلع) ہے، جن میں خیرآباد، لاہرپور، ہرگام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ اجتماع ۱۴ تا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۸ء منعقد ہوا، اس میں شرکت کی خاطر ۳ جمادی الاولیٰ، مطابق ۱۲ دسمبر جمعہ کی شام کو مولانا محمد یوسف صاحب مع اپنے پورے قافلے کے شنبہ کی صبح کو لکھنؤ پہنچے، ایک روز لکھنؤ میں قیام کیا اور شام کو ایک اجتماع منعقد ہوا اور مولانا کا اس میں خطاب ہوا۔ دوسرے دن یکشنبہ کی صبح کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ہمراہ سیتاپور تشریف لے گئے۔ اس سفر میں مولانا کے رفقاء میں شیخ محب اللہ ترکی بھی تھے[1]۔

ایک وسیع پنڈال میں اجتماع کا انتظام کیا گیا۔ اس اجتماع میں سیتاپور کے ضلع کے سارے علاقوں کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوئے، اس کے علاوہ لکھنؤ اور کانپور کی ایک بڑی جماعت اور مختلف مشرقی اضلاع کی چھوٹی بڑی جماعتیں شریک ہوئیں، خصوصاً تمبور اور ترائی کے مقامات اور علاقوں کے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ اجتماع سے پہلے ان سارے علاقوں میں جماعتوں نے گشت کئے اور جماعتوں کی تشکیل کی۔ سیتاپور میں یہ پہلا اجتماع تھا۔ مولانا کے کئی خطاب ہوئے۔ جن میں خصوصی اور عمومی دونوں تھے۔ اجتماع کے بعد سینکڑوں آدمیوں نے چلّوں تین چلوں کے اوقات فارغ کئے۔ جماعتوں کی روانگی کا منظر بڑا کیف آور تھا ہزاروں آدمیوں کا مجمع بالکل ساکت و صامت بیٹھا تھا اور مولانا دعا میں مشغول تھے اور ساری فضا آمین سے گونج رہی تھی۔

منگل کی دوپہر کو کار سے چل کر عصر کے بعد لکھنؤ پہونچے اور پہونچتے ہی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی سے ملنے گئے اس کے بعد مرکز واپس ہوئے اور رات کے کھانے

---

[1] شیخ محب اللہ ترکی کے ایک عالم ہیں جو سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل تھے، وہ کئی مرتبہ ہندوستان آئے اور تبلیغی سلسلے میں حجاز کے سفر کئے۔ جب رابطہ عالم اسلامی کی سرپرستی اور حاجی ارشد صاحب مرحوم کی نگرانی میں عمر میتا صاحب نومسلم (جاپانی) نے جدہ میں رہ کر ترجمۂ قرآن کا کام شروع کیا تو شیخ محب اللہ ان کے رفیق اور خادم مقرر ہوئے۔ اس ترجمے سے قرآن اور تبلیغ دونوں کو فائدہ پہنچا۔

وغیرہ سے فراغت کرکے دہلی میل سے روانہ ہو کر بدھ کی صبح کو دہلی پہونچے۔

مگراہاٹ کا اجتماع

مگراہاٹ میں سب سے پہلا اجتماع جمادی الاخریٰ ۱۳۷۰ھ میں ہوا تھا جس کے بعد وہاں کام برابر ہوتا رہا اور چھوٹے چھوٹے مقامی اجتماعات ہوتے رہتے تھے، مگراہاٹ میں دوسرا اجتماع ۸ سال بعد کیا گیا جس میں شرکت کے لئے ۱۳ر شوال ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۲ر اپریل ۱۹۵۹ء بروز چہارشنبہ مولینا محمد یوسف صاحب، مولانا انعام الحسن صاحب اور مولوی ہارون صاحب صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب و دیگر رفقائے کار کے ساتھ کلکتہ روانہ ہوئے اور کلکتہ سے مگراہاٹ گئے اور اس میں شرکت فرمائی۔ یہ اجتماع پورے ہندوستان کے بڑے اجتماعات میں سے تھا اس سے کثیر تبلیغی جماعتیں نکلیں، اس اجتماع سے فراغت کے بعد نظام الدین واپس گئے اور اس کے بعد سہارن پور۔

اس اجتماع کے بعد جولائی کے آخر میں عربوں کی ایک جماعت ہندوستان آئی اور اس نے مرکز نظام الدین کے دس حضرات کے ساتھ مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اس سفر میں سیلون اور بھوپال کے حضرات کے علاوہ کلکتہ اور مگراہاٹ کے بھی کُل ایک سو پچاس حضرات ساتھ تھے۔

سیکری کا اجتماع

۱۸ر جمادی الاخریٰ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۹ء بروز شنبہ مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب سہارن پور تشریف لے گئے ان بزرگوں کے ساتھ دو عرب حضرات بھی تھے جو اپنے ملک سے صرف تبلیغ کی خاطر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ عصر کی نماز پڑھ کر سیکری کے اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ اجتماع سنیچر اور اتوار کو تھا۔ حضرت شیخ الحدیث اتوار کی صبح کو اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور ظہر کے بعد واپس ہوئے۔ دوسرے دن دوشنبہ کو ۹ بجے صبح مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کیرانہ سے متصل علاقہ

کھسر گاؤں میں اجتماع میں شرکت کیلئے تشریف لیگئے۔ یہ دونوں اجتماع مظفر نگر کے علاقائی اجتماع تھے جن میں سہارنپور مظفر نگر کے اطراف کے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔

لکھنؤ کا اجتماع لکھنؤ میں مولانا کی آمد ۱۹۴۶ء سے ہونے لگی تھی اور بار ہا دوسرے علاقوں میں جاتے ہوئے لکھنؤ میں قیام اور قیام کے دوران خطاب ہوتا تھا، پھر فروری ۱۹۴۷ء میں آمد ہوئی اس کے بعد ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء میں تشریف لائے۔ پھر ۱۹۵۷ء میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور دوسرے علاقوں میں تشریف لے جاتے ہوئے لکھنؤ میں قیام ہوا، لیکن یہ ۱۹۶۰ء والا اجتماع مولانا محمد یوسف صاحب کے شرائط اور مطالبات کی منظوری کے بعد ہوا۔ اس میں مولینا نے پورے اہتمام سے شرکت فرمائی اور ملکی وغیر ملکی جماعتیں باہر نکلیں، یہ اجتماع اتوار سے منگل بتاریخ ۲۳-۲۴-۲۵ شعبان ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۱-۲۲-۲۳ فروری ۱۹۶۰ء دار العلوم ندوۃ العلماء کے وسیع رقبہ میں ہوا۔ تبلیغی جماعتوں کا قیام مسجد اور دار العلوم کی عمارت کے کمروں میں کیا گیا۔ یہ اجتماع اس علاقے کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اس میں ہندوستان اور بیرون ملک سے کئی جماعتوں نے شرکت کی انگلستان کے بھی چند افراد تھے۔ مولینا محمد یوسف صاحب کا قیام مسجد سے متصل مہمان خانہ میں ہوا۔ مولانا کے دو تین خطاب خصوصی اجتماعات میں بھی ہوئے جن میں علماء کا اجتماع، تاجروں کا اجتماع، انگریزی طبقہ کا اجتماع شامل ہے۔ لکھنؤ کے حضرات نے اس اجتماع کی مہینوں پہلے تیاری کی اور اجتماع سے قبل ہی پورے شہر کو کھنگال ڈالا۔ جماعتوں کی آمد و رفت اور نقل و حرکت نے پورے شہر میں ایمان اور ذکر و فکر کی فضا پیدا کر دی۔ اجتماع کے دنوں میں معلوم ہوتا تھا کہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دار العلوم کے رقبہ میں سما گیا ہے۔ مولانا کی پُر جلال اور ایمان افروز تقریروں نے دلوں کی دنیا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ اس اجتماع کی ایک پُر لطف بات یہ ہے کہ اس اجتماع کی شہرت سُن کر سی۔ آئی۔ ڈی کے بہت سے حضرات مولانا کی تقریر سننے اور ضبط

کرنے پہنچ گئے لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ مولانا کیا فرمارہے ہیں. قلم کاغذ پر رکھ دیا اور تقریر غور سے سننے لگے اور تقریر کے بعد جب شہر واپس ہونے لگے تو راستہ میں ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ بھائی بتلاؤ، مولانا کی تقریر سے تم نے کیا نوٹ کیا؟ دوسرے نے جواب دیا، "ہم کیا نوٹ کرتے، نہ تو مولانا کے الفاظ سمجھ میں آتے تھے، نہ اُن کا مطلب سمجھ میں آتا تھا۔ نہ کسی جماعت کو بُرا کہا نہ کسی تحریک کی اچھائی کی، بس وہ تو آسمان کے اوپر کی اور زمین کے نیچے کی باتیں کرتے ہیں، ہم ان باتوں کو کیا نوٹ کرتے"۔

پہلے نے کہا "بھائی ہم بھی یہی سمجھے تھے"۔

یہ اجتماع عام اجتماعات کی بہ نسبت بہت زیادہ کامیاب اور مؤثر ثابت ہوا اس اجتماع کے بعد لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ کی فضا میں دین سے خاصا تعلق پیدا ہوا اور دین سے غفلت اور اسلام کی تضحیک کا جو حال تھا اس میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اگر کسی گوشے سے اختلاف کی کوئی آواز اٹھتی تھی تو وہ بھی اس اجتماع نے بند کر دی۔

کئی مسلسل اجتماعات

مولانا محمد یوسف صاحب کے بعض دفعہ ایسے مسلسل سفر ہوتے کہ جن میں کسی وقت بھی چین و آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک یہی چکر رہتا، نہ زبان خاموش رہتی نہ قدم رُکتے، ۹ر ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۶ر مئی ۱۹۶۰ء جمعہ کی شام کو مولانا بستی نظام الدین سے نکلے اور حیدرآباد تشریف لے گئے۔ حیدرآباد کے مختلف اجتماعات میں تقریریں کیں، عمومی اور خصوصی اجتماعات کو خطاب کیا اور ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ کو بستی نظام الدین واپس تشریف لے گئے۔ وہاں سے بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں سے اتوار کے دن سرونج کے اجتماع میں شرکت کے لئے جانا ہوا۔ اس سفر میں ایک بڑے اجتماع کو خطاب فرمایا، وہاں سے ۲۰ر ذی قعدہ مطابق ۱۷ر مئی صبح ۹ بجے نظام الدین واپس ہوئے اور ۲۴ر ذی قعدہ بروز شنبہ سہارنپور تشریف لے گئے اور ایک دن قیام کر کے نظام الدین پھر واپس ہوئے۔

مظفر نگر اور جھنجھانہ کا اجتماع

مولانا محمد یوسف صاحب کئی بار پاکستان تشریف لے گئے عموماً پاکستان جانے سے پہلے اور واپسی پر ہندوستان میں بھی اجتماعات منعقد ہوتے تھے، اس درمیان میں بھی مولانا کو پاکستان کا سفر درپیش تھا، پاکستان جانے سے پہلے مظفر نگر اور جھنجھانہ کا اجتماع منعقد کیا گیا، برسات کا موسم تھا اور مسلسل بارش ہو رہی تھی، مولانا ۱۹ ؍محرم ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۵ ؍جولائی ۱۹۶۰ء جمعہ کی صبح کو نظام الدین سے چل کر ۲ بجے کاندھلہ اور عصر کے وقت سہارنپور پہنچے۔

سنیچر کی شام کو مظفر نگر کا اجتماع تھا، مولانا نے ان دونوں اجتماعات میں اس حال میں شرکت فرمائی کہ ہر طرف بارش ہو رہی تھی، مولانا کے عزم وثبات اور محنت وقربانی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شنبہ کی صبح ہی کو ایک آدمی مظفر نگر سے آیا اور اس نے یہ کہا کہ رات بارش بہت کثرت سے ہوئی اس لئے جلسہ کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا، لیکن مولانا نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا اور مظفر نگر تشریف لے گئے اور بارش ہی کی حالت میں مجمع کو خطاب فرمایا۔ دوسرے دن اتوار کو جھنجھانہ تشریف لے گئے، وہاں تو بارش کا اور زور تھا، موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، دوشنبہ کی صبح کو کھلے میدان میں اجتماع تھا۔ جلسہ شروع ہوا، بارش ہوتے ہی لوگ اٹھنے لگے اور جلسے میں انتشار پیدا ہو گیا، مولانا نے بڑے زور سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ کاغذ کے نہیں ہو اور بیٹھنے کا حکم دیا، لوگ بیٹھ گئے اور مولانا کا خطاب پورے زور وشور سے جاری رہا۔ ادھر بارش زوروں پر تھی ادھر مولانا کا خطاب زوروں پر، مجمع پوری طرح ساکت وصامت تھا جیسے کہ بارش ہو ہی نہ رہی ہو، مولانا بھی پوری طرح بھیگ چکے تھے کہ کسی نے اس خیال سے مولانا بیمار رہتے ہیں مزید بھیگنے سے محفوظ رہیں، آکر چھتری لگا دی۔ مولانا نے بڑی سختی سے ان صاحب کو ہٹا دیا اور فرمایا "ہٹ جاؤ" اور اس کے بعد تیز بارش میں مسلسل دو گھنٹے خطاب فرمایا۔ خطاب کے بعد اپنی قیام گاہ تشریف لے گئے۔ اس بارش کی وجہ سے مولانا کی کوکھ میں شدید درد پیدا ہو گیا منگل کو وہاں سے چل کر

کاندھلہ ٹھہرتے ہوئے نظام الدین تشریف لے گئے۔

دارالعلوم دیوبند کا ہنگامہ اور تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت

صفر ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء کا ایک ہنگامہ ہوا جس کی وجہ سے شوریٰ کے ممبران کا جلسہ جو ۱۳/۱۴ کو ہونے والا تھا، مؤخر ہو گیا، طلبہ کا یہ ہنگامہ تشویش ناک حد تک پہونچ گیا تھا۔ اس ہنگامہ میں مشورے کے بعد چند تبلیغی اجتماعات کئے گئے جن کا ہنگاموں پر اچھا اثر پڑا، اس سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اسی دوران ۱۹/ صفر مطابق ۱۱/ اگست جمعرات کے دن مولوی محمد موسیٰ سورتی کے ساتھ تبلیغی جماعت کے ۲۲ نفر جن میں دو افریقی باقی گجراتی، مدراسی وغیرہ تھے، ایسے وقت میں دیوبند پہونچے کہ مدرسے میں شور و شغب خوب ہو رہا تھا۔ مولوی موسیٰ نے اول جاتے ہی تبلیغی احباب کو بہت زور و شور اور اخلاص و خشوع سے صلوٰۃ الحاجت پڑھنے کی تاکید کی اور پھر طلبہ سے انفراداً و اجتماعاً ان تبلیغی احباب کی طویل گفتگوئیں ہوئیں جس پر وہاں کے طلبا اور مقامی لوگوں نے یہ طے کیا کہ اس کی اصلاح کے لئے دارالعلوم میں ایک بہت بڑا اہم تبلیغی اجتماع کیا جائے۔ ۲۹/ صفر تک اس جماعت کا دیوبند میں قیام رہا اور مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں قاری محمد طیب صاحب کی طرف سے ایک خط اس مضمون کا لے کر گئے کہ:

اکتوبر میں ۳/۴ اکتوبر کو مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا ہے اور آخر اکتوبر تک میرا قیام دیوبند رہے گا، ان ایام میں جو تاریخ مناسب ہو اسے تجویز کرلیں اور ایک وفد قاری صاحب کا یہ خط لے کر مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں پہنچا، لیکن مولانا محمد یوسف صاحب نے وفد کو یہ

سمجھا یا کہ اس طرح ایک دم دارالعلوم میں جلسہ کرلینا دارالعلوم کی شان کے خلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اوّل دیوبند کے نواح میں دیہات میں چھوٹے چھوٹے جلسے مسلسل کئے جائیں اور جب وہاں کے ماحول میں تبلیغی فضا پیدا ہو جائے، اس وقت دارالعلوم میں اجتماع کیا جائے تاکہ دارالعلوم کی شان کے موافق وہاں کا اجتماع اور لوگوں کا تعاون ہو سکے، موجودہ حالت میں یہ اندیشہ ہے کہ کچھ لوگوں کی طرف سے مخالفت نہ ہو جائے۔ اکثر لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، بعض لوگ اسی پر اصرار کرتے رہے کہ فوری طور پر دارالعلوم ہی میں اہم تبلیغی اجتماع ہو، مگر اس رائے پر اصرار کرنے والے دارالعلوم سے خاص تعلق رکھنے والے نہیں تھے، اسلئے مولانا محمد یوسف صاحب نے اس رائے کو قبول نہیں کیا اور مولانا محمد یوسف صاحب کی تجویز کے مطابق سب سے پہلا جلسہ ۲۵ ربیع الاول کو دیوبند سے ۵ میل دور بھولاس میں ہوا جس میں قاری محمد طیب صاحب بھی شریک تھے۔ اس کے بعد پھر متعدد جلسے جلدی جلدی ہوئے۔ دوسرا جلسہ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ھ ۲ اکتوبر یکشنبہ کو کیٹرہ متصل دیوبند میں ہوا۔ اس میں مولانا محمد یوسف صاحب کی شرکت نہ ہو سکی۔ مولانا عبید اللہ صاحب وغیرہ اس میں شریک ہوئے، مولانا محمد یوسف صاحب کا قیام اس دن سہارنپور میں رہا اور ۴ ارجمادی الاولیٰ سنہ ھ کو تلہڑی متصل دیوبند جلسہ ہوا[1]۔

بڑوت کا اجتماع

بڑوت ضلع میرٹھ کا ایک مشہور اور آباد قصبہ ہے اس قصبے میں، ار دسمبر سنہ ۱۹۶۰ئہ مطابق ۲۰ ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ کو ایک اہم تبلیغی اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں سہارنپور اور دہلی کے اطراف و جوانب کے بہت سے لوگوں نے شرکت کی اور مختلف جماعتیں شریک ہوئیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اس اجتماع میں شرکت

---

[1] یادداشت حضرت شیخ الحدیث۔

فرمائی اور خطاب فرمایا اس کے بعد سہارن پور جانے کا ارادہ تھا لیکن عین وقت پر نظام الدین روانہ ہوگئے۔ اس لئے کہ خلاف معمول نظام الدین میں جماعتوں کی آمد بہت زیادہ ہوگئی تھی، وہاں سے یکم رجب ۸۰ھ کو کاندھلہ تشریف لے گئے اور مولینا لطیف الرحمٰن صاحب جن کا انتقال ۱۲ جمادی الثانی کو ہوگیا تھا، ان کی تعزیت کی اور دوسرے دن صبح سہارن پور جاکر حضرت رائے پوری کی خدمت میں رائے پور گئے اور وہاں سے واپسی پر دہلی۔

ڈاسنہ کا اجتماع اور رائے پور و سہارن پور کا سفر

مولانا محمد یوسف صاحب ۲۴ شعبان ۸۰ھ مطابق ۷ فروری ۱۹۶۱ء بروز منگل ڈاسنہ کے تبلیغی اجتماع میں شرکت کے بعد رات کو سہارنپور تشریف لیگئے۔ ڈاسنہ کے اس اجتماع میں مختلف صوبوں اور شہروں کی جماعتیں شریک ہوئی تھیں اور مختلف علاقوں میں جماعتوں کی روانگی ہوئی تھی۔ سہارنپور میں کلکتہ سے قریشی صاحب وغیرہ بھی آگئے تھے اور مولانا جمعرات کی شام کو دہلی واپس گئے اور ۲۶ شعبان دوشنبہ کی صبح کو پھر سہارنپور واپس ہوئے اور حضرت رائے پوری کے ہمراہ رائے پور گئے اور منگل کی دوپہر کو رائے پور سے چل کر نظام الدین واپس ہوئے۔ مولانا کی غیبوبت میں مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی جو حیدرآباد کے طویل سفر سے واپس ہوئے تھے۔ نظام الدین پہنچے اور وہاں سے رائے پور گئے، یہ رمضان المبارک مولانا محمد یوسف صاحب نے نظام الدین میں گزارا اور قرآن شریف مسجد میں سنایا۔

گنگوہ کا اجتماع

گنگوہ کی آمد و رفت اب تک صرف زیارت و حاضری کی نیت سے ہوا کرتی تھی، لیکن یہ سفر خالص تبلیغی تھا، گنگوہ میں اب تک ایسا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا جس میں مولانا کی خصوصی طور پر شرکت ہوتی ہو، ۲۷ رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۶۲ء یوم جمعہ مغرب کے قریب مولانا سہارنپور پہنچے اور حضرت

شیخ الحدیث کے ہمراہ راستے پور جاکر اور اتوار تک قیام کرکے بعد ظہر گنگوہ کے متصل ایک مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں کے تبلیغی اجتماع میں شرکت کی اور دوشنبہ کو تین بجے وہاں سے چل کر خانپور متصل گنگوہ کے مدرسے میں قیام فرمایا اور پھر گنگوہ حاضری دی، واپسی میں سہارن پور، دیوبند، کاندھلہ ہوتے نظام الدین پہونچے۔

چھاپی کا اجتماع فروری ۶۲ء کے آخر میں چھاپی میں عظیم الشان اجتماع ہوا، اس اجتماع میں ہندوستان کے ہر خطے سے بکثرت لوگ شریک ہوئے، خصوصاً گجرات کے اہلِ تعلق اور دینی علم اور جذبہ رکھنے والے کھنچ کھنچ کر آگئے تھے۔ "یَأتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" کا منظر تھا۔ یہ اجتماع دارالعلوم چھاپی میں ہوا، جو لوگ اس اجتماع میں شریک ہوتے۔ ان کا اندازہ ہے کہ شرکاء اجتماع کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی، عوام وخواص کے علاوہ اس مبارک اور عظیم اجتماع میں گجرات کے اہل علم حضرات اتنی زیادہ تعداد میں شریک ہوئے جن کا شمار اور احاطہ مشکل تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم حضرات بھی شریک ہوئے اور انھوں نے مولانا کی تقریر سُنی۔ ایک صاحب جو اس اجتماع میں شریک تھے۔ غیر مسلم حضرات کے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> "مسلم اور غیر مسلم انگشت بدنداں تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے نہ اپنی زندگی میں اتنا بڑا اجتماع دیکھا ہے اور نہ شاید دیکھنے کو ملے، اجتماع کی شکل، شریک ہونے والوں کا جذبہ، ان کی تڑپ، ان کے ذکر وشغل، آپس کی محبت اور ایک دوسرے کا اکرام، نظم وضبط اور انتظام نے ہر دیکھنے والے کو حیرت زدہ کردیا تھا۔ ہر آنکھ آبدیدہ تھی اور ہر دل متاثر اور بھرا ہوا حضرت مولانا کی انسانیت دوستی، محبت واخلاق اور تعلق مع اللہ جیسے مضامین پر مشتمل تقریر نے سبھی کو متاثر بنا رکھا تھا۔"

اس اجتماع سے اندرون ہند اور بیرونِ ہند کو بکثرت جماعتیں نکلیں، اندرونِ

ہند کے لئے ڈیڑھ سو جماعتیں نکلیں، بیرونِ ہند کے لئے بارہ، جن میں انگلینڈ، مراکش، مصر و شام، عراق، ملایا، مشرقی افریقہ، ترکی وغیرہ جماعتیں گئیں، اس کے علاوہ ایک جماعت حجاز برائے دُعا گئی۔

رائے پور کا سفر ۱۳۸۱ھ کا رمضان حضرت رائپوری نے رائے پور میں گذارا اس لیے حضرت کے متعلقین اور معتقدین دُور دُور سے کھنچ کھنچ کر رائے پور پہونچنے لگے، نظام الدین میں اس رمضان میں مولانا محمد یوسف صاحب بواسیر کی شدّت کی وجہ سے تراویح میں قرآن شریف نہ سنا سکے اور حضرت شیخ الحدیث ۱۶ رمضان تک سہارن پور میں رہے اور ۱۷ رمضان کو رائے پور تشریف لے گئے اور مولانا بھی ۱۷ رمضان کو رائے پور تشریف لے گئے۔ ۱۹ کو دہلی واپس ہوئے۔ اس کے بعد ۴ شوال ۱۳۸۱ھ بروز اتوار پھر سہارن پور گئے اور ۵ شوال کو علی الصباح حضرت شیخ الحدیث کے ہمراہ رائے پور گئے۔ جمعرات کو دھانا میں اجتماع تھا جس میں مولانا بدھ کو دوپہر ہی سے روانہ ہو کر شریک ہوئے۔ اور جمعرات کو حضرت شیخ الحدیث بھی اس اجتماع میں شریک ہوئے۔

بستی کا اجتماع بستی میں دوسرا اجتماع اتوار، دوشنبہ، منگل مورخہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۷، ۲۸، اور ۲۹ مئی ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ اس میں شرکت کی خاطر مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب مع اپنے دس رفقاء کے بستی تشریف لے گئے اور شنبہ کی صبح کو لکھنؤ سے گاڑی بدلی اور بستی کے اس اجتماع میں شرکت فرمائی اس سے پہلے بھی ایک اجتماع بستی میں ہو چکا تھا، بستی میں صرف تین ایسے اجتماع ہوئے جن میں مولانا نے شرکت فرمائی اور ان تینوں اجتماعات سے بکثرت جماعتیں نکلیں اور بے شمار آدمیوں نے اوقات فارغ کئے۔

میرٹھ کا اجتماع مولانا محمد یوسف صاحب مدت سے بواسیر کی شکایت میں مبتلا تھے،

لیکن صبح و شام کے اجتماعات اور ان میں تقریریں کرنے اور پے در پے سفر کرنے سے نہیں رکتے تھے اور اپنی اس شکایت کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے تھے، مولانا کی اسی تکلیف کے دوران میرٹھ کا اجتماع ہوا جو ۱۲، ۱۳، ۱۴ محرم مطابق ۱۶، ۱۷، ۱۸ جون ۱۹۶۲ء کو ہوا، اس میں مولانا محمد یوسف صاحب نے شرکت فرمائی اور باوجود شدید تکلیف کے نہ صرف شریک ہوئے، بلکہ بڑی قوت اور طاقت سے خطاب بھی کرتے رہے اس کی وجہ سے مرض اور ترقی کر گیا اور اس اجتماع سے فراغت کے بعد مظفر نگر میں قیام کیا اور علاج شروع کیا۔ اس علاج سے تکلیف بہت ہوئی لیکن صحت ہو گئی[1]

جھنجھانہ کا اجتماع

۲۶ محرم ۱۳۸۲ھ کو جھنجھانہ میں دوسرا اجتماع ہوا اور یہ اجتماع بہت پہلے سے طے تھا۔ اور مولانا نے شرکت کا وعدہ بھی فرما لیا تھا، لیکن مظفر نگر کے علاج نے طول پکڑا، اس کے باوجود مولانا نے جانے پر اصرار فرمایا اور ڈاکٹر سے یہ کہا کہ "آپ نے مجھے اطمینان دلایا تھا کہ اجتماع سے پہلے آپ اچھے ہو جائیں گے اور دیر بھی ہوئی تو میں اجتماع میں جانے سے نہ رکوں گا، لیکن کاندھلہ کے لوگوں نے حضرت شیخ الحدیث کے ذریعہ سے مولانا کو اس اجتماع میں جانے سے روک دیا۔

عربوں کا اجتماع سہارنپور میں

عرب میں پے در پے جماعتوں کی روانگی اور کئی کئی چلے وہاں گزارنے کی وجہ سے عرب کے حضرات بھی ہندوستان آنے لگے تھے، اسی سلسلے کی ایک جماعت ہندوستان

---

[1] علالت و علاج کے دوران بھی دعوتی مشاغل جاری رہتے، مولانا کے قیام کوشن کر لوگ بکثرت آتے، مولانا اپنی فطری ہمت و قوت اور عزیمت سے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے۔

آئی، اس جماعت کے ساتھ شیخ محمد یوسف حلبی تھے۔ یہ جماعت نظام الدین مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں پہنچی، اور کچھ دن وہاں قیام کر کے دیوبند روانہ ہوئی۔ نظام الدین سے چلتے وقت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری ساتھ ہو گئے اور ان کے ہمراہ ۲۵ نفر ہو لئے، دیوبند میں کام کیا پھر وہاں سے سہارن پور روانہ ہو گئے۔ سہارنپور پہنچتے پہنچتے ۱۲۵ آدمی جماعت میں شامل ہو گئے اور سہارن پور کے قیام کے دوران ۲۵۰ کی تعداد ہو گئی، جماعت کیا تھی، ایک چلتی پھرتی بارونق بستی تھی، جو ذکر، تعلیم اور مذاکرہ کرتی ہوئی اپنا وقت گزار رہی تھی، اس جماعت کا قیام دار الطلبہ جدید میں ہوا اور ایک بڑا اجتماع کیا گیا۔ اس اجتماع میں شیخ محمد یوسف حلبی نے عربی میں تقریر کی اور مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری نے اس کا ترجمہ کیا۔ اس جماعت میں کچھ نجدی حضرات بھی تھے جنھوں نے عربی میں تقریریں کیں اور ان تقریروں کے اردو میں ترجمے ہوئے ۲۸ صفر بروز منگل مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب اس جماعت میں شرکت کی خاطر سہارن پور پہونچے۔ بدھ کی صبح کو یہ جماعت لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئی اور دار العلوم ندوہ کی وسیع عمارت میں اس کا قیام ہوا اور جمعرات کو بعد مغرب دار العلوم کی مسجد میں ایک بڑا اجتماع کیا گیا جس میں ان حضرات کی تقریریں ہوئیں، نجد کے ایک عالم نے پرجوش تقریر کی۔

عربوں کی دوسری جماعت

۲۳ ربیع الاول ۸۲ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۶۲ء بروز شنبہ عربوں کی ایک دوسری جماعت نظام الدین پہونچی جس میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہ[1]، شام کے ایک مشہور عالم تھے شریک تھے، یہ جماعت

---

[1] شیخ عبد الفتاح ابو غدہ شام کے ممتاز حنفی عالم ہیں۔ ان کو علامہ محمد زاہد الکوثری سے تلمذ و استفادہ کا شرف حاصل ہے۔ فخر المتاخرین مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کی تصنیفات سے خاص شغف ہے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

منگل کو دیوبند اور جمعرات کو سہارنپور پہونچی۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی جماعت کا سہارنپور میں دو تین روز قیام کا ارادہ تھا اور اسباق میں شرکت کا بھی، لیکن مولانا ضیاء الدین صاحب نے کلکتہ کی اہمیت کے پیشِ نظر جلد روانگی کا تقاضہ کیا، دوسرے دن جمعہ تھا، یہ دن ان حضرات کا مشغول گزرا۔ جمعہ کی شب میں سہارنپور کے تبلیغی مرکز کی مسجد میں ان کی تقریر ہوئی۔ جمعہ کی صبح کو ۸ سے ۱۰ تک خصوصی اجتماع اور دس سے ۱۲ تک مدرسۂ مظاہر علوم کے کتب خانہ کا معائنہ، نمازِ جمعہ کے بعد جامع مسجد میں ایک بڑا اجتماع کیا گیا۔ اس سے فارغ ہونے پر چار بجے مدرسہ میں آکر کھانا کھایا اور پھر عصر کے بعد کتب خانہ میں جاکر کتابوں کا مطالعہ کیا اور مغرب کے بعد شہر کی ایک مسجد میں ایک اجتماع میں تقریر کی اور شنبہ کو یہ جماعت مرادآباد ہوتی ہوئی لکھنؤ پہونچی اور "مرکز دعوتِ اصلاح وتبلیغ" کچہری روڈ میں قیام کیا، لکھنؤ کے قیام میں مختلف جگہ اجتماعات ہوئے، سب سے بڑا اجتماع دارالعلوم ندوہ کی مسجد میں کیا گیا، اس اجتماع میں شیخ ابوالفتاح ابوغدہ نے تقریر کی، ان کی ایک تقریر لال باغ میں مسجد میں ہوئی۔ لکھنؤ کے قیام میں وہ خاص طور پر فرنگی محل گئے اور وہاں کے کتبخانے دیکھے۔ باغ مولوی انوار صاحب میں جاکر حضرت مولانا عبدالحئی کی قبر کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی۔

مالیگاؤں کا اجتماع مالیگاؤں ضلع ناسک کا ایک بارونق شہر ہے جس میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے اور تجارت وکاروبار بالخصوص پارچہ بافی کی صنعت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اس قصبہ میں زیادہ تر یوپی کے مشرقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہندوستان کے اس سفر کے دوران انھوں نے براہِ راست معلومات اور انکی تحریر کے عکس حاصل کئے اور شام واپس جاکر ان کی متعدد تصنیفات بڑی تحقیق واعتنا سے شائع کیں۔

اضلاع، اعظم گڈھ، فیض آباد وغیرہ کے وہ لوگ آباد ہیں جن کے اجداد ۱۸۵۷ء میں یا اسکے بعد پناہ، یا معاش کی تلاش میں اس طرف چلے آئے تھے، یہاں دینی مدرسے اور علماء بھی ہیں، اور یہ حضرات دینی مدارس کی خدمت اور دینی کاموں میں فراخ دلی سے حصہ لیا کرتے ہیں، تبلیغی کام سے بھی ان کو خصوصی لگاؤ اور دلچسپی ہے اور یہاں کام کرنے والوں کی ایک اچھی جماعت پیدا ہوگئی جن میں ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اس علاقے میں جماعتیں پہلے سے کام کر رہی تھیں، لیکن کوئی ایسا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ جس میں مولانا مع اپنے رفقاء کے شریک ہوئے ہوں۔

ایک بڑا اجتماع ۲۱ تا ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۲ء مطابق ۲۱ تا ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ ہوا۔ اس میں شرکت کی خاطر مولانا اپنے رفقاء کے ساتھ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ بروز شنبہ صبح کو میل سے مالیگاؤں روانہ ہوئے۔ اس اجتماع میں قرب وجوار اور دُور دُور کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور بڑی تعداد میں جماعتیں نکلیں، اجتماع سے فراغت کے بعد ۲۵ جمادی الاولیٰ بروز جمعرات ۱۱ بجے دہلی واپس ہوئے۔

جنوبی ہند کا دورہ

مولانا محمد یوسف صاحب اس دورے سے پہلے ایک دورہ حیدرآباد، مدراس، ڈنڈیگل کا کر چکے تھے جس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔

پھر اس کے بعد ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۶۳ء کو مولانا نے مع اپنے رفقاء کے پورے جنوبی ہند کا دورہ کیا اور حیدرآباد جنوبی ہند کے شہروں، مالابار اور مدراس وغیرہ کا طویل سفر کیا۔ ہر ہر شہر اور مقام پر اجتماع ہوئے، کثیر احباب نے سفر میں شرکت کی اور جماعتوں کی تشکیلیں ہوتی رہیں۔ حیدرآباد اور بنگلور میں بہت بڑے جلسے ہوئے۔ حیدرآباد ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ مئی کو اجتماع ہوا اور اسکے لئے بہت پہلے سے کوشش ہو رہی تھی چونکہ اسمیں مولانا کی شرکت ہو رہی تھی اسلئے پرانے حضرات بڑے ذوق وشوق سے مختلف علاقوں میں دورے کرنے لگے۔

ڈاکٹر وحیدالزماں نے اجتماع سے قبل مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی سے اس اجتماع کی کامیابی کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی۔ وہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

الحمد للہ اجتماع حیدرآباد جو ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ مئی کو طے پایا ہے اس کے لئے محنتیں جاری ہیں۔ یہ اجتماع انشاء اللہ بارکس میسرم میں عرب کی بستی میں منعقد ہوگا جہاں حضرت جی مدظلہ العالی اور آپ سب اکابر تشریف فرما ہوں گے اس اجتماع کے تعلق سے آپ سب کی خصوصی دعاؤں اور خصوصی توجہات کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ جماعتیں برابر آ رہی ہیں اور نظام الدین سے بہت سے بزرگوں کے قبل از اجتماع تشریف لانے سے بہتر شکلوں کے پیدا ہونے کی بڑی توقعات ہیں۔"

یہ اجتماع انتہائی کامیاب ہوا، اول تو اس میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی۔ دوئم اس اجتماع سے مختلف علاقوں میں کام کرنے کے لئے زیادہ تعداد میں جماعتیں نکلیں۔ حیدرآباد اور اطراف کے علاقوں میں کام کی زیادتی اور جماعتوں کی نقل و حرکت میں مولوی جمیل احمد صاحب حیدرآبادی کا بڑا ہاتھ رہا۔

۸ محرم ۱۳۸۳ھ بروز شنبہ مولانا جنوبی ہند سے واپس ہوئے اور سہارنپور تشریف لے گئے اور ایک دن قیام کرکے دہلی تشریف لے گئے۔

تاجروں کا اجتماع

مولانا کو جس طرح علماء اور عوام میں تبلیغی کام کی فکر تھی اور اس کے لئے مسلسل کوشش فرماتے رہتے تھے اسی طرح تاجروں میں بھی کام کی فکر تھی، وہ یہ چاہتے تھے کہ تجار اپنے اوقات کو بھی اسی طرح کام میں لگائیں جس طرح وہ اپنے مال لگاتے ہیں۔ اس لئے اس بات کی برابر کوشش فرماتے رہے کہ مختلف علاقوں کے وہ تاجر جو اس کام سے جڑے ہوئے ہیں

وہ ایک جگہ مشورہ کے لئے جمع ہوں اور ان کے ذریعے اور دوسرے تاجروں کا اجتماع کیا جائے اور پھر وہ اس کام کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ چوں کہ تجارت کرنیوالے دوسرے ملکوں میں اپنی تجارت کے لئے بآسانی سفر کرتے رہتے ہیں اگر ان میں کام کا ذوق اور جذبہ پیدا ہوگیا تو وہ اپنے دور دراز سفر کو اس دینی کام کے لئے بھی استعمال کریں گے اور ان کے ذریعے دوسرے ملکوں کے تاجروں میں بہ آسانی کام شروع ہوسکتا ہے اور اس وجہ سے پھر نہ کوئی مالی دقّت ہوسکتی ہے اور نہ زبان و طرز معاشرت کا اختلاف حائل ہوسکتا ہے، اس لئے مولانا نے اس کام سے تعلق رکھنے والے تاجروں کے ذریعے نظام الدین میں تاجروں کا ایک بڑا عوامی اجتماع رکھا جو ۵،۶،۷ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۷،۲۸ جولائی ۱۹۶۳ء کو چونسٹھ کھمبے میں کیا گیا۔ اتنا بڑا اور کامیاب اجتماع دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اجتماع کے تأثرات حضرت شیخ الحدیث اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"نظام الدین میں تاجروں کے ایک طویل اور وسیع اجتماع کا خیال مولوی یوسف کو بہت دنوں سے ہو رہا تھا، کئی بار اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ بھی کیا، ان کا خیال تھا کہ ان تاجروں کو نہایت شدّت سے اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ محض مالی اعانت پر قناعت کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس کے ساتھ جان کے خرچ کرنے کو بھی ضروری سمجھیں، اس لئے وہ ایک عرصے سے فکر میں تھے، مختلف تاجروں سے اس سلسلے میں گفتگوئیں بھی کرتے تھے۔ اللہ نے مرحوم کو بڑی قوت عطا فرمائی تھی۔ شروع ربیع الاوّل ۸۳ھ میں انھوں نے اس سلسلے میں بلکہ آخر صفر ہی سے انھوں نے احکامات جاری کرنے شروع کر دیئے، ان کا حکم نامہ کچھ ایسا جزنیلی اور شاہانہ تھا اور اللہ نے ایسی قبولیت اور قوت عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے حاجی یعقوب صاحب کو خط لکھا کہ بمبئی کے جتنے تاجروں کو

سے آسکتے ہوں سے آئیں، اور بھی بہت سے تاجروں کو یہ حکم نامہ لکھا، اللہ جانے کیا قوت برقیہ اللہ نے عطا فرمائی تھی کہ ایسے ایسے تاجر جو اس طرف کبھی رُخ بھی نہیں کرتے تھے اپنے سارے مشاغل اور ضرورتیں پس پشت ڈال کر شرکت کی غرض سے پہونچ گئے۔ مجھ سے خود بمبئی کے ایک تاجر نے کہا جن کا نام بھی معلوم ہے کہ دس بارہ برس سے اس نواح میں آنے کا تقاضہ تھا مگر فرصت نہ ملی، اس وقت حضرت جی کے حکم نامے نے طبیعت پر ایسا زور ڈالا کہ بہت سی مجبوریاں اور ضرورتیں چھوڑ کر فوراً چلا آیا، بمبئی، مدراس، کلکتہ، مالیگاؤں، حیدرآباد بھوپال اور نہ معلوم کہاں کہاں کے، حتیٰ کہ پاکستان کے تاجر بھی دوڑ پڑے اور تقریباً ڈھائی ہزار اونچے اونچے تاجر نظام الدین میں ریلوں اور طیاروں سے پہنچ گئے اور ۵ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۶۳ء کو دو دن یہ اجتماع رہا۔ چونسٹھ کھمبے میں جہاں یہ اجتماع ہو رہا تھا تل رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی، اہلِ دلی کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے بڑی فیاضی اور فراخدلی سے ان کی مہمانی کی۔ مولانا محمد یوسف صاحب کا حال تو آپ کو معلوم ہے کہ ان کے یہاں ایسے اہم مواقع میں کھانے پینے کا تصوّر بھی جرم عظیم تھا، مگر اس کے باوجود دہلی والوں نے بہت زیادہ اہتمام کیا جس کی تعریف بہت سے تاجروں نے براہ راست مجھ سے کی دو دن تک مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریروں کا وہ جوش و خروش رکھا کہ تاجر بہت ہی مبہوت تھے کہ ہم کے تکر کا ہے میں کھو گئی، اور مرحوم نے اپنی عادت کے موافق سرکردہ لوگوں کو یہ حکم بھی دے دیا کہ سہارنپور اور دیوبند جائے بغیر واپسی کی اجازت نہیں۔ اس بنا پر اس ناکارہ کو بھی اس اجتماع کے بعد کئی دن تک تاجروں کے ہجوم کو بھگتنا پڑا اور اپنی عادت کے موافق ان سے تحقیق حالات بھی کرتا رہا۔ ہر شخص مبہوت تھا۔ وہ کہتے تھے کہ عقل دنگ ہے کیا کریں

کیا نہ کریں، بھائی جمیل حیدر آبادی، اس سے فراغ پر ۱۰ ربیع الاول کو سہارن پور پہونچے، کئی دن قیام کیا اور وہاں کے مناظر بہت مزے لیکر سناتے رہے[1]

عرب علماء کی جماعت

عرب ملکوں میں جماعتوں کی مسلسل آمد و رفت سے ان ممالک میں تبلیغی کام کا ذوق و شوق مختلف حلقوں میں پیدا ہو گیا تھا اور ہندوستانی جماعتوں کی دعوت پر عرب علماء، تجار اور ملازمین ہندوستان کے تبلیغی مرکز نظام الدین میں آنے جانے لگے تھے اور ہندوستان کے مختلف مرکزوں شہروں اور علاقوں میں سفر کرنے لگے۔ اس سلسلے کے علماء کی ایک جماعت ہندوستان آئی، جن میں شیخ جمال جودت اور شیخ سعید طنطاوی جو نہایت صالح اور دیندار عالم ہیں اور شام کے مشہور اہل قلم اور ادیب استاد علی طنطاوی کے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ دوسرے علمائے شام کی ایک بڑی جماعت بھی تھی، مکہ مکرمہ میں کام کرنے والے تبلیغی کارکن بھی نظام الدین آچکے تھے۔ نظام الدین میں کچھ عرصہ قیام کرکے ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۶۳ء کو اتوار کے دن علی گڈھ پہونچے، لکھنؤ میں مرکز تبلیغ کچہری روڈ اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ایک بڑے مجمع کو خطاب کیا، منگل کی شام کو لکھنؤ سے چل کر بدھ کی صبح کو سہارنپور پہونچے اور جمعرات کی صبح کو سہارن پور سے دیوبند پہنچے۔

نہٹور کا اجتماع

نہٹور کا اجتماع ۲۵، ۲۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو منعقد ہوا جس میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی، مقامی حضرات نے مہینوں پہلے اجتماع کی کامیابی کی کوشش کرنی شروع کردی تھی، مرکز کی جماعتوں نے آس پاس کے علاقوں میں دورے کرنے شروع کردیے تھے اور چھوٹے چھوٹے اجتماع جگہ جگہ شروع ہوگئے تھے مولانا محمد یوسف صاحب معہ اپنے رفقاء کے شریک ہوئے تھے اور ۲۵، ۲۶ نومبر ۱۹۶۳ء کو ایک بڑے اجتماع کو خطاب کیا جس میں حسب معمول خلافت ارضی، یقین، ایمان، اعمال صالح

---

[1] مکتوب بنام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

مجاہدہ، دعوت و تعلیم ذکر و نماز وغیرہ پر سیر حاصل خطاب فرمایا، سننے والوں کا ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ بہت کم اجتماعات میں اتنا ہجوم ہوتا تھا، جہاں تک نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک شمع ہے اور چاروں طرف پروانے، مولانا نسیم احمد فریدی جو اس اجتماع میں شریک ہوئے تھے، اپنے عجیب تأثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہنٹور کا اجتماع یوپی کے اجتماعوں میں ایک بڑا اجتماع تھا۔ اس میں حضرت مولانا اپنے تمام رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے تھے، عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کرلوں۔ انتظاماً قیام گاہ پر بعض میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چوکھٹ داخلے کی بے محابا کوشش کرنے والوں کے ہاتھوں اکھڑ گئی تھی۔ جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ کی میں تشریف لاتے تھے مجمع آپ کے ارد گرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا جس سے انتشار پیدا ہو جاتا تھا اور ضعیفوں کو تکلیف پہونچنے اور کچل جانے کا بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا رات کے جلسے میں بہ ہزار دقت اسٹیج تک تشریف لائے تو بعد خطبہ مسنونہ تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"کیا تم مجھ... (حمار کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ) کو دیکھنے آئے ہو؟ دیکھو میں یہ کھڑا ہوں۔ اگر میری بات سننے آئے ہو تو سنو پھر جو تقریر فرمائی تو مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ بیس پچیس ہزار کا مجمع خاموشی سے مولانا کی تقریر سن رہا تھا۔ غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے۔ مولانا نے خالص انسانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی جس سے ہر ایک متاثر ہوا۔ انصاف اور عدل کی صفت پر بھی روشنی

ڈالی اور فرمایا کہ انصاف اور عدل کے سلسلے میں مذہب یا پارٹی کا سوال پیدا کر کے ناحق کسی نہ کسی کی جنبہ داری اور طرفداری نہیں کی جائے گی۔ اور بڑی تفصیل سے اس موضوع پر تقریر فرمائی [1]

پنڈوہ کا اجتماع

۲۷ فروری ۱۹۶۴ء کو پنڈوہ (مغربی بنگال) میں تبلیغی اجتماع تھا جس کا اہتمام کلکتہ کے احباب و رفقاء نے بہت پہلے سے کر رکھا تھا اور اس کی تاریخیں مقرر کر رکھی تھیں، اجتماع سے چند ہی دن پہلے کلکتہ کی ایک بڑی جماعت سہارنپور پہنچی اور مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی جو اپنے سفر حج کے سلسلے میں سہارنپور تشریف لے گئے تھے، اس جماعت کی آمد اور پنڈوہ کے اجتماع کے متعلق حضرت شیخ الحدیث کے الفاظ میں سنئے:

"۸ شوال ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۶۴ء شنبہ کی صبح کو حاجی غلام رسول صاحب حاجی عبدالستار صاحب وغیرہ کلکتہ کی بڑی جماعت پنڈوہ کے اجتماع کے لئے سہارنپور پہنچی، اسلئے کہ یہ ان کو معلوم تھا کہ یہ تاریخ حضرت مولانا یوسف صاحب کی سہارنپور کی ہے مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مولانا یوسف صاحب آج عزیز طلحہ کی رخصتی کے سلسلے میں اسکو اپنے ساتھ لانے کیلئے کاندھلہ ٹھہر گئے ہیں نا کارہ تو اس سلسلے میں کاندھلہ نہیں گیا تھا بلکہ مولانا محمد یوسف صاحب کو لکھ دیا تھا۔ جب نظام الدین سے سہارنپور تم آؤ تو کاندھلہ سے عزیز طلحہ کی اہلیہ کو بھی ساتھ لیتے آنا۔ اس سلسلے میں مولانا محمد یوسف صاحب آج کاندھلہ ٹھہر گئے تھے۔ اور حضرات اہل کلکتہ کو چونکہ واپسی کی جلدی تھی۔ اس لئے یہ سب بھی شام ہی کو کاندھلہ پہنچ گئے اور اتوار کی صبح کو عروس کے ساتھ واپس آئے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو مگر کلکتہ کی ایک بڑی جماعت گویا برات بن گئی، اتوار کی صبح کو یہ سب حضرات اور مولانا یوسف صاحب سہارنپور پہنچے اور اسی دن شام کو کلکتہ

---

[1] مقالہ مولانا نسیم احمد فریدی "الفرقان" مولانا یوسف نمبر صفحہ ۲۷۶،۲۷۷

روانہ ہو گئے۔ پنڈوہ کے اجتماع کے سلسلے میں یہ قرار پایا کہ ہولی کا زمانہ قریب ہے اور اس زمانہ میں کثرت سے فسادات ہوتے رہتے ہیں، لہٰذا ہولی کا زمانہ گزرنے کے بعد کلکتہ کے حالات کے مطابق ٹیلیفون پر مولانا یوسف صاحب سے تاریخ کا تعین کرالیں اور عزیزان مولوی یوسف و مولوی انعام وغیرہ بعد عصر گھانہ متصل بہٹ کے اجتماع میں جو پہلے سے تجویز شدہ تھا روانہ ہو گئے۔ وہاں سے پیر کو واپس آکر بدھ کو دہلی روانہ ہوئے، ہولی کے بعد اہل کلکتہ کے اصرار پر ۵ار شوال ۸۳ھ مطابق ۲۹ر فروری ۶۴ء شنبہ کی شب میں مولانا یوسف صاحب مع رفقاء کلکتہ روانہ ہوتے اور اسی وقت پنڈوہ گئے اور پیر کی صبح کو کلکتہ واپس آئے اور اسی دن شام کو ۱۰ بجے چل کر بدھ کی صبح کو دہلی واپس پہنچے چونکہ سفر حج بہت قریب تھا، اس لئے نہ پنڈوہ میں زیادہ قیام ہو سکا نہ کلکتہ میں۔ ۳۰ر شوال ۸۳ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۶۴ء یکشنبہ کی دوپہر کو مولانا یوسف و مولانا انعام حج کے سلسلے میں اہل سہارنپور سے الوداعی ملاقات کے لئے آکر دوشنبہ کی صبح کو واپس چلے گئے چونکہ ہم لوگوں کی روانگی ہوائی جہاز سے طے تھی اور عزیز ہارون اور میرے رفقا کی بحری جہاز سے، اس لئے ۲۹ر شوال ۸۳ھ یعنی ایک دن پہلے شنبے کو عزیز ہارون، بھائی محمود عزیزا ابوالحسن اور الیاس مرحوم، مولوی ہارون کے ساتھ بڑی جماعت میوات و نظام الدین کی ۲ بجے شام دہلی سے جنتا سے روانہ ہو کر اتوار کو بعد عشا ۹ بجے بمبئی پہنچے اور ۲۱ر مارچ ۶ر ذیقعدہ شنبہ کو مظفری جہاز سے سوار ہو کر ۲۸ر کو جدہ پہونچے۔ یہ طے ہو گیا تھا کہ یہ لوگ جدہ میں ہم لوگوں کا انتظار کریں۔ اس لئے کہ ہم لوگوں کی روانگی طیارے سے ۲۹ر مارچ کو طے تھی"۔

مرادنگر اور بہٹ کا اجتماع

۱۰ر جمادی الثانی ۸۴ھ کو مرادنگر میں ایک اہم تبلیغی اجتماع ہوا جس میں مولانا نے شرکت فرمائی اس کے

بعد ۱۴ر جمادی الثانی ۸۴ھ مطابق ۲۲ر ستمبر ۶۴ء کو کویت کے عربوں کی ایک جماعت دیوبند ہوتے ہوئے سہارن پور پہنچی اور اس نے وہاں کام کیا پھر اس کے بعد بہٹ کے اجتماع میں شرکت کی۔ ۳۰ر جمادی الثانی ۸۴ھ مطابق ۶ر نومبر ۶۴ء جمعہ کی شام کو مولانا محمد یوسف صاحب مع، عرب حضرات کے سہارنپور پہنچے اور شنبہ کو بعد ظہر بہٹ گئے۔ بہٹ میں شنبہ اور یکشنبہ کو اجتماع کی تاریخیں بہت پہلے طے ہوگئی تھیں اسی اثناء میں وہاں الیکشن ہوگیا جس کی وجہ سے فضا تبلیغی کام کے لئے نہ رہی۔ بہٹ کے مقامی لوگ سہارن پور آئے اور اجتماع کو ملتوی کرنے کی درخواست کی مگر حضرت شیخ الحدیث اور مولانا محمد یوسف صاحب دونوں نے اس خیال سے کہ اجتماع کی اطلاع دور دور شہروں اور دیہاتوں میں پہنچ چکی ہے۔ اس لئے اس کو ملتوی کرنا مناسب نہ سمجھا چنانچہ اجتماع ہوا اور کامیاب ہوا، اتوار کی شام کو بہٹ سے سہارنپور اور دوشنبہ کی صبح کو مولانا دہلی واپس ہوئے۔

کاوی کا اجتماع

کاوی صوبۂ گجرات کا ایک قصبہ ہے، رجب ۸۴ھ مطابق نومبر ۶۴ء کو یہاں ایک عدیم المثال تبلیغی اجتماع ہوا، اتنا بڑا اجتماع اس سے پہلے کم ہی ہوا تھا، بسوں کا معقول انتظام تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ بہت بڑی تعداد میں جماعتیں نکلیں۔ اس سفر میں مولانا کا بڑا مشغول پروگرام گزرا، اجتماع سے پہلے مقامی لوگوں اور گجرات کے اہل تعلق حضرات نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے اجتماع کی تیاری کی تھی۔ مولانا عیسیٰ محمد صاحب پالن پوری اجتماع سے پہلے کی تیاری کے متعلق بیان کرتے ہیں:۔

”کاوی کے اجتماع کے سلسلے میں حضرت مولانا نے استفسار فرمایا، اجتماع کرنے والوں نے عرض کیا کہ اس میں کچھ قانونی رکاوٹیں اور پیچیدگیاں ہیں، جہاں تک ہماری کوشش کا تعلق ہے وہ پوری کی جائے گی۔“

حضرت مولانا نے فرمایا یہ صلوٰۃ الحاجۃ پھر کس دن کیلئے ہے؟ صلوٰۃ الحاجۃ

پڑھ پڑھ کر اپنے رب سے مانگو وہ ضرور راہ نکالے گا۔ جماعت والوں نے خوب صلوٰۃ الحاجۃ پڑھی اور رو رو کر مانگا۔ الحمد للہ ساری پیچیدگیاں اور قانونی رکاوٹیں دور ہو گئیں اور جماعتیں بآسانی نکل گئیں"۔

حضرت مولانا نے اس سفر کو کس طرح مشغول گزارا وہ حضرت شیخ الحدیث کی زبانی سنئے :۔

۱۱ رجب ۸۴ھ مطابق ۱۷ نومبر سہ شنبہ کی شام کو مولانا یوسف صاحب اور مولانا انعام صاحب وغیرہ نظام الدین سے کاوی کے اجتماع کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بھوپال کے قریب ایک جلسے میں شرکت کے بعد جمعہ کو ۴ بجے بڑودہ اور وہاں سے عشا کے بعد کاوی پہنچے۔ ۲۳ نومبر کو بعد نماز مغرب بھروچ ۲۴ کو آنند مدرسہ میں اجتماع اور ختم بخاری ۲۵ کو ڈابھیل کے مدرسے میں بھی اجتماع اور ختم بخاری کرا کر ۲۶ کی صبح کو عنبتا سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں راندیر میں جامعہ حسینیہ اور مدرسہ اشرفیہ دونوں جگہ بخاری شریف ختم کرائی اور اپنی عادت کے موافق زوردار تقریر فرمائی۔ عزیزان عبدالرحیم[1] جامعہ حسینیہ میں اور غلام محمد[2] اشرفیہ میں امسال بخاری میں تھے، ان کے شوق سے یہ لکھوا رہا ہوں کہ ان دونوں نے بھی بخاری مولانا محمد یوسف صاحب سے ختم کی۔

مرادآباد کا آخری اجتماع

یہ عجب اتفاق ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب نے مولانا محمد الیاس صاحب کے انتقال کے بعد جب کام سنبھالا تو سب سے پہلا اجتماع مرادآباد میں کیا اور اپنی زندگی کا آخری اجتماع بھی مرادآباد میں کیا۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے اجتماع ہوئے مگر یہ اجتماع قابل ذکر ہے۔ ۲۴ رجب ۸۴ھ مطابق ۳۰ نومبر ۶۴ء دوشنبہ تا صبح پنجشنبہ یہ اجتماع ہوا، اصل اجتماع بدھ تک ہوا۔ جمعرات کو خواتین کا اجتماع ہوا جس میں مولانا نے

---

[1] و [2] دونوں حضرت شیخ کے خادم خاص ہیں، مولوی عبدالرحیم ہی عرصے سے حضرت کے خطوط لکھتے ہیں۔

تقریر فرمائی، اس کے بعد دہلی تشریف لائے۔ مُرادآباد کے اس آخری اجتماع کی روئیداد اور نظامِ سفر کے متعلق مولانا نسیم احمد فریدی کے تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

"مرادآباد میں آخری تشریف بری کے موقعے پر وہاں مدارس میں پہنچ کر علماء وطلباء کو جو پیغامات دیئے وہ بھی یاد رہیں گے۔ مدرسۂ شاہی کا اجتماع عوام اور علماء و فضلاء کے مجمع کے لحاظ سے اتنا عظیم تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے بعد سے آج تک وہاں اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا حضرت مولانا سید فخرالدین مدظلہٗ نے بخاری شریف ختم کرائی، اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں علماء و طلباء کو بصد احترام انکے فرائضِ منصبی کی طرف متوجہ فرمایا اور درس و تدریس کی اہمیت کو واضح کیا، وہاں کی تقریر اس قدر جامع اور بصیرت افروز تھی کہ اگر ہمارے مدارسِ عربیہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان میں دوبارہ بہارِ تازہ آجائے۔ اس موقع پر مولانا نے ان بعض شبہات اور اشکالات کا جواب بھی دیا جو بعض اصحابِ مدارس کی زبان پر نیک نیتی کے ساتھ تبلیغی کام کی نقل و حرکت کے سلسلے میں آتے رہتے ہیں۔

"مرادآباد سے امروہہ تشریف لائے، وہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں ختم بخاری کے بعد علماء و طلباء اور شہر کے باشندوں کے سامنے موضوع علم پر سیر حاصل تقریر فرمائی، آغاز کلام میں جو بات فرمائی اس کا مفہوم تقریبًا یہ تھا کہ، ایک علم کا صحیح ہونا ہے اور ایک صحیح علم کا استعمال صحیح ہونا ہے۔ اگر علم صحیح ہوا اور اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ بھی خسارہ کی بات ہے۔ یہ ایک الہامی اور معرکۃ الآراء تقریر تھی جس نے تمام حاضرین کو بڑا فائدہ پہنچایا یہ آخری تقریر تھی جو میں نے حضرت مولانا کی زبان

سے سنی تھی پھر اس کے بعد موقعہ ہی نہ ملا کہ حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفیض ہوتا۔"

سہارنپور کا اجتماع

سہارنپور کا اجتماع شعبان ۸۴ھ میں ہوا۔ اس اجتماع کی روئیداد اور نظام سفر کو حضرت شیخ الحدیث کی یادداشت سے ملاحظہ فرمائیے۔

"سہارنپور میں ایک بڑے اجتماع کی کوشش کئی ماہ سے ہو رہی تھی اور سہارنپور کی وجہ سے مولانا یوسف صاحب کو بھی اس کا شوق لگ رہا تھا، ۱۳ر شعبان ۸۴ھ مطابق ۱۸ر دسمبر ۶۴ء جمعہ سے اتوار تک تجویز تھی۔ تجویز یہ تھی کہ مولانا یوسف صاحب جمعہ کی اپنی تقریر سے فارغ ہو کر کاندھلہ جمعہ پڑھ کر عصر سے پہلے یہاں پہونچ جاویں گے۔ اس لئے عصر کے بعد ان کی تقریر کا یہاں اعلان بھی ہو گیا تھا لیکن راستے میں کار خراب ہو گئی، بسوں میں باوجود کوشش کے جگہ نہ ملی، اس لئے وہ باغپت سے شام کو ۵ بجے چھوٹی لائن سے سوار ہو کر ½ ۱۰ بجے رات کو سہارنپور پہونچے جب کہ جلسہ دعا پر ختم ہو رہا تھا انھوں نے فوراً آکر دعا کا تکملہ کیا اور ایک گھنٹہ دعا کرائی پھر شنبہ کی صبح کو ۷ سے ۱۰ بجے تک اسلامیہ اسکول میں جہاں جلسہ ہو رہا تھا ان کی تقریر ہوئی پھر ظہر سے عصر تک مستورات کا ایک اجتماع مدرسہ تجوید القرآن میں تجویز تھا، اس میں تقریر ہوئی۔ عصر کے بعد اسکول والوں نے خواص کو جن میں ہندو مسلمان سب ہی شریک تھے، چائے پر مدعو کر رکھا تھا۔ مولانا یوسف نے چائے میں شرکت سے تو انکار کر دیا لیکن عصر سے مغرب تک بڑی زوردار تقریر فرمائی جس پر سنا گیا ہے ہندو، سکھ بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ اس قسم کی باتیں کبھی سننے میں نہیں آئیں۔ یہ

کی دوپہر کو بعد ظہر عزیزان نظام الدین گئے۔ اس دوران میں دو دن تک جلسے کے اختتام سے قبل مکان پر نہیں آئے شب و روز اسکول ہی میں رہے"۔

سہارنپور کے اجتماع کے بعد مولانا نے رمضان المبارک نظام الدین میں گزارا اور بعد رمضان مولانا کاندھلہ تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث سہارنپور سے کاندھلہ تشریف لے گئے، پھر سہارنپور واپس ہوئے، مولانا نظام الدین تشریف لے گئے، وہاں کلکتہ اور بہار کی ایک بڑی جماعت مقیم تھی جو بہار میں اجتماع کی تاریخیں لینے گئی تھی، مولانا نے بہار کے اجتماع کی اکتوبر ۶۵ء میں تاریخیں دیں لیکن افسوس ہے کہ یہ اجتماع مولانا کی زندگی میں نہ ہوسکا۔ مولانا کچھ ہی دنوں بعد پاکستان تشریف لے گئے اور آخرکار ۲ر اپریل ۶۵ء کو انتقال فرما گئے۔

ساتواں باب

پاکستان کے دورے اور اجتماعات

بہت روز گلشن نشینی رہی
بس اب مستقل عزم پرواز ہے

پاکستان میں تبلیغی کام اور اس کی نوعیت

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں سے بے شمار مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے تھے، خصوصاً دہلی اور میوات سے (جو اس دعوتی کام اور حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف صاحب کے معتقدین اور محبین کے مرکز تھے) بہت سے پرانے کام کرنے والے اور ان اکابر سے ذاتی اور دینی تعلق رکھنے والے اپنے عزیز وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کے والد کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور تربیت یافتہ تھے، جن کے دل و دماغ میں دعوتِ دین کا یہ کام بسا ہوا تھا۔ انھوں نے پاکستان پہنچ کر پناہ گزینوں اور مہاجروں میں کام شروع کر دیا۔ نیز تقسیم سے پہلے ہی سے پنجاب و سرحد اور سندھ میں کام شروع ہو چکا تھا۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں بھی کام کرنے والے پہونچ چکے تھے۔ اس لئے نئی اور پرانی طاقتیں مل گئی تھیں اور تبلیغی کام کی مضبوط بنیاد پڑ گئی اور اس کا

مرکز رائے ونڈ کو قرار دیا گیا جو لاہور سے ۲۸ میل پر تحصیل قصور میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر لاہور (باغبانپورہ) بلال پارک اور کراچی میں مکّی مسجد کو مرکز بنایا گیا۔

پاکستان میں کام کو جمانے اور پورے پاکستان میں اسکی اشاعت کیلئے تبلیغی کام کے اصول سے واقف اور پرانے حضرات کی شدید ضرورت تھی تاکہ کام غلط رُخ پر نہ پڑسکے اور بے اصولیوں کی وجہ سے فتنہ برپا نہ ہوجائے۔ اس لئے شروع ہی سے اس کا لحاظ رکھا گیا کہ پُرانے لوگ برابر جُڑیں اور کسی مرکز کے ماتحت کام کیا جائے۔ کچھ لوگ تو پہلے ہی سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں موجود تھے اور تقسیم سے پہلے مرکز نظام الدین آتے جاتے رہتے تھے اور تبلیغی کام کو اصول کے ساتھ اپنے اپنے مقامات پر کرتے رہے تھے اور دوسرے علاقوں میں دورے کرتے رہتے تھے پھر تقسیم ہوتے ہی بہت سے پُرانے اور با اصول کام کرنیوالے مختلف علاقوں میں پہنچ گئے اور کچھ عرصے کے بعد عارضی طور پر ہندوستان سے بعض ایسے تبلیغی کارکن پاکستان گئے جو نظم وضبط، سنجیدگی ومتانت اور اصول سے واقفیت میں ممتاز تھے انھوں نے پورے پاکستان کے کام کا جائزہ لیا، مختلف علاقوں میں مراکز قائم کئے، منتشر افراد کو جوڑا اور بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کیا۔ جو میواتی ہندوستان سے پاکستان منتقل ہوچکے تھے اور انتشار وپراگندگی کا شکار تھے ان میں عزم وولولہ پیدا کیا اور ان کو ایک مرکز پر لاکر کام سے جوڑا اور متواتر کام میں جوڑے رکھا اس سلسلہ میں مشرق ومغرب میں کئی کئی مراکز قائم کئے۔

۱۹۵۲ء میں سکھر میں پُرانے اور نئے کام کرنے والوں کا ایک بڑا اجتماع ہوا، اس اجتماع میں پورے پاکستان کے کام کو اور زیادہ وسعت دینے اور مضبوط بنانیکا مشورہ ہوا اور ملکی، غیر ملکی، مقامی اور غیر مقامی جماعتوں کے تقاضے رکھے گئے۔ اگرچہ ان جماعتوں کی وقتی طور پر تشکیل نہیں ہوسکی۔ مگر چند سال ہی کے اندر انہیں سے اکثر وجود میں آگئیں اور جماعتوں کی وہ آمد ورفت ہوئی کہ باید وشاید۔

اس اجتماع کے علاوہ مسلسل چھوٹے بڑے اجتماع کئے گئے اور ہر ہر راستہ پر جماعتوں

کی نقل وحرکت ہوئی۔ اس طور پر پاکستان میں اچھی استعداد رکھنے والوں اور کام کی اچھی صلاحیت رکھنے والوں کے ذریعہ کام ہوا اور سب سے بڑی بات یہ کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے مسلسل دَوروں اور سفروں نیز ان کی موجودگی میں اجتماعات سے پاکستان کا تبلیغی کام صحیح رُخ پر پڑ گیا۔

پاکستان میں شروع شروع کام کو جمانے کے لئے مغربی سمت میں سات مرکز قائم کئے گئے :۔

(۱) کراچی (۲) راولپنڈی (۳) لاہور (۴) حیدرآباد (۵) پشاور (۶) کوئٹہ، اور (۷) ملتان۔ ان مرکزوں میں اجتماعات ہوتے تھے اور جماعتوں کی نقل وحرکت کی جاتی تھی۔

مشرقی سمت میں تین مرکز قائم کئے گئے (۱) کھرائل (۲) چاٹگام (۳) کھلنا۔ ان مرکزوں میں جماعتوں کی مسلسل، خواہ وہ پیدل ہوں یا سوار، آمد ورفت ہوتی تھی، جن میں پیدل جماعتوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی نیز حج کی پیدل جماعتیں بھی نکلا کرتی تھیں جن کی قدرے تفصیل پیدل جماعتوں کے باب میں مستقلاً آئے گی۔

رائے ونڈ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے جو پہلا حج کیا تھا جس میں مولانا محمد یوسف صاحب بھی ہمراہ تھے اور کام سے متعلقین کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی، رائے ونڈ سے لاہور ہوتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ کسی زمانے میں یہی رائے ونڈ پورے پاکستان کا مرکز بنے گا اور اس جگہ اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوں گے جن کی مثال ماضی قریب میں نہیں مل سکتی، مولانا محمد یوسف صاحب کے دَوروں میں مختلف اوقات میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور ہر اجتماع اپنی جگہ آپ اپنی مثال ہوتا۔ صرف ایک اجتماع کا حال پڑھنا کافی ہوگا۔ شوال ۸۰ھ میں رائے ونڈ میں مولانا کی شرکت میں اجتماع ہوا تھا۔ اس میں

شریک ہونے والے ایک کارکن حضرت شیخ کو تحریر کرتے ہیں:۔

"بفضلہ تعالیٰ رائے ونڈ کا اجتماع نہایت خیر و برکت کے ساتھ اختتام کو پہونچا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعتوں کو رخصت فرماتے ہوئے جو دعا فرمائی وہ حد درجہ رقت انگیز تھی سارا مجمع تقریباً ۲ منٹ تک روتا رہا، اجتماع کے دوران مختلف اوقات میں شریک ہونیوالوں کا اوسط پندرہ ہزار تھا۔ دین اور انسانیت و اخلاق کے سیکھنے اور اس کی محنت کرنے کی غرض سے تقریباً چھ سو افراد اجتماع سے نقد نکلے[۱]۔

اور مولانا کے آخری سفر پاکستان میں تو رائے ونڈ میں اتنا بڑا اجتماع ہوا تھا جو اپنے ماقبل کے سارے اجتماعات سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔ لیکن مولانا کے انتقال کے بعد جو اجتماع ہوا وہ اتنا بڑا اور جماعتوں کے نکلنے کے لحاظ سے اتنا عدیم المثال تھا جس کی تصدیق وہی کر سکتا ہے جس نے اپنی آنکھوں سے یہ روح پرور اور یقین افروز منظر دیکھا ہے اس کی قدرے تفصیل اگر پیش کر دی جائے تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگی ایک رفیق کار جو پاکستان کے اجتماعات اور وہاں کی نقل و حرکت میں اچھا خاصا دخل رکھتے ہیں۔ رائے ونڈ کے اس بڑے اجتماع کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اپنا تاثر بیان کرتے رہیں:۔

"الحمد للہ اجتماع بخیر و خوبی پورا ہو گیا اور واقعی اس بات کا یقین اور پختہ ہو گیا کہ دعاؤں سے بھی انسانوں کے کام ہو جاتے ہیں کہ آپ حضرات خود تو تشریف نہ لا سکے[۲] لیکن آپ حضرات کی دعاؤں کی برکت سے اجتماع

---

[۱] مکتوب مولوی جمیل احمد حیدرآبادی [۲] اس کا تفصیلی ذکر "پاکستان کا آخری سفر" کے باب میں آئے گا۔ [۳] قانونی مشکلات کی بنا پر مرکز کے حضرات نہیں جا سکے تھے۔

بہت ہی اچھا ہو گیا، پہلے کسی اجتماع میں ۱۵ ہزار سے زائد مجمع نہ ہوا ہوگا لیکن اس مرتبہ ۲۵ ہزار سے زائد تھا۔ اخبار والوں نے تو ۵۰ ہزار اور لاکھ تک چھاپ دیا ہے۔ ملک کے دونوں حصوں سے خوب احباب تشریف لائے اور پہاڑی حضرات تو اپنے گھروں سے ۱۵، ۲۰ بسوں میں بیٹھ کر آئے ڈھاکہ سے لاہور آنے والا ہوائی جہاز ایک روز تقریباً اپنے ساتھیوں ہی سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے روز تو گزشتہ سالوں کی طرح شامیانے منگوائے گئے تھے، لیکن اگلے روز اتنے ہی شامیانے اور منگوانے پڑ گئے اور مشرق کی طرف کے کھیتوں میں لگائے گئے۔ بہر حال مجمع خوب آیا، اگرچہ نہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی پرکشش ذات تھی نہ آپ حضرات کے آنے کی کوئی صورت تھی اور ویسے بھی گرمی کا زمانہ تھا۔

"الحمد للہ تشکیلیں پہلے سالوں سے زیادہ ہوئیں، ایک جماعت ترکی کو، اور ایک جماعت کویت کو روانہ ہوئی۔ اس کے علاوہ چلّہ، ۳ چلّے کی ۸۴ جماعتیں اور چلّہ سے کم اوقات کی ۲۵ جماعتیں اللہ کی راہ میں دین سیکھنے کے لئے روانہ ہوئیں۔"

مذکورۂ بالا بیان سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ رائے ونڈ پرانے کام کرنے والوں اور اجتماعات میں شرکت کرنے والوں، جماعت کی آمد و رفت اور قیام کرنے والوں کا کیسا مرکز بن چکا تھا، اس کے علاوہ ڈھاکہ بھی کام کرنے والوں کا بڑا مرکز بن چکا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے دوروں سے ہر ہر شہر اور قصبے میں کام کرنیوالے پیدا ہو گئے۔

مولانا کے بعد ڈھاکہ میں ایک عدیم المثال اجتماع ہوا جو رائے ونڈ کے اجتماع سے بھی بڑھ گیا تھا۔

پاکستان کے مخلص کام کرنے والے

مولانا محمد یوسف صاحب کی رائے ونڈ میں بے شمار تقریریں ہوئیں جن سے ہزاروں افراد نے یقین و اعتماد کی دولت پائی اور اپنی عمروں کو تبلیغی کام میں لگایا، عرب اور دوسرے ممالک کے اہل علم حاضر ہوئے اور ان کی تقریروں سے مقامی باشندوں نے فائدہ اٹھایا اور آج بھی اس مرکز سے تبلیغی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر مشرق و مغرب کے علاقوں میں اپنی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ یورپ کے ممالک کے کتنے ایسے مسلمان ہیں جو اس مرکز میں برابر آتے رہے ہیں اور یہاں جو نظام چلتا ہے اس میں شرکت کرتے ہیں اور پھر واپس جاکر اپنے اپنے ملکوں میں تبلیغ کے کام کی اشاعت کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے اہل تعلق نے جس تندہی، جفاکشی اور محنت و مجاہدات کے ساتھ دعوت الی اللہ کی اس تحریک کو پھیلایا اور ایمان و یقین اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ خروج فی سبیل اللہ کو جس طرح رواج دیا اور اسکو عام کیا وہ ناقابل بیان ہے، نیز پاکستان کی تبلیغی جماعتوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنے ہی ملکوں میں تبلیغی کام کیا ہو بلکہ دوسرے ممالک، جیسے حجاز، مصر و شام، عراق، اردن، ترکی، انگلینڈ، جاپان امریکہ۔ نیز یورپین ممالک اور افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں اوقات لگائے۔ اور تکلیفیں اٹھا اٹھاکر پیدل اور سواریوں کے ذریعہ مسلسل کام کیا۔ دوسرے ممالک کے افراد اور جماعتوں کو اپنے ملکوں میں لائے اور ان کو اپنے یہاں پھرایا اور تعاون و اشتراک سے پوری دنیا کو ایک صحن بنادیا اور حدود و ثغور کی تفریق مٹادی وہ ناقابل تردید ہے۔

پھر پاکستانی احباب کو مولانا محمد یوسف صاحب سے جو گہرا ربط اور تعلق رہا ہے وہ ہندو پاک کی تقسیم، ایک دوسرے سے علیحدگی اور بے شمار موانع سے کمزور نہیں ہوپایا

اس تعلق و ربط کی تصدیق و تصویب کے لئے اجتماعات میں مولانا کی شرکت اور لوگوں کا مولانا پر پروانوں کی طرح گرنا اور استفادہ کرنا ہی کافی ہے۔

"مولانا کا آخری سفر پاکستان" جس کا تفصیلی حال مستقل باب میں انشاء اللہ آئیگا، اس تعلق و ربط پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے۔ پاکستان میں تبلیغی کام کو استحکام دینے والے علمائے اہل تعلق اور اصحاب یقین حضرات کی کوششوں اور خدمات کو اگر بالتفصیل بیان کیا جاتا تو بھی ان کا حق ادا نہ ہوتا لیکن کیا کیا جائے کہ اس تفصیل کا طوالت کے خوف سے نہ موقع ہے نہ ضرورت، مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے کرنے والوں کو اخلاص جیسی نعمت بھی عطا کی ہے جو حقیقت میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ شہرت اور نام و نمود اور شخصیات کے اظہار اور نشاندہی کو یہ حضرات پسند بھی نہیں کرتے اس لئے تفصیل میں پڑے اور شخصیات کے اظہار کئے بغیر ہم صرف اُن اجتماعات کا مختصراً ذکر کریں گے جن میں مولانا نے بہ نفس نفیس شرکت کی تھی اور اپنی دل آویز تقریروں سے سامعین کو نوازا تھا۔

جس طرح ہندوستان کے اسفار اور دوروں میں مولانا کا معمول رہتا تھا اور جن نظاموں اور شرائط کے ساتھ اجتماعات ہوتے تھے اور ان اجتماعات سے فضا پر جو اثرات پڑتے تھے وہی ساری چیزیں کچھ اور بڑے پیمانہ پر پاکستان میں ہوتی تھیں جن کی تفصیل ایک بڑے دفتر بلکہ ایک مستقل کتاب کو چاہتی ہیں۔ اس لئے ہم نے ان دوروں کا بھی مختصر جائزہ لیا ہے اور تفصیلات سے پہلوتہی کی ہے۔ درمیان درمیان میں بعض اجتماعات اور دورے ایسے آتے رہیں گے جن کی قدرے تفصیل بھی ہوگی ورنہ عمومی طور پر اختصار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد کراچی کا پہلا اجتماع

۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو ملک تقسیم ہوا اور ملک کو آزادی ملی اس کے بعد چند ماہ دونوں ملکوں کے لئے انتہائی تشویشناک گزرے اور بڑے انتشار

کا زمانہ گذرا جب تھوڑا بہت سکون ہوا تو پاکستانی احباب نے کراچی میں ایک بڑے تبلیغی اجتماع کا اہتمام کیا۔ یہ اجتماع ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہوا، یہ اجتماع تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں پہلا تبلیغی اجتماع تھا جس میں مولانا محمد یوسف صاحب کی شرکت ہوئی مولانا یکم صفر ۱۳۶۷ھ، دوشنبہ کو سہارنپور تشریف لیگئے جہاں حضرت شیخ الحدیث کے یہاں حضرت رائے پوری بھی مقیم تھے، تین دن سہارنپور میں قیام کیا اور پھر دہلی تشریف لے گئے، یہ سفر کراچی کے سفر کے سلسلے کا ملاقاتی سفر تھا۔

۸ر صفر ۱۳۶۷ھ کو دوشنبہ کی شام میں مولانا مع منشی بشیر احمد صاحب کے ہوائی جہاز سے کراچی روانہ ہو گئے اور ۲۶ر دسمبر ۱۹۴۷ء کے اجتماع میں شرکت فرمائی اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی واپس تشریف لے آئے۔

لاہور کا پہلا اجتماع کراچی کے اجتماع اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تقریر سے پاکستانی احباب اور دینی کام کرنیوالوں میں نئی روح اور نئی جان پیدا ہو گئی اور نئے عزم و ولولہ سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ لاہور ایک مشہور اور علمی مرکز ہے اور پاکستان کا مرکزی مقام ہے اس لئے کام کرنیوالوں نے ضروری سمجھا کہ لاہور میں بھی ایک بڑا اجتماع کیا جائے جس میں مولانا کی شرکت ہو، اس لئے ۵ر مارچ ۱۹۴۸ء تا ۷ر مارچ ایک اجتماع رکھا گیا جس کو کامیاب بنانے کے لئے نزدیک اور دور کے شہروں میں بڑی کوششیں کی گئیں اور مولانا سے اس میں شرکت کی درخواست کی گئی۔ اور چونکہ یہ درخواست انہیں پرانے کارکنوں اور متعلقین کی تھی جنہوں نے ایک مدت تک مرکز دہلی میں کام کیا تھا اس لئے مولانا نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور شرکت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تقسیم شدہ ہندوستان میں خود مسلمانوں کے بڑے مسائل درپیش تھے اور اکابرِ ملک اس سلسلہ میں مشورہ اور غور و خوض سے کام لے رہے تھے۔

۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۴۸ء کو حضرت رائپوریؒ دہلی تشریف

لے گئے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا، شب کو نظام الدین تشریف لے گئے اور وہیں قیام کیا۔ ۴ مارچ کو وہاں سے واپسی ہوئی۔ اسی تاریخ کو ۲ بجے دن کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ ہوائی جہاز سے لاہور تشریف لے گئے اور اجتماع میں شرکت فرمائی۔

اس اجتماع کے بعد لاہور کی مختلف مسجدوں میں مولانا نے مختلف تقریریں فرمائیں اور ۱۳ مارچ تک قیام فرمایا۔ اس سفر میں متعلقین اور احباب نے ہندوستان کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا سے اصرار کیا کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان میں قیام فرمائیں لیکن مولانا نے پورے عزم و قطعیت سے اس تجویز کو رد کر دیا۔ ۱۳ مارچ کو کراچی روانہ ہوئے اور دس روز وہاں قیام کیا اور مختلف اجتماعات میں شرکت فرمائی، تقریریں کیں۔ ۲۳ مارچ کو بذریعہ ہوائی جہاز دہلی واپس ہوئے۔

راولپنڈی کا سفر

۷ تا ۹ رمئی ۱۹۴۸ء میں راولپنڈی میں ایک تبلیغی اجتماع کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے معتمد خاص اور معتقد محمد شفیع قریشی صاحب اور ان کے رفیق کار اور شریکِ تجارت ملک دین محمد صاحب جو تقسیم سے پہلے دہلی کے ایک بہت بڑے تاجر تھے اور تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے اور راولپنڈی میں کاروبار کر رہے تھے۔ اس اجتماع کے داعیوں میں تھے۔ انھوں نے مولانا محمد یوسف صاحب سے شرکت پر اصرار کیا۔ مولانا نے از خود رضامندی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی رضا کا دار و مدار حضرت شیخ الحدیث پر رکھا۔ حضرت شیخ الحدیث نے دونوں ملکوں کے حالات کے پیش نظر اس شرط پر اجازت دیدی کہ یہ سفر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے مشورہ پر کیا جائے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس شرط پر کہ پاکستان کا سفر بار بار نہ ہونا چاہیئے سفر کی اجازت دیدی۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اس سفر میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ساتھ رکھنا ضروری سمجھا اور ماسٹر عبدالواحد صاحب کو لکھنؤ بھیجا کہ

وہ مولانا ندوی کو لے کر دہلی آجائیں۔ لیکن ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے مولانا ندوی پاکستان کا سفر نہ کرسکے اور مولانا محمد یوسف صاحب ۸ رمئی بروز شنبہ صبح کے وقت ہوائی جہاز کے ذریعہ تنہا گئے۔[۱]

راولپنڈی کا یہ اجتماع بعض حیثیتوں سے بڑا اہم اور کامیاب رہا۔ اس میں پاکستان کے پُرانے کام کرنے والے مولانا کی آمد پر بکثرت جمع ہو گئے تھے اور جماعتوں کی تشکیل اچھی خاصی ہو گئی تھی۔

پشاور کا اجتماع راولپنڈی کے اجتماع کے بعد دو سال گزر گئے۔ اس درمیان میں کوئی ایسا اجتماع نہیں ہوا جس میں مولانا محمد یوسف صاحب کی شرکت ہوئی ہو۔ پاکستان کے رفقائے کار نے یہ طے کیا کہ پشاور جو پاکستان کی سرحد پر ہے وہاں پر ایک ایسا اجتماع کیا جائے کہ جس میں مولانا کی شرکت ہو اور اس بہانے سے صوبۂ سرحد کے دور دراز علاقوں تک کام کیا جائے۔ اس مشورے کے بعد ۲۰ تا ۲۲ اپریل ۱۹۵۰ء کو اجتماع کیا گیا۔ اس سفر کے سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:۔

> ۱۷ اپریل ۱۹۵۰ء مطابق ۹ رجب ۶۹ھ سہ شنبہ کی شام کو کشمیر میل سے پشاور کے اجتماع میں جو ۲۰ تا ۲۲ اپریل ۱۹۵۰ء تھا، شرکت کیلئے لاہور روانہ ہوئے، بدھ کی شام کو لاہور پہنچے جمعرات کی صبح کو ۱۱ بجے ہوائی جہاز سے پشاور گئے (حافظ فخرالدین صاحب بھی اس اجتماع میں شریک ہوئے لیکن سفر میں مولانا محمد یوسف صاحب کی معیت نہ تھی، بعد میں پہونچے) ۲۴ اپریل ۵۰ء کو واپس کراچی پہونچے اور ۵ مئی کو ہوائی جہاز سے واپس دہلی پہنچے حضرت اقدس رائے پوری کا اس زمانے میں پاکستان ہی میں قیام تھا اور پشاور کے سفر میں لاہور سے مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ حضرت بھی

---

[۱] یادداشت حضرت شیخ الحدیث صاحب

پشاور تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس پشاور کے بعد دو ایک جگہ قیام فرماتے ہوئے ۱۰ مئی ۱۹۵۶ء کو دہلی پہنچے، ۱۲ مئی کو مع مولانا یوسف صاحب سہارن پور تشریف لائے[1]۔"

پشاور کا یہ اجتماع دوسرے اجتماعات سے جدا تھا اس اجتماع کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ دو ایسے بزرگ موجود تھے جو اپنے وقت کے صاحب حلقہ تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب جن کے مریدین و معتقدین ہندوستان میں تو بکثرت تھے ہی لیکن پاکستان میں جتنا بڑا حلقہ ان کا تھا بہت کم مشائخ کا رہا ہوگا۔ حافظ فخرالدین صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے معتمد علیہ مجاز تھے اور دہلی میں ان کے بہت زیادہ عقیدت مند ہیں۔ ان بزرگوں کی شرکت کے علاوہ اس اجتماع میں صوبہ سرحد کے قصبات و دیہات اور شہروں کے کام کرنے والے بڑے جوش و ولولے سے شریک ہوئے۔ نیز دوسرے صوبوں کے ممتاز اہل علم اور دینی کام کرنے والے عوام و خواص کا اجتماع ہو گیا تھا۔ اس اجتماع کی وجہ سے مذکورۂ بالا علاقے کے تقریباً ہر حصّہ میں کام پہونچ گیا اور جماعتوں کی تشکیلیں ہوئیں۔

اس اجتماع کے بعد تقریباً دس دن مولانا کا کراچی میں قیام رہا اور آپ کے اس دور قیام میں مختلف اجتماعات اور مجالس ہوئیں۔

سکھر کا اجتماع مولانا نے ۸ ر اپریل ۱۹۵۲ء مطابق ۱۲ ر رجب ۱۳۷۱ھ کو سکھر صوبۂ سندھ کے اجتماع میں شرکت کی خاطر سفر کیا۔ سکھر کا یہ اجتماع ۱۱ ر اپریل ۱۹۵۲ء کو ہوا۔ مولانا کے ساتھ اس سفر میں نو افراد تھے۔ ان سارے افراد نے ہوائی جہاز کے ذریعہ لاہور کا سفر کیا اور سکھر کے اجتماع میں شرکت کی اور اس کے بعد سندھ کے دوسرے شہروں کا دورہ کیا۔ جو مقامات آپ کے اس دورے میں پڑے، ان میں لاہور

---

[1] یادداشت حضرت شیخ الحدیث صاحب۔

لائل پور، سرگودھا، کراچی، ٹنڈو اللہ یار اور حیدر آباد قابلِ ذکر ہیں۔ ان سارے مقامات پر مولانا کے خطاب ہوئے، مجلسی گفتگوئیں فرمائیں اور بے شمار آدمیوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔

۲۷ رجب کو ایک بجے ہوائی جہاز کے ذریعے دہلی واپس تشریف لائے۔

پاکستان کا پہلا دورہ

پاکستان کے ان اجتماعات کے باوجود اس کی بڑی ضرورت تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحب پاکستان کا دورہ کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مولانا کی گفتگو، خطاب، اور صحبت سے مُتمتّع ہوں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر مولانا ۱۸ جولائی ۱۹۵۳ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ کو ہوائی جہاز کے ذریعہ پاکستان روانہ ہوئے، اس دورے میں خصوصی طور پر کراچی، ملتان، بہاولپور تشریف لے گئے اور مختلف مقامات پر اجتماعات میں شرکت فرمائی۔

مولانا محمد یوسف صاحب جب بھی کہیں کا سفر کرتے تو مقامی احباب زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی خاطر اجتماعات منعقد کیا کرتے تھے اور اس میں عمومی اور خصوصی دعوت دیکر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کرلیا کرتے تھے۔ خود بھی عوام کا یہ حال تھا کہ جب بھی مولانا کی تشریف آوری کو سن لیتے یا کانوں کان کسی کو خبر ہو جاتی تو وہ مولانا کی خدمت میں پہنچ جاتا اور اسی طرح ایک اجتماع منعقد ہو جاتا. مولانا کا یہ دورہ یا سفر دینی کام کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔ جہاں بھی مولانا تشریف لے گئے اجتماع ہوا اور جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔ مولانا کا یہ دورہ ۲۲ دن کا رہا۔

آپ ۲۸ ذیقعدہ بروز اتوار ۲ بجے دن نظام الدین دہلی تشریف لے آئے۔

ڈھاکہ کا سفر

مولانا محمد یوسف صاحب نے اب تک جو سفر کیا یا دورہ کیا وہ مغربی پاکستان کا کیا، مشرقی پاکستان میں بھی مولانا کے رفقائے کار تقسیم کے بعد پہنچ چکے تھے اور تقسیم سے پہلے بھی ان مقامات میں جو تقسیم کے بعد لازمی طور پر پاکستان

کے حصہ میں آئے۔ کام کرنے والے موجود تھے، ان میں بعض تو مولانا کے قدیمی رفقاء اور پُرانے کام کرنے والے حضرات اور علمائے تھے، ان سارے حضرات کی یہ تمنا اور خواہش تھی کہ مشرقی پاکستان میں کام چلنے کے لئے اور کام کرنے والوں کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ مولانا اس علاقہ میں بھی تشریف لائیں لیکن تقسیم کے بعد سے لے کر تقریباً ۶، ۷ سال تک اس کی نوبت نہیں آئی تھی، بالآخر مشرقی پاکستان کے رفقائے کار کی تمنا بر آئی اور مولانا نے اس علاقے کے سفر کو قبول فرمالیا۔

۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۵۴ء بروز دوشنبہ شام کے وقت مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی مع اپنے ۹ رفقائے کار کے دہلی سے لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے گئے، بدھ کی صبح کو کلکتہ پہنچے اور اسی دن شام کو ہوائی جہاز کے ذریعے ڈھاکہ روانہ ہوگئے اور ایک ہفتہ قیام کیا، ڈھاکہ اور اس کے اطراف واکناف میں اجتماعات کئے گئے اور جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔

مشرقی پاکستان کا یہ سفر مولانا کا پہلا سفر تھا لیکن کام کے اعتبار سے بڑا بار آور ثابت ہوا، مولانا ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء کو ہوائی جہاز سے کلکتہ اور اسی دن شام کو ۸ بجے دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہو کر جمعہ کی صبح کو نظام الدین واپس تشریف لائے۔

رائے ونڈ کا اجتماع

مولانا ۶ شعبان ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۵۴ء بروز شنبہ صبح ساڑھے نو بجے دہلی سے روانہ ہوئے، ۱۲ بجے لاہور پہنچے اور بعد عصر رائے ونڈ تشریف لے گئے اور ایک بڑے اجتماع کو خطاب کیا اور مختلف اوقات میں مجلسی گفتگوئیں فرمائیں۔ رائے ونڈ میں تین دن قیام فرمایا۔ بدھ ۱۰ شعبان کو لاہور واپس ہوئے اور لاہور میں ۶ دن قیام فرمایا، منگل کے دن ہوائی جہاز کے ذریعے ایک بجے دہلی تشریف لائے۔

کھلنا کا اجتماع

ڈھاکہ کے سفر کے بعد کھلنا میں ایک اجتماع کیا گیا اور قریشی صاحب نے خود آکر مولانا محمد یوسف صاحب کو لیجانا

چاہا لیکن نہ مولانا راضی ہوتے اور نہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اس سفر کی اجازت دی اور قریشی صاحب مایوس ہوکر واپس ہوگئے۔ صرف مرکز سے مولانا محمد یوسف صاحب کی نیابت میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور منشی بشیر احمد صاحب گئے یہ اجتماع ۷ تا ۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو ہوا اور مولانا عبید اللہ صاحب وغیرہ ۴ نومبر کو دہلی سے روانہ ہوتے۔ کھلنا سے واپسی پر قریشی صاحب سہارنپور آئے لیکن مولانا محمد یوسف صاحب چونکہ اُن دنوں میوات کے دورے پر تھے اس لئے وہ سہارنپور تشریف نہ لاسکے اور میوات کے دورہ سے واپسی پر بدھ کی شام کو سہارنپور تشریف لائے اور جمعرات کی شام کو ریل سے واپس ہوئے۔

رائے ونڈ کا دوسرا اجتماع

رائے ونڈ میں برابر چھوٹے بڑے اجتماعات ہوا کرتے تھے، ان اجتماعات میں بعض اجتماعات بہت اہم ہوتے تھے جن میں پرانے حضرات اہتمام سے شرکت کرتے تھے اور مولانا محمد یوسف صاحب مع اپنے پرانے رفقائے کار کے شرکت فرماتے، رائے ونڈ کا یہ دوسرا اجتماع بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ مولانا کی شرکت کے بہانے پورے پاکستان کے رفقاء نے اس اجتماع میں شرکت کی اور یہ اجتماع مرکزی اجتماع بن گیا۔ اس سفر کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ حسن اتفاق سے حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری لاہور ہی میں تشریف فرما تھے اسلئے مولانا محمد یوسف صاحب کے تشریف لیجانے میں حضرت رائے پوری سے ملاقات کا بھی بڑا دخل تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب مع گیارہ نفر کے ۱۸ رجب ۱۳۷۴ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۵۵ء بروز جمعہ سہارنپور تشریف لے گئے اور رات کو ۱۰ بجے لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔ لاہور کے اسٹیشن پر صوفی عبد الحمید صاحب اور ان کے ساتھ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری کے حلقے کے کثیر افراد موجود تھے۔ ان سارے حضرات کے ساتھ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت رائے پوری کی خدمت میں پہنچے اور اتوار

کی صبح کو رائے ونڈ گئے، رائے ونڈ طلوعِ آفتاب سے پہلے پہونچے، رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت فرمائی اور ایک بڑے مجمع کو مختلف اوقات میں خطاب فرمایا اور بدھ کی صبح کو مختلف مقامات کا دورہ شروع کیا، بدھ، جمعرات اور جمعہ راولپنڈی میں قیام فرمایا۔ یہ واضح رہے کہ مولانا کا قیام کسی وقت بھی خطاب اور گفتگو سے خالی نہیں ہوتا تھا، راولپنڈی کا یہ تین روزہ قیام بھی مولانا کے مسلسل خطاب مجلسی گفتگو احباب و رفقاء سے تبادلۂ خیال میں تمام ہوا، جمعہ کی شام کو راولپنڈی سے روانہ ہوکر شنبہ کی صبح کو کراچی پہونچے اور کراچی ہی میں قیام فرماکر لائل پور وغیرہ کا دورہ فرماتے ہوئے ۲۴ رجب مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۵۵ء (گویا ۱۶ دن کا دورہ پورا کرکے) اتوار کی شام کو ۸ بجے سہارنپور پہونچے اور رات بھر وہاں قیام کیا اور دوشنبہ کی صبح کو دیوبند تشریف لے گئے اور دیوبند میں ایک دن قیام کرکے شام کو نظام الدین روانہ ہوگئے رات کو نظام الدین پہونچ گئے۔

چاٹگام کا اجتماع

اب تک ڈھاکہ میں ایک اجتماع ہوا تھا جس میں مولانا کی شرکت ہوئی تھی اور ڈھاکہ کے بعد کھُلنا میں جو اجتماع ہوا تھا اس میں باوجود لوگوں کے خواہش اور اصرار کے مولانا شریک نہیں ہوسکے تھے۔

اب یہ تیسرا اجتماع چاٹگام (مشرقی پاکستان) میں کیا گیا۔ اس میں اہلِ مشرقی پاکستان کا اصرار بھی ہوا اور اس کی ضرورت بھی سمجھی گئی کہ مولانا محمد یوسف صاحب اُس میں شرکت فرمائیں، مولانا جس اجتماع میں بھی شرکت فرماتے تو تنہا شرکت نہیں فرماتے تھے بلکہ پُرانے کارکن اور تربیت یافتہ و با اصول رفقاء ہمرکاب ہوتے۔ چاٹگام کے اس اجتماع میں بھی مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی مزید ۱۱ نفر کے ہمراہ ۱۱ رجمادی الاُخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۵۶ء بروز چہارشنبہ صبح کو دہلی سے طوفان اکسپریس کے ذریعہ روانہ ہوتے اور پنجشنبہ کی شام کو

کلکتہ پہونچے اور شنبہ کو چاٹگام پہونچے، چاٹگام کا اجتماع ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء کو تھا، مولانا کی شرکت سے چاٹگام کا یہ اجتماع مشرقی پاکستان کے اجتماعات میں ممتاز بن گیا تھا۔ اس اجتماع سے فراغت کے بعد دوسرے شہروں میں بھی اجتماعات کئے گئے۔ ایک اجتماع ڈھاکہ میں کیا گیا جس میں مولانا کی پہلے بھی آمد ہو چکی تھی، لیکن کھلنا کا اجتماع جو اس سے پہلے مولانا کی آمد سے محروم تھا دوبارہ منعقد کیا گیا۔ مولانا نے ان دونوں اجتماعات میں شرکت فرمائی اور یکشنبہ کے دن ۵ فروری کی صبح کو بذریعہ موٹر کلکتہ روانہ ہوئے۔ شام کو کلکتہ پہنچے اور دوشنبہ ۶ فروری کی صبح کو ۱۱ بجے سیالدہ اکسپریس سے روانہ ہو کر منگل کی شام کو دہلی پہونچے۔ مولانا کا یہ سفر تقریباً ۱۲، ۱۳ دن کا رہا۔

پاکستان کا دوسرا دورہ

پاکستانی رفقائے کار نے ۵ تا ۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو رائے ونڈ کا اجتماع رکھا اور مولانا محمد یوسف صاحب کو اسمیں شرکت کی دعوت دی، مولانا بھی ایسے اجتماعات جو پرانے رفقاء کار کی طرف سے ہوں اور جن میں جماعتوں کی تشکیلیں ہوں اور جن سے پورے ملک پر اثر پڑنے کی امید ہو پسند فرمایا کرتے تھے۔ یہ اجتماع بھی انھیں اجتماعات میں سے ایک تھا۔ مولانا نے اس خیال سے کہ اس اجتماع کے سلسلے میں پاکستان کا مختصر سا دورہ بھی ہو جائیگا۔ اس اجتماع میں شرکت کو بخوشی قبول فرمالیا اور ۲۵ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء بروز سہ شنبہ صبح کو مع مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے نظام الدین سے روانہ ہوتے اس زمانے میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ علیل تھے۔ مولانا کو اکابر و مشائخ سے، خصوصاً حضرت مدنیؒ سے بڑی محبت اور تعلق تھا اور حضرت مدنیؒ بھی مولانا کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اس لئے مولانا دیوبند اتر گئے اور حضرت مدنیؒ کی خدمت میں پہنچ کر عیادت کی، بعد مغرب لاری سے سہارنپور پہونچے اور رات کو

۱۰ بجے لاہور کے لئے روانہ ہوگئے۔ ۵ تا ۷ اکتوبر کے اجتماع میں شرکت فرمائی اور خطاب فرمایا۔ اس اجتماع میں ایک بہت بڑا مجمع تھا۔ اجتماع کے بعد شہروں اور ملکوں کی جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔ اسی دن شام کو میل کے ذریعہ کراچی روانہ ہوگئے۔ وہاں سے میراں شاہ وغیرہ کے اجتماعات میں شرکت کے بعد راولپنڈی پہونچے اور وہاں قیام فرمایا۔ ۱۲ ربیع الاوّل بروز پنجشنبہ شب کے وقت لاہور پہنچے۔ صبح کو براہ امرتسر سہارنپور کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس زمانے میں بڑی سخت بارش ہوئی اور سہارنپور کا راستہ بند ہوگیا۔ مجبوراً انبالہ سے براہِ کرنال شب جمعہ کو نظام الدین پہنچ گئے اور دوسرے ہی دن دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے سہارنپور پہونچے اور سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کو لے کر رائے پور حضرت رائے پوری کی خدمت میں پہونچے۔

مولانا محمد یوسف صاحب کا ہمیشہ سے معمول رہا کہ جب بھی کسی بڑے سفر میں روانہ ہوتے تو اپنے اکابر کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری سمجھتے تھے اور ان کی اجازت و دُعا لے کر سفر میں جاتے اور جب سفر سے واپسی ہوتی تو پھر ان اکابر کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے سفر کی رُوداد سناتے اور ان اکابر کی شفقت و توجہ حاصل کرتے۔

ڈھاکہ کے اجتماع کا مشورہ

پاکستان میں، خواہ وہ مشرقی ہو یا مغربی، ایسے بھی اجتماعات ہوئے ہیں جو دیکھنے میں اتنے بڑے اور عظیم تھے جن میں مولانا محمد یوسف صاحب شریک ہوا کرتے تھے اور ایسے بھی اجتماعات ہوتے تھے جو عملاً اسی پائے کے ہوتے لیکن مولانا کی شرکت نہیں ہوتی تھی مگر توجہ اور اہتمام اسی طرح کیا جاتا۔ ڈھاکہ کا یہ اجتماع بھی انھیں اجتماعات میں سے ایک تھا جو حقیقت میں بڑا اجتماع تھا، لیکن مولانا کی اس میں شرکت نہیں ہوسکی۔

"۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء سہ شنبہ کو مولینا

محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب سہارنپور تشریف لے گئے اور شیخ الحدیث سے ڈھاکہ کے اجتماع میں شرکت کا مشورہ لیا۔ مشورہ میں یہ طے ہوا کہ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی جائیں، چنانچہ ۱ رجب شب جمعہ کو مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نظام الدین سے ڈھاکہ کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۹ رجب مطابق ۲۰ فروری کو نظام الدین واپس ہوگئے۔

پاکستان کا تیسرا دورہ

۱۰ تا ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ رائے ونڈ میں سالانہ تبلیغی اجتماع تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب ۹ ربیع الاول کی شام کو فرنٹیر سے روانہ ہوئے اور شنبہ کو لاہور اور بعد عصر رائے ونڈ پہونچے۔ اجتماع کے ختم ہونے کے بعد مختلف شہروں کا دورہ شروع کیا۔ سب سے پہلے کوہاٹ تشریف لے گئے، کوہاٹ میں اس سے ایک سال پہلے ایک تبلیغی اجتماع ہوچکا تھا جس میں مولانا نے شرکت نہیں فرمائی تھی وہ اجتماع بھی بہت بڑا اجتماع تھا۔ اس اجتماع میں مولانا سید ابوالحسن علی صاحب بھی شریک تھے اور مرکز نظام الدین کی طرف سے مولانا رحمت اللہ صاحب اور انکے رفقاء نے شرکت کی تھی اسلئے مولانا کا کوہاٹ جانا بڑا مفید ثابت ہوا، مقامی لوگ پہلے ہی سے مشتاق تھے، کوہاٹ میں اجتماع ہوا، مولانا نے خطاب فرمایا، کوہاٹ کے بعد راولپنڈی، میرپور اور کراچی وغیرہ کا دورہ کیا اور ۲۹ ربیع الاول تک پاکستان کا یہ دورہ کر کے سہارنپور تشریف لے آتے اور حضرت شیخ الحدیث کے ہمراہ حسب معمول رائے پور تشریف لے گئے۔

ڈھاکہ کا اجتماع

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ڈھاکہ کا یہ دوسرا اجتماع بھی اسی نیت سے کیا گیا تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب اس میں شرکت فرمائیں گے اور کلکتہ کے حاجی غلام رسول صاحب کلکتہ کا ایک وفد لے کر سہارنپور گئے تھے لیکن یہاں پہنچنے کے بعد بجائے محرک بننے کے مانع بن کر شام کو اکسپریس سے دہلی گئے۔ جمعہ کی شب میں منشی بشیر احمد قریشی صاحب کا خط حضرت شیخ الحدیث کے نام لے کر گئے۔ جس پر حضرت رائے پوری نے نہ صرف اجازت دی بلکہ جانے

کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت شیخ نے حضرت رائے پوری کی اتباع میں اپنی رائے بدل دی اور مولانا کو جانے کا مشورہ دیا لیکن مولانا نے خود جانے کے بجائے منشی بشیر صاحب کو کلکتہ روانہ کر دیا اور ڈھاکہ کے اس اجتماع میں جو ۲۶ تا ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء مطابق ۱۲، ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ نرائن گنج میں ہوا اس اجتماع میں منشی بشیر صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی شریک ہوئے اور اس سے فراغت کے بعد کراچی روانہ ہو گئے اور ۹، ۱۰ نومبر کے رائے ونڈ اجتماع میں شرکت کے بعد ۱۳ نومبر کو سہارن پور پہنچے۔

پاکستان کا چوتھا دورہ

مولانا محمد یوسف صاحب نے منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں بتاریخ ۲۰ جنوری ۱۹۵۹ء مطابق ۱۰ رجب ۱۳۷۸ھ کو ایک طویل سفر کا آغاز کیا، اس سفر میں ۱۵ رفقاء ساتھ تھے۔ بدھ کی دوپہر کو لاہور پہنچے اور شام کو ۴ بجے رائے ونڈ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جمعہ کی صبح کو واپس لاہور آ گئے، لاہور میں تقریباً ۵ دن قیام کیا، منگل کے دن راولپنڈی تشریف لے گئے اور اسی دن شام کو پشاور پہونچے، مولانا کا یہ سفر شدید سردی میں تھا اور بارش بھی زوروں پر تھی، لیکن مولانا کو اللہ تعالیٰ نے ہمت کا پیکر بنایا تھا، اس تیز بارش اور سخت سردی میں بھی مولانا کا سفر جاری رہا۔ ۲۰ رجب تک پشاور میں قیام فرمایا۔ ۲۰ رجب کی صبح کو پشاور سے چل کر ۱۱ بجے راولپنڈی وہاں سے گجرانوالہ وغیرہ ہو کر ۲۶ رجب جمعرات کو کراچی پہنچے۔ کراچی میں ایک ہفتہ قیام فرمایا۔ وہاں سے مختلف جگہوں کے دوروں کے بعد ۱۶ شعبان کی صبح کو لائل پور اور رات کو ۱۱ بجے وہاں سے چل کر ایک بجے لاہور پہنچے۔

مغربی پاکستان کا یہ دورہ جو ۱۰ رجب کو لاہور سے شروع ہوا تھا۔ وہ لاہور ہی پر ۲۶ دن کے بعد ۶ شعبان ۱۳۷۸ھ کو ختم ہوا۔ اس چھبیس روزہ دورہ میں بے شمار اجتماعات میں مولانا کی بے شمار تقریریں ہوئیں اور سیکڑوں مجلسی گفتگوئیں اور ہزاروں آدمیوں سے ملاقات رہی۔ ۶ شعبان کو مشرقی پاکستان کا دورہ شروع کیا۔ حضرت شیخ الحدیث نے ڈھاکہ کے اس سفر کو اس طرح تحریر فرمایا۔

"لاہور سے ۷ شعبان پیر کی صبح کو ۱۲ بجے طیارہ سے چل کر مغرب کے وقت ڈھاکہ پہنچے۔ طیارہ ایک بج کر ۵۰ منٹ پر لاہور سے چل کر ۵ بجے ڈھاکہ پہنچ گیا۔ طیارہ تیس ہزار فیٹ کی بلندی سے چل رہا تھا۔ آفتاب بہت اونچا تھا۔ اس لئے بعض رفقاء نے عصر کی نماز نہ پڑھی لیکن جب چندہی منٹ کے بعد نیچے اترا تو وہاں مغرب کی نماز بھی بہت پہلے ہو چکی تھی۔"

مشرقی پاکستان کا یہ دورہ پندرہ دن کا رہا اس دورہ میں مختلف علاقوں اور شہروں کا سفر کیا اور اجتماعات میں شرکت فرمائی۔ ۲۲ شعبان ۱۳۷۸ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۵۹ء کو ہندوستان سفر کیا اور کلکتہ میل سے لکھنؤ ہوتے ہوئے سہارنپور پہنچے۔

پاکستان کا پانچواں دورہ

تقریباً ایک سال کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے پاکستان کے دورے کو بجائے مغربی سمت کے مشرقی سمت سے شروع کیا۔ ۴ شوال ۱۳۷۹ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۶۰ء مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب دہلی سے کاندھلہ اور کاندھلہ سے سہارنپور تشریف لے گئے اور ۶ شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۳ اپریل ۱۹۶۰ء کو دہلی سے اپنا سفر شروع کیا اور کالکا میل سے کلکتہ اور وہاں سے ڈھاکہ تشریف لے گئے اور ۱۴ شوال مطابق ۱۱ اپریل ہوائی جہاز سے کراچی پہنچے اور وہاں سے مغربی اضلاع کا دورہ کیا۔ مغربی اضلاع کا یہ دورہ ۱۸ دن کا رہا ۳ ذیقعدہ مطابق ۳۰ اپریل ۱۹۶۰ء شنبہ کی شام کو ریل کے ذریعہ سہارنپور پہونچے اور اتوار کو

دہلی پہونچے۔

پاکستان کا چھٹا دورہ مولانا محمد یوسف صاحب نے مغربی پاکستان کا شوال ۱۳۸۰ھ میں ایک طویل دورہ فرمایا۔ یہ دورہ ۱۰ شوال ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء بروز منگل دن گزار کر شب میں فرنٹیر میل سے شروع ہوا اور سیدھے دہلی سے لاہور تشریف لے گئے۔ مولانا کے ہمراہ مولانا انعام الحسن صاحب بھی تھے، سہارنپور سے حاجی فضل عظیم مرادآبادی ثم مکی جو پہلے ہی سے سہارنپور میں رُکے ہوئے تھے، سہارنپور کے اسٹیشن سے مولانا کے ہمراہ ہو گئے اور دوسرے دن لاہور پہنچ گئے۔ رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت فرمائی۔ اجتماع کے بعد مختلف مقامات کا دورہ فرمایا مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری مولانا محمد یوسف صاحب کے نظام اور مختلف شہروں کے سفر کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں۔ یہ مکتوب مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور مولانا سعید خان صاحب کے نام تھا۔

"حضرت جی مدظلہ العالی ۲۹ مارچ کو تشریف لائے۔ رائے ونڈ کے اجتماع سے الحمدللہ چھ صد آدمی دینی زندگی بنانے کے لئے نکلے، خدا کا شکر ہے جہاں اجتماع میں دو امریکن، دو جاپانی اور دو ملائی تھے۔ وہاں اسی دن دو حجازی بھی ظہران سے پہنچ گئے۔ اس کے بعد تین دن لاہور، دو دن پشاور، چار دن راولپنڈی، دو دن سیالکوٹ، دو دن گاؤں بلگن اور وڈھالہ میں گزرے الحمدللہ ان مقامات پر بھی اچھی تشکیلیں ہوئیں ہیں وڈھالہ سے کل شام کو لائلپور آگیا ہوں اور حضرت جی لاہور چلے گئے اور آج ہوائی جہاز سے کراچی چلے جائیں گے جہاں چھ دن قیام ہے اس کے بعد دو دن حیدرآباد، دو دن سکھر، ایک دن بہاول پور، ایک دن ملتان، ایک دن جھنگ، ایکدن سرگودھا، ایک دن بھنبر علاقہ پتوکی اور ۲۹ اپریل کو انشاء اللہ دہلی تشریف لے جاویں گے۔

مورخہ ۱۳ اپریل ۶۱ء

اس سفر کے اختتام پر مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی اپنے ایک مکتوب میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کو مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت والا کا سفر مبارک بہت ہی کامیابیوں کے ساتھ قریب الاختتام ہے۔ بھائی فضل عظیم صاحب کے ذریعہ کچھ احوال معلوم ہوئے ہوں گے۔ الحمد للہ سب جگہوں سے نقد جماعتوں کے نکلنے کی صورت پیدا ہوئی اور ہر قیام سے کم از کم تین چار جماعتیں اور بعض جگہوں سے زیادہ بھی نکلیں۔ پاکستان کے خواص و عوام متوجہ رہے ہر جگہ پر اسکی صورت رہی۔ تا تجیر یا کی جماعت روانہ ہو چکی ہے جس میں بھائی شبیر صاحب اور بھائی فضل حسین صاحب پشاوری اور چودھری نذیر احمد صاحب شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اور ان کی مساعی کو قبول فرمائیں۔ جھنجر کلاں سے اور راڑہ کے اجتماع سے ڈیڑھ سو کے قریب نقد گھر تیی کے حساب سے لوگ نکلے۔ پہلی مرتبہ اہل میوات میں بات چلی، فی گھر نکلنے کا رواج پیدا ہوا اور پرانے احباب میں ہر سال کے تین چلے اور چھ ماہ اور آٹھ ماہ تک آمادگی ہوئی اور ایسے نفر تقریباً ڈیڑھ سو یا اس سے زیادہ ہیں جو ہر سال میں تین چلے فارغ کیا کریں گے۔ پشاور سے واپسی پر پنڈی میں اس کا خصوصی منظر رہا اور پھر ہر جگہ کے پرانوں میں سال کے چلوں کا خصوصی شوق معلوم ہوا۔ استقامت کے لئے حق تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ نیلا گنبد میں جمعہ کے بعد حضرت جی مدظلہ العالی کا بیان ہوا، بفضلہ تعالیٰ سکون و سنجیدگی کی فضا رہی اور تقریباً ۸۰ احباب نے جن میں نئے پرانے شامل ہیں، نام لکھوائے اور ہر طبقہ کے احباب نے بات کو سنا پرانے احباب کے سامنے اصولوں پر استقامت اور قربانی دینے اور

اس کے بڑھانے سے متعلق حضرت مد ظلہ العالی نے بیان فرمایا۔ بفضلہ تعالیٰ
اس کی صورت پیدا ہوتی معلوم ہو رہی ہے۔

ہر جگہ کے پُرانے یہاں مشورہ کے لئے جمع ہیں اور مشوروں میں مشغول ہیں، ملکوں کو جماعتیں بھیجنے کے سلسلے میں متفکر ہیں، دعا فرمائیں۔

فلپائن، انگلستان وغیرہ کی جماعتوں کی تشکیل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نکلنے کی صورت پیدا فرمائیں اور موانع کو بہ سہولت دور فرمائیں، انڈونیشیا ایک جماعت پانچ نفر کی مولوی زبیر چاٹگامی کی امارت میں روانہ ہو چکی ہے اور پہنچ بھی گئی ہے۔

آپ حضرات حجاج کرام میں بعد حج اوقات فارغ کرنے کی سعی میں مشغول ہوں گے، مصر کے احباب کے احوال معلوم نہ ہوئے۔ نیز شام و مصر کے آنے والے حجاج حضرات دین کی محنت سے متعارف ہو کر آرہے ہیں اور حرم میں ان کی معاونت ہو رہی ہے یا نہیں[1]"

مفتی زین العابدین صاحب ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:۔

کل رائے ونڈ سے آیا ہوں، مشورہ میں طے ہوا ہے کہ نائجیریا کی جماعت یہاں سے آخر مئی میں براستہ جدّہ مصر روانہ ہو اور امریکی جماعت وسط جون میں براستہ بصرہ بغداد و ترکی لندن گاڑی کے راستہ روانہ ہو۔ پہلی دو جماعتیں حجاج کے خالی جہازوں میں کراچی سے جدّہ آئیں یا براستہ بحرین[2]

اس سفر میں مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے پُرانے مرض بواسیر کا علاج

---

[1] اقتباس از مکتوبات مولانا انعام الحسن صاحب بنام مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی و مولانا سعید احمد صاحب مورخہ ۲۳ ذیقعدہ [2] مکتوب بنام مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء

پاکستانی احباب کے اصرار پر کرایا، مولانا کا یہ مرض بہت قدیمی تھا اور اس سے پہلے مختلف علاج کئے گئے لیکن مفید ثابت نہ ہو سکے۔ ایک حکیم صاحب سے جن کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ اس مرض کا نہایت مؤثر علاج چار پانچ دن میں کر دیں گے۔ مولانا نے یہ علاج حضرت شیخ الحدیث کے مشورہ پر کرایا لیکن پاکستانی احباب کو حضرت شیخ نے علاج کی تاخیر پر نکیر فرمائی کہ ایک ماہ سے مولانا وہاں گئے ہوئے تھے اور علاج کی بات عین واپسی پر سوجھی پہلے پہل علاج لاہور میں تجویز ہوا اور شروع بھی ہو گیا لیکن لاہور کی شدید گرمی کی وجہ سے قریشی صاحب ۲۹ راپریل شنبہ کو مولانا کو مع ان کے معالج کے پنڈی لے گئے علاج شروع ہوا، لیکن عجیب بات ہے کہ اس علاج میں بڑی تکلیف ہوئی اور تکلیف کی شدت بڑھتی گئی۔ بہرحال علاج ہونا تھا ہوا لیکن خاطر خواہ فائدہ نہ پہونچا اور واپسی میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔

مولانا کا ایک مہینہ تبلیغی اجتماعات اور تبلیغی اسفار میں گذرا اور اس کے بعد مزید ایام علاج میں گذرے، اس درمیان بستی کا اجتماع پہلے سے طے تھا اور مولانا کا شرکت کا وعدہ بھی تھا مگر علاج کی وجہ سے پنڈی میں رہے اور ہندوستان واپس نہ آسکے بلکہ مولانا کا خط آیا کہ وہ علالت کی وجہ سے بستی کے اجتماع میں شریک نہیں ہو سکتے اور ان کی جگہ مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بستی کے اجتماع میں شرکت فرمائیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مولانا کے مرض، ان کے علاج اور اس کے بعد ان کی واپسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"۲۸ ر ذیقعدہ کو حاجی متین کا تار ملا کہ مولوی یوسف و مولوی انعام دونوں کو قابلِ اطمینان طور پر افاقہ ہو رہا ہے۔ مولوی انعام کا علاج بھی مولوی یوسف کے بعد شروع ہو گیا تھا۔ مولوی یوسف صاحب کی طویل علالت کا سلسلہ بسلسلۂ بواسیر چلتا رہا۔ اور بار بار آمد کی تاریخیں مقرر ہوتی رہیں اور ان

ایام میں جو اجتماعات ہند کے طے شدہ تھے ان میں بڑے افسوس کے ساتھ معذرتیں آتی رہیں، بالآخر ۱۰ محرم ۱۳۸۱ھ کو قریشی صاحب کا یکشنبہ کا دیا ہوا تار پیر کو ملا کہ مولانا یوسف صاحب پیر کو سہارنپور کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا یوسف صاحب مولوی انعام صاحب وغیرہ پیر و منگل کی درمیانی شب میں ۲ ½ بجے فرنٹیئر سے پہنچے اور منگل کی شام کو رائے پور حاضر ہوئے۔ چونکہ پاکستان کے ڈاکٹر اور حکیم نے چندروز مکمل آرام کا اصرار کیا تھا اور میرے نزدیک نظام الدین میں یہ ناممکن تھا اس لئے میں نے حکماً خود بھی اور حضرت اقدس رائے پوری سے بھی یہ تجویز کرا دیا کہ عزیز موصوف ایک ہفتہ رائے پور میں گزاریں[۱]"۔

مولانا رائپور کے قیام کے بعد ۱۸ محرم مطابق ۳ جولائی ۱۹۶۱ء دوشنبہ کی صبح کو رائے پور سے چل کر سہارن پور پہنچے۔ مولانا کو لوانبیر کے زخموں کی بڑی تکلیف تھی، جس کی وجہ سے بیٹھنا دشوار تھا اس لئے ایک جیپ پر لیٹ گئے اور سہارنپور سے روانہ ہوئے ۱۹ محرم ۱۳۸۱ھ کو کاندھلہ گئے۔ اور ایک دن کاندھلہ میں ٹھہر کر نظام الدین تشریف لے گئے۔

مشرقی پاکستان کا سفر

مولانا محمد یوسف صاحب کے اس سے پہلے مشرقی پاکستان کے کئی سفر ہوئے تھے اور ان سفروں سے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو بڑا دینی فائدہ پہونچا تھا۔ اب مشرقی پاکستان میں جماعتوں کی نقل و حرکت مسلسل ہونے لگی تھی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا جس دن کوئی جماعت دورہ پر نہ ہوتی۔ اس لئے لازماً مشرقی پاکستان والوں کی یہ خواہش بڑھتی گئی کہ مولانا جس طرح مغربی پاکستان کے دورے کرتے ہیں اسی طرح سے مشرقی پاکستان کے دورے کیا کریں

---

[۱] اقتباس از یادداشت حضرت شیخ الحدیث صاحب۔

اس لئے مولانا اپنے رفقاء کے ساتھ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ ۱۰ ر نومبر ۱۹۶۲ء شنبہ کی صبح کو دہلی سے روانہ ہوئے، یہ سفر ایک مہینہ پانچ دن کا تھا ان دنوں میں مختلف مقامات پر اجتماعات ہوئے۔

۱۲ ر نومبر کو کلکتہ پہونچے اور ۱۳ کو ڈھاکہ، ڈھاکہ اور اسکے نواح میں گیارہ دن لگے، ان گیارہ دنوں میں ان سارے مقامات پر چھوٹے اور بڑے اجتماعات ہوئے اور جماعتوں کی تشکیلیں ہوئیں۔ ۲۴ ر نومبر کو چاٹگام اور اس کے بعد بعض اور مختلف مقامات کے دورے تھے لیکن چاٹگام کے بعض حالات کی بناء پر دورہ مختصر کرنا پڑا اور بجائے ۱۵ ر دسمبر کے ۶ ر دسمبر کو نظام الدین پہونچے اور نظام الدین میں دو دن قیام فرما کر ۸ ر دسمبر کو سہارنپور اور وہاں سے رائے پور تشریف لے گئے۔ رائے پور سے واپس ہو کر گنگوہ تشریف لے گئے اور پھر دہلی۔

پاکستان کا ساتواں سفر

۲۴ ر شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۱ ر مارچ ۱۹۶۳ء کو مولانا محمد یوسف صاحب سہارنپور تشریف لے گئے اور پھر دہلی ہو کر شنبہ کی شب میں مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا عمران خان صاحب نیز اور دوسرے حضرات کے ساتھ فرنٹیئر میل سے دہلی سے سیدھے لاہور تشریف لے گئے۔ دوپہر کو حضرت حاجی متین صاحب کی کوٹھی پر قیام رہا چونکہ رائے ونڈ کا تین روزہ اجتماع تھا اور اسی اجتماع میں شرکت کی نیت سے تشریف لے گئے تھے، اسلئے حاجی صاحب کی کوٹھی ہی سے رائے ونڈ چلے گئے۔ رائے ونڈ کا اجتماع مولانا کی شرکت سے بہت بڑا اور کامیاب ہو جاتا تھا، جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا کی شرکت پورے پاکستان کے کام کرنے والوں کو کھینچ لاتی تھی اور جماعتوں کی اتنی زیادہ تشکیلیں ہوتی تھیں جس کی کوئی انتہا نہیں، ایسے دور دراز علاقوں سے کام کرنے والے آتے تھے جن سے برسوں ملنا مشکل ہوتا اور دوسرے ممالک کو جماعتیں بآسانی نکل جاتی تھیں۔ رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد بعض اسباب کی بناء پر مولانا دو تین دن قیام رہا اور

اس کے بعد ۸ ذی الحجہ تک پاکستان کا دورہ فرماتے رہے گویا اس حساب سے ایک مہینہ بارہ دن کا یہ دورہ ہوا۔ اس ایک مہینہ بارہ دن میں مختلف علاقوں، شہروں اور قصبات میں شب و روز اجتماعات ہوتے رہے اور مولانا مسلسل بے تکان بولتے رہے۔ ۸ ذی الحجہ کی شب میں سہارنپور تشریف لائے اور ایک دن حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں رہ کر ۹ ذی الحجہ کو دہلی تشریف لے گئے۔

پاکستان کا آٹھواں سفر

اب تک پاکستان کے سفر مستقل طور پر ہندوستان سے کئے جاتے تھے لیکن یہ سفر جس کا اب ذکر کیا جا رہا ہے یہ ایک طویل سفر کا جزو ہے ۱۹۶۴ء میں مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث صاحب نے حج فرمایا۔ یہ حج مولینا محمد یوسف صاحب کا آخری حج تھا جس کا ذکر مستقل باب میں آئے گا ۲۲ جون ۱۹۶۴ء کو جدہ سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچے، اسوقت مغرب ہو چکی تھی، مغرب کی نماز ہوائی اڈہ پر ادا فرمائی۔ ایک تو مولینا حج سے واپس ہو رہے تھے جس کی وجہ سے اہل پاکستان کا اشتیاق بڑھا ہوا تھا دوسرے یہ کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ساتھ تھے جن کے دیدار کیلئے لاکھوں اہل تعلق برسوں سے بے چین تھے، خصوصاً تقسیم ہند کے بعد سے بہتوں نے دیدار کی سعادت حاصل نہ کی تھی اس وجہ سے ہوائی اڈہ پر بے انتہا ہجوم ہو گیا تھا اور انتہائے شوق میں لوگ حضرت شیخ پر مصافحہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے تو مولانا محمد یوسف صاحب نے حکماً مصافحہ سے روک دیا اس لئے کہ کثرتِ ہجوم اور شدتِ شوق سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور حضرت شیخ کو پریشانی کا خوف تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اس کا یہ طریقہ رکھا کہ خود سامنے آ گئے اور فرمایا، مصافحہ میں وقت ضائع ہو گا، تم میری بات سنو، اور پھر تقریر فرمائی اور مکی مسجد روانہ ہو گئے۔

مکی مسجد میں ان حضرات کے انتظار میں بے انتہا ہجوم تھا۔ ایک تو یہ ہجوم، دوسرا ہوائی اڈہ والا ہجوم، دونوں ہجوموں سے مل کر ایک بہت ہی بڑا اجتماع ہو گیا، جس وقت یہ

حضرات پہنچے تو اجتماع ہو رہا تھا، مولانا کار سے تیزی سے اُترے اور اس خیال سے کہ اگر لوگوں کو اطلاع ہوگئی تو لوگ جلسہ کو چھوڑ چھاڑ کر مصافحوں میں لگ جائیں گے اس لئے عجلت سے مسجد پہنچ گئے، ایک صاحب جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ تقریر کر رہے تھے، مولانا کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئے۔ مولانا نے فوراً تقریر شروع فرمائی۔ اجتماع ایک بجے رات تک چلتا رہا اس کے بعد پھر نماز پڑھی اور پھر کھانا، صبح اور مغرب بعد مولانا کی طویل تقریر روزانہ ہوتی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب پر سفر کی تکان کا بڑا اثر تھا جس کی وجہ سے ایک ہفتہ تک کھانا نہیں کھایا جدہ کے بعد ڈھڈیاں جا کر کھایا، ۲۹ جون کو کراچی سے روانہ ہوئے، کراچی سے لائل پور تک سفر کا انتظام ایرکنڈیشن گاڑی میں کیا گیا تھا۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ گاڑی کے اندر نہایت ٹھنڈک تھی مگر ہر اسٹیشن پر بڑا ہجوم ہوتا جس کی وجہ سے باہر آنا پڑتا اور سخت سردی سے سخت گرمی میں آنا پڑتا۔ ملتان کے اسٹیشن پر مولانا خیر محمد صاحب اور خیر المدارس کے دیگر مدرسین اور ملتان کے دوسرے علماء کا بڑا مجمع پہنچا۔ ان کا شدید اصرار ہوا کہ چند گھنٹے یہاں قیام ہو اور ریلوے والوں سے اس ڈبے کو کاٹ کر دوسری ریل میں لگانے کی اجازت بھی حاصل کر لی تھی مگر مولانا نے اس خیال سے کہ لائل پور میں اطلاع ہو گئی ہے عذر فرما دیا اور مجمع بڑی اداسی سے واپس ہوا۔ ۳۰ کی صبح کو لائل پور پہنچے۔ دو دن قیام فرمایا اور اجتماع کو خطاب کیا۔ دوسرے دن یکم جولائی بدھ کی شام کو سرگودھا تشریف لے گئے، سرگودھا میں ایک دن قیام فرمایا۔ ۲ جولائی کو عصر کے بعد ڈھڈیاں، ڈھڈیاں حضرت مولانا رائے پوری کا وطن اور مدفن ہے۔ ڈھڈیاں میں کئی روز قیام کیا، ڈھڈیاں میں سخت بارش ہوئی جس سے موسم تبدیل ہو گیا اور راتیں نہایت سرد ہو گئیں۔ حضرت رائے پوری کے سارے خُدّام موجود تھے، بہت دُور دُور سے پہلے سے خبر سُنکر جمع ہو گئے تھے اور حضرت کے سارے خواص تشریف لے آئے تھے۔ ۶ جولائی دوشنبہ کو صبح کے وقت ڈھڈیاں سے روانہ ہوئے۔

اور مغرب کو پنڈی پہنچے، اس دن دوپہر کا کھانا جنرل حق نواز کے یہاں ان کے گاؤں میں طے تھا۔ انھوں نے ایک خصوصی اجتماع کیا جس میں تقریباً دو سو سے زیادہ خواص اور اعلیٰ عہدے دار تھے، پاکستان کے سفر کے دوران ہجوم اور استقبال کی پوری کیفیت حضرت شیخ کے اس والانامہ سے معلوم ہوگی جو انھوں نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو تحریر فرمایا تھا۔ وہ تحریر کرتے ہیں :۔

"تین دن کراچی ٹھہرنے کے بعد دوشنبہ کو دوپہر کی ریل سے منگل کی صبح کو ۹ بجے لائل پور پہنچے۔ دوستوں نے راحت رسانی میں انتہا نہ رکھی تھی فرسٹ کلاس ایرکنڈیشن ریزرو کرالیا تھا لیکن وہ تو مجھے اور مولینا یوسف صاحب کو راس نہ آیا، اس لئے کہ کراچی سے لائل پور تک کوئی بھی چھوٹا بڑا اسٹیشن ایسا نہیں گزرا جس پر ۲۵، ۳۰ سے لے کر چار سو پانچ سو تک مجمع نہ ہو، کیوں کہ ایرکنڈیشن کی وجہ سے اسکی کھڑکیاں نہیں کھل سکتی تھیں اس لئے ہر اسٹیشن پر دروازہ تک آنا پڑتا تھا، مجھے تو رات میں لیٹنے کی بھی نوبت نہ آئی۔ سنا ہے کہ اس ہجوم میں میری پاکستان میں پہلی آمد کو بھی دخل ہے۔ حرمین شریفین میں جاکر معلوم ہوا تھا کہ یہ سیاہ کار محدث ہے۔ ہر دو جگہ کے مشائخ واساتذہ کا اجازت حدیث کا آغاز ورنہ ھا کہ میں اپنی نااہلیت کی وجہ سے معذرت اور "لعل دسوف[1]" کرتا تھک گیا، پاکستان آکر معلوم ہوا کہ یہ روسیاہ پیر بھی ہے، معتقدین کے ہجوم نے ایسا محبوس رکھا کہ زیادہ اوقات چاروں طرف کے کواڑ بند کئے اندر بند رہنا پڑا۔ بدھ کو عصر کے بعد لائل پور سے سرگودھا روانگی ہوئی اور جمعرات کی شام کو عصر کے بعد سرگودھا سے ڈھڈیاں، لائل پور اور سرگودھا کی گرمی اس قدر ناقابل برداشت تھی کہ باوجود چاروں طرف برف کی سلوں اور کئی کئی بجلی کے پنکھوں کے اس کم ہمت کو

---

[1] آج کل، آج کل

سکون نہ ہوتا تھا۔ لائل پور ۱۱۷ اور سرگودھا میں ۱۲۱ درجہ بتایا جارہا تھا۔ ڈھڈیاں سے ہر شخص ڈراتا تھا کہ وہاں نہ بجلی ہے اور گرمی میں سرگودھا کا تابع۔ اس لیے اپنے کو بھی بہت فکر تھا۔ مگر حضرت نور اللہ مرقدہ کو زندگی میں ہمیشہ اس ناکارہ کی راحت کی فکر رہی اور اب بھی اس کا ظہور ایسا ہوا کہ ڈھڈیاں کے تین دن منصوری بلکہ جگہ رتہ کے حکم میں تھے، رات کو کپڑا اوڑھنا پڑتا تھا۔ دن کو بھی عین دوپہر میں وہ ٹھنڈی زوردار ہوائیں چلتی تھیں کہ لطف آجاتا تھا۔ اوقات ایسے آخر تک گھرے ہوتے تھے کہ وہاں کے تین دن بھی بہت سے احباب کا دل بُرا کرکے تجویز ہوتے تھے اس لئے اضافہ کی گنجائش نہیں تھی، وہاں کے تین دن تو بلا مبالغہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کی روانگی پاکستان کے آخری ایام تھے، کھڑکیوں اور دروازوں پر عورتوں اور مردوں کا سارا دن اس قدر ہنگامہ رہتا کہ بار بار کواڑ لگانے کی نوبت آتی تھی لیکن پھر بھی مجمع بند کواڑوں پر مسلط رہتا تھا۔ بھائی اسمٰعیل لائل پوری بہت زور لگا کر ان کو چلتا کرتے تھے کواڑ کھلنے پر پھر ہجوم کا وہی حال۔ حضرت مولانا فضل احمد صاحب کئی دن پہلے ڈھڈیاں پہنچ چکے تھے۔ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی جمعہ کی صبح کو ڈھڈیاں تشریف لے گئے تھے اور پیر کی صبح کو ہمارے ساتھ ہی واپس ہوئے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب (رائے پور گوجران) ان کے بھائی مفتی عبداللہ صاحب، ماسٹر منظور صاحب، مولوی سعید احمد صاحب (ڈونگہ بونگہ) تو کراچی ہی خبر سنکر پہنچ گئے تھے۔ آزاد صاحب بھی ہمارے ساتھ سرگودھا سے گئے اور ساتھ ہی واپس ہوئے، اور بھی حضرت کے مخصوص حضرات میں سے ایک بڑا مجمع جمع رہا۔ دسمبر میں جو اجتماع رائے پور میں جاہا تھا

ہمارا مقدر وہاں تو نہ ہو سکا بلکہ وہ الگ طوفان بن گیا، لیکن ڈھڈیاں میں تین روز ذاکرین کا خوب ہجوم رہا۔ اگرچہ اپنی آمد کے متعلق بہت سے تفریحی فقرے بھی کان میں پڑے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس ناکارہ کے یہاں ان کی حقیقت تفریحی فقروں سے زیادہ نہیں، بعض دوستوں کو بہت ناگوار ہوئے لیکن مجھے تو بہت ہی لطف آیا۔ یہاں رات پہنچے، جمعہ کی صبح کو وہاں سے لاہور روانگی ہے۔ وہاں سے ایک شب رائے ونڈ کی ہے اور ۷ ر جولائی کو بذریعہ طیارہ لاہور سے دہلی۔"

حضرت شیخ کی تحریر شدہ یادداشت سے اس سفر کا اختتام ملاحظہ کیجئے:۔

"پاکستان کے سارے سفر میں ہر ہر اسٹیشن پر اتنا ہجوم تھا کہ سونے کا وقت بالکل نہ ملا، یہ ناکارہ تو بیٹھا ہی رہا لیکن مولانا یوسف صاحب لیٹ جاتے تھے اور ہر اسٹیشن پر اٹھ کر کھڑکی پر جاکر اتنے گاڑی روانہ نہ ہوتی نہایت زور و شور سے گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنا پیام پہنچاتے۔ یہ منظر جاتے وقت دہلی سے بمبئی تک بھی رہا، خاص طور سے بڑودہ اور سورت میں بہت بوڑھے بوڑھے حضرات بھی تھے۔

دہلی پہونچ کر تین دن قیام فرمایا اور ۱۹ ر جولائی اتوار کو صبح کاندھلہ گئے۔ کاندھلہ میں متولی ریاض کے باغ میں قیام کیا اور اس خیال سے قصبے میں نہ گئے کہ سفر تمام نہ ہو جاتے۔ باغ میں دعا ہوئی اور چائے پی گئی اور وہاں سے کیرانہ متصل مظفر نگر، عزیز الیاس مرحوم کی عیادت کو گئے جو حج سے واپسی کے بعد شدید بیمار تھے۔ دوپہر کا کھانا وہیں کھایا، وہاں سے دوپہر کے بعد چل کر دیوبند ہوتے ہوئے مغرب کے قریب سہارنپور پہنچے۔ یہاں پہلے سے ان رفقاء کے ذریعہ جو سیدھے کاندھلہ سے پہنچ گئے تھے اطلاع دی گئی تھی کہ مغرب کی نماز

دارالطلبہ جدیدؔ میں پڑھی جائے گی اور وہیں مصافحے ہوں گے، اس لئے سارا مجمع دارالطلبہ جدید میں جمع ہوگیا، مغرب کے قریب سب وہاں پہنچ گئے اور نماز کے بعد تین گھنٹے مولانا کی طویل تقریر ہوئی اس کے بعد مصافحے ہوئے۔

دوشنبہ کو گنگوہ، منگل کو رائے پور اور رائے پور سے واپس ہوکر بدھ کو کاندھلہ اور جمعرات کو میں سہارنپور آگیا۔ رخصت ہوتے وقت مولانا یوسف نے آبدیدہ ہوکر مجھ سے کہا، "چار ماہ کی رفاقت آج ختم ہوگئی۔"

آٹھواں باب

حجاج اور اہلِ حجاز میں تبلیغی کام کا افتتاح

نوعیت و رفتار اور اثرات و نتائج

عجمی خُم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے تو حجازی ہے مری

وقت کا اہم مسئلہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جس وقت سے دینی دعوت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا عازمینِ حج کو داعی الی اللہ بنانے اور حج میں رُوح پیدا کرنے اور اس سفر کو دعوتِ الی اللہ اور تبلیغِ دین کا مؤثر ذریعہ بنانے کا ارادہ فرما لیا۔ اس میں شک نہیں کہ سواحل پر اور جہاز میں اور اس کے بعد حجاز میں حجاج کے اندر تبلیغی کام کرنے کا تخیّل تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے دیا تھا اور ایک سفر میں اس کی ابتدا بھی فرما دی تھی، مگر عملی جامہ پہنانے اور اس کو بدرجہ کمال ترقی دینے میں مولانا محمد یوسف صاحب ہی کا مبارک ہاتھ تھا۔ اگر حجاج میں تبلیغی کام کی اشاعت کو اور ان کو داعی الی اللہ بنانے کا کارنامہ مولانا کے اوّلیات میں شمار کیا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ چونکہ حجاز ساری دنیا کے مسلمانوں کا عظیم

مرکز ہے اور دنیا کے ہر ہر خطہ سے مسلمان کھنچ کھنچ کر حجازِ مقدس فریضۂ حج ادا کرنے جاتے ہیں اور اس پاک دیار میں علما و مشائخ، عوام و خواص، عمائدِ سلطنت کا اچھا خاصا اجتماع ہو جاتا ہے، اس لئے ان میں اگر دینی دعوت کا کام کیا جائے تو اس کا اثر نہ صرف حجاز بلکہ اس سے زیادہ دنیا کے تمام ہی خطوں پر پڑ سکتا ہے۔ مولانا کے دل میں شروع ہی سے اس کا داعیہ پیدا ہوا اور برابر قلب و دماغ پر چھاتا گیا اور چند ہی سال میں اس مسئلہ نے مولانا کو مضطرب اور بے قرار کر دیا اور اپنی تقریروں اور مکاتیب کے ذریعہ اس مسئلہ کی طرف پوری توجہ دی، اپنے ایک مکتوب میں اس اہمیت کو بتلاتے ہوئے تحریر فرمایا:

"حج کے فریضہ کا تعلق صرف حج کرنے والوں سے نہیں بلکہ پوری امت کے دین اور محنت کا جائزہ خداوندِ قدوس اپنے گھر پر لیتے ہیں جس کے اثرات پورے نظامِ عالم پر پڑتے ہیں۔ وہاں کی زندگی میں پاک طریقوں کو اختیار کرنے پر سارے عالم پر رحمت و انعامات کے اثرات پڑتے ہیں اور وہاں کی زندگیوں کی خرابیاں سارے عالم پر پریشانیوں کے اثرات ڈلواتی ہیں"

حج کا مقصد | ۱۹۴۲ء میں مراد آباد کے تبلیغی احباب نے حج کیا، حج کے دوران انھوں نے حجاج کی دینی بےحسی، بے عملی اور فرائض و واجبات تک سے ناواقفیت اور لاعلمی کو شدت سے محسوس کیا، انھوں نے واپس آکر مولانا کو تفصیل سنائی اور ان عازمینِ حج میں تبلیغی کام کے متعلق عرض کیا کہ یہ حقیقت اپنی جگہ بڑی افسوس ناک ہے کہ حجاج کی ایک بڑی تعداد حج کے مسائل اور فضائل سے ناواقف ہوتی ہے، اثناء راہ فرائضِ دین تک سے بے خبر رہتے ہیں۔ نمازیں تک بآسانی چھوڑ دیتے ہیں۔ خصوصاً جہاز میں یہ غفلت و کوتاہی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ حجاز میں بھی وہ ذوق و شوق وہ کیفیات نہیں ہوتیں جن کا یہ مبارک سفر متقاضی ہے۔ اِس صورتِ حال کو دیکھ کر ہر درد رکھنے والا انسان آنسو

بہانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ساری دنیا کا یہ مجمع جو لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتا ہے ان میں بڑی بڑی تعداد معلموں مزوّروں کی محتاج بن کر حج کے ارکان ٹوٹے پھوٹے طریقے سے ادا کر کے اپنے گھروں کو واپس ہوتی ہے، جو حج کا مقصد ہے پورا نہیں ہوتا۔ مولانا کو پہلے ہی سے اس کا شدید احساس تھا اور کئی بار اس کے متعلق فرما چکے تھے مگر اب تک اس کی صحیح راہ سامنے نہ تھی، اب جبکہ تبلیغی احباب نے خود اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھے اور اس کا احساس کیا تو مولانا نے اس کی پُرزور دعوت دینی شروع کردی۔ اس کے اصول وضوابط بیان کئے۔ اس کی نزاکت کا احساس دلایا، اس کے طریقۂ کار سے ہر ایک کو باخبر کیا گویا کہ ایک مکمل ضابطہ بنا کر ہر تبلیغی کارکن کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ حجاج میں کام کرے اور ان سارے مراکز کو خطوط لکھے جہاں تبلیغی کام ہو رہا تھا۔ اپنے ایک مکتوب میں حج میں کام کرنے کی اہمیت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"حج کا مقصد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے ذریعہ عاشقانہ کیفیت کے ساتھ حج کی آمد و رفت کے پورے سفر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اندرونی و بیرونی کیفیت کی نقل اتارتے ہوئے نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے زندگی میں جو اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں حج کی ادائیگی سے اسلامی زندگی کی تکمیل کردی جائے۔ علم و ذکر کا مذاکرہ اور چھوٹے بڑوں کے حقوق کی ادائیگی، فرائض و حدود کی اضاعت پر کڑھتے ہوئے اور حضورؐ کی زندگی کو گڑگڑا کر مانگتے ہوئے دس دس، بیس بیس کی ایک جماعت ایک امیر کی نگرانی میں اس سفر کو اٹھے تو یہ سفر انتہائی بارآور ثابت ہوگا۔ عازمین حج کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں نوافل اور تلاوت کلام اللہ اور طواف بیت اللہ میں سے وقت نکال کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی طرح مجنونانہ دین کو لے کر پھریں اور ایک ایسے مقام پر دین کو چالو کرنے کی کوشش کریں جہاں سے پورے عالم میں پھیلنے کی توقع ہو تو پھر اس پھرنے کے اجر و ثواب

کا اندازہ لگانا محال ہے اور حق تعالےٰ شانہٗ کی رحمتوں اور نعمتوں سے مالا مال ہونے کا زرین موقع ہے۔"

ایک وسیع پروگرام مولانا نے حجاج میں کام کرنے کا ایک وسیع اور مفید نظام بنایا (۱) ان تمام ناکوں اور مرکزی مقاموں پر جماعتوں کے ذریعہ تبلیغی کام جہاں حجاج جمع ہوتے ہوں جیسے بڑے بڑے اسٹیشن اور جنکشن، مسافر خانے وغیرہ (۲) ان بندرگاہوں اور ساحلوں پر جماعتوں کا گشت جہاں جہاں سے حجاج کے جہاز روانہ ہوتے ہیں (۳) جہاز پر تعلیم و مذاکرہ جبکہ حجاج بالکل فارغ ہو کر اپنے اوقات گزارتے ہیں۔ مولانا کے بتلائے ہوئے ان طریقوں پر تبلیغی جماعتوں نے اپنے اوقات لگائے اور دوسروں کو اس کا احساس دلایا اور اس طرف توجہ دلائی اور چند ہی سال میں عام لوگوں کو عام توجہ ہونے لگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک پرانے تبلیغی کارکن نے ہندوستان کے ایک مشہور خانوادہ کے ایک صاحب علم بزرگ سے حجاج کی حالت اور ان میں تبلیغی کام کرنے کی اہمیت اور ساحلوں نیز جہاز پر کام کرنے کے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"چند سال سے حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے کچھ بیرونی اور مقامی حضرات کی مساعی سے حجاج کے اندر دینی احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ ان کا یہ سفر سنت کے مطابق ہو اور حج کے تمام احکام کی تعمیل کی ذہنیت پیدا ہو جائے اور مقاماتِ مقدسہ کے جوار کے حقوق اور قدر و عظمت دل میں لے کر جائیں اور دین کے سیکھنے اور سکھانے کا ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جائے جو ان کو اپنے وطنوں میں واپس آنے کے بعد دین کی کوشش کرنے والا بنا سکے۔ عموماً حجاج کی دینی حالت ایسی پائی جاتی ہے کہ وہ نمازوں کی پابندی بہت کم کرتے ہیں، اس لیے یہاں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ان میں ایسے حضرات کو جو اہل علم اور دین سے واقف ہیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ان نہ جاننے والوں کو دین کے سکھلانے کی ذمہ داری

ہیں اور نہ جاننے والوں کو اس بات پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ دین کو سیکھنے کا جذبہ پیدا کریں اور اپنے قافلوں کا امیر بنا کر اپنے اسفار کو سنّت کے مطابق بنائیں۔ اللہ کا فضل اور احسان ہے کہ تھوڑی بہت کوششوں سے اچھے نتائج پیدا ہورہے ہیں۔ عموماً حجاج کے احوال میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے، لیکن جیسا کہ ان کے احوال کا تقاضہ ہے ویسا پورے طور سے حالات میں تبدیلی پیدا نہیں ہورہی ہے۔ اس لیے اس مرتبہ یہ کوشش ہے کہ ان کو اپنے مقاموں سے چلنے سے قبل اُن کے اجتماعات کرکے سفر کی اہمیت اور اس ضرورت کا احساس پیدا کردیا جائے اور اجتماعی طور پر امیر وغیرہ مقرر کرکے سنّت کے مطابق سفر کرنے کا شوق پیدا کیا جائے۔"

تبلیغی کام کرنے والوں کو ایک مکتوب میں حجاج کا تفقد کرکے اُن کو اس مبارک سفر میں صحیح طور پر اوقات گزارنے کے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ حضرات ہمت فرما کر جانے والے حجاج کا تفقد کرکے ان کو نمازوں کا عادی بنائیں، مساجد میں ایمان کی مجلسوں میں بیٹھنے کی عادت ڈلوائیں۔ علم کے حلقوں میں کتابوں کے سننے اور سیکھنے سکھانے کا مزاج پیدا کرائیں، گشتوں کی اور دعوت دینے کی مشق کرائیں، اللہ رب العزت کے راستے میں نکلنے اور دین کیلئے محنت کرنے پر آمادہ کرائیں، خدمت گزاری کی، تواضع کی۔ اکرام مسلم کی، ذکر و دعوت کے اہتمام کی پابندی پر خوب ابھاریں اور عملی مشق بھی جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں۔ اپنے مقام پر بھی اس کی محنت کریں، ماحول میں بھی اس کیلئے جماعتیں بھیجیں، بندرگاہوں پر جماعتیں روانہ کرنے کی سعی کریں اور جہاں جہاں حجاج جمع ہو کر روانہ ہوتے ہیں ان سب جگہوں کے لئے جماعتیں روانہ کریں تاکہ حجاج میں

عمومی محنت کے ذریعہ حرمین مبارکین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابۂ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اولیائے امت رحمہم اللہ کے پھیرے ہوئے علاقوں کے فیوض و برکات امت میں عام ہوں، مساجد والے اعمال سرسبز ہوں اور امت کی روحانی و نورانی، ایمانی و اخلاقی ترقیات زندہ ہوں اور بازاری پھسلنوں اور دھوکوں سے امت کی حفاظت ہو اور آپ حضرات کے لیے اس کے صلہ میں قربِ خداوندی کے وہ درجات حاصل ہوں جو تصور میں نہ آسکیں۔"

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"حج والوں کو راستہ میں کام کرتے ہوئے حرمین شریفین پر پڑ جانے کی تاکید فرماتے ہوئے کثرت سے جماعتیں بھیجتے رہیں۔"

اوقات کی حفاظت اسی طریقے سے مولانا نے اس کا بھی اہتمام فرمایا کہ حجاج کی پیدل جماعتیں کام کرتی ہوئی جائیں۔ اس طرح ان کے اوقات بھی صحیح طور پر گزرینگے اور حج کرنے کا طریقہ بھی آئے گا۔ مولانا کو اس کا برابر خیال رہتا کہ ان جماعتوں کا وقت ضائع نہ ہو، اور یہ کچھ سیکھ کر حج کرنے جائیں۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جو لوگ پیدل حج کے لیے جاتے ہیں جتنا ان کے ذرائع اور ناکوں کو تلاش کر کے ان کے اوقات کو زیادہ سے زیادہ کام لیکر اس کام کو اس کے صحیح اصولوں کے ساتھ سکھا کر کرتے ہوئے جانے کا جذبہ پیدا کر دیا جائیگا اتنا ہی اطراف عالم کے آئے ہوئے حجاج میں مادیت کے رُخ کے بجائے روحانیت کی جھلک پیدا ہوگی اور راستے میں بسنے والوں کے رُخ کفر کی طرف جانے کے بجائے اسلام کی طرف بڑھنے شروع ہوں گے۔"

مولانا نے اس کا خاص اہتمام کیا تھا کہ جو حجاج کام کرنے کے لیے حجاز جائیں وہ

اپنے اوقات کو پورے اصول وضوابط کا پابند بنائیں ورنہ بجائے فائدے کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ وہ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

"جانے والے حجاج، خصوصًا میوات کے حجاج میں اس بات کی پوری سعی ہو کہ مروجہ طریقہ پر جانے کے انتشار سے اپنی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے اس طریق سے حجاز میں سفر اختیار کیا جائے جس سے وہاں کے علاقہ میں دین کا شیوع وفروغ ہو اور جانے والوں کو وہاں کی ترقیاتِ ایمانیہ وروحانیہ میں سے پورا حصہ نصیب ہو۔ پیدل اسفار کی عملی شکلیں قائم ہونے پر ابھی سے قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ اپنے احباب پیدل کے لیے متعین کرکے ان کے رفقا کے بڑھانے کی ابھی سے سعی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لے گئے اور صحابہ کرامؓ نے جہاں دین کی حیات کے لیے ٹھوکریں کھائیں وہاں کے لیے بھی پوری طرح جماعتوں کے روانہ کرنے کی سعی کی جائے، تعلیم وتعلّم واذکار کے اہتمام پر پوری طرح آمادہ کیا جائے۔ حجاج کرام واہلِ عرب کے حقوق کی ادائیگی کی طرف پوری طرح متوجہ کیا جائے۔ ایک گروہ اللہ ربّ العزت کا مہمان ہے اور مہمان کے ساتھ ذراسی بھی بے عنوانی ناگواری کا باعث بن جاتی ہے اور دوسرا گروہ حرمین کا پڑوسی ہے، ان کے ساتھ بے عنوانی بھی غضب الٰہی کی داعی ہے۔"

سب سے پہلی جماعت اس مبارک سفر میں مبارک کام کرنے کے لیے جو پہلی جماعت تیار ہوئی۔ اس میں مرادآباد اور دہلی کے کام کرنے والے حضرات تھے جن میں حاجی فضل عظیم مرادآبادی، حافظ مقبول حسن صاحب دہلوی (مجاز بیعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) قابل ذکر ہیں، جنھوں نے بہتے ہوئے دھارے کے خلاف اپنے کو ڈال دیا اور مجاہدے اور ریاضت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

دوسری جماعت اس کے بعد مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کو مولانا نے حجاز میں کام کرنے کے لیے تیار کرنا چاہا، مولانا عبید اللہ صاحب نے عذر کیا کہ مجھے عربی بولنے کی مشق نہیں ہے۔ مولانا نے اصرار کیا اور فرمایا، اچھا پہلے کراچی جاکر کام کرلو۔ مولانا عبید اللہ صاحب آمادہ ہوگئے اور ۱۹۴۶ء میں حافظ سلطان دہلوی کے ساتھ ایک جماعت کو لیکر کراچی گئے اور وہاں سے حجاز روانہ ہوگئے۔ ان کے علاوہ جناب محمد شفیع قریشی صاحب، مولانا نور محمد صاحب میواتی، مولوی عبد الملک صاحب مراد آبادی، حاجی عبد العلیم صاحب میرٹھی.. اچودھری نواز خاں میواتی بھی حجاز گئے اور ان میں سے بعضوں نے ایک سال قیام کیا۔ جولائی ۴۷ء مطابق ۱ شعبان ۶۶ھ کو کراچی سے علوی جہاز سے ایک تیسری جماعت روانہ ہوئی جس کے امیر مولانا سعید خان صاحب تھے۔ اس نے جہاز پر خوب جم کر کام کیا۔ گشت کے لیے اجتماع کئے اور پورے سفر میں حجاج میں حج کا ذوق وشوق، اس کے فضائل، ارکان ومسائل کی تعلیم کی..

کراچی اور بمبئی کی بندرگاہوں پر کام سواحل اور بندرگاہ حجاج کے راستہ کے دروازوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو حاجی حج کو جاتا ہے ان دروازوں سے نکلنا یا اس سے داخل ہونا ضروری ہوتا ہے اس لیے سواحل اور بندرگاہوں پر کام کرنا سب سے زیادہ مفید طریقہ ہے ان جگہوں پر کام کرنے سے حرم میں کام کرنا زیادہ مؤثر اور آسان ہوجاتا ہے۔ مولانا نے اسی خیال کے پیش نظر سواحل پر کام شروع کردیا اور کراچی کے ساحل کو منتخب فرمایا اور منشی اللہ دتا اور حاجی شفیق صاحب کو ایک جماعت کے ساتھ کراچی بھیجا۔ بمبئی کی بندرگاہ پر بھی حجاج میں کام شروع کیا گیا۔ شعبان سے پہلے سے مختلف جماعتیں ان مقامات پر بھیجی گئیں اور ذی قعدہ تک جب کہ آخری جہاز روانہ ہوتا ہے حجاج منزل میں کام کیا گیا۔ مولانا کو اس سلسلہ میں بڑی فکر تھی اور وہ حجاج کے اوقات کو کام میں لگانے کی کوشش فرماتے۔ اس سلسلہ میں مختلف مکاتیب کے ذریعہ ساحل پر کام کرنے والوں

اور جماعتوں کو برابر ہدایتیں دیں۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"آج کل طبیعت پر بہت زیادہ فکر غالب ہے کہ یہ ہزاروں عازمین حج جو اپنی بنیادی اور ابتدائی زندگی سے بھی خالی ہیں، اگر ان کے اندر دینی جذبات کی پیداوار نہ کی گئی تو بلا شبہ سفر تو ہو جائے گا لیکن یہ ایک نادر موقع تھا کہ بیت اللہ کی طرف عاشقانہ طور پر جانے کی صورت پیدا ہوتی مگر وہ ہماری کم ہمتی اور بے بضاعتی کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اس کیلئے آپ جتنے بھی اس مقام پر پہنچ گئے ہیں اپنی انتہائی کوششوں میں کمی نہ کریں۔ قلوب تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ جانے کون سی ساعت کی محنت اللہ رب العزت کو پسند آجائے، وہ اپنی طرف سے کوئی رُخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے زندہ ہونے کا پیدا فرمادیں"

اپنے دوسرے مکتوب میں اُن کو تحریر فرماتے ہیں جنھوں نے کوشش کرکے حجاج کو تبلیغی کام پر آمادہ کیا تھا۔

"خطوط کے ذریعہ مساعیِ خیر و صلاح کی خبریں موصول ہو کر باعث مسرت ہوئیں، حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف و کرم سے ان حقیر کوششوں کو اس اجتماعی طرز کے ایمان کے لیے جد و جہد اور نقل و حرکت کو منہاجِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورے عالم میں سرسبز ہونے کا ذریعہ فرمائیں جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا۔ سابقہ عمل کو اسکے مقابلہ میں ایک گناہ تصور کرکے اس پر توبہ و استغفار کی مقدار کا حق ادا کرکے آئندہ کے لیے اس سے زیادہ اونچی شکلوں کو سامنے رکھ کر اپنی بساط کے مطابق جد و محنت بڑھانے کی کوشش کی جائے، جن حجاج کرام کو دین کی شکلوں کے سیکھنے پر آمادہ

صحابہ کرامؓ کے طرز پر پیدل پھرنے پر آمادہ کرا کے آپ حضرات نے بھیجا ہے، سبب کے طور پر اگر ان سے خطوکتابت کے ذریعہ تحریض وترغیب وتاکید کا اصرار ہو سکے تو اس کو اختیار کرتے ہوئے، ورنہ بغیر اس کے پوری طرح حق تعالیٰ شانہ سے گڑگڑا کر اور بلبلا کر ان کی راہ کے جو وعدے ہو چکے ہیں ان کے وجود میں آنے کے لیے حد سے زیادہ دعائیں کی جائیں اور مخصوص اکابر کی خدمت میں اس کی دعاؤں کے لیے لکھا جائے۔"

مولانا کی اس فکر کا نتیجہ تھا کہ شروع ہی سے بندرگاہوں پر کام شروع ہو گیا اور اس میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی۔ آخر دَور میں تو مہینوں پہلے سے بکثرت جماعتیں ہر بندرگاہ پر کام کرتیں، مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری اپنے مکتوب میں بمبئی سے ایک تبلیغی کارکن کو لکھتے ہیں:-

"ساٹھ ستر افراد حجاج کرام میں کام کر رہے ہیں، روزانہ حاجیوں میں سے گشت، تعلیم اور جماعتوں کا نکالنا اور ذکر و دعا کا اہتمام رہتا ہے، حجاجِ کرام کو باہر بھیجا جاتا ہے۔ جہاز میں کام کرنے کے لیے بھی جماعت بنائی جاتی ہے، اس میں امیر بھی بنایا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں تبلیغی کام کرنے والے حاجی صاحبان خوب ارادہ کر کے جاتے ہیں۔"

جہاز پر تبلیغی کام جہاز پر جتنے حجاج ہوتے ہیں اُن کے یہ دن جو سفر میں گزرتے ہیں، بالکل فارغ ہوتے ہیں خواہ بحرین اور بصرہ ہوتے ہوئے حج کو جائیں یا عدن وکامران ہوتے ہوئے جدہ جائیں۔ ان میں اکثر حجاج ایسے ہوتے ہیں جو نمازوں تک کا اہتمام نہیں کرتے اور اپنے خالی اوقات غلط قسم کے کاموں اور مشغلوں میں گزارتے ہیں۔

مولانا محمد یوسف صاحب تبلیغی جماعتوں کو اس کی خاص ہدایت فرماتے کہ وہ جہاز کے فارغ اوقات میں حجاج کو اس طرف توجہ دلائیں کہ وہ نماز و حج کے مسائل سیکھیں اور جماعتیں

ایسا نظام بنائیں کہ حجاج دین سے پوری طرح آشنا ہوں اور اس کے داعی بنیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے ایک مکتوب میں جو ۲۵ر شعبان ۱۳۶۶ھ کو مابین عدن و کامران حضرت شیخ الحدیث کو تحریر کیا تھا، اس میں جہاز کے کام اور نظام الاوقات کے متعلق حسب ذیل الفاظ تحریر کئے:

"ہمارا جہاز ایک متحرک تبلیغی محلّہ بنا ہوا ہے، اذانیں ہوتی ہیں اور جماعت اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اوپر کے کتب خانہ کی جگہ اور اس کے آس پاس کی وسعتیں سب بھر جاتی ہیں۔ روزانہ مولوی زین العابدین صاحب کی تقریر اور کبھی مولوی عبدالملک صاحب کی تقریر نشر ہوتی ہے۔ صبح تعلیم کی مجلس ہوتی ہے۔ عصر کے بعد جہاز کے تمام طبقوں اور ڈیروں پر گشت ہوتا ہے، صبح فضائل کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور اس طرح ہم دور افتادہ جناب کے انفاس و نفائس سے محروم نہیں ہیں[۱]"

ایک صاحب جو ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ سفر حج کو گئے تھے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"یہ سفر بفضلہ تعالیٰ شروع سے ہی تبلیغی مصروفیات میں گزرا، بمبئی کے قیام میں جہاز میں جدہ میں مسلسل کام کا نظم چلتا رہا، جہاز میں فرسٹ کلاس اور ڈیک کلاس پانچ جگہ نماز با جماعت اور ہر ہر نماز کے بعد تعلیم تقریر و تشکیل کا پروگرام ہوتا تھا، ایک وقت روزانہ عورتوں کا اجتماع بھی ہوتا تھا۔ جہاز میں سفر کرنے والے علماء کام سے جڑے لاؤڈ اسپیکر سے تقریریں کیں۔"

---

[۱] فضائل کی کتابوں سے مراد حضرت شیخ کی تصنیف کردہ کتب فضائل ہیں۔ مثلاً فضائلِ نماز، فضائلِ تبلیغ وغیرہ۔

سرزمینِ حجاز پر حجاز پہونچ کر جماعتوں نے اُن مقامات پر پڑاؤ ڈالنا شروع کر دیا جہاں حجاج مقیم رہتے تھے، جیسے حجاج منزل میں یا معلموں کے مکانات پر، شروع شروع تو معلمین کے وکیلوں کے دیئے ہوتے مکانات یا ان کی ڈیوڑھیوں پر حجاج کا اجتماع ہوتا، گشت ہوتا، پھر حجاج منزل میں جہاں حجاج کا جما جمایا ہوا مجمع مل جاتا، کام کیا جاتا۔ اس کی مسجد میں تعلیمی حلقے ہوتے، تقریریں ہوتیں اور حجاج میں اُن کے کمروں اور ٹھکانوں کا گشت ہوتا۔ حرم شریف کے باب الزیادہ پر مصلّیٰ حنفی کے پیچھے تعلیم کا مرکز بنایا گیا اور اُسی جگہ حجاج کو جوڑ کر تعلیم کے حلقے بنائے گئے۔ شروع شروع اس سلسلے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر رفتہ رفتہ دِقتیں دور ہوتی گئیں، اس تعلیم میں عموماً مہاجر اور حجاج شریک ہوتے۔ حج کے بعد جماعت نے ایک چلہ مکہ مکرمہ میں گزارا۔ اس درمیان میں خصوصی گشت اور ملاقاتیں ہوئیں۔ اس پہلی جماعت میں سندھ کے مشہور دینی رہنما پیر ہاشم جان جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے کام کرتے تھے شریک ہوئے۔

مدینۂ منورہ مکہ مکرمہ میں تقریباً ایک چلہ گزار کر جماعت مدینہ منورہ گئی اور وہاں بھی یہی نظام رہا کہ مہاجرین میں کام شروع کیا، تعلیم اور مذاکرہ ہوتا، گشت کر کے لوگوں کو لایا جاتا، مولانا سید محمود صاحب برادر اصغر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ منورہ کے مرفہ الحال اور ذی اثر شخص ہیں اُن کے صاحبزادے مولوی حبیب احمد مدرسہ شرعیہ کے ناظم ہیں۔ انھوں نے زقاق البدور متصل مدرسہ شرعیہ میں ایک مکان جماعت کے قیام کرنے کے لیے دیا، جماعت کا قیام اُسی میں ہوا اور اسی مکان میں اجتماعات کرنے شروع کئے۔ کام زیادہ تر بخاریوں اور ہندوستانیوں میں ہوتا۔ بعض ایسے اجتماعات جو ہفتہ وار ہوتے انمیں عرب حضرات بھی شریک ہونے لگے۔ مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا نور محمد میواتی، مولانا محمد واصف صاحب ترکستانی

نے ایک سال قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے قیام کی پوری مدت میں انتہائی جانفشانی اور محنت کا ثبوت دیا اور مہاجرین میں عموماً کام کو فروغ دیا اور عرب حضرات میں پہونچ پہونچ کر کام سے تعارف پیدا کرنے کی کوشش کی۔

رباطوں میں حرمین شریفین میں مختلف رباطیں بنی ہوئی ہیں جیسے رباط بھوپال، رباط ٹونک، رباط حیدرآباد وغیرہ۔ ان میں بکثرت حجاج ٹھہرتے ہیں۔ ان میں کام کی صورتیں یہ تھیں کہ ان رباطوں میں پہنچا جاتا اور حجاج سے اطمینان سے گفتگو کی جاتی سب سے پہلے رباط کشمیری کا انتخاب کیا گیا اس رباط میں ایک ہندوستانی مہاجر محمد خیاط مقیم تھے۔ سب سے پہلے مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی ایک جماعت کو لے کر اس رباط میں پہونچے، مولانا اللہ بخش مہاجر کے کمرے میں قیام کیا اور یہیں سے مہاجرین اور حجاج میں گشت کا پروگرام بنایا بعد میں گشت کیا اور اجتماع کیا جس میں مولانا نور محمد صاحب میواتی اور مولانا محمد واصف صاحب ترکستانی نے تقریریں کیں، یہ اجتماع مستقبل کے سارے اجتماعات کی بنیاد بن گیا۔ اس کے بعد مختلف رباطوں میں کام ہونے لگا اور اجتماعات منعقد ہونے لگے۔

مختلف محلوں میں گشت و اجتماع ان حجاج میں کام سے گہرا تعلق پیدا کرنے اور ان کو داعی بنانے کا یہ ذریعہ تھا کہ ان کو تھوڑے عرصہ کے لئے اس مقدس شہر کے قرب و جوار میں لے جایا جائے، تبلیغی جماعت نے اس کا نظام بنایا اور کوشش کر کے جماعتوں کو باہر نکالا۔ ایک دن، ایک شب یا دو تین دن کے لیے قرب و جوار کے دیہاتوں یا شہر کے محلوں میں جماعتیں جانے لگیں اور کام ہونے لگا۔ ان جماعتوں کے نکلنے کا اثر یہ پڑا کہ وہ لوگ جو ہر چیز سے ذہن فارغ کر کے حج کو جاتے تھے وہ کام سے لگ گئے۔ ان کے اندر دین کا جذبہ پیدا ہونے لگا اور حج کا صحیح مقصد سمجھنے لگے۔

ان حضرات کی کوششوں سے حجاج و مہاجرین کی جماعت بعض خالص عرب بستیوں

میں بھی جانے لگی اور کھلی ہوئی فضا میں خالص دینی ماحول میں وقت گزارنے لگی۔ ان مقامات میں مکہ مکرمہ کا محلہ "جرول" اور مدینہ منورہ کا "وادی اُحد"، "قبا"، "عوالی"، "وادیٔ عقیق" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان نکلنے والوں پر ان چھوٹے چھوٹے سفروں کا بڑا اثر پڑتا تھا۔ اور وہاں سے دین کا بڑا جذبہ اور ولولہ لے کر آتے تھے۔

اچھے نتائج اور ثمرات حجاج اور مہاجرین میں کام کرنے کے لئے مولانا محمد یوسف صاحب نے ہر سال جماعتوں کے بھیجنے کا نظم کیا اور ہندوستان پاکستان سے مختلف جماعتیں، پیدل اور جہاز کے ذریعہ حج کو جانے لگیں، ان جانے والوں میں اکثر ایک ایک سال قیام کرتے، اس طرح کام مسلسل ہوتا رہا اور کام کرنے والوں کی تعداد بڑھتی رہی۔

شوال ۷۴ھ میں جب کہ مولانا محمد یوسف صاحب پاکستان کے آخری سفر میں تھے کئی تبلیغی جماعتیں عرب میں کام کر رہی تھیں۔ قاری بدرالدین میواتی اسی سال ۲۳ شوال کو مسجد النور مدینہ منورہ سے حضرت شیخ الحدیث کو اپنے سفر کے متعلق...... تحریر کرتے ہیں:

"یہ خادم محض آنجناب کی شفقت و دعاؤں پر اللہ پاک کے بے انتہا فضل و کرم سے مع میاں جی محمد اسحاق میواتی، مولوی محمد سلیمان صاحب گجراتی، مولوی مسعود صاحب میواتی و عبدالرحمٰن صاحب جام نگری کے بمبئی سے مقدس سرزمین کی طرف جہاز میں سوار ہوا، جہاز میں صلاح و مشورے سے جماعت سے نمازوں کا اہتمام، صبح و شام کے بیانات، تعلیمی حلقے، خصوصی و عمومی گشتوں کی ترتیب چلائی، اکثر احباب متوجہ رہے، سارا سفر حج کی باتوں کی قدر کرنے اور حرمین شریفین میں اپنے اوقات کی حفاظت و قدر کرنے کے ارادے کرتے کراتے گزرا۔ جدہ بعافیت پہونچے احباب مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے تھے۔ مدینۃ الحجاج میں

پاسپورٹ وغیرہ کی دفتری کارروائی میں بیشک ٹھہرنا ہوا، احباب مسجد میں نمازوں کے بعد جڑتے رہے، کچھ ترغیب پر ۱۵ النفر کی ایک جماعت پیدل جدہ سے روانہ ہوئی، جمعہ کی صبح ذی طوی پر غسل کر کے معلی کے راستے سے مکۃ المکرمہ میں داخل ہوئی، بندہ بھی احباب کے مشورہ سے سیدھا مکۃ المکرمہ پہونچا، رمضان المبارک کا پورا مہینہ حرم پاک میں گذرا، رمضان المبارک میں دعوت والی محنت کو ڈھلنے کی پوری سعی ہوتی تھی، حرم پاک میں عربی اردو زبان میں حلقے، محلوں میں گشتیں، عشرہ کی جماعتوں کا باہر غدا کے راستے میں نکلنا ہوا اور آخر عشرہ کے اعتکاف کی توفیق ہوئی۔ ۲ ہفتہ قبل مدینہ پاک میں حاضری ہوئی، آج مولوی مسعود صاحب ایک جماعت کو مکۃ المکرمہ سے مدینہ پاک دو ہفتے راستے میں کام کرتے ہوئے لیکر پہنچے یہاں مدینہ پاک میں بھی اللہ پاک کے فضل و کرم سے احباب متفکر و کوشاں ہیں، سہ روزہ جماعتیں احد، حرف مشرب ابراہیم وغیرہ جاتی ہیں۔"

جدید اور ذی اثر طبقے میں کام کا تعارف

فعال قسم کے اور کام سے دلچسپی رکھنے والے کئی عہدے دار حجاز میں منتقل ہو گئے اور بڑے عہدوں کی ذمہ داریاں سنبھالیں، خاص طور پر حاجی ارشد صاحب مرحوم، پاکستان میں ٹیلیفون کے اہم عہدہ پر فائز تھے، جب حجاز میں آٹومیٹک ٹیلیفون کی تجویز منظور ہوئی تو اس کے لیے ایک ماہر فن انجینیر اور تجربہ کار ٹیم کی ضرورت محسوس ہوئی، حکومت حجاز کے مواصلات اور رسل و رسائل کے سکریٹری اور اہم عہدیداروں نے پاکستان جا کر انٹرویو لیا اور حاجی ارشد صاحب کا فوراً انتخاب کر لیا۔ یہ بھی حکمتِ الٰہی کا کرشمہ تھا کہ اس کام کے لئے ایسے شخص کا انتخاب ہوا جو اپنی فنی مہارت، ذہانت و محنت کے ماسوا دین کا ایک پُرجوش داعی، انتھک سپاہی اور تبلیغی جماعت کا ممتاز کارکن اور داعی تھا۔

حاجی ارشد صاحب نے اپنی معاونت کے لیے اپنے محکمہ کے عملہ کا انتخاب کیا اور اس کا

لحاظ رکھا کہ وہ لوگ حجاز آئیں جو ان کے کام میں اُن کی مدد کر سکیں۔ حاجی ارشد صاحب کے حجاز پہونچنے سے کام میں نئی رُوح اور سرگرمی پیدا ہوگئی اور دعوت کے بعض نئے میدان ملے، سرکاری حلقے بھی کام سے مانوس اور قریب ہونے لگے، ہر سال پاکستان سے سرکاری طور پر حکومت پاکستان کے اہم عہدے دار امیر الحج ہو کر جانے لگے، عام طور پر ارشد صاحب ہی ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دیتے تھے جس کی وجہ سے تبلیغی جماعت سے وہ لوگ متعارف ہونے لگے جو اس سے پہلے اس کام سے مانوس نہ تھے، ارشد صاحب نے بہت جلد اپنے احساسِ ذمہ داری، شغف، اپنی اعلیٰ فنی قابلیت اور اپنی شیریں گفتاری، دلآویز اور سحر انگیز شخصیت سے اپنے محکمہ کے ذمہ داروں اور اپنے ماتحتوں کو یکساں طور پر اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ارشد صاحب نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے حجاز کے پڑھے لکھے طبقوں میں کام شروع کیا، نیز ہر سطح کے طبقوں میں محنت اور محبت سے کام کو فروغ دیا اس کی وجہ سے حجاز تبلیغی کام کا ایک مرکز بن گیا اور جدید طبقہ میں کام کا اچھا خاصہ تعارف ہو گیا۔

اس میں سب سے بڑا ہاتھ شروع میں کام کرنے والے باہمت لوگوں (مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا سعید خاں صاحب کھیڑوی، مفتی زین العابدین لائل پوری، حاجی فضل عظیم مراد آبادی، مولوی عبد الملک مُراد آبادی نیز بعض دوسرے اور مہاجرین) کا ہے جنھوں نے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کیا مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔ ان لوگوں پر ایسے ایسے سخت دور آتے اور اُن کو آزمائشوں سے گذرنا پڑا جس کی تفصیل کی یہاں نہ ضرورت ہے، نہ مناسب۔

مقامی باشندوں سے ربط

ان مشکلات میں ایک مشکل یہ تھی کہ حجاز کی پولیس جماعتوں کو دیکھ کر وحشت کھاتی تھی اور مزاحم بھی ہوتی تھی۔ بعض دفعہ کام سے منع بھی کیا۔ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نے اپنے حسن تدبیر اور تفقہ سے اس کی ایک راہ نکالی، مولانا سید محمود صاحب (جو مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی

اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے برادرِ اصغر ہیں، مدینہ منورہ میں ایک ذی اثر اور صاحبِ رسوخ بزرگ ہیں۔ وہ مدت سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کے خاندان سے ذاتی روابط رکھتے ہیں اور ان کی دعوت و تبلیغ سے بخوبی واقف ہیں) سے ربط و تعلق پیدا کیا، ان ہی کے اشارہ اور اجازت سے بدّووں میں کام شروع کیا۔

پھر مولانا سید محمود صاحب ہی کے ذریعہ قاضیٔ مدینہ شیخ ابن زاحم سے ملاقات کی تاکہ مدینہ میں کام کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نے اپنا لکھا ہوا مضمون پڑھا، قاضیٔ مدینہ نے اس کی تحسین کی، اس مجلس میں مدینہ منورہ کے سارے ائمہ مساجد شریک تھے، سب نے مضمون سنا، مولانا سید محمود صاحب نے قاضیٔ مدینہ کے سامنے مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی سے کہا کہ ہر ہفتہ تم قاضی صاحب سے ملا کرو، مولانا عبید اللہ صاحب ہر ہفتہ ملنے لگے جس سے کام کی راہ ہموار ہوگئی اس کے بعد مولانا سید محمود صاحب کے ذریعہ امیر مدینہ سے ملاقات کی، اس ملاقات سے کام کا سلسلہ اور بڑھا اور پولیس جو پہلے مزاحم ہوتی تھی اب اس نے مزاحم ہونا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جماعت عوالی گئی اور بدوؤں میں کھل کر کام کیا، اس جماعت میں سوڈانی، یمنی، مغربی اور سندھی تھے۔

بدوؤں کے قبائل ایک جماعت بدوؤں کے بعض ایسے قبائل میں گئی جہاں مدتوں سے اس طرح کام نہیں ہوا تھا۔ اس جماعت میں بعض اہلِ علم حضرات بھی تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب اپنے ایک مکتوب میں تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"پہلی مرتبہ اس بار باہر جانا ہوا۔ مدینہ منورہ کے اطراف میں باغات اور عیون بکثرت ہیں، گرمیوں میں جب کھجور پکتے ہیں تو کثرت سے بدو قبائل باغات کے پاس آجاتے ہیں اور خیمے ڈال کر فصل کے اختتام تک رہتے ہیں ہمارا

جانا مدینہ طیبہ کے بالکل شمالی رُخ پر ۷۔۸ میل کے فاصلہ تک ہوا، زہرہ، مقبولہ، شنا بلیہ اور مزنہ، مقامات کے نام ہیں، بدوی خیام میں اور بستانین میں گشت اور ان کی مسجدوں میں اجتماعات ہوئے۔ عربی خصائل ترحیب و اکرام سادگی اور انقیاد للحق کے ایسے مناظر دیکھنے میں آئے جو شہر میں نہیں دیکھے جا سکتے۔ اسی کے ساتھ دینی زبوں حالی اور جہالت کے بھی بڑے افسوس ناک حالات دیکھے، بعض مقامات پر جو مدینہ منورہ سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہیں بدّو جو قدیم قبائل بنی تمیم، مزنہ، جہینہ وغیرہ کی نسل میں ہیں۔ مُردوں کو بغیر نماز کے دفن کر دیتے ہیں، اس لئے کہ نماز پڑھانے والا کوئی نہیں، سورۂ فاتحہ میں غلطیاں عام ہیں اور بعض بعض عبارتوں کے الحاق کر رکھے ہیں۔ بعض آیات کے عربی ترجمے بے تکلف قرآن کی طرح پڑھ دیتے ہیں۔ اس کی ضرورت معلوم ہوئی کہ ان کی واپسی پر اُن کے منازل میں معلّمین و مبلّغین کچھ عرصہ قیام کریں، چلتا پھرتا کام کوئی اثر نہیں چھوڑتا حج کے بعد ہمارے ساتھی اس پر غور کر رہے ہیں۔

جو لوگ اس جماعت میں گئے تھے انھوں نے کھلی آنکھوں یہ افسوسناک مناظر دیکھے اور اس کا عہد کیا کہ وہ تبلیغی کام برابر کرتے رہیں گے۔

مکہ مکرمہ میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نے حرم شریف کے اساتذہ سے تعلق پیدا کیا ان کی خدمت میں جاتے تھے اور ان سے استفادہ بھی کرتے تھے، اس طرح دونوں مقامات مقدسہ پر کام کی راہیں کھلیں، راہوں کے کھلنے کے ساتھ ساتھ نزاکتیں بھی بڑھتی گئیں ان ساری کیفیات کی اطلاع مولانا محمد یوسف صاحب کو برابر دیتے رہے۔

حجاز میں کام کرنے کے سلسلے میں اہم مشورہ | انھیں نزاکتوں کے پیش نظر

مولانا نے ایک مشورہ طلب کیا جس میں حجاز کے کام پر نئے سرے سے غور کیا گیا اور حالات کو سامنے رکھ کر کام کو آگے بڑھایا گیا، مولانا اس مشورے سے پہلے اپنے ایک مکتوب میں اس مشورے کی اہمیت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"دورانِ حج میں ملکِ عرب میں جو کام ہوا ہے اس نے نئے نئے حالات ایسے پیدا کر دیئے ہیں کہ ان پر پوری طرح غور ہو کر اگر اس وقت اب تک کے کام کرنے والوں نے مجتمع ہو کر ان سب صورتِ حالات کو پوری طرح اخذ کر کے آپس میں مشاورت کے ذریعے ان صورتوں کی تکمیل کے لیے مناسب اقدام اور مزید جدوجہد نہ کی تو نہ یہ کہ کام آئندہ ترقی سے رُک جائے گا، بلکہ اب تک کی ہر طرف کی پیدا شدہ مفید صورتیں بھی ضائع ہو جائیں گی، اِسکے لیے بہت فکر کے بعد اجتماع مقرر کیا ہے تاکہ مختلف مجلسوں میں کام کی اس وقت کی فضا سامنے آسکے، اس کے لیے آپ جتنا زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کر سکیں خود اور اپنے پُرانے کام کرنے والے احباب کے ساتھ ضرور تشریف لائیں، ورنہ کم از کم ہفتہ عشرہ کے لیے ضرور ہی آئیں۔"

اس مشورہ کے بعد دوسرا مشورہ دو سال بعد ۱۳ شعبان ۶۸ھ کو ہوا جس میں حجاز کے کام کو مزید تقویت پہونچانے پر تبادلہ خیال کیا گیا، اس مشورہ میں ہندوستان کے وہ اہلِ علم حضرات اور اکابر شریک ہوئے جن کا تعلق کام سے پرانا اور گہرا تھا، اس مشورہ میں یہ طے ہوا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے زیرِ قیادت حجاز میں تبلیغی سلسلہ کو مقامی رعایت کے ساتھ چلایا جائے نیز یہ کہ دو آدمی وہاں مستقل قیام کریں اور جماعتوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھیجا جائے، جو جماعتیں حجاز میں کام کر رہی تھیں یا عمروں سے سفروں پر روانہ ہوتی تھیں ان کو گاہے گاہے مولانا اصول اور طریقوں سے باخبر کرتے رہتے تھے اور برابر ہدایت سے نوازتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک طویل مکتوب ذی قعدہ ۸۱ھ مطابق اپریل ۶۲ء کو جب

کہ عمرہ کے بعد جماعتیں روانہ ہو رہی تھیں تبلیغی جماعت کے رفقاء کو تحریر فرمایا تھا جس میں اس کے متعلق ہدایات درج تھیں، اس کا ایک حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

"آپ حضرات کو رب العزت بہت ہی جزاء خیر عطا فرماتے، آپ نے اللہ رب العزت کی توفیق سے بڑے اعمال کی حیات کے لئے محنت کا قدم اٹھایا ہے اور سارے عالم پر اثر ڈالنے والی جگہ پر اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے پہونچا دیا اور سارے عالم کے نمائندوں کو آپ کے پاس جمع کر دیا، اب آپ حضرات بڑے اعمال میں جن کے وجود میں آجانے سے امت کا وجود ہوگا اور ان کی حیات سے اُمّت کی حیات ہوگی، پورے انہماک سے مشغول ہوں، کثرت سے جماعتیں گشتوں میں روانہ کریں، تمام مواضع اجابت میں گشت و دعوت کی خصوصی سعی ہو، تعلیم کے حلقوں کے قیام کی جگہ بہت کوششیں کی جاویں اور ذکر کی فضاؤں کی بھی کوششیں ہوں، تعاون و ہمدردی و خدمت گذاری و اکرام مسلم کی طرف خصوصی توجہ کی جاوے" جتنے ممالک میں عمرہ سے جماعتیں روانہ کی گئیں، اب سب ملکوں کے لیے جماعتیں تیار کی جاویں اور ہمارے علاقوں کی طرف باہر والوں کے لانے کی پوری سعی کی جانی ہے، مہاجرین کے اس وقت اس محنت میں لگنے کی پوری پوری سعی کی جاوے۔ یہ ساری محنتیں فکر کیساتھ مددوں کے یقین کے ساتھ تصریف قلوب کا یقین کرتے ہوئے کی جاویں اور پھر ان ساری محنتوں کو اجابت دعا کا یقین کرتے ہوئے یقین کے ساتھ رو رو کر گڑگڑا کر ہدایت کے دروازے کھل جانے کے لیے دعائیں مانگیں اور دوسرے سے منگوائیں۔

عربی زبان پر قدرت رکھنے والے عالم و داعی کی ضرورت کا احساس

۱۹۴۶ء میں حجاز میں کام شروع ہونے کے ایک سال بعد تک دعوت و اصلاح

کا یہ کام اور اس سلسلہ کے گشت واجتماع زیادہ تر مہاجر اور ہندوستانی حجاج میں منحصر تھے، عربی زبان پر قدرت نہ ہونے سے عرب علماء اور ادبی حلقوں میں پوری طرح کام چل نہ سکا، مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نے اپنی انتھک کوششوں اور شب و روز کی محنتوں نیز اپنے اخلاق و تواضع، اہل دین کے اکرام، حرم اور اہل حرم کے شایان شان احترام کی بنا پر عرب عوام کو کام سے روشناس اور ایک حد تک مانوس کر دیا تھا اور جماعتوں کی نقل و حرکت بھی ہونے لگی تھی اور ان مخالفتوں کے اٹھنے کی نوبت نہیں آئی تھی جو ایک اجنبی دعوت سے اٹھتی ہیں۔

دوسری طرف حرمین کے علماء سے تعلقات بھی پیدا کر لیے تھے خصوصاً سید علوی مالکی شیخ ابن عربی، شیخ امین کتبی، شیخ حسن مشاط جو حرم مکی کے چار اساطین درس تھے، ان کی خدمت میں برابر حاضری دیتے، اسی طریقے سے نجدی علماء اور قضاۃ کی خدمت میں جاتے اور ان سے علمی استفادہ کرتے رہتے تھے اس طریقہ سے یہ علماء تبلیغی جماعت کے خلوص، مجاہدہ اور سادگی سے متاثر تھے اور اس کو بنظر استحسان دیکھنے لگے تھے لیکن حرمین کے ممتاز اہل علم اس تحریک سے پوری طرح متاثر نہ ہوسکے اس لیے کسی ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو عربی زبان وادب کی ماہر ہو اور اہل علم کے حلقہ میں موثر طریقہ سے اپنی بات کہہ سکے، مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نے اس صورت حال کی اطلاع مولانا محمد یوسف صاحب کو کی اور اس کی شدید ضرورت کا احساس دلایا، خود مولانا محمد یوسف صاحب کو اس کی فکر تھی، ۱۹۴۷ء میں پنڈت نہرو کی دعوت پر ایشیائی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں متعدد عرب ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ان عرب نمائندوں کے درمیان دینی دعوت دینے کیلئے دہلی بلایا اور مولانا موصوف نے عرب اور اسلامی ملکوں کے نمائندوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے ایک عربی مقالہ بھی تیار کر لیا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس کے پڑھنے کی نوبت نہ آسکی اور وہ کانفرنس ختم ہوگئی لیکن مولانا محمد یوسف صاحب

کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ عرب میں اہلِ علم کو اس کام کی طرف توجہ کرانے کی شکل یہی ہے کہ کسی ایسی شخصیت کو حجاز بھیجنا چاہیے جو بلا جھجک اہلِ علم حلقوں میں تبلیغی بات کہہ سکے اور علماء اس کے وزن کو محسوس کر کے اس تبلیغی کام کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور وہ رکاوٹ جو زبان و ادب پر قدرت نہ ہونے سے بار بار آتی ہے، دور ہو سکے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا انتخاب اور حجاز کا سفر

مولانا محمد یوسف صاحب نے مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کی تحریک پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اس مبارک سفر پر آمادہ کیا اور حضرت شیخ الحدیث کے ایماء پر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ۲۶ جون ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ سے چل کر کراچی میں ۱۱ دن قیام کرتے ہوئے حجاز کا سفر کیا، اسی اثناء میں مولینا محمد یوسف صاحب بھی کراچی پہونچ گئے اور چند روز قیام کیا اور پھر دہلی واپس آگئے اس سفر میں پرانے حضرات جو ایک مدت سے تبلیغی کام کر رہے تھے مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہم رکاب تھے، اس وقت تک مولانا موصوف کی کوئی تصنیف عربی زبان میں ان ملکوں تک نہ پہونچی تھی جو بلا تکلف اہلِ علم حضرات کے ہاتھوں میں دی جا سکے، اس لئے وہ مقالہ جو ایشیائی کانفرنس کے موقع پر مولانا موصوف نے تحریر کیا تھا اور اب تک طبع نہ ہو سکا تھا وہ لطیفی پریس دہلی میں چھپنے کو دیا گیا اور باوجود دوڑ دھوپ کے روانگی تک نہ مل سکا، بعد میں کراچی قریشی صاحب کے پتہ پر بھیجا گیا اس مقالہ کا نام " الی ممثلی البلاد الاسلامیۃ" رکھا گیا۔ اس کے پہونچتے ہی ایسی مؤثر چیز ہاتھ آگئی جس کے ذریعہ عرب کے اہلِ علم حلقوں میں کام سے تعارف کا اچھا خاصہ ذریعہ نکل آیا۔

اجتماع اور تعارف کا آغاز

۲۹ رشعبان ۶۶ھ کو یہ قافلہ جدہ پہنچا، جدہ سے پہلے کامران میں تھوڑی دیر کے لیے جہاز رکا اور عربی پولیس اور بعض مقامی عہدیدار جہاز

پر آئے۔ ان سب کو مقالہ دیا گیا اور اس کے ذریعہ ان سے گفتگو ہوئی اور دینی دعوت و تبلیغ کا تعارف کرایا گیا، جدہ پہونچ کر تین روز قیام کیا، تیسرے دن یعنی ۳ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ روانگی ہوگئی۔ مدینہ منورہ پہنچتے ہی مختلف ملکوں کے طبقوں میں اجتماعات شروع ہوگئے۔ خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد مسجدِ نبوی میں گشت ہوتا تھا اور قریب کے ایک مکان کے نچلے حصے میں تبلیغی اجتماع کیا جاتا، پہلے جمعہ کے اجتماع میں مکہ مکرمہ کے مدرسہ عزیزیہ کے مہتمم (پرنسپل) شیخ عبداللہ السّاسی شریک ہوئے اور ان سے تعارف ہوا انھوں نے اپنی تائیدی تقریر سے اس کام کی بڑی تائید اور تحسین کی۔

ترکوں کا اجتماع شیخ عثمان ساعاتی ایک ترک عالم اور عربی زبان کے بڑے فاضل اور نہایت سلجھے ہوئے دماغ کے عالم ہیں، مدینہ منورہ میں قرآن مجید کا درس دیتے ہیں، ان کے مکان میں مخصوص ترکوں کا اجتماع کیا گیا، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تقریر ہوئی اکثر سامعین پر رقّت طاری تھی، مولانا نے دین کی عمومی دعوت دی اور ترکوں کی قدیم تاریخ اور محاسن بیان کئے۔ دینی نشأۃ ثانیہ کی تحریض کی، عثمان آفندی نے بڑے سلیقے کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا۔

علماء کے حلقے عموماً تراویح کے بعد علماء کے حلقے ہوتے تھے اور ان حلقوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر ہوتی تھی اور مذکورہ بالا مقالہ علماء کو دیا جاتا تھا، ان حلقوں میں مصری، شامی، حجازی، عراقی اور ترکی علماء و مشائخ اور اُدباء شریک ہوتے تھے ان حلقوں سے دعوت و تبلیغ کو جو قوت پہونچی اس کا قیاس کرنا مشکل نہیں ہے۔ بعض بعض اجتماعات میں بڑے بڑے خصوصی حضرات جمع ہو جاتے تھے، رمضان المبارک کے بعد مدرسہ شرعیہ میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع کیا گیا جس میں مصر کے کثیر التعداد لوگ شریک ہوئے اور انھوں نے اس کام کا بڑا استقبال کیا، اس درمیان میں مدینہ منوّرہ کے مضافات میں کئی بار عربوں کی جماعتیں گئیں، خصوصاً عیونؔ میں اور دامن احد کی آبادیوں میں راتوں کو قیام کیا گیا اور گشت و اجتماع کئے گئے۔

لہ یہ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا اس لئے عرب کافی تعداد میں ان باغات میں جمع ہوتے تھے۔

علماء مدینہ سے تعلق اس درمیان مشرقی پاکستان سے ایک تبلیغی جماعت آئی جس کے ساتھ مولانا عبدالعزیز کھلونوی تھے، مدینہ منورہ میں ایک صاحب علم بزرگ سید عبدالکریم مدنی تھے بنگال کے بہت سے لوگوں کا ان سے تعلق تھا، انھوں نے تکیہ مصریہ میں ایک اجتماع کیا، اس کے علاوہ قاضی مدینہ ابن زاحم، ابن ترکی جو سابق قاضی القضاۃ تھے، شیخ محمد الحرکان مدرس حرم نبوی شیخ عبدالرحمن افریقی، شیخ عثمان ترکی، شیخ صالح امام مسجد نبوی، شیخ ابراہیم حمدی ناظم کتب خانہ شیخ الاسلام، نیز کئی مصری علماء سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نیز حضرت شیخ الحدیث اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور دوسرے احباب و مخلصین کو مدینہ منورہ سے کئی خطوط بھیجے جن میں وہاں کے حالات، تبلیغی کام کی کیفیت، موانع اور ان کے حل اور کارکردگی کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا وہ افادہ عام کی خاطر درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کو لکھتے ہیں:۔

"دوسرے ہی روز سے عربی اجتماعات و مجالس کا سلسلہ شروع ہوا، جمعہ کی نماز کے بعد عربوں کا اجتماع ہوا جس میں بعض ممتاز علماء نجد بھی تھے جن کی ہم کو اطلاع نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے بڑی مدد فرمائی اور حیثیت و استعداد سے زیادہ کہلوایا، لوگ بہت مسرور و متاثر ہوئے، اس کے بعد ایک ہندی عالم نے اپنے عرب دوستوں کو مکان پر مدعو کیا، وہاں تقریر ہوئی اور کام کے موانع اور امکانات پر تبصرہ و مذاکرہ رہا، دوسرے جمعہ کو بعد نماز پھر اجتماع ہوا جس میں وزارت تعلیم کے بعض اشخاص و علماء نجد تھے، تقریر کے بعد انھوں نے جوابی تقریریں کیں اور اپنی مدد کا اطمینان دلایا، ایک مجلس، ایک طبیب الاسنان (دانتوں کے ڈاکٹر) کے یہاں ہوئی اس میں بعض اعیان تھے، اس عرصہ میں یہاں کے علماء اور شیوخ سے برابر ملنا ہوتا رہا سب حسن اخلاق و التفات سے پیش آئے۔"

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو اس وقت کے تبلیغی کام کی سطح اور اس کے مدارج کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

یہاں جب پہونچا تو معلوم ہوا کہ کام تھوڑا بہت جو کچھ ہے وہ مجاورین ومہاجرین میں ہے، اہلِ ملک اور اہلِ علم نے ابھی تک سنجیدگی سے کوئی توجہ نہیں کی اور نہ اس کی وقعت ان کے دلوں میں پیدا ہوئی ہے، ہم لوگوں کی آمد پر دوستوں نے یہاں کے علماء داعیان و علماء مکہ وغیرہ سے ملاقات کا نظام بنایا اور مجالسِ خصوصیہ کا انتظام کیا، تقریباً باری باری تمام موجودین علماء حرمین و علماء نجد سے ملنا ہوا لیکن ابھی تک معاملہ اعتراف سے آگے بڑھنے نہیں پایا، یہاں کام میں بعض وہ مقامی مشکلات ہیں جن کا اندازہ باہر سے ہو ہی نہیں سکتا اس لیے دعوت نے ابھی تک جڑ نہیں پکڑی اور نقش بر آب سے زیادہ نہیں، کوشش یہی ہے کہ علماء نجد و حرمین میں کوئی اللہ کا بندہ اس کا داعی بن جائے، لیکن ابھی تک کوئی ایسا نظر نہیں آتا، جو ایک دو زندہ نفوس ہیں اور ان میں کچھ استعداد ہے ان کو کچھ اشکالات ہیں، بہرحال اتنا ہوا کہ دعوت اور جماعت کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے ہیں۔"

اپنے ایک مخلص رفیق مولانا محمد ناظم صاحب ندوی کو اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"نمازِ تراویح کے بعد ہمارا کام شروع ہوتا ہے، مدینہ منورہ کے مختلف محلوں میں عربوں کے مختصر اجتماع ہوتے ہیں جن میں اکثر ہم کو خطاب کرنا ہوتا ہے، چائے اور قہوے کا دَور چلتا ہے اور زبردستی کئی کئی پیالیاں پینی پڑتی ہیں، مکہ معظمہ سے تین بڑے عالم اور حرم کے مدرسین آئے ہوئے تھے، ایک شیخ محمد العربی المغربی جو مکہ کے اکثر اساتذہ کے استاذ ہیں اور تاریخ وانساب میں خاص دخل رکھتے ہیں، دوسرے شیخ محمد امین الکتبی، تیسرے شیخ حسن مشاط، ان حضرات سے مجلسیں رہیں، علمی مذاکرات ہوئے۔[1]

---

[1] مرقومہ ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ۔

علماءِ مکہ سے ارتباط وسطِ ذی قعدہ میں یہ تبلیغی قافلہ مکہ مکرمہ گیا اور یہاں بھی علماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، چونکہ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی پہلے سے حرم مکی کے علماء سے رابطہ رکھے ہوئے تھے اس لئے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو ان علماء کے پاس لے گئے بالخصوص علامہ علوی مالکی جو ایک متبحر اور کثیر الفنون عالم بڑے گویا اور صاحبِ زبان ہیں، بہت مانوس ہوتے اور پھر مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان کے علاوہ شیخ امین کتبی، شیخ حسن مشاط، شیخ ابن عربی، شیخ محمود دشویل، شیخ عبد الرزاق حمزہ امام حرم اور دوسرے علماء سے برابر ارتباط و تعلق رہا اور علمی مجلسیں ہوتی رہیں، ان ملاقاتوں سے دعوتِ اصلاح و تبلیغ سے وہ اجنبیت جو پہلے تھی دور ہوتی چلی گئی اور انس بڑھتا چلا گیا۔

اصحابِ اثر کے حلقوں میں تبلیغی کام کا تعارف علماء اور اہلِ دین کے حلقوں میں اگرچہ کام کا تعارف ہو چکا تھا اور وہ کسی حد تک اس جماعت اور تبلیغی تحریک سے مانوس ہو چکے تھے، حجاز کا ادبی حلقہ جو نوجوانوں پر مشتمل تھا تبلیغی کاموں سے ناآشنا اور کسی قدر متوحش تھا۔ ان ادیبوں میں ایک ممتاز ادبی شخصیت عبد القدوس انصاری مدیر "المنہل" کی تھی جو باوجود مدرسۂ شرعیہ جیسے خالص دینی مدرسہ کے فارغ ہونے کے صرف ادیب اور صحافی تھے، ان سے تعارف ہوا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی نشست علمائے حرم میں سے زیادہ تر شیخ عبد الرزاق حمزہ امامِ حرم کے پاس رہتی تھی، وہ ایک وسیع النظر عالم اور بہت باخبر شخص تھے، ان سے کہا گیا کہ کسی ایسی شخصیت سے ملاقات کرائیں جو صاحبِ اثر و رسوخ ہو جس سے دین کا یہ کام تقویت حاصل کرے اور کام کے نئے راستے کھلیں، انھوں نے جواب دیا، کل ہم ایسے صاحب کے پاس چلیں گے جو سعودی اُمراء میں سب سے پڑھے لکھے آدمی ہیں، چنانچہ وہ امیر مساعد کے پاس لے گئے جو سعودی خاندان کے رکنِ رکین ہیں اور سلطان ابن سعود مرحوم کے بھائی ہیں۔ اس ملاقات میں

مفتی زین العابدین اور راقم السطور بھی موجود تھا۔

اس مجلس کے علاوہ بعض علمی مجلسوں، مدارس کے جلسوں میں شریک ہوتے۔ ان تمام مجالس میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہمراہ تبلیغی جماعت کے علماء اور اہل تعلق بھی شریک ہوا کرتے اور یہ اجتماع خالص تبلیغی اور علمی اجتماع بن جاتا۔

شیخ عمر بن الحسن آل شیخ جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد میں ہیں نیز قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام مملکۃ سعودیہ شیخ عبداللہ بن الحسن کے بھائی بھی ہیں اور ریاض کے ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے رئیس ہیں جن کے تعلقات ولی عہد مملکت امیر سعود سے بہت قریبی تھے اور انکے معتمد خاص تھے ان سے اچھے تعلقات قائم ہو گئے، جو لوگ جماعت کے متعلق مختلف شکوک پیدا کرتے تھے ان کے اس تعارف اور اعتماد کی وجہ سے شکوک پیدا کرنیوالوں کو کامیابی نہ ہوسکی۔

شیخ عمر بن الحسن کے برادرِ اکبر شیخ عبداللہ ابن الحسن سے بھی کئی بار ملنا ہوا اور وہ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ کچھ لوگ جماعت کے متعلق یہ تاثر پیدا کرتے تھے کہ یہ جماعت فاسد العقیدہ ہے اور یہ شکوہ علماء تک لے جاتے، علماء سے تعلق اور اہل رسوخ سے ملاقات نے شکایت پہونچانے والوں کے اثر کو ختم کردیا۔

حضرت شیخ الحدیث نے اسی درمیان مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اسی سلسلے میں ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا:

"یہاں آخر رمضان میں ایک مشورہ میں جس کو اہل شوریٰ آپ کو لکھیں گے یہ قرار پایا تھا کہ اس سفر میں بصورتِ وفد جناب کی ملاقات سلطان سے بھی ضروری ہے تاکہ اُن کو اس کام کی پوری حقیقت معلوم ہوجائے اور کسی اشتباہ کا محل باقی نہ رہے اور ان پر یہ چیز اچھی طرح واضح ہوجائے کہ اس جماعت کو ملکی سیاست سے کوئی واسطہ کسی نوع سے بھی نہیں ہے۔"

اس حج سے واپسی پر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے شاہ سعود کے نام جو اس وقت امیر اور ولیعہد

تھے ایک خط لکھا اور روانہ ہونے تک اس کو مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کے ذریعہ شیخ عمر بن الحسن کو بھیج دیا جو انھوں نے شاہ سعود کو پڑھ کر سنایا اور وہ بعد میں بین الجبایة والہدایة کے نام سے طبع ہو گیا۔

مختلف اجتماعات میں مولانا سید سلیمان ندوی کی تقریریں

۱۹۴۹ء میں مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی حج کو تشریف لیگئے، مولانا سید سلیمان ندوی سے عرب کے علماء بہت پہلے سے واقف تھے، اُنکے حجاز پہنچنے سے تبلیغی جماعت کے افراد نے بڑا فائدہ اٹھایا اور کئی ایسے اجتماع کئے جنمیں عرب کے علماء بکثرت شریک ہوتے اور حجاز، یمن اور شام و عراق کے علاوہ سوڈان، مصر، مراکش، ٹیونس کے علماء شریک ہوتے، اس سلسلے کا پہلا اجتماع حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں ہوا تھا اور بڑا کامیاب رہا تھا، مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک ایسے اجتماع کو خطاب کیا جس میں مصر و سوڈان، مراکش و ٹیونس کے فاضل علماء اور خواص جمع تھے، مولانا سید سلیمان ندوی نے نہایت اچھے پیرائے اور علمی اسلوب میں بڑے سلجھے ہوئے انداز سے دعوت و تبلیغ پر روشنی ڈالی، اجتماع کے اختتام پر سبھی علماء اور خواص نے اپنے اپنے پتے دیے۔ علما نے کام کو خوب سراہا اور اس کام سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔

اسی سال مرکز بستی نظام الدین کی طرف سے مولوی معین اللہ ندوی اور مولوی عبدالرشید ندوی طویل قیام کے لئے حجاز گئے اور ان دونوں ندوی نوجوانوں نے عربوں کے حلقوں میں تبلیغ کا کام کیا اور مشہور شخصیات سے تعلقات قائم کر کے بڑی حد تک توحش اور اجنبیت کو دور کیا۔

ادبی حلقوں میں تبلیغی کام کا تعارف

کسی ملک کے پڑھے لکھے طبقوں میں سب سے زیادہ وسیع اور موثر جماعت ادیبوں اور صحافیوں کی ہوتی ہے اور وہ اپنے قلم سے ملک کا رُخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر اُن کے اندر دین کا جذبہ ہے تو وہ دین کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتے ہیں اور دین کو بہتر سے بہتر طریقے پر پیش کر سکتے ہیں۔ عوام و خواص

اثر ہوتے ہیں۔ حجاز میں بھی اُدباء کی اچھی تعداد ہے ضرورت
عارف کرایا جاتا، سنہ ۱۹۵۰ء میں ان ادیبوں میں
اس سلسلہ میں سب سے پہلے سید محمود الحافظ (جو
اور ادبی حلقوں سے قریبی ربط رکھتے تھے) سے مدد
کے نامور ادیب احمد عبدالغفور عطار کا انتخاب کیا، ان
وسرے ادیبوں اور صحافیوں کو روشناس کرایا گیا

بستانِ مد عبدالغفور عطار نے بستان بخاری میں ایک اجتماع رکھا،
جس میں حجاز کے تقریباً تمام ممتاز نوجوان ادیب شریک ہوئے جن میں شیخ سعید العامودی
مدیر رسالہ "الحج"، رکن مجلس شوریٰ، عبدالقدوس انصاری مدیر "المنہل"، علی حسن قدعق
مینیجر جدہ کارپوریشن، محسن باروم، حسین عرب (جو بعد میں وزیر اوقاف وحج ہوئے) قابلِ
ذکر ہیں، دوسری طرف تبلیغی جماعت کے ارکان واصحاب تھے جن میں مولانا سید ابوالحسن علی
ندوی، مولانا سعید احمد خان صاحب کھیڑوی، حاجی فضل عظیم مُرادآبادی، حاجی عبدالواحد
صاحب، مولوی محمد رابع ندوی، مولوی رضوان علی ندوی، مولوی عبداللہ عباس ندوی، مولوی
محمد طاہر منصور پوری، حکیم احسان اللہ صاحب پشاوری قابلِ ذکر ہیں۔ سب سے پہلے
کھانا ہوا، پھر سوالات وجوابات کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس اجتماع سے اُدباءِ حجاز تبلیغی
کام سے روشناس ہوئے اور کسی قدر مانوس۔ اس اجتماع سے ان کا وہ توحش بھی دور
ہوا جو خالص دینی افراد یا جماعتوں سے ان کو تھا، اس کے بعد بُستان بخاری میں دُوسرا
اجتماع ہوا جس میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی اور اپنی علمی و
تعلیمی زندگی کی سرگزشت سناتے ہوئے بتایا کہ کن حالات واحساسات نے انکو دعوت
وتبلیغ کے کام کی طرف متوجہ کیا۔

وادیٔ فاطمہ کا سفر بستان بخاری کے اجتماع سے دونوں حلقوں اور جماعتوں

میں ربط و تعلق پیدا ہو گیا اور دونوں حلقے ایک دوسرے کے قریب آ گئے، اس سے یہ فائدہ اُٹھایا گیا کہ وادی فاطمہ کا ایک مختصر اور پکنک کے طرز کا دلچسپ سفر طے کر لیا گیا لیکن تبلیغی کام کی نیت سے کیا گیا، اس سفر میں تبلیغی کام کرنے والے اصحاب و اعوان بھی ادیبوں اور صحافیوں کے ساتھ شریک ہوئے، اس سفر میں مروّجہ تبلیغی اصول خصوصاً ایک خاص نظام الاوقات، خاص قسم کی تعلیم اور گشت، مذاکرہ وغیرہ کو بالارادہ نہیں رکھا گیا تاکہ یہ نوجوان طبقہ جس نے اب تک اس نہج کا کوئی سفر نہیں دیکھا تھا، تبلیغی احباب کے قریب آئے اور کوئی توحش محسوس نہ کرے۔

وادی فاطمہ کے ابو شعیب نامی مقام پر یہ متضاد خیالات کے لوگ جمع ہوئے اور ایک دوسرے کے قریب ہو کر بغیر کسی توحش اور اجنبیت کے وقت گزارا، تبادلہ خیالات کیا، یہ سفر دیکھنے کو مختصر تھا مگر اس نے ان ادیبوں کے دل و دماغ پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا اور اس کے بعد عوام و خواص، علماء، ادباء اور سربرآوردہ حضرات سب ہی تبلیغی جماعت سے مانوس ہونے لگے اور ایک دیوار جو ایک دوسرے کے درمیان کھڑی تھی گر گئی۔

طائف کا سفر | ۱۹۵۱ء میں تبلیغی کام کو حجاز کے حلقوں میں جمانے اور عام کرنے کے لیے چار نوجوان علماء کا انتخاب کیا گیا اور ان میں اکثر بستی نظام الدین کی طرف سے حجاز گئے تھے[۱]، ان چاروں نے علمی حلقوں میں پھر کر اور ملاقات کر کر کے تبلیغی کام کا تعارف کرایا، اسی سلسلے کا ایک سفر طائف کا کیا گیا۔ اس سفر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا سعید خان صاحب کھیڑوی، مولوی معین اللہ ندوی، مولوی محمد رابع ندوی اور شیخ احمد عبد الغفور عطار شریک ہوئے۔ امیر طائف کی مجلس میں شرکت کی۔ امیر طائف نے بڑا اکرام کیا، اس کے بعد مدرسہ دار التوحید میں جلسہ کیا، دوسرا جلسہ مسجد ابن عباس میں کیا گیا۔ طائف کے سفر

---

[۱] ان سے مُراد مولوی عبد اللہ عباس ندوی، مولوی محمد رابع ندوی، مولوی سید رضوان علی رام پوری ندوی اور مولوی سید محمد طاہر منصور پوری مظاہری ہیں۔

میں ایک ہفتہ صرف کیا گیا جس میں مختلف علماء ادیبوں، صحافیوں اور ذی اثر حضرات سے ملاقاتیں کی گئیں اور تبلیغی کام کا اچھا خاصا تعارف کرایا گیا۔

مدرسہ صولتیہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے ایک مدرسہ، مدرسۂ صولتیہ کے نام سے مکہ مکرمہ میں قائم کیا تھا۔ اس وقت سے مسلسل اس مدرسہ سے علماءؒ فارغ التحصیل ہو رہے ہیں اور اس مدرسہ کے ذریعہ علوم دینیہ کی دیارِ حرم میں بڑی اشاعت ہو رہی ہے اور اس کے فارغ التحصیل علماء، مختلف ممالکِ عربیہ میں اشاعتِ دین کا کام کر رہے ہیں۔ اس وقت اس کے مہتمم مولانا محمد سلیم صاحب ہیں جو ایک ہوش مند اور باخبر عالم ہیں انھوں نے تبلیغی جماعتوں کی امداد و تعاون میں نمایاں حصّہ لیا اور خصوصی سرپرستی کی اور اپنا مدرسہ ان جماعتوں کے قیام اور تبلیغ کے سلسلے کے اجتماعات کے واسطے گویا وقف کر دیا، خصوصًا مدرسۂ صولتیہ کی مسجد تو ان جماعتوں کا مرکز اور انکی قیام گاہ بن گئی، علمائے سے تعارف، خواص سے ارتباط پیدا کرانا، جماعتوں کی ہر طرح امداد کرنا اس مدرسہ کا شعار بن گیا ہے اور یہ خصوصیت شروع سے ہے جب سے عرب میں تبلیغی کام شروع ہوا ہے۔ ان تبلیغی جماعتوں اور مقامی عرب باشندوں اور مختلف ممالک سے آئے ہوئے علماء اور مشائخ کے درمیان اس مدرسہ نے برابر واسطہ کا کام دیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اس مدرسہ میں برابر قیام فرمایا اور اپنے آخری سفرِ حج میں شب و روز بڑے بڑے اجتماعات کو خطاب فرمایا۔ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث بھی تشریف رکھتے تھے اور اسی مدرسے کی عمارت میں قیام پذیر تھے جن کی بدولت مختلف ممالک کے شیوخ و علماء بھی اس مدرسے کی زیارت کرتے رہتے تھے۔

اب جبکہ مدرسہ صولتیہ کا ذکر آگیا ہے تو مولانا محمد یوسف صاحب کا وہ پیام جو بڑے بلند اور وقیع الفاظ پر مشتمل ہے نقل کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا نے یہ پیام ۱۳ صفر ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۶۴ء کو دیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ونصلی علی رسولہ النبی الامی الکریم، اما بعد! مدرسہ صولتیہ میں حج وعمرہ کے ذیل میں بار بار قیام رہا اور آخری مرتبہ کتب حدیث وتفسیر کے ختم میں بھی شرکت ہوئی حق تعالیٰ شانہ اہل مدرسہ کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرماتے کہ علوم دینیہ کے اسلاف کے طرز پر چلانے میں جد وجہد کر رہے ہیں اور باوجود انتہائی مشکلات کے اس کے فروغ کی صورت میں مشغول ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علوم الٰہیہ اللہ رب العزت کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں اور ساتوں زمین وآسمان ایک ذرہ علم کی قیمت بننے کی صلاحیت اپنے میں نہیں رکھتے، ایسے قیمتی علوم سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اعتنائی اور بے رخی اللہ رب العزت کے قہر کے لانے کا سبب ہے۔ جو حضرات اللہ رب العزت کی توفیق سے علوم نبویہ کے احیاء کی صورتوں میں منہمک ہیں وہ قہر خداوندی سے امت محمدیہ کے تحفظ کے سبب کو اختیار کر رہے ہیں۔ اور ان کا پوری امت پر احسان ہے کہ وہ علم کی محنتوں کی بنا پر قہر خداوندی کے نزول سے محفوظ ہیں، حق تعالیٰ شانہ اہل مدرسہ صولتیہ کو صفات قبولیت سے آراستہ فرمائے اور ہزار ہا مدارس کے قیام کا ذریعہ فرمائے، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم نبویہ کی طرف رجوع نصیب فرمائے اور ان علوم پر اعمال ویقین کو بھی زندہ فرما کر دارین کی ترقیات سے نوازے۔ آمین

محمد یوسف، بستی نظام الدین دہلی

حجاز میں تبلیغی کام کی رفتار و نوعیت خطوط کے آئینے میں

مکہ مکرمہ میں تبلیغی جماعتوں کی آمد اور کام کے نظم پر درج ذیل مکتوب پڑھئے جس سے اندازہ ہوگا کہ حجاز میں کام کی رفتار کیا ہے:

"گذارش ہے کہ گرامی نامے ۱۱ر رمضان و ۱۵ر رمضان کے وصول ہوگئے،

احوال سے آگاہی ہوئی، عربی اُردو خطوط کی نقلیں کرکے مدینہ طیبہ، جدّہ، الخبر روانہ کردی ہیں، مکہ معظمہ کے دوستوں کو سنا دیا ہے، آج ریاض کی ۳۶ نفر کی جماعت بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گئی ہے، مولانا سعید صاحب جمعرات ۲۰ رمضان کو بحرین پہنچے، اُسی دن بحرین سے الخبر، الخبر سے ریاض پہنچے وہاں اجتماع میں شرکت کی اور جماعت کی تشکیل کی، شیخ یوسف ملاحی وغیرہ بھی آئے ہیں مدرسہ میں قیام ہے اور سب جماعتی حیثیت سے ہیں، ان کا مقامی اور باہر کا نظم بنایا جارہا ہے۔ آج کل آخری عشرہ ہے، حجاز، کویت، افریقہ اور مدینہ طیبہ سے طلباء جامعہ اسلامیہ کے آئے ہوئے ہیں۔ جمعرات کے اجتماع میں اور حرم میں سب سے جوڑ ہو رہا ہے، مزید کوشش کی جارہی ہے، رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں جماعت طائف گئی تھی اور دوسرے عشرہ کی جماعت ینبوع البحر گئی ہوئی ہے، مدینہ طیبہ سے جماعت بدر گئی ہے، جدّہ سے ہر جمعرات کو احباب شہدا آتے ہیں۔ ارشد صاحب قرآن شریف بھی شہداء میں سناتے ہیں، شیخ محب اللہ اور کچھ مہاجرین معتکف ہیں، جمعرات کا اجتماع بدستور جاری ہے، آئندہ مشورہ جدّہ میں طے ہوا ہے، گذشتہ مشورہ میں باہر جماعتوں کی نصرت ریاض میں آنے والی جماعتوں کی نصرت ریاض کے کام کو اصولوں پر لانے کے متعلق حجاج کا کام حجاج سے متعلقین میں کام کے متعلق طے ہوا ہے کہ کویت میں پیدل حج والی جماعت کو روکا جائے، پھر ریاض میں ٹھیرایا جائے اور یہاں سے بھی جماعت نصرت کی ریاض بھیجی جائے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں تبلیغی کام کے متعلق منشی بشیر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں:

"کل صبح اور آج بھی بعد نماز مولانا سید ابوالحسن علی صاحب (ندوی) کا بیان لاؤڈاسپیکر پر ہوا، اشراق کے بعد مدرسہ صولتیہ کے دفتر میں شامی اور

مغربی احباب کا اجتماع ہوا، علی میاں نے ما شاء اللہ خوب بیان کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ (مولانا محمد الیاسؒ) کے حالاتِ زندگی سنائے، لوگ بہت متاثر ہوئے مولانا سعید احمد خاں صاحب نے مختصر سا مطالبہ ہند و پاک آنے اور یہاں کے قیام میں جماعتوں کے ہمراہ وقت لگاتے رہنے کا رکھا، شیخ حسین نے کام کے اصول معلوم کرنے کے لیے ہندوستان جانے کی ضرورت اور اپنے سفر کے حالات بیان کئے۔ آج ناشتہ کے بعد یہاں کے ٹائم سے تقریباً دو بجے مسجد صولتیہ میں ہند و پاک کے حجاج کو جمع کیا گیا، حضرت مولانا نعمانی نے بیان فرمایا، خود روئے اور سامعین کو رُلایا، مولانا سعید احمد خاں صاحب نے مطالبہ رکھا، کچھ نام پیدل مدینہ پاک جانے اور کسی ملک سے ہوتے ہوئے واپس ہونے کے لیے آئے اور بھی دوسری مجلسوں میں کچھ کچھ نام آرہے ہیں"۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ شب گزاری کے لئے دو مرکز بنائے گئے، ان مرکزوں میں ہر ہفتہ جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب جماعت والے گزارتے ہیں اور جماعتوں کی تشکیل ہوتی ہے، مدینہ منورہ کا مرکز مسجد النور اور مکہ مکرمہ کا مرکز شہدا ہے۔ مولانا جب حج کو تشریف لے گئے تھے تو ان مراکز میں دعوتی تقریر فرمائی تھی اور شب گزاری کی تھی۔ مسجد النور باب العوالی کا پہلا جلسہ بغیر مولانا محمد یوسف صاحب کے ہوا، آخری دن میں ارشد صاحب مرحوم کا جیپ کا رُلٹ جانے کی وجہ سے انتقال ہوا، حجاز کی تاریخوں کے اعتبار سے یہ اجتماع ۱۳، ۱۴، ۱۵ / شعبان ۸۴ھ کو ہوا، مغربی پاکستان سے مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری اور ابراہیم عبد الجبار صاحب کراچی والے شریک ہوئے۔

مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری مکہ مکرمہ سے ایک مکتوب کے ذریعہ عربوں میں کام کی شکلوں کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں:۔

"حج سے پہلے جدہ اور مکہ مکرمہ میں کام ہوتا رہا۔ عرب حضرات دیر

سے پہونچے، فجر اور مغرب بعد عمومی حلقے جن میں مختلف زبانوں میں پورے
حرم شریف میں بیانات ہوئے اور عصر بعد تعلیم، بعد میں گشت کے لیے جماعتیں
پھیلتی تھیں، اس کے علاوہ مختلف ممالک کو جانے پر علیحدہ علیحدہ جوڑ کر دین
کی بات کی گئی، روزانہ اشراق کے وقت اور عصر کے بعد الگ الگ ملک والوں
کے اجتماعات ہوئے، مصر، شام، سوڈان، مراکش، ٹیونس، لیبیا، عراق، افریقہ،
ترکیہ، صومال، جاوا، امریکہ، ملیبار، کویت، الجزائر ان ممالک کو جوڑ کر الگ الگ
بات کہی، اکثر احباب کو مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے باہر صولتیہ کے دفتر میں جوڑا،
ان میں بعض کو جدہ، مدینہ میں جوڑا، ان میں کئی حضرات کام سے متعارف نکلے،
علاوہ ازیں حضرت مولانا علی میاں کے عنوان پر علماء اور خواص کو جوڑا۔ منیٰ میں
مسجد خیف سے مختلف جگہوں پر جماعتیں روانہ کر کے کام کیا۔ مسجد خیف میں بھی کئی حلقے
ہوئے، خاص بات یہ دیکھی کہ لوگ خود مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے ملک والوں میں بھی
دین کی بات کر دو۔ ہر جگہ لوگ مسائل پوچھتے نظر آئے۔ اس سے پہلے حج میں یہ بات
نایاب تھی، خدا کا شکر کرنے کا موقع ہے، حتیٰ کہ منیٰ میں بعد نماز عشاء قیام گاہ پر شام
کے ذمہ دار حضرات موڑ لے کر آئے اور اپنی قیام گاہ پر لے جا کر لوگوں کو جوڑ کر
بات کروائی، عرفات کا عجیب غریب منظر تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد ہمارے احباب نے
وہ خطبہ پڑھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا، ظہر سے لے کر غروب آفتاب
تک مسلسل ذکر و چیخ و پکار میں احباب کا وقت گزرا اور خیموں کے حجاج بھی ہمارے
خیموں میں آگئے تھے، خدا یہ دن سب کو بار بار دکھائے اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔
منیٰ میں خصوصی گشت میں مختلف ملکوں کے خواص سے ملاقات ہوئی، ہر جگہ کام کا تعارف
نکلا، طواف زیارت اور صفا مروہ کی سعی میں کافی ہجوم تھا، کل ہی شہداء کے اجتماع سے
فراغت ہوئی، عراق، لبنان اور کویت کے لئے احباب تیار ہوئے۔ حبشہ بھی احباب

جائیں گے، ہمارے ساتھ دو حضرات ہیں، ایک شام کے خالد حسنون صاحب دوسرے اُردن کے غزالی صاحب، ان کے علاوہ شام کے دو حضرات واپس جارہے ہیں، بعد میں انشاء اللہ آئیں گے، اِن دونوں حضرات کے ساتھ انشاء اللہ حاضری ہوگی، کل جدّہ روانگی ہوگی جس جہاز میں جگہ ملے گی انشاء اللہ سوار ہوجائیں گے۔"

ایک تبلیغی کارکن حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب) مدظلہ العالی کے منشائ کے مطابق مولوی سعید احمد خاں صاحب کے ساتھ یہیں مدینہ منورہ میں تبلیغی محنت کے سلسلے میں قیام ہے۔ آپ حضرات کے یہاں قیام اور دُعاؤں پر محض اللہ کے فضل سے پہلے کی نسبت مہاجرین و عرب حضرات میں سے زیادہ فکر و نقل و حرکت ہے، شب منگل کو مسجدِ نور کے اجتماع میں لوگ خوب جمع ہوتے ہیں۔ عربی اور اُردو میں علیٰحدہ علیحدہ حلقے ہوتے ہیں، ہر ہفتہ ۳ روز کی جماعت مدینہ منورہ کے ماحول میں جاتی ہے۔ ایک جماعت چلہ کے لئے تبوک ایک ماہ کے لئے سکاکہ، ایک جماعت دس یوم کے لئے خیبر اور ایک جماعت دس یوم کے لئے ینبوع البحر، (جو سعودی عرب کی ایک نئی گودی بن رہی ہے، آئندہ سال سے یہاں بعض عرب ممالک کے حجاج اترا کریں گے) گئی۔

اس طریقہ سے جماعتوں کی روانگی بھی مختلف علاقوں میں ہوتی رہی اور مولانا کی حیات میں بکثرت جماعتیں نکلیں اور حجاز کے قصبات اور دیہاتوں میں برابر وقت لگاتی رہیں، اس سلسلہ میں ایک مکتوب درج ذیل ہے۔ مولانا سعید احمد صاحب کھیڑوی حضرت شیخ کو تحریر کرتے ہیں:۔

"عرصہ دراز سے حضرت والا کی خیریت موصول نہیں ہوئی جس کی وجہ سے

تشویش رہتی ہے، حق تعالےٰ صحت کاملہ عاجلہ نصیب فرماتے، بندہ ایک جماعت کے ساتھ سکاکہ، تبوک کے سفر میں گیا ہوا تھا جہاں ڈاکٹر وحید الزماں حیدرآباد والے ملازم ہیں، انھوں نے ہی جماعت طلب فرمائی تھی، یہ جگہ عراق کے قریب ہے، دومۃ الجندل میں ایک گاؤں اس کے قریب ہے، جہاں حضرت خالدؓ ایک دستہ لے کر گئے تھے اور وہاں کا قلعہ جو اَب تک کھنڈر کی شکل میں کھڑا ہوا ہے، ایک یاد پہلوں کی تازہ کر رہا ہے، وہاں حضرت عمرؓ کے نام کی جامع مسجد بھی موجود ہے، اب حکومت نے ایک نئی جامع مسجد دوسری جگہ بنادی ہے اور پہلی جامع میں جمعہ کی نماز موقوف کردی، وہاں ایک متدین شیخ نے اپنا خواب سنایا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس میں جمعہ موقوف نہ کیا جائے ورنہ فتن دیکھنے پڑیں گے۔ اس نے اپنا خواب قاضیٔ شہر کو سنایا تو اس نے معذرت ظاہر کی کہ جمعہ قائم کرنا حکومت کی اجازت سے ہوتا ہے، وہاں تک پہنچنے کی طاقت نہیں پاتے، اس کے قرب و جوار میں دوسرے مقامات پر بھی جانا ہوا، وہاں کے امیر نے جو آلِ سعود سے ہے بڑا اکرام کیا، اس کے لڑکے سے، جو امریکہ میں پڑھتا ہے اور چھٹی پر آیا ہوا تھا، ملاقات ہوئی اور دعوت سمجھانے کی سعی کی، متواضع ہے، امیر بھی لڑکا بھی، عام لوگوں میں دینداری پائی جاتی ہے، سکاکہ ایک بڑا مرکزی مقام ہے، ... ۲۵ ہزار کی آبادی ہے کھجور کے باغات مدینہ پاک سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک جماعت بنادی گئی، دعا فرمادیں کہ حق تعالیٰ ثابت قدم رکھیں، تبوک میں ۹ روز رہنا ہوا، کام کا تعارف تو اکثر لوگوں کو ہے، سب ملازم حکومت ہیں، اس لیے باہر نکلنا دشوار بتلاتے ہیں، اس کے قریب دیہات میں محلوں میں ساتھ دیتے ہیں، مدیر جمرک مطار نے خاص طور پر مساعدت کی اور امام جامع، نائب قاضی نے توجہ اور محبت ظاہر فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی جگہ ایک مسجد حجر کے نام سے ہے، عام مسافر اسی میں ٹھہرتے ہیں، کچھ ہندوستان کے تاجرین وہاں ہیں، انھوں نے خوب ساتھ دیا۔

حجاج اور اہلِ حجاز نیز حجاز میں بغرضِ حج آئے ہوئے مختلف عرب ممالک کے حجاج میں تبلیغی کام کا عروج اس وقت ہوا جبکہ مولانا یوسف صاحب نے آخری حج فرمایا جس کا تفصیلی ذکر حج کے باب میں آئے گا، اس زمانہ میں حجاج کے جتنے بڑے بڑے اجتماع ہوئے اور مختلف ممالک کے علماء، ومشائخ عوام وخواص سے جتنی تبلیغی گفتگوئیں ہوئیں اور ان اجتماعات ومجالس سے جتنی زیادہ تعداد میں جماعتیں نکلیں اور تبلیغی کام کا تعارف ہوا اس کی مثال نہیں ملتی، درحقیقت مولانا محمد یوسف صاحب کے اس آخری قیام کا زمانہ تبلیغی کام کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا اور اگر ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۹۶۴ء کے پورے زمانہ کا اس مختصر سی مدت کو نچوڑ اور عطر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

نواں باب

عرب ممالک میں تبلیغی جماعتوں کی نقل و حرکت اور اُس کے اثرات و نتائج

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
"محمدِ عربی سے ہے عالمِ عربی"

عرب ملکوں سے مسلمانوں کا تعلق اور دنیا کے نقشے میں ان کا مقام

سرزمین عرب سے دُنیا کے مسلمانوں کو جو کہ جذباتی تعلق ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ بیت المقدس جیسے مبارک شہر آباد ہیں جن کی زیارت کے لیے ہر مسلمان آنکھ ترستی ہے، اور جن پر فدا ہونے کے لیے ہر مسلمان دل بے قرار رہتا ہے اور یہ تعلق قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور اس متاعِ تعلق اور محبت کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حجاز اور عرب کے دوسرے اکثر ممالک میں صحابۂ کرامؓ کے مبارک قدم پڑے۔ حق و باطل کے درمیان معرکے ہوتے اور اسلامی پرچم لہرائے۔ صحابۂ کرامؓ نے اپنی زندگیاں گذاریں اور ان ممالک کی سرزمین کو اپنے مبارک جسموں کا امین بنایا اور صدیوں

تک مسلمان بادشاہوں نے جس دبدبہ اور شان سے حکومت کی۔ علماء اور فقہا نے جس فراخدلی اور فیاضانہ طور پر علم و حکمت کے چشمے جاری کئے اور مدارس اور خانقاہوں کا جال بچھایا وہ کسی تاریخ داں سے پوشیدہ نہیں۔ ان علمأ و صوفیاء اور بادشاہوں کی وجہ سے پہلی صدی سے لے کر تیرھویں صدی کے آخر تک عرب ممالک کو دنیا کے نقشے میں نمایاں اور ممتاز جگہ حاصل تھی اور اسلام کا رُعب پوری دنیا پر قائم تھا۔ یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں اور طاقتیں ان صحرانشینوں اور بادیہ پیماؤں کے آگے بے دست و پا اور مجبور نیاز تھیں جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا۔

تھا جہاں ہنگامہ ان صحرانشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اِک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور

مُردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیرِ توہم سے ہُوا

یورپین طاقتوں کا حملہ اور مغربی تہذیب کا اثر و رسوخ

تیرھویں صدی کے آخر میں مغربی طاقتوں نے اپنے بال و پر کھولے اور چند ہی سالوں میں پورے عالم عربی پر چھا گئیں اور خود مختار اور آزاد مسلمان عرب حکومتوں نے اپنے اپنے سپر رکھ دیے اور ان بے رحم استعماری طاقتوں کے سامنے بے دست و پا ہو گئیں، یورپ کے عیسائی بادشاہوں نے ان ممالک پر قبضہ کیا کیا کہ ظلم و بربریت کا دروازہ کھول دیا۔ مغربی تہذیب و تمدن کا ایک سیلاب آیا اور ایسا آیا کہ عربی خصائل، تہذیب و تمدن، امتیازی خصوصیات تک کو بہا لے گیا اور دینی غیرت و حمیت ایمان و یقین، جذبۂ جہاد، کفر سے نفرت جیسی انمول و نایاب متاع کو ڈبو کر رکھ دیا، اُمرائے حکومت سے لے کر علمأ و عوام تک اس میں ایسے بہے کہ شاذ و نادر۔ لباس بدلا، معاشرت بدلی، تہذیب بدلی، خیالات و عقائد تک میں انقلاب آیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مغربی

تہذیب کی گود میں ٹوٹے ہوئے پھلوں کی طرح جا گرے۔

کیا سُناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں　　مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ　　خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز
ہو گئی رُسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ　　جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبورِ نیاز

ایک جد و جہد اس صورتِ حال کو دیکھ کر ممالکِ عربیہ کے اہلِ درد و فکر علماء نے کروٹ لی اور اپنی انتہائی کوششوں سے اس ذلت و خواری کی زندگی سے عوام کو متنبہ کیا۔ اس سلسلے میں ہم مجبور ہیں کہ مصر کی "اخوان المسلمین" کی خدمات، ایثار، قربانی، اسلام پر فدائیت کا کھلے دل سے اعتراف کریں۔ آج عالمِ عربی میں جہاں جہاں ایمان و یقین، ضبطِ نفس، دین پر مر مٹنے کا جذبہ پایا جاتا ہے اور نوجوان تعلیم یافتہ طبقوں میں ایمان و یقین کی جو بھی لہر آئی ہوئی ہے اس میں اس جان فروش جماعت کا اگر پورا نہیں تو سب سے بڑھ کر ہاتھ ہے۔ اس جماعت کے امیر و قائد "حسن البنا" مرحوم ایک بڑے عالم اور صوفی تھے اور ۱۹۲۸ء میں انہی کے مبارک ہاتھوں نے "اخوان المسلمین" کی جماعت کی تشکیل کی اور پورے تین سال تک انھوں نے ہر ہر شہر کی مسجدوں کی تنظیم کی۔ انمیں داعی الی اللہ خطیبوں اور مقرروں کا انتظام کیا۔ عوام سے انتہائی قریبی رابطہ قائم کیا۔ فضائل کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی۔ ان کے جلسے کرتے اور اصول و ارکانِ اسلام کی تعلیم دیتے اور ایمان و یقین کو زندہ کرتے۔ اس عرصہ میں اس جماعت کو ایسے ایسے فعال تازہ دم، علم آشنا خرد مند نوجوان اور علماء میسر آگئے جن کی بے قراری اور بے تابی نے سوئے ہوئے عوام اور الحاد و زندقہ کے شکار جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بیدار کر دیا۔ اُن کو ایمان و یقین کی روشنی بخشی۔ ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کے مقابلے میں ان کی جاں فروشی اور جاں سپاری دوسروں کے لیے مثال بن گئی تھی۔ انھوں نے اپنے جذبۂ ایمانی اور شوقِ شہادت سے دشمنوں کے پاؤں اکھیڑ دیئے تھے۔ اس جماعت نے اپنی اس خود اعتمادی سے مسلمان ملک میں رہتے ہوئے اصلاحِ حکومت کا بیڑہ اٹھایا اور عوامی اصلاح کے ساتھ ساتھ حکومت کے

عہدہ داروں کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ یہیں سے اُن کی زندگی کی پٹری بدلی اور وہ نہ ختم ہونے والی آزمائش اور ابتلاء محن کے دور میں داخل ہو گئی۔ ۱۹۴۸ء میں حسن البنا کو شہید کر دیا گیا اور جماعت کے دوسرے افراد دار و رسن کی آزمائش میں ڈال دیے گیے۔ ۱۹۴۸ء سے اس وقت تک جبکہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں ہزاروں قابل ترین افراد جن سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوتی اور جن کی محنتوں اور کوششوں سے اسلام کے نقوش ثبت ہوئے اور جن کے قلم سے الحاد و زندقہ کا بڑھتا ہوا سیلاب تھمنے لگا تھا ان اذیت ناک مرحلوں سے گزر رہے ہیں جن کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کتنے قیمتی افراد کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اے کاش یہ نہ ہوتا۔

تبلیغی جماعتوں کی جدوجہد اور خالص دعوتی انداز

مغربی تہذیب کے اثر و رسوخ کی وجہ سے پورے عالم عرب میں سادگی و جفاکشی اور سادہ معاشرت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے علماء آرام و آسائش کی زندگی گزارنے لگے تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن نے زندگی کے ہر ہر گوشہ میں جگہ پکڑ لی تھی۔ اجنبی لوگوں کی آمد و رفت پر کڑی نگاہ رکھی جاتی۔ تبلیغی جماعتوں نے جب پہلے پہل کام شروع کیا تو ان کو مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، اجنبی صورتوں، اجنبی باتوں اور اجنبی طور طریق کی وجہ سے شروع شروع مقامی لوگ ان سے دور دور رہتے تھے۔ خدا نے "وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے اصول پر ان جماعت والوں کی مدد کی اور جماعت والوں نے بھی یہ طے کر کے کہ کسی پارٹی یا حکومت سے کسی قسم کا ربط و تعلق یا مقابلہ اور ٹکراؤ نہ کیا جائے گا۔ کسی سے امداد و تعاون کا طلب گار نہ ہوا جائے گا۔ جب بھی کوئی رکاوٹ آئے گی تو حاکم سے سفارش نہ کی جائے گی بلکہ دُنیا کے اصول کے خلاف صلوٰۃ الحاجت پڑھ پڑھ کر اس خدا سے مانگا جائے گا جس کے کام کے لیے ان ملکوں کی خاک چھاننے نکلے ہیں۔ جماعتوں کے نقل و حرکت کے سلسلے میں ہمیشہ مندرجہ بالا اصول و طریقۂ کار کو پیش نظر رکھا گیا اور انہی اصولوں پر عمل کرنے

کے نتیجہ میں خدا نے قدم قدم پر ان کے لیے راہیں کھولیں۔

مولانا علیٰ محمد صاحب پالن پوری جنھوں نے عرب میں بہت زیادہ کام کیا ہے اور عرب میں کام کرنے کا بڑا تجربہ رکھتے ہیں، اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

"ایک جماعت ۱۹۶۳ء میں شام گئی تھی۔ جب شام کی سرحد پر پہنچی تو پولیس نے روک دیا۔ جماعت والوں نے اپنے خدا کی طرف رجوع کیا اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے لگے اور پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ بڑی آسانی ہوگئی، جنھوں نے روکا تھا وہ ساتھ دینے لگے اور خلافِ توقع جتنا رکنا تھا اس سے زیادہ رکنا ہوا اور ہر جگہ خوب کام ہوا اور گیارہ آدمیوں کی جماعت بھی نکل کر ہندوستان آئی۔"

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اپنے مبارک الفاظ میں جماعتوں کے طریقۂ کار کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

"تبلیغی احباب اپنے غیر ملکی سفر عموماً حرمین سے شروع کرتے تھے۔ خواہ وہ ممالک عرب کے ہوں یا یورپ وغیرہ کے۔ خصوصاً مدینہ طیبہ سے روانگی ہوتی تھی جس میں باطنی برکات کے علاوہ ظاہری مصالح بالخصوص کرنسی وغیرہ کی مشکلات سے ایک حد تک امن تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سہولت اس میں منجانب اللہ یہ ہوتی تھی کہ حج کے موقع پر چونکہ اطرافِ عالم کے لوگ شریک ہوتے تھے اور وہ لوگ اس دینی کام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اس لیے ان میں اس کام کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور وہ جانے والوں کے لیے فی الجملہ معین بنتے تھے۔ اس سب کے باوجود جماعت کو اس مبارک کام کے اندر جو مجاہدے اختیار کرنے پڑتے تھے۔ مثلاً پیدل چلنا، چنوں اور کھجور پر کبھی کبھی گذر کرنا۔ یہ چیزیں آنے والی تھیں اور آتیں لیکن اس کے ساتھ اللہ کی جانب سے جو کھلی ہوئی اعانتیں اور مددیں ہر ہر

موقع پر ہوتی رہتی تھیں ان کی تفاصیل کو اس جماعت کے اکابر ہمیشہ تذکروں میں لانے سے بچتے رہے بلکہ روکتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی سیکڑوں واقعات ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خواب میں اس جماعت کی خبر گیری کا حکم فرمایا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ "میری جماعت آرہی ہے اسکی دعوت کرنی ہے"

اس سلسلے کے صرف دو واقعات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

(۱) "حماۃ میں ایک جماعت گئی ہوئی تھی۔ وہاں پر ایک عرب صاحب نے رات کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ بہت ہی بے قراری کے ساتھ عربوں سے فرما رہے تھے کہ یہ لوگ میرا کام کر رہے ہیں۔ تم ان کے ساتھ لگو۔ اس خواب کے بعد مقامی لوگ اس کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے[۱]

"اسی طریقے سے حماۃ میں جماعت کام کر رہی تھی۔ ایک بڑی پارسا اور بزرگ عورت جو دن میں کئی ہزار بار درود شریف پڑھتی تھی اس نے جماعت کی دعوت کی۔ جماعت نے حاجی محمود درواس سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس خاتون کی دعوت ضرور قبول کرنی چاہیئے۔ یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہے اور بہت بزرگ خاتون ہے۔ جب جماعت اس بزرگ خاتون کے مکان پر پہنچی تو اس نے پوچھا کہ تم میں کوئی عربی جاننے والا ہے؟ لوگوں نے مولانا عیسٰی محمد صاحب پالنپوری کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے پردے کے پیچھے سے کہا کہ، تم جانتے ہو کہ میں نے تمہاری دعوت کیوں کی، نہ تم سے میری کوئی جان ہے اور نہ پہچان۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک تاج اُترا ہے اور ایک ہندوستانی کے سر پر رکھا گیا ہے۔ میں نے دعوت اس لیے کی کہ دیکھوں کہ وہ آدمی تم میں ہے یا نہیں۔ وہ تم میں نہیں ہے۔ اس کی صورت مجھ کو یاد ہے۔"

---

[۱] منقول از محمود درواز صاحب بواسطہ مولانا عیسٰی محمد صاحب پالنپوری

آگے شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں:

"اس کے ساتھ ہی اُصولی طور پر اس جماعت کے اکابر کی طرف سے یہ تاکید رہی ہے اور اس پر سب سے زیادہ تاکید رہی جو گویا تقریباً اس جماعت کا مزاج بن گیا کہ حکومت یا حکومت والوں کی طرف سے کسی قسم کی کوئی اعانت قبول نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کی دعوت سے بھی احتیاط اور ان کے ہدایا سے بھی احتراز کیا جائے۔ ان سب کے ساتھ یہ چیز نہایت اہم اور قابلِ لحاظ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس طرح کی مددیں اخلاص اور جد وجہد کے بعد ہوا کرتی ہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

اِذَا اشْتَدَّتْ بِکَ الْبَلْوٰی فَفَکِّرْ فِی اَلَمْ نَشْرَحْ

فَعُسْرٌ بَیْنَ یُسْرَیْنِ اِذَا فَکَّرْتَهٗ فَافْرَحْ

جتنی بھی اللہ کے راستے میں اخلاص و جد وجہد زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی آگے راستے کھلنے کی اللہ کریم کی عادت مُستمرہ ہے۔ اپنی جان و مال اس میں خرچ کرنے کے تہیّہ سے نکلے اور اپنی وسعت کے موافق اس میں خرچ کرے تو اللہ کی طرف سے رحمت کے دروازے کھلے نظر آتے ہیں۔ چندے کا معمول اس جماعت میں نہیں ہے۔ ہر شخص جب تہیّہ کرتا ہے تو اپنے اوپر تنگی اُٹھا کر اور جتنا تحمّل ہوتا ہے اس کے موافق خرچ کا انتظام کرکے سفر کرتا ہے اور جب وہ اسے خرچ کرلیتا ہے تو پھر اللہ کی طرف سے ضرور معاونتیں ہوتی ہیں اور جب پہلے ہی یہ نیّت کرکے چلتا ہے کہ کہیں سے کچھ ملے گا تو بڑی مشکلات میں پھنس جاتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ کے قصّے اور ان کی سیرت ان کیلئے مشعلِ راہ بنتی ہے۔ ان کے مذاکرات ان کی تعلیم کا جزء ہیں۔ تھوڑے خرچ کے درمیان برکت کے واقعات تو ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اس کے علاوہ خوارق کی نوع کے بھی بہت سے واقعات ہیں۔"

جماعت والوں نے یہ طریقہ ہر مسلمان عرب ممالک میں اپنایا نیز اور دوسرے ممالک میں بھی اسی طریقہ کار کے پابند رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب ملکوں میں ان جماعتوں کا اچھا استقبال اور تعارف ہوا یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جہاں جہاں یہ جماعتیں گئی ہیں وہاں کی کایا پلٹ گئی ہے اور سو فیصدی لوگوں میں دینی انقلاب آگیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جن حلقوں میں تبلیغی کام کیا گیا۔ وہاں کے لوگوں کے دلوں میں دین کی عظمت اور جماعت والوں کی سادگی اور جفاکشی کا نقش بیٹھ گیا اور مجموعی طور پر یہ تاثر قائم ہو گیا کہ حقیقت میں یہ کام ایسا ہے کہ جس کے کرنے سے اپنی اور دوسروں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور فضا ایمان سے معمور ہو سکتی ہے اور ایک تعداد ایسی بھی نکل آئی جس نے اپنے اوقات کو فارغ کیا اور دور دراز مقامات کا سفر کیا ہندوستان آئی اور وقت لگایا۔ اور ان میں بعض ایسے بھی اہل درد نکلے جنھوں نے اس کام کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا۔

ایک تبلیغی جماعت جس نے عرب ممالک کا دورہ کیا تھا اس کے ایک رکن رکین نے حضرت شیخ کو ایک مکتوب تحریر کیا جس میں عرب ممالک کے حالات وکیفیات اور تبلیغی کام کے اثرات و نتائج کے سلسلے میں بڑی تفصیلات تحریر کی تھیں، اس مکتوب کی چند سطور درج ذیل ہیں۔

"ایسے ماحول میں جہاں ہر شخص اپنے آپ کو دین کا عالم اور دنیوی امور کا ماہر سمجھتا ہو، ہمارا اپنی باطنی کمزوریوں اور ظاہری وضع قطع کی اجنبیت کے ساتھ نئی زبان میں ناقص انداز سے ایسے کام کو پیش کرنا جو بالکل غیر رواجی ہے، بظاہر کس قدر مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے اور کون اس زمانہ میں اس کی جرأت کر سکتا ہے۔ مگر اللہ جل شانہٗ کا بے حد و بے پایاں شکر و احسان کہ

اگر کہیں ہمارے لباس صورتوں اور ڈاڑھیوں کا بچّے اور نوجوان مذاق اڑاتے اور بعض دفعہ چھیڑ چھاڑ بھی کرتے تھے تو بہت سے نوجوان اور بزرگ ایسے بھی ملتے تھے کہ جو ان ہی چیزوں کا حد درجہ اکرام و احترام کرتے۔ ہماری باتوں کو بغور سنتے اور دست وجبہ بوسی کرتے تھے۔ ہماری انکی معاشرت میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ ایک طویل عرصے تک فرنگیوں کے تسلّط و استعمار کی وجہ سے عادات واطوار میں بیشتر ان ہی کی تقلید کی جاتی، کھانا وہ لوگ عمومًا چمچوں چھری کانٹوں کیساتھ میز پر کھاتے ہیں۔ لباس ان لوگوں کا ہمارے مقابلے میں نہایت صاف ستھرا اور زیادہ تر انگریزی وضع کا۔ ان کی رہائش کا معیار بہت بلند، ذہانت و ذکاوت، جرأت وجسارت کے اعتبار سے ہم میں ان میں زمین آسمان کا فرق۔ دینی اور عصری علوم میں بھی (سوائے جزائریوں کے) ماشاء اللہ ہم سے وہ بہت آگے ہیں، پھر آخر وہ کیا بات ہے کہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور ناقص اندازِ بیان کے ساتھ ہم نے کلام شروع کیا تو عوام ہی نہیں، تعلیم یافتہ حضرات جامع ازہر و جامع زیتونہ جیسی مشہورِ عالم یونیورسٹیوں کے فضلاء، مساجد کے ائمہ اور خطباء تک ہماری باتوں سے متاثر ہوتے اور بیان کے بعد کبھی تو علی الاعلان اپنی تقریروں میں، بسا اوقات اپنی نجی صحبتوں میں اپنے ایمان کی کمزوری اور اپنے اعمال کے نقص کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ محض اللہ رب العزت کا فضل و کرم، اس مقدس کام کی برکت اور بزرگوں کی دعاؤں کا فیضان ہے۔"

ایک محفل میں علمائے کرام، مدیران، مدرسین اور دیگر حکام جمع تھے۔ ہم نے تبلیغی کام کی ابتداء اس کی دشواریاں، پھر رفتہ رفتہ اس کی وسعت و افادیت اور بیرونی ممالک میں اس کے اثرات کا تفصیل سے ذکر کیا تو سب بہت متاثر ہوئے پھر

جب کھانے کا وقت آیا تو دسترخوان حسب دستور انگریزی طرز پر چنا گیا۔ ہر ایک کے سامنے پلیٹ چھری، کانٹے اور دیگر لوازمات رکھے گئے۔ ہم نے موقع کے لحاظ سے کھانے کی چند سنتیں بیان کر کے ایک ایک پلیٹ میں دو دو نے ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا تو انمیں سے بھی بعض حضرات نے بڑی خوشی سے اسیطرح کھایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم اگر اپنی اسلامی معاشرت پر جمے رہیں تو یہ چیز بتدریج عام ہو سکتی ہے۔

مصر لیبیا، ٹولس اور الجزائر ہر ملک کے کسٹم والوں نے جہاں اوروں کے پاسپورٹ اور سامان کی تفصیل اور سختی سے جانچ پڑتال کی وہاں ہمارے سامان کو کسی نے کھول کر بھی نہیں دیکھا۔ دوسرے لوگوں نے گھنٹوں کھڑے کھڑے انتظار کی تکلیف برداشت کی اور ہم لوگوں نے وہیں چٹائیاں بچھا کر تعلیمی حلقہ جما یا اور اطمینان سے تعلیم و تعلم اور نمازوں میں اپنا وقت گزارا اور کسٹم کے ملازمین اور دیگر مسافروں میں سے بھی بعضوں کو اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ اسی طرح بسوں اور ٹرینوں کے اسٹیشنوں پر تعلیمی حلقے اذانیں اور نمازیں خاص کر ٹرین میں با جماعت نماز سب کے لئے بالکل انوکھا عمل تھا۔"

مکتوب نگار اس سفر میں بعض قانونی رکاوٹوں اور عملی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس طرح قدم قدم پر خداوند قدوس کی غیبی نصرتوں کے ساتھ ہم آگے بڑھتے رہے پھر جب ہم ٹیونس پہنچے تو جس مسجد کا ہمیں پتہ دیا گیا تھا وہاں قیام کرنا چاہا تو امام صاحب نے کہا کہ گزشتہ مرتبہ جو تبلیغی جماعت آئی تھی اور چند روز اسی مسجد میں ٹھہری تھی اس کے جانے کے بعد حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ آئندہ اس قسم کے جو لوگ آکر مسجد میں ٹھہرنا چاہیں، پہلے ان کو پولیس اسٹیشن روانہ کیا کرو، لہذا آپ پہلے وہاں ہو آئیں پھر مسجد میں قیام ہو سکے گا، چنانچہ ہم سب کو وہاں جانا پڑا، پھر وہاں جو کچھ پیش آیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم میں سے

ہر ایک سے فرداً فرداً تنہائی میں مختلف سوالات کئے جاتے رہے اور ان کے جوابات قلمبند کئے جاتے رہے اور "کتابۃ الدولۃ لشئون الثقافۃ والارشاد" سے ربط پیدا کرکے ان کے مشوروں سے کام کرنے کی ہدایت کی گئی اور تین گھنٹے بعد وہاں سے رہائی ہوئی پھر ٹولس کے تقریباً دو تہائی علاقے کے اہم شہروں اور قصبات کا ہم نے گشت کیا، مگر تقریباً ہر جگہ پولیس کے لوگ مسجد میں پہونچ جاتے پھر ہمیں تھانہ جاکر پاسپورٹ کی تنقیح کرانا اور سوالات کے جوابات قلمبند کرانا پڑتا تھا۔ ایک مقام پر تو خطیب مسجد نے نہ صرف بیان سے روک دیا بلکہ درس حدیث کی بھی ممانعت کردی۔ لوگوں نے ہمیں بتایا کہ کچھ عرصے پہلے ہماری طرح کے لوگ اڑھیوں اور شرعی لباس میں آکر قال اللہ قال الرسول کہہ کہہ کر جاسوسی کا کام کرتے رہے، اس لیے حکومت ایسے لوگوں پر کڑی نگاہ رکھتی ہے کہ کھلے دشمنوں سے اتنا خطرہ نہیں جتنا ان دوست نما دشمنوں سے ہے۔ جو لوگ ہمارے کام سے متاثر ہوکر ہمارے ساتھ نکلتے تھے، پولیس بعض مرتبہ ان کی اس طرح تلاشی لیتی اور ایسا سخت رویہ اختیار کرتی تھی کہ آئندہ کسی کو ہمارے ساتھ نکلنے کی بھی جرأت نہ ہو۔

ان ساری رکاوٹوں کے باوجود بحمداللہ بیسیوں شہروں اور قصبات میں گشت ہوا، صدہا مساجد میں کام ہوا۔ ہزاروں انسانوں کے سامنے تبلیغ کا عمل آیا اور کئی لوگ قرب وجوار کے علاقوں میں ہمارے ساتھ نکلتے رہے، چند لوگوں نے ہندوستان چلنے کی تمنا بھی ظاہر کی مگر قانونی پابندیوں اور مالی دشواریوں کی وجہ سے مجبور رہے۔

مصر | جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں ۱۹۴۶ء سے حجاز میں کام ہو رہا تھا اس کے ساتھ عرب ممالک کے حجاج میں کئی اجتماع کئے گئے۔ خصوصاً مصری حجاج کے کئی بار اجتماعات ہوئے ان اجتماعات سے عرب ممالک کے علماء، عوام اور خواص اس تبلیغی کام سے روشناس ہوئے

اور دوسرے عرب ممالک میں کام کا دروازہ کھلا، اس سلسلے میں یہ مشورہ کیا گیا کہ دوسرے عرب ممالک میں بھی جماعتیں بھیجی جائیں تا کہ اس کا اثر حجاز پر بھی پڑے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی اجازت پر مولانا عبید اللہ بلیاوی نے ایک جماعت کی تشکیل کی، اس جماعت میں مفتی زین العابدین لائلپوری، مولانا سعید خان صاحب کھیڑوی مہاجر (جو اس وقت حجازی کام کے نگراں اور امیر ہیں) مولانا ابراہیم میواتی شریک تھے۔ یہ جماعت مصر گئی اور وہاں قصبات اور شہروں میں کام کی بنیاد رکھی اور گشت کئے۔ اس کے بعد دوسری جماعت گئی۔ اس میں بڑے انصاری صاحب، مولانا عبداللہ صاحب بلوچ۔ محمد نور صاحب خورجوی تھے۔ اس جماعت کے امیر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ہوئے۔ اس جماعت نے مصر میں کام کو اور آگے بڑھایا اور حلقہ کو وسیع کیا۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنے دو رفقاء مولوی معین اللہ اور مولوی عبدالرشید کے ہمراہ مصر کے سفر پر گئے اور ساڑھے پانچ ماہ مسلسل قیام کیا۔ قاہرہ پہونچنے کے تیسرے دن مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی بھی ساتھ ہو گئے اور آخر تک ساتھ رہے، مولانا نے علمی حلقوں اور دینی اجتماعات میں کئی تقریریں کیں جن سے تبلیغی کام کا اچھا خاصہ تعارف ہوا اور علمی اور دینی حلقوں نے اس کام کی تحسین کی، لیکن اب تک صرف تعارف اور تحسین کی حد تک بات تھی۔ اس سلسلے میں ایک سفر جو خالص تبلیغی اصول کے ساتھ ہوا تفصیل سے درج ہے۔

ایک تبلیغی سفر

۱۴ اپریل ۱۹۵۱ء کو المحلۃ الکبریٰ کا ایک تبلیغی سفر ہوا۔ ۱۵ اپریل ۱۹۵۱ء بروز اتوار مسجد اہل السنۃ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے رفقاء نے صبح کی نماز پڑھی اور تقریر کی اور حاضرین سے مطالبہ کیا کہ وہ جماعت بنا کر نکلیں نمبر دہ (جو المحلۃ الکبریٰ کا ایک قصبہ ہے) کے لیے ایک لاری کی گئی۔ اور تقریباً پچاس آدمی امیر

بیٹھے اور نبردہ گئے پہلے مسجد گئے اور اس سفر کا مقصد بیان کیا، اس کے اصول و آداب بیان کئے، ظہر کے بعد کئی جماعتیں بنیں اور ہر جماعت ایک ایک قریبی گاؤں میں گئی اور گشت کیا اور مغرب سے پہلے مرکز آ گئے۔ نبردہ اور اس کے متصل سارے گاؤں کے لوگ آ گئے اور مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تقریر کی اس کے بعد امام مسجد محلۃ الکبریٰ استاذ یوسف القرضاوی نے تقریر کی۔

دوسرے دن دوشنبہ ۱۶ / اپریل ۱۹۵۱ء کو بعد نماز فجر تقریر کی اور مولوی عبدالرشید ندوی نے اور مولوی محمد معین اللہ ندوی اور مولانا عبیداللہ بلیاوی نے تقریریں کیں اور اس کے بعد محلۃ الکبریٰ آ گئے اور دن وہیں گذارا اور مولانا عبیداللہ بلیاوی نے عورتوں کے ایک اجتماع میں تقریر کی اور عشاء کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تقریر کی۔[2]

جماعت شباب سیدنا محمدؐ کے مرکز میں تبلیغی اجتماع

شباب سیدنا محمد مصر میں نوجوانوں کی ایک دینی تنظیم تھی۔ مرکز دارالارقم میں جمعرات یکم مارچ ۱۹۵۱ء کو ایک جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ہندوستان میں دینی دعوت کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت کا تفصیل سے تعارف کرایا اور تبلیغی تحریک کی تاریخ پر تقریر کی۔ یہ پہلا تعارف تھا جس میں میوات کا تذکرہ تبلیغی چھ اصول، تفریغ اوقات، پیدل جماعتوں اور سوار جماعتوں کی تفصیل بیان کی۔ اس سفر سے "جماعت شباب سیدنا محمد" نے بھی اس طریقہ تبلیغ کو اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کہا کہ اگر جماعت اس کا تجربہ کرے تو ہم بھی ساتھ چلیں گے

جمعیۃ الشرعیہ کے مرکز میں

اس کے بعد اتوار ۸ / اپریل ۱۹۵۱ء کو دوبارہ المحلۃ الکبریٰ جانا ہوا اور جمعیۃ الشرعیہ کے مرکز میں عشاء کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تبلیغی تحریک کے

---

[1] حال مقیم، دوحہ (قطر)۔
[2] مذاکرات ص۱۰۳، ص۱۵۷، ص۱۶۸، ص۱۶۹۔

تعارف میں ایک تقریر کی۔ اس سفر میں مصر کے مشہور اہلِ قلم شیخ احمد الشرباصی بھی تھے، مولانا نے ہندوستان میں اِس کام کی وجہ سے جو ثمرات اور نتائج پیدا ہوئے ہیں ان کی تفصیل بیان کی اور اسی تقریر میں کسی گاؤں میں جماعت نکلنے اور اس طرز پر جو طرز میوات میں تھا جماعت نکالنے کی دعوت دی۔ اس دعوت کا بڑا اچھا اثر پڑا اور سب نے بخوشی اور جوش و خروش سے قبول کیا۔ دوسرے دن صبح درس دیا۔ اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی گئی۔ بعد نمازِ عصر عورتوں کے ایک اجتماع میں مولانا عبید اللہ بلیاوی نے تقریر کی، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بعد مغرب ہندوستان کی تبلیغی جماعت کی کارگزاری، اس کے اصول اور طریقہ کار پر خطبہ دیا اور پھر قاہرہ آگئے۔

جماعتوں کی مسلسل روانگی اور نتائج واثرات

اس کے بعد ہی مختلف جماعتوں کی آمد و رفت شروع ہوئی اور حرمین سے (مختلف ملکوں کی جن میں اکثریت ہندوستانی اور پاکستانی حضرات کی ہوتی) جماعتیں نکلنے لگیں۔

سب سے بڑی دشواری زبان کی تھی۔ جماعتوں کے ساتھ بہت کم لوگ ہوتے جو زبان پر قدرت رکھتے، لیکن جماعتوں کے خلوص وللّٰہیت اور جہد و مشقت، ایثار و قربانی، سادگی و متانت نے زبان دانی کے پردے کو ہٹا دیا اور مقامی لوگوں کے دلوں کو محبت و قدردانی سے بھر دیا۔

ایک جماعت کے ساتھ رحیم خاں صاحب (جو مولانا محمد الیاس صاحب کے دور کے ایک پرانے کام کرنے والے اور صحیح اصولوں پر وقت گزارنے والے تھے) گئے تھے، اپنی جماعت کے سفر کی روداد مولانا سعید خان صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کو اس طرح لکھتے ہیں:

"آپ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے مصر پہنچ گیا۔ جہاز کا سفر نہایت

خوشگوار رہا۔ دعوت کی برکت سے جہاز ایک خاندان یا کنبہ کی طرح ہوگیا۔ جبل طور میں دو روز قیام رہا۔ وہاں باقاعدہ اذان، نماز وگشت عمومی ہوا۔ ایک روز سوئز قیام رہا پھر دوسرے دن قاہرہ پہنچ گئے۔ قاہرہ احباب سے ملنے کے بعد دوسرے دن وہ محلۃ الکبریٰ پہونچے۔ وہاں سے کام شروع کیا۔ زمین زرخیز ہے۔ شہر سے دیہات اور دیہات سے شہر جماعتوں کی باقاعدہ نقل وحرکت رہی۔ تعلیم عمومی گشت، عمومی وخصوصی ذکر تلاوت خوب رہی۔"

جماعتوں کی پے در پے نقل وحرکت سے مقامی عرب حضرات کام میں دلچسپی لینے لگے اور عوام سے لے کر خواص تک اجتماعات میں شرکت کرنے لگے۔ اس سلسلے میں ایک جماعتی بھائی اپنے مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"اب قاہرہ میں خصوصی وعمومی کوشش جاری ہے۔ تین دن کی جماعت بھی باہر بستی اور یم میں لگ گئے تھے۔ اللہ کے فضل سے اچھی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہاں پہلے سے ہفتہ واری اجتماع اور جمعہ کو بعد عصر عشاء تک کے لئے باہر کی بستیوں میں چلا جانا موجود ہے۔ یہاں آنے کے بعد پاکستانی سفارتخانے جانا ہوا اور وہاں احمد صاحب حسنی سے ملاقات ہوئی۔ حسنی صاحب جدہ میں بھی رہ چکے ہیں۔ کام سے بھی تعارف ہے۔ مولانا علی میاں کے بھائی ہوتے ہیں۔ چنانچہ کل انھوں نے غیر ملکی سفارت خانوں کے لوگ اپنے مکان پر جمع کئے۔ نائجیریا کے اپوزیشن لیڈر مع تین ایم۔ ایل۔ اے، الجزائر کے سفیر، لیبیا کے سفیر، اُردن کے سفیر، انڈونیشیا کے سفیر اور پاکستانی سفارت خانے کا اسٹاف موجود تھا۔ ہم میں سے تین حضرات وہاں گئے۔ خوب اچھی طرح بات ہوئی۔ نائجیریا، الجزائر وملایا نے کام کو خوب سراہا۔ الحمد للہ ساتھیوں میں خوب جوڑ ہے، دعاؤں کی درخواست ہے۔"

جو جماعت بھی مصر جاتی تھی وہ صرف شہروں اور متمدن علاقوں میں کام کرنے پر اکتفا

نہیں کرتی تھی بلکہ دیہاتوں، قصبوں اور اندرونِ ملک کے دُور دراز علاقوں میں سواری سے بھی اور پیدل سفر کرتی تھی۔ اس پر ذراسی روشنی حسب ذیل مکتوب سے پڑیگی، مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے ایک مکتوب میں مولانا محمد یوسف صاحب کو تحریر کرتے ہیں :۔

"تین چار یوم قاہرہ میں قیام کے بعد مینا میں تقریبًا ایک ہفتہ قیام رہا اور مختلف محلوں میں ائمہ کرام کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں، مینا سے پیدل الزقازیق ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مختلف دیہاتوں میں ایک روز اور دو روز قیام کرتے ہوئے دو ہفتہ میں کچھ احباب پہنچے۔ دو روز کے سفر کے بعد باقی ساتھی سواری سے واپس مینا اور مینا سے المحلۃ الکبریٰ ہوتے ہوئے دو ہفتہ کے بعد الزقازیق پہنچے۔ ان دیہاتوں میں پہلی بار احباب کا جانا ہوا، لوگ بہت محبت اخلاق سے پیش آتے رہے تقریبًا سب دیہاتوں سے کچھ نہ کچھ لوگ ہمارے ساتھ دوسرے گاؤں تک اور کچھ ایک روز دو روز بعد اس کم وبیش اوقات کے لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان اور آپ کی دعاؤں کی برکات۔

الزقازیق سے دو ہفتہ کے بعد ہم وہاں کے مقامی حضرات کو لے کر بیت عمر آئے وہاں سب مختلف جگہوں کے دوستوں کو اوقات گزارنے کے سلسلے میں مشورہ پر جمع کیا تھا۔ قاہرہ، مینا، الزقازیق۔ المحلۃ الکبریٰ کے احباب سب جمع تھے۔ ہر جگہ کے ساتھیوں سے جمعہ کی نماز کے بعد اور پہلے کارگزاری سُنی گئی، قاہرہ اور مینا والوں میں بہت ندامت تھی اور اکثر حضرات رو رہے تھے۔ محلۃ الکبریٰ والوں نے اپنے یہاں کے گشتوں کا ذکر کیا اور تھوڑی سی کارگزاری بھی سنائی۔ پھر ہر جگہ کے ساتھیوں کو علیحدہ علیحدہ بٹھادیا گیا تاکہ وہ اپنے اپنے گشتوں اور تعلیم کا مشورہ کرلیں۔ الحمد للہ سب نے ہی اپنے اپنے دن گشت اور تعلیم کیلئے مقرر کرلئے۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر سب حضرات جمع ہوئے پہلے مشورے کے آداب بیان ہوئے۔ اس کے بعد اوقات گزاری کا مشورہ ہوا۔"

عام استقبال | مقامی باشندوں کے استقبال اور دعوت کو لبیک کہنے کے سلسلہ میں ایک مکتوب کا حسب ذیل اقتباس پڑھئے:

"بندرگاہ پر قاہرہ سے سات عرب حضرات لینے آئے تھے۔ اسکندریہ والوں نے بہت زور دے کر ایک روز کے لیے روکا۔ کافی جذبہ سے ساتھ دیا۔ دوسرے دن موٹر میں ہم سب قاہرہ پہونچے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب مع احباب کے دوسرے دن محلۃ الکبریٰ سے قاہرہ پہونچے۔ ملاقات ہوئی، ساتھ میں کافی عرب حضرات تھے، سب پر رقت تھی۔ عجیب وغریب منظر تھا۔ قاہرہ میں اہل عرب کا اس کام سے اتنا جڑنا پایا گیا گویا ہمارے ملک کے احباب ہوں، نوجوانوں کے چہروں پر داڑھیاں، نماز کا خشوع اور خدمت گزاری اور ہر بات پوچھ کر کرنا اصولوں کا معلوم کرنا۔ ہر عمل کی اونچ نیچ معلوم کرنا۔ یہ سب دیکھ کر ہم سب پر ان کا اثر پڑتا۔ تین سال پہلے ملک مصر کے سفر میں ساتھ پیدل سفر کرنے والے احباب میں سے جو جماعتوں کو لے کر چلتے ہیں مراکش کے لئے تین چار حضرات تیار ہوئے، پاسپورٹوں کی قانونی رکاوٹ کی بنا پر ساتھ نہ چل سکے۔ البتہ قاہرہ سے اسیوط کے راستے سے اسواں کے لیے، جو سوڈان سے قریب ہے ایک جماعت مصری عربوں کی روانہ کی۔ آٹھ سو کلومیٹر کا فاصلہ، چار ماہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جس میں سبھی عرب تھے، بہت خوشی سے روانہ ہوئے۔ ہمارے ملک کیلئے بھی مصری احباب ملے ہیں۔ اللہ کام سیکھنے کا جذبہ آسان کرے، اہل مصر میں خوب علماء و مشائخ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ مولانا حبیب اللہ کے ساتھی کچھ بیمار حضرات ہیں تاہم معاملہ ٹھیک چل رہا ہے۔ مصری احباب اچھے مانوس ہوئے ہیں ملک مصر میں آٹھ دن قیام رہا"

مولانا محمد یوسف صاحب نے عرب ممالک میں جماعتوں کی ایسی داغ بیل ڈالی کہ جماعتوں کی مسلسل روانگی اور نقل وحرکت ہوتی رہی، اکثر عرب ممالک میں جانے کے لیے مصر

ان جماعتوں کی گذرگاہ کا کام دیتا رہا اور ان جماعتوں کا لازماً مصر میں جانا ہوتا رہا۔

سوڈان مولانا عبید اللہ صاحب کا پہلے سوڈان کا ایک سفر ہو چکا تھا اور بعض جماعتیں بھی جاچکی تھیں اور مولانا ابوالحسن علی ندوی ۱۹۵۱ء میں مصر گئے تھے۔ مصر کے بعد دونوں حضرات سوڈان گئے۔ سوڈان میں دو مشہور شخصیتوں کا اثر ہے (۱) سید میر غنی پاشا جن کا حلقہ اثر بہت زیادہ ہے اُن کے مُریدین و معتقدین لاکھوں کی تعداد میں ہیں (۲) شیخ عبدالرحمٰن مہدی جو مشہور و معروف شخصیت مہدی سوڈانی کے فرزند ہیں۔ ان کے حلقہ اثر میں بھی سوڈان کی بھاری تعداد ہے۔ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو سید میر غنی نے اپنے ایک خلیفہ کے یہاں خرطوم بحری میں ٹھہرایا۔ ان دونوں حضرات نے زمانۂ قیام میں مختلف شخصیات اور عمائد اور علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور مختلف اجتماعات میں تقریریں کیں[۱] ان دونوں حضرات کے اس سفر سے سوڈان میں تبلیغی کام اور مولانا محمد یوسف صاحب کی دینی تحریک سے لوگ واقف ہوئے۔ ان دونوں حضرات کی واپسی کے بعد تبلیغی جماعتوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور تبلیغی کام سوڈانی علاقوں میں ہونے لگا۔

سوڈان جانے والی ایک جماعت کے امیر اپنے ایک مکتوب میں حسب ذیل تاثر کا اظہار کرتے ہیں:

"ہم خدام یوم السبت کو بوقت مغرب سوڈانی نامی جہاز سے سواکن روانہ ہوئے۔ جہاز میں تقریباً سات سو حاجی تکرونی اور دوسری مختلف سواریاں تھیں۔ جہاز میں حاجیوں اور مسافروں سے بات ہوتی رہی۔ تعلیم بھی ہوئی اور جہاز کے کپتان اور دوسرے افسران سے ملاقات بھی کی گئی اور کام کا

---

[۱] اس کی تفصیلی روداد مولانا ابوالحسن علی ندوی کے عربی روزنامچہ مذکرات السائح میں دیکھی جائے ص ۱۹۲

تعارف بھی کرایا گیا۔ کام میں شرکت کے وعدے بھی کئے۔ دوسرے دن بوقت عصر سواکن پہونچے۔ عشا کے بعد مولوی غلام رسول صاحب نے عوام اور خواص کے مجمع میں جماعت کے آنے کی غرض اور نصرت کی درخواست کی۔ اس شہر میں تین دن تک کام کرتے رہے اور چار نفر کو نقد نکال کر اپنے ہمراہ پورٹ سوڈان پہونچے یہاں ساری مسجدیں حکومت کے قبضے میں ہیں۔ ایک مسافر خانہ میں سامان ڈال کر ملاقات کرنے نکلے۔ ظہر میں تمام خواص تشریف لے آئے اور بعد میں کام ہوا۔ جامع عمر باشیخ میں قیام ہوا۔ مسجدوں میں دعوت و گشت کا نظام چلتا رہا۔ لوگوں نے تین تین چلّوں کے لیے ہند و پاک کے لیے نام دیئے عمر عبدالرحمٰن باشیخ اور سید حسین الحسنی نے ہر وقت ہماری مدد کی۔ اور اس کام کو دل سے قبول کیا اور فرماتے ہیں کہ ہم خود اپنے بارے میں کوشش کریں گے اور دوسروں کو بھی دعوت دیں گے لیکن آپ جلدی نہ کریں بلکہ خرطوم جا کر کوشش کریں چنانچہ آج دوشنبہ کو ہم خرطوم روانہ ہو رہے ہیں"۔

ایک دوسرے مکتوب کو ملاحظہ کیجئے جو ایک رفیقِ سفر نے اگرچہ مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو تحریر کیا لیکن اس سے سوڈان میں تبلیغ کی صحیح نوعیت کا پتہ چل سکے گا۔

"ہم چار نفر پورٹ سوڈان پہونچ کر وہاں سے تیس میل دور سواکن روانہ ہوئے اور قرنطینہ میں چار دن گزارے۔ قرنطینہ میں دوسرے حجاج اور ہسپتال کے عملے سے بھی بات چیت ہوتی رہی۔ بعض ڈاکٹروں نے اپنے رشتے داروں کے پتے بھی دیے، جن پر لوگوں سے ملاقات بھی ہوتی رہی۔ حج میں بعض حجاج کے دیئے ہوئے پتوں پر بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ قرنطینہ سے فارغ ہو کر تین دن پورٹ سوڈان میں دو مسجدوں میں گزارے۔ متعارف احباب سے اور علما سے ملاقاتیں ہوئیں کسی

درجہ کام کی تجدید ہوئی بعض احباب نے نکلنے کے ارادے کئے۔ پورٹ سوڈان سے روانہ ہو کر جبیت میں دو یوم کے لئے اُترے، وہاں کے لوگ دین دار، سادہ اور بہت رغبت والے ملے، دو دن تک ہمارے ساتھ انکا کافی اختلاط رہا، چار احباب ہمارے ساتھ عطرہ اور خرطوم تک کیلئے نکلے، عطرہ میں شیخ احمد نوادی کی مسجد میں اترے، یہاں پر پہلے بھی کئی بار احباب آچکے تھے۔ بعض پہلے ساتھیوں کو انھوں نے یاد کیا۔ انکے صاحبزادے نے ہمارے یہاں جانیکا ارادہ بھی کیا، انکے ایک صاحبزادے کی ہمارے ہاں کے حضرات سے خط و کتابت بھی رہی ہے۔ شیخ مذکور نے بہت شفقت فرمائی۔ ان کے صاحبزادے عثمان احمد نوادی گشتوں میں بھی ساتھ رہے۔ بعض دوسرے احباب بھی ملے جو پہلے اس کام میں نکل چکے تھے۔ عطرہ کے بعد خرطوم اُترے۔ دو ہفتہ خرطوم میں گذرے مختلف مساجد میں کام ہوا۔ خرطوم سے جنوب سوڈان کی اجازت نہ مل سکی۔ روانگی پر بعض ساتھی ۱۰۔ ۲۰۔ ۲۵ روز کے لیے ہمراہ نکلے۔ مدنی، کوستی، جبلیں، جودہ، القیقر، رنک اور بعض دوسرے دیہات میں کام ہوا۔ ہر جگہ سے بحمداللہ لوگ ہمارے ساتھ تھوڑے بہت وقت کیلئے نکلتے رہے۔ مقامی جماعتیں بھی بعض جگہوں پر بنائی گئیں۔ گشت، تعلیم کے اوقات بھی مقرر ہوئے۔ اس وقت جنوب کے راستے میں سرحدی گاؤں میں کام کر رہے ہیں۔ واپسی تک اس علاقہ میں کام کرنے کی نیت ہے۔ ساتھی بحمداللہ جڑے ہوئے ہیں، روزانہ گشت تعلیم، دعوت، لوگوں کو نکالنے کی کوشش کے ساتھ کسی درجہ تلاوت، نوافل، ذکر اور دینی تعلیم کا بھی اہتمام ہے۔ یہاں کے لوگوں میں ماشاء اللہ ضیافت، ذکر اور تواضع بہت ہے۔ کوستی سے آگے تمام علاقہ کام کے اعتبار سے نیا ہے۔ ایسے لوگ بھی کثرت سے ہیں جن کا کوئی دین و مذہب نہیں۔

مولانا کی حیات میں مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی کے سفر کے بعد میاں جی عیسیٰ ایک

جماعت لے کر گئے تھے اور وہاں کی مشہور دینی جماعتوں کے قائد شیخ عبدالرحمٰن المہدی اور شیخ میرغنی سے ملاقات کی اور اُن کے سامنے اپنے آنے کا مقصد اور تبلیغی تحریک کے اُصول و مقاصد رکھے جن کو سُن کر دونوں رہنماؤں نے سراہا اور اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

عراق عموماً ہند و پاک کی تبلیغی جماعتیں حجاز اور دوسرے عرب ممالک، دو راستوں سے جاتی ہیں۔ ایک راستہ مشہور ہے جو عدن، کامران ہو کر جاتا ہے۔ دوسرا راستہ کویت بصرہ، عراق ہو کر جاتا ہے۔ ان دونوں راستوں پر مسلسل جماعتیں کام کرتی ہوئی مختلف ممالک کا سفر کرتی ہیں ان مقامات پر پیدل جماعتیں بھی کام کرتی ہیں اور سواری کے ذریعہ بھی قیام کرتی ہوئی مختلف علاقوں میں پھیل جاتی ہیں۔ ایک جماعت جو بمبئی سے بصرہ ہوتے ہوئے عرب ممالک گئی تھی، اسکے رکن مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں۔

"کویت میں خبر ملی کہ بصرہ نہ اُترنے دیا جائے گا۔ ساتھی متفکر ہوئے۔ حصن حصین کو اہتمام سے پڑھا گیا اور ذکر، تلاوت، دعا، صلوٰۃ الحاجۃ میں سب نے اضافہ کر دیا۔ اہل کویت نے کویت اتارنے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ ہو سکا...... الحمدللہ بصرہ اترنا ہو گیا۔ قریۃ الزبیر[1] جانا ہوا۔ یوسف بھائی مع ساتھیوں کے کام کر رہے تھے۔ بصرہ سے جنوب کے دیہاتوں میں ان احباب نے کام کیا تھا۔ اچھا اثر رہا۔ ترکی جانے والے احباب بھی وہیں مل گئے۔ دو دن کے بعد بغداد جانا ہوا۔ بصرہ کی مساجد میں کام کی شکلیں ہوئیں۔ دو حضرات ساتھ نکلے قریباً پانچ سو کلومیٹر کا ریل کا سفر ہوا عید بغداد میں ہوئی۔ یوسف بھائی مع احباب کے بغداد آگئے۔ مختلف مساجد میں کام ہوا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مسجد میں بھی کام ہوا۔ اچھی فضا رہی۔ پیر ابراہیم صاحب کا چار ماہ ہوئے انتقال ہوا تھا، اب انکی جگہ ان کے صاحبزادے پیر نجم الدین صاحب آنے والے ہیں۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ بہت خوش ہوئے

---

[1] یہ عراق کی مشہور تاریخی بستی ہے جس کو حواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، اس بستی کی زیادہ تر آبادی نجدی ہے۔

اور دعائیں دیں۔ حضرت جیلانی کی اولاد میں سے ہیں اور ہند بھی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مسجد کے امام صاحب شیخ عبد القادر مدظلہٗ سے ملاقات ہوئی۔ ولی صفت، متواضع خلیق بزرگ ہیں۔ با اثر ہیں۔ ہندوستان آنے کی تمنا کرتے ہیں۔ بہت ہی ذکی، فہیم، حاضر دماغ متقی ہیں۔ چاروں طرف مغربیت اور بے دینی، عورتوں کی عریانی کے باوجود دین پر جمنے اور جمانے والوں میں ہیں یہ شیخ بھی ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے چالیس سال پہلے ایک بہت بڑے بزرگ نے حالت کشف میں بشارت دی ہے کہ ہندوستان جاؤ۔ جب پوچھا ہندوستان بہت بڑا ہے، کہاں جاؤں؟ تو فرمایا "دہلی جاؤ" حالانکہ وہ بزرگ کسی شہر سے واقف نہ تھے۔ بہت بے قراری سے تاکید کی جاؤ۔ جب سے میں متمنی ہوں۔ خدا کرے ایک مرتبہ جانا ہو جائے۔ اس کے بعد ان کے سامنے دین کی موجودہ محنت کو کھولا۔ انھیں بڑا تعجب ہوا کہ دہلی کی بشارت ملی اور وہیں پر دین کا درد رکھنے والے حضرات آج بھی دہلی اور اطراف دہلی میں ننو دو ننو میل میں ملتے ہیں"۔

مولانا ضیاء الدین احمد صاحب جنھوں نے مختلف ممالک کے بہت سے تبلیغی سفر کئے ہیں۔ ایک جماعت کے ہمراہ عراق وغیرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہ اپنے مکتوب میں اپنا تاثر تحریر کرتے ہیں:

"میں اٹھارہ فروری کو بصرہ پہونچا اور وہاں کام کرتے ہوئے عید سے قبل تمام احباب یعنی جماعت لندن و جماعت مراکش و جماعت ترکی بغداد پہنچ گئے۔ یہاں گزشتہ سفر میں بھی کام ہوا تھا۔ الحمد للہ اس مرتبہ بھی خوب خاص بغداد اور اس کے دیہات میں عربوں کو ساتھ لے کر کام کرنے کا موقع ملا، یہ قیمتی عرب جن میں اب تک اعلیٰ اخلاق اور دینی عظمت موجود ہے۔ یورپ کی محنت سے ان کی معاشرت اور نقشوں میں تبدیلی ہو رہی ہے گویا ہماری غفلت کی وجہ سے جس مبارک زمین پر حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کا باغ اور چمن لگا کر گئے تھے اس کو دشمنوں نے اجاڑ کر اپنے درخت اور باغ لگانے کی کوشش کرکے باغ کے نقشے کو بدل دیا کاش ہم ان عربوں پر اس سے بہت پہلے ہی سے محنت کر لیتے تو اس چمن کی مہک سے پوری دنیا معطر ہوجاتی۔

بہر حال اب بھی وقت باقی ہے اگر ہم اپنی مشغولیتوں سے اپنے آپ کو نکال کر ان علاقوں میں چھ چھ ماہ سال سال بھر کے لیے آپڑیں تو اس عالمگیر محنت سے جو زندگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے وہ پھر زندہ ہوجائے عراق، شام، مصر، ترکیہ، لبنان ان تمام علاقوں میں اس وقت جماعتیں بھیجی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائیں۔"

شام شام کا علاقہ بڑا زرخیز ہے۔ خدا نے حسن ظاہری کے ساتھ ساتھ اس علاقے کے مسلمانوں کو دین کا جذبہ اور شعائر اسلامی کا احترام بھی عطا کیا ہے۔ مدارس و خانقاہیں بہت ہیں۔ باوجود انقلابات اور آئے دن کی سیاسی تبدیلیوں کے، علماء و عوام میں دینی عظمت باقی ہے۔ مولانا عیسیٰ محمد پالنپوری نے ایک جماعت کے ساتھ شام کا دورہ کیا۔ نیز دوسرے عربی ممالک میں بڑی دلجمعی اور بڑی محنت سے کام کیا۔ وہ مولانا محمد یوسف صاحب کو تحریر کرتے ہیں[1]

خداوند کریم کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی دعاؤں کی برکت سے کام خوب ہو رہا ہے۔ عرب حضرات بہت ہی متاثر ہو رہے ہیں۔ شام کے علماء کرام سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں بہت ہی خوش ہوئے اور یہ کہنے لگے کہ، ہم مقصرین ہیں۔ ہمارے ساتھ دیہاتوں میں کثیر التعداد لوگ نکلتے ہیں۔ شام میں انقلاب کی وجہ سے کرفیو رات میں لگ جاتا ہے۔

---

[1] اب مکاتیب بکثرت آئینگے اور بعض طویل بھی ہونگے اسلئے بجائے اقتباس کے متن ہی کی صورت میں لکھے جائینگے۔

مگر الحمد للہ ہماری جماعت عشاء کے بعد کام کرتی رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے کام کی برکت سے دشواریاں ختم کر دی ہیں۔ بعض وقت پولیس والوں نے عشاء کی نماز کے بعد ہم کو سڑک پر چلتے ہوئے زور سے "مَن انتم" کہہ کر ٹوکا اور بھاگتے ہوئے ہمارے پاس آئے۔ ہم نے "السلام علیکم" کہا۔ بس وہ اللہ یعطیکم العافیۃ کہہ کر واپس ہو گئے۔ انگریزی طلباء کو جمع کر کے بات کی۔ تقریباً تین سو ہوں گے جن میں اساتذہ بھی تھے۔ خوب اثر لیا۔ کیونکہ انقلاب کی وجہ سے اسکول وغیرہ بند تھے، اس لیے طلباء ہمارے ساتھ دیہاتوں میں خوب نکلتے اور اصول اخذ کرتے اور نوٹ کر لیتے۔ تعلیم ان سے کرانا شروع کی۔ دو چار دن کے بعد تعلیم و تقریر و اصول کھانے، سونے اور سواری کی سنتیں خوب بیان کرتے اور تشکیل ہم سے زیادہ کرتے۔

تمام عرب حضرات ہم کو پکڑ کر ہم سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ حضرات اہلِ عرب ہیں صحابہ و تابعین کی اولاد ہیں۔ بابرکت تو آپ ہیں۔ وہ حیرت سے کہتے ہیں کہ ہم بے شک عرب ہیں مگر دعوت کے کام کو چھوڑنے کی بنا پر وہ برکت نہیں رہی اپنے لباس اور صورتوں پر حسرت کرتے ہیں۔ الحمد للہ کئی نوجوانوں کے چہروں پر ڈاڑھیاں نظر آنے لگیں۔ حلب کے مفتی اعظم سے خصوصی ملاقات کی۔ بہت ہی متاثر ہوئے۔ ہم نے یہاں کے کام کی کارگزاری انکے سامنے بیان کی۔ ایک گاؤں میں مردوں اور عورتوں کو مخلوط گاتے اور ناچتے ہوئے دیکھ کر ان سے عرض کیا۔ مفتی صاحب پر بڑا اثر پڑا۔ اسکے بعد دوسری مرتبہ مفتی صاحب ہماری قیام گاہ پر خود آئے اور ایک مسجد میں ہمارے بیان کے آخر تک بیٹھے رہے اور خود بھی بیان کیا۔ تشکیل کے وقت لوگوں سے کہتے رہے کہ نام لکھاؤ۔ حلب سے روانگی کے وقت ہم ملاقات اور دعا کے واسطے عدالت گئے اور ہم نے دعا کی درخواست کی۔ مگر مفتی صاحب کہتے رہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ تم اللہ کے راستے میں نکلے ہو، تم دعا کرو میں آمین کہوں گا، دعا ہم سے کرائی۔ عدالت میں جتنے لوگ تھے ان سے فرمایا کہ ان کی صورتوں اور لباس کو دیکھو کہ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عجمی لوگ کس طرح اتباع کر رہے ہیں اور ہم نے سب کو چھوڑ دیا پھر ہم سب سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور پیشانی چومی اور ان کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو ٹپک پڑے۔ اسی طرح حماۃ میں ایک عالم سے جن کی عمر ایک سو دس سال بتائی جاتی ہے، ملاقات کی اور اس کام کا تعارف کرایا اور ہندوستان میں کام کی شکل اور جماعتوں کی نقل و حرکت بیان کی۔ بہت تعجب سے کہنے لگے کہ اس زمانے میں یہ کام اس طرح ہوتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر ہمارے واسطے دعا کی اور بڑے تاثر کا اظہار کیا۔ الحمد للہ حلب سے چار آدمی، حماۃ سے سات آدمی اور دمشق اور حمص سے ایک ایک آدمی ہندوستان آنے کے لیے تیار ہوتے۔ حماۃ کے حاجی محمود رواس صاحب کافی نصرت کر رہے ہیں۔ شام میں کچھ نقل و حرکت شروع ہوئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ صحیح اصول سے کام لیں اور مرتے دم تک اس مبارک عمل میں لگائے رکھیں"۔

ایک دوسری جماعت جس نے اسی ملک شام کا سفر کیا اس کے امیر اپنے ایک مکتوب میں اپنے خیالات و تاثرات اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"الحمد للہ ۲۳ ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو ہم لوگ ملک شام کے شہر دمشق میں داخل ہوئے یہاں پر بھی عرب حضرات کو خوب متوجہ پایا۔ ان کی ذکاوت اور مجاہدہ اور فطری اوصاف قابلِ رشک ہیں جو ہمارے یہاں بہت سے مجاہدوں کے بعد بھی کم میسّر آتے ہیں وہ انکی فطرت میں داخل ہے لیکن ان میں مغربیت غلبہ پا رہی ہے۔ لباس چہروں اور معاشرت میں اتنی تبدیلی آچکی ہے کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ عورتوں کی بے پردگی سے دل میں کافی چوٹ پڑتی ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن وحدیث و دین کی باتوں کی اتنی عظمت ہے کہ جب بھی سنتے ہیں فوراً متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے فطری اوصاف ان کی رہ نمائی کرتے ہیں۔ ساتھ نکلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے حلب خط لکھ دیا تھا۔ دمشق سے حلب چار سو کلومیٹر ہے۔ پھر بھی صرف خط پر ایک جماعت حلب سے دمشق آگئی جو ہمارے ساتھ رہ کر دین پر محنت

کرتی ہے۔ ہم لوگ ۳۰ دسمبر کو انشاء اللہ دمشق سے حلب جا رہے ہیں۔ عربوں میں بہت ہی پھرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے فطری اوصاف سے استفادہ کا موقع ملتا ہے اور انھیں فوراً دین کا فکر پیدا ہو جاتا ہے۔"

مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:۔

"ملک شام میں تقریباً آٹھ دن قیام رہا۔ دمشق سے فوراً حلب روانہ ہوئے حلب سے دمشق کے لیے کچھ احباب پیدل روانہ ہوئے۔ باقی احباب حلب کے اطراف میں مولانا علیلی صاحب کے ساتھ میں کام کر رہے ہیں گے۔ شیخ سعید جراب نقد ساتھ نکلے۔ فائر بریگیڈ والے احباب کو جمع کر بات کرائی اور روزانہ کی تعلیم طے کرائی۔ حلب میں ترکیہ جانیوالے احباب کو چھوڑ کر اب حمص، حماۃ ہوتے ہوئے دمشق پہنچے۔ ہر جگہ سے کچھ کچھ احباب نکلے۔ شام کے کچھ احباب عراق کے لئے بھی تیار ہوئے۔ مولانا علیلی صاحب انھیں روانہ کریں گے۔ شیخ سعید جراب صاحب لبنان کے لیے آمادہ ہیں۔ آج پہنچ گئے۔ شیخ حکمت مصر کے لیے آمادہ ہیں۔ دمشق میں شیخ کتانی سے ملاقات ہوئی، بہت خوش ہوئے۔ بڑے علماء میں ان کا شمار ہے۔ امت کا کافی درد ان میں پایا گیا۔ اپنے آپ کو بہت چھپاتے ہیں۔ مستجاب الدعوات ہیں۔ پچھلے سال مدینہ منورہ میں بھی ملاقات ہوئی تھی۔ خدا کی غیبی تائیدوں کے عجیب و غریب واقعات سنائے اور ہندوستان آنے کا وعدہ کیا۔ پوری بات ان کے سامنے رکھی گئی۔ دمشق میں بھی ہفتہ واری اجتماع جمعرات کا طے کر رکھا ہے۔ خدا کرے نبھ جائے۔ دمشق سے ہم ۲ گھنٹے کے لئے صرف عربوں کو ایک دیہات کے لئے روانہ کیا ہے اور آئندہ بھی روانہ ہوتے رہینگے۔ حماۃ کے قریب میں چار ماہ بیشتر کچھ احباب گئے تھے۔"

اردن اردن سے ایک پرانے کام کرنے والے اہل علم جو جماعت کے امیر بھی تھے، اردن میں کام کرنے کی شکل اور تاثرات اپنے ایک مکتوب میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

"الحمد للہ ہم سب لوگ خیریت سے ہیں۔ آپ حضرات کی خیریت کے خواہاں ہیں۔ ہماری

جماعت مدینہ منورہ سے روانہ ہوکر تبوک ہوتی ہوئی اردن پہونچی یعنی جورڈن (JARDON) میں بلقام عمان پہونچی۔ یہاں سے چند نفر نقد ساتھ نکلے۔ ہر جگہ مسجدوں میں قیام رہا۔ مختلف مسجدوں میں کام ہوا، مقامی جماعتیں بنانے کی کوشش بھی ہوئی۔ یہاں کے علمار کرام مشائخ و مفتی صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ عام مجمع میں بھی ان اکابر کا آنا ہوا۔ تاجر اور ملازم پیشہ طبقہ بھی ہر جگہ جڑتا رہا۔ تین دن کے لیے زرقہ جانا ہوا۔ وہاں سے بھی چند احباب نقد نکلے۔ قاضی صاحب اور مدیر الاوقاف بھی خوش ہوئے۔ کسی مسجد میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔"

عمان سے ایک جماعت میں جانے والے رفیق اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"جماعت خیریت سے چلکر کل پہونچی۔ یہاں سے ۹ نفر کی جماعت ہند کے لئے مل گئی۔ پھر بیت عُمر گئی۔ یہاں جماعت تو نہ مل سکی۔ البتہ کام تو اچھا ہوا۔ اس کے بعد مختصر جماعت گئی۔ یہاں سے بحمد اللہ ۸ ر نفر ہندوستان کے لیے مل گئے۔ بیت اللحم میں دو نفر، عمان میں ایک نفر مل گیا۔ یہاں مساجد میں قیام زیادہ دشوار رہے۔ اوقاف حکومت سے ورقہ لکھوانا پڑتا ہے۔ اللہ نے راستہ کھول دیا۔ جامع قطب میں قیام ہوا جہاں پر کام ہوتا رہا۔ پھر جبل وحدات پر جماعت آئی۔ وحدات مہاجرین فلسطین کی ایک بستی ہے جو عمان سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں جامع میں قیام کی جگہ اچھی ہے۔ الحمد للہ اب یہ جامع تبلیغی مرکز ہو چکی ہے۔ دس یوم سے جماعت کا قیام اب یہاں ہے اور بستی میں گشت ہوتے ہیں۔ یہاں سے عربوں کی مقامی جماعت بن گئی ہے اس محلے میں گشت کرائے۔ وہی متکلم رہے اور وہی امیر رہے۔ وہی نماز کے بعد درس دینے والے۔ اب مسجد میں یہ پروگرام ہے۔ مغرب سے عشار تک عربوں سے گفتگو ہوتی ہے۔ پھر فجر سے اشراق تک تقریر وغیرہ۔ تین محلوں میں یہاں عربوں کی جماعت جا چکی ہے۔ جامع وحدات کے متولی امیر جماعت ہیں۔ اور شیخ محمد ابراہیم جو مدرسہ عمر الخطاب میں مدرس ہیں وہ متکلم مقرر ہوئے۔ الحمد للہ شیخ محمد ابراہیم ہر جگہ پہنچ رہے ہیں اور ہر گشت میں شریک ہوتے ہیں اور تقریر کرتے ہیں اور یہ بہت خوبی ہے

کہ جس وقت کہا جاتا ہے کہ تبلیغ کے اصول میں سے یہ ہے کہ اس طرح گفتگو ہو کہ علماء پر اعتراض نہ ہو ورنہ نقائص پیدا ہوں گے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ یہاں مقامی کام کی نوعیت یہ ہے کہ مقامی عربوں کی جماعت بن جاتی ہے (شہر عمان پہاڑوں پر بسا ہوا ہے۔ ایک پہاڑ پر کچھ عمارات ہیں۔ پھر نیچے وادی میں ہیں پھر دوسرے پہاڑ پر ہیں۔ اس طرح عمان جبال کا مجموعہ ہے) ایک جماعت کی کوشش کر رہے ہیں کہ سومیل کے فاصلے پر نکل جائے الحمد للہ اب جماعتیں یہاں غیر معروف نہیں اور عرب بہت متاثر ہو رہے ہیں۔ اگر ایک جماعت قریب میں ہی یہاں آکر کام کرنا شروع کر دے اور تسلسل نہ ٹوٹے تو انشاء اللہ کام کی شکل اچھی شروع ہو جائے گی۔"

فلسطین عمان میں تقریباً ایک عشرہ ٹھیرنا پڑا۔ پھر بلدہ الخلیل میں جانا ہوا تین دن قیام رہا سیکڑوں انبیاء کرام مدفون بتائے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یوسفؑ کی قبریں اس شہر میں ایک ہی مسجد میں ہیں۔ قریب کے مقام پر حضرت یونسؑ حضرت موسیٰؑ کی قبریں بھی ہیں۔ اس بستی میں الحمد للہ لوگ خوب مانوس ہوئے۔ عمان سے کافی احباب ساتھ نکلے ۲۳ اکلومیٹر ہے۔ ایک صاحب اپنی موٹر لے کر چار دن کے لیے تشریف لائے۔ با اثر حضرات میں سے ہیں۔ مدیر الاوقاف کے دفتر میں خواص کا اجتماع ہوا۔ باتیں سُن کر بعض احباب نے کہا کہ اسلام کو ہم نے آج سمجھا۔ یہ باتیں دو چار مقام پر اور بھی کہی گئیں تین مسجدوں میں کام ہوا۔ ۱۷ نفر ہمارے ساتھ ہیں۔ عرب حضرات ان کے علاوہ ہیں۔ یہاں سے ایک دن کے لیے بیت اللحم آنا ہوا۔ رات کو امیر بلدہ تشریف لائے تھے۔ بہت خوش ہوئے۔ ہمّت افزائی فرمائی اور ہندوستان بھی آنے کا ارادہ کیا۔ یہ علاقہ فلسطین کا ہے۔ پناہ گزینوں سے بھی بات کی۔ بیت اللحم سے بھی ذمہ دار احباب نکلے۔ پھر چار دن کے لئے خود سے آنا ہوا۔ بیت اللحم حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش بتائی جاتی ہے۔ قدس کی مختلف مساجد میں کام ہوا۔ جمعہ کے دن بیت المقدس کا پروگرام تھا اور خطباء حضرات سے پہلے ہی سے ملاقات ہو چکی تھی۔ کافی مجمع تھا۔

ہر جگہ ہر مجلس میں نام آتے ہیں اور لوگ بہت ہی مسرت کے ساتھ اللہ کے راستہ میں نکلتے ہیں۔ بیت المقدس میں سنیچر کے دن بعد نمازِ ظہر علماء کا اجتماع ہوا جس میں بڑی عمر کے طلباء اور پولیس انسپکٹر وغیرہ شریک تھے۔ علمائے کرام نے مقامی کام کا وعدہ فرمایا اور حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں کام کا وعدہ فرمایا۔ قدس میں بھی مسجد ہی میں قیام رہا۔ بفضلہ تعالیٰ اب تک ہوٹلوں میں نہیں ٹھہرنا پڑا ہے۔ قدس کے آخری دن محلوں سے جماعتیں آئی تھیں حُسنِ اتفاق سے بیت المقدس میں رجب کا مہینہ ملا جو معراج کا مہینہ ہے۔ پھر وہاں سے نابلس آنا ہوا۔ ستر کلومیٹر ہے۔ تین دن قیام رہا۔ یہاں کے لوگ ہر جگہ سے زیادہ مانوس نظر آتے ہیں۔ کافی مساجد ہیں۔ دینی مدرسہ کے طلباء کا دوبارہ اجتماع ہوا۔ ان طلبائے نے پورے شہر کی مسجدوں کا گشت کرکے لوگوں کو جمع کیا۔ شہر کے قاضی مفتی و مدرس و دیگر مشائخ بلاناغہ رات کے بیانوں میں تشریف لاکر ہماری ہمت افزائی فرماتے رہے۔ ایک بڑی خصوصی مجلس بھی ہوئی جس میں کافی احباب تھے، نام بھی آئے یہاں سے ستر۷۰ نفر نکلے۔ ایک سو پچاس کلومیٹر پر اربد کے مقام پر آنا ہوا۔ عرب کل ۲۶ کی تعداد میں تھے۔ ہم سب بینتالیس۴۵ نفر ہو گئے تین دن قیام رہا۔ مختلف مساجد میں کام ہوا میٹرک کے طلبا اور اساتذہ کا ایک اجتماع بھی ہوا۔ یہاں بیت المقدس والے دن برف پڑی تھی سردی ابھی خاصی ہے باوجود اس کے ساتھی سب خوش ہیں۔ باقاعدہ عربی اُردو کے حلقے جُدا جُدا ہوتے ہیں، عمومی و خصوصی گشت۔ تہجد وغیرہ کی پابندی۔ خصوصاً عربوں میں تہجد کی قضا خوب رہتی ہے۔ اربد کی مسجد میں زبردست رکاوٹ ہو گئی تھی۔ چونکہ قافلہ بڑا تھا لیکن یہاں کے امیر شہر بیت المقدس میں بیان سُن چکے تھے۔ انھوں نے شرمندگی کا احساس کیا اور دوسرے سب مطمئن ہو گئے۔ یہاں کے لوگ مصیبت زدہ ہیں۔ بات فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ خصوصاً حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں آکر حضرت ابو عبیدہؓ کے سوال کے جواب میں "اسلام میں عزت" بتلانا سُن کر عرب حضرات کافی متاثر ہوئے۔ رقیق القلب حضرات کا رونا سب کو متاثر کرتا ہے۔ بعض عرب حضرات شروع سے ہمارے

ساتھ ہیں باقی بدلتے رہتے ہیں۔ ایک عرب صاحب ویزا لے کر ملک شام آرہے ہیں ویزا مل چکا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد روزانہ عربوں میں اکثر نمبروں کا مذاکرہ مولانا احسان الحق صاحب پاکستان والے کراتے ہیں اور ہم لوگ اردو والوں کا حلقہ جوڑ کر اُن سے بات کرتے ہیں۔ ناشتے کے بعد تعلیم کر کے جماعتیں مختلف مساجد میں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ عصر کے بعد کتابی تعلیم۔ مغرب سے پہلے عمومی گشت۔ مغرب کے بعد بیان، عشاء کے بعد کھانا اور سونے کے آداب اور تہجد کے فضائل ہوتے ہیں پھر سو جاتے ہیں۔ خدا کرے ہندوستان میں ہر جگہ گشت و تعلیم اور ماہانہ تین دن اور سالانہ چلّوں کا رواج ہو تو اس کے غیبی اثرات بیرونی احباب اور جماعتوں پر پڑتے ہیں۔ دُعاؤں سے ضرور مدد فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ کام کی توفیق فرمائیں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائیں اور قبول فرمائیں۔

لبنان لبنان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی مخلوط آبادی ہے۔ اس ملک میں مغربی تہذیب کا سب سے زیادہ اثر ہے۔ لبنان عرب کا نہیں بلکہ یورپ کا ایک حصّہ معلوم ہوتا ہے۔ قدم قدم پر خدا فراموشی اور بے حیائی کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایسی جگہ تبلیغی جماعت کا پھرنا اور کام کرنا بڑا مشکل ہے لیکن اس جماعت نے لبنان میں بھی خوب پھر کر کام کیا اور کچھ لوگوں کو جماعت میں نکال ہی لیا۔ ایک سفر کے چند تاثرات سُنیئے:

"۱۰ محرم کو ۹ نفر گجراتیوں کے ساتھ بیروت (لبنان) پہنچے۔ سعید شامی بھی ساتھ تھے۔ ان کی رخصت نہ بڑھنے پر ایک ہفتہ رہ کر واپس حلب چلے گئے۔ دو دن مسجدوں میں ٹھہر کر گیارہ آدمی ۲۴ گھنٹے کے لئے ۳۰ کلومیٹر فاصلے پر برجہ بستی گئے ساتھیوں کا وقت اچھا گزرا۔ واپسی میں یہ احباب شہر کی مساجد میں کچھ کچھ جڑتے رہے۔ مزید ایک ہفتہ رہ کر ۸۰ کلومیٹر فاصلہ پر طرابلس آئے۔ دو آدمی ساتھ لائے۔ ایک ہفتہ شہر میں قیام کر کے ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑ رہے۔ قریبًا بارہ آدمی ساتھ تھے تین آدمی رہ گئے۔ بقیہ ایک دن رہ کر واپس ہوئے۔ یہاں دیہاتی فضا میں اچھا دن

گذرا، ایک ایک دن کے لیے لوگ ساتھ نکلے ۔ چار دن رہنا ہوا۔ پانچ آدمیوں کو لے کر شہر واپس آئے۔ وہ ایک دن ساتھ رہ کر اور بڑا تاثر لے کر روتے ہوئے اور کام کا عزم کرتے ہوئے واپس ہوئے۔ پھر تین دن شہر میں کوشش کی، تقریباً دس آدمیوں کو لے کر بیس میل دور ایک علاقہ میں گئے، جہاں کی فضا شہری تھی۔ لوگ جماعتوں کے ساتھ نکلے اور دینی کاموں میں برابر جڑتے رہے۔ اس ملک کا معاشرہ یورپین معاشرے کی طرح ہے۔ علماء کرام کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے ہیں۔ دعا کی درخواست ہے"۔

حضر موت | مکہ مکرمہ سے ایک تبلیغی جماعت یمن کو چلی۔ اثنائے راہ میں مختلف مقامات پڑے۔ ان میں ایک حضر موت کا علاقہ بھی تھا حضر موت جانے والی جماعت کے امیر نے ایک مکتوب میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں تحریر کیے ہیں جن سے اس علاقے کے لوگوں کی دین داری اور شوق و ذوق کا حال معلوم ہوگا۔

"۲۸ اکتوبر کو ہماری جماعت جدہ سے روانہ ہو کر ۴ نومبر کو المکلا پہنچی۔ جہاز میں تمام حضرات عرب کے تھے۔ الحمدللہ ایک ہفتہ تک جہازی حضرات میں تعلیم، گشت باقاعدہ ہوتی رہی۔ پہلے جہاز میں ہر طرف گانے بجانے کی ٹولیاں نظر آتی تھیں، الحمدللہ تھوڑی سی کوشش کے بعد تمام حضرات کی توجہ ہوئی اور ہماری باتوں کو توجہ سے سننے لگے اور سارے جہاز میں نماز باجماعت شروع ہوگئی ہمارا جہاز ایک دن کے لیے عدن بھی رکا اور وہاں الحمدللہ کام ہوتا رہا۔ کشتی کے ذریعے عدن کی آبادی میں پہونچے۔ اس دن وہاں کی ایک مسجد میں اجتماع تھا۔ بات چیت اردو اور عربی میں ہوئی۔ مقامی لوگ بڑی محبت سے پیش آئے اور جماعت کو جہاز تک پہنچایا۔ المکلا شہر میں پانچ دن مختلف مساجد میں کام کرتے ہوئے سواحل کے علاقے میں روانہ ہوئے، یہ علاقہ المکلا سے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ وہاں قوم عاد کے نشانات اب تک موجود ہیں قرآن مجید کی آیت وتنحتون من الجبال بیوتا کے

متعلق یہاں کے لوگ بتلاتے ہیں کہ ایک پہاڑ ہے وہ اس علاقے میں واقع ہے۔ اس میں اس زمانے کے مکانات بنے ہوئے ہیں لیکن خوف کی وجہ سے کوئی شخص ان میں جانے کی ہمت نہیں رکھتا۔ مکلا سے جانے کے بعد جس شہر میں جانا ہے اس کا نام شحر ہے۔ یہ اس پہاڑ کی وادی میں واقع ہے جس میں پہلی قوموں کی ہلاکت کے نشانات ابھی تک باقی ہیں۔ پہاڑ جلے ہوئے ہیں۔ خوف معلوم ہوتا ہے۔ ہماری جماعت روتی ہوئی اور استغفار پڑھتی ہوئی اس کے پاس سے گزر گئی۔ سارا ساحلی علاقہ انھیں نشانیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اصولوں اور خوف کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اتنے اونچے اونچے پہاڑ اور خشک اور ریگستانی علاقہ میں خدا کی قدرت کا کرشمہ نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو کس طرح مسخر کر دیا۔ یہاں کی مسجدیں ہر وقت ذکر و تعلیم سے معمور رہتی ہیں۔ نماز سے پہلے ہی تمام مسجدوں میں ذکر بالجہر ہوتا ہے۔ تمام لوگ باقاعدگی سے شریک ہوتے ہیں۔ اکثر عورتیں اور مرد مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ تہجد بھی آکر مسجدوں میں ادا کرتے ہیں۔ یہاں ایک قابلِ ذکر بزرگ ہیں جو اصل میں بہار کے رہنے والے ہیں۔ اس علاقے میں پچیس برس سے مقیم ہیں۔ ان کے مجاہدے اور ریاضت کے واقعات سے لوگ متاثر ہیں، متوکل علی اللہ ہیں۔ ہفتے میں ایک بار گھر سے نکلتے ہیں ان کے پاس حاضری ہوئی۔ نہایت خوش ہوئے۔ بڑی ایمان افروز باتیں کیں، صاحبِ کشف مشہور ہیں۔ فرمانے لگے کہ تم تو ظاہری آنکھوں موجودہ حالات دیکھتے ہو، میں دیکھتا ہوں اور سچ کہتا ہوں، اگر یہ کام اخلاص کے ساتھ ہوتا رہا تو انشاء اللہ آئندہ تمام فتنوں کا سدِ باب ہے لیکن اگر اصولوں اور اخلاص کے ساتھ نہ ہوا تب بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے۔ بار بار اسے دُہراتے تھے۔ فرمایا کہ یہ صحابہؓ کا طرز تھا، تمہاری شکلیں اور تمہارا لباس خود عربوں کے لیے دعوت ہے۔ اللہ ربّ العزت بزرگوں کے حسن ظن کو قائم رکھے۔

یہاں ایک شہر تریم ہے۔ ولیوں کا شہر ہے۔ واقعی اب تک سلف صالحین کی روایات

کو زندہ کئے ہوئے ہیں۔ پندرہ ہزار کی آبادی ہے لیکن پوری فضا میں سکون و نورانیت ہے۔ یہاں کے شیخ الاسلام حضرت حبیب علوی صاحب اسی شہر میں مقیم ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ بہت خوش ہوئے۔ فرمانے لگے، کہاں ہیں الرجال جو اس کام کو کریں۔ دو روز کا پروگرام حوالی تریم کے لیے بنایا۔ واپسی پر شیخ محمد ابن سالم نے جو بخاری مسلم کا درس دیتے ہیں، اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔

یمن یمن اپنی دین داری اور اسلامیت میں مشہور ہے۔ جس وقت تک اس پُرسکون ملک عرب میں مصری انقلاب نہیں آیا تھا اور قبائلی زندگی اپنے پورے عروج پر تھی۔ مغربی تہذیب و تمدن کے اثرات نہیں پڑے تھے یا کم سے کم پڑے تھے۔ یمن اپنی سرسبزی و شادابی کے ساتھ دین دار علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ تبلیغی جماعت کے ایک رکن رکین اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"بروز اتوار عصر کے وقت حُدیدہ پہنچ گئے۔ بحمد اللہ سفر خوب اچھی طرح گذرا۔ دو جماعتیں روزانہ تعلیم و گشت معمول کے مطابق کرتی رہیں اور مسافروں سے خوب اختلاط کرتے رہے۔ الحمد للہ خوب لوگ متوجہ تھے اور بڑے شوق سے باتوں کو سنتے تھے۔ ان میں بعض یمنی اور بعض حضرمی تھے۔ حضرموت والوں نے اپنے مقام پر جماعت کے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا اور بعضوں نے انگریزی میں سمجھا سمجھا کر ترجمانی شروع کر دی۔ اللہ پاک انھیں قبول فرماویں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ پاک کی نصرت شامل حال رہی اور ہم ایک مسجد میں ٹھہر گئے۔ الحمد للہ تعلیم بھی ہوئی، گشت بھی ہوئے۔ لوگ متوجہ ہیں اور اس مسجد میں یہاں کے حاکم بھی نماز پڑھتے ہیں اور ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ انھوں نے ہماری مغرب کے بعد کی بات بھی سنی اور بہت خوش ہوئے۔"

لیبیا لیبیا میں سنوسی خانوادے کی وجہ سے چپہ چپہ پر اسلامیت اور دینداری

کے اثرات ہیں۔ کثیر التعداد خانقاہیں ہیں اور چھوٹے بڑے مدارس۔ عوام میں علماء کا اثر بہت ہے ایک جماعت جس کے امیر ایک اہل علم اور پرانے کام کرنے والے بزرگ ہیں۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"۳۰ مارچ کو رات کے گیارہ بجے لیبیا کے حدود میں داخل ہو کر ایک گاؤں میں رات گزاری۔ ہم آٹھ نفر ہیں۔ صبح طرق ہوتے ہوئے درنہ ایک دن قیام کیا۔ یہاں سے چار احباب کو لے کر بیضا پہنچے۔ یہاں بڑی یونیورسٹی ہے۔ یہ نیا شہر بس رہا ہے۔ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ اور کافی علماء کرام کا مجمع رات کے بیان میں تھا۔ گشت میں بھی لوگ آئے۔ یہاں سے بھی لوگ نکلے۔ دوسرے دن بنغازی پہونچے۔ یہ لیبیا کا بڑا شہر ہے۔ دو دن قیام رہا۔ مساجد میں کام کیا۔ یہاں سے دس نفر بچاس کلومیٹر کا سفر کر کے چھ عرب حضرات کے ساتھ طرابلس پہنچے۔ یہ لیبیا کا آخری شہر ہے اور سب سے بڑا شہر ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہاں تک پہنچنا بتایا جاتا ہے۔ اہل لیبیا میں بھی کچھ علم کا چرچا پایا گیا۔ گو مصر سے کم ہے۔ ہر مسجد میں علمائے کرام کے بیانات ہوتے ہیں۔ بہت آسانی سے لوگ جڑ کر بات سن کر عمل کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ بہت زور دیکر لوگوں نے کہا کہ بار بار احباب آتے ہیں ہم بھی ہندوستان آئینگے۔ عورتوں میں پردہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی۔ چلتے چلاتے اتنا کام ضرور ہوا کہ اب احباب آئیں تو انھیں فضا ہموار ملے گی اور لوگ ساتھ دیں گے۔ بڑی بڑی مسجدوں میں بات ہوتی تھی۔ کافی مجمع ہر جگہ رہتا تھا کیوں کہ وقت کم تھا اور ہر جگہ سے احباب ساتھ نکلے خواہ سینکڑوں کلومیٹر کا سفر ہو کاش کہ لیبیا کے لیے بھی احباب تشریف لائیں۔ ہر ملک میں مستقل ٹھہر کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔"

ٹیونس وہی جماعت جو لیبیا میں کام کر رہی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ بعد میں ٹیونس گئی اور وہاں مختلف علاقوں میں کام کیا، وہی صاحب جن کا خط اوپر درج کیا جا چکا اپنے ایک

خط میں ٹیونس کا حال ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں :

"۲۶ر نومبر کو جدہ سے روانگی کے بعد مصر اور لیبیا ہوتے ہوئے ۷ر دسمبر کو ٹیونس پہنچ گئے ٹیونس میں پہلے چار پانچ دن قیام کیا اور علمائے کرام سے ملاقات کی۔ مختلف مساجد میں بات رکھی گئی۔ چار پانچ دن بعد ریڈس (RADIS) ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ٹیونس سے ۱۴ کلومیٹر ہے، وہاں گئے۔ یہاں دیہات کی سی فضا تھی۔ لوگ خوب متوجّہ ہوئے۔ مسجد بھر جاتی تھی۔ اور عشاء تک جم کر بات سنتے تھے۔ چار دن کام کرنے کے بعد اتوار کے دن یہاں سے ایک جماعت بارہ آدمیوں کی بذریعہ ریل اگلے قصبے میں گئی اور تمام دن وہاں کام کیا۔ الحمدللہ لوگوں نے اچھا اثر لیا۔ یہاں حالات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت سازگار ہیں۔ علماء و عوام سب متوجّہ ہیں۔ علما نے جماعت کا بڑا احترام کیا۔ کھانے پر بلایا اور جمعہ میں جلسے میں جماعت کا ذکر خیر کیا۔ عوام بڑی توجّہ سے بات سنتے ہیں۔ مسجد بھر جاتی ہے۔ عشاء تک جم کر سنتے ہیں۔ بعد میں بھی کئی آدمی چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ملنے آتے ہیں تین دن یہاں کام کرنے کے بعد یہاں سے ایک جماعت جس میں تیئیس آدمی مقامی شامل تھے، ایک قصبے میں گئی اور دو دن اور دو رات وہاں قیام کر کے واپس یہاں آ جائے۔ اللہ کا شکر ہے جانے والوں نے کافی اچھا اثر لیا۔ مزید وقت کا ارادہ کیا۔ چھ سات آدمی تیار ہو گئے۔ مزید کی توقع ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد ٹیونس جا کر وہاں سے قیروان جانے کا ارادہ ہے جو کہ قدیمی ٹیونس کا دارالخلافہ رہا ہے۔ اس علاقہ میں گزارنے کا ارادہ ہے۔ تقریباً ۷ر فروری تک ٹیونس میں کام کرنے کا ارادہ ہے۔"

الجزائر الجزائر میں کام کرنے والی ایک جماعت نے جس نے راستے میں بڑی مشقت اٹھائی تھی اور کسی نہ کسی طرح جنگلوں سے ہوتی ہوئی شہر میں پہنچی تھی اپنے تاثرات اس طرح بیان کئے:

"طرق سے الجزائر پہونچنے میں تقریباً ۱۵ میل کا فاصلہ ہے جس میں کسی خاص سواری کا

انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ہم سب نے ایک رات جنگل میں پہاڑوں پر خیموں میں گزاری۔ الجزائر کے حدود پر ایک ساتھی کو بھیجا۔ وہاں سے ۴۰ کلو میٹر کا سفر کر کے دو موٹریں لیکر پولیس والے لینے آئے اور حدود الجزائر میں ۱۴ اپریل کو ہمیں داخل کیا۔ کرایہ دینا چاہا تو واپس کر دیا اور کہا، تم ہمارے مہمان ہو۔ سالہا سال بعد یہ شکلیں دیکھنے کو ملتی ہیں بہت ہی خوشی کا اظہار کیا۔ اب تک وہ ممالک تھے جہاں کام کا کچھ نہ کچھ تعارف تھا۔ اب بالکل ایسی جگہ پر آئے ہیں جہاں اس کام کو کوئی نہیں جانتا لیکن پھر بھی خدا کی غیبی مددیں ساتھ تھیں۔ کہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ پچھلے سال موسم حج میں کام کرنے کا موقع ملا تھا اور ہر ملک والوں سے الگ الگ بات کی تھی، ہر ملک میں ایسے احباب ملے جو پچھلے سال حج میں سن چکے تھے۔ ان سے اوروں میں بھی فضا بنی۔ اس طرح الجزائر میں بھی ایسے احباب ملے۔ مسجدوں میں اترنے میں کچھ اشکال ہوتا تھا، لیکن ساتھیوں کے جمنے کی وجہ سے ہر ملک کی مسجدیں کھلی ملتی تھیں حتیٰ کہ الجزائر میں بھی ہر جگہ مساجد ہی میں قیام رہا۔ کہیں پر بھی ہوٹل میں ٹھہرنا نہیں ہوا۔ ساتھیوں نے یہ طے کیا تھا کہ مسجدوں میں ہی قیام رہنا چاہیے چاہے کچھ دشواری ہی سے مسجد کھلے۔ اگر اسی طرح احباب مساجد ہی میں جمیں تو ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی بالکل ضرورت نہیں پڑے۔ ملک الجزائر میں راستے کے ۵ مقامات پر ایک ایک دو دو دن کے لیے اترنا ہوا اور ہر جگہ سے نقد لوگ نکلے۔ عنابہ، قسطنطنیہ، الجزائر العاصمہ (یعنی دار الحکومت شہر الجزائر) دھران، تلمسان مقامات پر پھرے۔ ہر جگہ لوگوں نے روکنے کی کوشش کی، کیونکہ کافی مجاہدوں سے گزرے ہیں۔ ایمان و توکل کی کافی حرارت پائی گئی۔ قرآن سن کر مسحور ہو جاتے ہیں۔ قرآن سنا کر جس قربانی پر چاہو کھڑا کر دو۔ زندگی میں سادگی، جفاکشی، اخلاق، متانت، سنجیدگی ہر چھوٹے بڑے میں پائی۔ ایمان و یقین کی باتوں کو سن کر آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ فوراً ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ علماء و مشائخ میں بھی کافی تواضع پائی۔ ہر فرد بچھا جاتا ہے اور بار بار جماعت کے

بھیجنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس وقت الجزائر والوں کو بہت سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ جوش وجذبہ پایا جاتا ہے اور ذہن کو فارغ رکھنا نہیں چاہیئے، کاش کہ اس وقت فوری طور پر احباب کا اُلٹ پھیر ہوتا رہے تو یہ طبقہ پورے عالم میں دین کے زندہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ شہر البجیرس کے بندرگاہ پر حجاج میں بھی کام ہوا جہاز میں اندر جاکر بھی کام ہوسکتا تھا مگر وقت نہ تھا۔ الجزائر میں ازہر کے کافی علماء آتے ہیں۔ ہر جگہ درس کے حلقے ہوتے ہیں لوگوں سے مقامی کام کا وعدہ لیا ہے۔ الجزائر سارا پہاڑی علاقہ ہے مگر موٹر اور ریلوں کی بہت سہولت ہے۔ موٹروں پر بھی سفر کی سنتیں اور ریاض الصالحین کی حدیثیں بیان کرتے رہے۔ عام طور پر لوگ بیان خوش خوش سنتے تھے اور وہی لوگ ہیں اگلے شہر کی کسی مسجد میں اُتارتے تھے۔ کام شروع کرتے ہی ہجوم کا ہجوم جم جاتا تھا۔ ہر جگہ سینکڑوں میں بات ہوئی۔ ساتھیوں کا تعارف بھی کرایا۔ تمہاری طرح کاروباری لوگ نکلتے ہیں اور یوں ہی نکلتے رہتے ہیں۔ فوراً ان کو باپ داداؤں کے کارنامے یاد آجاتے ہیں اور موجودہ بے دینی کا فوراً احساس کرکے دین میں کامیابی کا یقین کرکے اس طرز عمل میں انھیں دین کا پھیلنا نظر آجاتا ہے۔ کسی ملک میں کوئی انکار یا رکاوٹ کی کوئی شکل نہیں پائی گئی۔ ہر جگہ لوگ منتظر ہیں کہ کوئی آکر دین کی اس محنت پر ہماری جان ومال لگائے۔"

مراکش مراکش افریقہ میں عرب ممالک کا آخری ملک ہے۔ اس کے بعد جبل الطارق پڑتا ہے اور اسپین کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ ایک جماعت مراکش بھی پہنچی۔ اس کے ایک ایک اہل علم رکن اپنے ایک مکتوب میں حسب ذیل تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:۔

"۲۴ اپریل کو مراکش کے حدود میں داخل ہوئے۔ پورے ڈھائی ماہ میں پہنچے لیکن ہر ملک میں ہفتہ عشرہ گزار کر کافی کام کا موقع ملا۔ مختلف مقامات میں کام ہوا۔ وجدہ حدود پر شہر ہے۔ دو دن قیام کیا۔ ۹ نفر آدمی ساتھ لے کر تازہ، فاس، مکناس جانا

ہوا۔ ہر جگہ سے لوگ ساتھ نکلے تازہ ایک دن کے قیام میں ۳ نفر ساتھ نکلے۔ فاس میں تین دن کا قیام رہا۔ ہزار کے اوپر مجمع ہوا مختلف مساجد سے نام آئے۔ یہاں پر مدرسہ ہزار سال سے بھی پرانا ہے۔ جامعہ ازہر سے بھی پرانا۔ طلباء اور مدرسین بھی رات کے بیان میں آئے۔ سات نفر نکلے۔ مکناس پہنچے۔ وجدہ و فاس کے احباب ساتھ ہیں۔ الشیخ تقی الدین ہلالی صاحب[1] سے ملاقات ہوئی۔ جو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے استاذ محترم ہیں۔ ان کے درس میں بھی بیٹھنے کا موقع ملا۔ احادیث اور فقہ پر کافی عبور ہے۔ حاضر دماغ حاضر جواب۔ متواضع عالم ہیں۔ دوران درس میں مجمع کو دین کی اس محنت کی طرف متوجہ کیا۔ اور فرمایا کہ ہر مسلمان پر یہ کام فرض عین ہے۔ چاہے عالم ہو خواہ جاہل۔ ہر ایک پر اسکی استعداد کے مطابق فرض ہے۔ اس کام کے چھوڑنے والے پر قیامت میں گرفت ہوگی۔ پھر قرآن و حدیث کے ایسے دلائل دیے جو کہ ہم کو بھی پہلی مرتبہ معلوم ہوئے خالی وقت میں ساتھیوں سے اردو میں کہلوا کر عربوں کے سامنے عربی میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ کچھ ساتھی ماشاء اللہ عربی میں چل پڑے ہیں۔ بلال صاحب عربی میں تقریر، تعلیم و تشکیل، گشت سبھی کچھ کر لیتے ہیں۔ حاجی حبیب صاحب بھی تعلیم و گشت اور تفہیم کرتے ہیں، اور گشت تو عربی زبان میں سبھی کر لیتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ عربی میں بھی کبھی کبھی ہوتا ہے اور کبھی کبھی اردو والے احباب سے مستقل گفتگو ہوتی ہے تاکہ ان کے جذبات بنے رہیں۔ ساتھی خوش ہیں، طبیعتیں بڑھ رہی ہیں۔ اسکے باوجود بھی اکثر ضعفاء نازک طبیعت ہیں اور جوان بھی امراض کی بناء پر بوڑھے نما ہیں لیکن کام کی برکت سے سب چل رہے ہیں اور مطمئن ہیں، انکی طبیعتوں کا کافی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پھر بھی مجاہدہ کی سعادت من جانب اللہ نصیب ہو ہی جاتی ہے۔ اس پر بھی قلب مطمئن رہتا ہے۔ یہ کام کی کرامت ہے، تعلیم ذکر، گشت، بیان، نوافل، خدمت گذاری سب کام اہتمام سے ہوتے ہیں۔ رات چھوٹی

---

[1] شیخ تقی الدین الہلالی مراکش کے سادات حسینی میں سے ہیں۔ والد کا نام عبدالقادر تھا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہونے کی وجہ سے بسا اوقات تہجد چھوٹنے کا قلق احباب پر رہتا ہے لیکن پھر بھی عرب حضرات تازہ دم نکلے ہوتے ہیں اور تہجد پڑھوا ہی دیتے ہیں، سب سے مشورہ میں یہ طے کیا ہے کہ پورے ملک میں کم از کم ایک جگہ پر جم کر ایسی محنت ہو کہ وہاں کے لوگ کام کے اصولوں سے واقف ہوں اور اونچ نیچ کو جانیں اور کام بگڑنے نہ دیں۔ وہی حضرات ملک کے دوسرے مقامات پر کام پہنچا سکیں اور ہر جگہ والے ان سے مشورہ لے کر کام کر سکیں تاکہ ہماری غیر موجودگی میں یہاں مقامی کام چلتا رہے اور خط وکتابت سے رہبری ہوتی رہے۔ اصول کھلنے پر تو یہ حضرات ہم سب سے کئی گنا زیادہ کام کریں گے، ہمارے علاقوں کے لئے بھی کچھ حضرات وجدہ وغیرہ سے تیار ہوئے ہیں جو پاسپورٹوں کی فکر میں ہیں۔ صرف دو دن ساتھ رہ کر تیسرے دن خصوصی مجلس میں بات ہوئی بہتے ہوئے

(حاشیہ صفحہ ۴۸۰ کا بقیہ) سجل ماسہ (مراکش) وطن ہے۔ تعلیم میں طبیعت نہیں لگتی تھی اور کتابیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں، جوانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے تعلیم حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔ دریافت کیا کہ علم ظاہر ہے یا علم باطن؟ فرمایا کہ علم ظاہر! اس وقت سے طبیعت میں ایک انقلاب ہو گیا۔ بہت تھوڑے وقت میں درسیات کی تعلیم حاصل کی، پھر مصر، وحجاز اور ہندوستان آئے۔ ہندوستان میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی سے حدیث پڑھی، حجاز میں عرصے تک تدریس کی خدمات انجام دیں۔ پھر سلطان سے اختلاف ہو جانے کی بناء پر دوبارہ ہندوستان آئے۔ غالباً ۳۰ء کا آخر یا ۳۱ء کا آغاز تھا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ڈھائی تین سال رہ کر ادب عربی کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم میں بڑی برکت عطا فرمائی اور زبانِ عربی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

تلامذہ میں مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی مولانا محمد اویس صاحب ندوی ہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آنسوؤں کے ساتھ مصمم ارادہ کرکے نام لکھوالئے ۔اور قانونی کوشش میں لگ گئے ۔عید کے بعد رباط آکر ملیں گے ۔ ہمارے ساتھیوں کا مشورہ ہے کہ شہر رباط اور اس کے اطراف کے دیہاتوں میں فضا بنائی جائے، کیونکہ یہاں مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بھی زیادہ محنت کی ہے ۔ انہی کو آگے بڑھایا جائے اور اتنی محنت ہو کہ خود گشت و تعلیم، اجتماع بلکہ جماعتوں کو خود تیار کرکے لے کر چلنا ہوگا ۔ بلکہ دوسروں سے چلوانا بلکہ ہر جگہ کی نگرانی رکھنا، یہ بات ان میں پیدا ہو جائے ۔اب شدید دعاؤں کی ضرورت ہے ۔ ملک کے ہر ہر شہر میں عشرہ عشرہ گزارنے کے بجائے ایک مقام پر جم کر محنت کی جائے ۔ انہی کو لے کر کچھ مختصر وقت کے لئے دور اور نزدیک کے مقامات پر جاکر انھیں سے ہر جگہ جوڑ کرا دیا جائے ۔ یہ زیادہ مفید ہوگا ۔رباط کے شہر اور دیہاتوں کا بار بار اختلاط ہو، شہر کے لوگ دیہات اور دیہات کے لوگ شہر میں یوں بار بار اُلٹ پھیر سے انشاء اللہ کام کی مستقل فضا بن سکتی ہے ۔ مکناس سے کافی احباب کے ساتھ زرہون جانا ہوا ۔ زرہون سے رباط حاضری ہوئی ۔ بائیس عرب حضرات ساتھ تھے ۔ سب کا مسجد ہی میں قیام رہا ۔ عیدالاضحیٰ رباط میں ہوئی ۔ ۲ر مئی بروز سنیچر یہاں عید ہوئی ۔ جمعہ کو حج ہوا ۔ ۵ر کو قنطرہ جانا ہوا ۔ ۸ر مئی کو رباط واپسی ہوئی ۔ قنطرہ کے احباب ساتھ ہیں ۔ کئی احباب پاسپورٹ بنوا رہے ہیں اور مقامی کام بہت فکر سے چالو کرایا جا رہا ہے ۔ ہماری واپسی یورپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بون یونی ورسٹی جرمنی سے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کیا ۔ دوسری جنگ عمومی چھڑنے پر عرصہ تک برلن کے ریڈیو اسٹیشن سے عربی میں اتحادیوں کے خلاف نشر کرتے رہے ۔ جرمن کی شکست کے بعد عراق آگئے عرصے تک وہاں کے دارالمعلمین میں استاذ رہے پھر اپنے وطن مراکش چلے گئے ۔اب مکناس میں مقیم اور مشغولِ درس وافادہ ہیں ۔ اطال اللہ بقاءہ ۔

عربی کے بلند پایہ ادیب، نحو عربیت میں تحقیق وامام کا درجہ رکھتے ہیں ۔ باحمیت، صحیح الفکر، نہایت محنتی اور مجتہد ہیں ۔ کچھ عرصے سے بصارت برائے نام رہ گئی ہے ۔ عمر ۸۵ کے قریب ہوگی ۔

کے راستے سے ہوگی۔ انشاء اللہ اسپین (قرطبہ) فرانس (پیرس)، جرمن، ترکی، عراق ہوتے ہوئے واپسی ہوگی۔ اسی ترتیب سے عربوں کی بھی تیاری ہے۔ دعا کی درخواست ہے۔ اللہ قبول فرمائے اور آسان فرمائے"۔

ایک دوسرے مکتوب میں وہی صاحب اپنے مزید تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔

"رباط والوں کو دیہات میں پھرایا گیا۔ کافی مجمع ساتھ رہتا تھا۔ تعلیم، گشت، بیان، ذکر و تشکیل کی مشغولی کے ساتھ اصولوں کا مذاکرہ اور کام کی نزاکت بار بار ان کے سامنے آتی رہی اور ان حضرات کے ذمہ یہاں کا مقامی کام کیا گیا۔ رباط میں جامع عکاری میں ہفتہ واری اجتماع رکھا گیا۔ شروع کی ایک دو جمعرات ہم لوگ شریک رہے۔ اب وہی حضرات اسکو چلاتے ہیں۔ اپنی موجودگی میں سارے کام انھیں سے کرائے گئے۔ خصوصی اور عمومی گشتوں میں وہی لوگ جانے والے رہے۔ مشورہ بیان اور تشکیل بھی انھیں لوگوں سے کرائی۔ اتوار کے ۲۴ گھنٹہ کی جماعت کا لے جانا انھیں کے ذمہ رہا۔ رات بھی مقامی لوگ مسجد میں گزارتے ہیں۔ کھانا اپنے اپنے گھروں سے لیکر آتے ہیں۔ کھانے اور سونے کے آداب۔ تہجد کے فضائل وہی لوگ بیان کرتے ہیں اور مساجد میں بھی بعض جگہ گشت ہو رہا ہے۔ پورے رباط میں عجیب چہل پہل ہے۔ انھیں کے سپرد کر کے سارا کام ہم میں سے کچھ احباب وصولیابی کے لئے مختلف مقامات پر گئے۔ یعنی جن حضرات نے ہمارے علاقوں میں آنے کے ارادے کئے ہیں ان کو تیجہ کرنا اور پاسپورٹ کی ترتیب دینا اور ان کے اعذار وغیرہ کے حل کے لئے مختلف مقامات کا سفر ہوا، پھر رباط لوٹنا ہوا۔ الحمد للہ مقامی حضرات خوب کام کر رہے ہیں۔ پھر رباط کے بیس احباب کو لے کر دار البیضا جانا ہوا تاکہ دار البیضا کا مقامی کام بھی اہل رباط ہی سنبھالیں۔ دار البیضاء کی دو تین مسجدوں میں کام کر کے تین دن کے لیے قریۂ محمدیہ میں جو ۴۵ کلومیٹر ہے۔ پچاس احباب کے ساتھ جانا ہوا۔ وہاں جاکر دار البیضا کے مقامی اجتماع کا نقشہ بنایا۔ خصوصی مجلسوں میں ہمارے علاقوں کی تشکیل ہوئی۔ کافی نام آئے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے آسان فرمائے۔

دار بیضا میں بھی جمعرات کا اجتماع جامع حضاری میں رکھا ہے۔ تقریباً ۴۰-۵۰ عربوں نے رات گذاری اور اپنا اپنا کھانا لے کر آئے۔ دو جماعتیں تھوڑے تھوڑے وقت کے لئے پیدل بھی نکلیں۔ ۹۰ کلومیٹر رباط سے صرف عرب حضرات ہی چلے اور خوش رہے۔ الحمدللہ ایسے احباب عربوں میں بعض ہو گئے ہیں جو جماعت سے کر چلیں اور چند احباب اہل شوریٰ قسم کے بھی اللہ نے دیے جو ساری ترتیب کو چلا سکیں بلکہ اُن سے ہی چلوانے کی سعی کی ہے۔ دار بیضاء کے بڑے بڑے علماء و مشائخ اجتماع میں آئے اور بہت ہی مطمئن ہو کر تائید فرمائی اور ان کے مُریدوں نے، جو ہمارے ساتھ نکلے تھے انھوں نے خبر دی تھی اِسی سبب سے یہ مشائخ بیان میں آئے اور ہم بھی ان کی رُوحانی توجہات لینے کے لیے ان سے ملتے رہے۔ یہاں ایک بہت بڑے عالم اور شیخ ہیں۔ بہت ہی نڈر ہیں، حق گو ہیں، بادشاہ بھی ان کا احترام کرتا ہے۔ اس سال حج بھی کیا ہے۔ ان کے مریدین اکثر ساتھ دے رہے ہیں۔ شیخ بہت ہی رقیق القلب ہیں، بہت روتے ہیں۔ حج میں اُردو حلقہ دیکھ کر اور اس کی باتیں سُن کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ اُن کے آنے سے پہلے ہی انکے معتقدین نے ہمارے اس کام کو اچھی طرح اپنا لیا تھا۔ رباط میں شیخ فرید مصری نے اچھی طرح سب سے زیادہ اصولوں کو اخذ کیا ہے اور یہاں کے سارے کام کا انھیں کو ذمہ دار بنایا ہے۔ ہر مقام کا کام دیکھنا، اور اصولوں کو باقی رکھنا اور خط و کتابت سے مشورہ لیتے رہنا ان کے سپُرد ہے۔ ہمارے علاقوں میں آنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔

۸ر جون کو ۶۲ عرب لوگوں کو لے کر مراکش شہر میں پہونچنا ہوا جو ۲۴۴ کلومیٹر ہے۔ انمیں تجار اور ملازم پیشہ اور مزدور اور ہر طبقہ کے احباب تھے۔ راستے میں خوب تعلیم، ذکر اور نمبروں کا مذاکرہ ہوا اور ہر ایک کی استعداد کا اندازہ لگایا تاکہ آگے ان کے کام سپرد کر سکیں اور جماعتوں کا امیر بنایا جا سکے۔ مراکش کی مختلف مساجد میں پھیل کر رات کو سب جمع ہو جاتے ہیں اور عصر کے بعد بھی تین تین نفر کو پورے شہر میں تجار وغیرہ میں کام کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ دو

دن خوب کام لیکر اور وقت اصولوں کے ساتھ گذار کر تیسرے دن خصوصی مجلس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ساتھ ہماری اس دعوت کا جوڑ اور قربانیوں پر اُٹھنا، ملک و مال کے جذبہ سے خالی ہو کر مکی و مدنی دورِ صدیقی کی بنیادی باتیں کر کے میوات کے کام کی ابتداء اور حضرت رحمہ اللہ علیہ (مولانا محمد الیاس صاحب) اور حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب) اور ان کے اعوان کی اس وقت کی دینی جدوجہد اور ان کے عالم پر کیا اثرات پڑے۔ یہ سب کہہ کر اچانک دور کی تین تین چلوں کی تشکیل کر لی جاتی ہے۔ اگر اللہ پاک پاسپورٹوں کے مسائل کو آسان کر دے تو کافی احباب تیار ہیں ورنہ ان کو اسی ملک میں پھیلا دیا جائے گا انشاء اللہ، لوگوں میں خوب استقبال پایا جاتا ہے۔

۱۲، ۱۳، جون بدھ جمعرات دار بیضا میں اجتماعِ ہفتہ واری سے فراغت پر جمعہ رباط میں اور سنیچر۔ اتوار ۴۸ گھنٹے کا ایک اجتماع قنطرہ میں رکھا ہے جس میں مراکش، دار بیضا، رباط، وجدہ، تازہ، فاس، مکناس، سلا، طرقۃ، سیدی یحییٰ، تقدم، محمدیہ وغیرہ کے سارے ہی مقامات کے احباب کو جوڑ کر الوداعی گفتگو کے ساتھ نقد جتنی جماعتیں نکل سکیں نکال کر پھر واپسی کے لیے تیار شدہ احباب پر محنت کر کے جس وقت بھی آسانی سے احباب مل جائیں لے کر واپسی ہو۔ نکلنے کی تاریخ ابھی معین نہیں کی۔ عرب احباب کی ترتیب پر نکلنا ہوگا۔ آخرت کا فکر، اللہ کا ذکر، نمازوں کا خشوع۔ ایمان کی قوت، اخلاص کا نور، اخلاقِ نبوی، اللہ کی بات کی عظمت کی ترویج کے لیے اللہ ہماری اور امت کی جان اور مال کو قبول کر لے اور موت کے وقت کلمہ نصیب ہو اور عذاب قبر سے محفوظ رکھے اور جنت کا داخلہ نصیب کرے۔ دوزخ سے بچائے۔

مراکش میں دار بیضاء والوں کے سامنے خصوصی بات ہوئی۔ آخر میں چار چار ماہ کے نام آئے۔ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ ایک صاحب پر بے ہوشی سی طاری ہوئی۔ ان کے یہ فطری

صفات ہیں جو ہمارے ہاں مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔

۱۵-۱۶ جون کو قنطرہ میں اجتماع ہوا۔ ہر جگہ کے یعنی پورے مراکش کے احباب تشریف لائے۔ باہر سے آنے والے تقریبًا دو سو تھے۔ وجدہ، فاس، رباط، مکناس، دار بیضا، مراکش سب جگہ کے لوگ تھے۔ عربوں کا بستر ے کر آنا اور ذکر، تعلیم، بیان، گشت، تہجد میں وقت گزارنا عجیب منظر رکھتا ہے۔ تین جماعتیں نقد نکلیں۔ ایک جماعت وجدہ کی طرف جو ۵ کلومیٹر ہے، سواری اور پیدل کام کرتی ہوئی پہنچے گی۔ چار ماہ لگیں گے۔ دوسری جماعت چار ماہ کے لیے مراکش اور تیسری جماعت طنجہ کے لیے ایک چلہ کی نکلی۔ امیر و مامور سب خوش ہو کر نکلے اور ۲۲ افراد ہمارے علاقوں کی ترتیب کے لیے پھیلے۔ الحمد للہ ہر جگہ کے مقامی کاموں کی ترتیب اس اجتماع میں قابو میں آئی۔ قنطرہ کے رخصتی اجتماع کے درمیان عرب حضرات ایسے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے جیسے اولاد کے مرنے پر روتے ہوں۔ یہ حُب فی اللہ کا نمونہ تھا۔"

دسواں باب

افریشیائی مسلم اور غیر مسلم ممالک میں تبلیغی نقل و حرکت

درویش خدا مست ہے شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

عرب ممالک میں تبلیغی کام کے شروع ہونے کے بعد مختلف ممالک میں (خواہ وہ مسلم ملک ہوں یا غیر مسلم، افریقہ یا ایشیا کے ملک ہوں یا یورپ کے) تبلیغی کام کی بنیا دپڑ گئی، جو لوگ حج کو جاتے وہ اس کام کو دیکھ کر اپنے اپنے ملکوں میں کرنے لگتے۔ نیز اس سلسلے میں ہند و پاک کی بکثرت جماعتیں ان ممالک میں گئیں۔ ان ممالک میں افغانستان، ترکی، انڈونیشیا، ملایا، برما سنگاپور، لنکا، نائیجیریا اور اسکے متصل دوسرے افریقی ممالک ہیں، جن میں اکثر مسلم ممالک ہیں بکثرت جماعتوں کی نقل و حرکت ہوئی، کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے جم کر کام کیا۔ مقامی باشندوں نے بڑھ چڑھ کر ان جماعتوں کا استقبال کیا۔ اس استقبال کی وجہ یہ تھی کہ تبلیغی جماعتیں مقامی سیاست اور قومی عصبیت کا شکار نہ ہوتیں۔ وہ صرف اسلام کے بنیادی ارکان اور اعمالِ صالحہ اخلاقِ نبوی کی تبلیغ و اشاعت اور دین سیکھنے کی ترغیب و تحریض سے کام رکھتیں۔ ان جماعتوں

کی محنت، مشقت اور راہِ خدا میں قربانیوں، اخلاص و سادگی کے اختیار کرنے اور انتشار و افتراق سے بچنے اور لینے کے بجائے دینے کے اُصول کو دیکھ دیکھ کر ہر ملک کے باشندے ان کی طرف کھنچتے اور بلا اختلاف عوام، علماء، ارکانِ حکومت سب ہی ان کو اور ان کے کام کو بنظرِ استحسان دیکھتے اور ان کے اجتماعات میں شرکت کرتے۔

ہم طوالت کے خوف سے ہر ہر ملک کے حالات اور تبلیغی سرگزشت کی تفصیل تحریر نہیں کرتے بلکہ چند ممالک کے سفروں کے تاثرات بیان کرنے پر اکتفا کریں گے تاکہ تبلیغی کام کی ہمہ گیری، وسعت اور عمومی طور پر ہر ملک میں جو استقبال پایا جاتا ہے۔ اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوسکے۔ ورنہ تفصیل سے اگر ذکر کیا جائے تو صرف تاثرات کے بیان میں ایک مستقل کتاب درکار ہے جو ہمارے موضوع سے باہر ہے اور تحصیل حاصل بھی ہے۔

ان سارے ممالک میں وہی حضرات اوّل اوّل پہنچے جو مولانا محمد یوسف صاحب کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ تھے، مولانا ہی کے ارشاد و مشورہ سے، تبلیغی جماعتوں نے ان ممالک میں کام کیا اور بعد میں کام کرنے والوں کے لیے زمین ہموار کی۔ شروع شروع ان بااُصول اور پُرانے کام کرنے والوں کو جن مشقتوں کی زندگی گذارنی پڑی اور جن شدید مراحل سے گزرنا پڑا وہ بیان سے باہر ہے۔

افغانستان اگست ۱۹۵۶ء میں افغانستان پہلی جماعت گئی تھی اس کے امیر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی تھے۔ اس جماعت میں دس افراد تھے۔ (۱) مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی (۲) حافظ عبد العزیز (۳) حافظ صدیق (۴) حافظ سعید الدین مرادآبادی (۵) شاہد حسین مرادآبادی (۶) حافظ سعید ابن حاجی نسیم دہلوی (۷) حاجی نجم الدین دہلوی (۸) حاجی عزیز الرحمن، (۹) سمیع الدین میرٹھی (۱۰) حکیم عبد الرشید میرٹھی۔

یہ جماعت سب سے پہلے کابل پہنچی، ۲۰ دن قیام کیا، کابل کے دار العلوم میں اجتماع ہوا جس میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی نے عربی میں تقریر کی اور بڑی پُر اثر تقریر کی، اس تقریر

کا اثر پورے شہر میں ہوا اور جماعت کا چرچا ہوا۔ دوسرا اجتماع قلعہ جواد میں ہوا۔ اس اجتماع میں ملک کے چیدہ چیدہ حضرات شریک ہوئے۔ مولانا عبید اللہ صاحب نے عربی میں تقریر کی، اس تقریر سے پورے افغانستان میں کام کا تعارف ہوا۔ اس کے بعد جماعت غزنی گئی، وہاں تین دن قیام کیا اور گشت و اجتماع ہوئے۔ غزنی کے تقریباً دس میل کے فاصلے پر حضرت نور المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کیا ہوا مدرسہ دار العلوم جامعہ محمدیہ ہے۔ اس میں جماعت نے ایک شب قیام کیا۔ غزنی سے جماعت قندھار گئی اور قندھار میں ایک ہفتہ قیام کیا۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا الیاس صاحب سے بڑا گہرا تعلق تھا اسی سبب سے وہ تبلیغی جماعتوں کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں اور جہاں جہاں بھی ان کی مدد و اعانت کی ضرورت پڑی مدد اور سرپرستی فرمائی۔ افغانستان میں حضرت مدنی کے تلامذہ اور تعلق رکھنے والے مشائخ بکثرت تھے۔ جب یہ تبلیغی جماعت افغانستان جانے لگی تو حضرت مدنی نے بعض ذی اثر علماء کو خطوط تحریر فرمائے تاکہ جماعت کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور جس مقصد کیلئے وہ جارہی ہو وہ پورا ہو۔ مندرجہ ذیل مکتوب ملاحظہ کیجئے۔

ایہا الغائبون عن نظری طال شوقی الی لقائکم

"بخدمت عالی جناب ذوالجاہ والاکرام مولانا فضل ربی و حضرات علماء کابل لازالت شموس فیوضکم و بدور معالیکم لامعۃ ازیں بعد ادائے مراسم اسلامیہ و سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ عرض آنکہ حاملین عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرنا ہے اور مسلمانان افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے۔ امید آں کہ آپ حضرات ان کی امداد و اعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تسہیلات سے دریغ نہ

فرمائیں گے۔ والسلام۔ خیر اندیش۔ ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

صدر جمعیۃ علماء ہند ۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۰ھ۔

ترکی ترکی کا جب بھی نام آتا ہے تو صدیوں کی پُرشوکت اور شاندار اسلامی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں کھنچ جاتا ہے اس ملک نے مسلمانوں کی شاندار تاریخ میں ایک نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ فاتح قسطنطنیہ محمد فاتح کے نام سے مسلمانوں کے سر فخر سے اُٹھ جاتے ہیں۔ صدیوں ان فاتحین کے قدموں کے نیچے یورپ کے بڑے بڑے فرماں رواؤں کے سر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ الغاء خلافت کے بعد یہ عظیم ملک بھی مغربی تہذیب و تمدّن کی گود میں جاگرا اور مزید برآں قومیت و وطنیت کے معماروں کے ہاتھوں ترکی مسلمانوں کے دلوں سے جس طرح اسلامی شعائر کی حرمت نکالی گئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر ان سارے مظالم کے بعد بھی عوام کے اندر غیرت و حمیّتِ اسلامی اسی طرح زندہ ہے جیسے پہلے تھی اور جب بھی ان کو موقع مل جاتا ہے وہ ایمانی چنگاری سلگنے لگتی ہے۔ جب تبلیغی جماعت وہاں پہنچی تو عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور علماء نے استقبال کیا اس سلسلہ کا ایک مکتوب ملاحظہ کیجئے:

"آج ماہ مئی کی ۱۴ اور ماہ ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ ہے یعنی بقرعید کا وہ مبارک دن ہے جو مسلمانانِ عالم کو قیامت تک رضائے الٰہی پر قربان ہونے کی دعوت دیتا رہے گا۔ اور اس دن کی دعوت پر لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان اپنے مولا کی خوشنودی کے لیے قربانیاں پیش کریں گے، مگر ہم ہندی ملک کے چند غلام اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب دین کی محنت کے رواج کو زندہ کرنے کی آواز لگانے کے لیے ہندوستان سے پانچ ہزار کیلومیٹر کے فاصلہ پر ترکی کے دار الخلافہ انقرہ جسکو انگورہ بھی کہا جاتا ہے۔ عید منا رہے ہیں۔ ترکیہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اسکے چپہ چپہ نے ہمارا استقبال شروع کر دیا تھا۔ پھر ان انسانوں کی محبت اور استقبال کا کیا پوچھنا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ہی سن کر بے قرار

ہوجاتے ہوں۔ غرض کہ ہم ترکیہ کے جس شہر میں داخل ہوئے اور اس کے رہنے والوں کو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے بندے پانچ ہزار کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے صرف اللہ کے دین کے لیے ہمارے ملک میں آئے ہیں، تو ان کا ہم سے ملنے کے لیے اس طرح ہجوم ہو جاتا جس طرح شمع پر پروانوں کا، اور گفتگو اور تقریر کے بعد بلا مبالغہ وہ ہمیں اس طرح سینوں سے لگاتے اور ہمارے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے مشتاق ہوتے جس طرح حقیقی ماں اپنے اکلوتے بچے کو۔ ہم میں سے ہر ایک ان قربان ہونے والے انسانوں کی زبان سے ناآشنا تھا اور صرف عربی زبان میں ترجمان کے ذریعے سے دین کی عظمت اور محبوبیت کو پیش کرتے تھے جس کو سننے کے بعد بوڑھوں اور جوانوں کے دل دین کی محبت میں ڈوب جاتے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے۔ پھر عام انسانوں ہی کا یہ حال نہیں تھا بلکہ علماء اور خطباء اور واعظین تک ہماری باتوں پر سر دُھنتے تھے اور کبھی کاغذوں اور کبھی ریکارڈنگ مشینوں میں ہماری تقریروں کو بند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

استنبول کے پندرہ روزہ قیام میں بڑے بڑے دینی اداروں اور اسلامی انسٹیٹیوٹ اور درس گاہوں کے طلباء کا ہجوم اور اساتذہ کرام کی شیفتگی قابلِ دید تھی، گویا ہم ایسی نئی چیز ان کے سامنے لے کر آئے ہیں جس کو انھوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ مضمون نگاروں اور اخبار نویسوں کا اصرار کہ ہم کو اخباروں میں چھاپنے کی اجازت دی جائے اور نئی روشنی کے نوجوانوں اور کیمرہ برداروں کا اصرار کہ ہم کو ان محفلوں کے مناظر اور ان پیاری صورتوں کے فوٹو لینے سے نہ روکا جائے۔ ہم چہروں کو چھپاتے، ان کو سمجھاتے کہ دین کی محنت صرف کاغذوں کے نقوش اور ہوا میں گم ہو جانے والے الفاظ سے زندہ نہیں ہو سکتی، اگر ان الفاظ اور نقوش کو اس اُمت بیمار کے لیے علاج سمجھ لیا گیا تو بعینہٖ ایسی مثال ہو گی جس طرح کسی مریض کو دوا لاکر پلانے کے بجائے نہایت چمکدار کاغذوں پر دوائیں لکھ کر دے دی جائیں۔ یا ایک خوش الحان آواز یا ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر سے ان دواؤں کے نام بیمار کو سنائے جائیں۔ درحقیقت انسان کی

زندگی کی ترقیات اور اس میں انسانی اخلاق اور کمالات کا حاصل ہونا اس کی محنت اور مجاہدہ پر موقوف ہے۔ اس کی محنت اور مجاہدہ سے انسانیت کو چمکانے اور اللہ جل شانہٗ کی نگاہ میں محبوب بنانے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اخلاق اور طریقۂ حیات پر محنت کرنے کا نام دین ہے۔

اسی اثناء میں ہمارے خیالات اور طریقۂ دعوت سے مطلع ہو کر جناب ڈاکٹر اسماعیل صاحب نے، جو ادارۂ ائمہ وخطباء کے رکن اعلیٰ اور منتظم خاص ہیں، اپنے دولت کدہ پر شام کے کھانے پر بڑا اصرار کیا ہم نے اس شرط پر کہ وہ خصوصی احباب کو بھی اپنے یہاں مدعو کریں، منظور کر لیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے احباب، عمائدین شہر، وکلاء، ڈاکٹروں اور جمعیۃ خیریہ کے ممبران و صدر کو ہماری تقریب پر جمع کر لیا۔ جمعیۃ خیریہ دینیہ کے صدر نے ترکیہ پر جو بے دینی کے حالات گزر چکے ہیں سنائے اور دیگر احباب کی مساعیٔ تعلیم عربی و قرآن اور دینی اداروں کے قیام میں جو صبر آزما مشکلات پیش آئی تھیں بیان کیں۔ ہم نے ان کی سُنی اور ان مشکلات کے باوجود کامیاب ہونے پر انتہائی مبارکباد پیش کرتے ہوئے آئندہ کے لئے عمومی دینی جدوجہد کی دعوت اور طریقۂ کار پیش کیا۔ غرض کہ اس ایک دن میں خصوصی و عمومی اجتماع عمل میں آتے رہے اور اس طریقۂ کار کو دیکھ کر سمجھنے کے لئے ہماری دعوت پر چند تاجر اور ایک عالم نے پانچ ماہ کے بعد موسم سرما میں ہندوستان آنے کے فیصلے کئے، بالآخر یکم مئی کو وہ گھڑی آ پہونچی کہ جس میں استنبول کے احباب نے اشکبار آنکھوں اور سرد آہوں کے ساتھ ہمیں انقرہ کے لیے بس میں سوار کرا کے رخصت کیا۔ بعض نوجوان طلباء ہمیں رخصت کرنے کے لیے بس کے علاوہ جہاز تک ہمارے ساتھ رہ کر کام کی تفصیلات اور طریقۂ کار سمجھتے رہے۔ آخر جہاز نے لنگر اٹھایا اور یہ نوجوان حسرت بھری نگاہوں سے ہم کو دور تک دیکھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ہم نو گھنٹے مسلسل سفر کے بعد تین دن سے انقرہ میں مقیم ہیں[1]۔"

---

[1] مکتوب مولانا ضیاء الدین صاحب۔

ایک دوسرے مکتوب کو بھی ملاحظہ کرتے چلئے تاکہ ترکی میں تبلیغی کام پر صحیح روشنی پڑ سکے۔

"الحمدللہ ہماری جماعت جو ۱۲ر جنوری کو بمبئی سے ترکی کے لیے روانہ ہوئی تھی۔ ۷ا ر مارچ کو بعافیت اسکندرونہ جو حلب سے بذریعہ سڑک حدودِ ترکی کو ملاتا ہے، پہنچ گئے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بصرہ بغداد دمشق اور حلب میں حالات کے نشیب و فراز کی وجہ سے لگ گیا۔ حلب تک مولانا محمد عمر کی ہمراہی کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اسکندرونہ میں ، و بندرگاہ ہے اس میں مسلمانوں اور نصاریٰ کی مخلوط آبادی ہے۔ پانچ مساجد ہیں۔ جامع حمیدی میں قیام ہے۔ مساجد میں سونا اور قیام کرنا عیب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مساجد بند رہتی ہیں۔ مدرسے کے کمروں میں سے جو صحن مسجد میں ہیں ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ اس مسجد کے دونوں امام اور مفتیٔ اسکندرونہ ہر وقت کام میں معاونت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ مشورے سے پانچوں مساجد کا نظام بنا کر کام شروع کر دیا ہے۔ انطاکیہ کے لیے جو یہاں سے تقریباً سوا سو کلومیٹر ہے، تین دن کی جماعت کی تشکیل شروع کر دی ہے۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے ہر مسجد سے پندرہ بیس نام آتے ہیں۔ ہندوستان کا مطالبہ بھی رکھا ہے الحمدللہ دس نام آئے ہیں ابھی تفصیلی بات نہیں ہوئی کہ کیا کیا انتظامات کرنا ہیں۔ عمومی گشت کبھی قبل عصر کبھی قبل مغرب کیا جاتا ہے۔ تعلیمی حلقے بھی ہوتے ہیں۔ ترک حضرات جوان بوڑھے اور بچے سب ہی متاثر ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ زبان سے، آنکھوں سے جسم کے مختلف حصوں سے خوشی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی دینی محنت و قربانی سنکر روتے ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ سنیچر ۲۳ر مارچ کو انطاکیہ کیلئے بہت بڑی جماعت نکلے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری اوقات گزاری میں ہماری خصوصی مدد فرمائے

پاسپورٹ وغیرہ کی دشواری سے پانچ نفر میں سے دمشق میں تین نفر باقی رہے۔ اسلئے مشورے سے ہمیں مولانا ضیاء الدین صاحب مل گئے۔ اس طرح ہم چار نفر ہیں۔ قبل ازیں پاکستانی جماعتوں نے یہاں کام کیا ہے۔ حاجی عبدالرحمن احمد آبادی، اسمٰعیل بھائی جوگیشوری اور مولانا ضیاء الدین صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔ ہر مسجد کے امام انتہائی خلوص اور محبت سے ملتے ہیں۔ امام جامعہ عبدالحمید واعظ، عربی تقریر کا ترکی میں ترجمہ کرتے ہیں۔ حاجی عثمان مدرس عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ترجمانی کا کام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی چونکہ شام قریب لگا ہوا ہے تو اکثر حضرات انفرادی گفتگو کے لیے مل جاتے ہیں"۔[1]

انڈونیشیا انڈونیشیا ہندوستان کے مشرقی جانب کئی ہزار جزیروں کے مجموعے پر مشتمل تقریباً دس کروڑ کی آبادی کا مسلمان ملک ہے۔ اس ملک میں سب سے پہلے مولوی عبدالملک مُرادآبادی تبلیغی سلسلے میں گئے تھے اور چند رسالے تقسیم کئے اور ان کی اشاعت کی۔ اس کے بعد میاں جی عیسٰی ایک جماعت لے کر گئے۔ اس جماعت میں مولوی جمیل احمد حیدرآبادی، عبدالحلیم صاحب پاکستانی تھے، اس جماعت کو سب سے بڑی دُشواری زبان کی ہوئی۔ نہ کوئی ان کی سمجھتا نہ یہ کسی کی سمجھتے، جو بات ہوتی اشاروں میں ہوتی اور "زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم" کے مصداق بنے پھرتے رہتے اور بڑی مشکلوں سے اپنی بات کہتے اور لوگوں کی بات سمجھتے۔ میاں جی عیسٰی اپنے اس سفر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

" ہم جب انڈونیشیا پہونچے اور کسٹم وغیرہ سے فارغ ہوکر باہر نکلے ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ٹیکسی والے نے پوچھا" کہاں چلوگے؟" ہم نے اشارے سے کہا" مسجد" وہ بولا" کون سی؟" ہم نے کہا، کسی بڑی مسجد میں۔ یہ سب باتیں اشاروں میں ہوئیں۔ اس نے ساٹھ روپے کرایہ لیا جو ہندوستان کے چھ روپے کے برابر تھے۔ اُسنے ایک بڑی مسجد میں پہنچا دیا۔ اس وقت لوگ نمازِ عصر پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے

---

[1] مکتوب عبدالحمید بھوپالی بنام مولانا محمد یوسف صاحبؒ۔

اتفاقاً ایک عرب مل گیا۔ اس سے عربی میں بات کی اور اطمینان ہوگیا۔ عرب نے ہم سے آنے کا مقصد پوچھا۔ ہم نے جواب دیا، تبلیغ دین کے لیے آتے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور فوراً ٹیکسی کر کے اپنے مکان لے گیا اور پھر وہ ان لوگوں کو لایا جو ہندوستانی الاصل تھے اور اُردو جانتے تھے جن میں ایک حاجی محمد صاحب میمن بھی تھے جو بڑے تاجروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولوی عبدالملک صاحب جب انڈونیشیا گئے تھے تو اپنے پیچھے ان کو امیر بنا کر واپس ہوئے تھے میمن صاحب سے تفصیلی بات ہوئی اور انھوں نے مولوی عبدالملک صاحب کا دیا ہوا وہ پمفلٹ دکھلایا جو ان کو مولوی صاحب دے گئے تھے۔ عرب صاحب نے کھانے پر اصرار کیا تو ہم نے اپنی دعوت رکھی جس کو عرب صاحب نے قبول کیا اور وعدہ کیا کہ وہ بھی دین کا کام کریں گے۔ دوسرے دن سے ہم لوگوں نے عام گشت کرنا شروع کر دیا۔ جب بھی گشت کرتے تھے، لوگ جمع ہو جاتے اور ہمارے اس طریقے کو دیکھ کر بہت حیرت زدہ ہوتے۔ اسی طرح اجتماع کیلئے مسجد بھر جاتی۔ عشاء کی نماز کے بعد بیان ہوتا اور ایک صاحب ابوبکر حضرمی جو ہندوستان میں مدتوں رہے تھے اس کا ترجمہ کرتے۔ اپنے اُصول کے موافق ہم نے ہر اجتماع میں تین تین چلوں کی دعوت رکھی اور ہندوستان چلنے کی پُر زور دعوت دی۔ شروع شروع لوگ خاموش رہے اور کہا کہ ہندوستان جانا مشکل ہے۔ اس کے بعد ہم نے خصوصی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تقریباً بیس دن تک یہ ملاقاتیں جاری رہیں۔ انڈونیشیا کے مشہور دینی رہنما ڈاکٹر محمد ناصر سے ملاقات کی اس ملاقات کے رہبر خمیس عسکر تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف شہر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر رہتے تھے۔ ہم نے ملاقات کے دوران صرف چھ نمبر بیان کیے جن کو سنکر ڈاکٹر صاحب بولے یہ کام تو صحابہ کرامؓ کا ہے۔ آپ لوگ ایک سال قیام کریں۔

اس ملاقات کے علاوہ بعض بڑے بڑے اجتماع کئے جن میں بڑے بڑے تاجر شریک ہوئے۔ چند دنوں کے قیام اور نجی ملاقاتوں کے بعد لوگ متوجہ ہونے لگے اور اندرون ملک میں جماعتیں نکلنا شروع ہوگئیں عام طور پر لوگ کاروں پر سفر کرتے۔ بانڈونگ میں تین دن قیام کیا لوگ ہمارے بیان کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔ ہم نے وہاں سے ایک جماعت نکالی اور جاکرتا کا سفر کیا۔ جاکرتا میں ۳ ماہ قیام کیا۔ دو ماہ کے بعد ایک خصوصی اجتماع کیا جس میں ہم نے کہا کہ بھائیو! ہم اس ملک میں اس لیے آئے تھے کہ آپ حضرات ہماری بات سُن کر ملک کے باہر چلیں گے، آپ لوگ ہمت کرکے باہر چلنے کا ارادہ کیجئے اور ہندوستان کے اس مرکز میں رہ کر دیکھئے کہ تبلیغی کام کس طرح ہو رہا ہے۔ ہماری اس دعوت پر سات آدمی ہندوستان کے لیے تیار ہو گئے۔ ہم نے اس کی اطلاع فون کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کو دی جس کو سُن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ سات آدمی کیسے تیار ہو گئے۔ پھر ان ساتوں کو لے کر ہم ڈاکٹر صاحب کے یہاں گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑا اعزاز کیا اور بڑی ہمت افزائی کی۔ ایک گھنٹہ ان کے مکان پر رہے۔ الحمدللہ ہمارے ساتھ چھ آدمی بستی نظام الدین آتے اور دین سیکھ کر اپنے وطن واپس ہوگئے۔"

اس جماعت کے تعلیم وگشت اور عمومی وخصوصی اجتماعات کے بعد انڈونیشیا میں تبلیغی جماعتوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی۔ خصوصًا پاکستان سے بکثرت جماعتیں جانے لگیں اور انھیں نقوش پر کام کیا جو نقوش پہلی جماعت قائم کرکے ہندوستان آئی تھی اور ان لوگوں نے ان جماعتوں کے ساتھ پورا تعاون کیا جو اس پہلی جماعت کے ساتھ کر چکے تھے۔

ملایا انڈونیشیا اور ہندوستان کے درمیان ملایا بھی ایک مسلمان ملک ہے۔ وہ جماعت جو

انڈونیشیا گئی تھی واپسی میں ملایا بھی رکی تھی اور چند دن ٹھہر کر کام کیا تھا۔ میاں جی عیسیٰ جو اس جماعت کے امیر تھے اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"۱۹۶۲ء میں ہماری جماعت ملایا گئی، لیکن مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی، مسجدوں میں قیام کا دستور اس ملک میں قانوناً نہیں تھا۔ ہم نے ملایا کے مفتی صاحب سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا مفتی صاحب نے ہماری بات بڑی غور سے سُنی اور بڑا تاثر لیا۔ ہم بات کر ہی رہے تھے کہ انھوں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک صاحب کو جو کسی دینی جماعت کے نائب صدر تھے فون کیا اور کہا کہ فوراً آؤ، ایک خیر کی بات ہاتھ لگی ہے وہ کہیں ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ وہ صاحب فوراً پہنچے۔ حسنِ اتفاق سے وہ دیوبند میں پڑھ چکے تھے اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بخوبی واقف تھے اور مل بھی چکے تھے۔ وہ مل کر بہت خوش ہوئے اور ہم کو لے کر جماعت کے صدر صاحب کے پاس گئے۔ صدر صاحب سے بھی بات ہوئی۔ انھوں نے ٹھہرنے کے لیے اپنی کوٹھی پیش کی۔ ہم نے کہا کہ ہمارا قیام مسجد میں رہتا ہے، وہیں قیام کرنا چاہتے ہیں انھوں نے مسجد کھلوا دی ہم نے قیام کیا اور مغرب کے بعد اجتماع کیا۔ اجتماع عشا تک چلتا رہا۔ مجمع تقریباً بارہ ہزار کا ہوگیا۔ ہماری تقریر میں خدا نے وہ اثر دیا کہ مجمع خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ جب ہم اپنی بات کہہ چکے تو مجمع نے اصرار کیا کہ اور بات کہیں۔ ان کے اصرار پر بات اور چلی اور ۱۲ بج گئے۔ لوگوں نے ہمارے مطالبے پر باہر نکلنے کے لئے نام لکھائے اور دوسرے مقامات تک لوگوں نے ہمارے ساتھ سفر کیا۔ صدر صاحب نے اپنے عملے کے سامنے تقریر کرائی۔ الحمد للہ ہمارے اس سفر سے ملایا کے لوگوں میں اچھا خاصا تاثر پیدا ہوا۔"

میاں جی عیسیٰ اپنے ایک مکتوب میں مولانا محمد یوسف صاحب کو کلانٹن (ملایا) سے تحریر

کرتے ہیں:۔

"کلام و عمل سے حقیقت کو پہچاننے والے جب اس تبلیغی کام کو دیکھتے اور سنتے ہیں تو بہت ہی تعجب کرتے ہیں کہ یہ ہیرا اس طرح چھپا کر کیوں پیش کیا جارہا ہے۔ آج کی انسانی حرکتوں اور محنتوں کے بازار اس سے خالی ہیں۔ نظریں اور دل اس کے متلاشی ہیں کہتے ہیں آج پہلی دفعہ ہم نے یہ کلام اور کام سنا۔ نہ کبھی اخباروں میں پڑھا نہ رسالوں میں دیکھا نہ ریڈیو پر سنا، ہم نے عرض کیا کہ یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے نقش قدم پر اٹھایا گیا ہے اور اسی زندگی کو زندہ کرنا اور انسانی بدن میں پیوست کرنا مقصود ہے تو یہ چیز اخباروں اور ریڈیو اور رسالوں اور کتابوں سے ہرگز ہرگز پیدا نہ ہوسکے گی۔ یہ تو ان کی طرح محنتیں کرنے، مشقت جھیلنے اور جان و مال کی، اللہ رب العزت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی دین کی نسبت پر قربانی دینے سے ہی اپنے اندر پہلے اور دوسروں میں ذیلاً پیدا ہوگی بہرحال ہر جگہ کام کی شکلیں پیدا ہوئیں وعدے اور ارادے اور عزائم کا اظہار تو بہت دکھلایا عملاً ہر جگہ سے دو دو چار چار رات تین رات والے بھی ساتھ لگتے رہے۔ اہلِ ملایا اب تک آٹھ تیار ہوئے ہیں"۔

یہ جماعت سنگاپور ہوتی ہوئی ہندوستان واپس ہوئی سنگاپور میں بھی کام کیا۔ عہدے داروں، عوام، علماء سب ہی طبقوں میں کام ہوا اور اس کے مفید اثرات مرتب ہوئے۔

برما برما ہندوستان سے متصلاً ایک غیر مسلم اکثریت کا ملک ہے جہاں ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے مسلمان تاجر ہیں جن میں اکثریت گجراتی مسلمانوں کی ہے، برما میں سب سے پہلے تبلیغی جماعت لے جانے والے مولوی اکبر علی بنگالی اور مولوی داؤد صاحب میواتی تھے۔ یہاں سالہا سال سے تبلیغی کام ہو رہا ہے، حافظ محمد صالح صاحب مظاہری اور اُن کے رفقاء اس میں پیش پیش رہے۔ مولانا مفتی محمود صاحب مظاہری (مفتی اعظم برما) اور مولینا

ابراہیم احمد صاحب مظاہری مرحوم، ایڈیٹر "دورِ جدید" (رنگون) کام کی اعانت اور سرپرستی کرتے رہے۔ اس کے بعد افتخار فریدی صاحب نے پہنچ کر جماعتوں میں اشتراک پیدا کیا۔ آپس میں سخت اختلاف تھا، سارے طبقوں کو جمع کیا اور ایک دوسرے سے تعلق وارتباط پیدا کیا، برما میں جو علماء ہیں وہ اکثر مظاہر العلوم سہارنپور کے فارغ التحصیل ہیں ان کا اجتماع کیا تاجروں کو جمع کیا ان میں اجتماع کیا۔ برما میں انقلاب آنے سے مالی تنگی پیدا ہوگئی تھی اور مسلمان تاجروں پر اس کا بڑا اثر پڑا تھا۔ اس کی وجہ سے دل ٹوٹے اور لوگ خدا کی طرف رجوع ہوئے۔ پیدل جماعتوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پیدل جماعتوں نے جنگلوں پہاڑوں اور سخت راستوں میں چل چل کر دیہات وقصبات میں کام کیا جس کی وجہ سے مقامی لوگ متوجہ ہونا شروع ہو گئے۔ پیدل جماعتوں کے اسفار کے تاثرات بڑے اچھے اور گہرے تھے۔ ایک پیدل جماعت کے سفر کے حالات پیدل جماعتوں کی سرگزشت کے باب میں ذکر کئے جائیں گے۔ فریدی صاحب نے برما سے مولانا محمد یوسف صاحب کو ایک مکتوب تحریر کیا تھا۔ وہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

"۱۵/اپریل ۶۲ء کو رنگون پہنچا ہوں۔ یہاں کی قومیں پانی کھیلنے کا تہوار کرتی ہیں۔ اس کی چھٹی میں اکثر احباب جماعتیں لے کر ملک کے مختلف سمتوں میں گئے ہوئے تھے۔ یہاں تو گجرات کی فضا ہے۔ سورتی اور میمن چھائے ہوئے ہیں مزید برآں مدراس کے ماشاء اللہ کافی حضرات اس عالی عمل کی طرف متوجہ ہیں۔ میمنوں کو جس قدر یہاں اس کام کی طرف متوجہ پایا کہیں نہیں دیکھا۔ مسجدیں عظیم الشان ہیں۔ تجارت میں کافی مسلمان لگے ہوتے ہیں۔ ایمان کے کام پر قربانیاں کرنے والے بن جائیں تو لاکھوں میل خیر کی ہوائیں چلیں، روس وچین میں ایمان ودعوت کا رخ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلامی آبادیاں، ملایا، انڈونیشیا، بنکاک، ویٹ نام، فلپائن وغیرہ کے مسلمان ایمان کا کام کرنے والے بن سکتے ہیں۔ جاپان کی ہدایت کے لیے بڑا

کام کر سکتے ہیں۔ روزانہ باری باری سے مسجدوں میں کام ہوتا ہے۔ ہر شخص جس سے ملاقات ہوتی ہے دعوت سننے اور خیر مقدم کرنے میں پوری بشاشت سے کام لیتا ہے۔ اب تک کوئی اجنبی بھی ایسا نہیں ملا جو گریز کرے اور ناگواری کی بات کہے، مدراسی ماشاء اللہ ایسے لگے ہوئے ہیں کہ ایسے مدراس میں بھی نظر نہیں آئے۔ جماعت جب باہر سے آتی ہے تو دن رات لگے رہتے ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود کچھ باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے بہت فکر ہے، دعاؤں کی ضرورت ہے۔

کام چلانیوالے بہت ہی مخلص اور سمجھ دار ہیں۔ اپنے ملک کی جماعتیں بھی دلّی کے لیے روانہ کرتے رہتے ہیں، لیکن خود اپنی ذاتوں کے ساتھ دہلی کا آنا جانا بالکل بند ہے۔ عربی مدارس میں علمائ کافی ہیں۔ سب مدرسۂ مظاہر العلوم کے فارغ ہیں۔ یہاں کا سب سے بڑا علاج پیدل جماعتیں ہیں مستورات کا کام مولوی داؤد کی یادگار میں قائم ہے۔ ہفتہ واری اجتماع بہت ہی ناقص شکل میں چل رہا ہے۔"

ان سفروں سے بعد میں جماعتوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور ہر طبقے میں تبلیغی کام چلا۔

سیلون سیلون (لنکا) ہندوستان کے جنوب میں ایک جزیرہ ہے۔ اس جزیرے میں، جو غیر مسلم ہے، مسلمان اقلیت میں ہیں۔ کئی بار جماعتیں گئیں۔ اسی جزیرہ کے قریب بعض جزائر مسلمانوں کے ہیں جیسے لکا دیپ وغیرہ، ان سارے جزیروں میں تبلیغی جماعتوں نے کام کیا اور پیدل جماعتوں کو چلایا۔ ان جماعتوں میں جماعت کے ایک رکن محمد حنیفہ صاحب نے سیلون کے سفر کے دوران مولانا محمد یوسف صاحب کو ایک مکتوب لکھتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا:

"رمضان المبارک میں حسب دستور جماعتوں کا نکلنا، اجتماعات کی تشکیل وغیرہ

امور برابر انجام پاتے رہے۔ رمضان کے ختم پر پرانے لوگوں کو جوڑ کر دو دن کے لیے کچھ مشورے ہوئے۔ ذکر، تلاوت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہوئی۔ پندرہ بیس افراد آپکے پاس مشورے کی غرض سے ڈنڈیگل اجتماع میں شریک ہوکر وہیں سے دہلی آنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس پر عمل ہونے کے لیے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ ہمارے امیر صاحب کا بھی ارادہ ہے۔ مہینے میں تین دن کے لیے جماعتیں نکلنے کا رواج پڑ گیا ہے۔ کچھ عرصہ سے تین تین دن کے لیے مرکز سے جمعرات کے اجتماع کے بعد جماعتیں روانہ ہوتی ہیں، ہفتے میں دو گشت، ایک اپنے اپنے محلہ میں ایک کسی اور محلے میں کرنے کا رواج ہوگیا ہے۔ اس ماہ کی ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴ تاریخوں میں یہاں مشرقی ساحل پر مسلمانوں کے علاقے پیٹی کولر میں تین دن کے لیے کارکن اجتماع منعقد ہوا تھا جو علاقائی اجتماع کی صورت میں ختم ہوا۔ تین دن تک ایمان، الیقین، نماز، ذکر، علم وعمل، اخلاق واخلاص کی اچھی فضا بنی رہی۔ اسی اجتماع سے دس پندرہ افراد تھوڑے عرصے کے لیے اس محنت کے لئے نکل گئے۔ تین چلے اور چلے کیلئے نام بھی وصول ہوئے ہیں اجتماعات کے بارے میں آپ کے گزشتہ خط میں آئی ہوئی باتیں سامنے رکھ کر آئندہ منعقد ہونے والے اجتماعات میں اس نقشے کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بہت سے نام ہندوستان میں جاکر وقت دینے کے لئے وصول ہوئے ہیں مگر یہ ہی لوگ یہاں پر مقامی طور پر گھوم پھر کر اس محنت کو کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اگر کبھی کچھ لوگ نکل بھی آئیں تو پرانے تجربہ کار لوگ ان جماعتوں کو لیکر چلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے پرانے کارکن جماعتیں لے کر نکلنے کے لیے پس وپیش کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں زیادہ فکر ہورہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں پر ویسے بھی کوئی زیادہ تجربہ کار آدمی نہیں ہیں، دہلی سے پرانے حضرات کی ایک جماعت بھیج

دین تو پُرانے ساتھیوں کو جوڑنے اور اصولوں پر کام ہونے میں مدد ملے گی وہاں سے آنے والے حضرات جتنے دنوں کا ویزا مل سکے لے کر آجاویں. یہاں پر ابھی تک کام کا جماؤ برابر نہیں ہوا ہے اس محنت کو چلانے والے اور فکر والے لوگ پیدا ہونے کے لئے آپ دعا فرمائیں مجھے اور میرے ساتھیوں کو تا دمِ زیست اس محنت میں اللہ تعالیٰ اسے لگائے رکھنے کیلئے بھی دُعا فرماویں"۔

افریقہ میں جماعتوں کی نقل وحرکت

افریقہ ہندوستان کے جنوب مغرب میں ایک بڑا براعظم ہے جس میں چھوٹے بڑے مسلم اور غیر مسلم آبادی والے بیسیوں ملک ہیں. بعض ممالک میں ۹۰ - ۹۵ فیصدی مسلمانوں کی آبادی ہے اور بعض ملکوں میں بڑی چھوٹی مسلمانوں کی اقلیت بستی ہے۔ افریقہ کے مختلف ملکوں میں ہندوستانی اور پاکستانی تاجر بڑی تعداد میں تجارت کرتے ہیں اس وقت افریقہ پر دنیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ وہ آئندہ دنیا کا مرکز بن سکتا ہے۔ اور دُنیا کے نقشے میں اس کو بڑی سے بڑی اہمیت حاصل ہو سکتی ہے. مختلف تحریکات خواہ وہ حق ہوں یا باطل، اسی طرح سے مختلف مذاہب کے مُبلّغین اس وقت افریقہ میں سرگرم عمل ہیں جن کی تفصیل کے لیے "افریقہ ایک چیلنج" کتاب کا پڑھنا مفید اور ضروری ہے. افریقہ میں بعض علاقے ایسے دُور اُفتادہ ہیں جہاں مغربی تہذیب و تمدّن کے اثرات اس وقت تک نہیں پڑ سکے ہیں اور جہاں کے لوگ اپنی اصل فطرت پر قائم ہیں۔ ان کی قبائلی زندگی ہے جو بہت سی بُرائیوں سے محفوظ رکھے ہوتے ہے۔ ان کے دل دماغ اتنے سادہ ہیں کہ ہر معقول اور غیر معقول چیز کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور صیہونیت نیز اور دوسرے باطل مذاہب اور تحریکیں اپنے پورے مادی وسائل کے ساتھ اس براعظم کے ممالک میں چل رہی ہیں اور انکی اشاعت کیلئے دولت و ثروت اور خدمت وحسن سلوک، مادی ترقیات کے ساتھ قوموں کی قومیں کام کر رہی ہیں اور بڑے بڑے ممالک اپنی مشنریاں

ا‍ه مرتبہ شیخ احمد عبداللہ المسدوسی

کے ذریعہ ان کام کرنے والوں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں لیکن اسلام کی جاذبیت اور دلکشی بے سرو سامانی کی حالت میں بھی ان سیدھے سادے انسانوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (رجب ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء میں وہ مصر و سوڈان گئے تھے) ان کے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب (ایم بی بی ایس) جن کو عالم اسلام سے بڑا تعلق اور تاریخ وجغرافیہ سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ ہمیشہ افریقہ کے ممالک میں دینی دعوت کی اشاعت کے لئے کوشاں رہے اور جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے تعلق پیدا ہوا اور بعد میں مولانا محمد یوسف صاحب کی اس تحریک سے بڑی دلچسپی لینے لگے تو ان کو ان ممالک میں تبلیغی کام کرنے کی آس بندھی اور راہیں کھلتی نظر آئیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک ان ممالک میں وہی طریقہ سہل و کارآمد تھا جسکو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو ایک خط بھیجا جس میں افریقہ کی جغرافیائی حیثیت، اس میں کام کرنے کے طریقے اور اشاعتِ دین کے سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ اس خط کا ایک حصّہ درج ذیل ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے پڑھنے والوں کو فائدہ پہونچے گا۔

"سوڈان جنوب میں مشرقی افریقہ سے متصل ہے۔ یوگنڈا، کینیا اور حبش کا پہاڑی علاقہ اور بلجین کانگو اس سے ملے ہوئے ہیں۔ مغرب میں اس کا تعلق فرانسیسی سوڈان سے ہے اور فرنچ مقبوضات مغرب میں بحر اٹلانٹک اور جنوب مغرب میں بحر روڈلف تک پہنچتے ہیں۔ تکرونی قوم اتنے بڑے رقبے میں آمد و رفت رکھتی ہے اور تجارت قافلوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اتنے بڑے علاقے میں اگر دین کے لیے نقل و حرکت ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ انھیں

اللہ تعالیٰ ایمان کی حلاوت نصیب فرما دے اور عالم میں امن وسلامتی پھیلانے کا کام ان سے لے لے۔ یہ قومیں تمدن سے بالکل علیحدہ رہی ہیں اب اگر اسلام کے تمدن کے ساتھ اٹھیں گی تو عرب بربر کے اٹھنے کی طرح اٹھیں گی انشاء اللہ تعالیٰ صدر اسلام میں فتوحات و تبلیغ سے اسلام مصر سے مغرب کی طرف گیا۔ ساحل بحر روم پر بسنے والی بربر قومیں مسلمان ہوئیں اور اسلام کے لیے باعث تقویت ہوئیں۔ انھیں کی وجہ سے صحرائے اعظم میں بھی اسلام پہونچا اور اس کو پار کرکے نائجیریا اور سینی گیمبیا کی وادیوں تک پہونچا۔ نائجیریا اور سینی گیمبیا کی وادیوں میں مسلمان کہیں کم اور کہیں زیادہ ہیں۔ ان کے ساتھ وحشی کفار بھی بستے ہیں۔ یوگنڈا اور کانگو اور اس کے جنوبی علاقے میں عموماً کفار ہیں۔ سوڈان کے جنوبی حصے میں کفار بہت ہیں جو عربی سے ناواقف ہیں۔ ان سب میں اسلام کی تبلیغ کرنا ہے۔"

مولانا محمد یوسف صاحب کو افریقہ سے انتہائی دلچسپی تھی اور ان کی نظر بھی اس کو دیکھ رہی تھی کہ اگر افریقہ میں یہ کام کیا جائیگا تو آئندہ سالوں میں اس کام کے ذریعے افریقہ میں بڑی دینی بیداری اور شعور پیدا ہو جائے گا، اس لئے آپ نے جماعتوں کو افریقہ روانہ کرنا شروع کیا اور چند سالوں میں ان ممالک کے باشندوں نے اس کام کو اپنا لیا خصوصاً وہ اہل علم اور ذی اثر علماء اور تاجر جو پہلے سے افریقہ کے ملکوں میں قیام پذیر تھے انھوں نے دعوت پر لبیک کہا اور بعضوں نے اپنی زندگیاں اس کام کیلئے وقف کر دیں۔

افریقہ میں اوّل اوّل تبلیغی جماعتیں ۱۹۵۶ء میں حسب ذیل ملکوں میں پہنچیں (۱) کینیا، (۲) یوگنڈا (۳) تنزانیہ (۴) ملاوی (۵) زمبیا (۶) موزنبیق (۷) مشرقی افریقہ (۸) روڈیشیا (۹) جنوبی افریقہ (۱۰) موریشش یونین وغیرہ، ان ممالک میں ہندوستان کے تبلیغی کام کرنے والے جن میں گجراتی غالب تھے، مولوی موسیٰ سورتی کی امارت میں پہنچے اور مقامی آبادی

نے جن میں ہندوستانی تاجر تھے، آنے والوں کا استقبال کیا اور اوقات دے کر اس کام کو پھیلا دیا[۱]۔

اس کے بعد ۱۹۶۵ء تک مشرقی اور جنوبی افریقہ میں تبلیغی جماعتوں کا ایسا تسلسل قائم ہو گیا کہ افریقہ میں بعض بڑے ذی استعداد اور دین کا درد رکھنے والے لوگ پیدا ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنی زندگیاں اس کام میں لگا دیں، بار بار مرکز نظام الدین حاضر ہوئے اور ہند و پاک کی جماعتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اوقات دے کر ہند و پاک کی جماعتوں کو لے کر افریقہ میں پھرے۔ مختلف شہروں اور علاقوں میں بڑے بڑے اجتماعات منعقد کئے اور پیدل جماعتوں کا نظام بنایا۔

افریقہ میں تبلیغی کام کیسے اور کیا ہوا؟ اس کے اثرات و نتائج کیا برآمد ہوئے؟ وہ حسب ذیل چند مکاتیب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکیں گے۔ جو مختلف اوقات میں مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت شیخ الحدیث صاحب اور مرکز کے دوسرے اکابر کو تحریر کئے گئے۔ امید ہے کہ یہ خطوط دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

ایک جماعت جو ممباسہ، زنجبار، دارالسلام وغیرہ میں کام کرتی ہوئی مختلف شہروں میں پھری تھی، اس کے امیر نے مختصراً اپنے تاثرات اس طرح لکھے:۔

"کام کی برکت سے بہت سے مسافروں نے روزے رکھے اور نمازوں میں شرکت کی، تراویح کی نماز چلتے جہاز میں پڑھنے میں عجیب لطف آتا تھا۔ ممباسہ پہنچے تو وہاں کے کام کے ذمے دار احباب بندرگاہ پر آ گئے تھے۔ گیارہ روز وہاں کام کیا۔ ۱۱ فروری کو مارشیش کے لیے روانہ ہوئے۔ فرانسیسی جہاز تھا جس پر کھانے کی سخت تکلیف ہوتی تھی مگر اللہ کے فضل سے جہاز پانچ جگہ ٹھہرا۔

زنجبار، دارالسلام، مایونگا، ڈیگو اور ٹماٹو۔ اس میں کچھ علاقے مڈاگاسکر کے ہیں۔

ان تمام علاقوں میں بندرگاہ پر خط لکھ دئے تھے۔ ہر بندرگاہ پر لوگ آتے تھے اور ہر

---

[۱] بروایت حاجی ابراہیم اسحاق افریقی

بندرگاہ پر کام ہوتا تھا، لوگوں نے بڑی خدمت کی ۲۲ر فروری کو ماریشش پہنچ گئے۔ عیدالفطر تک یہاں کام کیا، بعد میں مضافات میں کام کیا، لوگ دینی بات بہت ذوق وشوق سے سنتے ہیں اور کئی حضرات ساتھ چلتے رہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ایک کام کرنے والے بھائی ہندوستان سے برطانیہ گئے تھے افریقہ کے کام پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:۔

"افریقہ کے علاقوں میں جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ لیلو گو کے شہر کے اطراف دریا کے کنارے کئی ہزار مسلمان آباد ہیں۔ دین کا جذبہ اور شوق بہت ہے لیکن کلمہ تک سے ناواقف ہیں، بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہیں، عیسائی اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ ہماری باتیں خوب سنتے۔ کچھ ساتھ نکلے بھی ہیں۔ کوٹو کوٹا، فورٹ جمٹن، روڈیشیا وغیرہ میں کافی آبادی ہے۔ عید کے بعد فورٹ جمٹن روڈیا شہر گئے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی ہندی لوگوں کی آمد شروع ہوگئی خوب فضا رہی۔ ۲۰ آدمی ساتھ ایک دن کے لیے گئے۔ واپس آکر مزید ترغیب دی تو کئی احباب مختلف اوقات کے لیے تیار ہوئے۔ مختلف دیہات میں ہوتے ہوئے رونیا شہر آئے۔ یہاں کے لوگ منتظر تھے، خوب فضا بنی۔ دوسرے دن تقریباً بیس آدمی ایک دن کیلئے ساتھ گئے خوب اثر لیا۔ پھر ۸۰ میل افریقی مسلمانوں میں گئے۔ افریقی مسلمان بہت خوش ہوئے آپس میں قلوب کے جوڑ کی شکل بنی۔ اس شہر سے تقریباً دس آدمی ساتھ ہوئے، امام صاحب اور شہر والوں نے بہت ہی غم زدہ ہو کر رخصت کیا۔ شہر لمبجی، بلیناٹڑا، اٹیکا، کے احباب ساتھ ہیں۔ کل بارہ میل گاؤں جانا ہے۔ اس کے بعد سالسبری جو روڈیشیا کا سب سے بڑا شہر ۴۰۰ میل پر ہے، جانا ہے۔ جنوبی افریقہ وہاں سے قریب ہے۔ اللہ وہاں پہنچنا آسان کردے۔ بحمداللہ نیاسالینڈ اور

روڈیشیا میں خوب دینی فضا بن رہی ہے یہ پہلی جماعت ہے۔ لوگ دور دور سے آ کر اجتماع میں شرکت کر رہے ہیں۔ دو تین جگہ مقامی گشت تعلیم وغیرہ شروع ہو گئے ہیں۔

ریونین کے لیے رمضان سے قبل جماعت روانہ ہوئی اور جہاز ہی میں رمضان شروع ہوئے۔ جہاز میں حسبِ معمول جہاز کے ملازمین اور مسافروں میں کام ہوتا رہا"

دوسری جماعت جو نیاسالینڈ وغیرہ میں کام کرتی ہوئی داخل ہوئی اپنے تاثرات اس طرح لکھتی ہے:

"۲۲ کو ہم نیاسالینڈ داخل ہوگئے اور اسی تاریخ کو دوسرے احباب موریشش داخل ہوئے اس علاقہ میں دور دور آبادی ہے۔ افریقی مسلمان یہاں کم ہیں، سورتی، بھروچی، کاٹھیاواڑی مسلمان زیادہ ہیں۔ ۱۰ دن تک تو ہمیں کام کی طرف سے تسلی نہیں ہوئی تھی، لوگ ایک دو دن کیلئے باہر نکلتے مگر صحیح اوقات نہ گزارتے۔ بحمد للہ کل جس بستی میں آئے اس سے بہت ہی زیادہ توقع نظر آ رہی ہے۔ دن بھر لوگ جڑتے رہے۔ ۱۰ دن۔ ۸ دن۔ ۳ دن کے نام بھی آئے ہیں۔ ایک دن کے لیے کئی آدمی چلنے کے لیے تیار ہوئے۔ یہاں اکثریت ضلع بھروچ کے لوگوں کی ہے۔

مستورات کا بھی اجتماع ہوا بہت اچھا رہا۔ اس علاقہ میں ایک ماہ گزار کر پرمٹ آنے پر انشاء اللہ جنوبی افریقہ میں داخل ہوں گے۔ نیا علاقہ ہے، پہلی جماعت ہے۔ اصولوں کی پابندی وصفاتِ حسنہ کی پیداوار کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ سنتے ہیں جنوبی افریقہ بہت ہی فیشن زدہ ہے علم بھی زیادہ ہے اور علماء بھی۔ ظاہری ترقیات ومالداری بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر فرمائے۔

بحمداللہ احباب سادگی کے ساتھ رہتے ہیں۔

پرسوں لیک کے کنارے (کوٹا کوٹا) گئے تھے۔ یہ لیک کے کنارے بستی ۲۲ ہزار کی آبادی ہے۔ اہل عرب کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔ اب بہت ہی خستہ حالت ہے، کلمہ بھی یاد نہیں طلب زیادہ ہے۔ کئی مجلسیں رہیں۔ خوب اثر لیا۔ اس علاقے کے مسلمان پورے نیاسالینڈ میں پھیل کر مزدوری کرتے ہیں، ہندی مسلمانوں میں غفلت زیادہ ہے۔"

اس سلسلے کا ایک بڑا اجتماع کینیا میں کیا گیا تھا جس میں افریقہ کے اطراف و جوانب سے بکثرت لوگ شریک ہوئے اور اپنے اوقات لگائے۔ اس اجتماع کے متعلق ایک پرانے اور صاحب درد کام کرنے والے بزرگ اپنے تاثرات لکھتے ہیں:

"بحمداللہ پچھلے ماہ کی سومو (کینیا) میں جو اجتماع ہوا تھا وہ مشرقی افریقہ میں سب سے بڑا تھا، مسلمانوں کی بستی چھوٹی ہے مگر باہر سے آنیوالوں کی تعداد ڈھائی سو تھی، جس میں دور دراز سے یعنی آنے جانے کا چار ہزار میل کا سفر جہاز، بس، پرائیوٹ کار سے آئے تھے۔ اس میں ایک نوسا کا کی کار نے رات دن سفر کر کے اجتماع پورا کر کے آنے جانے کا چار ہزار میل کا سفر کیا اس سے آپ جذبے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سارا اجتماع بحمداللہ اول تا آخر اصولوں کے ساتھ رہا، اس طرح کے بعد نماز صبح تا اشراق بیان بعدہٗ ناشتہ، پھر ۱۰ سے ۱۲ بجے تک حلقہ والی تعلیم۔ بعد ظہر کھانا اور اس کے آداب۔ بعد العصر ذکر کی فضیلت کا بیان اور الگ جگہوں سے آئے ہوئے لوگوں کے تاثرات اور کچھ آخرت کے بیانات۔ مغرب سے عشاء تک بیان و تشکیل اور رات کے کھانے کے بعد دوسرے روز کے نظام کا مشورہ، اس کے علاوہ ساحلی زبان میں مقامی لوگوں کے لئے ترجمہ بھی اور زمبیا جو ملاوی کا دارالخلافہ ہے جہاں آئندہ سال ۱۰، ۱۱، ۱۲ مارچ ۶۶ء کو اجتماع رکھا۔

اس کے لیے ایک سو تین آدمیوں نے نام دیئے ہیں۔"

ایک اور جماعت جو افریقہ کے بعض علاقوں کا دورہ کر رہی تھی اسکے ایک رکن اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ الحدیث کو اپنے تاثرات کی اطلاع یوں دیتے ہیں:

"الحمد للہ ہم پورے ساتھی ۱۳ ستمبر کو فورٹ جیمسن سے روانہ ہو کر سیدھے ملاوی میں داخل ہوئے۔ پہلا مقام ہمارا للنگوٹی تھا۔ ایشیائی بھائیوں میں کام سے دلچسپی کم نظر آئی، لیکن الحمد للہ افریقی بھائی کچھ لگے ہوتے پاتے۔ ان میں ایک امیر بھی مقرر ہوا ہے۔ ہر مہینہ تین تین دن کی جماعت بنا کر چھوٹے چھوٹے گاؤں کی طرف چلنے کی کیفیت معلوم ہوئی۔ ایک دن ہمارا وہاں قیام رہا۔ انہی بھائیوں پر محنت ہوئی۔

پیدل جماعت جناب ابوبکر صاحب کی امارت میں چل رہی ہے ہماری جماعت ایکدن کے لئے وہاں گئی ملاقات ہوئی، الحمد للہ فکر کے ساتھ اصول کی پابندی نظر آئی۔ اس جماعت کی نصرت کا بہت اچھا خیال رکھا جا رہا ہے۔ مستقل طور پر تین چار افریقی بھائی، چار ایشیائی بھائی چار مہینے کے وقت لگائے ہوئے ہیں لیکن ہر ہفتہ کسی نہ کسی مقام سے دو دو چار چار افراد ہفتہ عشرہ کا وقت لیکر جماعت میں جا کر شامل ہو جاتے ہیں۔ دو دن پیشتر محمد اسمٰعیل نامی ایک نوجوان لڑکا چولو نامی گاؤں سے ایک چلّے کا وقت لے کر اس جماعت میں جا کے شامل ہوا۔ (اس لڑکے کے والد انشاء اللہ ہمارے ساتھ ہندوستان آئیں گے) عبد الستار محمد عثمان نامی ایک جلیل القدر شخصیت زمبیا والے اس پیدل والی جماعت میں چار مہینے کیلئے شریک تھے۔ ایک چلّہ پورا ہو گیا تھا۔ بقیہ وقت ہمارے ساتھ ہندوستان آتے سورت سے پورا وقت لگائیں گے۔ ان کی زبانی اس پیدل والی جماعت کی کارگزاری سن کر بہت متاثر ہوئے۔ پتہ چلا روزانہ تیس میل سے ۳۵ میل تک بھی

پیدل سفر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ہم مختلف مقامات میں کام کرتے ہوئے لمبی پہونچے اس سے پہلے بھی یہاں آنا ہوا تھا"۔

۱۳۸۱ھ میں جماعتوں کے مسلسل آنے جانے کے سلسلے میں ایک جماعت نائجیریا گئی تھی۔ اس کے امیر اپنے سفر کا حال اس طرح لکھتے ہیں۔

"لیگوس کے گرد پیدل جماعت نے ایک چلہ کے لیے تقریباً چالیس میل سے زائد بستی بستی ایک دو دن ٹھیرتے ہوئے اوقات پورے کئے جس میں زیادہ تر غرباء شریک ہوتے رہے تین دن ہمارے ساتھ رہے اور مزدوری کرکے کچھ گھر پہ چھوڑا اباقی لیکر ساتھ ملجاتے۔ دنوں اور مہینوں کے لیے تقریباً تیس وچالیس کے درمیان شریکِ رہے۔ گشت تعلیم، دعوتِ ذکراذکار کی پابندی کے ساتھ سفر کیا، باوجود ہر نوع سے اجنبیت کے پھر بھی خلوص ومحبت سے ملتے اور نہایت خوش ہوتے۔ بعض جگہ بیچارے ڈرتے کہ یہ سفید فام لوگ کیسے بستی بستی پھر رہے ہیں اور خطرہ ظاہر کرتے اور کہتے کہ تم ہمارے بچوں کو غلام بنانے کے لئے آئے ہو۔ کسی جگہ مرزائیت کے مبلغ کام کرتے تھے۔ چنانچہ ملکی رفقاء ان کی غلط فہمیاں دور کرتے اور کہتے، بات سُن لو پھر پسند نہ آئے تو نکال دو۔ مشکل سے اس پر راضی ہوتے پھر اُن کے شبہات دُور کئے جاتے، پھر تو خوش ہوتے، کہتے، اتنی دور سے ہمارے بھائی ہم سے ملنے آئے۔ ہر بستی سے کوئی نہ کوئی ساتھ ہوجاتا تھا اور ہر جگہ مقامی کام کی تشکیل کرتے اور جماعت بنا کر چلتے پھر ان میں سے دو چار کو اگلی بستی لے جاتے۔ اس سفر میں اوقیانوس کے ساحل سے ملحقہ جو لیگوس سے ۵۰ میل یا زائد تھے اس میں بذریعہ ناؤ سفر کیا اور مسلمانوں سے ملے۔ ان گشتوں میں اور تعلیموں میں اکثر کو شریک کیا۔ امام مسجد کو خاص طور سے لینا پڑتا تھا۔ یہاں امام کی حیثیت اچھی خاصی ہوتی ہے۔ بعضے اماموں کو ساتھ بھی نکالا تعویذ اور دم درود کے بہت شوقین ہیں۔ ذکر اذکار کی اہمیت نفلوں اور نماز سے بھی عملاً آگے

ہے، تعلیم بہت کم، فقہ مالکیہ کے چند رسائل تک ان کا علم ہے۔ بہت زیادہ ہوا تو موطا پڑھ لی، شفا قاضی عیاض کی اور قصیدہ بردہ تقریباً ہر پڑھے ہوئے کو پڑھنی پڑتی ہے اس کو میلاد کی مجلس میں پڑھتے ہیں، بعض حضرات نے اسی وجہ سے گشت کرنے نہیں دیا کہ فقہ مالکیہ کے رسائل میں اس نوعیت کا اور اس طرح کا چلنا نہیں لکھا ہے اور ہم اس طرح نہیں کریں گے۔ مگر یہ سب حالات شمال کے رہنے والوں سے پیش آتے ہیں باقی لیگوس کے علاقے کے بعض لوگ بہت شوق سے کام لے رہے ہیں۔ چنانچہ پیدل چلّہ کی جماعت ختم ہو کر اسی جماعت کے بعض لوگ شمال کے لیے لیگوس سے سات آٹھ سو میل سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ دو تین کے علاوہ سب مزدور طبقہ کے لوگ تھے۔ کسی نے اپنی ضروریات سے پس انداز کر کے، کسی نے قرضہ لے کر جماعت کا ساتھ دیا۔ اور یہ ان کا اپنے ملک اور فضا و ماحول سے جُدا ہونے کا پہلا سفر تھا۔ شمال میں کدونہ پہنچے۔ یہاں پہلے کام کا تعارف ایک سال سے تھا۔ چند روز رہ کر گاؤں میں گئے جس میں پہلی جماعتوں کا پھیر پڑ گیا تھا۔ انھیں گاؤں میں گئے وہاں سے لوگوں کو نکالا، کدونہ اور زاریہ کے مقامات پر پہنچے۔ اس طرح ان حضرات کے دس روز کے اوقات بہت اچھی طرح گزرے اور بہت متاثر ہو کر واپس ہوئے۔ چلتے وقت ہچکیاں بندھ گئیں اور اس بات کا عزم لے کر چلے کہ ہند و پاک کا سفر اس کام کے لیے اختیار کریں گے۔"

ایک دوسرا خط جو افریقہ سے میاں جی محراب خاں جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ایک با اصول میواتی ہیں اپنے سفر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ہم تین ساتھی سوڈان کے ریگستان اور جنگلات کو تقریباً بیس دن میں ٹرکوں کے ذریعہ پار کر کے حدود تشاد میں داخل ہو گئے۔ راستہ میں

خال خال قصبے سے ملے جن میں ٹھہرنا ہوتا۔ الحمدللہ ان لوگوں میں چھ نمبر کی باتیں ہوتی تھیں، تھوڑی سی بات سن کر بہت مانوس ہو جاتے ہیں۔ ٹھہرنے پر اصرار کرتے ہیں، مگر ہم لوگ آگے کے سفر کی وجہ سے عذر کر دیتے ہیں، الابیض اور جنینا میں تین چار روز قیام رہا۔ الحمدللہ عمومی گشت اور عمومی کہنا سننا کافی ہوا۔ ہر دو جگہ سے ہندوستان آنے کے لیے اور اس مبارک عمل کو سیکھنے کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی، جنینا میں ایک عالم ہیں۔ وعدہ کیا ہے کہ میں پاسپورٹ بنانے کی کوشش ابھی سے کروں گا اور اپنے ہمراہ اور چند افراد کو لوں گا، جب تم لوگ ساحل العاج (آئیوری کوسٹ) سے آؤ گے تو انشاء اللہ تمھارے ساتھ ہندوستان چلوں گا۔ ویسے راستے میں منزلوں پر اذان کہہ کر نماز پڑھنا اور جماعت کرنا ان حضرات پر کافی اثر ڈالتا تھا، لوگ بہت سادہ ہیں ابھی زمانے کی ہوا بہت کم لگی ہے۔ جفاکشی بہت ہے۔ کھانے پینے میں سادگی ہے۔ ہفتوں سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے ہیں۔ چار مہینے کی جماعت کوئی اس علاقہ میں روانہ کی جائے تو بہت زیادہ نفع کی امید ہے۔ یہ علاقہ خرطوم سے مغرب میں ہے اور بہت دور ہے تین دن میں انشاء اللہ تشاد کو طے کر کے چوتھے دن انشاء اللہ نائیجیریا کے حدود میں داخل ہو جائیں گے۔ پانچ دن لوگ نائیجیریا کا سفر بتلاتے ہیں اور اسکے بعد غانہ اور ساحل العاج کہیں پہنچنا ہوگا۔ بہت لمبا سفر ہو گیا۔ تقریباً تین مہینے سفر میں لگ جائیں گے اور وہ بھی ریگستان اور جنگلات کا، کافی دقتیں سفر میں آئی ہیں... مگر اللہ پاک نے برداشت کی توفیق دے رکھی ہے۔"

آخر میں ہم حبش کے متعلق ایک مکتوب نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور قید وسلاسل کی حکومت ہے ان جماعتوں نے کس طرح کام کیا اور دشوار ترین مراحل سے کیسے گذرے:-

"مکۃ المکرمہ سے روانہ ہو کر جدہ کے ایک ہفتہ قیام میں مختلف ممالک کے حجاج

کرام میں محنت ہوتی رہی۔ سوڈان کے احباب بذریعہ ہوائی جہاز جمعرات مطابق ۱۴ر اپریل عصر کی نماز سے پہلے روانہ ہوگئے۔ ہم اسی دن بعد نمازِ عصر بندرگاہ پہنچے کسٹم اور پولیس کے عملہ سے ایمان اور موت کے بعد طویل زندگی کی تیاری کی باتیں ہوئیں۔ ان میں سے بعض تعلیم میں بھی شریک ہوئے۔ ان سے مسجد بلال اور شہداء کے اجتماع کی بات بھی ہوئی، یہ متحیر تھے کہ ہم حبشہ کی طرف جارہے ہیں۔ جب ان کے آباؤ اجداد کے واقعات یاد دلائے گئے تو انھوں نے اقرار کیا کہ وہاں کی تیاری ہی اصلی کام ہے۔ سونے کے لئے دفتر کا ایک حصہ دے دیا اور چٹائیاں بھی۔ احباب نے تہجد میں اٹھنے کا اہتمام کیا۔ صبح کی نماز کے بعد ذکر و تلاوت میں مشغول رہے۔ ضروریات سے فارغ ہوکر تعلیم میں جڑ گئے، گشت کے بعد گودی کے کافی مزدور اور دفتر کے متعلق طبقہ اس عمل میں شریک ہوا۔ اسی دوران میں کسٹم اور پولیس کے عملہ نے ہمیں اطلاع دی کہ جہاز روانہ ہو رہا ہے، ان تمام احباب نے ہمیں جہاز پر سوار کرادیا۔ کافی دیر تک یہیں حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے رہے اور اشاروں سے دعا کی درخواست کرتے رہے، بروز جمعہ زوال سے پہلے اٹلی کے ایک بہت چھوٹے تیز رفتار باربردار جہاز سے ہم حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، دوسرے دن مغرب کی نماز کے بعد مصوعہ (اریٹیریا) بندرگاہ پہونچے سفر میں دعوت، تعلیم، ذکر، نماز کے اعمال میں لگے رہے، ہمارے ساتھ صرف دو حاجی اور تھے، عملہ میں کچھ مزدور تھے جن سے بات ہوتی رہی، ہماری سستی اور غفلت کی وجہ سے یہ دوسرے اعمال میں نہ جڑ سکے، ان میں سے ایک کبھی کبھی نماز میں شریک ہوتا تھا۔ ہم نے اپنا اپنا سامان اٹھاکر جمرک کے قریب دعا کی کہ سارے عالم کے انسانوں کے اندر آخرت کی فکر کی محنت زندہ ہوجائے اور اس کو سیکھنے کے لیے ہمارے ساتھ بھی کچھ احباب یہاں اور آخر میں جائیں۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے جمرک میں بہت ہی آسانی سے فارغ ہوکر عشاء کی نماز ادا کی اور سب سے بہتر گھر میں قیام کیا۔ صبح کی اذان سے کافی وقت پہلے مکبّر الصّوت پر درود وسلام، دعا اور قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہی۔ صبح کی نماز میں صرف

تین نمازی تھے۔ ان کو آخرت کی زندگی یاد دلائی گئی تو مزید قیام کے لیے اصرار کیا، نماز کے بعد دوسرے ملک کے تاجروں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کے قرب و جوار میں کثرت سے احباب رہتے ہیں۔ شناختی ورقہ حاصل کرنے کے لیے اسمرا کی طرف صبح ۶ بجے کی ریل کے ڈبے سے جس میں شاید پچاس آدمی سما جائیں روانگی ہوئی۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے پچھلے احباب کو کافی ناگواریاں برداشت کرنی پڑیں۔ تقریباً چار دن سب سے افضل گھروں میں قیام رہا۔ اطراف واکناف کے آنے والے احباب سے بھی آخرت کی فکر کی محنت کی بات ہوتی رہی۔ یہاں کی ساری مساجد میں صبح اور مغرب کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین اور سورہ تبارک الذی اور اجتماعی ذکر ہوتا ہے۔ پچھلے احباب نے تقریباً ۲ بستیاں اسمرا اور ادیسا بابا کے درمیان دیکھیں ان میں سے بعض کو ہم نے بھی دیکھا۔ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کا پہاڑی راستہ ہے۔ سفر میں کافی وقت نکل جاتا ہے ہمارے یہاں سے تقریباً دوگنا کرایہ ہے۔ احباب کی اکثر آبادی اندرون میں ہے۔ بتلایا جاتا ہے کہ ملکہ بلقیس کا تخت اکرا میں تھا۔ حضرت نجاشیؓ کی قبر پر بھی حاضری ہوئی۔ مجاور نے ایک الحمد شریف اور گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھوا کر دعا کی درخواست کی، پچھلے احباب کے ساتھ کچھ بستیوں سے ایک دو دن کے لیے اگلی بستیاں دیکھنے کے لیے احباب نکلے، بستی نجاشی میں اطراف واکناف کے احباب دس اور گیارہ محرم کو جمع ہوتے ہیں اور رات بھر ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ یکم محرم کو یوم عید کہتے ہیں اور اپنے طور پر چھٹی مناتے ہیں، ہمارے ساتھ نکلنا ابھی وجود میں نہیں آیا۔ شاید یہ مجبور ہیں، سفر طویل ہونے کی وجہ سے بعض جگہ ہم بھی سمجھتے ہیں کہ واقعی مجبور ہیں۔ دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ میں حجاج کرام نے اس مقام کے جنوب مشرقی علاقہ کی زیارت کرنے کی درخواست کی۔ حجاج کثرت سے اس علاقہ کے تھے ساتھی دو چار روز میں ان مقامات کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں، بزرگ حضرات کی خدمت میں حاضری ہوتی ہے۔ زمزم اور کھجور کے ہدیہ سے بہت خوش ہوتے ہیں، ہر قسم کے احباب سے ملاقات کی کوشش ہوتی ہے۔ تمنا اور کوشش

ہے کہ گاؤں والے بڑی بڑی آبادیوں کی طرف آئیں اور یہ اُن کی طرف، لیکن آخرت کی ترغیب اور اس کا سیکھنا سکھانا اور اس کے اہل اندرون میں ملتے ہیں اس لئے آپ کے ارشادات کے محتاج ہیں۔ آپس میں تعلیم صبح دو ڈیڑھ گھنٹہ ہوتی ہے۔ عصر کے بعد عربی میں ہوتی ہے اور عموماً مغرب کے بعد ہوتی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد ذکر واذکار اور تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں۔ تہجد میں اُٹھنا بھی ہو جاتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس کا اہتمام بہت ہی احسن طریقہ پر ہو جائے۔ سفر میں بھی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں والے احباب سے آخرت کی بات بھی، الحمد للہ آپس میں خوب جوڑ ہو رہا ہے"۔

افریقہ کے کام کے سلسلے میں ہم نے طوالت کے خوف سے مختصراً چند مکاتیب نقل کئے ہیں ورنہ اس طرح کے تاثرات کے مکاتیب بے شمار ہیں جن کا نقل کرنا طول عمل ہے، الحمد للہ افریقہ میں تبلیغی کام روز افزوں ہے، خصوصاً مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد بڑے بڑے اجتماعات مختلف علاقوں میں کئے جا رہے ہیں اور ان اجتماعات سے بڑے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

گیارہواں باب

یورپ وامریکہ اور جاپان میں

تبلیغی نقل وحرکت

مومن آ تجھے بھی دکھلادیں
سیر بُت خانے میں خدائی کی

یورپین ممالک میں مادّہ پرستی اور خدا فراموشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خود فراموشی میں انسان کھوچکا ہے۔ ایک مشینی زندگی ہے جس کو ہر کس وناکس گزار رہا ہے۔ چاند اور تاروں پر کمندیں ڈالنے والی یورپین قوم حیا اور عفّت، غیرت اور حمیّت، رحمدلی وغم گساری، شفقت و رافت، ایثار وقربانی، اخلاق وتواضع کی صفات سے عاری ہوگئی ہے۔ جانوروں کی طرح زندگی گزارنا، مزاج، اور غیر انسانی حرکتیں کرنا قومی اور ملکی شعار اور یورپین تہذیب کا جزء بن گیا ہے۔ اقبال نے اسی یورپ کے متعلق کہا تھا ؎

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت | پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عُریانی و مے خواری و افلاس | کیا کم ہیں فرنگی مدَنیّت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم | حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

انھیں بے خدا ممالک میں خدا کے چند اہلِ عزم ویقین اور سراپا دعوت وتبلیغ بندے گئے اور اس بے سر وسامانی کی حالت میں گئے کہ ان میں کسی کے پاس نہ دولت واما‌ر کا خزانہ تھا، نہ مادّی عزت وعظمت کا مایہ، نہ دنیاوی علم وتہذیب کا سرمایہ، ہاں وہ ایک یقین اور عزم وولولہ کی نعمت سے سرفراز تھے۔ وہ گئے آنکھوں سے آنکھیں ملاکر باتیں کیں، اپنی اپنی دعوت پورے اعتماد سے پیش کی اور اپنی نظروں کو اس زرق برق زندگی کی کسی چیز سے خیرہ کرنے کے بجائے ان کو حقیر سمجھا اور زبانِ حال سے چیلنج کیا ؎

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود | مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے؟ فقط جوہرِ خودی کی نمود | کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

خدا کے یہ نیک بندے سفر کرنے سے پہلے مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں اجازت لینے حاضر ہوئے تو مولانا نے فرمایا:۔

"یورپ وامریکہ کے مادہ پرست ملکوں میں جاکر دعوتِ دین کا کام کرنے والے ایسے باعزم اور اہلِ یقین مردانِ خدا کی ضرورت ہے جو ان ممالک کی زرق برق اور پرکشش زندگی اور معاشرت کو دیکھ کر اپنی رال نہ ٹپکائیں بلکہ خلافِ اسلام زندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر اپنے آنسو گرائیں۔"

انھوں نے اثنائے سفر میں کس ایمان ویقین اور کس ذہانت وذکاوت کا ثبوت دیا اور امریکہ پہنچ کر دعوتِ دین کا کیا طریقہ اختیار کیا، اس سلسلے میں حسب ذیل واقعہ اور اس جماعت کی سرگزشت سے ایک حد تک روشنی پڑتی ہے۔

"جب یہ تبلیغی جماعت جو صرف چار افراد پر مشتمل تھی جہاز پر سوار ہوئی تو اس کو فکر ہوئی کہ کیسے کام کیا جائے، وہ جہاز کے کپتان کے پاس گئی اور اذان و نماز کی اجازت چاہی کپتان نے کہا، آپ بلند آواز سے اذان دیں گے، لوگوں کو اعتراض ہوگا اس لئے کہ مسافروں میں ہر مذہب کے لوگ ہیں، مگر جماعت نے اذان دیکر نماز پڑھنی شروع کردی۔ لوگ گذرنے لگے اور ٹھہر کر دیکھنے لگے مگر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ جماعت والوں نے دیکھا کہ لوگ دلچسپی لینے لگے ہیں تو وہ اپنی تعلیم کرنے لگے اور ان لوگوں کو جو مسلمان تھے اس تعلیم میں شرکت کی دعوت دینے لگے۔ کپتان بھی آتے جاتے دیکھتا کہ یہ صرف اخلاق، خدا پرستی، آخرت کی یاد، اچھی زندگی گزارنے اور انسان دوستی کی باتیں کہتے ہیں تو وہ بہت متاثر ہوا۔ جہاز کے امریکہ پہونچتے پہونچتے وہ جماعت والوں سے بہت قریب ہوگیا۔ اس مرتبہ خدا کے فضل وکرم سے جہاز کسی طوفان سے خلافِ معمول نہیں گزرا۔ جب جہاز صحیح سلامت لنگر انداز ہوا تو کپتان نے کہا کہ خدا نے ہم سب جہاز والوں پر انھیں چند اللہ والوں کی برکت سے فضل کیا ہے ورنہ طوفان ہم کو پریشان کرتا اس لئے کہ اب تک جتنے میں نے سفر کیے ان تمام میں طوفان آیا۔

امریکہ پہونچ کر جماعت والے ایک سڑک کے کنارے باہمی مشورہ کر رہے تھے کہ ایک کار گذری، کار والے اترے جماعت والوں سے ان کی منزلِ مقصود پوچھی اور اپنے گھر لے چلنے کا اظہار کیا۔ جماعت والوں نے ان کے اس اظہارِ تعلق کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا میں اسی جہاز سے سفر کر رہا تھا جس سے آپ کر رہے تھے اور میں بار بار آپ کی تعلیم میں بیٹھ چکا ہوں۔ جماعت والے انکے گھر گئے اور ایک ڈائرکٹری اٹھا کر ان کے فون نمبر لیے جو مسلمان تھے۔ ایک کو فون کیا اور ملاقات کا وقت مانگا جو تقریبًا دو ہفتہ کے بعد مقرر ہوا۔ وہ حسب وعدہ دو ہفتہ کے بعد ان کے پاس پہونچے، اپنے آنے کی وجہ بتائی کہ ہم صرف اللہ کے لیے ملاقات کرنے آئے ہیں کوئی مادی غرض نہیں۔ وہ صاحب مادہ پرستی کے ماحول میں برسوں سے رہ رہے

تھے سمجھ نہ سکے کہ کچھ لوگ ہزاروں میل دور صرف اللہ کے لیے ملنے آسکتے ہیں۔ جب ان کو یقین آیا تو آب دیدہ ہو کر پوچھا کہ یہ محبت کی دولت کیسے حاصل ہوگی۔ جماعت والوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ کچھ وقت لگا لیجئے تو اس حقیقت کو پالیں گے۔ باتوں باتوں میں تین دن کا ایک سفر طے ہو گیا۔ اسی طرح جماعت والوں نے تقریباً ۴۰۰ آدمیوں کو اس سفر پر تیار کر لیا۔ سفر ہوا اور سب ہی شرکاء سفر جماعت والوں کی خدمت، محبّت اور رقّت انگیز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی اللہ و رسول کی باتوں سے انتہائی متاثر ہوتے اور لوٹتے ہوئے سب نے کہا کہ یہ تین روزہ سفر زندگی بھر ہم کو نہ بھولے گا۔ اور اس کا لطف ہم ہزاروں روپیہ خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ جماعت والوں نے کہا کہ اس محبت اور اسکی لذت و ذوق کو دائمی بنانے کے لئے آپ لوگ ہمارے وطن ہند و پاک تشریف لے چلیں اور چار چار ماہ اس کام میں لگائیں آپ کو ایسا سکون، ایسی راحت اور لذت و ذوق کی ایسی کیفیت ملے گی جو آپ یہاں رہ کر کسی طرح حاصل نہیں کر سکتے اس دعوت پر سبھی لوگ وقت دینے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے نام لکھوائے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ اہل یورپ و امریکہ اپنی پُر شور اور کیف و سرور اور روحانی مسرّت سے خالی زندگی سے اتنے عاجز ہو چکے ہیں کہ ان کو اگر ایک لمحہ بھی پرسکون اور روحانی لذّت سے معمور میسّر آجاتا ہے تو وہ فرنگی تہذیب کے بند و سلاسل سے چھٹکارا حاصل کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کہ تبلیغی جماعتوں نے یورپین ممالک میں جو طریقہ اپنایا ہے وہ جدید طبقہ کو جو ہر چیز کو عقل و خرد کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کہاں تک اپیل کرتا ہے، آج ساری دُنیا خدا ناشناس عقل و خرد کی شکار ہے اور انھیں خالص مادّی اصولوں پر چلتی ہے جن کو دانائے افرنگ نے وضع کیا ہے۔ اگر اللہ کے چند بندے ان "موضوعہ" اصولوں سے ہٹ کر خالص روحانی طریقوں سے کام کرتے ہیں اور وہ "ہوش مندوں" اور "خرد مندوں" کی نگاہوں کا شکار نہیں ہوتے اور وہ اس اصول کے قائل ہیں ؎

عقل ہے مصلحت نگر، عقل سے کر نہ ساز باز
دل جو کہے وہ کر گزر عشق نہیں بہانہ ساز

تو اُن کو ہدفِ ملامت کیوں بنایا جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ بغیر "جرأتِ رندانہ" کے کوئی بڑا کام نہیں ہوتا، اگر کام کرنے والا ان کی چشم وابرو پر نگاہ رکھے جن کے سامنے دعوت رکھنی ہے تو دعوت دینے سے پہلے ہی ان کے دامِ تزویر میں پھنس کر رہ جائیگا۔ جو لوگ ایمان ویقین اور جرأتِ رندانہ کی صفت سے تہی دست یا کمزور ہوتے ہیں اور وہ فضا کا لحاظ کرتے ہوئے کام کرتے ہیں وہ فضا سے ایسے متاثر ہوجاتے ہیں کہ اپنی داعیانہ زندگی اور اپنے شعار کو خیر باد کہہ کر کفر والحاد کی فضا اور اس کے آفاق میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لیے منزلِ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جنون وعشق سے سودا کرنا ہی پڑتا ہے ۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

مادّہ پرست اور خدا فراموش ممالک میں ایسے ہی مجنوتوں اور دیوانوں کی ضرورت ہے کہ جو باہر کی دُنیا سے بالکل بے خبر ہو کر فدائیتِ و فنائیت میں ڈوب کر دعوت دین کا کام کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ صحابی رسولؐ" حضرت ربعی بن عامرؓ کی وہ طرزِ معاشرت اور وہ طریقۂ دعوت ہے جو انھوں نے اس وقت کی دُنیا میں سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ملک ایران کے نمائندہ "رستم" کے دربار میں اپنایا تھا اور خدا نے مادّی وسائل اور عقل و دانائی کے مزعومہ اصول کے خلاف سیدھے سادھے اور تکلفات سے عاری بندوں کو سرخرو کیا اور ایمان ویقین کی فضا قائم کردی اور ظلم وجبر پر رحمت وشفقت اور حق و صداقت کو فتح عطا کی۔

برطانیہ میں کام کی نوعیت

اب ہم یورپ کے مختلف ممالک میں جماعتوں کی مختصر سی کارگزاری اور حق کے لئے ٹھوکریں کھانے سے جو اثرات مرتب ہوئے، کام کرنے والوں کے

خطوط کی روشنی میں ان کا حال تحریر کریں گے۔ ان خطوط کے پڑھنے سے یہ کسی طرح نہ سمجھنا چاہیئے کہ جن تاثرات کا اظہار ان خطوط میں کیا گیا ہے وہ گہرے بڑے اور دیرپا ثابت ہوئے لیکن جن طبقوں میں ان جماعتوں نے کام کیا انمیں بعض ایسی سعید روحیں مل گئیں جن کی زندگیوں میں صالح انقلاب آیا اور وہ اپنی داعیانہ صفات کو پہچان گئے۔

بجائے اس کے کہ ہم ان پر تنقیدی نگاہ ڈالیں ہم اُن کی سرفروشانہ اور مجاہدانہ زندگی کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں کہ اس مادّی دُنیا میں یہ گوہر کمیاب ہے۔

لندن جانیوالی ایک جماعت کے ایک کارکن نے مولانا محمد یوسف صاحب کو خط میں حسب ذیل تاثرات تحریر کئے۔

"بغداد سے ۵ مارچ کو بذریعہ ٹرین روانہ ہوکر ۲۴ گھنٹے استنبول میں قیام کرتے ہوئے الحمدللہ ۱۲ مارچ کو بعافیت یہاں "لندن" پہنچ گئے، راستہ میں بلغاریہ، یوگوسلاویہ، جرمنی، ہالینڈ وغیرہ ممالک سے گزرتے ہوئے اور ان پر حسرت کی نگاہ ڈالتے ہوئے اور ان ملکوں کی ہدایت کی دعا کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

سب احباب بخیریت ہیں اور محبت اور جوڑ کے ساتھ اپنی استعداد کے مطابق دین کی محنت میں لگے ہوئے ہیں۔ دعوت، تعلیم، تسبیحات، شب بیداری، نوافل، تلاوت وغیرہ اعمال کی پابندی کی کوشش کی جاتی ہے اور حتی الامکان اصولوں کی پابندی کا پور اہتمام کیا جاتا ہے۔

الحمدللہ اس مبارک کام کی برکت سے یہاں مختلف شہروں میں مساجد قائم ہو چکی ہیں اور اذان اور نمازِ باجماعت کا بھی اہتمام ہونے لگا ہے، جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں بہت سے احباب اس کی فکر کر رہے ہیں، مقامی طور پر ہفتہ وار گشت، اجتماع، تعلیم اور شب بیداری بھی کئی جگہوں میں شروع ہوگئی ہے۔ مگر ایسے مقامات چند ہیں۔ اطراف میں جماعتوں کا نکلنا بھی شروع ہوگیا ہے۔

اس سرزمین پر اس حالی عمل کا ہونا جماعتوں کی نقل و حرکت اور مساجد و اسے

اعمال کا اہتمام بس اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہو ویسے یہاں کے حالات بڑے نازک ہیں بے حیائی کا بازار گرم ہے۔ شیطان کا زبردست جال پھیلا ہوا ہے۔ نہ معلوم امت مسلمہ کے کتنے افراد یہاں آکر ان مسموم فضاؤں کا شکار ہو چکے ہیں۔ بڑی محنت کی ضرورت ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اصولوں کی پابندی کے ساتھ اس مبارک عمل کو یہاں جاری فرمادے اور اپنے ان چند ٹوٹے پھوٹے بندوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انکے اس سفر کو انکی مکمل ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ان کو دعوت والے کمالات وصفات سے نوازے، میرے محترم ہم کسی طرح اس کام کے اہل نہیں ہیں۔ اور ناکارگی و بیچارگی کے ساتھ غربت و کس مپرسی کے عالم میں یہاں ٹھوکریں کھارہے ہیں اللہ پاک ہمیں ذریعہ اور بہانہ بناکر اس کفر و شرک کے مخزن کو امن و ایمان کا مرکز بنادے۔ آمین۔"

لندن جانے والی ایک پاکستانی جماعت کے امیر نے مولانا سعید احمد خاں صاحب مہاجر مکی کو اپنے خط میں حسب ذیل تاثرات کا اظہار کیا:۔

"ہماری پانچ دوستوں کی جماعت ۱۵ر جولائی کو براستہ بصرہ کراچی سے روانہ ہوئی بغداد اور حلب استنبول ہوتی ہوئی ۹ر اگست بروز بدھ عصر کے وقت لندن پہنچ گئی، یونان، یوگوسلاویہ، اٹلی، پیرس، فرانس کے ملکوں میں سے بذریعہ گاڑی گزرتے ہوئے آئے۔ راستہ میں مختلف جگہ گاڑیاں تبدیل کرنی پڑیں۔ اسٹیشنوں پر باجماعت اذانوں کے ساتھ نمازیں اداکرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی، سلام پھیرنے کے بعد بے انتہا مرد اور عورتوں کا مجمع ہمارے گرد جمع ہو جاتا اور بڑی محبت اور عظمت سے اللہ کی اس اہم ترین عبادت کے منظر کو سب دیکھتے تھے۔ ایک اسٹیشن پر بڑے اصرار سے ہماری جماعت کو تربوز پیش کیا، اسٹیشن "بلگراڈ" (یوگوسلاویہ) پر ایک غیر مسلم نے مصلے پر تھوڑی دیر بیٹھنے کی اجازت مانگی اور اسے اپنے لیے بڑی چیز سمجھی، اللہ کی مخلوق ہر جگہ پیاسی ہے راستہ بتانے والے نہیں مل رہے ہیں۔"

تبلیغی تحریک سے قلبی تعلق رکھنے والے ایک جدید تعلیم یافتہ بھائی لندن سے اپنے تاثرات

تحریر کرتے ہیں:

• "آج تک بچوں کی دینی تعلیم بھی یہاں بالکل نظرانداز کی جاتی رہی لیکن اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ دو سال میں مدرسہ میں بچوں کی تعداد چالیس سے اوپر ہوگئی ہے، لیکن یہ بچے صرف ہفتہ میں ایک گھنٹہ آتے ہیں، میری کوشش یہ ہے اللہ تعالیٰ پوری فرمائے کہ بچوں کو تبلیغی نہج پر اٹھایا جائے۔ یہاں بچے گھر پر نہ تو اسلامی ماحول یا تذکرہ سے آشنا ہوتے ہیں اور نہ اسکول اور دوسرے ماحولوں میں، اس لیے ان سب کے لئے شروع سے آخر تک ہر چیز نئی ہے۔ نماز میں اٹھنا بیٹھنا نیا ہے، اور حتیٰ کہ اکثر کے لئے (اور اکثر میں ۹۰ فیصد ہیں) کلمہ بھی نیا ہوتا ہے۔

میں نے یہاں یونیورسٹی کے چند عرب طالب علموں کے ساتھ ملکر اس اسکول کو تین کلاسوں میں تقسیم کیا ہے عمر کے لحاظ سے، پہلی کلاس میں کلمہ اور ایمان، اللہ کی وحدانیت، تثلیث کی نفی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کے واقعات رکھے ہیں۔ بچوں کی فہم کے مطابق، ان کے ساتھ ساتھ اسی کلاس میں نماز کے متعلق بچوں کی عمر کے لحاظ سے واقف بھی کرا دیتے ہیں جن میں اوقات، طہارت اور وضو اور نماز کی حرکات آجاتی ہیں دوسرے کلاس میں انھیں باتوں کو تفصیل سے بتلاتے ہیں اور تیسرے کلاس میں نماز کے الفاظ کی تکمیل، خلوص نیت، اللہ کا تصور، توکل، اللہ کے حاضر و ناظر اور "تعلیم الاسلام" کی تکمیل انشاء اللہ ہو جائے گی۔

ہر کلاس میں بلاناغہ سب بچوں کو یہاں کے ماحول میں دینی جدوجہد کی اہمیت اور خود انکی اہمیت اور دین کے کام کے فضائل بھی ضرور بتاتے ہیں۔"

۱۹۶۱ء میں ایک جماعت جو لندن گئی تھی اس کے ایک رکن اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:

"یہاں کی عمومی زندگی یہ ہے کہ رات کو بارہ گھنٹے کام کرنے والے دن کو سوتے ہیں اور دن کو کام کرنے والے رات کو جماعتوں کی آمد اور ہفتہ کی شام سے اتوار کی شام تک کی چھوٹی سی نقل و

حرکت کی قربانی کی برکت ہے کہ گزشتہ سال پختہ دوست یہاں سے حج کو گئے، مسجدیں بنیں، بچوں کے ایمان بچانے کا فکر والدین کو ہوا. قرآن پاک کی تعلیم دینے کی کوشش ہو رہی ہے. جمعہ میں مسجدیں بھر جاتی ہیں، نیو کاسل گلاسکو اور لندن میں تین چار انسانی بھائیوں کو اللہ نے بغیر کوشش کے ہدایت کی دولت سے نوازا. گلاسکو اور مانچسٹر میں عورتوں میں بھی دینی طلب پائی گئی. بڑے شوق سے اللہ کی بات سُنی۔"

ایک تبلیغی اجتماع

لندن میں ایک تبلیغی اجتماع ہوا تھا. اس اجتماع میں شریک ہونیوالے ایک اہل علم برمنگھم سے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"دسمبر میں کرسمس کی چھٹیوں میں لندن میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوا، مانچسٹر، برمنگھم، شفیلڈ کی جماعتوں نے اس میں حصہ لیا، قریب قریب اکیاون دوست اس اجتماع میں شریک ہوئے چار روز کا اجتماع تھا لندن والے یہ بتلاتے تھے کہ یہ انگلینڈ کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ اس طرح لوگ دین کی فکر کے لئے جمع ہوئے ہیں. اللہ کے فضل سے حالات بدل رہے ہیں. برمنگھم میں بھی اب کام شروع ہو رہا ہے. ایک نہایت ہی مخلص اور نوجوان دوست جو ہمیں نصیب ہوئے ہیں قابلِ تعریف ہیں. حال ہی میں انگلینڈ آئے ہیں. دین کی فکر کی ان کو آگ لگی ہے. عربی اچھی طرح بول لیتے ہیں. یہاں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا کورس کر رہے ہیں، برمنگھم میں چونکہ کوئی دوست نہ تھا جو کہ اس تبلیغی کام کو سرانجام دے سکے، برمنگھم کے دوستوں نے اُن سے کہا کہ آپ لندن میں داخلہ نہ لیں برمنگھم میں لیں، اسپر وہ برمنگھم آگئے ہیں. اب انشاء اللہ وہ مسجد میں سکونت اختیار کرلینگے پچھلے اتوار لندن سے ایک جماعت برمنگھم آئی تھی جس میں امریکن جماعت کے چار آدمی تھے اور ان میں دو پاکستانی بھی تھے جو چار چار ماہ وہاں گذار کر آئے ہیں اور وہاں کے دو امریکن نومسلموں کو ساتھ لائے ہیں جو پاکستان میں رہ کر ایک سال تبلیغی کام سیکھیں گے، واللہ ان کا ایمان قابلِ رشک ہے، ہمارے ایمان تو ان کے ایمان کے عشرِ عشیر بھی نہیں. بڑی تڑپ اور بڑا درد رکھتے ہیں. پچھلے اتوار مانچسٹر سے ایک جماعت لیورپول گئی تھی، اس آنے والے اتوار کو بھی یکم فروری کو برمنگھم کی جماعت

لندن جارہی ہے۔ لندن میں جمعرات کو اجتماع ہوتا ہے اور برمنگھم میں ہراتوار کو مغرب سے عشا تک اجتماع ہوتا ہے، برمنگھم والوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر ماہ ایک جماعت برمنگھم سے باہر جایا کرے، اسی طرح لندن میں اب ہم زیادہ سے زیادہ مرکز قائم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ آپ لوگ ہر اجتماع میں ہمارے لئے دعا فرمایا کریں کہ دین کا کام انگلینڈ میں پورے زور سے شروع ہوجائے۔ برمنگھم والے دوست جن کا میں اوپر ذکر کرچکا ہوں حیدرآباد کے رہنے والے۔"

مانچسٹر کا تبلیغی اجتماع | مانچسٹر (انگلینڈ) میں بھی ایک تبلیغی اجتماع کیا گیا تھا۔ اس میں شریک ہونے والے ایک تبلیغی کارکن اپنے مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"مانچسٹر میں جو اجتماع ہوا وہ اتنا پُر اثر تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ ایسا معلوم پڑتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یا تو ان لوگوں کو ایمان دینگے ورنہ تباہی سے کوئی روکنے والا نہیں، جنھیں ہم طاقت ور ملک (Big Power) کہتے ہیں وہ اپنی حفاظت شاید نہ کرسکیں۔ کاش ماحول سے متاثر ہوجانے والے ہمارے بھائی اس پر غور کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماحول سے مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ رات کچھ بات ہوئی اور تین صاحب مقامی ہمارے ساتھ مسجد میں سوئے۔ صبح لیڈس کی جماعت آگئی۔ انکے ساتھ ظہر کی نماز ہوئی اور اس کے بعد گشت کے لئے جماعتیں بنیں، جماعت باہر مسجد سے نکلی تھی کہ منور حسین صاحب اور برمنگھم کی جماعت آگئی۔ ہم لوگ گشت پر چلے گئے لوٹ کر آئے تو معلوم ہوا کہ لندن سے کاروں کے ذریعہ جماعت سترہ اشخاص کی آگئی اس موٹر میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے چار پانچ حضرات ٹرین سے آئے اور شاید دو ایک نہ آسکے۔ گلاسکو کی جماعت آرہی ہے، لیور پول کی جماعت آرہی ہے۔ کیا یہ بھوپال کا اجتماع ہے؟ نہیں یہ انگلستان میں مانچسٹر کا اجتماع ہے۔ جس میں ڈاڑھی والے بھی ہیں۔ سوٹ والے بھی ہیں، آفیسر بھی ہیں تجار بھی ہیں، فیکٹریوں والے بھی ہیں ہوٹل والے بھی، ڈاکٹر بھی ہیں،

سائنسداں بھی ہیں طالب علم بھی بچے بھی ہیں ، بوڑھے بھی ہیں، برٹش گیانا کے لوگ بھی ہیں، کوئی ٹرین سے آیا ہے کوئی موٹر سے آیا ہے، کوئی کاروں سے آیا ہے۔ یہ کس چیز کی تیاری ہے؟ یہ کیوں جمع ہو رہے ہیں، یہ کیوں گھر چھوڑ کر مسجد آ گئے ہیں؟ یہ اس ماحول میں گھروں سے نکلنے والے ہیں۔ یہ اللہ کا کلمہ اونچا کرنے آئے ہیں۔ یہ ایمان کو لینے اور ایمان کو بانٹنے آئے ہیں، آج دیکھیں وہ لوگ جو کہتے تھے لندن، انگلینڈ میں تبلیغ کہاں، کئی جماعتیں گشت کرنے نکل گئیں مسجد سے باہر نکل کر خوب رو رو کر دعائیں ہوئیں، مغرب کے بعد بات چیت ہوئی، لندن والوں نے بتایا کہ راستہ میں موٹر روک کر انھوں نے نمازیں گھاس پر پڑھیں، انگریز اپنی موٹر روک کر دیکھتے رہے بعد میں سلام کیا۔ یہ صرف نماز کا وقار تھا جو ان پر اثر انداز ہوا، بریڈفورڈ سے قریب سولہ اشخاص آئے۔ اللہ نے ان کو بلند حوصلے عطا فرمائے ہیں، ایک صوفی صاحب ہیں جو وہاں درس دیتے ہیں وہ بھی ہمراہ آئے۔ اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس ملک کے دو سالہ قیام میں پہلی بار تبلیغ میں نکلے ہیں۔ تین چار حافظِ قرآن اور چند قاری اس اجتماع میں تھے۔ ان میں اکثر وہ تھے جو دین کے لیے بے چین نظر آتے تھے۔ بریڈفورڈ والوں نے بتایا کہ انگریزوں سے اسکول میں دُعا اردو میں کرانی شروع کرا دی ہے تاکہ مسلمان بچوں کے عیسائیت زیادہ سمجھ میں آئے وہاں گلاسکو اور لیڈس میں مسلمانوں نے مسجد میں بچوں کے مدرسے کھولے ہیں۔ اس اجتماع میں تقریریں بہت پُرجوش ہوئیں اور اس کے بعد تین تین چلّوں کی مانگ ہوئی۔

اجتماع بہت اچھا رہا، جماعتوں میں یہاں کے لوگ پہلے بھی نکلے تھے۔ اب خوب جُڑ کر کام کرتے ہیں، فیصلے کئے ہیں، بریڈفورڈ میں بہت مسلمان ہیں، مسجد کے لئے ایک عمارت بھی خرید لی ہے اس کے بعد نیوکاسل پہنچے۔ وہاں کے لوگوں کا جوش اور وہاں دین کا استقبال دیکھ کر جی چاہتا تھا کہ اللہ کے شکر میں ڈوب جائیں اور خوب روئیں کہ کاش چند لوگ اپنی زندگیوں کو اللہ کے دین کے لئے مٹانے پر کمر باندھ سکتے تو دیکھتے دیکھتے یہ روشنی ایک بار پھر دنیا کے سامنے

آجاتی۔ اور اللہ تو یقیناً اپنے اس نور کو تمام و کمال تک پہونچائیں گے افسوس تو ہم جیسے نوجوانوں پر ہے جو اس کوتاہی کی بدولت یستبدل قوماً غیرکم کی بنا پر مٹا دیئے جائیں اور کسی دوسری قوم کو یہ سعادت مل جائے۔ خداوند کریم ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے اعمال واخلاق وکردار کو اس قابل بنادے کہ ہم پوری دنیا کے سامنے صحیح اسلام پیش کرسکیں۔ آمین۔ یہ شہر لندن، برمنگھم، مانچسٹر دوسرے شہروں سے اتنا دور ہے کہ یہاں جماعتیں اکثر نہیں جاتیں، اس کوتاہی پر ہمیں افسوس ہے۔ نیوکاسل سے ہمارے ساتھ ایک نوجوان شیر افضل صاحب نکلے ہیں۔ گلاسکو میں پہنچنے سے اطلاع تھی، سب اسٹیشن پر آگئے تھے، مسجد میں سامان رکھنے کے بعد گشت شروع ہوا، رات میں اجتماع ہوا۔ سب سے متاثر کن بات اس نوجوان کے سفر کے تاثرات تھے جو نیوی تعلیم کے لیے آیا ہوا ہے۔ جب اس نے کالج کے حالات اور پھر کسی کی گذشتہ لندن کے اجتماع میں شرکت کی دعوت اور اس کا انکار اور بادلِ ناخواستہ شرکت اور پھر اس اللہ کے دین کی جد وجہد سے متاثر ہونے کے واقعات سنائے تو حقیقت میں لوگوں کے دل روتے تھے، پھر اپنے حالات سنائے، میں نے ۲۰ سال میں اتنا دین اور اللہ کا خوف حاصل نہیں کیا جتنا اس ہفتہ میں کیا، یہاں کے اجتماع میں اتنا پُراثر اور رُوحانیت والا اجتماع، میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا، مجھے یقین ہے اللہ کی ذات سے کہ یہاں تھوڑی کوشش سے زیادہ نتائج پیدا ہوں گے"۔

ان اجتماعات اور جماعتوں کی نقل وحرکت سے انگلینڈ میں کئی ایسے اصحاب تبلیغی کام سے جُڑ گئے جو بالکل غیر متعلق تھے اور پھر انھوں نے اوقات دے کر اور محنت ومشقت اٹھا کر مقامی کام کو تقویت دی اور فضا میں تبدیلی پیدا کی، ہندوستان وپاکستان کا سفر کیا اور نہایت اچھے اثرات لے کر واپس ہوئے، ایک صاحب اس تبدیلی کے سلسلے میں اپنے تاثرات اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"الحمد للہ جماعتوں کی نقل وحرکت کی برکت سے مختلف جگہ مساجد قائم ہوگئی ہیں، اذان

ور اجماعت نمازوں کا اہتمام ہونے لگا ہے اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں کے احباب ان کے بنانے کی پوری فکر کر رہے ہیں. انشاء اللہ بہت جلد بہت سی مساجد ہو جائیں گی یہاں مختلف شہروں میں اسی عالی عمل کے لئے فکرمند ہیں اور مقامی طور پر ہفتہ واری گشت، تعلیم، اجتماع اور شب گزاری کرتے ہیں۔ ایسے مقامات بھی ہیں جہاں کی جماعتیں مختلف اوقات کے لیے ہر مہینے باہر نکلتی ہیں. ہر جگہ کے احباب ہماری جماعت کی خوب نصرت کرتے ہیں. انکے دلوں میں کام کی بڑی عظمت ہے اور جماعت کی بڑی قدر کرتے ہیں مختلف شہروں کے احباب ہمارے ساتھ پھر رہے ہیں. ہفتہ، اتوار میں خوب کام ہوتا ہے اور عام طور سے لوگ ان دو دن میں خوب محنت کرتے ہیں اور اجتماعات ہوتے ہیں اور ترغیب و دعوت دی جاتی ہے اور لوگ چلے اور تین چلوں کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور ہمارے ساتھ ایک جماعت ہندوستان آئیگی چالیس یوم کے لئے کچھ لوگ تیار ہو رہے جو ہمارے ساتھ ساتھ پھریں گے"

ایک دوسرے مکتوب میں ایک تبلیغی کام کرنے والے انگلینڈ کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ، مختلف ممالک کے اُن طلباء، کا جذبۂ دینی اور ان کی زندگی میں جو انقلاب پیدا ہوا اسکے متعلق کیسے اچھے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:۔

"مختلف شہروں سے اس اجتماع میں جماعتیں آئیں اور اللہ کا احسان ہے کہ ان ایمان سوز فضاؤں میں اللہ کی رضا کے لئے کچھ بندے سر جوڑ کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت کا مظاہرہ فرمایا، کئی ملکوں کے وہ لوگ جو ایک دوسرے کی زبان سے نا واقف تھے خونی رشتوں سے بھی زیادہ محبت کے ساتھ جمع ہوئے. ان سب کی رعایت سے، انگریزی، اردو، عربی میں تقریریں ہوئیں، اجتماع میں نوجوان طبقہ بہت ہی قابل ذکر ہے. ان کا جوش، اس کام کی فکر واقعی اللہ کی خاص رحمت ہے. یہ وہ طبقہ ہے جو سب سے زیادہ یہاں آلائشوں میں پھنسا ہوا سمجھا جاتا ہے جس کو شیطانی دعوت دینے والے آسانی سے شکار سمجھتے ہیں. ان نوجوانوں کا رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی فکر میں لگنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتا ہے۔ معلوم نہیں ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے کتنے ابھی جاہلیت کا شکار ہیں۔ اجتماع کا آخری دن تھا دو صومالی طالب علم تشریف لائے، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی قربانیاں اور امت کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

اسلام کے یہ فرزند اپنی اور پوری قوم کی کوتاہیوں پر آنسو بہا رہے تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو مع جان و مال کے پیش کیا اور کہنے لگے اس سے حیات پیدا ہوگی اور چھٹیوں میں جہاں لے جاؤ چلیں گے۔ جو طالب علم اجتماع سے نکلے ہیں ان میں سے ایک ڈاکٹری کا طالب علم، ایک چارٹرڈ اکاونٹس کا طالب علم ایک نیوی کی ٹریننگ کے لئے آیا ہوا ہے، ایک بی۔ ایس سی کے طالب علم تھے۔ ان کے علاوہ اور لوگ بھی نکلے جو مختلف کاروبار کرتے ہیں، مانچسٹر سے بریڈ فورڈ گئے، ایک دن کا قیام تھا۔ وہاں کی مصروف زندگی میں توقع نہیں تھی، بس سے اترتے ہی دو بنگالی حضرات سے ملاقات ہوئی۔ دو منٹ کی گفتگو سے ہمارے ساتھ ہو لئے اس کے بعد دو عرب ملے وہ اپنے گھر لے جانے پر مُصِر تھے ہم نے انھیں بھی ساتھ لیا۔ بس اسٹینڈ سے باہر نکلے تو ایک نوجوان ابراہیم ڈایا سورتی جو بمبئی میں حاجی احمد صاحب کی دوکان پر کام کرتا تھا آپ کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور جماعتوں کے ساتھ نکل چکے ہیں، کئی ساتھیوں کے ساتھ جو بمبئی رنگون میں نکل چکے ہیں، ملے تبلیغی جماعت کا نام سنتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ ان کی عید آگئی کہنے لگے کہ تین سال سے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی جماعت آجائے۔ آج یہ دعا قبول ہوئی، گشت خوب ہوا۔"

امریکہ | جیسا کہ اس باب کے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ امریکہ جانے والے افراد نے اس متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں جہاں ہر آدمی مشغول ترین زندگی گزارتا ہے اور کسی کو کسی سے بات کرنے تک کی فرصت نہیں ملتی کس طرح محنت و مشقت سے کام کیا اور اپنی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے تبلیغی کام کی کیا کیا راہیں کھولیں اور وہاں کے رہنے والے مسلمان

عرب طلبا اور آنے جانے والوں سے نجی ملاقات کر کر کے دین کی راہ میں کیا کچھ محنتیں کیں اور ان کو دعوتِ دین سے روشناس کرایا اس سلسلے کے چند مکاتیب جن سے امریکہ کے حالات، وہاں کام کی دِقتوں اور تبلیغی کام کرنے والے افراد کی محنتوں پر بڑی حد تک روشنی پڑتی ہے درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

(۱)

نورِ ایمان والی فضاؤں میں زیادہ وقت لگائے بغیر مجھ جیسے کوتاہ عمل اور سیاہ کار کا امریکہ کے ایمان سوز ماحول میں جانا خطرہ سے خالی نہ تھا، دہلی کو چھوڑ رہا تھا بنگلہ والی مسجد کی ایمان کو جِلا دینے والی، اعمال کو نکھارنے والی، دین کی دعوت و محنت کی عظیم الشان فضاؤں سے نکل رہا تھا، دین کے تقاضے روک رہے تھے اور دنیاوی روابط کھینچ رہے تھے۔ دل بے چین تھا پُر ایمان صحبتوں سے برسوں کے لئے جُدا ہونے والا تھا، نیویارک پہنچ کر سارے دن کوشش کے باوجود جماعت کا پتہ نہ چل سکا، غم کا ایک پہاڑ تھا جو مجھ پر ٹوٹ پڑا، مشیتِ الٰہی پر صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ امریکہ کا ماحول کاٹ رہا تھا۔ قدم قدم پر اللہ کی نافرمانیوں میں مُبتلا ہو جانے کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ جو شخص اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتا ہو اور اللہ کے سامنے قیامت کے دن اپنے اعمال کا حساب دینے کا یقین رکھتا ہو، یہ فضائیں انتہائی زہریلی تھیں، تبلیغ کی اس عظیم الشان محنت کا صدقہ تھا کہ جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تھوڑا سا وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائی تھی اسی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بدنظری سے حفاظت فرمائی اور اس کے کرم سے امید ہے کہ آگے بھی اس کی عنایت ہوتی رہے گی۔

منیاپولس (MINNIA POLIS) پہنچا جو نیویارک سے تقریباً ۱۲۰۰ میل ہوگا یا کچھ کم، ٹیلی فون کی ڈائرکٹریوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر چند نام مسلمانوں کے نکال سکا۔ بعض سے بات کی لیکن فائدہ مند نہ ہوسکی۔ اللہ کی ذات سے امید لگی رہی کہ وہ ضرور مدد فرمائیں گے، تنہائی نے زیادہ آگے بڑھنے نہ دیا۔ اکیلے ہی نماز ہوتی رہی، ایک جمعہ تو ظہر ہی پڑھنا پڑا۔ اگلے جمعہ یونیورسٹی کی

ایک بلڈنگ میں نماز شروع ہوئی لیکن جس طرح مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں معاملہ کر رکھا ہے جمعہ بھی اپنے انداز کا نرالا جمعہ تھا۔ بیشتر جو دین سے کسی قدر دلچسپی رکھتے ہیں تو اس طرح کے دین کے آسان اعمال کو بھی مشکل اور ناقابلِ عمل کہہ کر ان کو اپنی خواہش نفسانی کے تحت ڈھالنا چاہتے ہیں، مغربیت چور دروازوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرنے والے اسلام کے نمائندوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور ایمان ویقین کو غارت کرنے کی پوری کوشش میں مصروف ہے اور یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دم بھرنے والے اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی امید رکھنے والے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تہذیب میں جس کا معیار ذلیل ترین بے حیائی ہے، اپنی کامیابی ڈھونڈ رہے ہیں۔ سڑکوں پر بسوں میں مرد وعورت رات دن بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ اس قوم کے اخلاق کا معیار ہے جس کی اندھی تقلید کرنے میں ہمارے نوجوان فخر محسوس کرتے ہیں، بس خون کے آنسو رونے کی ایک داستان ہے، حضرت میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس گندے ماحول سے میری حفاظت فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے دین کی دعوت ومحنت میں مجھے استقامت عطا فرمائے۔

جمعہ کی نماز کے وقت مسلم طلباء سے ایک ربط رہتا ہے۔ ہر جمعہ ایک الگ شخص پڑھاتا ہے۔ کوئی دس پندرہ طالب علم آتے ہیں۔ جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز دُہرالیتا ہوں، ہر ایک کے تعلق سے بدگمانی رکھنا بھی شائد زیادتی ہو، اس سلسلے میں ضرور رہنمائی فرمائیں۔

گذشتہ چند ہفتوں سے اپنے ایک ہندوستانی ساتھی کے ساتھ دو کی جماعت بنا کر نماز پڑھتا رہا۔ ملاقاتوں کا نظم چلانے کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اپنی ہی کوتاہ عملی اور کمزوری کی بنا پر، لیکن اللہ رب العزت کی ذات سے امید وابستہ تھی، دین کی دعوت کی محنت ہی میں اپنے ایمان اور اعمال کی حفاظت کا یقین کرتے ہوئے، بے چینی سے موقع کی تلاش میں رہا اللہ نے کرم فرمایا کہ گزشتہ جمعہ کی شام دو ایسے مسلمان طالب علموں سے ملاقات ہوئی جو ذرا سی بات پر ہمہ تن تیار ہوگئے

ایک مصر کے طالب علم ہیں اور دوسرے زنجبار (مشرقی افریقہ) کے ہیں اول الذکر کیمیا میں ایم۔ایس سی کر رہے ہیں اور دوسرے امریکی اور اسلامی تاریخ میں بی۔اے کر رہے ہیں بڑے اچھے دینی جذبات رکھتے ہیں ہر طرح ساتھ دے رہے ہیں۔ میں نے ان سے ہندوستان میں اس عظیم الشان دینی کام کے شروع ہونے کے بارے میں چند موٹی موٹی سی باتیں کیں تو بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی ہماری اور ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے اس اعلیٰ ترین فریضہ کو اپنی زندگی کا اہم ترین عمل بنانے کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی دائمی کامیابی والی زندگی کو خود اپناتے ہوئے ساری دنیا میں رواج میں لانے کی بھرپور محنت کر ڈالیں۔ یہ زندگی قربانیوں سے دنیا میں وجود میں آئی تھی اور آج صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی قربانیاں پکار پکار کر مسلم نوجوانوں سے ان کی خواہشات کی بھینٹ طلب کر رہی ہیں۔

ہر اتوار کی شام کو دو گھنٹے اور جمعہ کی شام کو ایک گھنٹہ وقت نکال کر یہاں کے مسلم نوجوانوں سے (جو ۷۰۰-۸۰۰ کی تعداد میں ہوں گے) ملنے کا پروگرام فی الحال بنایا ہے۔

آج ایک طالب علم قطب شیخ سے ملاقات ہوئی جو گزشتہ پانچ سال سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایمان اور نماز اور اخلاق کی بنیادی باتیں ہوئیں۔ قطب صاحب نے مہینہ میں ایک شام دینے کی خواہش خود سے ظاہر کی۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اتنی بہت سی کوتاہیوں کے باوجود اس قسم کی غیبی نصرت فرما رہے ہیں۔ پیر، چہار شنبہ، اور جمعہ کے دن ظہر، عصر اور مغرب کی جماعت کے لئے فی الوقت (مجھے ملا کر) چار آدمی تیار ہیں۔ دوسرے اوقات کی فکر ہے۔ مقامات کی دوری کی بنا پر ابھی اتنا ہی ہو سکا ہے۔ ساری نمازوں کے لیے جماعت کی ان شاء اللہ کوشش جاری رہے گی۔ مجھے تو یہی بات سمجھ میں آئی ہے جو میں نے آپ بزرگوں ہی سے سنی ہے کہ حالات کیسے ہی ناسازگار اور رکاوٹیں کُن ہوں، ماحول کیسا ہی ایمان سوز کیوں نہ ہو اپنے ایمان اور اسلام کو سلامت رکھنے کا واحد علاج تبلیغ کی یہ بابرکت محنت ہی ہے۔ ہندوستان

میں اعمال کو نورانی بنانے والی اس محنت کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی ہم نے نہیں کی جتنے اوقات لگانے چاہیئے تھے نہیں لگائے، بے حد افسوس ہے۔ اس ملک میں دنیاوی اغراض کی خاطر آنے والوں کو تو میں یہی مشورہ دوں گا کہ پہلے اس ماحول کا تریاق تبلیغی جدوجہد میں اوقات لگا کر حاصل کریں تب یہاں آئیں اور ایسی محنت کے ذریعہ اپنے ایمان واعمال کی حفاظت کریں۔"

(۲)

۲۱ر کو کراچی سے سوار ہو کر اگلے دن لندن پہنچے، طہران، دمشق، روم، جنیوا جہاز ٹھہرا، ملک ملک کا پانی پینا نصیب ہوا۔ ہوائی جہاز میں دقت تو ضرور تھی لیکن نمازیں جماعت سے ہی ادا کی گئیں۔ لندن کی کچھ مساجد میں کام کیا۔ ۲۳ر کو لندن سے سوار ہو کر اگلے دن صبح ۱ بجے نیویارک اترے، نیویارک کے امیر صاحب ہمیں لینے کے لئے ہوائی اڈہ پر آ گئے تھے۔ یہ شہر کاروں کا ہے برساتی کیڑے مکوڑوں کی طرح ہر طرف کاریں ہی کاریں ہیں۔ ہمارا قیام مسلمانوں کی خریدی ہوئی چار منزلہ بلڈنگ میں ہے۔ ہڈسن دریا کے نزدیک پر رونق جگہ ہے۔ اس میں نہانے دھونے، پکانے، رہنے اور نماز پڑھنے کے لئے الگ الگ بندوبست ہے۔ دراصل ہمارے یہاں سے جو امریکن بھائی جماعتوں میں پھر کر واپس آتے ہیں، انھوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ پاکستانی تو ہماری پوری پوری مہمان نوازی کریں اور ہم انھیں رہنے کے لئے کوئی جگہ بھی نہ دے سکیں، اس لیے انھوں نے کوشش کر کے یہ مسئلہ اٹھایا اور کئی ملکوں کے حضرات نے مل کر ۵ لاکھ ڈالر میں یہ بلڈنگ خریدی ہے اور تبلیغی مرکز بنایا ہے۔ جمعرات کو اجتماع ہوتا ہے۔ اب یہاں کے مسلمان اس کام سے مانوس ہو گئے ہیں اور اپنی ذمہ داری سے تبلیغی پروگرام چلاتے ہیں۔ ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کرتے ہیں اتوار کو بھی جمع ہوتے ہیں۔ روزانہ شام کو نوجوان قرآن پاک سیکھ رہے ہیں، ایک لاہوری قاری صاحب فی سبیل اللہ پڑھاتے ہیں، ہم بھی روزانہ پندرہ بیس میل کا سفر کر کے مختلف

جگہ جاتے ہیں اور گشت کرتے ہیں۔ آج کل ہم لوگ رات کا کھانا تقریباً سحری کے وقت کھاتے ہیں، چونکہ شام کا کام کرکے واپسی آدھی رات تک ہوتی ہے۔ مقامی لوگوں کے لئے رات بھی دن ہی کے مانند ہے ہر وقت عورت اور مرد بھاگے دوڑے پھرتے ہیں، نصف شب کے بعد کاریں لاہور کے مال روڈ سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ صبح کے قریب ضرور کچھ امن رہتا ہے۔ یہاں کے باشندے بہت ہی سیانے ہیں مگر عاقبت کی طرف سے انتہائی بے خبر ہیں، مرنا تو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ دن کو جسم تھکانا اور رکمانا رات کو دل بہلانا اور رکمائی کو ضائع کرنا، ہفتہ اتوار کو یہ خرافات درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا کی ہر چیز میں انتہائی ترقی یافتہ اور عاقبت کی ہر چیز سے منھ موڑے ہوئے ہیں۔ اب جو نوجوان تبلیغ کی کوشش سے بدل رہے ہیں وہ کہتے ہیں یہ ماحول ہمیں کاٹنے کو دوڑتا ہے اور چاہتے ہیں کہ اڑ کر مسلمان ملکوں میں چلے جائیں۔ ان کے بس میں ہو تو یہاں سے ہجرت کر جائیں۔ بعض عورتیں بھی تبلیغ کا کام اپنے حلقے میں کرنے لگی ہیں۔ جو امریکن بھائی جماعتوں میں پاکستان آچکے ہیں اس کام کے لئے وہی آگے آگے ہیں۔ جرمنی نسل کے گوروں میں سے امیر عبدالرشید جنھوں نے پاکستان میں ایک سال گزارا ہے قابل رشک ہیں۔ داڑھی اور پٹے رکھ کر نمازوں کا جماعت کے ساتھ پورا پورا اہتمام کرتے ہوئے دین کے داعی ہیں، تبلیغ کیلئے خوب فکرمند ہیں۔ ان کے والد صاحب بھی نورانی صورت بزرگ ہیں جو ایک عرصہ ہوا کلکتہ میں کسی اللہ کے بندے کے ذریعے اسلام لائے تھے۔ روزانہ ہمارے کھانے کی چیزیں بطور ہدایا لاتے ہیں۔ یہاں کے ماحول میں یہ طرز عجوبہ ہے چونکہ یہاں خود غرضی کا ایسا عالم ہے کہ کسی بھی دوسرے پر اپنا پیسہ نہیں خرچ کرتے، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، مہمان نوازی کا تصور بھی نہیں ہے۔ ان کی مادی زندگی میں اچھے اخلاق، ہمدردی اور ملنساری کی بالکل گنجائش نہیں، افسوس ہمارے ملک کے نوجوان اس مادی زندگی کی طرف دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں اور مایہ ضائع کر رہے ہیں۔"

(۳)

تبلیغ کا کام اب چل نکلا ہے نئے نئے نوجوان شامل ہو رہے ہیں. بڑے جوش و خروش سے دین سیکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس طرف لانے کی محنت کرتے ہیں، کئی تو چوبیس چوبیس گھنٹے ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں سے سب سے پہلے دین کی خدمت اور دعوتِ عمل دینے کے لئے بھائی آتے ہیں، یوں ہزاروں مسلمان مختلف ملکوں سے آتے ہیں لیکن وہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتے اور نہ ہمیں دین سکھایا اور خود بھی عمل چھوڑ بیٹھے ہیں. اس لئے کہ ان کے دل میں ہمارے ملک کی بہت قدر ہے اور ہر نوجوان تمنا کرتا ہے کہ جلد وہاں جا کر دین سیکھے اور پھر اپنے ملک واپس آئے اور اگر آئے تو دین کی دعوت لے کے آئے. کاش! ہم ان کے حسنِ ظن پر پورے اتر سکیں اور ہمارے ملک میں ان کے دین سیکھنے کی کچھ شکلیں ہو سکیں، یہاں کے حضرات ہماری خبر سُن کر کئی غیر مسلموں کو بھی لاتے ہیں. اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان پر بھی اچھا اثر ہوتا ہے. غیروں میں تبلیغ ہمارا موضوع نہیں ہے اور نہ ہی ہمارا علم اس درجہ کا ہے ورنہ یہاں اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد بڑھانے کے بڑے مواقع ہیں لیکن جب تک پُرانے مسلمان عملی زندگی میں نہیں آتے ان کا اسلام میں آنا بھی ان کی زندگیوں کو نہیں بدل سکے گا، اس لئے ہم یہاں مسلمانوں کے احساسِ ذمہ داری کو بیدار کرتے ہیں، الحمد للہ مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور کچھ عرصہ لگ کر محنت ہوتی رہی تو اچھے نتائج کی امید ہے. ہر شام مسلمانوں کے گھروں پر جاتے ہیں فاصلوں کی دوری کی بنا پر وقت بہت صرف ہوتا ہے. تہجد اور کھانا ایک ساتھ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہم دین کے لئے جاگتے ہیں اور یہاں کے باشندے اپنی خواہشات کے لئے، گھر کی ملکہ کو بازار میں آدمیوں کی باندی بنا دیکھ کر دل بہت افسردہ ہوتا ہے. نقاب اُلٹنے اور بے حجابانہ اختلاط نے حالات کو انتہائی بھیانک بنا دیا ہے، کاش ہم اس سے سبق لیں، خدا کے

غضب سے ڈریں۔ الحمدللہ یہاں مسلمانوں میں فرق پڑ رہا ہے۔ یہاں کی مسلم مستورات بھی دینی تعلیم کے لئے ہفتہ میں دو ایک بار جمع ہونے لگی ہیں دن بدن نیک بن رہی ہیں اور ایک دو سال میں حج اور پاکستان جانے کا عزم رکھتی ہیں، ہم یہاں کے نوجوانوں کو دور کے شہروں میں جماعتیں بنا کر پھرنے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ پچھلے ہفتہ دس بھائی ہمارے ساتھ ننو میل دور فلاڈلفیا (PHILA DEL PHIA) گئے تھے، تقریباً چالیس روپیہ فی کس خرچ ہوا، آج وہاں کی جماعت نیویارک آرہی ہے۔ انشاء اللہ دینی جدوجہد ان کے ایمان و عمل کی مضبوطی کا باعث بنے گی، مادی لائن کی طرح ایمانی لائن سے بھی خوب ترقی کرینگے یہاں کے مسلمانوں میں مساجد اور مدارس بنانے کا شوق تو ہے لیکن ان کی آبادی کی فکر نہیں ہے، اس لیے ایسی جگہیں عموماً بند ہی رہتی ہیں صرف جمعہ اور اتوار کو کھلتی ہیں۔ اب جماعتوں کے آنے جانے کے سبب کچھ مساجد کھلی رہنے لگی ہیں۔ ہمارے قیام کے سبب یہ مسجد بھی ہر وقت کھلی رہنے لگی ہے۔

مرد، عورتیں، بچے رات گئے تک کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں۔ دن کو حد سے زیادہ محنت کرنا اور رات کو تھکن والے جسم کو بہت زیادہ لہو ولعب میں لگائے رکھنا یہ یہاں کی زندگی کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دماغ اور عقل تو خوب عطا فرمائی ہے مگر اس کا استعمال بُری طرح کر رہے ہیں۔ ان کی مصنوعات کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن مذہب اور آخرت کی زندگی کے بارے میں بالکل بے خبر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرنا ان کی زندگی کی کوئی منزل نہیں ہے عورت اور مرد کا اختلاط اس درجہ کو پہونچ چکا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ بے حیائی کی زندگی نے انسانیت کے تمام جوہر ضائع کر دیئے ہیں، انسانی ہمدردی اور اخلاق جو انسانوں اور مشینوں، جانوروں میں امتیاز کراتے ہیں، وہ مفقود ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عبرت کی نگاہ عطا فرمائیں۔ یہاں کے شرفا بھی تنگ آگئے ہیں۔ اس ماحول میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کی صداقت کے کرشمے

دکھا رہے ہیں تو ہمارے کام کا موضوع مسلمان ہی ہیں اور ہم یہاں ان کے اندر صحیح اسلامی زندگی کا شعور بیدار کرنے کے لئے آتے ہیں، غیر مسلموں میں ہم نہیں گھستے، اس کے باوجود اس مرتبہ ہر روز ہی کوئی نہ کوئی غیر مسلم آتا تھا اسلام کے بارے میں سوالات کرتا۔ اس طرح آٹھ حضرات مسلمان ہوئے ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا کہ ان کے دلوں میں اپنے آبائی مذہب سے نفرت ہے، ایک عیسائی نوجوان اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تماشائی کی حیثیت سے ایک روز آیا اوروں کے سوالات وجوابات سنتا رہا آدھا گھنٹہ سننے کے بعد اس کی آنکھوں میں ایک رونق سی ظاہر ہوئی اور بولا یہ باتیں تو میرے دل کی آواز ہیں میں گرجا جانے سے بیزار ہوں وہاں کی تقریریں میرے دل کو نہیں بھاتیں اور میں اپنے کمرہ میں بیٹھا گھنٹوں حق کے متعلق سوچا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا تھا کہ وہ صحیح راہ دکھا دیں آج مجھے حق مل گیا۔ اس کا نام عبدالرحمن رکھا ہے اسی طرح ایک اور نوجوان اسلام کی تلاش میں کئی جگہ سے مایوس ہوکر ہمارے پاس آیا کلمہ پڑھا اور دین سیکھنے کے لئے ہمارے ساتھ ہی ہولیا۔ بہت ذہین اور مُستعد ہے۔ یہاں بہت سے لوگ اسلام سیکھنا چاہتے ہیں لیکن کوئی بتلانے والا نہیں۔ جو غلط سلط کلمہ صرف پڑھانا جانتے ہیں وہ بھی فیس مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اسلامی ممالک کے ہزاروں مسلمان موجود ہیں لیکن ان کے اندر احساس کمتری ہے یا اپنے آپ میں مست ہیں اس کا دھیان نہیں؛ اکثر تو اسی رَو میں بہے جارہے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی صحیح اسلام لے کر ڈیرہ جمالے اور اپنے اعمال میں پختہ ہو تو بہت کافی انسانوں کو اسلام کے قدموں میں لاسکتا ہے لیکن تعداد بڑھانے سے کام نہیں بنے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اعمال کو ایمان والا بنالیا جائے۔ اس لئے ضرورت یہی ہے کہ مسلمانوں میں کام کیا جائے۔ اگر یہ صحیح رُخ پر آجائیں تو بقیہ کے لئے نمونہ بن جائیں گے۔ لوگ کتابوں کے اسلام کے بجائے انسانوں میں اسلام دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا عمل مقناطیسی اثر رکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو سراسر کشش ہے۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں ان کی پوری پوری اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔"

(۴)

"واشنگٹن سے چل کر ہماری جماعت پٹس برگ (PITTS BURGH) پہنچی یہ شہر ٹیلوں پر بنا ہوا ہے، بڑے شہروں میں ہے لوہے کے کارخانے ہیں۔ یہاں کے مسلمان مزدوروں نے ایک کمرہ مسجد کے لئے بنا لیا ہے چنانچہ ہمارا قیام اسی میں ہوا۔ یہاں کی عورتیں زیادہ پڑھی لکھی ہیں اس لئے مردوں سے زیادہ کماتی ہیں، مسجد کے لئے مکان خریدنے اور اس کے انتظامات میں بھی پیش پیش ہیں۔ اس شہر کے دو بھائی پچھلے سال ہمارے یہاں جماعت میں آئے تھے اور حج کرکے واپس ہوئے تو ایک کا راستے میں انتقال ہوگیا۔ وہ تو خوش بخت نکلے لیکن یہاں کے لوگوں کو یتیم کر گئے چونکہ وہ ان کے امام اور واعظ تھے۔ اس لئے کام کمزور پڑ گیا ہے کچھ آپس میں اختلاف بھی ہے۔ ہم نے پندرہ دن اس بات پر محنت کی کہ سب متحد ہوجائیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر شام ان کے گھروں پر جاتے اور اجتماع کرتے ہیں جن میں بڑے شوق سے عورتیں اور مرد شریک ہوتے ہیں۔ جب سے عورتوں نے پردے کے بارے میں سنا ہے تو ہر ایک عورت نے برقع کے طرز کا ایک لمبا لباس بنوا لیا ہے جس سے سوائے چہرہ کے سب جسم ڈھکا رہتا ہے یہ پہن کر اجتماع اور نماز میں آتی ہیں اور اگر کوئی نئی عورت یورپین لباس میں آجاتی ہے تو اس کی ننگی ٹانگوں پر کوئی بڑا رومال ڈال دیتی ہیں۔ ایک روز ایک نو مسلمہ اپنے غیر مسلم بھائی کو لائی، اُس سے گفتگو کی اس نے اسلام قبول کیا اور روزانہ اسلام سیکھنے کیلئے آتا ہے۔ انشاء اللہ یہاں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ آخر روز تین گورے امریکن آئے اور دین کے بارے میں گھنٹوں گفتگو کرتے رہے۔ ان میں ایک جوان لڑکی تھی جو ایک پاکستانی مسلمان کی بیوی ہے۔ شوہر چاہتا تھا کہ وہ مسلمان ہوجائے لیکن وہ یہودی تھی۔ بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ نہیں مانی اور کہتی تھی میرے دل میں یقین نہیں آتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ

نے ایک بات سوجھائی اس سے کہا کہ دیکھو بیج میں یوں درخت موجود ہے لیکن وہ نظر نہیں آتا کوئی مالی ہم سے کہے کہ یہ بیج اپنے باغ میں لگائیں تو بڑے پھل اور پھول اور پتے دیگا بشرطیکہ زمین میں کھاد اور پانی ڈالتے رہوگے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ہماری باتوں کا یقین کرو اور اس ایمان کے بیج کو اپنے دل میں لگاؤ اور پھر محنت کرتی رہو پھر اس کی بہار دیکھو، یہ بات اس کے دل کو لگی اور کہنے لگی " پہلے مانوں اور عمل کروں پھر یقین پیدا ہوگا" ہم نے کہا کہ ہاں یہی بات ہے پہلے کلمہ پڑھو پھر ایمان کی حلاوت محسوس کرو اس نے کہا کہ میں سوچوں گی۔ دوسرے دن جب ہم جانے والے تھے اس کے شوہر کا فون آیا کہ ہمارا انتظار کریں میری بیوی کلمہ پڑھنے کے لئے آرہی ہے، چنانچہ اس کا نام طاہرہ رکھا گیا، ایمان لانے کے بعد اس کے چہرہ پر انبساط تھا، بڑے شوق سے مسائل پوچھتی رہی۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے بھی کہا کہ ہم ان عقائد پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا اظہار کرنے کے لئے ابھی سوچیں گے۔ دو حضرات ہمارے ساتھ نکلے ہیں۔ عورتوں سے یہ بھی عرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنا اجتماع مردوں سے علیٰحدہ کریں۔ رخصت کے وقت یہاں والوں کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں ہمیں جو رخصت کرنے آتا تھا وہ پھلوں کا ہدیہ لاتا تھا۔ انھوں نے ہمیں پھلوں سے لاد دیا۔ یہ دین کی برکت ہے کہ اس قدر جلد ان میں اتنی تبدیلی اور محبت پیدا ہوگئی ورنہ ان کے یہاں اس قسم کا رواج نہیں ہے۔ اس کے بعد شہر پہونچے یہاں پانچ سو کے قریب فلسطینی اور یمنی مسلمان بستے ہیں۔ یہاں آکر اسلام کو بھلا دیا ہے۔ قیام کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ جب ظاہری صورت کوئی نہ بن سکی تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے صورت پیدا فرمائی ایک فلسطینی عرب آیا اور اپنے بھائی کا مکان پیش کیا جو کہیں باہر گیا ہوا تھا اس میں قیام کیا۔ عربوں کو مجتمع کر کے گفتگو کی اور ان کے آبا و اجداد کے واقعات سنائے کس طرح دین کے لئے قربانیاں کیں اور پورے عالم میں پھرے۔ آپ اس بارے میں کیوں سستی کر رہے ہیں جب کہ یہاں والوں سے آپ نفع اٹھاتے ہیں تو ان کے نفع کی چیز یعنی اسلام جو آپ کے پاس ہے دو، احسان کے بدلے احسان کرو۔ الحمدللہ ان کے

دینی جذبات ابھرے اور دین کا کام کرنے کا عزم کیا۔ چنانچہ اتوار کو عرب اور غیر عرب مسلمانوں کو جمع کیا، دونوں مل کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بڑے عرصہ کے بعد یہ خواہش پوری ہوئی کہ ہم دونوں ملے ہر ہفتہ تبلیغی اجتماع مل کر کیا کریں گے۔ جمعہ کی نماز کا بھی اہتمام کریں گے ایک غیر مسلم کو بھی لائے الحمدللہ وہ بھی اسلام کی طرف راغب ہوئے۔

اس کے بعد بیفیلو (Buffalo) مقام پر آئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے ایک چار منزلہ بلڈنگ اسلامی مرکز کے لئے خریدی ہے اس کا افتتاح کرنے والے ہیں۔ یہاں بھی عرب اور دوسرے مسلمان کافی ہیں یہاں کے عربوں نے بھی کافی اثر لیا، لگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن تھا، عرب جمع ہوئے تبلیغ کا کام کرنے کا وعدہ کیا۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کے ساتھ مل کر کام کرنے پر آمادہ کیا، ہر ہفتہ کام کیا کریں گے یہاں کے بھی دو حضرات نے کام سیکھنے کے لئے ہمارے ملک میں آنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں میں گئے جہاں صرف مسلمانوں کی آبادی ہے وہاں سب کو جمع کیا، عورتیں، مرد، بچے سب جمع ہو گئے، ان کی تو عید ہو گئی بہت ہی مسرور تھے کہ کوئی دین بتانے والا آ گیا، دو گھنٹہ گفتگو رہی کہنے لگے ہم دین سیکھنا چاہتے ہیں لیکن کوئی سکھانیوالا نہیں ملتا نہ دینی کتابیں ہی ہیں، یہاں اکثر جگہوں پر یہی مسئلہ ہے۔ طہارت سے ناواقف، استنجا کرنا نہیں جانتے۔ اکثر مقامات پر ابتدائی مسائل بھی بتانا پڑتے ہیں۔ کتابوں کے لئے کچھ پتے بتائے۔ بیفیلو کے مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ ہر ماہ یہاں آ کر ان کو سکھایا کریں۔ اگر یہاں عرب اور پاکستانی اس کام کو کرنے لگیں تو یہاں کے مسلمانوں کا دینی معیار کافی بلند ہو سکتا ہے اور غیر مسلموں میں بھی اسلام کی آواز خوب پہنچ سکتی ہے۔ یہاں ہم کلیولینڈ (Cleveland) گئے۔ یہاں کے امام ولی الاکرم صاحب ہمارے ملک میں آ چکے ہیں۔ یہاں قیام کا انتظام مسجد میں نہیں ہو سکا۔ ایک صاحب نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے کسی عزیز کے یہاں بھیج کر اپنے مکان میں ٹھہرایا یہ بات یہاں کے رواج میں بالکل نہیں ہے یہ اس کام کی برکت ہے کہ ایسے اسلامی اخلاق اور

مہمان نوازیاں زندہ ہورہی ہیں۔ یہاں کے نوجوان طبقے نے ایک مسجد بنائی ہے جس میں نماز، عربی کلاسیں، غیر مسلموں کو خطاب کرتے ہیں ہم نے ان میں خوب کوشش کی۔ اس سال دو نوجوانوں نے آنے کا، اگلے سال چار نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں کی ہماری ایک جماعت ڈیٹرائٹ (DETROIT) جارہی ہے۔ وہاں ہمارا قیام تین ہفتہ رہے گا۔"

(۵)

ڈیٹرائٹ ۱۹ر اکتوبر

تین ہفتے یہاں آئے ہوئے ہوچکے ہیں لیکن ابھی تک تیسرا حصہ بھی ملک کا نہیں ہوسکا ہے۔ اس جمعہ کو کناڈا میں لنڈن (London) مقام پر جانا ہوا وہاں ایک سو کے قریب عرب اور یوگوسلاویہ کے مہاجر مسلمان ہیں۔ ماشاء اللہ ہمت والے ہیں چالیس ہزار ڈالر خرچ کر کے ایک اسلامک سینٹر اور مسجد خریدی ہے بہت محبت سے پیش آئے اور اس کام کو سراہا اور کرنیکا عزم کیا، گو تھوڑے سے ہیں لیکن سرگرم ہیں اُن کے گھروں پر گئے تو بہت خوش ہوئے۔ دو نے ہمارے یہاں آنے کا وعدہ کیا ہے آئندہ ہفتہ شکاگو اور کیلیفورنیا جانا ہوگا۔ انشاء اللہ یہ دو ہزار میل کا لمبا سفر ہوگا۔ ایک نو مسلم امریکن ہمارے ساتھ ہے اس کی بڑی گاڑی میں سفر ہوگا۔ اس ملک میں اب تک مشرقی کنارے سے مغربی کنارے تک تین ہزار میل کا سفر کرچکے ہیں۔ اپنے آپ کو دیکھتا ہوں اور اس عظیم سفر کو، تو حیران ہوجاتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں مشغول ہونا بہت بڑی سعادت ہی جو سفر مقدر میں ہیں وہ کرنے ہی پڑتے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کی کرم نوازی ہے کہ اس جان و مال کو اپنے دین کے لئے قبول فرمالیں۔

ڈیٹرائٹ کا شہر موٹر کے کارخانوں کے لئے مشہور ہے، ہمارا قیام یہاں مسلمانوں کی مسجد میں ہی ہے یہاں کے تین حضرات ہمارے ملک میں آکر تبلیغ کے کام کو سیکھ گئے ہیں، اس لئے یہاں تبلیغی فضا ہے یہاں روزانہ ملاقاتیں کر رہے ہیں یہاں کی جماعت کو لے کر ۵۰-۶۰ میل دور ٹولیڈو (Toledo) شہر میں گئے وہاں عربوں کی آبادی ہے۔ انھوں نے وہاں کئی

لاکھ کے خرچ سے ایک جامع مسجد بنائی ہے لیکن صرف اتوار کے دن کھلتی ہے۔ ان حضرات کو مقامی کام کرنے اور باہر نکلنے پر آمادہ کیا۔

اگلے ہفتہ ڈیربون (Dearborn) گئے وہاں جامع مسجد میں حاضر ہوئے اس کے ارد گرد دس ہزار عرب آباد ہیں لیکن سستی کا یہ عالم ہے کہ جمعہ کو مسجد میں چھ سات، اتوار کو دس بارہ، ان کی آبادی میں گشتیں کر کے دعوتیں دیں اور کوشش کی، ان کے یہاں قیام کے دوران معلوم ہوا کہ ایک جنازہ آرہا ہے۔ ہم نے نماز جنازہ کی تیاری کی تو معلوم ہوا کہ جنازہ کا تابوت آج لاکر رکھ دیا جائے گا اور نماز کل پڑھی جائے گی، چنانچہ پہلے رسوم کے انچارج نے آکر پام کے پتوں اور پھولوں پودوں سے ایک پس منظر بنایا پھر رنگ دار بتیاں لائی گئیں اس کے بعد ایک قیمتی لکڑی کے خوبصورت بکس کے اندر ریشم کے گدوں میں رکھی ہوئی لاش لائی گئی اور منھ کھول کر ایک باریک کپڑے سے ڈھک دی گئی۔ تابوت کے سامنے دو درجن کرسیاں بچھا دی گئیں، چنانچہ لوگ آتے رہے کچھ دیر بیٹھ کر بعض تلاوت کر کے ایک مخصوص رجسٹر میں دستخط کر کے جاتے رہے۔ چوبیس گھنٹے کے بعد نماز جنازہ ہوئی پھر ایک خوبصورت سیڑھی میں جنازہ رکھ کر باہر لایا گیا اور ایک مخصوص سائز کی کار میں رکھ کر کاروں کا جلوس چلا، قبرستان جا کر ایک گڑھے میں جس کے اندر ایک معمولی بکس رکھا ہوا تھا۔ اس میں تابوت کو مشین کے ذریعے اتارا گیا۔ سنا ہے جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کا خون نکال دیتے ہیں اور مصالحہ میں ڈبو دیتے ہیں اور چہرے کو میک اپ کر کے زندہ کی طرح پُر رونق بنا دیتے ہیں، مرحوم کے رشتے داروں نے بتایا کہ اس رسم پر چھ ہزار روپیہ خرچ ہوگا۔ یہ بہت تھوڑا ہے ورنہ بارہ ہزار خرچ ہوتے ہیں اس لئے بیمہ کراتے ہیں اور بیمہ ورکمپنیاں یہ سارا کام کرتی ہیں یہاں تو مرنا بھی مشکل ہے غریب لوگ بہت پریشان رہتے ہیں۔

ڈیٹرائٹ میں ہمارا قیام ایک ماہ رہا یہاں کے حضرات نے بہت نصرت کی کافی احباب روزانہ جمع ہوتے تھے کئی حضرات نے ہمارے یہاں آنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہاں سے ہم لوگ

امریکہ کے دوسرے نمبر کے شہر شکاگو گئے۔ یہاں مسجد نہیں ہے اس لئے ہوٹل میں قیام ہوا۔ یوگوسلاویہ کے مہاجرین نے ایک کمرہ کو مسجد بنا رکھا ہے، لیکن صرف اتوار کو کھلتا ہے۔ یہاں امریکنوں کی گھناؤنی زندگی زیادہ سامنے آتی ہے۔ اس قدر سیانی قوم کو کیا ہو گیا ہے۔ بعض تو جانوروں سے بدتر نظر آتے ہیں۔

ایک فلسطینی عرب نے ایک انجمن بنائی ہے جو ہر اتوار کو کرایہ کے ہال میں عربی کلاس درس قرآن کرتے ہیں ہم نے اجتماعی اور انفرادی دعوت دی تو دو حضرات نے ہمارے ملک میں آکر اس کام کو سیکھنے کے وعدے کئے ہیں۔

شکاگو کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ امریکہ کا قادیان ہے کیوں کہ یہاں ایلج محمد نامی ایک پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا رہتا ہے جس کی تنظیم بہت مضبوط ہے کالے لوگ دو لاکھ کے قریب اس کے پختہ ماننے والے ہیں یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن صرف نام مسلمانی ہیں اس شخص نے ان لوگوں کے اندر خوب تعصب پیدا کر دیا ہے۔ سفید لوگوں کو ابلیس سمجھتے ہیں۔ ذبح حلال طریقہ پر کر کے کھاتے ہیں۔ شراب نہیں پیتے ہیں، عورتوں میں فیشن نہیں ہے اپنے بچوں کو سرکاری مدارس کے بجائے اپنے پرائیوٹ مدرسوں میں پڑھاتے ہیں مثلاً شکاگو میں یونیورسٹی آف اسلام کے نام سے بڑا مدرسہ ہے اور ان کی عبادت گاہیں "محمد ٹمپل آف اسلام" کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ یہ لوگ داعی بھی ہیں۔ ایک روز ان کا ایک آدمی ہمارے پاس بھی دینی دعوت لایا جب ہم نے اس کو صحیح اسلام بتایا تو حیران بھی ہوا اور مایوس بھی۔ ایلج محمد نے ان کی اقتصادی حالت بھی درست کی ہے۔ سفید اقوام کے تعصب کی بنا پر لوگ اُسے اچھا سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی مجمع میں آتا اور ادھر ادھر کی باتوں سے لوگوں کو مسحور کر جاتا ہے۔ حکومت کے بھی خلاف ہے اس لئے پولیس اس کی نگرانی کرتی ہے۔ مسلمان اسکے خلاف ہیں، بعض حق کے طالب بھی اس کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ اسلام سمجھ کر جاتے ہیں مایوس ہو کر پلٹ آتے ہیں۔ پھر حق کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کئی ایسے ہمارے پاس بھی آئے اور مسلمان ہوئے۔ ان کا ایک مبلغ نیویارک میں

ہمارے ذریعہ مسلمان ہوا اور پھر اس کام کو سیکھا، اب وہ اسلام کا پُرجوش داعی ہے۔
اور اپنی قوم کو اس گمراہی سے نکالنے میں خوب کام کرے گا، یہاں سے تیس میل کے فاصلہ
پر قصبہ گیرل نامی میں ایک عرب تاجر اپنے ذاتی خرچ سے ایک مسجد بنوا رہے ہیں یہاں
کے مسلمانوں میں بھی کام کیا، شکاگو سے چل کر ہم سیڈار ریڈ آئے جہاں امریکہ کے ملک کی
پہلی مسجد وجود میں آئی تھی عربوں نے بنائی ہے، مسجد میں ہفتہ میں ایک ہی دفعہ
آتے ہیں۔ مشغولیت کا عذاب امریکہ والوں پر اس قدر مُسلّط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
عبادت کے لئے بھی وقت نہیں ہے۔ یہاں سے اٹھارہ سو میل کی مسافت بذریعہ کار
کیلیفورنیہ کے لیے روانہ ہوئے۔ برف پڑ رہی تھی، برف ہی میں ظہر، عصر، مغرب کی
نمازیں پڑھنا پڑیں راتیں ہوٹلوں میں گزارتے، چار دن میں یہ سفر پورا ہوا، برف پوش
پہاڑیوں سے گذرے برف ہی کے پانی سے وضو کرنا ہوتا تھا۔ راستوں کو برف سے صاف
کرنے کے لئے مشینیں استعمال ہوتی ہیں راستے بند نہیں ہونے دیتے، راستوں میں ہر جگہ
بڑا ہی رش، اگر آنے جانے کے راستے علیحدہ نہ ہوتے تو بہت ہی خطرہ ہے۔ سکرمینٹو
(SACRAMENTO) پہنچے جہاں پاکستانی مسلمانوں نے امریکہ کی سب سے وسیع
اور اعلیٰ انتظام والی مسجد بنائی ہوئی ہے اسی میں قیام رہا۔ اس کے اردگرد تیس۳۰ چالیس۴۰
میل تک پھلوں کے باغات ہیں جس میں مسلمان پھیلے ہوئے ہیں ان سے مُلاقاتیں کیں، نماز دل
اور دین کی یاد دہانی کرائی، جمعہ کی نماز کے بعد تعلیم ایک گھنٹہ کرنے کا پروگرام طے کرایا تھوڑے
سے مسلمان ہیں پھر دو پارٹیاں ہیں، مقدمہ بازی بھی کر رہے ہیں۔ ایک پارٹی کو ہم نے کہا کہ
ہار مان کر صلح کر لو یہ لوگ آمادہ ہو گئے ہیں، خدا کرے صلح ہو جائے۔ مسلمانوں نے یہاں زمینیں
خریدی ہیں، باغات کا ٹھیکہ لیا ہے، ہوٹل چلا رہے ہیں۔ سعید الزماں نامی ایک صاحب نے چندہ
جمع کر کے مسجد بنائی ہے، لیکن وہ مفلوج ہو گئے ہیں۔ ہم اُن سے ملے تھے نیچے کا دھڑ بے کار
ہو گیا ہے۔ چھ سال سے لاعلاج ہو کر صاحب فراش ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے شکر کے سوا زبان سے

کوئی حرفِ شکایت نہیں نکالتے۔ ان کو دیکھ کر اپنی صحت وسلامتی کی قدر محسوس ہوئی، واقعی صحت کی نعمت کا شکر بیمار کو دیکھ کر ہی ہوتا ہے۔ یہاں سے سان فرانسسکو (San Francisco) پہنچے، یہاں پاکستانی، عرب، ہندوستانی مسلمانوں نے مل کر مسجد بنائی ہے۔ ہفتہ وار درسِ قرآن کا اجتماع کرتے ہیں جس میں قرآن پاک کے الفاظ پڑھ کر ترجمہ کرتے ہیں۔ یہ کارروائی اخبار کو بھی دیتے ہیں۔ اس طرح غیر مسلم بھی شرکت کرتے ہیں۔ اِن حضرات کو یہ کام سمجھایا۔ انٹرنیشنل ہاؤس میں جاکر پاکستانی طلبا سے ملے، ان کو اسلام کے بارے میں ذمہ داری کا احساس دلایا، یہاں بھی ہندو پاک کے مسلمان ہوٹلوں کا کاروبار کرتے ہیں، خوش حال ہیں بہت محبت وارادت سے پیش آتے ہیں، مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

جاپان | جاپان میں جو کچھ تبلیغی کام ہوا اور جو شاندار نتائج برآمد ہوئے ان سب میں ارشد صاحب کا ہاتھ ہے، ارشد[1] صاحب نے جس ذہانت اور ذکاوت، اخلاص ومحبت سے جاپان میں تبلیغی اور دعوتی سلسلہ کو جاری کیا اس کو کسی وقت بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، آج جاپان میں اسلام کے نام لیوا جتنے بھی رہتے بستے ہیں اور خدمتِ دین کا کام کرتے ہیں ان میں سے اکثر ارشد صاحب کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ ارشد صاحب نے اپنے قیامِ جاپان کے دوران برابر اپنے دوستوں اور بزرگوں کو وہاں کے حالات سے مطلع کیا اور اپنے مکاتیب کے ذریعے جاپان میں دعوتی سلسلے سے باخبر کرتے رہے۔ اس سلسلہ کا ان کا ایک مکتوب درج ذیل کیا جاتا ہے:

ٹوکیو

"تقریباً ہر روز خصوصی گشتوں کا سلسلہ جاری رہا، ملاقاتوں کے علاوہ زیادہ تر

---

[1] ارشد صاحب کے مختصر حالات چوتھے باب کے حاشیہ میں نیز آٹھویں باب میں حجاز کے کام کے سلسلے میں تحریر کئے جاچکے ہیں۔

غرض یہ تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تین روز کے نکلنے پر آمادہ ہوسکیں۔ اسی دوران میں پروفیسر رائے گاکی کی طرف سے اوّل میرے لئے دعوت آئی کہ ٹیلی ویژن پر "اسلام اور تبلیغ" کے متعلق انٹرویو دوں، قریشی صاحب نے میری طرف سے مناسب الفاظ میں معذرت کر دی پھر تکے اُچی صاحب میتا سال کے لئے دعوت لے کر آئے اور سب دوستوں کے مشورہ کے بعد اور خصوصی حالات کی بنا پر میتا سال نے دعوت قبول فرمالی، جس روز ٹیلی ویژن پر میتا سال کا پروگرام ہونا تھا اسی روز قریشی صاحب نے ہم سب کو دعوت پر بلایا تھا۔ آیا مازومی صاحب مدعو تھے۔ سرکاری ٹیلی ویژن پر ٹھیک ایک بجے پروفیسر رائے گاکی کا لکچر شروع ہوا۔ ہم سب لوگ قریشی صاحب کے ٹی۔ وی سٹ کے گرد جمع ہو گئے۔ سب دوست نہایت فکر مند اور ذکر میں مصروف تھے ایا مازومی صاحب ہمارے لئے ترجمانی کرتے جاتے تھے۔ پروفیسر صاحب کی تقریر برِاعظم ہند میں دینی اور معاشی تحریکوں پر تھی۔ شروع میں ہندوؤں کی مختلف تحریکوں کا تذکرہ کرتے رہے پھر مسلمانوں کی تحریک میں سرسید احمد خاں اور علامہ اقبال کے متعلق بتایا عصر حاضر کی تحریکوں میں سے انھوں نے تبلیغ کے کام کا انتخاب کیا اور میتا سال کو کمرے میں بلا لیا۔ میتا سال نے داخل ہوتے ہی نہایت وقار کے ساتھ السلام علیکم کہا اور پروفیسر صاحب سے مصافحہ کرنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گئے، پروفیسر نے اول تبلیغ کے لفظ کے معنی پوچھے، میتا سال نے فرمایا تبلیغ کا مطلب ہے "اللہ کی سروس" اس کے بعد چھ نمبروں کی یکے بعد دیگرے وضاحت چاہی میتا سال نے ایمان، اطاعت، علم و ذکر، اکرام، اخلاص اور دعوت کے عنوان سے مختصر الفاظ میں بہت جامع طریق پر ہر نمبر کو واضح فرمایا، پہلے نمبر کے سلسلہ میں جب میتا سال نے کلمہ شریف کمال جذب اور یقین کے ساتھ پڑھا تو بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا جاپان کے کونے کونے میں ان پیارے الفاظ کی اللہ تعالیٰ نے آواز اس طرح پہونچا دی، ایک صاحب ایمان کی طرز ادا اور اس کی آنکھوں کی چمک اور پیشانی کا نور بھی لوگوں کے سامنے آ گیا، اللہ تعالیٰ نے بے حد حفاظت فرمائی اور پروگرام بہت خوش اسلوبی سے

تمام پذیر ہوا ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ قاری محمد امین موسیٰ مکّی آج کل تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مکہ معظمہ کے تجار میں ہیں نوجوان ہیں لیکن کلام مجید بہت ہی عمدہ پڑھتے ہیں۔ مسجد میں ہر جمعہ کی نماز کے بعد کوئی نہ کوئی قرآن پڑھتا ہے اور سب سنتے ہیں۔ ایک روز اس نوجوان مکّی تاجر نے قرآن پڑھا اور بس گھائل ہی کر دیا اپنے گھر لے آئے، دوسرے روز ہم سب ایلنجی کے اجتماع کے لئے روانہ ہو گئے اور قاری محمد امین کو بھی اس اجتماع میں دعوت دی اور انھوں نے وعدہ فرمالیا۔

۵ر جون بروز جمعہ ۹½ بجے گھر سے ایلنجی کے لئے روانہ ہوئے۔ شنجنگو ریلوے اسٹیشن سے گاڑی سے چلنا تھا۔ الحمد للہ جگہ مل گئی ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد ائیرزان ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اترے۔ سودا صاحب اور سری زادا کے والد صاحب اور شہر کے عمائد ہمارے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ کئی لوگ گلوں میں کیمرے لٹکائے موجود تھے معلوم ہوا اخباری نمائندے ہیں۔ سب کو فکر ہونا ہی تھا بس پھر کیا تھا "ٹک ٹک" کیمرے چلنے شروع ہوئے اور قدم قدم پر ہم فلم بند ہونے لگے، شہر کے میئر کا نمائندہ آگے بڑھا اور میئر کی طرف سے شہر میں آمد پر ہمارا شکریہ ادا کیا اور خوش آمدید کہا پھر سب کے سب ہمارے ساتھ موٹروں میں بیٹھ کر ایلنجی کی طرف روانہ ہوئے۔ موٹروں کا انتظام شہر کے میئر کی طرف سے تھا۔ ایلنجی کا مشہور و معروف تاریخی مندر شہر سے تقریباً تین میل دور خوشنما ماحول میں واقع ہے، بہت بڑا قطعہ زمین مندر کے ساتھ ہی جس میں سر فلک شاہ بلوط کے درخت اور خوشنما جاپانی طرز کا باغ ہے۔ جگہ جگہ حوض اور آب جو ہیں۔ مندر کی عمارت بہت وسیع اور کئی بڑے بڑے دالانوں پر مشتمل ہے۔ آج سے ۶۳۰ سال پہلے جب جاپان میں..... طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور ہر علاقہ میں کوئی نہ کوئی فوجی سردار حکمران تھا تو یہ میری فلیچر ایک بہادر فوجی "سبرس تکے دا" نامی کے زیر نگیں تھا اس نے یہ عالیشان مندر تعمیر کیا تھا۔ تمام عمارت لکڑی سے بنی ہے۔ یہ مندر بدھ کے ایک خاص فرقے زین شتو سے متعلق ہے

اس فرقے کے لوگ مراقبوں کے ذریعہ عروج کے قائل ہیں پوری عمارت نہایت صاف ستھری تھی۔ ہمیں دوسری منزل پر ایک بڑے کمرے میں ٹھہرایا گیا، مندر کا مہا پجاری اپنا مخصوص لباس پہنے آیا اور ہمیں خوش آمدید کہا اور پھر ہم سب کو لے کر مندر کے مختلف حصّے اور وہاں نصب کئے ہوئے بُت سلیقے سے سجائے ہوئے آثارِ قدیمہ دکھائے۔ جب کسی بڑے بُت کے پاس پہنچتے تو سب ساتھی بآوازِ بلند کلمہ توحید پڑھتے، ایک مرتبہ تو میرے منھ سے بے اختیار "انکم وَمَا تعبدون مِن دُونِ اللہ حصب جَہنّم انتم لہا واردون" نکل گیا۔ جائے قیام پر واپس پہنچ کر اخباری نمائندوں اور مقامی لوگوں کے ساتھ ہلکا سا ناشتہ کیا۔ اب نمائندوں نے سوالات کرنا شروع کئے۔ ہم نے ان کے سامنے توحید، رسالت، معاد وغیرہ کے عقائد رکھے اور مختصر الفاظ میں ان کے سوالات کے جواب دیے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے رہیں۔ مسلمان تو نمازِ ظہر میں مصروف تھے اور رپورٹر حضرات نے اپنا تصویرکشی کا سلسلہ جاری رکھا۔ حاجی صاحب کو بے اختیار میتا صاحب کے ذریعے قدرے سختی سے روکنا پڑا، خدا خدا کر کے رپورٹروں سے خلاصی ہوئی۔ میئر کے نمائندے صاحب رخصت لیکر واپس ہوئے اور اپنی کارروائی کے لئے فرصت ملی، تین روز کے مختصر حالات اور خدائے قدوس کی نصرت و تائید کے خصوصی واقعات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ٹوکیو سے کم و بیش اوقات کے لئے شریک ہونے والوں میں سے جماعت کے چھ افراد کے علاوہ یہ حضرات تھے۔ ایا مازومی صاحب، ستودا صاحب دو فرزند ان کے عبداللہ آئے، موراؔ فلاسفر صاحب، احمد زکی صاحب، قاری محمد امین موسیٰ مکی صاحب، صدیقی صاحب، صدیقی صاحب کے دو غیر مسلم دوست ستودا صاحب اور المسائی صاحب، موچی زکی صاحب اور ان کے ایک غیر مسلم دوست یوشی دا صاحب موریع را صاحب کے استاد و مُربّی نوزیا صاحب، تکے اُچی صاحب، منورو اودھارا (غیر مسلم) رنشی روکا صاحب، مقامی اور گرد و نواح کے علاقہ کے حضرات کثیر تعداد میں شریک تھے۔ قابلِ ذکر حضرات کے اسمائے

گرامی یہ ہیں، پروفیسر سوداصاحب، سری زاوا کے والد صاحب (غیر مسلم) توکیتا کے والدصاحب (غیر مسلم) فرویا صاحب (غیر مسلم) اکاموراصاحب، لمکاراصاحب، سکاموتو صاحب، لنکاراموراصاحب (غیر مسلم) الحمدللہ بہت اجتماع تھا اتنے حضرات اس سے پہلے جاپان میں اللہ کے دین کے لئے کبھی جمع نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر شرکتِ غیرے محض اپنے فضل سے اتنے بڑے اجتماع کی صورت پیدا فرمائی فللہ الحمد ولہ الشکر۔

(۲) الحمدللہ جماعت کے تمام ساتھیوں پر فکر بہت غالب تھا اتنے بڑے مجمع کا سنبھالنا اور اس سے خیر کی صورت کا نکالنا اللہ کی خصوصی مدد کے بغیر ناممکن تھا، سب دوست اللہ کی طرف خوب متوجہ تھے، خصوصًا ہمارے امیر صاحب پر تو دعا اور آہ وزاری کا سخت غلبہ تھا، الحمدللہ تہجّد اور ذکر کا اہتمام رہا، بعض ساتھیوں نے تو اجتماع کے دَوران بھی روزے رکھے، مکّہ معظمہ اور اپنے بعض بزرگوں اور آپ حضرات سے دعاؤں کے لئے پہلے ہی لکھا جاچکا تھا، اِن دعاؤں کے اثرات محسوس ہورہے تھے۔

(۳) اخباری رپورٹروں کی جفاتے وفانما سے دوسرے روز صبح کے اخباروں میں ہماری تصویروں کے ساتھ اجتماع کی خبریں موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ چھپ گئیں۔ عورتوں، مردوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے وفدوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان سب کے ادائیگی حقوق کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ ایک دوسرے علاقہ سے بدھ مت کا ایک بڑا پیشوا اپنے مخصوص لباس کے ساتھ تقریبًا تمام دن ہمارے ساتھ رہا، تشریف لانے والوں کے سامنے خوب توحید و رسالت معاد و قرآن کے اعجازات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زندگی کی برکات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام اُمتوں کے انبیاء کے لائے ہوئے دین کا منسوخ کردینا وغیرہ وغیرہ مضامین مختلف عنوانوں سے بیان ہوتے رہے، سیتو صاحب

اکثر ترجمانی فرماتے تھے۔ ایا ماآزومی صاحب، سوداسال سائیو صاحب اور میتا صاحب وقتاً فوقتاً مناسب موقع پر براہِ راست تفہیم و تبیین فرماتے رہے لوگ اپنے شبہات دور کرنے کے لئے سوالات کرتے اور اللہ تعالےٰ ان کے جوابات اس طرح سمجھا دیتے کہ الحمد للہ سب کی تشفی ہوجاتی، مجمع میں چند نصرانی بھی تھے۔ یہ بتانے کے لئے کہ تمام انبیاء کی تعلیم میں توحید قدرِ مشترک تھی اور ان کی اُمتوں کی موجودہ مشرکانہ زندگی ان کے احیا اور مترفین کا استیصال ہے سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی وہ آئتیں سنائی گئیں جن میں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی جناب میں عیسیٰ علیہ السلام سے پرجلال طلبی اور ان کی طرف سے نہایت عاجزانہ معروضات ہیں۔ الحمد للہ اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ یہاں بھی اور اکثر جگہ جو سوال اکثر ہوتا رہا وہ یہ تھا کہ تمام عالم کے اسلامی ممالک اخلاقی، سیاسی اور معاشی مسائل میں پیچھے کیوں ہیں، دوستو کیا عرض کروں مسلمانوں کے ہاتھوں سے اسلام پر کتنا ظلم ہو رہا ہے، حضرت علی میاں مدظلہ نے ایک مرتبہ مسلمان کی مثال اُس سانپ کی بتائی تھی جو جواہرات کے ڈھیر پر بیٹھا ہو۔ خود تو مال و جواہرات کو چھوڑ کر مٹی سے پیٹ بھرتا ہو لیکن اگر کوئی اور جواہرات لینا چاہیے تو اس کی صورت دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگ جائے۔ واللہ اگر صحابۂ کرامؓ کا زمانہ اُمت کے پاس نہ ہوتا تو غیر مسلموں کے اعتراض کا جواب ہمارے پاس ہرگز کوئی نہ تھا ان کی خدمت میں عموماً یہی عرض کیا جاتا ہے کہ موجودہ مسلمان ملکوں کا تنزل اسلام سے تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سے اعراض کی وجہ کی سے ہے۔ اللہ کے یہاں معاملہ ذاتوں سے متعلق نہیں بلکہ صفات سے ہے۔ اسی لئے تو آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ اگر آپ صحابۂ کرامؓ والی صفات کے حامل ہوجائیں تو اللہ کی رحمتوں کے دہانے اس دُنیا اور آخرت میں آپ پر کُھل جائیں گے اور آپ کے سب مسائل دیکھتے دیکھتے حل ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ اُسی طرح آپ کو دُنیا کی امامت عطا فرمائیں جس طرح صحابہ کرامؓ کو مرحمت فرمائی تھی، دوسرا عام سوال ازدواج کے متعلق ہوتا ہے لیکن

الحمد للہ بہت جلدی ان کی سمجھ میں آجاتا ہے کیونکہ خود اپنے ملک میں یہ لوگ فواحش کی کثرت تک کے (مسئلہ) سے دوچار ہیں، عصمت فروشی قانوناً ممنوع ہو چکی ہے، لیکن اس کا وہ حل جس میں خواتین کے حقوق کا مکمل اہتمام ہو اور ان کی خانہ آبادی کی صورتیں ہوں۔ اسلام کے علاوہ ہو ہی کہاں سکتا ہے۔

ایک مرتبہ مجمع شباب پر تھا، عورتیں، مرد اور تعلیم یافتہ طبقہ غرض ہر قسم کے لوگ خوب جمع تھے اور قرآن مجید کے اعجازات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ قاری محمد ابن موسیٰ مکّی رحمت کا فرشتہ بن کر اجتماع میں وارد ہوئے، ان سے تلاوت کے لئے عرض کیا گیا اور انھوں نے سورۂ نمل کی بہت سی آئتیں تلاوت فرمائیں جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا وادیٔ نمل سے گذرنا اور ان کی مشہور دعا کا ذکر ہے، بس پھر کیا تھا ایک سماں بندھ گیا۔ اللہ کے پیارے کلام کا جلال تمام دلوں پر چھا گیا اور اس کی فردوس گوش آواز دلوں میں پیوست ہو گئی۔

مجمع کی طرف سے اصرار ہوا کہ ان آیتوں کا مطلب بھی بتایا جائے۔ جب ان کو حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ کے انعامات اور پھر ان اللہ کے بندوں کا تحدیثِ نعمت کرنا اور اللہ کا شکر ادا کرنا اپنی دہش ثابت کرنے کے لئے اللہ کا حضرت سلیمانؑ کو وہ کچھ دینا جو کسی اور کو نہ مل سکا۔ ننھی جان چیونٹی کا اپنی پوری قوم کو خطرہ سے آگاہ کرنا اور حضرت سلیمانؑ کا اس قدر اونچا ہو جانے کے بعد بھی دعائیں اللہ کے آگے جھکنا اور اللہ کے صالح بندوں میں ہونے کے لئے اللہ سے التجا کرنا وغیرہ مضامین انھیں سمجھائے گئے تو انکی روحیں بھی اللہ اور اسلام کے آگے جھک گئی ہوں گی۔ دوستو یہ اللہ کی کتاب بھی اس اُمت پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے ہائے کیا ہو گا جب اللہ کے محبوبؐ اس اُمت کے متعلق اللہ کے سامنے یوں شکوہ سنج ہوں گے۔ ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً۔

(۴) اپنے خالص تبلیغی پروگراموں کے لئے بھی الحمد للہ حتی الوسع اہتمام رہا جمعہ کے روز میتا سال نے اپنے رسالہ "مسلم کی روزمرہ کی زندگی" سے تعلیم کرائی اور عملی طور پر نماز کی ترکیب سمجھائی، ہفتہ کے روز ایک مجلس میں چھ نمبروں کی تعلیم تفصیل کے ساتھ ہوئی۔ میتا سال نے ترجمانی فرمائی۔ اس روز رات کو حکایات صحابہؓ (جاپانی) سے ایک قصہ پڑھا گیا۔ اتوار کو وضو غسل طہارت اور نماز کے مفصل مسائل میتا سال نے تعلیم الاسلام کے جاپانی ترجمے سے پڑھ کر سنائے اور عملی طور پر دیر تک نو مسلموں کو نماز کے مختلف ارکان کی صحیح شکلیں سمجھائی گئیں سب کو نہر پر لے جایا گیا اور حاجی بشیر احمد صاحب نے عملی طور پر وضو کی ترکیب سمجھائی اور بعض نے از خود وضو کر کے حاجی صاحب کو بتلایا کہ غلطیوں کی نشان دہی ہو سکے۔ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تعلیم و تعلم کے ان مناظر سے خوب خوش ہوئے ہوں گے، رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ یہ بے چارہ مندر سینکڑوں برس سے قائم ہے اور اس میں صدیوں سے روزانہ غیر اللہ کو پکارا اور اس کے سامنے جھکا جاتا ہے۔ لیکن ان تین دنوں میں اتنا اللہ کا ذکر ہوا اور لا الٰہ الا اللہ کی ضربیں لگیں قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم ہوئی اس مندر کے دیوتاؤں کے ماننے والوں نے یہیں کلمہ پڑھ کر ان دیوتاؤں کا انکار اور خدائے قدوس وحدہٗ لا شریک کا اقرار کیا اللہ سبحانہٗ کے سامنے بے شمار سجدے اور رکوع ہوئے سبحان اللہ یہ در و دیوار بھی آج کتنے خوش ہوں گے اور کتنی دعائیں دیتے ہوں گے۔ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون

افسوس حضورؐ کی سیرت کے بیان کے لئے وقت نہ مل سکا۔ عمومی گشت کی تو کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ خصوصی گشت کا موقعہ اللہ نے نصیب فرمایا میں اور بھائی عبدالخالق فردیا سال کے ساتھ اتیزان کے میئر صاحب کی ملاقات کے لئے نکلے میئر تو موجود نہ تھے ڈپٹی میئر اور محکمۂ تعلیم کے ڈائریکٹر کی خدمت میں حاضری ہو گئی بات شکریہ اور رسمیات تک ہی رہی البتہ محکمۂ تعلیم کے ڈائریکٹر کے سامنے روحانیت کی اہمیت

وغیرہ کے بارے میں بات چیت کی اور انھوں نے اعتراف کیا کہ روحانیت کے بغیر ان کے ملک کی مادی ترقی افسوسناک ہے۔ تمام پروگرام ماشاء اللہ موثر تھے، چھ نمبروں کی تعلیم اور حکایاتِ صحابہؓ کے درس کے وقت بہت سے مسلم، غیر مسلم جاپانیوں کو نوٹ لیتے دیکھا گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہر اجتماع کا پروگرام بہت مفید اور موثر ثابت ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے ہماری کامیابی کے اسباب مہیا فرما دئے اور ان روح پرور مناظر کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں جن کے ہم مشتاق تھے اور جن کے لئے ہم گڑگڑا کر رو رو کر دعائیں مانگا کرتے۔ ہم دینی فضا پیدا کرنے شعور کو بیدار کرنے میں کامیاب ہوئے اس میں ملاقاتوں اور گفتگو کا بڑا دخل ہے۔ خصوصاً اس بارے میں سوڈا[1] اسال نہیں بھلائے جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قلب سلیم موثر زبان عطا فرمائی تھی، کیا مجال کہ وہ کسی جاپانی سے گفتگو کریں اور اس پر اثر نہ ہو ان کی گفتگو میں بڑا جادو تھا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو وہ حاجی بشیر احمد صاحب کے ہمراہ اس کمرے میں گئے جو دعوت و تبلیغ کے لئے خاص تھا۔ حاجی صاحب نے طویل تمہید کے بعد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح کی اور نومسلم بتا سال نے اس کلمے کے معنی اور اسکا مفہوم انکو سمجھایا۔ حاجی بشیر احمد صاحب نے ان کا ایک اچھا اسلامی نام رکھ دیا جو سابقہ نام سے مشابہت بھی رکھتا تھا،

ایک مرتبہ ٹوکیو[2] کی مسجد میں امریکی کالج کے کچھ طلبا اور طالبات اور اساتذہ سے ملاقات ہوگئی وہ لوگ مسجد دیکھنے آئے تھے، نماز کے بعد میں نے ان سے بات کی اور انکے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ انہیں میں ایک نوجوان ترک لڑکی بھی تھی۔ اس کے والد جاپان میں ترکی فوجی دستے کے کمانڈر تھے اس نے اسلام کے سائے میں پرورش پائی تھی۔ اکثر وہ اپنے کالج میں اسلام کا دفاع کرتی رہتی تھی، جب وہ اپنے والدین کے پاس لوٹی تو اپنے تاثرات کا تذکرہ کیا۔

---

[1] ایک جاپانی نومسلم [2] جاپان کا دار السلطنت

جاپان میں امریکی کالج واحد بین الاقوامی کالج ہے۔ اس میں دوسرے ممالک کے سفرا کے لڑکے لڑکیاں اور فوجیوں کی اولاد زیر تعلیم ہے۔ ہر سال تقسیم اسناد کی تقریب کے موقع پر ایک جلسہ ہوتا ہے، اس میں کسی ملک کا سفیر کنویکیشن ایڈریس پڑھتا ہے جو تقسیم اسناد کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ اس جلسے میں بدھ مذہب کے پیشوا، عیسائی پادری، یہودی ربّی (علما) مدعو کئے جاتے ہیں اور انکے خطاب ہوتے ہیں۔ سال رواں یہ جلسہ ۷ رجون کو منعقد کیا گیا۔ فارغین میں یہ نوجوان ترک لڑکی بھی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس جلسہ کے مدعوئین میں کسی بھی مسلمان عالم کا نام نہیں ہے تو اس غیرت مند لڑکی نے کالج کے ذمے داروں سے احتجاج کیا کہ میں مسلمان لڑکی ہوں یا تو پروگرام میں کسی مسلمان عالم کا اضافہ کر لیا جائے ورنہ دوسرے مذاہب کے علماء کے نام بھی حذف کر دیے جائیں۔ کالج والوں کو اس کے مشورہ کے سامنے جھکنا پڑا اور اسی سے کسی مسلمان عالم کا نام مانگا گیا تو اس نے میرا نام اس بنیاد پر دیدیا کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں عالم ہوں میرے پاس محیط بھائی آئے۔ وہ ترکوں کی یونین کے سابق صدر ہیں اور میری شرکت پر اصرار کیا مجھ کو اس کے قبول کرنے میں تردّد تھا اس لیے کہ وہی ایلنچی کے اجتماع کی آخری تاریخ تھی۔

میں اس تذبذب میں تھا کہ اس کو رد کردوں یا قبول کر دوں کہ محیط صاحب کی بیگم کے ذریعہ کرنل التلی کی طرف سے دوپہر کے کھانے کی دعوت آئی میں نے بہت معذرت کی مگر کرنل صاحب کی طرف سے اس زور کا اصرار تھا کہ ماننا پڑا۔

کھانے کے دوران مجھ سے اور کرنل التلی اور اسی ترک لڑکی سے اس پر مباحثہ ہوا کہ میں جلسہ میں شرکت کروں یا نہ کروں لیکن ان کے اصرار پیہم کی وجہ سے مجھے قبول ہی کرنا پڑا۔

جب میں ایلنچی سے واپس آیا اور کپڑے تبدیل کرلئے تو کرنل التلی کی کار آگئی تاکہ مجھے جلسہ میں شرکت کرنے کے لئے لے جائے۔ جب ہم امریکی کالج کے ہال تک پہونچے تو پرنسپل

نے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اور ہم کو لے کر ہال میں داخل ہوا، اسٹیج پر کیتھولک بشپ پروٹسٹنٹ پادری، بدھوں کے لامہ، یہودی ربی اور کناڈا کے سفیر جن کو صدارتی خطبہ دینا تھا، بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی ایک خالی جگہ پر بیٹھ گیا، موسیقی شروع ہوگئی جو گرجا گھروں کی گھنٹیوں سے مشابہ تھی، موسیقی کے شروع ہوتے ہی فارغ طلبا ء اور طالبات ہال میں داخل ہوئے اور وہ اسٹیج کے قریب آئے محفل کا آغاز کیتھولک بشپ کی دعا سے ہوا اس کے بعد پروٹسٹنٹ پادری نے دعا پڑھی۔ اس نے پہلے ایک کتاب سے وہ دعا پڑھی پھر اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا پھر بدھ لامہ نے سر ہلایا اور بدھ کے اقوال پڑھے اس کے بعد میرا نمبر آیا، میں نے سورۂ حشر کے آخر کی کچھ آیتیں پڑھیں کچھ آیات سورۂ زلزال کی اور کچھ سورۂ حجرات کی تلاوت کیں ان میں سے ایک آیت یہ بھی تھی اِن اکرمکم عند اللّٰہِ اتقاکم تلاوت کے بعد میں نے اسکا لکھا ہوا ترجمہ پڑھا جو میں لکھ کر لایا تھا اس سے ان لوگوں کے دل ہیبتِ خداوندی سے کانپ گئے اور ہال کی فضا توحید کی بلند آواز سے گونج گئی اور اللہ تعالیٰ کا کلام ان تمام باطل چیزوں پر غالب آگیا جو ہال میں پڑھی گئی تھیں، باطل پرستوں پر اس وقت شکست خوردگی چھا گئی اور ان کا نشاط مفقود ہو گیا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ترک گروہ در گروہ میرے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں یہاں تک کہ بعض خواتین نے بھی اعتراف کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا اس سے وہ بہت متاثر ہوئیں میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے کفر کے اثر کو ختم کر دیا اور باطل کو اس کے ہی گھر میں شکست دی۔ وکلمۃ اللّٰہ ھی العلیا (ترجمہ) اور اللہ ہی کا کلمہ بلند ہے۔

جلسہ ختم ہو گیا اور ہم باہر نکلے کرنل التلی کی لڑکی (ترکی) نے فرمائش کی کہ میں رات کا کھانا اس کے ساتھ تناول کروں تو میں نے ان سے عذر کیا کہ میں بہت تھک گیا ہوں لیکن یہ وعدہ بھی کرنا پڑا کہ پرسوں ضرور حاضر ہوں گا۔

حسب وعدہ دو دن بعد میں حاضر ہوا اور کرنل التلی نے مجھ سے ترکی کے انقلاب اور

ترکی میں اسلام کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں دیر تک بات چیت کی اور اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ان کے دلوں میں اسلام نے گھر کر لیا اور اسلام کی محبت انمیں رچ بس گئی مسلمانوں میں جتنی خرابیاں آئی ہیں ان کی وجہ مغربی تہذیب و تمدن ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنا نشانہ دلوں کو بناتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اس سے دل تباہ و برباد ہوئے اور لوگوں کی زندگیاں خراب ہوئیں، میں نے اسی ترک لڑکی کو ایک کتاب پیش کی جس کا نام (ISLAM AT THE CROSS Road) تھا۔ اس کے مصنف استاذ محمد اسد[1] صاحب ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ان کو دینی سائے میں رزق عطا فرمائے اور ان کو اسلام کی خوبیاں دکھلائے وہ اپنی زندگیاں اسلام کے سائے میں گزاریں۔

---

[1] استاذ محمد اسد ایک جرمن یہودی النسل نومسلم فاضل ہیں جنھوں نے اسلام کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں (1) Islam at The Cross Road (2) Road To Macca مشہور ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ "روڈ ٹو مکہ" کا اردو ترجمہ و تلخیص "طوفان سے ساحل تک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

بارھواں باب[۱۲]

پیدل جماعتوں کی نقل و حرکت

اور ان کا نظام

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

اندرونِ ملک میں پیدل جماعتیں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد دو تین سال کے اندر کام ہندوستان میں چاروں طرف پھیل گیا، مختلف مقامات پر بڑے بڑے اجتماعات ہونے لگے اور سواری کے ذریعہ جماعتوں کی مسلسل نقل و حرکت ہونے لگی لیکن پیدل جماعتوں کی آمد و رفت بہت محدود تھی۔ جو زیادہ تر میوات میں ہوئی تھی جس کو "پنج کوسہ" کہا جاتا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے کام کی وسعت کے پیشِ نظر پیدل جماعتوں کی اہمیت و ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور ان کو رواج دیا ان کا نظام بنایا اور ملک کے سارے حصوں میں ان کی نقل و حرکت کی شکلوں کو بروئے کار لائے۔ یہ جماعتیں راستے کے سارے علاقوں میں ٹھہر ٹھہر کر کام کرتیں۔ وہ جب کہیں رکتیں تو ان کے مختلف ٹکڑے ہو جاتے اور گاؤں اور قصبات

میں کام کر کے ایک جگہ اجتماع کرتیں اور لوگوں کو ساتھ چلنے کی ترغیب دیتیں، جو حضرات تیار ہو جاتے تو وہ دوسرے دن پیدل ساتھ چلتے۔

اس کے ساتھ ہی مولانا جماعت کے سفر کے دوران درمیان میں پڑنے والے سارے مراکز کو خطوط لکھتے کہ جماعت اس راستے سے گذر رہی ہے وہ جماعت کی نصرت کریں، اس سلسلہ کا ایک مکتوب درج کیا جارہا ہے جس میں کلکتہ جانے والی پیدل جماعت کی نصرت کی ترغیب ہے، وہ مکتوب لکھنؤ کے کام کرنے والوں کے نام ہے:۔

"ہماری جماعت جو کلکتہ کی جانب جارہی ہے کل کا جمعہ گدّھی پڑھے گی، وہ لکھنؤ سے تقریباً ۲۰-۲۲ میل آگے ہے، لکھنؤ سے موٹر تانگے جاتے ہیں وہاں پہنچ کر جماعت کا پتہ چل جائے گا۔ اس کے تعاون کی سخت ضرورت ہے اس میں آدمی بہت کم رہ گئے ہیں۔ آپ اپنے یہاں سے ہفتہ وار بھی اگر آدمی بھیجتے رہیں تو بہت بڑی مدد ہو جائے گی۔ ان دو ماہ میں جبکہ عرب میں کام کے لئے آدمی گئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے کام کو خوب بڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے کام کا اثر عرب کے کام پر پڑے گا لہذا کثرت سے جماعتیں نکلنے کی ضرورت ہے[1]۔"

تقسیم ہند سے پہلے پشاور، کراچی، بمبئی، جماعتیں ایک ساتھ روانہ کی گئیں، دہلی کو چار منطقوں میں تقسیم کیا گیا، ہر منطقہ کے لوگ ہر ہفتہ جا کر ان جماعتوں میں شریک ہوتے اور ان کی نصرت کرتے۔ یہ سلسلہ کراچی اور پشاور تک جاری رہا۔

رمضان مبارک میں پیدل جماعتوں کی روانگی کا خاص انتظام ہوتا اور بعد میں ہر بڑے اجتماع سے خصوصاً بھوپال کے اجتماع سے پیدل جماعتیں نکلیں اور دور دراز علاقوں کے لئے تشکیلیں ہوئیں ۱۹۵۱ء میں بھوپال، میرٹھ، حیدرآباد، بمبئی سے پیدل

---

[1] مکتوب مولانا محمد یوسف صاحب مرقومہ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ۔

جماعتیں مدراس گئیں جن کا ایک خاص اور اہم اجتماع ستمبر ۱۹۵۱ء کو مسجد والاجاہی ترملکھڑی میں ہوا اس اجتماع سے مدراس میں کام کو بڑی تقویت پہونچی اور مدراس سے کام میں وقت لگانے والوں کی مرکز نظام الدین میں آمد و رفت بڑھی۔ ایک ایسی جماعت جو ۲۰ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ کو بستی نظام الدین سے روانہ ہوئی مُراد آباد والوں کو اس میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"کل یہاں سے ایک جماعت آپ کی جانب روانہ کی جاچکی ہے جو امروہہ تک گاڑی سے جائے گی وہاں سے پیادہ پا تبلیغ کرتی ہوئی مراد آباد پہونچے گی لہذا اس راستہ کے تمام احباب و مبلغین کو آپ بذریعہ تحریر و تقریر اس پر آمادہ کریں کہ وہ سب اس جماعت کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے ہوئے شریک عمل ہوں"۔

پیدل جماعتوں کا نظام پیدل جماعتوں کا عموماً نظام ایسا رہتا تھا کہ صبح سویرے شرکائے جماعت ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں روانہ ہوجاتے راستے میں دو دو افراد اکٹھے ہوکر چلتے اور راستہ بھر کلمہ نماز کی درستگی ذکر و تعلیم کا اہتمام رہتا۔ دوپہر کو کسی گاؤں میں قیام کیا جاتا۔ گشت ہوتا، نماز کے بعد بات ہوتی اور پھر آگے روانگی ہوجاتی۔ شام کو گشت و اجتماع ہوتا، پورے سفر کا یہی نظام رہتا، مقامی حالت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس میں تھوڑی بہت تبدیلی بھی ہوتی رہتی۔ ایک شہر کے کام کرنے والے اس جماعت کی نصرت کیلئے راستہ کے مرکزی مقامات پر پہونچتے رہتے اور دوسرے اہم مقامات تک ساتھ چلتے جس میں عام طور پر ایک ہفتہ کا وقت لگتا اس کے بعد دوسرے شہر والے تیسرے شہر تک یہی نظام رکھتے۔ ہفتہ واری اجتماع کا (جو کسی خاص بڑے شہر میں عموماً جمعہ کو ہوتا) بڑا اہتمام کیا جاتا اور اس میں کبھی کبھی مرکز نظام الدین اور اکثر قریب کے شہروں کے علماء جو کام سے تعلق رکھتے، پہونچتے پیدل جماعتوں کی روانگی اور اسکے روزانہ

نظام کی ہلکی سی ایک جھلک حسب ذیل خط سے ملے گی، ایک جماعت دہلی سے چل کر حیدرآباد، میسور، مدراس گئی تھی اور اس میں مختلف شہروں جیسے بمبئی، بلند شہر، علی گڈھ، بھوپال، کانپور، میوات، اٹارسی، برار وغیرہ مقامات کے حضرات شریک ہوئے۔ اس جماعت کے امیر حاجی محمد رحیم خاںؒ[1] ساکن بگراسی ضلع بلند شہر تھے جن کا کام سے تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے زمانہ سے تھا اور اس پورے عرصہ میں ہند اور بیرون ہند کے مختلف علاقوں کے کئی سفر کر چکے تھے۔

از جرموڑ ضلع امراوتی

" ۱۹ فروری بروز پیر جماعت رخصت ہوکر ۹ یوم میں اٹارسی پہونچی، ۶۲ میل کا سفر ہوا، اٹارسی سے پیدل ۷۵ میل کا سفر جنگلات اور پہاڑی علاقہ میں ہوا، اللہ تعالیٰ نے باوجود کمزوریوں کے بہت کچھ نوازا اور برکات نازل فرمائیں، لوگوں میں بہت کچھ قبولیت ہے۔ ہر جگہ خیر مقدم کیا گیا، دو جگہ ہندو حضرات نے بھی محبت کے جذبات کا اظہار کیا۔ جمعہ کو بھوپال کے حضرات بھی دو تین دن کے لئے آتے رہے۔ پہلے جمعہ کو مولانا عمران خان صاحب، حیدرآباد کے مولانا جمیل احمد صاحب اور جناب مسعود علی آزاد صاحب نے بھی ایک جماعت کے ساتھ شرکت فرمائی، بتیول تک تعداد جماعتی حضرات کی ۳۳ و ۴۱ و ۲۰ تک رہی، ہر جگہ سے سوائے چند جگہ کے برابر جماعت میں لوگ شرکت فرماتے رہے، اچھے جذبات لے کر رخصت ہوتے رہے، تاجر، ملازم پیشہ، وکیل، منشی، امام مسجد سے لیکر مزدور تک نے شرکت فرمائی، واپس ہوکر اپنے مقام پر کام کرنے کے وعدے رو رو کر گئے

---

[1] ان کا انتقال ایک تبلیغی سفر میں شاہدرہ اور کاندھلہ کے درمیان ماؤلی گاؤں ضلع میرٹھ میں معمولی سی بیماری میں ہوا۔ مولانا محمد یوسف صاحب اس دن صبح کو نظام الدین سے سہارنپور جا رہے تھے اس گاؤں میں ان کو حادثہ کا علم ہوا تو تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ اللّٰھم اغفرلہٗ۔

دورانِ سفر میں اپنے کام کرنے کی اطلاع بھی کی۔ اٹارسی تین دن کام کیا۔ بیتول ۴ دن کام کیا۔ جہاں مسلم آبادی زیادہ ہوئی وہاں دو شب قیام کیا۔ بیتول سے ہفتہ کو ۱۰ اپریل کو روانہ ہوئے، اکثر شہری حضرات ۳ میل تک رخصت کرنے آئے۔ رخصت ہوتے وقت آبدیدہ رخصت ہوئے۔ بیتول سے مفصلہ ذیل مقامات کا سفر کیا۔ بیتول سے آملہ ۱۸ میل دو نفر نے ۵ دن دیے (۲) آملہ سے ملتائیں ۱۵ میل ۱۲ نفر نے ایک شب اور دو تین حضرات نے ۳ دن دیتے (۳) ملتائن سے پٹن ۱۰ میل ۶ نفر نے ایک شب کے لیے وقت دیا (۴) پٹن سے بیندور جنیا گھاٹ ۱۱ میل ۹ نفر نے تین شب ہمارے ساتھ گزاریں۔ روتے ہوئے واپسی کا منظر نہایت رقت انگیز تھا۔ (۵) سیندور جنیا گھاٹ سے بڑور چار میل ۳ شب قیام رہا۔ جمعہ پڑھ کر ہفتہ کو جڑور روانہ ہوئے۔ بڑے بوڑھے حضرات چیخیں مار مار کر رخصت ہو رہے تھے اور دل ہمارے ساتھ تھے۔ قلم اس منظر کو پیش کرنے سے عاجز ہے۔ بسیندور سے (۶) موضع جڑور ۳ میل بروز ہفتہ (۷) ہیورکھیڑا ۱۱ میل اتوار و پیر (۸) منورسی ۶ میل منگل، بدھ (۹) انباڑا ۸ میل جمعرات، جمعہ، ہفتہ و اتوار۔ انباڑا میں جمعہ پڑھا، انباڑا اور امیراؤں کے حضرات نے ایک بڑا اجتماع نواح کے حضرات کا کیا، اجتماع نہایت کامیاب رہا۔ جلسہ میں حاضری ۔۔۴ حضرات کی تھی ۔۔۱ حضرات مختلف اوقات کے لئے انباڑا کے اجتماع سے نکلے۔ دو جماعتیں بنا کر دو راستوں سے امراوتی روانہ ہوئے، ہماری جماعت جمعرات کو دوسری جماعت جمعہ کو داخل ہوئی، ایمان پرور مناظر پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرتیں گھیرے ہوئے تھیں، مولانا عمران خان صاحب ایک جماعت لے کر بھوپال سے انباڑا تشریف لائے، روح پرور ایمان افروز تقاریر ہوئیں، تین روز جلسہ رہا۔ ایک جماعت خادم کے ساتھ ۸ ۴ نفر کے ساتھ ہوئی۔ معصوم شاہ کی لڈرکی میں چند گھنٹے قیام کیا۔ وہاں کے مقامی ہندو مسلم باشندوں سے ملاقات کی، گاؤں کے ہندو پٹیل مل کر بہت خوش ہوئے اور اپنی زبان میں اس کام کو جگ سُدھار بتلایا اور بہت دیر تک اپنے تاثر کا اظہار کیا، ہاتھ

جوڑ کر بہت دیر تک کھڑے رہے اور بستی کے مسلمانوں کو ہمارے ساتھ نکلنے کو کہا، دو آدمی اس بستی سے نکلے، اس کے بعد ہم سپر کھیڑ ۸ میل پر پہنچے، سپر کھیڑ سے بتر ۴ میل، ساپوٹی ۲ میل، ٹانگوں پٹیہ ۴ میل، امراوتی ۸ میل، امراوتی میں جمعہ پڑھا، دوسری جماعت مولوی سلیم اللہ صاحب کے زیر قیادت ۵۰ افراد پر مشتمل روانہ ہوئی، مقامات درج ذیل ہیں :

انباڑا سے کھڑ ۴ میل، ترواڑا ۲ میل، اشٹولی ۴ میل، ریدپو ۵ میل چاندو بازار ۵ میل، کھرالا ۴ میل، مسرالہ ۴ میل، پوزرده ۶ میل، آکولہ ۳ میل، بلگاؤں ۳ میل، امراوتی ۶ میل، اس جماعت کا سفر انباڑا سے امراؤتی ۴۴ میل ہوا۔ ہر جگہ جماعت کی نصرت ہوئی۔ جمعہ کو ۵۰ حضرات کے ساتھ مولوی سلیم اللہ صاحب داخل امراوتی ہوئے۔ یہاں جمعرات جمعہ کو قیام رہا۔ یہاں سے بھی خوب حضرات نکلے، ہفتہ کو دو جماعتیں بدنیرا پہنچیں، پروگرام حسب ذیل ہے۔

امراوتی سے بدنیرا ۶ میل، نانی ساونگی ۴ میل، ناندگاؤں قاضی ۶ میل، نیر ۴ میل، بڑا مال کھیڑ ۶ میل، ایوت محل ۷ میل، کُل سفر بھوپال ایوت محل تک ۳۰۰ میل ہوتا ہے، جمعرات جمعہ ایوت محل میں گذرا ہفتہ کو روانہ ہوئے۔ دوسری جانب بدنیرا سے سونی ۲ میل، کام گاؤں ۴ میل، کارنجہ ۲ میل، بھانڈے گاؤں ۱۰ میل، واردا ۸ میل، ایوت محل ۲۶ میل (سفر ریل ۲۵ میل) ہر جگہ اللہ کی نصرت ہورہی ہے، باوجود اپنی پوری کوتاہی اور بےعملی کے بھوپال سے مستقل چلنے والے حضرات دس بارہ ہیں جو ہمارے ساتھ نہایت استقلال سے چل رہے ہیں۔ دعاؤں کے سخت حاجت مند ہیں۔"

مذکورہ بالا پیدل جماعت کے سفر کی تفصیلات نمونہ کے طور پر تحریر کی گئی ہیں ورنہ اس طرح کی سیکڑوں جماعتیں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گشت کرتی ہوئی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کے شہروں، قصبات اور دیہاتوں میں باربار کام کرتی ہوئی اپنے اوقات گزارتی رہتی ہیں، ان جماعتوں سے ایسے ایسے دور افتادہ مقامات کے باشندوں کو فائدہ پہنچا جن تک علماء اور اہلِ مدارس کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

مولانا کے ایک مکتوب سے، جو انھوں نے حجاز میں کام کرنے والے اپنے پرانے اہلِ تعلق حضرات کو تحریر فرمایا۔ ہندوستان میں پیدل جماعتوں کی نقل و حرکت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی مساعی کی برکت سے پہلے سے بہت زیادہ اس امانت کے فروغ کے اثرات ہیں، ایک جماعت پیدل کلکتہ پہونچ چکی ہے اور بنگال پر اس کے بہت ہی اچھے اثرات پڑے ہیں، میاں جی موسیٰ و دین محمد و مولوی رحمت اللہ اب اس جماعت کو لے کر بنگال کے مرکزی مقامات پر گشت کر رہے ہیں۔ فریدی، میاں جی محراب و نور محمد و حنیف کو بھی اب بنگال کے دورے کے لئے بھیج دیا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ عام قلوب کے حق و ہدایت کی طرف پلٹ دینے کی صورتیں اپنے فضل سے پیدا فرمائیں۔ دوسری جماعت پیدل کلکتہ کی طرف جارہی ہے جو بریلی تک پہنچ چکی ہے۔ ایک جماعت بنگال سے بھی پیدل آرہی ہے اور ایک سائیکل کے ذریعے یہاں آچکی ہے جو میوات میں گشت کر رہی ہے۔ ایک جماعت پیدل یہاں سے بمبئی کے لئے جس کے اثرات بھوپال کے اجتماع پر بہت اچھے پڑے، ۳سو ۴سو احباب نے نقد وقت دیئے، ۱سو کے قریب یہاں آکر میوات وغیرہ گئے۔ دو جماعتیں بمبئی و مدراس کی طرف چلیں اور راستہ کے علاقہ والوں نے نصرت کا پوری طرح ارادہ فرمایا ہے اور پوری طرح نصرت کی جارہی ہے اور ہر جگہ سے نقد اُن کے ساتھ احباب نکل رہے ہیں اور مجمعوں پر مرکزی جگہوں سے نصرت کے لئے احباب پہنچ رہے ہیں۔ بہت سی جماعتیں علاقہ بھوپال میں پیدل و سائیکل سے گشت کر رہی ہیں، بمبئی کے احباب نے دہلی کے لئے پیدل جماعت نکالنے کا ارادہ کیا کچھ افراد کے نام آچکے ہیں۔ حج کے مسئلہ پر بھی بمبئی اور ہر جگہ امراء ذمہ دار احباب سے گفتگو کی، اچھی صورتیں ہوئیں

مالی گاؤں سے آج جماعت آنے کی اطلاع ہے۔ قرب وجوار میں جماعتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ حق تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے روزانہ ہی کثرت سے ہے اب آپ حضرات اپنی خلوت وجلوت میں دعوت کا پوری طرح اہتمام فرماویں اور وہاں کی عملی ترقیات سے یہاں کے کام کی تقویت کا باعث بنیں، حضور صلی اللہ علیہ و سلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام عرض کردیں۔"

مشرقی پنجاب کے پیدل دوروں کا حال تقسیم ہند اور اس کے اثرات کے باب میں تحریر کیا جاچکا ہے جن کو پڑھ کر پیدل جماعتوں کی اثر انگیزی اور ان کے طریقۂ کار کا بخوبی اندازہ ہوگا۔

پیدل حج کی جماعت مولانا کے کارناموں میں ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اُنکے عہد میں حج میں جانے والی پیدل جماعتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ جماعتیں زیادہ تر پاکستان سے روانہ ہوئیں اور درمیان کے ملکوں اور مختلف علاقوں میں کام کرتی ہوئی مکہ مکرمہ پہونچیں ان جماعتوں کو اثنائے راہ میں بڑے شدائد اور مجاہدوں سے گزرنا پڑا۔ پاکستان سے وہ جماعتیں تقریباً ایک سال میں پہنچتی تھیں اکثر راستہ پا پیادہ طے کرتیں، اور کچھ حصہ پانی سے اور کچھ سواری سے۔ پانی سے جانے میں عدن، قطر، کویت، البحر کے علاقے پڑتے اور خشکی سے ایران افغانستان کے علاقے، مولانا کی زندگی میں پاکستان سے تقسیم ہند کے بعد سے مولانا کے انتقال تک تقریباً ۷ جماعتیں اس مبارک اور پُرمشقت سفر پر روانہ ہوئیں۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی جماعت ۱۹۵۳ء میں کراچی سے روانہ ہوئی۔ اس مبارک سفر اور باہمت جماعت کو مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنی دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا۔ میاں جی عدلی اس جماعت کے امیر ہوئے۔ کئی میل تک بزرگوں اور علماء نے ہم رکابی کا شرف حاصل کیا، میاں جی عبدالغفور صاحب جو پیدل جماعتوں کے ساتھ بہت زیادہ چل چکے تھے وہ بھی اس جماعت کے ہمراہ چلے، گوادر میں ان کا اثنائے سفر ہی میں انتقال ہوگیا، ان کے

جنازہ میں بے شمار آدمی تھے۔ یہ جماعت ایک سال میں مکہ مکرمہ پہونچی۔

دوسری جماعت بھی کراچی سے روانہ ہوئی اور ایران ہوتی ہوئی حجاز گئی، ایران کے ایک علاقہ سربازی میں ایک عالم صاحب تھے جو برسوں پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے زمانہ میں مدرسۂ امینیہ دہلی سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت مولاناؒ نے ان سے اس زمانے میں (جبکہ جماعتوں کے دوسرے ملکوں میں جانے کا احتمال و خیال بھی نہ تھا) فرمایا تھا کہ جماعت تمھارے یہاں آئے گی۔ اللہ کا کرنا کہ حضرت مولانا کی یہ پیش گوئی ۱۵ سال کے بعد پوری ہوئی۔ جب جماعت ایران پہونچی تو اُن عالم صاحب نے اس کی خوب ہی قدر کی اور گشت وغیرہ کرایا اور بڑا ساتھ دیا۔[1]

جب بھی جماعت کو کوئی دشواری یا ملکی قوانین میں کوئی مانع پیش آتا تو انتظامی صورتوں کے علاوہ جماعت صلوۃ الحاجۃ کا بڑا اہتمام کرتی جس کی وجہ سے منجانب اللہ ایسی صورتیں پیدا ہو جاتیں کہ وہ سارے مسائل حل ہو جاتے اور راستہ آسان ہوتا چلا جاتا۔ ایسے سیکڑوں واقعات ملیں گے کہ بڑی سے بڑی مصیبت اور مشکل کے وقت نُصرتِ الٰہی نے ان کا ساتھ دیا۔ اس سلسلہ کا صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

ایک جماعت پیدل حج کو کام کرتی ہوئی چلی، وہ دریا پار کر رہی تھی کہ کشتی کسی وجہ سے ڈوب گئی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان باللہ اور اعتماد علی اللہ کی وجہ سے ان کے ساتھ اپنی بے انتہا شفقت و رحمت کا معاملہ فرمایا اور ان کی پوری حفاظت فرمائی۔

اس واقعہ کا ذکر امیر جماعت اپنے ایک مکتوب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اخبارات میں کشتی کے ڈوبنے کی خبر غالباً آپ لوگ پڑھ چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ہزار اور لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس کشتی میں ہماری حج کی

---

[1] روایت افتخار فریدی صاحب

جماعت بھی تھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی احسان کا معاملہ فرمایا کیونکہ یہ کشتی بھینڈی بٹیان کے پاس چناب کو عبور کر رہی تھی کہ پیچھے سے ایک تیز رَو آئی۔ نیچے پہاڑ کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی۔ کُل ساتھی اٹھارہ تھے چودہ تو ڈوبی ہوئی کشتی میں نیچے رہ گئے، باقی چار ساتھی منتشر ہو گئے۔ یہ منتشر ایک ایک صوبہ کا علٰحدہ علٰحدہ نمائندہ تھا۔ ایک پٹھان، ایک پنجابی، ایک بنگالی ایک میواتی، بہرحال چودہ ساتھیوں کے ساتھ کچھ گیارہ اور لوگ بھی بچ گئے اور بقیہ چار ساتھیوں میں کافی وقت گزارنے کے بعد ایک ساتھی عبدالصمد کو ہائی ٹوٹے ہوئے تختے پر اللہ کے فضل و کرم سے تیرنے لگے، باقی تین ساتھی بھی کنارے پر آ گئے۔ بنگالی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ عجیب معاملہ رہا بس ایک بستر پر مزے سے تیر رہے تھے، باقی چودہ ساتھی دس بجے سے لے کر کچھ تین بجے کو باہر نکل آئے۔ کُل کم از کم پینتیس ۳۵ آدمی بچ گئے۔ باقی سارے ڈوب گئے غالباً ان ۳۵ میں اپنی جماعت کے سارے ہیں، یعنی اٹھارہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اس خصوصی احسان و نصرت پر مزید طاعات پر پڑنے کی توفیق عطا فرماویں۔"

ایک دوسری پیدل جماعت جو پاکستان سے براہِ بحرین، قطر، کویت حج کو گئی۔ اس کے ایک ذمہ دار کارکن کویت سے اپنے سفر کے تاثرات ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اللہ پاک نے ہمیں گزشتہ رمضان میں اس عالی مقصد کے لئے اپنی راہ میں قبول فرمایا اور اس سارے سفر میں جہاں کہیں ہم گئے بزرگانِ دین کی محنتوں اور دعاؤں کے نتیجہ کو پایا۔ ہماری جماعت دو ماہ کا وقت سرگودھا میں گزار کر بڑے بڑے شہروں بھکر، ملتان، بہاول پور، رحیم یار خان، ٹنڈو آدم، حیدرآباد، میں تین تین یوم گزارتے ہوئے کراچی پہونچ گئی۔ الحمدللہ ان شہروں سے نقد جماعتیں اور افراد رائے ونڈ کے لئے نکل گئے، کراچی میں کچھ قیام کے بعد ہمیں

بلوچستان میں تقریباً ۴ ماہ کے لیے بھیجا گیا اور وہاں کے لوگوں نے بھی ہمارے ساتھ نصرت کی، ایک بستی سے دوسری بستی میں لے جاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک جماعت رائے ونڈ کے لئے عطا فرمائی چار اور چھ ماہ کے لئے آٹھ آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں ایک فاضل دیوبند بزرگ ہستی تھے اور جماعت کو لے کر ہم کراچی پہونچ گئے، ۳۱ر دسمبر کو ہمیں قطر کے لئے سوار کردیا گیا۔ فریدی صاحب مع جماعت اسی جہاز میں ہمیں مل گئے جو بصرہ عراق کی طرف جارہے تھے، ہمارا ویزا قطر کے لئے ۲۰ یوم کا تھا مگر چند وجوہات کی بنا پر ہمیں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑ گیا۔ یہاں پاکستانی اور ہندوستانی حضرات جڑتے تھے مگر عرب حضرات بالکل نہیں رکتے تھے اور اگر رُکتے بھی تو ہم کچھ بھی نہ کہہ پاتے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت سے نُصرت فرمادی اور یہ جماعت ہمیں کویت سے مل گئی الحمد للہ اس کے بعد دن رات عربوں کے اندر کام کرتے رہے اور عرب حضرات ہمارے پاس رات گئے تک بیٹھے رہتے تھے اپنے ڈیوٹی ٹائم کے بعد تین تین دن، ایک ایک یوم، رات ہمارے ساتھ گزارتے تھے۔ دس بارہ آدمیوں نے پاکستان میں جاکر چار ماہ لگانے کے مضبوط ارادے فرمائے اور کام کو سراہا۔ پاکستانی اور ہندوستانی حضرات نُصرت کے لئے کویت آنا چاہتے تھے مگر کچھ ملکی پابندیوں کی وجہ سے رُک گئے، وہاں لوگ بہت متفکر ہیں اور انھوں نے دن رات ہمارے ساتھ جڑ کر کام کیا ہے۔ اگر آپ توجہ فرمائیں اور دعا فرمائیں تو انشاء اللہ جلد از جلد پورے قطر میں کام اُٹھنے کی قوی اُمید ہے تین چار مساجد میں گشت اور شب جمعہ کا قیام مضبوط ہے، کویت میں تقریباً چھ سات روز سے کام کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ پاک ایک جماعت نقد رائے ونڈ کے لئے روانہ فرمادیں گے۔ یہاں کی زمین ماشاء اللہ خوب ہموار ہے اور کام کی صورتیں

موجود ہیں۔ پانچ چھ دن کے قیام کے بعد ان شاء اللہ ریاض روانہ ہوجائینگے ہم دس ساتھی ہیں، دعا کے متمنی ہیں ہمیں اس کام کیلئے اخلاص کے ساتھ قبول فرمائے"

مختلف ممالک میں پیدل جماعتیں

ان سفروں کے علاوہ مختلف ممالک میں پیدل جماعتوں نے کثرت سے سفر کئے۔ برما، افریقہ، ترکی وغیرہ میں بے شمار جماعتوں نے تکلیفیں اٹھا اٹھا کر کام کیا، عمومی طور پر ان پیدل جماعتوں نے زیادہ تر پیادہ سفر کیا لیکن بعض علاقوں میں مجبوراً سواری سے سفر کرنا پڑتا۔ جہاں پیدل جانا ناممکن ہوا یا وقت تنگ ہونے لگا یا کوئی اور مانع پیش آگیا تو ان مواقع پر کبھی ٹرک سے، کبھی موٹر، یا گھوڑے، خچر سے راستہ طے کیا، اب دو سفروں کا حال اور پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ ان پیدل جماعتوں نے کیسی کیسی دشوار منزلوں کو طے کیا اور صرف اللہ کی رضا اور دعوت الی اللہ کے ذوق و شوق میں ڈوب کر ان پریشانیوں اور مصیبتوں کو جو اس راہ میں ان کو ملیں بخوشی قبول کیا۔

برما میں کام کرنے والی ایک جماعت (جو پیدل بھی چلی اور سواری سے بھی) کے ایک فرد اپنی جماعت کے سفر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"ہماری جماعت میں تقریباً ایک سو ساٹھ آدمی تھے جن میں نئے نئے حضرات، کالج کے اسٹوڈنٹس، نوجوان، بڑی عمر والے اور کچھ متمول حضرات بھی شامل تھے۔ اس جماعت کے امیر حاجی عبدالمجید سورتی صاحب تھے۔ تہوار تھا بڑی مشکل اور تکلیف سے راستہ میں تمام نمازوں کو ادا کرتے ہوئے مولمین پہنچے، دوسرے دن مشورے کے بعد کئی جماعتوں میں بٹ گئے، ہر ایک کا امیر مقرر ہوا۔ حاجی عبدالمجید صاحب سورتی ساٹھ نوجوانوں کو اپنے ہمراہ لے کر بلوجون جزیرہ کی طرف چلے۔ مولانا کمال الدین صاحب کی جماعت اور میری جماعت دونوں چاتے مرو چلی یہ بستی تقریباً ۸۰ میل ہوگی چاتے مرو میں ہم سب نے مل کر ایک دن کام کیا۔ ہماری جماعت آگے بڑھ گئی۔ مولانا کمال الدین کی جماعت کام کرتی ہوئی مولمین کی طرف لوٹی۔ ہم لوگ چاتے مرو

سے ۲½ میل پیدل چلے پھر کشتی پر تقریباً ۱۲ میل کا سفر کیا۔ دو کشتیوں میں ۱۶ آدمی سوار تھے۔ ہر کشتی میں سفر کے ایک امیر مقرر ہوئے۔ ذکر، تعلیم اور سیکھتے سکھاتے چلے۔ کشتی ڈانواں ڈول ہو رہی تھی، اللہ کے فضل سے کشتی کنارے پر لگی۔ پہلے ہی سے خبر پاکر بستی والے ۵ میل دور اپنے گاؤں سے آکر دس بیل گاڑی لئے ہوئے صبح سویرے ہی کھائے پئے بغیر انتظار کر رہے تھے۔ یہ علاقہ ایسا علاقہ ہے جہاں کھانے پینے کا کچھ بندوبست نہیں۔ وہاں سے پھر خطرناک جنگلوں، خاردار جھاڑیوں، بھیانک اور ہولناک علاقوں سے گزر کر منزلِ مقصود تک پہنچنا ہے، ایک مقامی صاحب نے جو ہمارے رہبر تھے، کہا کہ راستہ خطرناک ہے دعا فرمائیں، مولانا حسین احمد صاحب سے فرمائش کی گئی کہ سورۂ یٰسین زبانی پڑھ دیں۔ مولانا نے یٰسین پڑھی، دعا کی گئی کہ اے اللہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گھیرا تھا اور حضورؐ یٰسین پڑھ کر بغیر کسی خطرے کے اللہ کے راستے میں مکہ چھوڑ کر مدینے کے لیے نکلے، اس سنّتِ قدیمہ کی پھر ایک نقل اُتارنے کی کوشش ہو جائے۔

۵ میل کا سفر باقی تھا، کڑکڑاتی دھوپ تھی، پانی کا انتظام بھی نہ تھا، پھر اسی راستہ میں سیکھتے سکھاتے چلے۔ اللہ کے فضل و کرم سے کوئی تکلیف نہ ہوئی، دس میل گزارنے کے بعد آرام کے لئے درخت کے سائے تلے ٹھہرے۔ تعلیم کیلئے تیاری کر رہے تھے، ایک بھائی راہب خانہ کے باغیچہ سے گولر توڑ لائے۔ کہا گیا اس وقت پھل کوئی نہ کھائے پہلے بات سُن لیں۔ امیر کی اطاعت اور فرض کے بارے میں سمجھایا گیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے والد ابو صالحؒ کا واقعہ پھل کھانے کا سنایا گیا اس کے بعد بغیر اجازت پھل توڑنے کے بارے میں مشورہ ہوا کہ کیا کیا جائے۔ بات طے ہوئی کہ معافی مانگی جائے۔ چنانچہ تین آدمیوں کی جماعت ایک امیر دوسرا پھل توڑنے والا تیسرا متکلم مقامی شخص کو امیر بنا کر گئی اور بڑے راہب سے معافی مانگی۔ اس بات سے بڑے راہب بہت متاثر ہوئے خوش ہو کر

کہا جتنا چاہو اور توڑلو اور بھی میرے لائق کوئی کام ہو تو کہنا، اس کے بعد پانچ میل سفر کرکے منزلِ مقصود پر پہنچے، اس بستی کا نام گلاگون ہے۔

بستی میں پہونچے، ظہر کی نماز ادا کرتے ہی مشورہ میں بیٹھے۔ سب سے پہلے کھانے کا مشورہ ہو رہا تھا۔ گاؤں کے سرداروں نے کہا، کھانا ہم کھلانا چاہتے ہیں، بہت کچھ سمجھایا نہ مانے۔ آخر ہم نے کہا، ہماری دعوت تبلیغ فرض ہے پہلے اسے قبول کیجئے۔ آپ کی دعوت (کھانا) سنّت ہے، خوب کھائیں گے، ہمارے ساتھ ۲۰ آدمی دینے کا وعدہ کیا۔ غرضکہ مشورہ خصوصی گشت، تعلیمی گشت، عمومی گشت، تلاوت قرآن تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز، تہجد، ذکر، فکر، تعلیم سیکھنا اور سکھانا ملنا، انفرادی دعوت، اجتماعی دعوت، تقریر، تشکیل، اصولی گشت، کھانے کے آداب، سونے کے آداب سیکھتے اور بیان کرتے، حدیثوں کا زبانی دور کرنے اور دعا کرنے میں جتنی ہماری طاقت تھی پوری پوری کوشش کی ۲۳ آدمیوں نے ہمارے ساتھ چلنے کے لئے نام پیش کئے، دوسرے دن صبح عورتوں کا اجتماع ہوا، عورتوں کی جماعت کے لئے ۲۵ عورتوں نے اپنے نام پیش کئے۔ اجتماع پردے میں ہوا۔ یہ طے ہوا کہ اسی طرح ہر ہفتہ جمعہ کے دن اسی جگہ پر عورتیں جمع ہوں۔ خوب نماز کی تعلیم ہو۔ بعد ظہر عصر تک تعلیم ہو، دین سیکھنا سکھانا ہو، ہفتہ میں بڑی عمر کی عورتیں جماعتی شکل میں گاؤں کی دوسری عورتوں کو جوڑنے کی کوشش کریں۔ بستی میں شادی بیاہ ہو تو جماعت میں جن جن عورتوں نے نام لکھوائے ہیں وہ شادی بیاہ میں ضرور شامل ہو کر دینی دعوت بھی رکھیں اور جمعہ کے دن زنانہ مرکز میں جمع ہونے کی دعوت رکھیں۔ اپنے گھر کے مردوں کو کسی طرح آمادہ کرکے نماز کے لئے مسجد بھیجیں، بچوں کو نماز کا پابند بنائیں اور دین داری بھی سکھائیں اور خود بھی عمل کریں، یہ سمجھانے کے بعد برمی زبان میں چھ باتیں اور فضائل کی کتابیں دی گئیں دوسرے دن جب ہم روانہ ہوئے ۲۲ آدمی ہمارے ساتھ چلے وہاں سے پانچ میل دور ایک بستی ہے۔ وہاں مردوں اور عورتوں میں کام ہوا۔ جماعت بنائی گئی، ایک سرکاری

فوجی کمانڈر بھی ہمارے ساتھ جڑے اور گیارہ بجے دعا تک تمام کارگذاریاں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ پھر خطرناک علاقوں سے گذرتے ہوئے ایک گاؤں (کوئے) پہونچے وہاں بھی کام ہوا، عورتوں اور مردوں کی جماعت بنائی گئی، کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر ۵ میل خشکی کا سفر طے کرتے ہوئے پھر دریا میں تین کشتیوں میں پانچ میل کا سفر کیا، ہر کشتی کا ایک امیر سفر تھا۔ ایک میں لا الٰہ الا اللہ کا ذکر دوسرے میں اللہ اللہ یا اللہ کا ذکر تیسرے میں سوئم کلمہ کا ذکر، آواز سے فضا گونج رہی تھی۔ آن کی آن میں خشکی پر اترے، راستہ میں ایک نئی مسجد کی بنیاد دیکھی، کھڑے ہوکر ہم سب نے دعا مانگی، وہاں سے دو میل چل کر موٹر اسٹینڈ پر پہنچے، بس کا انتظار کر رہے تھے۔ خبر ملی کہ ہمارے امیر حاجی عبدالمجید سورتی صاحب پاس کے گاؤں میں موجود ہیں۔ دو آدمی بھیج کر اجازت لے کر ہم سب ان سے جاملے۔ وہاں دو مدرسے اور مسجدیں ہیں آپس میں جوڑ نہیں۔ اللہ نے سب کو اجتماع میں جوڑا ایک ملی جلی جماعت بنائی گئی۔ دونوں علاقوں کے لئے دو امیر چنے گئے، ایک جمعہ ایک مسجد میں کام ہو جب یہ کام ہو تو دوسری مسجد کا امیر اس امیر کی ماتحتی میں کام کرے جب وہاں کام ہو تو یہ امیر اس مجد کے امیر کی ماتحتی میں کام کرے۔ اگر کوئی بات طے کرنی ہو تو ایک کو امیرِ فیصل بنائے جو بات مشورہ میں طے ہو عمل کرے۔

عرب میں پیدل جماعتوں کا آغاز

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ہندوستان میں پیدل تبلیغی جماعتوں کی کارکردگی اور ان سفروں کے مفید اثرات و نتائج کے پیش نظر عرب ممالک میں بھی تبلیغی جماعتوں کے پیدل سفروں پر زور دیا اور ان سفروں کی ابتدا پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ درحقیقت پیدل اسفار سے قصبات و دیہات اور کوردہ مقامات کے لوگوں کو جو فائدہ پہنچتا تھا اور سفر کرنے والوں کو جن جن مجاہدوں اور ایثار و قربانی اور جفاکشی کا ثبوت دینا پڑتا تھا اور ان سے نفوس کی جیسی تربیت ہوتی تھی وہ ریلوں موٹروں اور دوسری سواریوں کے سفروں سے کسی طرح بھی نہیں ہوتی تھی جس طرح مولانا کو

حجاز جیسی پاک سرزمین اور سارے عالم کے مرکز میں تبلیغی اور دعوتی کام سے دلچسپی تھی بلکہ انتہائی فکر رہتی تھی کہ اس مرکز میں کام کرنے کے اثرات پورے عالم پر پڑتے ہیں، اس طرح اس مرکزی علاقہ میں پیدل جماعتوں کے اسفار سے انتہائی دلچسپی تھی اور برابر اس کی فکر لگی رہتی تھی کہ جماعتوں کے پیدل سفر زیادہ سے زیادہ ہوں اور ہر ہر خطہ میں ہوں۔

مولانا کی اسی بے انتہا فکر کا نتیجہ تھا کہ حجاز میں کام شروع ہوتے ہی پیدل جماعتوں کی چلت پھرت شروع ہوگئی، خصوصاً جدہ سے مکہ مکرمہ اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک جماعتیں مسلسل اور بکثرت نکلیں اور درمیان کی ہر ہر منزل اور دیہات میں ٹھہر ٹھہر کر کام کیا اس طرح کام کے نتائج بہت زیادہ بہتر برآمد ہوئے۔

۱۳۶۹ھ میں ایک جماعت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کام کرتی ہوئی گئی تھی، جب اس کی اطلاع مولانا محمد یوسف صاحب کو کی گئی تو مولینا نے اپنے ایک مکتوب میں بے پایاں مسرت کا اظہار کیا اور جماعت کو بڑی دعائیں دیں۔ اپنے مکتوب میں مولانا نے تحریر فرمایا۔

"اس مبارک خطہ میں جہاں ہر نیکی کی قیمت لاکھ گنی کر دی جاتی ہے اور جہاں پورے عالم پر رحمت کے اثرات ڈالنے والی دعائیں بارہا قبول ہوتی ہیں جس کے مناظر ہمارے سامنے ہیں۔ پیدل حجاج کی جماعت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کی بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالےٰ شانہٗ اس مبارک صورت سے حرکت کے عام ہو جانے کا اس کو ذریعہ فرمائیں اور ان احباب کو ان اصولوں کی مشق کرتے ہوئے جانے کے ثوابوں میں سے سبقت والوں میں شمار فرماویں"۔

ایک دوسرے مکتوب میں جس میں میاں جی عیسیٰ کو جو اُن دنوں حجاز میں تھے حجاز میں پیدل جماعتوں کی نقل و حرکت اور اس کے برکات و ثمرات اور اہمیت و ضرورت پر زور دیا تھا تحریر فرمایا:۔

"مکہ مکرمہ سے پیدل پہونچنے والی جماعت کی خبر سے بہت ہی مسرت ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ پورے عالم میں اس کی برکت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ والی حرکت کو وجود و فروغ و سرسبزی مرحمت فرماویں اور ان آنے والوں اور اپنے سب احباب کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع اور آپ والے انوار و جامعیت و کمالات سے استفادہ کی پوری طرح صورتیں پیدا فرمادیں۔ کاش اس نوعیت کی حرکت ہر اس جگہ تک آپ حضرات کی برکات سے پہنچ سکے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ذاتِ عالی سے کامل استفادہ والے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مبارک اقدام پہنچے اور آج تک ان کی روحانیت و انوار امانت کے طور پر محفوظ ہیں اور اس طرز سے تیار ہونے والوں کے لیے آج تک استفادہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں[1]۔"

ایک تبلیغی جماعت حج کو جارہی تھی اور بمبئی میں حجاج کے اندر وہ تبلیغی کام کررہی تھی، مولانا نے اس جماعت کے ذمہ داروں کو حجاز میں کام کرنے کی نزاکتوں اور اہمیت و ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حجاز میں پیدل جماعتوں کے نظام اور اس پر قابو پانے اور اصول کے ساتھ وقت گزارنے پر توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"پیدل اسفار کی عملی شکلیں قائم ہونے پر ابھی سے قابو پانے کی کوشش کی جائے اپنے احباب پیدل کے لئے متعین کرکے ان کے رفقا کے بڑھانے کی ابھی سے سعی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لیگئے ان سب جگہوں کیلئے جماعتوں کے جانے کی تشکیلوں پر قابو پایا جائے اور صحابہ کرامؓ نے جہاں دین کی حیات کے لئے ٹھوکریں کھائیں وہاں کے لئے بھی پوری طرح جماعتوں کے روانہ کرنے کی سعی کی جائے[2]۔"

---

[1] مکتوب ۱۳ شوال ۱۳۶۱ھ [2] مکتوب بنام میاں جی عیسیٰ و میاں جی محراب و منشی اللہ دتا صاحب

۱۳۵۱ھ میں ایک پیدل جماعت مدینہ منورہ گئی جس نے راستہ میں بڑے مجاہدوں اور مشقتوں کا سامنا کیا تھا اس کی خبر جب مولانا کو کی گئی تو مبارک باد دیتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"موانع اور دشواریوں کے باوجود مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کا پیدل سفر انتہائی مسرت کا باعث ہوا، حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی و رضا کے حصول کے لئے ظواہر کے خلاف اپنی جانوں پر تکالیف برداشت کرکے دین کی حیات و سرسبزی کے لئے ٹھوکریں کھانے پر رحمت ہائے خداوندیہ جوش میں آتی ہیں اور ہر طرح کی نصرت کے دروازے کھل جایا کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ آپ کے اس سفر کو اس درجہ میں قرار دے کر ہر طرح کی نصرت کو اپنے فضل سے متوجہ فرما کر دین کی طرف رجوع کی پورے عالم میں صورت پیدا فرما دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر آپ کے اعمال کو سرسبز فرمادیں اور عام انسانوں کے لئے ہدایت کے دروازے کھول دیں[1]"

مولانا کی اسی ترغیب اور بار بار پیدل سفروں کے فضائل تحریر کرنے سے تبلیغی کام کرنے والوں میں ہمت و جرأت اور راہِ خدا میں آبلہ پائی کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوگیا اور وہ بارگاہِ ایزدی میں قبولیت کی امید میں بڑھ بڑھ کر اپنے کو پیش کرنے لگے۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

حجاز کے ہر ہر خطہ میں ذکر، تعلیم، گشت اور اجتماع کرتی ہوئی پاپیادہ جماعتیں پھریں اور اس نقل و حرکت سے مقامی باشندوں کو بہت فائدہ پہونچا اور پیدل پھرنے

---

[1] مکتوب بنام میاں جی عیسٰی صاحب۔

دالوں میں راہِ خدا میں مر مٹنے اور قربان ہو جانے کا ولولہ تازہ سے تازہ تر ہوتا گیا۔ حجاز کے بعد مختلف عرب ممالک میں انھیں جماعتوں کا ایک جال سا بچھ گیا جن کا کام صرف ایمان و عمل کی دعوت اور راہِ خدا میں جان دینے اور رضائے الٰہی کی نیت سے تبلیغِ دین تھا۔ ہم اس باب میں نمونۃً صرف چار پانچ واقعات تحریر کریں گے جن سے بخوبی ان جماعتوں کی محنتوں، مجاہدوں اور راہِ خدا میں ایثار و قربانی اور اس پر نصرتِ الٰہی کا اندازہ ہوگا۔

جدّہ سے مکہ مکرمہ تک بکثرت جماعتوں کی نقل و حرکت ہوئی اور ہوتی رہی ہے، اس راستہ میں ان سارے چھوٹے بڑے مقامات دیہات و قصبات اور بدوؤں کے جھونپڑوں اور منزلوں میں تبلیغی گشت و اجتماع اور مقامی باشندوں کو جمع کرکے ان میں تعلیم کا مذاکرہ کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک بھی اچھی خاصی جماعتوں کی آمدورفت ہوتی رہی ہے، اس سلسلہ کے سفروں میں سے ایک سفر کے تأثرات ملاحظہ ہوں:

"حضرت مولانا کی نیک تمناؤں اور پُراثر دعاؤں کے بعد ہماری جماعت نے حج سے فراغت کے بعد بتاریخ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ کو پیدل مدینہ منورہ کی طرف رُخ کیا۔ راستہ میں وادیٔ فاطمہ، وادیٔ عسفان، وادیٔ خلیص، وادیٔ قدید، وادیٔ کلیہ، بدر، وادیٔ حمراء، رابغ، مستورہ، بئر شیخ ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچی اور ان سارے مقامات میں گشت کرتی ہوئی، اجتماع اور تعلیم کا اہتمام کرتی ہوئی سفر کیا۔ اس سفر کا ایک دلچسپ واقعہ بھی سنئے، بدر کا واقعہ ہے کہ جماعت اپنے سروں پر سامان رکھے اپنی منزلِ مقصود کو جارہی تھی، ساتھ ساتھ تعلیم و ذکر کا اہتمام بھی تھا۔ راستہ میں ایک سالہ بچہ اپنا بستہ لٹکائے مدرسہ جارہا تھا بچہ نے اس جماعت کو دیکھا تو تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہو گیا اور تعجب سے پوچھا آپ لوگ کون ہیں؟ (مَن انتم) جماعت نے کہا، ہندی اور پاکستانی، لڑکے نے پوچھا، آپ کا کام کیا ہے؟ (ما شغلکم) جماعت نے جواب دیا،

الدعوۃ والتبلیغ، اس کو سن کر وہ بہت خوش ہو گیا اور فوراً بولا، واللہ شغلکم طیب اور اپنے مدرسہ جانے کو ملتوی کر دیا اور جماعت سے باصرار کہا کہ ہمارے گھر چلئے گھر لے گیا اور خوب خاطر کی۔ پھر پوچھا کہ آپ کے ہندوستان اور پاکستان میں کیا کیا ہے؟ جماعت نے بتلایا اچھی اچھی عمارتیں اور مدرسے ہیں، اس نے کہا وہاں بیت اللہ بھی ہے؟ جماعت نے کہا، نہیں؟ اس نے جواب دیا" وہ ملک کیا کہ جس میں بیت اللہ و بیت الرسول نہ ہو"

مدینہ منوّرہ سے یمن وہی جماعت جو حرم مکی سے روانہ ہو کر مدینہ منوّرہ گئی تھی اسکے دو حصے ہو گئے ایک حصہ جس کی امارت منشی اللہ دتا نے کی، یمن کو روانہ ہوئی، اور دوسری جماعت مولوی یعقوب سہارن پوری کی امارت میں شام کو چلی، یمن والی جماعت کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"یمن کی جماعت ۸ رنومبر ۱۹۵۱ء کو مدینہ منورہ سے بذریعہ سواری روانہ ہوئی، اس لئے کہ جدہ تک وہی مقامات پڑتے ہیں کہ جہاں آتے ہوئے یہ جماعت کام کر چکی تھی، طائف سے پیدل روانہ ہوئی۔ سب سے پہلے وادیٔ نمل میں کام کیا۔ وادیٔ نمل میں ایک مسجد ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر یہ آیت لکھی ہے۔ یا ایہا النمل ادخلوا مساکنکم الی آخرہ۔ اس کے بعد وادیٔ لیہ، وادیٔ قریۃ الغنم، قریۃ الصخرہ، وادیٔ ہمالہ، وادیٔ عباس، قریہ عدن، وادی القرآن، وادیٔ نجران، قبیلہ بنی سعدیہ، قبیلہ، قریہ خوکہ، قریہ زمانیہ، قریۃ سرعۃ، وادیٔ سلیم، قبیلہ بنی مالک، قریہ غامد، بنی سقیف، بنی احمر، ابہی اور اس کے بعد یمن میں داخلہ ہوا، یمن غربی میں گیارہ دن قیام کیا اور اس کے بعد مختلف سمتوں میں جماعت روانہ ہوئی۔ ان مقامات میں بعض جگہوں پر جماعت کو بڑی دشواریاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں، کہیں پر جماعت راستہ بھول گئی اور کہیں خطرناک جنگلوں میں قیام کرنا پڑا۔ جماعت نے صلوٰۃ الحاجۃ اور دعاؤں کا بڑا اہتمام کیا، ایک جگہ جماعت راستہ بھٹک رہی تھی اور پہاڑوں کا علاقہ تھا، ادھر ادھر غار تھے، جماعت

نے صلوٰۃ الحاجۃ کا اہتمام کیا اور چل پڑی۔ صبح کا وقت تھا ایک اجنبی شخص نمودار ہوا اور وہ جماعت کی رہبری کرنے لگا۔ جب پہاڑ سے جماعت نیچے اُتری تو وہ آدمی خاموشی سے غائب ہو گیا اور جماعت راستہ پر پڑ گئی، جماعت کا یہ راستہ سات مہینے میں طے ہوا اور رمضان مبارک کے مہینے میں یمن پہونچی"۔

جیزان وابھیٰ کا سفر | پیدل جماعت کا سب سے پہلا سفر ۴۹ء میں ابھیٰ اور جیزان کا ہوا جو اپنی بعض خصوصیتوں سے قابلِ ذکر ہے اور اس سے کام کرنے والوں کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اس جماعت کے ایک بڑے ذمہ دار جو اس جماعت کے امیر بھی تھے اپنے سفر کی روئداد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ہماری اس جماعت میں ۱۰ آدمی تھے، یہ جماعت مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئی، پہلے جدّہ گئی اس کے بعد بندرگاہ لیث پہونچی۔ یہ بندرگاہ ایک چھوٹا بندرگاہ ہے، ۳ دن لیث میں قیام کیا۔ ہمارا قیام جامع مسجد میں رہا، گشت بھی ہوتا تھا اور بیان بھی۔ چوبیس گھنٹے کا نظام چلا۔ لیث سے ٹرک کے ذریعے جنوب کی طرف قنفذہ نامی مقام گئے اور ایک ہفتہ قیام کیا، امیر قنفذہ کی خواہش پر ان کی موجودگی میں بعد نماز جمعہ بیان ہوا، اس بیان میں سارا محلہ موجود تھا۔ مقامی لوگوں نے جماعت کی خوب نصرت کی، قنفذہ میں دو دن تک قیام رہا۔ جیزان جانے کے لئے کوئی سواری نہیں ملی، ایک ساتھی نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو سواری مل جائے۔ اس ساتھی کا کہنا تھا کہ میں دعا مانگ رہا تھا کہ خیال آیا کہ بھری گاڑی ہو یا خالی، میرے دل نے کہا، دونوں، خدا کا کرنا کہ دونوں گاڑیاں ملیں، پہلے بھری ملی جس میں جگہ نہ تھی، اس کے بعد ہی خالی مل گئی اور خرچ بھی کم۔ قنفذہ سے جیزان سواری سے جماعت گئی جو تین دن اور ۳ رات میں پہونچی، جیزان میں ایک ہفتہ قیام کیا، وہاں بھی کام کی نوعیت حسب معمول رہی، جامع مسجد میں قیام رہا وہاں کے

رئیس القضاۃ نے بڑی مدد کی، امیر جیزان اور قاضی جیزان کی خواہش پر
مفصل دعوت دی گئی۔ جیزان سے ایک منزل الدرب ایک گاؤں تھا جہاں
کے امیر سے جیزان میں ملاقات ہوگئی تھی، اس کے گاؤں میں جماعت گئی
جہاں مولوی اسلم صاحب نے بیان کیا امیر نے وہاں سے ام الدرب کے لئے
کئی اونٹ مع ایک جمّال کے مہیا کر دیئے، جماعت رات بھر اونٹوں پر
چلتی رہی، صرف چند آدمی پیدل چل رہے تھے۔ صبح کی نماز ایک چشمہ پر ادا کی
اور پھر ام الدرب روانہ ہوگئے جو ساتھی پیدل چل رہے تھے وہ پیچھے رہ گئے
چشمہ پر جماعت نے ان ساتھیوں کا انتظار کیا مگر جمّال نے کہا کہ اب مزید
انتظار نہیں کر سکتے، آگے راستے میں پانی نہیں ہے اور ام الدرب تک صحرا
ہے اور ہم اپنی منزل پر دو بجے تک پہنچ سکیں گے اس لئے ہم خطرہ مول نہیں
لے سکتے۔ جماعت نے اپنے پیچھے رہ جانے والے ساتھیوں پر انا للہ پڑھتے ہوئے
اپنے قدم آگے بڑھا دیئے بعد میں ہمارے ساتھی بھی بخیریت پہنچ گئے۔ ان کا
کہنا یہ تھا کہ راستے میں ہم کو کئی دفعہ کلمہ پڑھنے کی نوبت آئی تھی کہ راستہ کی سوکھی
لکڑی تک چبانے کی نوبت آئی مگر خدا کی حفاظت میں یہ سب کے سب پہنچ گئے"
ان کی حالت غیر تھی بستی کے امیر نے جب ان لوگوں کی نازک حالت دیکھی تو بڑے
کرم اور لطف کا معاملہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے پانی پاتے ہی زیادہ پی لیا اسکی حالت
اچانک بگڑ گئی مگر بعد میں وہ ٹھیک ہوگیا۔ ام الدرب میں جماعت ایک رات رکی، سب لوگ
نڈھال اور چور چور تھے، امیر جماعت نے نماز بیٹھ کر پڑھی، اس لئے کہ وہ پہلے سے بیمار
تھے اور بیان لیٹ کر کیا۔ اس مجاہدہ اور مشقت اور دین سے تعلق و محبت کو دیکھ کر مقامی
عرب بڑے متاثر ہوئے اور باتیں بڑے غور سے سنیں۔
اس مقام پر جماعت کو ایک آزمائش سے گزرنا پڑا، جماعت کے ایک ساتھی معلوم

کیوں اپنے ساتھیوں سے ناراض ہو گئے اور صرف ناراض ہی نہیں ہوئے بلکہ جماعت سے علٰحدہ بھی ہو گئے، باقی نو ساتھی اُم الدرب سے ابہٰی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پہلی منزل شبیین، دوسری منزل رجال المع پڑی، ہر جگہ ایک ایک رات قیام ہوا۔ رجال المع جب جماعت پہونچی تو وہ ساتھی جو ہم سے علٰحدہ ہو گیا تھا اور ناراض ہو گیا تھا آملا اور اس نے جماعت سے علٰحدہ ہونے اور امیر کی اطاعت نہ کرنے سے توبہ کی کہ اس کو تنہا سفر کرنے کے دوران کہیں لنگوروں نے گھیرا اور کہیں نامناسب باتیں پیش آئیں مگر اللہ نے جان و آبرو کی حفاظت فرمائی۔

رجال المع ایک زبردست چھاؤنی ہے جہاں ایک انتہائی پُر فضا منظر اور سرد علاقہ اور چشموں کی کثرت ہے۔ رجال المع ایک خوبصورت چھوٹا سا شہر ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ وہاں کی جامع مسجد میں ایک دن دو رات قیام کیا۔ اور اس ساتھی نے جو جماعت سے علٰحدہ ہو گیا تھا جمعہ میں پر زور دعوتی تقریر کی، جماعت کے اور افراد بیماری کی حالت میں چل رہے تھے۔

رجال المع کے بعد ایک ایسی زبردست گھاٹی آئی کہ جس پر ہم بیماروں کا چڑھنا مشکل تھا مگر اللہ نے اپنے فضل سے چھ گھنٹے میں چوٹی تک پہنچا دیا۔ صبح کی نماز نیچے پڑھی، ظہر کی اوپر، وہاں سے ابہٰی کی جانب بڑھتے رہے، درمیان میں ایک بستی میں عشاء کی نماز کے بعد تھوڑا بیان کر کے اور کچھ دیر آرام کر کے ظہر تک ابہٰی پہنچے۔ اس پورے سفر میں ایک کمی برابر رفیق سفر رہا ام الدرب سے ابہٰی تک صرف ایک اونٹ سامان کے لئے ساتھ تھا جس پر جو زیادہ بیمار ہوتا باندھ دیا جاتا اور باقی بیمار پیدل چلتے، ہمارے ساتھ وہ خط بھی تھا جو قاضی جیزان نے قاضی ابہٰی کے نام ہماری نصرت کے لئے لکھا تھا۔ جب ہم ابہٰی داخل ہو رہے تھے تو وہاں کی شُرطی (پولیس) نے ہم کو گھیر لیا، چونکہ ہمارے پاس سرکاری کاغذ نہیں تھا اس لئے ہم کو سیدھے ادارہ شرطہ (پولیس اسٹیشن) لے گئے اور ابتداء میں ہم کو حراست میں لے لیا گیا اور اوّل نائب مدیر پھر مدیر بڑی سختی سے پیش آیا اور

اپنے سامنے کھڑا کر دیا، ناگفتنی بات کی اور کہا کہ بغیر امیر ابہٰی کی اجازت کے نہ تم یہاں ٹھہر سکتے ہو نہ کچھ کر سکتے ہو۔ ابہٰی کی جغرافیائی حیثیت بہت اہم ہے یہ ایک بڑی چھاؤنی ہے، بہت پُرتکلف اور حسین شہر ہے اور میوہ جات کا مرکز۔ تمام قسم کے ادارے اور زبردست بازار، سواریوں کی بہتات اور ہر قسم کی ضروریات زندگی کا ملنا آسان ہے۔

ابہٰی کے امیر ابن ترکی سدیری اپنی شان و شوکت اور جاہ و جلال میں بادشاہوں سے کم نہ تھے، مدیر نے ہم سے یہ کہا کہ ہم تمھارے نام اور کام سب امیر کے سامنے پیش کرتے ہیں جب تک وہ اجازت نہ دیں اس وقت تک محل متعین سے اور کہیں جانے کی اجازت نہیں، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مدیر شرطہ کے قریب ایک صاحب جو بعد میں ابہٰی کے علاقے کی کسی بستی کے قاضی نکلے، انھوں نے جماعت کو پہچان لیا اور مدیر سے کہا کہ یہ جماعت مکہ مکرمہ میں رہتی ہے اور حرم شریف کے متصل مدرسہ میں ہفتہ واری عربوں کا اجتماع کرتی ہے، میں بھی دو اجتماعوں میں شریک ہوا ہوں۔ یہ لوگ قابل اکرام و احترام ہیں اور اصحاب ارشاد ہیں اس غیبی مدد پر مدیر کا چہرہ جو پہلے غصّہ اور نفرت سے بھرا تھا، خندہ پیشانی اور خندہ روئی سے بدل گیا اور بعد میں یہ معلوم کر کے کہ ہمارے یحییٰ دہلوی جو مکہ مکرمہ میں ہمیشہ جماعت کا ساتھ دیتے ہیں یہ مدیر اُن کا بہنوئی ہے، اور بھی تعلق و تعارف بڑھ گیا اور اب ہمیں عزت کے ساتھ مکان کرائے پر لے کر ٹھہرنے کی اجازت دیدی، ہم نے ایک مکان کرایہ پر لے کر اونٹ اور جمّال کو واپس کر دیا اور ابہٰی کے نائب رئیس القضاۃ سے ملاقات کے لئے ان کے مکان پر حاضری دی اور وہ خط پیش کیا جو قاضی جیزان کا ان کے نام تھا انھوں نے خط دیکھنے کے بعد دو تین علمی سوالات کر کے جماعت والوں کے جوابات پر مطمئن ہو کر ہم سے اس پر زور دیا کہ امیر ابہٰی سے فوراً مل لینا چاہیئے قبل اس کے کہ وہ مدیر کے کاغذ پر کوئی حکم امتناعی دیدیں اور قاضی موصوف نے خود ملاقات کرانے کا وعدہ کیا، چنانچہ قاضی صاحب کے ساتھ ہم سب دربار امیر میں حاضر ہوئے اور قاضی صاحب

نے تعارف کرایا اور خط دکھلایا اور امیر ابہی پر اس پر زور دیا کہ ان کو دین کے لئے محنت کی ضرور اجازت دی جائے اور میں ان کی نگرانی رکھوں گا۔ چنانچہ امیر ابہی کی طرف سے پورے شہر میں اعلان ہوا کہ یہ ہندوستان کے مرشدین کی جماعت ہے ان کو ہر مسجد میں کہنے سننے کی اجازت ہے اور اس اعلان کی ضرورت اس لئے پڑی کہ جس وقت پولیس نے شہر میں داخل ہوتے وقت ان کو حراست میں لیا تھا تو یہ شہرت ہوگئی تھی اس وقت دس چور یا جاسوس پکڑے گئے۔ ایک ہفتہ قیام رہا اور ہم مکان سے دوسرے ہی دن مسجد میں منتقل ہو گئے اور اس میں ۲۴ گھنٹے کا نظام حسب معمول چلتا رہا اور مختلف مسجدوں اور محلوں میں عمومی گشت اور بیان اور مختلف طبقات کے ذمہ داروں سے خصوصی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور انھیں خصوصی ملاقاتوں میں مفتش مالیہ سے ملاقات ہوئی جو مدینہ منورہ میں مدیر مال رہ چکے تھے اور تین سال پہلے سے متعارف اور دوست اور مدد کرنے والوں میں تھے۔ بہت تپاک سے ملے اور اپنے ماتحتوں اور دوستوں سے ملاقات کرائی اور سب کے ساتھ اپنی آمد کا مقصد اور دعوت کی ضرورت اور طریقہ اور اب تک کے ثمرات اجمال و تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے اور مفتش صاحب بار بار تائید کرتے رہے اور ابہی والوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہماری جماعت یہیں اقامت کرلے اور پورے علاقہ میں اس دعوت کو سب کے سامنے پیش کرے، مگر ساتھیوں میں کچھ مکہ کے تاجر، کچھ باہر کے حاجی تھے، اور کچھ حج کے وقت کے قرب کی وجہ سے ساتھیوں پر واپسیٔ مکہ کا تقاضا ہوا، چلہ بھی تقریباً پورا ہو چکا تھا اور بڑی وجہ یہ تھی کہ سب ساتھی اس چلہ میں بیمار ہو ہو جاتے تھے اور اسی حالت میں سفر اور دعوت کا کام کرنا پڑتا تھا اس بنا پر سب کا واپسی کا مشورہ ہوگیا اور طائف موٹر سے واپس ہوئے جس میں کئی دن کئی راتیں لگیں۔ طائف میں تین دن قیام رہا، مکہ والوں کو واپسی کا علم ہو گیا تو وہاں سے نصرت کے لئے جماعت طائف پہونچی۔ ظہر کی نماز کے بعد مسجد عبد الہادی میں عربی میں بیان ہوا جس میں رئیس القضاۃ عبد اللہ بن حسن مرحوم نے پوری دعوت سنی اور تائیدی کلمات کہے اور طویل بیان کو مختصر کرنے کی وصیت کی۔

ابہیٰ کا دوسرا سفر اس جماعت کے بعد ان علاقوں میں کئی جماعتیں گئیں ایک جماعت کے امیر اپنے سفر کے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"الحمد للہ انفر منگل کو طائف سے چل کر بدھ کو ظہر کے بعد ابہیٰ میں پہونچ گئے۔ رات بھر سیارہ (موٹر) چلتا رہا، دو گھنٹے پہاڑ پر پیدل چلنا پڑا کیونکہ سیارہ پر خطرہ تھا راستہ میں وادی بطحان آئی جو بڑی زرخیز اور خاصی بڑی تھی، یہ نیا راستہ ہے، اس وادی میں کثرت سے رمان (انار) عنب (انگور) کے باغات ہیں۔ ساتھی اس وادی میں کام کرنا چاہتے تھے لیکن نظام کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا، ساتھیوں کے جذبات الحمد للہ بڑھ رہے ہیں، لوگوں کا استقبال دنیاوی اعتبارات سے بہت ہے۔ ساتھ نکلنے میں کمزور بعض نے وعدے ضرور کئے ہیں، یہاں سے نظام بنایا جارہا ہے۔ قریۃ القرعی کی طرف پیدل جانے کا نظام ہے، ظہران کی جماعت امید ہے چلی گئی ہوگی۔ اب مجموع انحل کی ایک جماعت بنانی چاہیئے، اگر دور کے لئے تیار نہ ہوں تو وادی ابوسفیان قریب میں ہے۔ راتوں کا نظم امید ہے کہ کچھ چل رہا ہوگا، اللہ تعالیٰ آخرت اور دین کی فکر عطا فرمادیں۔"

مدینہ منورہ سے شام تک ایک پیدل جماعت جو مدینہ منورہ سے شام کی طرف چلی تھی اور راستہ میں مختلف قسم کے مجاہدوں اور مشقتوں سے گزرنا پڑا تھا اور پھر ان مشقتوں کے ساتھ خدا کی بے حساب نصرت ہوئی تھی، اس کے تاثرات اور اس سفر کے تفصیلی حالات اس جماعت کے ایک رکن رکین اور ذاہن علم و تجربہ کار رفیق کی زبانی سنئے۔

"۱۹۵۱ء کے آخر میں ہمارا یہ سفر مدینہ منورہ سے شروع ہوا۔ مقامی لوگوں نے ہم کو بتایا کہ ہر اسٹیشن پر پانی ملے گا، ہم نے اس سفر میں اس ٹوٹی پھوٹی حجاز ریلوے لائن کو اپنا راستہ بنایا جو ترکوں نے بنائی تھی تاکہ مسافروں کو پانی کی دقت نہ ہو، الحمد للہ تعالیٰ نے نیکیاں

خالی اور خستہ ہو گئی تھیں۔ ہم نے کھینے والوں پر اعتبار کر کے سفر شروع کر دیا مگر جب
بھی کسی اسٹیشن پر پہنچے ٹنکیاں پانی سے خالی پائیں، ۲۲ میل اسی طرح لائن لائن چلتے رہے
۲۲ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گہرے کنویں نظر آئے، ان میں پانی بھی تھا مگر نہایت
خراب، اس قابل نہ تھا کہ اس کو پیا جاتا، ہم آگے بڑھے، کچھ دور پر ریلوے لائن بل کھاتی ہوئی
نظر آئی، ہم نے اس خیال سے کہ لائن چھوڑ کر سیدھے چلنے سے راستہ جلدی طے ہو گا لائن چھوڑ دی اور سیدھا
راستہ پکڑ لیا، تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ نظروں سے لائن اوجھل ہو گئی اور ہم راستہ بھول
گئے، بجائے جنوب کے شمال کی طرف چل دیئے، دوڈھائی میل کی دوری پر ایک بدو ملا، اس
سے ہم نے پوچھا کہ ہم تبوک جانا چاہتے ہیں یہ راستہ ٹھیک ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، یہ راستہ
تو منیوع البحر کو جاتا ہے، یہاں سے پاس سلطان کی بھی تھا اس پر تھکان، بھوک اور پیاس انتہائی تھی
ہم ایک پہاڑ پر چڑھ گئے، گرمی اور دھوپ شدت کی تھی، جماعت کا ہر فرد تھک چکا تھا، امیر
جماعت نے ہمت بندھائی اور یہ آیت پڑھی۔ "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"
پہاڑ پر چڑھتے رہے کہ نشیب آ گیا، ہم سب سامان باندھ کر بیٹھ بیٹھ کر اترنے لگے، کچھ دور پر
ترائی آ گئی، ایک گڑھے میں کچھ پانی دکھائی دیا، مگر وہ اتنا کم تھا کہ چائے کی پیالی سے نکالا گیا
احرام کی چادروں کو تان کر دھوپ کی تمازت سے حفاظت کی اور روٹی پکائی اور سب نے
مل کر کھائی اور دو مشکیزے پانی بھر کر آگے بڑھے، تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ ایک ٹرک آتا ہوا
ملا، اس نے ہم سب کو بٹھا کر علی بستی کے ایک میل کے فاصلہ پر پہنچا دیا، سب
ساتھی بستی میں داخل ہوئے، ایک بدو نے ایک کیلو کھجور ہدیہ پیش کی جو امیر جماعت
نے قبول کر لی، جماعت کے افراد بازار جا کر مٹی کا تیل اور پانی لائے، کھانا پکایا اور پھر
مسجد پہنچے جو بے چھت کی مسجد تھی، صبح کی نماز کے بعد تقریر کی اس تقریر میں پولیس کے
لوگ بھی تھے، چار دن جماعت اس مسجد میں رہی، ہم لوگ چلتے تھے، مقامی باشندوں
نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا اور ہم کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور امیر علی کو

سامنے پیش کیا، ہم نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور تبلیغی اصول کا لحاظ رکھتے ہوئے پوری تفصیل سنائی۔ امیر جماعت نے امیر علی سے یہ درخواست کی کہ دن بھر ہم گوگشت کرنے کی اجازت دے دی جائے اور ادھر اُدھر پھرنے کی آزادی۔ امیر علی نے اس کی اجازت دے دی۔ ہم لوگ دن بھر آزادانہ تبلیغی گشت کرتے اور جب رات ہوتی تو جیل پہونچا دیئے جاتے۔ قاضیٔ علی نے ہماری دعوت بھی کی۔ یہ عجیب قید تھی کہ آزاد بھی تھے اور گرفتار بھی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے آرام کرنے اور کھانے پینے اور خوب کام کرنے کا سامان مہیا کر دیا۔

چند دنوں کے بعد ہم کو بالکل آزادی مل گئی اور ہم لوگ آگے چلے کچھ دور پر وہ ریلوے لائن پھر مل گئی جس سے ہم بھٹک گئے تھے۔ ہمارا یہ سفر ظہر کے بعد شروع ہوا عصر کے بعد ایک میواتی ساتھی کو بخار چڑھا، ہر طرف خوفناک اور ہیبت ناک پہاڑ تھے جن کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا، ادھر یہ حالت تھی اُدھر ہر ساتھی کے سر پر بائیس سیر کا سامان لدا ہوا تھا، پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے۔ جس میواتی کو بخار چڑھا تھا اس کا سامان بھی سب نے تقسیم کر لیا اور راستہ طے کرتے ہوئے چلتے رہے۔ مغرب کے بعد وہ میواتی اتنا چُور ہو گیا کہ بول اٹھا کہ اب میں نہیں چل سکتا، ہوا تیز چل رہی تھی اور ہر طرف اندھیرا تھا خوفناک پہاڑ آگے پیچھے دائیں بائیں تھے اور ہم لوگ دعائیں کرتے ہوئے اور ذکر کا ورد رکھتے ہوئے چلتے رہے کہ ناگاہ ایک طرف سے روشنی نظر آئی اس روشنی کی سمت چل دیئے، چونکہ پہاڑوں کا راستہ تھا اور اُترنا چڑھنا پڑ رہا تھا۔ اس لئے وہ روشنی کبھی نظر آتی، کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتی، بہر حال ہم لوگ اُدھر ہی چلتے رہے، دس بجے رات کو روشنی کی جگہ پہنچ گئے، وہاں دیکھتے کیا ہیں کہ بدوؤں کے چند خیمے لگے ہیں۔ ان کو دیکھ کر جان میں جان آئی۔ اور ہم سب نے ایک آواز ہو کر پکارا "یا اہل البیت، یا اہل البیت" اُدھر سے جواب ملا "مَن، مَن" کون، کون؟

ہم نے کہا، "من الحجاج" حاجیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے یہ سن کر بلا لیا اور ایک خیمہ ہمارے لئے خالی کردیا، تھوڑی دیر بعد ۸۔۱۰ بدو آئے انھوں نے دیکھا کہ ہمارے پاس پانی ہے تو انھوں نے کچھ کھجور پیش کئے اور اس کے بدلے میں پانی مانگا، چونکہ ہمارے پاس پانی بہت کم تھا اور آگے کا راستہ طے کرنا تھا، اس لئے ہم نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور امیر جماعت نے ریاض الصالحین سنانی شروع کردی۔

صبح ہوئی تو بدوؤں سے ایک اونٹ کرایہ پر لیا جو چالیس روپے پر طے ہوگیا۔ بدو نے اپنے لڑکے کو ساتھ دیا کہ وہ راستہ بھی بتلائے گا اور اونٹ بھی واپس لائے گا۔ اس اونٹ پر دو دو آدمی باری سے بیٹھتے، آگے چل کر وہ جمّال اس پر راضی نہیں ہوا کہ دو دو آدمی اونٹ پر بیٹھیں، ہم لوگوں نے کہا کہ تمھارے باپ سے یہی طے ہوا ہے، وہ بولا نہیں، ہم نہ بٹھائیں گے۔ صرف سامان رکھئے، اس پر جھگڑا ہوگیا، ایک ساتھی نے ذرا سختی سے کام لیا جس سے وہ جمّال لڑکا اونٹ چھوڑ چھاڑ بھاگ نکلا، ہم لوگ پریشان ہوئے کہ اس اونٹ کا کیا ہوگا اور ہم راستہ کیسے طے کریں گے، اس لڑکے نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور ہم مجبور ولاچار آگے بڑھے مگر چند ہی قدم چلنے پر راستہ بھول گئے۔ ریت بہت زیادہ تھی، چلنا دشوار ہورہا تھا اور رات سر پر آگئی تھی۔ جماعت کا ہر فرد تھک کر چور ہوچکا تھا، چارو ناچار ایک جگہ رُکنا پڑا۔ دو دو آدمی سوتے باقی جاگتے۔ خدا خدا کرکے رات کٹی، چائے بنا کر پی اور صبح ہوتے ہی پھر چل دیئے۔ عصر تک چلتے رہے، پیچھے مڑ کر دیکھتے رہے کہ بدو آتا ہے کہ نہیں۔ کچھ ہی دیر بعد ایک اونٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔ قریب جب پہنچا تو اس پر وہی جمال تھا، پہونچتے ہی وہ رُکا اور بجائے ہم سے کچھ کہنے کے چاروں طرف نظر اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے لگا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو، جماعت والوں نے اسکو نرم لہجے سے بٹھایا، جمال نے وہ چالیس روپے جو ہم نے اس کو اونٹ کرایہ پر لیتے ہوئے

دیئے تھے، واپس کرنے کی کوشش کی، جماعت والوں نے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ راستہ ہم لوگ نہیں جانتے ہمارے ساتھ آگے چلو اور راستہ بتلاؤ۔ جمال بولا، کل میرا باپ آرہا ہے وہ ساتھ جائے گا، میں نہ جاؤں گا۔ میرے باپ کے ساتھ امیر تبوک بھی آرہا ہے۔ رات ہو چکی تھی، ہم سب ساتھیوں میں سے تین ساتھی ایک غار میں لیٹ کر اندر گھسے باقی دو باہر رہے اور سو گئے جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ بھی غائب ہے اور جمال بھی ندارد، پانی ہمارے پاس اتنا کم تھا کہ کھانا پکاتے ہوئے روٹی تو پکالی مگر دال نہ پکا سکے۔ جمال کے باپ نے یہ کیا کہ راستہ میں امیر تبوک کو جو تبوک جا رہا تھا یہ رپورٹ کر دی کہ چند اجنبی آدمیوں نے میرے لڑکے کو قتل کر دیا، رپورٹ ہوتے ہی پولیس کی دوڑ آگئی اور ناگہانی طور پر خلاف توقع ایک نئی مصیبت ہمارے سروں پر منڈلانے لگی۔

امیر تبوک مع پولیس اور اس بدو کے جس نے رپورٹ کی آپہونچا اور ہم پر سوالات کی بوچھار کر دی، ہم نے خدا پر بھروسہ کر کے صحیح صحیح حالات بیان کر دیئے امیر تبوک نے ہماری صورتوں اور شکلوں کو دیکھا اور ہمارا پورا بیان سنا تو اس کو یقین آگیا کہ ہم لوگ صحیح بیان دے رہے ہیں اور اس بدو نے غلط اور جھوٹی رپورٹ دی ہے۔ تحقیق و تفتیش کرنے کے بعد اس بدو کے پیچھے سے ہاتھ باندھ دیئے اور اس کو اور ہماری پوری جماعت کو ٹرک پر سوار کیا اور اپنی منزل کو روانہ ہو گیا، خدا نے اس صورت سے ہماری غیبی مدد کی اور کھانے پینے کا سوال ہی ختم ہو گیا اور پیدل چلنے سے بچ گئے۔ ایک بجے دن کو مقام اخضر پہنچ گئے، وہاں امیر نے پڑاؤ کیا۔ ہماری موٹر کے پہنچنے سے پہلے پولیس کی ایک موٹر پہنچ چکی تھی، اس نے کھانا تیار کر رکھا تھا، اس کھانے میں جماعت کو بھی شریک کیا گیا، ظہر کی نماز پڑھ کر پھر روانگی ہوئی، عصر تک چلتے رہے۔ امیر نے راستے میں دو ہرن شکار کئے اور ٹرک میں رکھ دیئے۔ عصر کے بعد جماعت نے اپنا کھانا پکانا شروع کیا۔ قاضی بھی

ساتھ تھا اس نے پوچھا کہ تم اپنا کھانا الگ کیوں پکا رہے ہو، جماعت نے اپنا اصول بتایا، قاضی بولا، یہ امیر کی توہین ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تم کھانا الگ کھاؤ، جماعت نے کچھ دیر کے بعد امیر سے اس بدو کے چھوڑنے کی سفارش کی جس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے، قاضی نے جواب دیا کہ ابھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پوری تحقیق و تفتیش کے بعد چھوڑا جا سکتا ہے تبوک پہنچ کر جماعت ایک مسجد میں ٹھہر گئی لیکن پولیس نظر رکھے رہی، مدیر شرطہ نے یہ کہا کہ تم کو پیسے مل جائیں گے۔ امیر علی کو تار دیا گیا جس کا جواب اُس نے یہ دیا کہ اس بدو کا لڑکا جمال یہاں قید میں ہے۔ چوتھے دن جماعت کو بلایا گیا اور وہ چالیس روپے واپس کئے جانے لگے، جماعت نے خیال کر کے کہ سارا کام ہو چکا ہے وہ روپیہ لینے سے انکار کر دیا اور بدو کو ہدیہ کر دیئے اس کو قید سے چھڑا دیا۔

تبوک سے جماعت ٹرک کے ذریعہ عمان (شرق اردن) پہونچی، عمان میں برف پڑ رہی تھی اور سخت سردی تھی، یہاں نمازوں کے بعد مسجدیں بند ہو جاتی تھیں اس لیے جماعت نے تین راتیں برآمدہ میں گزاریں، سامان کم تھا اس لئے کمبل اور چٹائی ملا کر اوڑھتے تھے۔ دو گھنٹے سوتے باقی رات سکڑے ہوئے گزار دیتے۔ چوتھے دن قاضی سے ملنے گئے، سکریٹری نے کہا کہ قاضی مشغول ہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم سائل بن کر آئے ہیں، ایک رجسٹر لایا اور کہا کہ دستخط کرو، ہم نے پوچھا "کیوں" اس نے جواب دیا کہ قاضی نے دو دو دینار دینے کو کہا ہے، ہم نے کہا ہم اس لئے نہیں آئے ہیں ہم صرف ملاقات کرنے کو آئے ہیں۔ سکریٹری نے قاضی سے جا کر یہ بات کہہ دی۔ قاضی نے فوراً بلا لیا۔ ہم نے جاتے ہی یہ جملہ کہہ دیا کہ ہم کو شیخ ابوالحسن علی ندوی نے بھیجا ہے۔ یہ سن کر قاضی خوش ہو گیا اور پوچھنے لگا کہ شیخ کہاں ہیں ہم نے جواب دیا کہ حج کرنے آئے تھے واپس چلے گئے، قاضی نے اطمینان دلا کر بٹھلایا اور بڑی بشاشت و اپنائیت کے ساتھ بات کی قہوہ منگوا کر پلایا اور تفصیلی حالات پوچھے، رخصت ہوتے وقت ہم سے کہا کہ کل پھر تشریف لائیے اور

ہمارے ساتھ کھانا کھائیے اس وقت اور تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ دوسرے دن صبح آٹھ بجے قاضی کا سکریٹری آیا اور ہم سے یہ کہا کہ آج قاضی ملک کے پاس جائیں گے، آج کے بجائے کل آئیے گا۔

اثنائے گفتگو میں اُس نے یہ دیکھا کہ ہمارے بستر برآمدے میں پڑے ہوئے ہیں، تعجب سے پوچھا "اَنْتُمْ تَبِیْتُوْنَ هٰهُنَا" ہم نے جواب دیا، نعم، ہاں! اس کو بڑی حیرت ہوئی اور واپس جاکر قاضی سے سارا حال کہہ سنایا، قاضی نے متولّی مسجد کو تحریر بھیجی کہ مسجد کھول دی جائے۔ خدا کا کرنا کہ ہم کو مسجد کے اندر اُس مقام پر جگہ ملی جہاں ملک نماز پڑھتے تھے، موٹے موٹے قالین بچھے ہوئے تھے، رات کو خوب آرام سے سوئے۔ ہم کو مقامی بچّے جب دیکھتے تو تالی پیٹ پیٹ کر کہتے "ہندی بابا مسکین، ہندی بابا مسکین" دوسرے دن قاضی کی کار ہم کو لینے آئی تو بچّوں نے کار دیکھ کر اپنے مونہوں پر ہاتھ رکھ لئے اور یہ سمجھ گئے کہ ہم لوگ نہ سائل ہیں اور نہ مسکین۔

قاضی کی ملاقات اور دعوتِ طعام کے بعد شہر کے دوسرے لوگ متوجہ ہوئے اور ہماری تعلیم وغیرہ میں شرکت کی، ایک ہفتہ کے بعد امام مسجد شیخ سلیم نے ہماری ہمدردی کی خاطر ایک تاجر کو اس پر آمادہ کیا کہ اس جماعت کو کچھ رقم دے پھر اس تاجر کا ہم سے تعارف کرایا اور ہم سے یہ کہا کہ یہ ایک ہدیہ دینا چاہتے ہیں تم قبول کرلو، ہم نے شدّت سے انکار کیا، انھوں نے قبول ہدایا کی حدیثیں پیش کیں۔ اس زمانہ میں عمّان میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ فلسطینی مہاجروں کے خیموں میں پانی بھر گیا تھا اور وہ مسجدوں میں ٹھہرے ہوئے تھے، ہم لوگوں نے بجائے خود لینے کے ان مہاجرین کو دینے کی پیش کش کی اور ایک ہفتہ کے بعد بیت المقدس روانہ ہوگئے۔

پانچ مہینے بیت المقدس کے اطراف میں البیرا، طول کرم، جنین، زبید، الخلیل، عذریہ، نابلس، ابودیس، بیت اللحم، اور صلط مقامات پر کام کیا۔ اہلِ خلیل بڑے مہمان نواز

خلیق اور دیندار تھے، الخلیل میں ہم تین چار روز رکے اور مسجدوں میں اجتماعات کرتے رہے ایک مسجد میں بڑا ہجوم ہوگیا، امام نے ہمارا تعارف کرایا اور چندہ کی اپیل کی، اسوقت ہماری جماعت کے صرف دو افراد تھے باقی تین افراد سردی کی وجہ سے واپس ہوگئے تھے، امام نے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے رومال بچھا دیا۔ ہم نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ امام نے کہا، هذا شئ بسيط (یہ معمولی چیز ہے) ہم نے سختی سے روکا اور کہا کہ ہم واپس ہو جائیں گے۔ مسجد صخرہ میں رمضان مبارک کے دنوں میں عصر و مغرب کے درمیان کئی سو آدمی جن میں مرد و عورت دونوں ہوتے، جمع ہوجاتے اور حلقے بناتے روزانہ ایک پارہ پڑھا جاتا اور سننے والے سرور وکیف میں ڈوب جاتے۔ جب رحمت کی کوئی آیت آتی تو سارا مجمع ایک زبان ہوکر یا سلام کہتا اور جھوم اٹھتا اور جب عذاب کی آیت آتی تو یا لطیف کہہ کر جھرجھری لیتا، کچھ دنوں بعد ہم نابلس گئے، دن میں مسجدوں میں کام کرتے اور رات ایک ہمدم و مہربان ساعاتی (گھڑی ساز) کے یہاں گزارتے اس ساعاتی کو خدا نے ایسا مہربان کر دیا تھا کہ وہ تبلیغی باتیں سن سن کر ہر وقت ہمارے ساتھ رہتا۔ ایک دن ہم تبلیغ کا کام کر رہے تھے کہ پولیس نے ہم کو یہودی جان کر قائد الجیش کے یہاں پہنچا دیا، قائد الجیش نے ہم سے پوچھا "کیا عبرانی زبان جانتے ہو؟" ہم نے کہا، نہیں، اس نے پھر پوچھا "قرآن شریف پڑھنا جانتے ہو؟" ہم نے کہا "ہاں"۔ اور پھر پڑھ کر سنایا وہ مطمئن ہوگیا اور ہم کو چھوڑ دیا۔ ہم نے سارے قصبات میں پھر پھر کر کام کیا اور کام کے تأثرات کو امام مسجد اقصیٰ کو جا کر سنایا جس سے وہ بہت متأثر ہوئے۔

تقریباً پانچ مہینے کے بعد ہم شام میں داخل ہوئے اور وہاں پر مختلف علاقوں میں کام کیا، اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر ہماری مدد فرمائی اور باوجود مجاہدوں اور مشکلات کے آسانی پیدا فرمائی۔ عربوں نے بڑے اخلاق اور تواضع سے کام لیا اور جماعت کا استقبال کیا اور خدا کی راہ میں ہمارے ساتھ پھرے اور ہمارے اس سفر

سے تبلیغی جماعتوں کے لئے راہیں کھُلیں، وہ اجنبیت جو اب تک مقامی باشندوں اور جماعت والوں کے درمیان تھی وہ دور ہوئی اور اُن سے محبت کا تعلق پیدا ہوگیا۔"

ہم مذکورہ بالا چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان سے پیدل جماعتوں کے نظام و طریقۂ کار اور اس راہ میں جن مجاہدات سے گذرنا ہوتا ہے ان کی اچھی خاصی تصویر آگئی ہے۔ مزید واقعات کا ذکر طوالت کے خوف سے نہیں کرتے۔

تیرھواں باب

حج اور عمرے

دیکھا ہے اک جہان خاص میں نے کبھی کبھی جگر
حسن سے بھی بلند تر عشق سے بھی لطیف تر

مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنی زندگی میں تین حج اور دو عمرے کیے۔ پہلا حج حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہی میں ۱۳۵۶ھ میں کیا تھا جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں تفصیل سے آچکا ہے، یہ وقت وہ تھا جب کہ مولانا محمد یوسف صاحب کو دعوت و تبلیغ سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اس وقت مولانا کی عمر تقریباً ۲۱ سال کی تھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ساتھ تھا اس لئے مولانا محمد یوسف صاحب بھی عرب میں بعض تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوئے اور ایک اجتماع میں عربی زبان میں شستہ تقریر بھی کی۔ یہ مولانا کی عربی میں پہلی دعوتی تقریر تھی ورنہ علمی شغف اور کتابوں کے جمع کرنے اور مطالعہ اور ارکان حج کے ادا کرنے کے علاوہ اور کوئی خاص مشغلہ نہ تھا۔

دوسرا حج پہلے حج کے اٹھارہ سال بعد یعنی ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں دوسرا حج کیا اس حج کی چند خصوصیات تھیں۔ اس حج میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی بھی

مع اپنے گھروالوں کے تشریف لے گئے تھے اور بمبئی سے دونوں بزرگ مع اپنی مستورات کے ایک ہی جہاز پر سوار ہوئے، مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے خاص رفقاء کے ساتھ حج میں تشریف لے گئے جن میں ۱۱ مستورات تھیں ۱۱ بچے تھے اور ۱۱ ہی مرد تھے اور بارہویں مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی تھے۔

اس حج میں مختلف جہازوں سے ہندو پاک کے ایک ہزار تبلیغی احباب بھی گئے تھے مولانا محمد یوسف صاحب کا چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعد یہ پہلا حج تھا اور اس حج سے پہلے حجاز میں تبلیغی کام رواج پا چکا تھا اور مقامی عرب اور غیر عرب باشندے اس کام میں لگ چکے تھے، مولانا کا شدت سے انتظار تھا، اس لئے مولانا کے تشریف لے جانے سے مکہ مکرمہ، جدہ، مدینہ منورہ میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور کام کا خوب استقبال ہوا، جماعتوں کی وسیع پیمانے پر نقل وحرکت عمل میں آئی۔

مولانا کا حج کے دوران یہ معمول تھا کہ برابر اپنے خصوصی رفقاء کو اپنے حالات سے مطلع فرماتے اور تبلیغی کام کے فروغ کی ترغیب فرماتے رہے۔ اس حج کے دوران مولانا نے ایک طویل مکتوب ہندوستان روانہ کیا تھا جس میں اس کام کے فضائل، تفریغ اوقات اور جہد ومشقت کی ترغیب فرمائی، اس مکتوب کے آخر میں فرمایا:۔

"جب کہ آپ کی جماعتیں بیت اللہ و بیت الرسولؐ میں باوجود اپنی بے بضاعتی اور کمزوریوں کے اس عمل میں مشغول ہیں ان کی رعایت و پشت پناہی اس میں ہے کہ آپ بہت فکر کے ساتھ مختلف سوبوں کیلئے پیدل وسواری کی جماعتیں نکالیں، اپنے ماحول کے لئے جتنے اوقات کی ہو سکیں جماعتوں کا پھیر ڈالیں، مقامی گشت وتعلیم وتسبیحات کا اہتمام کریں اور ہمارے اس سفر کے مقبول وبارآور ہونے کے لئے بہت ہی دعاؤں کا اہتمام کریں۔

اس سفر حج کے سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رقم طراز ہیں:۔

• "۱۴ شوال ۷۴ھ مطابق ۶ جون ۵۵ء دوشنبہ کی شام کو مولانا محمد یوسف صاحب مع اپنی والدہ و اہلیہ اور میری لڑکیوں کے دھلی سے بمبئی کے لیے برائے حج وہیرہ اکسپریس سے روانہ ہوئے اور ایک دن بعد منگل کی شام کو اسی گاڑی سے دیوبند سے حضرت اقدس مدنیؒ مع اپنے اہل وعیال بمبئی کے لئے روانہ ہوئے اور یہ سب جملہ حضرات ۲۱ شوال ۷۴ھ مطابق ۱۳ جون ۵۵ء دوشنبہ کی صبح کو بمبئی سے محمدی جہاز پر سوار ہوئے۔ پانچ بجے شام کو جہاز روانہ ہوا، میرا بھی امسال جانے کا خیال تھا اور مولانا یوسف صاحب کا بھی اصرار تھا، لیکن حضرت اقدس رائے پوری کی علالت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو بہت زیادہ ہی بڑھتا چلا گیا۔ حضرت اقدس رائے پوری کی منصوری میں طبیعت زیادہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے دو تین تار اور قاصد مجھ کو منصوری لے جانے کیلئے آئے۔ ۲۹ شوال سہ شنبہ کو محمدی جہاز جدہ پہونچا۔ حضرت اقدس مدنیؒ مع اپنے اعزار کے ہوائی جہاز سے مدینہ روانہ ہو گئے، مولانا یوسف صاحب مولوی انعام صاحب جدہ میں اپنے مشاغل کی وجہ سے ٹھہر گئے اور جملہ مستورات بھائی سلیم ماموں یامین کے ساتھ موٹروں سے مکہ پہنچ گئیں۔"

جدہ کے اجتماعات اور تبلیغی مشاغل کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ جدہ کے یہ اجتماعات کام کے لئے بہت مبارک ثابت ہوئے، مولانا کی دعوتی تقریروں اور مخصوص انداز میں مجلسی گفتگوؤں سے شرکاء اجتماعات اور سامعین پر گہرے اثرات پڑے، ادھر مدینہ منورہ سے حضرت مدنیؒ ۶ ذی الحجہ ۷۴ھ مطابق ۲۷ جولائی ۵۵ء کو مع اپنے اہل وعیال و برادر اصغر مولانا سید محمود کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے، مولانا محمد یوسف صاحب کا مکہ مکرمہ میں ۲۳ ذی الحجہ

تک قیام رہا اور قیام کے دوران برابر اجتماعات ہوتے رہے، حتیٰ کہ منیٰ، عرفات تک میں تبلیغی کام ہوا، منیٰ کے تین روزہ قیام میں اہم اجتماعات ہوئے اور مولانا کے برابر خطاب ہوتے رہے، اسی حج کے دوران مقامِ حُجرُف میں مولانا نے ڈھائی گھنٹے بڑی رُدح پرور عربی میں تقریر کی۔ اس اجتماع میں مختلف ممالک کے اہل عرب جمع تھے۔ یہ اجتماع بعد مغرب ہوا۔

حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد مولانا کا تقریباً دس دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ اس دس روزہ قیام میں کئی اجتماعات ہوئے اور مولانا نے خطاب کئے، ہندو پاک کے آئے ہوئے ایک ہزار تبلیغی رفقاء نے گشتوں، اجتماعات اور چھوٹے چھوٹے سفروں اور طویل دوروں کے ذریعے تبلیغی کام کی بڑی اشاعت کی۔

۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۳ر اگست ۱۹۵۵ء کی شام کو مولانا مع اپنے رفقا کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور دوشنبہ کی صبح کو مدینہ منورہ پہونچے، مدینہ منورہ میں ایک چلّہ (چالیس دن) قیام کیا اور اجتماعات منعقد کئے اور ۲۲ر ستمبر کو جدّہ سے ہندوستان روانہ ہوئے گویا مولانا محمد یوسف صاحب کا حجاز میں ۲۱ر جون تا ۲۲ر ستمبر ۳ ماہ ایک دن قیام رہا۔ ان دنوں میں بکثرت اجتماعات ہوئے اور بے شمار مجلسی گفتگوئیں ہوئیں۔ ہزاروں اشخاص سے ملاقاتیں ہوئیں اور سیکڑوں جماعتوں کی نقل و حرکت ہوئی۔

مولانا محمد یوسف صاحب ۴ر صفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء بروز پنجشنبہ بوقت صبح جدہ سے روانہ ہو کر جمعہ کے دن بتاریخ ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء بوقت صبح بمبئی پہونچے (اس سے پہلے مولانا حضرت سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اسلامی جہاز کے ذریعہ ۴ر ذی الحجہ مطابق ۱۷ر اگست بروز چہارشنبہ صبح کے وقت بمبئی پہنچ چکے تھے) بمبئی کے رفقاء کار نے مولانا کی آمد کو بسا غنیمت اور نعمت کبریٰ سمجھا اور ایک اجتماع رکھ لیا۔ یہ اجتماع تین دن کا تھا جو شنبہ، یکشنبہ اور دوشنبہ کو ہوا، مولانا نے اس اہم اور بڑے اجتماع میں شرکت فرمائی

اور دوشنبہ ۱۵ر صفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ہی کو شام کے وقت وہرا اکسپریس سے دہلی روانہ ہوگئے۔ ۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کی صبح کو دہلی پہونچے، مستورات مع سامان ورفقاء کے نظام الدین کے اسٹیشن پر اُتر گئے اور اپنی قیام گاہ بنگلہ والی مسجد بخیر وخوبی پہنچ گئے۔

مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام صاحب دہلی جنکشن پر اُترے اس لئے کہ وہاں ان بزرگوں کے استقبال کے لئے بڑا ہجوم اکٹھا ہوگیا تھا اور سراپا شوق بن کر ان حضرات کی آمد کا منتظر تھا، دہلی میں چند دن قیام فرماکر حسب معمول اپنے اکابر کی خدمت میں دیوبند، سہارنپور اور رائے پور حاضری دی حضرت شیخ اپنی یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”مولانا یوسف صاحب کا ۹ر اکتوبر اتوار کو سہارنپور اور رائے پور آنے کا نظام تھا مگر بارش اور طوفان کی وجہ سے ریلوں کا نظام گڑبڑ تھا اس لئے تین گھنٹے ریل میں بیٹھ کر دہلی واپس چلے گئے۔ دہلی سے سہارنپور کی ریلیں بند تھیں۔ صرف اکسپرس کرنال ہوکر آتا تھا اسی سے مولانا یوسف صاحب کرنال کے راستے سے ۲۷ر صفر مطابق ۱۵ر اکتوبر شنبہ کو سہارنپور پہونچے۔ یکشنبہ کی صبح دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضری دے کر شام کو واپس آئے اور اسی وقت بذریعہ کار رائے پور گئے۔ منگل ۱۸ر اکتوبر کی صبح کو رائے پور سے واپس آکر شام کو کاندھلہ روانہ ہوئے۔ جمعرات کی صبح کو وہاں سے نظام الدین کے لئے روانگی ہوئی، لیکن سڑک خراب تھی اور ریل بھی بند اس لئے بڑی دقت کے ساتھ شام تک نظام الدین پہنچے“۔

پہلا عمرہ مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنی زندگی میں مستقل طور پر دو عمرے کئے پہلا عمرہ ستمبر ۱۹۵۹ء مطابق صفر ۱۳۷۹ھ میں کیا۔ اس عمرہ کا پہلے سے کوئی

نظام نہ تھا بلکہ اچانک مشورہ کر کے کیا گیا ۱۲ رصفر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۸ راگست ۱۹۵۹ء سہ شنبہ کو مولانا محمد انعام الحسن صاحب ریل سے مستورات کا سامان لے کر سہارن پور پہنچے اور بعد عصر مولانا محمد یوسف صاحب مع مستورات کار سے پہنچے۔ جمعرات کی صبح کو بذریعہ کار کاندھلہ گئے اور دوپہر گزار کر نظام الدین پہنچے۔

مولانا نے عمرہ کا سفر ۲۷ رصفر ۱۳۷۹ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۵۹ء کو شام کے وقت دہلی سے شروع کیا اور ۲۸ رصفر کی شام کو بمبئی پہنچے۔ اس سفر میں مولانا انعام الحسن صاحب اپنی بیماری کی وجہ سے ساتھ نہیں ہو سکے بلکہ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ ہند و پاک کے کثیر تعداد میں احباب و رفقا ساتھ ہوئے۔ تقریباً ۱۰۸ ساتھی تھے۔ مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری ایک ہفتہ کے بعد ۱۶ ساتھیوں کے ساتھ قافلے سے جا ملے،

دہلی سے بمبئی تک راستہ میں تقریباً ہر اسٹیشن پر حد سے زیادہ ہجوم ہو جاتا تھا لوگ بڑے جوش اور جذبہ سے استقبال کرتے اور پُر نم آنکھوں سے الوداع کہتے، آدمیوں کا ایک سیلاب ہوتا جو مولانا کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتا اور اس مبارک قافلہ کے ساتھ جانے کی حسرت کرتا، بمبئی کے پلیٹ فارم پر تو عجیب عالم تھا، اتنا بڑا ہجوم کم ہی دیکھنے میں آیا ہوگا، ریلوے کو مجبور ہو کر ہجوم کی زیادتی کی بنا پر پلیٹ فارم ٹکٹ معاف کر دینا پڑا، اس لئے کہ اتنے زیادہ ٹکٹ سپلائی کرنے کا نہ وقت تھا نہ انتظام ہی ہو سکتا تھا۔

بمبئی کئی دن قیام رہا، گذشتہ حج سے واپسی پر جس طرح اہل بمبئی نے اجتماعات کا انتظام کیا تھا اسی طرح اس مرتبہ بھی مولانا کے عمرہ کرنے کے لئے جاتے وقت بھی اجتماعات کا انتظام کر لیا۔ مولانا کے دوران قیام کئی اجتماعات ہوئے اور جماعتوں کی خوب ہی تشکیل کی گئی ان میں سے اکثر حجاز اور دوسرے ممالک کیلئے بھیجی گئیں۔

۷ ستمبر ۵۹ء دوشنبہ کو ایک بج کر ۴۰ منٹ پر ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی روانہ ہوئے ۲½ بجے کراچی پہونچے، کراچی رکنے کا کوئی پروگرام نہ تھا نہ اس کی گنجائش تھی لیکن کراچی کے اہل محبت اور اہل تعلق نے کوشش کر کے تھوڑی دیر کے لئے شہر جانے کی اجازت حاصل کر ہی لی اور مغرب کے بعد مکی مسجد میں مولانا کی آمد کی تقریب میں ایک بہت بڑا اجتماع منعقد کیا گیا جس میں مولانا کا بڑا ولولہ انگیز خطاب ہوا۔ حالانکہ بمبئی سے روانہ ہونے کے بعد ہی سے نیند اُڑ چکی تھی اور تکان بہت زیادہ ہو چکی تھی مگر خدا نے مولانا کو عزم و یقین کی ایسی دولت عطا فرمائی تھی جس کے سامنے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اور ہزار موانع بھی بے تکان بولنے سے نہیں روک سکتے تھے۔"

اسی رات کو بعد نماز عشا ۱½ بجے ہوائی جہاز نے پرواز کی اور ۵ بجے صبح ظہران پہنچا۔ ظہران کے ہوائی اڈہ پر بعض تبلیغی احباب جو پہلے سے عرب علاقوں میں کام کر رہے تھے، ملے اور شریک سفر ہو گئے۔

۱۲ ستمبر کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مکہ مکرمہ میں ۲۵ ستمبر تک قیام رہا۔ قیام مدرسہ صولتیہ میں تھا۔ مولانا کے عمرہ کی خبر دور دور تک پہنچ چکی تھی اس وجہ سے لوگ جوق درجوق آتے رہے اور عمرہ بھی کیا اور شریک اجتماعات بھی رہے۔ ۱۳ جماعتیں مختلف ممالک روانہ کی گئیں۔ ایک جماعت مصر بھیجی گئی جس کے امیر خدا بخش صاحب تھے، ایک جماعت سوڈان اور حبشہ گئی اس کے امیر میاں جی محراب ہوئے۔

عموماً جماعتوں کی تشکیل مکہ مکرمہ میں ہوتی تھی لیکن جماعتوں کی رخصتی اور روانگی مسجد نبوی مدینہ منورہ سے ہوا کرتی تھی۔

۲۵ ستمبر ۱۹۵۹ء کو بعد نماز جمعہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں دو ہفتہ قیام فرمایا، ان دو ہفتوں میں کئی اجتماعات ہوئے اور مولانا کے شب و روز خطاب ہوئے اور

جماعتوں کو حسبِ دستور دوسرے ممالک میں روانہ کیا گیا۔

۹؍اکتوبر ۱۹۵۹ء کو بعد نماز جمعہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں ۱۲ دن قیام فرمایا، اثنائے قیام میں مکہ مکرمہ، جدہ اور طائف میں اجتماعات ہوئے جن میں مولانا نے خطاب فرمائے۔ ۲۱؍اکتوبر کو بذریعہ ہوائی جہاز ظہران تشریف لے گئے ظہران میں اجتماع کیا گیا، ظہران میں دو دن قیام فرمایا اور ۲۳؍اکتوبر کو ظہران سے بحرین تشریف لائے۔ بحرین تک کا سفر ہوائی جہاز سے کیا۔ بحرین سے پانی کے جہاز کے ذریعہ کراچی ۲۸؍اکتوبر کی صبح کو ۶ بجے پہنچے، کراچی میں شام تک قیام فرمایا شام کو ۷ بجے روانہ ہوئے اور جمعہ کی صبح کو بمبئی پہنچے، بمبئی میں دو دن قیام فرمایا، بمبئی میں جمعہ اور سنیچر کے دن گزار کر رات کو ۱/۲-۱۰ بجے پٹھان کوٹ اکسپرس سے چل کر دوشنبہ ۲؍نومبر مطابق ۲۹؍ربیع الثانی کی صبح کو ۶ بجے نئی دہلی پہونچے اور نظام الدین ایسے وقت پہنچے کہ صبح کی نماز کی تکبیر ہو رہی تھی۔[1]

مولانا کا یہ پہلا عمرہ عرب ممالک میں کام کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ثابت ہوا، دور دراز ملکوں میں جماعتیں روانہ ہوئیں اور ان جماعتوں سے عرب ممالک کے دور دور کے علاقوں میں کام ہوا اور مقامی باشندے تبلیغی کام سے لگے اور مقامی گشت اور تبلیغی دوروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

دوسرا عمرہ مولانا محمد یوسف صاحب نے دوسرا عمرہ ۱۹۶۱ء میں کیا یہ زمانہ بڑا پُرآشوب تھا، دہلی کے اطراف میں فساد ہو رہا تھا اس کے علاوہ بارش بکثرت ہو رہی تھی جس کی وجہ سے راستے مسدود تھے اور غیر محفوظ بھی۔ اس حالت میں مولانا نے عمرہ کا سفر فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں:۔

"فسادات کی بہت کثرت ہو رہی تھی اور بارش کی کثرت کی وجہ سے

---

[1] اقتباس از یادداشت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ۔

راستے بالکل مسدود تھے، مسلمان نہ ریل سے سفر کر سکتے تھے نہ کار وغیرہ سے اور مولانا یوسف صاحب کا سفرِ عمرہ قریب اور ان کی عدم موجودگی میں مستورات کا نظام الدین چھوڑنا اور بھی مشکل تھا، میرے بار بار منع کرنے کے باوجود مولانا یوسف صاحب ۲ رجمادی الاول سنہ ۸۱ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۶۱ء جمعہ کی صبح کو اللہ کا نام لے کر اپنی کار میں مع مستورات کے روانہ ہو گئے جمعہ کے وقت کاندھلہ پہونچے اور حجی صاحبہ (اہلیہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کو ان کی اور اہل کاندھلہ کی خواہش پر کاندھلہ چھوڑ کر بقیہ سب کو لیکر عصر کے وقت سہارن پور پہونچے اور اسی وقت مستورات کو سہارنپور چھوڑ کر مجھ کو لیکر رائے پور روانہ ہو گئے، چونکہ عمرہ کا سفر بہت قریب تھا اسلئے دوسرے ہی دن رائے پور سے چل کر کاندھلہ تھوڑی دیر ٹھہرتے ہوئے اسی دن شام کو نظام الدین پہنچ گئے اسلئے کہ ۱۷ اکتوبر سنہ ۶۱ء منگل کی شام کو انکا طیارہ سے براہ کراچی عمرہ کیلئے جانا طے ہو چکا تھا۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے ہمراہ اس عمرہ کے سفر میں حسبِ ذیل اشخاص تھے۔ (۱) مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی (۲) حاجی نسیم صاحب بٹن والے (۳) حکیم شریف صاحب۔ ۴۔ حافظ عبدالعزیز صاحب (۵) حاجی محمد شفیع صاحب دہلوی (۶) حاجی عزیز الرحمان صاحب دہلوی

جس دن مولانا کا سفرِ عمرہ تھا اس دن نظام الدین میں حد سے زیادہ ازدہام تھا۔ اندر باہر آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ مولانا کا صدر دروازے سے نکلنا ناممکن ہو گیا۔ اس لئے حجرے کے سامنے کے کواڑ بند کر کے عقب کے دروازے سے چپکے سے کار میں بیٹھ کر اڈہ پر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے کسٹم والوں کے دلوں میں ایسا رحم پیدا کر دیا کہ انھوں نے خود ہی مولانا اور ان کے رفقاء کا سامان اٹھا کر جہاز پر پہنچا دیا۔

مولانا ہمیشہ سفر شروع کرتے وقت دُعا فرمایا کرتے تھے، اس وقت بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور حسبِ معمول طویل دعا کی، جہاز کا وقت ہو گیا جہاز کے افسر نے پانچ چھ منٹ اور انتظار

کیا اور پھر آکر عرض کیا کہ تاخیر ہوچکی ہے، مولانا نے دعا ختم کردی اور جہاز میں جاکر بیٹھ گئے اور جہاز روانہ ہوگیا۔ جہاز کی روانگی کا وقت ۹ بج کر ۲۰ منٹ تھا اور کراچی پہنچنے کا وقت ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ تھا، جہاز چند منٹ تاخیر سے روانہ ہوا مگر کراچی پہنچنے کے وقت سے بیس منٹ قبل ہی کراچی پہونچ گیا۔ یعنی ۱۱ بج کر ۵۰ منٹ پر۔ مولانا جب جہاز پر سوار ہوئے تو گانا ہو رہا تھا مگر مولانا کے منع کرنے سے گانا روک دیا گیا۔

کراچی پہونچتے ہی مولانا اور ان کے رفقا فوراً مکی مسجد روانہ ہوگئے، مکی مسجد ساڑھے بارہ بجے پہونچے، کراچی میں ۲۴ گھنٹے قیام رہا۔ دوسرے دن بدھ کی شام کو ظہران روانہ ہوئے، ظہران میں دو دن قیام فرمایا، صبح کو ایک بڑا اجتماع ہوا، مولانا نے اس اجتماع میں ڈیڑھ گھنٹہ عربی میں تقریر فرمائی، جنھوں نے اس تقریر میں شرکت کی ان کا بیان ہے کہ تقریر بڑی جامع اور واضح تھی، اس تقریر کا عربوں پر بڑا اثر پڑا۔

اس سفر میں مولانا کے سفر کی وجہ سے عمرہ کرنے والوں کی تعداد ۲۰۰ کے لگ بھگ ہوگئی، مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری ۳۳ آدمیوں کو لے کر بمبئی سے عراق روانہ ہوئے۔ پھر دوسرے ممالک سے ہوتے ہوئے عمرہ میں شریک ہوئے پاکستان سے بکثرت آدمی ہوائی اور بحری راستوں سے گئے۔ خدا بخش صاحب کے ہمراہ ۳۰ حضرات ۲۰ ستمبر کو براہ بحرین عمرہ کرنے گئے، ۷ ر اکتوبر کو عبدالوہاب صاحب کے ہمراہ ۳۵ آدمی روانہ ہوئے، مولانا محمد یوسف صاحب کے ہمراہ پاکستان سے قریشی صاحب، افضل صاحب سلطان فونڈری والے، حاجی احمد شاہ، سلطان خان صاحب ہوئے۔

۵ ر رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۴ ر دسمبر ۱۹۶۱ء بروز پنجشنبہ صبح کے وقت ۷½ بجے کراچی واپس پہنچے، کراچی میں ۳ دن قیام فرمایا، اُن تین دنوں میں صبح و شام اجتماعات

ہوئے، یہ مولانا کی عزیمت کی بات تھی کہ مسلسل سفر وحضر میں بولتے رہتے تھے اور گھنٹوں بولتے رہتے تھے لیکن تکان کا نام نہ ہوتا، ہوائی اڈہ ہو یا اسٹیشن کوئی جلسہ ہو یا کوئی تقریب ہر جگہ جوش و خروش، مستقل مزاجی اور عزم ویقین سے بولتے چلے جاتے اور مستقل مزاجی کی وہی شان نظر آتی۔

۸ ر رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۷ ر دسمبر ۱۹۶۱ء بروز شنبہ ۴ بجے شام کو کراچی سے سوار ہوکر شب کو دہلی کے پالم ہوائی اڈہ پر اُترے۔

ہوائی اڈہ پر باوجود منع کرنے کے ۳۰۰ کے لگ بھگ لوگوں کا مجمع ہوگیا اور نظام الدین پہنچتے پہنچتے مرکز میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی لیکن دوسرے ہی دن دوشنبہ کو ۹ بجے صبح مولانا محمد یوسف صاحب سہارنپور اور رائپور اپنے دونوں اکابر حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں حاضری دینے روانہ ہوگئے، چونکہ بارش کثرت سے ہورہی تھی اس لئے بعد مغرب سہارن پور پہنچے اور چہارشنبہ کی صبح کو حضرت شیخ کے ہمراہ رائے پور روانہ ہوگئے اور بدھ کو صبح ۱۰ بجے سہارنپور واپس ہوئے اور بعد عصر سکری کے اجتماع میں تشریف لے گئے جو عمرہ کے پہلے سے طے ہوچکا تھا۔

آخری حج

مولانا محمد یوسف صاحب کا آخری حج ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں ہوا مولانا نے پہلا حج حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ہمراہ کیا، دوسرا حج ۱۳۷۴ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے ساتھ کیا، تیسرے حج کے وقت ان اکابر میں کوئی بقید حیات نہ تھا۔ مولانا کی یہ دلی خواہش تھی کہ حج جیسا مبارک سفر کسی بزرگ کے ہمراہ ہونا چاہیئے، حالاں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود مولانا کو بزرگی کی دولت عطا فرمائی تھی مگر وہ اپنے لئے اس کو لازمی جانتے تھے کہ کوئی ان کا شفیق بزرگ ساتھ ہو، اسلئے حضرت شیخ الحدیث سے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنی معذوریوں

اور بیماریوں کی بناء پر عذر کر دیا۔ اس سے پہلے والے حج میں بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی تھی لیکن حضرت اقدس رائے پوری کی شدید علالت کی بنا پر حضرت شیخ نہ جا سکے تھے، اس مرتبہ مولانا نے ساتھ چلنے پر شدید اصرار کیا اور اس سلسلہ میں ایک مشورہ بھی رکھ لیا، حضرت شیخ اس اصرار و انکار اور پھر آمادگی کا حال اپنے الفاظ میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا یوسف صاحب کے سفر حج کا سلسلہ تو عرصہ سے چل رہا تھا اور تحریرات و تقریرات میں اس کا روز افزوں تاکد ہوتا ہی جاتا تھا یہ اجتماع اس کی تشکیل راستے اور تواریخ وغیرہ کے تعین کے واسطے تھا جس میں منجملہ دیگر امور کے میری شرکت سفر بھی مولانا یوسف صاحب مرحوم کے نزدیک اہمیت رکھتی تھی۔ عزیز موصوف جب اس سے پہلے ۱۳۷۴ھ میں مستورات کے ساتھ حج کو گئے تھے تو اس وقت بھی مجھ پر ساتھ چلنے پر اصرار کیا تھا۔ اور چونکہ اس سفر میں حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی بھی معیت تھی اس لئے میری خود بھی خواہش جانے کی تھی، اور امراض کا سلسلہ بھی ایسا نہیں ہوا تھا جو سفر میں مانع ہو۔ اس وقت یہ طے پا گیا تھا کہ یہ حضرات بحری جہاز سے چلے جائیں اور میں آخری ذی قعدہ میں طیارہ سے آجاؤنگا مگر ان سب کی روانگی کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز ہوگئی اور جب عزیز یوسف کی حج کی روانگی کے بعد میں نے حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ سے ایک دو دن کے لئے نظام الدین جانے کی اجازت چاہی تو حضرت اقدس نے نہایت ہی رنج و قلق سے یہ فرمایا کہ مجھے اس حال میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ اس پر میں نے نہ صرف نظام الدین کا ارادہ ملتوی کیا بلکہ سفر حج کا ارادہ بھی دل سے نکال دیا۔ حضرت رائے پوری کا قیام اس دوران میں مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں رہا مرض دن بدن بڑھتا ہی رہا اور مایوسی کی حالت ہوگئی۔ عید الاضحیٰ کی نماز بھی حضرت اقدس نے مدرسہ قدیم کی مسجد

میں ادا کی، حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو میرے ارادے کا حال جہاز میں
بیٹھنے کے بعد معلوم ہوا حضرت مدنی نے سفر حج کے بعد سب سے پہلی ملاقات
میں سب سے پہلے یہ فرمایا مجھے تمہارے ارادے کا حال جہاز میں بیٹھنے کے بعد معلوم ہوا
اگر جانے سے پہلے یہاں معلوم ہو جاتا تو میں زبردستی تمھیں اپنے ساتھ لے جاتا میں نے عرض
کیا کہ ارادہ تو پختہ تھا مگر حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ
کی روز افزوں علالت کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا جس پر حضرت
اقدس نے سکوت فرمایا، اسی بنا پر مولانا یوسف صاحب کا خیال اسی وقت
سے تھا کہ آئندہ سفر میں مجھ کو ساتھ لے جانا ہے اور کبھی کبھی تذکرے
کے طور پر جب سفر حج کا ذکر آتا تو وہ اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا کرتے
لیکن حضرت اقدس مدنی رح اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ
مرقدہما کے وصال نے مجھ کو سراپا امراض بنا دیا اور جوں جوں مولانا یوسف
صاحب کے سفر کا زمانہ قریب آتا میرا انکار اپنے امراض کی وجہ سے بڑھتا جاتا اس
مشورہ میں جو خاص طور سے حج ہی کے لئے اجتماع ہوا تھا۔ یہ مسئلہ کئی دن تک زیر
بحث رہا، مولانا یوسف صاحب کا شدید اصرار اور میری زور دار معذرت رہی عزیز
مرحوم نے یہ کہا کہ میرا اس سے پہلے سفر حج حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ ہوا تھا
اور اس سے پہلے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس رح) کے ساتھ، اس لئے اس
مرتبہ مجھے آپ کے ساتھ جانے کی شدید ضرورت ہے، اس پر میں نے شدت سے نکیر
کی کہ اب اللہ کے فضل سے تم اس درجہ میں نہیں ہو کہ کسی کا ساتھ ڈھونڈو
بلکہ اس درجہ میں ہو کہ مجھ جیسا تمھارا ساتھ ڈھونڈے۔ جب دلائل سب ختم ہو گئے
تو مرحوم نے بڑی لجاجت سے یوں کہا کہ بھائی میرا جی چاہتا ہے کہ آپ میرے
ساتھ چلیں، میں نے کہا کہ اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں لیکن میری حالت

تم دیکھ رہے ہو۔ مرحوم نے کہا " خوب دیکھ رہا ہوں اور خوب سمجھتا ہوں کہ آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے [۱]"

اس کے علاوہ اہل مکہ و مدینہ کی خواہش کے مسلسل خطوط آتے رہے اور اس راہ کی جو دشواریاں قانونی سلسلہ کی تھیں یا اور کسی طرح کی، مخلصین کی کوششوں سے خود بخود حل ہوتی گئیں اور وقت آنے سے پہلے ہی سارے مراحل طے ہو گئے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

" مولوی یوسف صاحب کی باطنی قوت کچھ ایسی زور کر رہی تھی کہ ہر کام بلا سعی خود ہوتا جا رہا تھا جس پر میں نے بھی یہ سمجھا کہ

قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اور اس ناکارہ کا جانا بھی بالآخر طے ہو ہی گیا"

اس سفرِ حج کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہمراہ حضرت شیخ الحدیث تھے نیز تبلیغی کام کرنے والے خواص کی ایک بہت بڑی جمعیت بھی حج کرنے گئی تھی۔ مولانا اور حضرت شیخ الحدیث نیز مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی اور دوسرے چند رفقا ہوائی جہاز سے گئے باقی حضرات بحری جہازوں سے گئے تھے، مولوی ہارون صاحب صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب بھی پانی کے جہاز سے گئے تھے اور پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے اور ایک روز قبل جدہ پہنچ گئے تھے۔

۶ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۶۴ء حضرت شیخ الحدیث بذریعہ کار جلال آباد تھانہ بھون، جھنجھانہ، کاندھلہ ہوتے ہوئے بعد مغرب نظام الدین پہنچے اور ۲۵ مارچ ۱۹۶۴ء بدھ کی صبح کو یہ مبارک قافلہ فرنٹیئر سے سوار ہو کر جمعرات کی صبح کو بمبئی پہونچا، دہلی سے بمبئی تک ایسے صرف دو اسٹیشن آئے جہاں آدمی کم تھے ورنہ ہر اسٹیشن پر ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا تھا۔

---

[۱] تحریر حضرت شیخ مدظلہٗ

حاجی دوست محمد صاحب بمبئی والے جن کا بھینسوں کا بڑا کاروبار ہے، مولانا محمد یوسف صاحب کے پرانے معتقد اور مخلص ہیں ان کا پہلے سے اصرار تھا کہ یہ حضرات ان کے یہاں قیام فرمائیں جس کو مولانا محمد یوسف صاحب نے قبول فرمالیا تھا۔ یہ مقام بمبئی شہر سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بمبئی کے قیام کے دوران میں شہر میں کئی اجتماعات ہوئے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بار بار حاجی صاحب موصوف کے مکان سے شہر تشریف لاتے اور اجتماعات میں شرکت فرماتے ان اجتماعات میں ہزاروں آدمی شرکت کرتے، جماعتوں کی تشکیل ہوتی۔

۲۹ مارچ ۱۹۶۴ء مطابق ۱۴ ذیقعدہ ۸۳ھ بروز اتوار صبح کو ۸ بجے طیارہ نے اس مبارک قافلہ کو لے کر پرواز کی اور ۱½ بجے دوپہر کو جدہ میں اتر پڑا اس وقت حاجی ارشد صاحب پاکستان والے جدہ میں اچھے عہدہ پر مامور تھے چند گھنٹے ان کے مکان پر قیام فرمایا اور طعام وقیام کے بعد عصر کی نماز مولانا نے مکی مرزوقی صاحب کی کاروں میں روانہ ہو کر مغرب کی نماز مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں پڑھی۔

۲ اپریل ۱۹۶۴ء کو پاکستانی حجاج کا بہت بڑا مجمع طیارہ سے جدہ پہونچا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے کثیر تعداد میں تبلیغی کام کرنے والے احباب پہنچ چکے تھے۔ مکہ مکرمہ پہونچتے ہی مولانا نے اپنے خطاب سے لوگوں کو محظوظ کرنا شروع کر دیا۔ حرم شریف میں روزانہ صبح تقریر ہوتی جو تین گھنٹے تک جاری رہتی۔ حرم شریف کے علاوہ اور دوسرے مقامات پر بھی اجتماعات ہوتے اور خصوصی اجتماعات میں مولانا خطاب فرماتے۔

شہداء میں اجتماع مکہ مکرمہ میں رہنے والے تبلیغی احباب نے مسجد شہداء میں ہفتہ وار اجتماع کا نظام پہلے سے طے کر رکھا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس ہفتہ واری اجتماع میں برابر شریک ہوتے رہے اور اجتماع میں خطاب فرماتے رہے اور پوری شب قیام فرماتے اور بعد مغرب اور فجر کے بعد

والی تقریر خود فرماتے۔ شہدا سے واپسی پر بسا اوقات عمرہ کا احرام باندھ کر آتے اور عمرہ کرتے۔

۲۰ اپریل ۱۹۶۴ء دوشنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ کے حساب سے ۸ ذی الحجہ تھی، منیٰ روانگی ہوئی اور ۱۳ کو حج سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ واپس ہوئے ۱۴ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا جس میں مولانا نے بہت سے اجتماعات کو خطاب فرمایا اور جماعتوں کی تشکیلیں کیں۔ خصوصی طور پر مدرسہ صولتیہ کے اجتماعات ہیں جن میں ہر ہر ملک کے حجاج شریک ہوتے۔

مکہ مکرمہ کا نظام مکہ مکرمہ میں مولانا کے عموماً حسب ذیل معمولات رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حرم مکی میں تقریباً ۲ گھنٹے خطاب فرماتے۔ یہ خطاب باب العمرہ کے سامنے ہوتا خطاب کے دوران سامنے والے میدان میں دھوپ پھیل جاتی۔ اس کے بعد مدرسہ صولتیہ تشریف لے جاتے اور ناشتہ تناول فرماتے۔ ناشتہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اپنے کمرے میں آرام فرماتے، چونکہ علمی کتابوں کی وجہ سے علمائے کے حلقوں میں حضرت شیخ کو مرجعیت حاصل تھی اس لئے مقامی اور غیر مقامی علماء ملنے آتے، مولانا محمد یوسف صاحب پر دینی دعوت کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ وہ علماء کو حضرت شیخ کی خدمت میں جانے سے پہلے ہی روک لیتے اور دیر تک تبلیغی دعوت دیتے رہتے۔ مولانا کی جب دعوتی تقریر ختم ہو جاتی تو یہ علماء حضرت شیخ کے پاس جاتے اس طرح کا سلسلہ ظہر تک چلتا رہتا۔ حضرت شیخ سے مولانا فرماتے آپ کے تشریف لانے سے مجھکو خوب فائدہ ہوا، یہ علماء بات نہیں سنتے تھے آپ کی زیارت کے بہانے سے ان لوگوں سے بات ہو جاتی ہے۔

ظہر کے بعد کھانا ہوتا اور کھانے کے بعد آرام فرماتے بعد نماز عصر حرم تشریف لے جاتے اور مغرب تک مولانا طواف کرتے رہتے، بعد نماز مغرب خصوصی گفتگو باب العمرہ کے پاس ہوتی اور مفتی زین العابدین صاحب لائلپوری کا عام خطاب ہوتا عشاء کے بعد ایک دو طواف کر کے مدرسہ صولتیہ جا کر ناشتہ کرتے، اس کے بعد آرام کرتے اور حضرت

شیخ طواف کرتے۔

مولانا کی دو اہم تقریریں اب تک کی سطور سے آپ کو علم ہو چکا ہے کہ مولانا نے مکہ مکرمہ کے دَورانِ قیام میں صبح و شام، دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے حجاج کے سامنے بے شمار تقریریں کیں گویا کہ مولانا کے شب و روز کے زیادہ تر اوقات انھیں اجتماعات دینی اور دعوتی گفتگوؤں میں گذرتے تھے لیکن مولانا کی دو اہم تقریریں جو ضبط بھی کر لی گئی ہیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تقریر عرفات کے میدان میں ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۶۴ء بروز شنبہ کی جس میں سب سے پہلے خدا کے اس کرم کا شکر ادا کیا کہ اس نے یہاں پہونچایا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے خطبہ کا حوالہ دیا اور تشریح کی، اس کے بعد اپنے خاص دعوتی انداز میں بڑی مؤثر اور دل میں گھر کرنے والی تقریر کی اور مثالیں دے دے کر حاضرین کو سمجھایا کہ ایمان ویقین، عملِ صالح، دعوت الی اللہ کے مضامین اور فرائض کو ادا کرتے ہوئے انبیاء کرامؑ کی جیسی دعاؤں کی فضیلت ان کے اثرات ونتائج کو مفصل بیان کیا، مولانا کی تقریر ایک موج زن دریا کے مانند تھی جو رواں دواں تھا، مولانا کی یہ تقریر طویل ہے۔ اس لئے اس کو پورا نقل کرنا دشوار ہے اور چند حصوں کا نقل کرنا اس کی روح اور لطافت کے خلاف ہے۔

دوسری تقریر ارکان حج ادا کرنے کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ کو باب ابراہیمؑ پر حرم شریف میں ایک بڑے مجمع کے سامنے کی جس میں ہر ملک کے حجاج شریک تھے، اس تقریر میں دنیا کے حالات کے بگاڑ، ان کے اسباب بتاتے ہوئے مولانا نے فرمایا:۔

"حالات کی بنیاد ملک و مال زر و زمین، راکٹ وغیرہ پر نہیں ہے بلکہ حالات کی بنیاد اعمال ہیں۔ انبیاءؑ صحابہؓ اور علماء والے اعمال حالات سنوارنے والے بنیں گے۔ حالات ملک و مال، سونا، چاندی کی بدولت ٹھیک نہیں ہوں گے جو یہ سمجھتا ہے دھوکہ میں ہے، حقیقت یہ نہیں اللہ تعالیٰ نے حالات کو اعمال کے

ذریعہ جوڑا ہے۔ حالات کو چیزوں کے ذریعے نہیں جوڑا، جیسے عمل کرے گا حالات مرتب ہوں گے"۔

اس کے بعد یقین، محنت، اعمال پر بحث کی اور اس پر سخت تنقید کی کہ لوگ مکۂ مکرمہ آکر یورپ کے مال کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور اس کی دعوت دی کہ مکہ مکرمہ میں آکر مکہ کا یقین تو یہی چیز لینے کی ہے اور اس یقین کی تشریح کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

آج بھی گر ہو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اس کے بعد انبیاء کرامؑ کی سنت، حج، یقین و محنت پر سیر حاصل بحث کی اور آخر میں فرمایا:۔

"اگر آج ہمارے فیصلے خدا کی مرضی کے مطابق ہو جائیں نبیوں والے طریقوں پر آجائیں تو بات بن گئی۔ اے مسلمانو اپنے طریقوں کو بدلو، اپنے طریقوں کو نبیوں کے طریقوں سے بدلو، اپنے نقشوں کو نبیوں کے نقشوں سے بدلو اپنی محنت کو نبیوں کی محنت سے بدلو، ابراہیمؑ کی اسکیم کو دُنیا میں چالو کرنے کے لیے نکلو، حرکت پیدا کرو محنت کا دائرہ توڑ کر پھرو۔ علم، اعمال، قرآن و دین کے لئے پھرو کمائی کے دین کی بنیاد پر محنت کرو۔ امت کو اٹھاؤ۔ اگر آپ مسجد والی زندگی پر آجائیں گے تو نقشہ بدل جائے گا سارے عالم میں دین کا بول بالا ہوگا۔ امت بھر کی امیدوں کا نقشہ بدل جائے گا۔

اے خدا مجھے یہاں بیت اللہ شریف میں ہجرت کرنے کی توفیق نصیب فرما، ہم اس طرح فیصلہ کریں جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے فیصلہ کیا تھا۔ دین اسلام کے لئے فی سبیل اللہ نکل جائیں تو اللہ کے فضل و کرم سے بیت اللہ والی برکات کے مطابق

اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔"

مدینہ منورہ کو روانگی مکہ مکرمہ میں ۱۴ دن قیام فرمانے کے بعد، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۹ رمئی ۱۹۶۴ء شنبہ کی صبح کو مدینہ منورہ روانہ ہوئے، جدہ میں ایک ڈاکٹر صاحب تھے جن کا عرصے سے اصرار تھا کہ وہ مولانا محمد یوسف صاحب کا اپنے اسپتال میں جدید آلات سے معائنہ کریں گے، اس معائنے کے سلسلے میں تقریباً دو گھنٹے تک مولانا اسپتال میں رہے معائنہ کے بعد روانگی ہوئی مستورہ جو مدینہ منورہ کے راستہ میں ایک منزل پڑتی ہے وہاں مکی مرزوقی معلم صاحب نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث کی اس خواہش پر کہ ظہر کی نماز بدر میں پڑھی جائے۔ ان کی کار سیدھی بدر پہونچ گئی اور مرزوقی صاحب اپنی کار میں دعوت کا سامان لے کر پیچھے پیچھے پہنچ گئے اور بعد نماز ظہر کھانا کھایا پھر آرام فرمایا۔

بدر میں قیام اور خطاب بعد نماز عصر مشاہد و آثار کی زیارت کے بعد نماز مغرب مسجد عریش (جس جگہ غزوہ بدر میں حضور سرور کائنات ﷺ کا قیام تھا اور آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تھا) میں مولانا محمد یوسف صاحب نے خطاب فرمایا جس میں مقامی اہل عرب بھی تھے۔ مولانا کا یہ خطاب بڑے جوش و خروش سے ہوا۔ مسجد عریش عموماً رات کو بند ہو جاتی ہے لیکن مولانا کے قیام سے وہاں کے امام نے شب کو کھولے رکھا بعد نماز صبح ان حضرات نے پھر مقابر و مشاہد کی زیارت کی۔

مدینہ منورہ میں بدر کے مشاہد و مزارات، میدانِ جہاد کی زیارت کرنے کے تین گھنٹے کے بعد یہ قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہو گیا، مدینہ منورہ پہونچ کر مواجہ شریف پر حاضری دی اور پھر حرم نبوی سے متصل مدرسہ شرعیہ (جو مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی کا قائم کیا ہوا ہے) میں قیام کیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے صاحبزادے مولانا سید اسعد مدنی چند دن پہلے پہنچ چکے تھے اور ان حضرات کے قیام کے لئے ۳ کمرے خالی

کرائے تھے نیز بالائی حصہ کے دو کمرے مزید خالی کرا لیے تھے، ان میں مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے رفقاء کا قیام ہوا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے کمرہ میں خصوصی لوگوں سے ملاقات ہوتی اور اجتماعات ہوتے۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت شیخ الحدیث نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ایک مکتوب بھیجا تھا جس میں مدینہ منورہ میں قیام و نظام اور واپسی کے متعلق حسب ذیل الفاظ درج ہیں:-

"ہم لوگ ۲۰ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے چل کر نصف یوم اور ایک شب بدر ٹھہرتے ہوئے ۲۸ کو یہاں پہنچے تھے، ہم لوگوں کی مدینہ پاک سے واپسی ۹ جون یا اس کے ایک دو دن بعد تجویز ہے اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں ابھی اہم اجتماعات مولانا یوسف کے باقی ہیں۔ وہاں سے ۲۵ جون کو براہ کراچی روانگی تجویز ہے۔ وہ حضرات مولانا یوسف مولانا انعام وغیرہ ہر وقت اپنے اجتماعات میں رہتے ہیں، اس وقت بھی اوپر بخاریوں کے اجتماع میں شریک ہیں۔"

مولانا محمد یوسف صاحب کا مدینہ منورہ میں معمول

مدینہ منورہ میں مولانا محمد یوسف صاحب کا نظام الاوقات اور شب و روز کا معمول تقریباً مکہ مکرمہ کے معمول کی طرح رہا اور اپنی مدت قیام کے اوقات کو نہایت مشغول گزارا۔ گفتگوؤں اور اجتماعات میں شب و روز بسر کئے۔

حضرت شیخ الحدیث مدینہ منورہ کا معمول اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا محمد یوسف کا روزانہ کا معمول صبح کی نماز کے بعد متصل تقریباً تین گھنٹے تقریر کا رہتا، اس کے بعد چائے وغیرہ کا رہتا۔ اس کے بعد ظہر تک ملاقاتوں میں مشغول رہتے ظہر کے بعد کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کے بعد مسجد نبوی میں حاضری ہوتی اور عصر کے کوئی ایک گھنٹہ بعد واپس آکر چائے وغیرہ

پیتے اور جو لوگ اس وقت ملاقات کے لئے آتے ہوئے ہوتے ان سے مغرب تک ملاقاتیں ہوتیں، مغرب سے ایک گھنٹہ بعد تک مسجد میں حاضری رہتی اور وہ اپنے نوافل واوراد میں یا تبلیغی گفتگو میں مشغول رہتے، عشا کے بعد جب مسجد کے کواڑ بند ہونیکا وقت ہوتا بلکہ کواڑ بند ہونا شروع ہوجاتے اسوقت مسجد سے واپسی ہوتی، شام کے کھانے کا کوئی نظم نہ تھا۔ اس ناکارہ کے یہاں تو مدہی نہ تھا۔ پھر بھی بابو ایاز صاحب، اللہ ان کو جزائے خیر دے کباب یخنی وغیرہ لے ہی آتے، مولینا یوسف صاحب کی بھی اس میں شرکت ہوتی، مکہ مکرمہ کا بھی نظام الاوقات تقریباً یہی رہا"۔

اسی طرح مدینہ منورہ میں ہر ہفتہ دوشنبہ و سہ شنبہ کی درمیانی رات میں مسجد النور[1] میں اجتماع ہوتا۔

مولانا اپنے زمانۂ قیام میں اس اجتماع میں برابر شرکت فرماتے اور خطاب فرماتے، شب گزارتے، صبح کی نماز روز حرم نبوی میں پڑھتے۔

مولانا کے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران جماعتوں کی تشکیل اور روانگی خوب ہوئی اور پورے مدینہ کی فضا اس تبلیغی کام اور اجتماعات میں مولانا کی پُرجوش اور یقین پرور تقریروں سے معمور ہوگئی۔

جماعتوں کی روانگی

مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لیے ۲۶ جماعتیں نکلیں جن میں سے ۳ جماعتیں یورپ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی اور انگلستان وغیرہ کے لئے نکلیں اور آٹھ جماعتیں مختلف ممالک عربیہ کے لئے اور ۲ جماعتیں افریقہ کیلئے نکلیں۔ اس سے پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ یہ معمول تھا کہ جماعتوں کی تشکیل چاہے مکہ مکرمہ میں ہوتی یا مدینہ منورہ میں ہمیشہ جماعتیں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی سے روانہ کی جاتیں۔

مدینہ منورہ سے مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے خصوصی میواتی حضرات کو ایک

---

[1] مسجد النور، مدینہ منورہ میں تبلیغ کا مرکز ہے۔ بقیع کی مشرقی جانب واقع ہے۔

مکتوب تحریر فرمایا جس میں تبلیغ کے متعلق نیز مدینہ منورہ سے تبلیغی جماعتوں کی روانگی کے متعلق تحریر ہے وہ مکتوب پیش خدمت کیا جاتا ہے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آپ حضرات کے خطوط سے جماعتوں کی نقل وحرکت معلوم ہوکر مسرت ہوئی اور آپ کے لئے دعائیں کی جاتی رہیں حق تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم سے کہنے سننے کا سلسلہ اب تک روزانہ جاری رہا اور ہے "شہدا" کا اجتماع ہوتا رہا۔ حضرت شیخ مدظلہ اور بہت سے احباب شرکت کرتے رہے اور تشکیلیں ہوتی رہیں۔ اتوار کو مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ حاضری ہوئی۔ رات مسجد نور کا اجتماع تھا اور اس میں شرکت ہوئی اب انشاء اللہ ہفتہ کے روز تیار شدہ جماعتوں کی روانگی ہے۔ سترہ اٹھارہ[۱] جماعتیں مختلف ممالک میں جارہی ہیں۔ افریقہ کے ملکوں میں سات جماعتیں یورپ کے ملکوں میں تین جماعتیں بقیہ جماعتیں مختلف ملکوں میں جارہی ہیں، حق تعالیٰ شانہ اس پوری نقل وحرکت کو ہدایت کے دروازے کھلنے کے لئے سبب کے طور پر قبول فرمائیں اللہم آمین۔

میرے عزیز دوستو! اس وقت پوری دنیا زندگی گزارنے کے غلط طریقوں پر پڑی ہوئی ہے ملک ومال کا حصول زندگیوں کا مقصد بنا ہوا ہے جواہر انسانیہ اور نیکیوں کا خون زندگیوں کا شعار بن گیا ہے انسان ہونے کے اعتبار سے اور پھر مسلمان ہونے کے اعتبار سے زندگیوں میں کیا پابندیاں ہیں اور ان پابندیوں میں دنیا وآخرت کی کتنی کامیابیاں منحصر ہیں اس کی سوچ تک دلوں سے نکل گئی ہے اور نیک اعمال صحیح یقین کے ذریعہ کامیابیوں تک پہنچنا ناممکن گردان لیا گیا ہے گویا قدرت کا مفہوم کائنات اور کامیابیوں کا مفہوم فنا ہوجانے والی چیزوں

---

[۱] اوپر ۲۶ جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہاں ۱۷، ۱۸ کا ذکر ہے بقیہ جماعتیں قریبی علاقوں کی نکلی ہوں گی۔

کا حصول بن گیا ہے، حق تعالیٰ نے محض اپنے لطف و کرم و فضل سے تبلیغ کی وہ عالی محنت ہم احباب کو عطا فرمائی ہے کہ اگر اس پر محنت کا حق ادا کر دیا جائے تو قلوب باطل سے حق کی طرف دلوں کے یقین میں تبدیلیاں ہوں گی، غلط سوچ و فکر صحیح سے بدلیگا اچھے اعمال کی کامیابیاں نظر آئیں گی اور ان کے اختیار کرنے کا رخ پڑے گا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ ہم سے سبب کے طور پر محنت کا مطالبہ ہے۔ محنت اگر صحیح ہو گی تو حق تعالیٰ شانہ دعائیں قبول فرما کر غلط رواج کو اپنی قدرت سے صحیح کی طرف پلٹیں گے۔ اللہ رب العزت اس وقت کی نقل و حرکت اور محنت کو اپنے فضل و کرم سے صحیح فرما دیں۔ کلمہ والا یقین ہمارے دلوں میں اتار دیں اور اخلاص کی دولت سے نواز دیں۔ علم و ذکر کے انوارات و کیفیات نصیب فرمائیں۔ نماز دل کی حقیقت و خشوع و خضوع نصیب فرمائیں۔ اپنی مخلوق کے ساتھ انبیاؑ والے اخلاق سے نوازیں اور جس مجاہدے پر ہدایت ملتی ہے۔ اس کی حقیقت سے ہمیں نوازیں اور جتنی کوتاہیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان کو اپنے لطف و کرم سے معاف فرما کر اہل عالم کے لئے رشد و ہدایت کے دروازے کشادہ فرمائیں۔ اپنے سب احباب اس محنت کو بڑھانے اور صحیح کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی کوتاہیوں پر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں قبولیت و فتح باب کے لئے انتہائی دعاؤں کا اہتمام فرماویں، یہاں بھی کوششیں جاری ہیں حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائیں، ایک مہینہ مدینہ منورہ میں قیام، اس کے بعد ایک عشرہ مکہ مکرمہ پھر اس کے بعد واپسی کا ارادہ ہے، حق تعالیٰ شانہ یہاں کے قیام کو اپنے لئے سب احباب و متعلقین کے لئے باعث خیر و برکت، رشد و ہدایت و فلاح و نجات فرمائیں[1]۔"

واپسی | مدینہ منورہ میں ۱۰ ارمئی سے لے کر ۱۳ ارجون تک ایک مہینہ تین دن قیام کیا، ۱۳ ارجون

---

[1] مکتوب مولانا محمد یوسف صاحب از مدینہ منورہ، عطیہ از مولوی محمد اسحٰق صاحب مدرسہ اسلامیہ نوح میوات۔

شنبہ کی صبح کو مدینہ منورہ سے مکہ مکرّمہ واپسی ہوئی، صبح کی نماز سے تقریبًا ۳ گھنٹے بعد روانہ ہوئے۔ ظہر جدّہ میں پڑھی اور بعد عصر وہاں سے چل کر مغرب کی نماز مسجد حُدیبیہ میں ادا کی، اور اس کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ مکّہ مکرّمہ میں ۷ دن قیام کیا۔ ۲۰ رجون کو طائف تشریف لے گئے۔ طائف میں پہلے ہی سے ایک تبلیغی اجتماع طے ہوچکا تھا۔ دو دن تک طائف میں قیام فرمایا۔ اجتماع بھی ہوا اور مجلسی گفتگو بھی؛ ۲۲ رجون کو مکّہ مکرمہ واپس ہوئے اور ایک دن قیام فرماکر ۲۴ رجون کو بعد عصر جدہ روانہ ہوئے، مغرب کی نماز مسجد حدیبیہ میں ادا کی، جدہ میں ایک اجتماع طے تھا اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور ۲۵ رجون کو دیارِ حرم کو الوداع کہہ کر کراچی ہوائی جہاز کے ذریعہ تشریف لے گئے۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر اُتر کر نمازِ مغرب ادا کی۔ اس وقت ہوائی اڈہ پر بہت زیادہ ازدہام تھا تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، مولانا نے اس مجمع میں ایک گھنٹہ تقریر فرمائی، تقریر کے بعد فوراً مکی مسجد تشریف لے گئے اور کراچی کے بعد لائل پور، سرگودھا، ڈھڈیاں، راولپنڈی، لاہور، رائے ونڈ، لاہور ہوتے ہوئے ۱۶ ر جولائی پنجشنبہ کی دوپہر کو سوا دو بجے سوار ہوکر ۲ بجے پالم کے اڈے پر پہنچے، اس وقت بارش خوب ہورہی تھی لیکن استقبال کرنے والوں کا بہت بڑا مجمع اکٹھا تھا۔[1]

---

[1] پاکستان کے اس دورہ کی تفصیل ساتویں باب میں ملاحظہ کیجئے۔

چودہواں باب

پاکستان کا آخری سفر

عاقبت منزلِ ما وادیٔ خاموشانست
حالیہ غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز

سفر آخرت کا مقدمہ کون جانتا تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب کا یہ سفر صرف پاکستان ہی کا آخری سفر نہیں ہے بلکہ اس بے ثبات دنیا میں آخری سفر ہے اور اب اس سفر کے بعد سفر آخرت ہوگا۔ یہ سفر دراصل سفر آخرت کا مقدّمہ تھا، اس لحاظ سے اس سفر کی خاصی اہمیّت ہے اسی لیے اس سفر کی دوسرے اور پاکستانی دوروں اور سفروں کی بہ نسبت زیادہ تفصیلات بیان کی جائیں گی مولانا کا یہ آخری سفر تقریباً ایک مہینہ اٹھارہ دن کا ہوا اور اسی دن انتقال فرمایا جس دن ہندوستان واپس ہونا تھا، گویا اپنے سفر کے دنوں کو پورا کرکے اللہ کو پیارے ہوگئے یہ عجیب بات ہے کہ مولانا پر اس سفر کا پہلے سے بہت زیادہ اثر تھا اور وہ بعض دفعہ فرماتے تھے کہ مجھے اس سفر کا بڑا فکر ہے۔ ڈاکٹر غلام کریم صاحب بستوی جو مولانا سے بہت ہی قریبی تعلق رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں:۔

"سفر پاکستان سے پہلے مولانا کی صحت کی جانچ کی گئی اور بلڈ پریشر

دیکھا گیا تو صحت ٹھیک تھی لیکن نبض کی رفتار ٹھیک نہ تھی، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس سفر کا فکر بہت ہے، ایک بار میں نے پانی پیش کیا تو مولانا نے اپنے داہنے ہاتھ میں گلاس تھاما اور ایک خاص انداز سے یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

میرا اندازہ ہے کہ مولانا کی زبان سے خدا نے اسطرح کے الفاظ کہلوائے جس سے اشارہ مولانا کے انتقال کی طرف تھا لیکن ہم میں سے کسی کو اس کا اندازہ نہ ہوسکا، آخر کار یہ سفر آخری ثابت ہوا"۔

مشرقی پاکستان میں مولانا ۱۰ شوال ۸۴ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء شب جمعہ کو فرنٹیر میل سے روانہ ہوئے اور لاہور ۱۱ بجے دن کو پہونچ گئے۔ ایک بجے جمعہ پڑھ کر ڈیڑھ بجے ہوائی اڈہ پہونچ گئے۔ ہوائی جہاز سے پونے تین بجے پرواز کی اور دو گھنٹہ دس منٹ میں ڈھاکہ پہونچ گئے۔ مولانا انعام الحسن صاحب مولانا کے ساتھ تھے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم جمعہ کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے امرتسر پہونچے وہاں سے ٹیکسی لیکر ساڑھے نو بجے اٹاری پہنچے اور کسٹم وغیرہ سے نہایت سہولت سے نمٹ کر ۱۱ بجے لاہور پہنچے، ایک بجے جمعہ پڑھ کر ڈیڑھ بجے مطار پہنچے، لاہور سے پونے تین بجے طیارے نے پرواز شروع کی اور دو گھنٹہ دس منٹ میں ڈھاکہ پہنچ گئے اعلان دو گھنٹے کا تھا لیکن راستہ میں دو تین جگہ طوفانی ہوا ملی جس سے دس منٹ کی تاخیر ہوگئی۔ عصر کی نماز طیارہ میں تین تین نفر کی جماعت کرکے ادا کی۔ مغرب مطار پر اُتر کر پڑھی۔ لاہور کے حساب سے ۴ بج کر ۵۵ منٹ پر ڈھاکہ پہنچے۔ غروب ۴ بج کر ۲۵ منٹ پر تھا[1]"

---

[1] مکتوب بنام حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی

مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ سے دورہ شروع کیا، ڈھاکہ میں قیام فرمایا اور مختلف جگہوں پر اجتماعات ہوئے اور مولانا نے خطاب فرمایا، اس کے بعد سلہٹ تشریف لے گئے اس کے بعد حسب ذیل مقامات پر قیام فرمایا۔

(۳) نواکھالی (۴) چاٹگام (۵) ملحقات چاٹگام (۶) دیناج پور (۷) راج شاہی (۸) کھلنا (۹) فرید پور۔

محبوبیت اور مقبولیت مشرقی پاکستان کے ان نو شہروں اور ان کے قصبات و مواضعات میں تشریف لے گئے اور شب و روز اجتماعات خصوصی ملاقاتوں، مجلسی گفتگوؤں میں وقت گزارا، جماعتوں کی تشکیل کی اور ہزاروں آدمیوں کے قلوب کو ایمان ویقین کی دولت سے معمور کیا۔ مولانا کا یوں تو ہر سفر مبارک ہوتا اور سیکڑوں انسانوں کی اصلاح وفلاح کا سبب بنتا، لیکن یہ سفر سارے سفروں میں خاص امتیاز رکھتا ہے، مولانا کے جلو میں سیکڑوں آدمی جن میں علما بھی ہوتے اور عوام بھی، پرانے رفقائے کار اور پابند اصول میواتی ہوتے اور دین کا درد رکھنے والے نئے آدمی بھی، ایمان ویقین کا ایک مبارک کارواں ہوتا جو سراپا دعوت بنکر رواں دواں ہوتا، جس شہر یا قصبہ میں یہ کارواں پہنچ جاتا پوری فضا ذکر و تعلیم سے بس جاتی اور جو بھی ذرا دیر کے لئے اس مجلس ایمان ویقین میں بیٹھ جاتا تو لایشقی جلیسھم کی بشارت کے مطابق اپنے دل کو ایمان ویقین سے معمور پاتا اور دین کی تڑپ اور اس کے لیے بے چینی اور بے قراری کی متاعِ گراں مایہ لے کر اٹھتا، بنگالی مسلمانوں کے دل ہمیشہ سے نرم اور درد و اثر کو قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔ دینی دعوت قبول کرنے کی صلاحیت ان میں زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مولانا کے اس سفر سے اہلِ مشرقی پاکستان کو ایمان کی دولت سے خوب نوازا، خصوصاً آپس کے اختلافات دور ہو جاتے تھے۔ آپ کی تشریف بری سے شہروں کی فضا نورانیت سے بھر جاتی تھی، مسلم تو مسلم غیر مسلم آبادی بھی زیارت کو امنڈ آتی تھی۔

مولانا کو دیکھنے والے لاکھوں کی تعداد میں اب بھی موجود ہیں، اس لئے کہ ان کی پُراثر تقریروں اور یقین پرور صحبتوں کو ابھی تک بھول نہیں سکے اور جنھوں نے ان کے ساتھ سفروں میں شرکت نہیں کی اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر فیض نہیں اُٹھایا اُن کو مولانا کے سفروں، دوروں اور مجلسوں کی نورانیت اور فائدوں کا پورا احساس نہیں ہوسکتا۔

نظام سفر مشرقی پاکستان کا یہ دورہ درحقیقت دیرپا اثرات کا حامل تھا، میاں جی عیسٰی جو اس سفر میں ساتھ رہے تھے، بیان کرتے ہیں :۔

"مولانا کی مشرقی پاکستان تشریف آوری پر ڈھاکہ میں بڑا اجتماع ہوا اس اجتماع میں ایک لاکھ آدمی تھے، تین دن اجتماع رہا، حضرت کی تقریر صبح اور مغرب کے بعد ہوئی، درمیان میں خصوصی اجتماعات، ملاقاتیں ہوئیں، علماء کا، تاجروں کا، ملازمین کا عظیم اجتماع تھا ہزاروں آدمی نکلے، تین چلے، دو چلے، ایک چلہ، اس کے بعد سلہٹ ایک رات قیام کیا، اجتماع ہوا، ۲۵ جماعتیں نکلیں، ڈھاکہ کے بعد کوملا چند گھنٹے قیام رہا اور اجتماع ہوا، وہاں سے نواکھالی تشریف لے گئے اور وہاں بھی بڑا اجتماع ہوا جس میں علماء کثرت سے تھے اور اکثر نے حمایت کی اور وعدے کئے وہاں سے چاٹگام تشریف لے گئے اور تین دن قیام فرمایا، عُلماء کے، تجار کے اور انگریزی دانوں کے خصوصی اجتماعات ہوئے، نیز عام اجتماع ہوا۔ بکثرت جماعتیں نکلیں جن کی توقع نہیں تھی اس کے بعد نتر و کونا میں اجتماع ہوا جو بہت بڑا ہوا، کثیر تعداد میں لوگ آئے، بعضوں کا خیال تھا کہ ڈھاکہ کے اجتماع کے برابر تھا اور جماعتیں بھی اسی طرح نکلیں۔ اس کے بعد راج شاہی میں دو جگہ تشریف لے گئے اور اجتماعات میں تقریریں فرمائیں اور جماعتیں نکلیں، ایک جگہ اُردو دانوں کا اجتماع ہوا، اس کی وجہ سے حضرت نے اس جگہ کا سفر کیا تھا۔ یہ جگہ بارڈر کے قریب ہے۔ وہاں سے کُھلنا تشریف لے گئے اور وہاں بڑا اجتماع ہوا جس میں علماء عہدہ داران شریک ہوئے۔ یہ خصوصی اجتماع تھا، جس میں فرمایا کہ اصل کامیابی اندر سے ہے اور ناکامی بھی

اندر سے ہے باہر نہیں، بھوک ناکامی ہے، وہ اندر سے تعلق رکھتی ہے، سیرابی کامیابی ہے وہ اندر سے متعلق ہے، خوب مثالیں دے دے کر تقریر کی حاضرین پر بہت اچھا اثر پڑا۔"

اس سفر کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر وقت ساتھ بیس پچیس آدمی رہتے تھے۔ دسترخوان پر ڈیڑھ سو آدمی رہتے تھے۔

ایک مکتوب انھیں میاں جی نے چٹا گانگ سے حضرت شیخ کو ارسال فرمایا جس میں ذیل اور تفصیل ہے:۔

"حضرت جی مدظلہٗ مع حضرت مولانا انعام صاحب اور رفقاء کے بعافیت ڈھاکہ پہنچے اجتماع بہت اچھا رہا ہر طبقہ میں ایمان وعمل کی زندگی کی محنت کے جذبات پیدا ہوئے۔ نقد بھی بہت سے لوگوں نے اوقات دیئے۔ تقریباً ڈھائی سو جماعتیں نکلیں ڈیڑھ سو حضرات، حضرت جی مدظلہٗ کے سفر میں ہمراہ ہوئے، ۷ شوال بروز ہفتہ حضرت جی مدظلہٗ مع رفقاء کے سلہٹ پہونچے، ہم خدام ایک دن پہلے پہونچ گئے تھے اور پہلے سے تمام طبقات میں محنت کا موقع مل گیا تھا، الحمد للہ سلہٹ میں علماء اور تجار اور دفتری ہر درجہ کے آدمی اور عوام دیہاتی وشہری سب نے بات سنی اور توجہ فرمائی۔ تقریباً ایک سو لوگوں نے ایک چلہ تین چلے کے اوقات دیئے۔ بندہ کو ہفتہ کی شام کو ہی چٹا گانگ روانہ کر دیا اور حضرت کو ملّا، نواکھالی، ہوتے ہوئے بدھ کو یہاں پہنچیں گے، اب یہاں محنت کر رہے ہیں پہلے ذرا سستی تھی اب ذرا توجہ کی جانے لگی ہے، انشاء اللہ حضرت کی تشریف آوری تک ہر طبقے میں بات پہنچ جائے گی۔ وعدے بھی ہو رہے ہیں، اب مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے ۶ مارچ کو کراچی روانہ ہوجائیں گے ہم خدام بھی ہمراہ ہونگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ پندرہ یوم مغرب میں اسفار رہیں گے۔"

برما کی دعوت اور التواء

اہل برما کی عرصہ سے اس کی خواہش تھی کہ مولانا محمد یوسف صاحب برما تشریف لائیں۔ مسلسل کئی سال سے جماعتیں

جاری تھیں اور برما کے مختلف علاقوں میں کام ہو رہا تھا، خود برما کے اہلِ تعلق کئی بار آچکے تھے، اس لیے ان کا اصرار تھا کہ جب مولانا مشرقی پاکستان تشریف لارہے ہیں تو برما آنا بہت آسان ہے اس لئے کہ برما کی سرحد مشرقی پاکستان سے ملی ہوئی ہے لیکن ان تمام کوششوں اور خواہشوں کے باوجود مولانا نے ارادہ کرنے کے بعد قانونی موانع کی بنا پر جانا ملتوی کردیا۔ حضرت شیخ الحدیث اس سفر کے طے ہونے اور اس کے بعد التوائے سفر کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"اہلِ برما کا بہت عرصے سے اصرار، مولانا یوسف صاحب کے برابر بلانے پر تحریراً و تقریراً وفود کے ذریعے سے تھا اور مفتی محمود صاحب رنگونی اپنی سابقہ آمد پر مجھ سے اور براہِ راست مولانا یوسف صاحب سے بہت اصرار سے یہ وعدے لے گئے تھے کہ انشاء اللہ جب موقع ہوگا سفر کیا جاوے گا، جب ان حضرات کو مولانا یوسف صاحب کے مشرقی سفر کی خبر ہوئی تو ان کے دمادم میرے، مولانا یوسف صاحب، حاجی غلام رسول صاحب کلکتہ والے اور مشرقی احباب کے نام مسلسل تار آئے کہ اس وقت موقع بہت اچھا ہے۔ مشرقی پاکستان سے رنگون قریب ہے یہاں کیلئے ایک ہفتہ ضرور نکالیں، میں نے تو زور سے معذرت بھی کی کہ مشرقی پاکستان اس کے بعد مغربی پاکستان کے اجتماعات کی تاریخیں مسلسل شائع شدہ ہیں ـــــ ان میں وقت نہیں نکل سکے گا، لیکن شدید اصرار اور تاروں کی بھرمار نے مولانا یوسف صاحب کو آمادہ کردیا کہ مشرقی پاکستان کے کچھ دن کم کردیں اور مغربی پاکستان کے سفر میں کچھ تاخیر کریں اور اس کی تلافی دہلی میں آمد کی تاخیر سے کریں اور برما والوں کو تار دے دیا کہ فلاں وقت آسکتے ہیں۔ ان لوگوں کے بہت ہی مسرت اور خوشی کے تار بھی آئے لیکن انتہائی کوششوں کے بعد بھی ویزا نہ ملنے کی وجہ سے برما کا سفر نہ ہوسکا۔"

مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کے دورہ کے بعد مغربی پاکستان تشریف لے گئے۔ کراچی، ملتان، کنگن پور، ٹل (کوہاٹ) اور راولپنڈی میں اجتماعات ہوئے خصوصًا کراچی میں آنے جانے والوں اور ملنے والوں کا بڑا اژدحام تھا، مولانا نے کئی اجتماعات کو خطاب فرمایا اور باوجود طبیعت کی کمزوری اور غیر محسوس اندرونی تکلیف کے برابر بولتے رہے اور دعوت و تبلیغ پر لوگوں کو آمادہ کرتے رہے۔ کراچی کے بعد مختلف مقامات کا دورہ شروع کیا اور اجتماعات کو خطاب فرماتے رہے، مولانا کے ایک رفیق سفر حافظ صدیق نوحی کراچی اور دوسرے مقامات کا نظام اس طرح بتاتے ہیں:۔

"فجر کی نماز کے وقت کراچی پہونچے، نماز بعد کچھ دیر آرام فرمایا اس کے بعد ایک خصوصی مجلس میں تقریبًا ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا اس کے بعد دارالعلوم میں مفتی محمد شفیع صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے، واپسی پر کھانا کھایا، آرام فرمایا۔ بعد مغرب ڈھائی گھنٹہ تک "انسانیت اور تقویٰ" کے موضوع پر خطاب فرمایا اپنے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ ہر گھر صحابہؓ کے گھر کا نمونہ ہو ہر شخص کے اوقات کا ایک تہائی حصّہ مدنی صحابہؓ کے نقش قدم پر گذرے، کراچی میں تین دن قیام رہا، مختلف طبقات و افراد میں بات چلتی رہی۔ قرب وجوار کیلئے بہت سی جماعتیں بنیں اور نکلیں اکثر پرانے کام کرنے والوں نے نام دیے، کئی جماعتیں ایک جگہ تین چلّوں کی نکلیں وہاں سے خیر پور تشریف لے گئے، ایک دن قیام رہا، دوسرے دن ملتان گئے مختلف طبقات کا اجتماع ہوا، فجر کی نماز کے بعد پہنچے اور پہنچتے ہی تقریر شروع کردی اور ڈھائی گھنٹہ بات کی بیعت کا سلسلہ بھی چلا، پرانے لوگ جو بڑے حضرت (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کے زمانے کے تھے، ملنے آتے"۔

"ملتان کے بعد کنگن پور، ٹل، راولپنڈی کا سفر رہا، کنگن پور میں مجمع کافی تھا مگر دلجمعی کم تھی، ٹل میں مولانا کی عجیب کیفیت تھی ان کی (اہل علاقہ) سادگی اور جفاکشی کو ایک نعمت فرمایا کہ یہ اسلام کی اصلی مایہ ہے اور ان کی جواں مردی کو فرمایا کہ آج مال حاصل

کرنے پر خرچ ہو رہی ہے اس کو دین کی اشاعت پر خرچ ہونا چاہیئے تھا ٹل کے سارے تاجروں نے دو دن تمام دکانیں اور بازار بند کر دیئے تھے، پنڈی، مردان و سوات میں دیہاتی طبقہ کافی آیا ہوا تھا، جامع مسجد صدر میں اجتماع ہوا، خلافِ معمول بارش خوب ہوئی۔ مختصر طور پر اتنا عرض ہے کہ ۱۰، ۱۱ مارچ ۶۵ء کو رائے ونڈ ۱۳ مارچ کو راولپنڈی اس کے بعد مختلف مقامات کا دورہ کیا اور پھر ۱۹ مارچ کو پنڈی بروز جمعہ قیام فرمایا اور خطاب کیا۔

رائے ونڈ کا اجتماع ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ کو رائے ونڈ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں ملک کے ہزاروں آدمی شریک ہوئے! اور مولانا کی بڑی ولولہ انگیز تقریر ہوئی۔ میاں جی عیسیٰ اپنی بیاض میں لکھتے ہیں:

"رائے ونڈ کے اجتماع میں دس پندرہ ہزار کا مجمع ہوگا۔ کھانے پینے کا نظم بھی اچھا چلا، شہری طبقہ کافی آیا تھا۔ حضرت جی کے بیانات بھی نرالے تھے، کلمہ کے نمبر کے ساتھ اب کی عبادات پر بہت زور تھا۔ ایک عرب شیخ محمد سلیمان جو کہ دمام میونسپلٹی میں صدر ہیں اور انشورنس کے محکمہ کے ڈائریکٹر ہیں، وہ بھی بھائی عبدالباسط النجر والوں کے ساتھ رائیونڈ پہونچ گئے تھے، ان کا بیان بھی ہوا انھوں نے علمائے کرام کی تعلیم کے ساتھ حلقہ میں شرکت بھی فرمائی اور بعد میں بیان بھی عجیب انداز اور درد کے ساتھ فرمایا کہ مختلف دوروں میں اللہ تعالیٰ مختلف شیوخ سے اپنے دین کا کام لیتے رہے ہیں اور اس صدی میں شیخ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے کام لیا اور امت کی رہبری فرمائی ہے، اب مسئلہ آپ (علمائے کرام) کے ہاتھ میں ہے اگر آپ کھڑے ہوگئے تو امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے گی اور اس کام کے ظاہر ہونے کے بعد اگر اس میں غفلت ہوئی تو خطرہ عظیم ہے۔ علمائے کرام کے مجمع کو خوب رُلایا اور خود بھی روئے، تین چار سو مختلف کالجوں کے طالب علم آئے ہوئے تھے ان سے خالد صاحب (علیگڈھ یونیورسٹی) نے خصوصی بات چیت

کی، لڑکوں نے بہت اچھا اثر لیا، انھوں نے بتلایا کہ کس طرح یونی ورسٹی علی گڈھ کمیونسٹوں کا اڈہ بنی ہوئی تھی اور پھر کس طرح دین کی فضا اس کام کی برکت سے پیدا ہو رہی ہے اور اب کی علی گڈھ یونیورسٹی کے تمام پروفیسروں کا اجتماع ہوا اور اس میں حضرت جی کی تقریر ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

"ولایت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ سب کچھ چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جانا، تزکیہ اختیار کرنا اور اللہ کی طرف چلنا یہ ولایت کا ادنیٰ درجہ ہے اور دوسرا ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے کہ جس شعبے میں چل رہے ہیں، اس کو ولایت والوں کی صفات سے چلایا جائے، اس کیلئے اپنے اپنے شعبوں سے نکل کر ایمان و یقین، عبادت اور اخلاق بنانے کی ضرورت ہے، ان چیزوں کو بنا کر پھر شعبوں میں لگا جائے۔"

اب کی کالج کے طالب علموں نے کثرت سے اوقات لکھائے۔ ستر جماعتیں نقد نکلیں، رائے ونڈ سے الوداع کے وقت حضرت جی کی رقت انگیز تقریر نے عرب کے شیخ تک کو رُلا دیا۔

ایک دل آویز تأثر اس سہ روزہ اجتماع میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی، انسانوں کا ایک جنگل تھا، ہر طرف سے مختلف طبقوں کے لوگ آکر شریک ہوئے اور اوقات دئے، سیکڑوں ایسے لوگ شریک ہوئے جو اس سے پہلے مولانا کی تقریر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ایک صاحب جو پہلی بار اس اجتماع میں شریک ہونے آئے تھے اپنے تأثرات اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"کافی دنوں سے شہر کی اکثر مساجد میں یہ دیکھنے میں آتا رہا کہ عصر یا مغرب کی نماز کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوتے اور بڑی نرمی سے یوں گویا ہوتے،

بھائیو! دعا کے بعد تشریف رکھئے دین کی بات ہوگی، کہنے والے کی اتنی سی بات

میں جو سادگی اور خلوص ہوتا وہ سب کو مجبور کر دیتا کہ سُن کے جائیں۔ اس کے بعد امام صاحب دعا کرتے اور پھر کوئی ایک اللہ کا بندہ کھڑا ہو جاتا اور بغیر کسی تصنع کے نہایت سادہ الفاظ میں دس پندرہ منٹ کچھ بیان کرتا جس کا خلاصہ یہ ہوتا کہ اس دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے اس طرح کے کام کریں کہ حشر کے میدان میں رسوائی سے بچ جائیں، بات واقعی دل کو لگتی اور جی چاہتا کہ یہ اسی طرح بولتا رہے تاکہ سنتے سنتے شاید دُنیا کی بے ثباتی کا یقین آ جائے۔ آخر میں یہ کہا جاتا کہ اس مہینے کی ۲۱، ۲۲، ۲۳ کو لاہور کے قریب رائے ونڈ میں ایک اجتماع ہو رہا ہے جس میں آخرت کی زندگی کے بارے میں باتیں ہوں گی، آخر ۲۰ تاریخ بھی آن پہونچی، شوق اُبھرا کہ چلو دیکھیں آخرت کی زندگی کے کیا نقشے بتائے جاتے ہیں، کچھ دوستوں کو آمادہ کیا، شام کو چلتے وقت کچھ بزرگوں سے تذکرہ کیا، انھوں نے بروقت ہی اطلاع دینے کا گلہ کیا۔ ندامت ہوئی کہ اس دُنیا کے جھمیلوں میں لگے رہے اور پہلے سے کیوں نہ حاضر ہو سکے۔

کراچی اکسپریس ۱۰ بج کر ۲۵ منٹ پر چلی، کوئی ڈبّہ ایسا نہ تھا جو اندر باہر بھرا نہ ہو بڑے اطمینان سے سفر گزرا، کوئی تُو تکار نہ ہوئی کوئی دھکم پیل نہ ہوئی، دوسرے کے لئے جگہ خالی کرنے کا جذبہ موجود تھا، سوا گیارہ بجے رائے ونڈ اسٹیشن پر اُتر گئے کوئی تین فرلانگ پر اجتماع گاہ تھی، سادہ سی مسجد باہر صحن میں شامیانے تنے ہوئے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ ایک طرف بیسیوں لمبی لمبی کاریں کھڑی تھی دوسری طرف تین چار بسیں۔ معلوم ہوا کہ ایلی کالج اور حبیف کالج کے طالب علم اکٹھے ہو کر بسوں میں آئے ہیں۔ مسجد کے فرش پر جو حوض کے پاس تھا بچھا یا گیا اور چند گھنٹے آرام کرنیکی کوشش کرنے لگے۔

۲۱ کی صبح کو نماز فجر کے بعد دہلی سے تشریف لائے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب کا (جو اس جماعت کے امیر ہیں اور مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں)

خطاب ہوا تین گھنٹے تک لوگ ہمہ تن بیٹھے سنتے رہے، باتوں میں وزن تھا، حقیقت تھی، خلوص تھا آخر اللہ اور اسکے رسولؐ کی باتوں میں یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا۔ مولانا نے فرمایا:۔

"بھائیو! انسان اس دنیا میں دو چیزوں پر محنت کرتا ہے ایک اس دنیا کی چیزوں پر دوسرے اپنی ذات پر، اس دُنیا کی چیزوں پر۔ مثلاً مکان، زمین، تجارت، کارخانے، ملازمت غرض کہ جس چیز پر محنت کی جائے گی پورا دھیان اس طرف ہوگا، دل انہی چیزوں میں اٹکا رہے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنی ذات کی تکمیل رہ جائے گی۔ مرنے پر ان چیزوں پر کی گئی محنت ساری کی ساری دھری رہ جائے گی اور انسان اس دنیا سے بالکل خالی جائے گا اور جب حشر کے میدان میں اپنی ذات پر محنت کرنے والوں کو دیکھے گا تو اپنے آپ پر روئے گا اتنا روئے گا کہ آنسوؤں کے دریا بہہ نکلیں گے۔"

پھر فرمایا:۔

"اپنی ذات پر محنت کرنے (یعنی اپنی زبان پر محنت، اپنے کانوں پر محنت اپنی آنکھوں پر محنت، اپنے دل پر محنت، غرض ہر حصۂ جسم پر محنت کرنے سے) اس درجہ تک پہنچ جائے گا کہ صرف ایک آنکھ جھپکنے سے اس پوری کائنات سے کروڑوں درجہ زیادہ قیمتی جنّت عطا کی جائے گی۔ آپ جا رہے ہیں سامنے سے غیر محرم عورت پر نگاہ پڑی، دل نے کہا، اب اگر آنکھ اٹھائی تو برباد ہو جاؤ گے، آنکھ دوسری طرف پھر گئی، اس ایک بار کے پھرنے سے اللہ رب العزت وہ کچھ عطا فرمائیں گے کہ تصوّر نا ممکن۔ ان عطا کی جانیوالی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر اس دُنیا میں آجائے تو پوری دنیا اسے حاصل کرنے کے لئے لڑ پڑے۔"

باتیں دل میں اُترتی چلی گئیں، اپنے آپ پر ندامت ہوئی، زندگی یوں ہی گزر گئی جس طرح اب تک گزری تو کیا ہوگا؟ آٹھ سے دس ہزار کا مجمع، جس طرف نظر اٹھی انسان ہی نظر آتے وہ انسان جو اللہ کی خاطر اتنی دور دراز سے سفر کر کے صعوبتیں جھیل کے اس ویرانے میں اکٹھا ہو گئے تھے۔

مولانا نے فرمایا:

"محض اللہ کی خاطر یوں جمع ہونے والوں پر اللہ کے فرشتے آسمان سے زمین تک حلقہ بناتے اور سلامتی بھیجتے ہیں، اللہ کرے آج دُنیا میں صرف اللہ ہی کی خاطر لوگ جمع ہوا کریں تاکہ اللہ کی رحمتیں اس زمین پر اُتریں اور انسان سکونِ قلب سے ہم کنار ہوں"

اس مجمع میں امیر بھی تھے، غریب بھی، چھوٹے بھی تھے بڑے بھی، بچے بھی تھے، بوڑھے بھی، پنجابی بھی تھے، سندھی بھی، سرحدی بھی تھے، بنگالی بھی، عرب سے آئے ہوئے بھی تھے ہندوستان سے بھی، ملوں والے بھی تھے اور خوانچہ فروش بھی، دینی مدارس کے طلبا بھی تھے۔ کالجوں کے یونیورسٹیوں کے طالب علم بھی، غرض کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے محض خدا کی خوشنودی کی خاطر جمع ہو گئے تھے، جس کو مسجد میں جگہ نہ مل سکی وہ باہر ہی بیٹھ گیا، خواہ امیر تھا یا غریب۔ کوئی نمائش گاہ نہ تھی، کوئی تین تین چار چار رنگ کے رنگے ہوئے بڑے بڑے پوسٹر نہ تھے، کوئی پچھلی کارگزاریوں کے بیان نہ ہوئے، بس ایک ہی تڑپ تھی کہ ہم سُدھر جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کو اپنی ذات کی کوتاہیوں، ناکامیوں اور نامُرادیوں کا احساس تھا۔ دوپہر کو الگ الگ حلقوں میں بٹ کر تعلیم ہوئی، سُنایا گیا کہ نماز کیا ہے، دُعا کیا ہے؟ نماز یوں پڑھنے سے کیا ملے گا، اور جن لوگوں نے یوں پڑھی انھوں نے کیا پایا؟ دعاؤں سے کیا ہوتا ہے۔ جس طرح دعا مانگنے کا حق ہے اس طرح مانگی جائے تو کیا ملتا ہے اور اس طرح جنھوں نے مانگی

کیا پایا، پچھلوں کے تذکرے تھے، دولت والوں کا تذکرہ آیا تو قارون وہامان کی دولتوں کے نقشے بتائے گئے، غربت کا ذکر ہوا تو صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں کے واقعات بتائے گئے۔ فاقوں کا ذکر چھڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بتلائی گئی۔ خدا کو خوش کرنے والوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ معلوم ہوا۔ دو گھنٹے کی تعلیم کے بعد کھانے اور نماز کا وقت ہوا، ایک طرف کھانے کا انتظام کیا گیا تھا، دکانداروں نے دکانیں بھی لگائی تھیں جس کا جہاں جی چاہا کھا لیا۔ اجتماع والوں کی طرف سے کھانے کا کوئی پیسہ نہ لیا جاتا، عصر کی نماز کے بعد لائلپور کے مفتی زین العابدین صاحب کا بیان ہوا، تھوڑے سے وقت میں بہت کچھ سمجھا دیا۔ خدا نے بولنے کا خوب ملکہ دیا ہے، سُنکر وجدانی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے بتایا کہ:۔

"انسان جب اپنے آپ پر محنت کرتے کرتے اس درجہ تک پہونچتا ہے جس پر اللہ راضی ہو کر اسکے صرف ہاتھ اُٹھنے پر ہی فیصلہ فرما دیتے ہیں تو دُنیا میں کیا ہوتا ہے۔ دنیا کس طرح اس کے پیچھے آتی ہے، آج ہم لوگ دُنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں اور وہ ہے کہ ہاتھ نہیں آتی۔"

صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین کے واقعات سنائے گئے اور کچھ اس انداز سے کہ ایمان تازہ ہو گیا۔

مغرب کے بعد عرب سے آئے ہوئے ایک اللہ کے بندے کا بیان شروع ہوا، زبان عربی تھی لہجہ انتہائی شیریں، جی چاہتا تھا اللہ اور اس کے پیارے رسولؐ کی زبان بولتا رہے۔ مترجم صاحب ساتھ بیٹھ گئے، یون گھنٹہ دین کے مختلف پہلوؤں پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالتے رہے۔ عدل وانصاف، معاشرت ومعیشت اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ پر معلوماتی تقریر کی۔"

مولانا محمد یوسف صاحب کی طبیعت اس دوران ٹھیک نہ تھی لیکن طبیعت کی ناسازی

کے باوجود تقریر فرمائی۔ تأثر نگار اپنا تأثر بیان کرتے ہوئے آگے تحریر کرتے ہیں:۔

”رات کے خطاب میں مولانا محمد یوسف صاحب کا بیان ہوا، لاہور اور قریب ہر شہر کے مختلف حلقۂ فکر کے علماء کرام موجود تھے، مولانا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی، کھانسی اور نزلہ کا زور رہا لیکن دین کی محبت کچھ اس طرح غالب ہے کہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلسل بولتے ہیں۔ عام اجتماع ہو یا خاص، شہری حضرات کے اجتماع میں بولنا ہو یا میواتی حضرات میں، اس بولنے اور پوری قوت سے بولنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات بتائے جاتے رہے۔ ایک طرف اس دنیا اور اس کے اندر کی تمام چیزوں کی بے بسی، دوسری طرف خدائے بزرگ و برتر کی عظمت، دل میں یہ سب کچھ یوں نقش ہوتا رہا جیسے ہونے کا حق ہے، آخر کیوں نہ ہو کہنے والا پورے یقین سے کہہ رہا تھا، زبان کے ساتھ دل کی گہرائیوں کی آواز شامل ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ:۔

”اگر کوئی فاسق اور جھوٹا شخص تمھارے پاس اس قسم کی خبر لائے کہ کوئی گروہ یا فرد تمھارے مال اور جان کے بارے میں بُرے ارادے کر رہا ہے تو اس کے باوجود کہ اُس کا جھوٹا ہونا تمھارے نزدیک مسلّم ہے تم اپنے مال و جان کی فکر میں لگو گے لیکن جس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا یہ ایمان ہو کہ سچے نبی ہیں۔ اگر اس ایمان میں کچھ کمی ہے تو ہم مسلمان ہی نہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! اس دنیا کی حقیقت کچھ نہیں، اللہ کے نزدیک اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، مُردہ بکری کے بچے کے برابر بھی نہیں، جو کچھ بھی ہے آخرت کی زندگی ہے۔ اسکے لئے کچھ کر لو ورنہ اس نہ ختم ہونے والی زندگی میں تڑپو گے، لیکن یہ سنکر ہمیں یقین نہیں آتا، کیوں؟ اسلئے کہ

اس دنیا کے مال اور اولاد ہمارے مشاہدے میں ہیں اور آخرت کی زندگی غیب میں، بس اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ جب دیکھ لیا تو غیب کہاں رہا؟"

رات گیارہ بجے تک یوں ہی دین وایمان کی باتیں ہوتی رہیں، نماز پڑھی گئی، ایک ہی صف میں ہر درجہ، ہر زبان، ہر عمر اور مختلف رنگ ونسل کے دینی بھائی اللہ کے حضور یوں کھڑے ہوئے جیسے ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ چاروں طرف ایک سناٹا۔ امام صاحب ان سب کی طرف سے اللہ کے حضور عرض گزار رہے ہیں۔ بارہ بجے کچھ آرام کی فکر میں لگ گئے، کچھ اللہ سے باتیں کرنے میں۔ چار بجے آنکھ کھلی۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں بہتوں کو کھڑا پایا۔ اللہ اکبر! کیا سرور ہے اس کھڑے ہونے میں۔

۲۲ کی صبح نماز کے بعد پھر تقریر ہوئی۔ دوپہر کو تعلیمی حلقے بنائے گئے۔ عصر کے بعد ہندوستان سے آئے ہوئے علم دین سے پورے واقف مولوی محمد عمر صاحب کی تقریر ہوئی، خوب سلیقے سے بیان فرماتے ہیں۔ تھوڑے سے وقت میں ہر انداز کا خوب مواد ذہنوں میں بسایا، زبان اللہ کی عظمت کے ترانے خود بخود گانے لگی۔

غرض اسی طرح یہ تین دن کا رُوح پرور اجتماع چلتا رہا، احساس دلایا جاتا رہا کہ سب بگاڑ اپنی ذات میں ہے، اگر یہ درست ہو جائے تو سب دُرست ہو جائے گا۔

آخری روز اللہ کے راستے میں اپنی ذات پر محنت کرنے کیلئے جن لوگوں نے وقت دیئے ان کی تشکیل جماعتوں کی شکل میں ہوئی۔ ہر جماعت میں آٹھ سے بارہ تک اللہ کے بندے جمع کر دیئے گئے۔ سو کے قریب جماعتیں بن گئیں جن کو ملک کے کونوں کونوں میں بھیجا گیا تاکہ ان فانی چیزوں سے کچھ دیر کے لئے کٹ کر آدمی اپنی ذات پر محنت کر سکے۔ ہر جماعت کا ایک امیر مقرر کر دیا گیا، اپنے اپنے بستر، اپنے اپنے خرچ اور اپنی اپنی ذات پر محنت کرنے کا جذبہ اور دوسرے بندگانِ خدا تک اللہ کی بات

پہونچانے کی فکر، یہ سب منظر اس قدر روح کو بالیدگی بخشتے رہے کہ سیکڑوں وعظ بھی یہ نہ کرسکے، اختتام پر دعا ہوئی، مولانا محمد یوسف صاحب نے دعا کی، اپنے گناہوں کی توبہ، مغفرت، آخرت کی سرخ روئی، دین کی عظمت، تمام انسانوں کے لیے ہدایت طلبی، یہ سب باتیں اللہ سے طلب کی گئیں۔ دعا یوں مانگی گئی جس طرح سے مانگنے کا حق ہوتا ہے، کوئی آنکھ نہ تھی جو روئی نہ ہو۔ کوئی زبان نہ تھی جو ہلی نہ ہو، کوئی دل نہ تھا جو پھٹ پڑنے پر نہ آیا ہو، بس ایک ہی احساس تھا کہ اتنی زندگی جو گذری ناکامی میں گذری، میں ہی سراپا معصیت ہوں، سب برائیاں مجھی میں ہیں۔ اے اللہ ان سب کوتاہیوں کو معاف فرما اور میری زندگی کو اپنے راستے پر لگا دے۔"

اس طرح ۲۳ر کی دوپہر کو یہ مبارک اجتماع ختم ہوگیا۔

عہدے داروں اور میواتیوں کے اجتماع

رائے ونڈ کے اجتماع کے دوران ۲۲ر مارچ ۱۹۶۵ء کو رائے ونڈ ہی میں عبدالرحمٰن قریشی صاحب کے یہاں خصوصی خطاب ہوا جس میں افسروں اور عہدے داروں نے شرکت کی اور جدید تعلیمیافتہ طبقہ کا اچھا اجتماع ہو گیا تھا، ۲۳ر کی شام کو لاہور تشریف لائے اور بعد مغرب حق نواز خاں صاحب کی کوٹھی پر خصوصی افسروں کا ایک بڑا اجتماع کیا گیا۔ دونوں جگہ ملا کر تقریباً ایک سو افسروں اور کالج کے پروفیسروں نے بات کو سنا۔ لاہور میں تین شب قیام رہا۔ اسی درمیان ۲۴ر مارچ ۱۹۶۵ء کو پھر رائے ونڈ تشریف لے گئے اور پرانے کام کرنے والوں میں خصوصی خطاب فرمایا۔

اس کے بعد ایک دن کے لیے نونار موضع (جو کہ نارووال سیالکوٹ کے قریب ہے) میں میواتی لوگوں کا اجتماع ہوا، اس اجتماع میں مولانا نے "سکرات الموت" اور "غمرات الموت" سے بچنے کی بار بار دعا فرمائی نیز جماعتوں کو رخصت کرتے وقت خطاب فرمایا:

نارووال میں مولانا پر تھکن کے آثار نمایاں ہونے لگے اور اندرونی طور پر جسم میں تکلیف اور شدت سے اذیت محسوس کرنے لگے۔ بے مثل ضبط و تحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

گوجرانوالہ میں جمعہ اور مولانا کی اہم تقریر

دو دن کے بعد جمعہ کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رُک گئے اور اس تکلیف کے باوجود جمعہ سے قبل اور اس کے بعد وہاں تقریر بھی فرمائی۔

مولانا کی یہ تقریر وفات سے ایک ہفتہ قبل کی تھی اور یہ جمعہ مولانا کی زندگی کا آخری جمعہ تھا، اگلے جمعہ کو مولانا لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اس تقریر میں مولانا نے حسب معمول ایمان ویقین اور ان کے لئے محنت و مجاہدہ کرنے اور اوقات دینے پر زور دیا، اس کے علاوہ وہ پورے ایمان ویقین اور اعتماد سے یہود و نصاریٰ کی معاشرت پر، اور مسلمانوں نے ان دشمنوں کی معاشرت، تہذیب و تمدن کو جس طرح اپنایا ہے اس پر انتہائی زوردار الفاظ میں تنقید کی۔ مولانا کی اس تقریر میں بے انتہا جلال تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مغربی تہذیب کے خلاف ایک شعلہ ہے جو بھڑک اٹھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ سے ہٹ کر زندگی گزارنے پر سخت ترین تنقید فرمائی۔[1]

لاہور کے تبلیغی مرکز میں

عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے اور یہاں بھی اس تکلیف کے باوجود بیانات برابر جاری رہے۔ ہفتہ کی شام کو دو گھنٹے تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا، پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا گیا کہ مولانا ٹیلی فون کمپاؤنڈ میں چلے گئے۔ وہاں دس بجے عورتوں کا اجتماع ہوا، مولانا کا بیان ہوا۔ مولانا کی بے قرار طبیعت کہیں بھی سکون وراحت سے نہ رہتی تھی۔ وہ ایک ماہیٔ بے آب کی طرح رہتے اپنے قلب ونگاہ اور اپنی زبان سے دین کی خدمت اور فرائضِ دینیہ کے افہام وتفہیم کا کام برابر کرتے رہے یہی وجہ تھی کہ باوجود تکلیف و مرض کے لاہور میں نہایت مشغول اوقات گزارے۔

---

[1] مولانا کی یہ تقریر طبع ہو چکی ہے، پوری کی پوری پڑھنے کی ہے۔

رائے ونڈ کے آخری اجتماعات اس کے بعد تین دن منگل، بدھ، جمعرات ۳۰، ۳۱ مارچ اور یکم اپریل ۱۹۶۵ء رائے ونڈ میں قیام فرمایا۔ اس آخری سہ روزہ قیام میں مولانا کی بڑی پُر اثر اور روح پرور تقریریں ہوئیں۔ رائے ونڈ کا یہ اجتماع جو تین دن تک چلا پاکستان کے اس سفر کی جان تھا، ہزاروں نے ہمہ تن گوش ہو کر باتیں سنیں، ہدایات حاصل کیں اور اپنی زندگیوں میں دینی انقلاب پیدا کر کے اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ اس اجتماع کا منظر درحقیقت شنیدنی نہیں بلکہ دیدنی تھا۔

خطاب میں فرمایا:۔

"اس کام سے ماحول بنے گا اور کسی کے دل میں درد پیدا ہوگا اور فکر لگے گا کہ یہ امت کس طرح یہود و نصاریٰ کے ہاتھ سے چھوٹے اور اس کی دردبھری آہ و زاری پر منجانب اللہ اس اُمت کے دوبارہ چمکنے کی صورت پیدا ہوگی جیسے تاتاریوں کے زمانے میں ۲۲ لاکھ مسلمانوں میں ۱۷ لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔ پھر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدہٗ کے فکر پر دروازہ کھُلا، اکبر کے دین الٰہی پر حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے ہاتھوں دروازہ کھلا۔"

رائے ونڈ کے عمومی اجتماعات کے علاوہ مولانا نے اپنے اس سفر کے آخری دنوں کی خصوصی مجلسوں میں کام کے متعلق نئے نئے باب کھولے، پُرانے حضرات کو اپنی قیمتی نصیحتوں سے سرفراز فرمایا اور مجسّم رحمت و شفقت بن کر ہر کس و ناکس کے ساتھ حسنِ معاملہ سے کام لیا، باوجود مشرق و مغرب کے طویل اور پُر مشقت سفر کے جس نے آپ کے جسم کے ایک ایک جوڑ کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور جسمانی تکان کے ساتھ ساتھ اعصابی تکان بھی پیدا کر دی تھی، مولینا کے ذہن و دماغ میں کام کرنے اور لینے کی وہی تازگی تھی جو مضبوط اور قوی الجثہ قائد کے اندر ہوتی ہے، ان مجلسوں میں مولانا نے دیہاتوں میں تبلیغی کام بڑھانے پر

پورا زور دیا اور فرمایا:

"آئندہ ہمارے سفر میں اجتماعات کو دیہاتوں میں رکھا جائے اور شہری طبقہ کو دیہات کی فضا میں رہ کر بات سنائی جائے سرحدی علاقہ میں کام کو بڑھایا جائے اور مشرقی پاکستان میں کوشش کو بڑھایا جائے اور اسلامی ممالک میں جماعتوں کو کثرت سے بھیجا جائے۔"

ان دنوں عوام کے دلوں میں مولانا کی محبت کا جو جذبہ پایا جاتا تھا اور جس کا اظہار طرفین سے ہوتا تھا وہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا تعلق دیکھنے سے تھا کہ کس طرح لوگ مولانا کے ارد گرد پروانہ وار چکر لگاتے تھے اور جب مولانا کچھ فرماتے تو ہر ایک ہمہ تن گوش بن کر سنتا اور اپنے کو ایثار و قربانی کے لیے بے دریغ پیش کر دیتا۔

مولانا نے رائے ونڈ کے اس سہ روزہ قیام میں منگل کو بعد نماز فجر ایک تقریر فرمائی جو بہت ہی زیادہ اہم تھی۔ اس میں مولانا نے امت کی تشریح کی اور بڑی جامع تقریر کی۔ بڑی حسرت وافسوس سے اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا ورنہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔"

یہ اُمت بڑی شفقت سے بنی ہے اس کو اُمت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اور ان کے دشمنوں یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ مسلمان ایک اُمت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اب مسلمان اپنا اُمت پنا کھو چکے ہیں۔ جب تک یہ اُمت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے الخ۔"

اس کے بعد اُمت کی تعریف، قومیت و وطنیت، رنگ و نسل کی بنیاد پر قوم کی ترقی کی

باتیں کرنے کے خلاف پر مغز باتیں فرمائیں اور آگے چل کر بڑے غم و افسوس سے فرمایا:۔

"مسلمان ساری دنیا میں اس لئے پٹ رہا ہے کہ اس نے اپنے امت
کو ختم کرکے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے، میں یہ دل کے غم کی باتیں
کہہ رہا ہوں۔ ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ اُمت امت نہ رہی بلکہ یہ
بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے اور حضورؐ نے کس طرح امت بنائی تھی۔"

مولانا نے بڑے جوش سے فرمایا:۔

"اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی
ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی، ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے
اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے
رہے تو خدا کی قسم تمھارے ہتھیار اور تمھاری فوجیں بھی تم کو نہیں بچا سکینگی۔"

مولانا کی اس پوری تقریر میں بڑا جوش و جلال تھا اور اعتماد و یقین، جرأت و بے باکی اور حق گوئی سے اپنی بات فرما رہے تھے۔[1]

دوسرے روز بدھ ۱۳؍مارچ کو بعد نماز فجر تقریر فرمائی اور آخری تقریر جمعرات کو بعد نماز اشراق جماعتوں کو رخصت کرتے وقت فرمائی۔ مولانا رائے ونڈ کے بعد لاہور تشریف لے گئے اور وہاں دو دن قیام فرمایا، جمعرات کو بعد مغرب ہفتہ واری اجتماع میں جو بلال پارک میں ہوا، باوجود تکلیف کے تقریر فرمائی اور دوسرے دن بروز جمعہ جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

---

[1] مولانا کی یہ تقریریں کئی جگہ چھپ چکی ہیں۔

۱۵
پندرھواں باب

علالت اور وفات

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

علالت | مولانا ہمیشہ سے بعض امراض کے شکار رہے۔ آخر میں اور مختلف شکایتیں پیدا ہو گئیں۔ ڈاکٹر غلام کریم صاحب جو مولانا کے ساتھ مدتوں رہے اور ان کے مزاج و کیفیات سے پوری طرح واقف ہیں اور مولانا کے علاج میں ان کا بڑا دخل رہا ہے مولانا کی بیماری اور شکایت کے متعلق کہتے ہیں :-

"مولانا اکثر فرماتے کہ مجھ کو پسینہ آتا ہے اور تھوڑا چلنے پر سانس پھولتی ہے، نبض دیکھی گئی تو عام طور سے ایک سو بیس کی رفتار سے نبض چلتی رہی قاعدہ ستر اسی کا ہے، صبح کے وقت بعد نماز فجر عموماً ایک سو نبض رہی لیکن تقریر کرنے کے بعد نبض کی رفتار تیز ہو جاتی، آخری سفر حج میں ڈاکٹر اسلم صاحب سے جو حج میں گئے تھے مشورہ ہوا، ڈاکٹر صاحب نے کہا جب تک مکمل جانچ نہ ہو جائے قطعی رائے قائم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کئی بار ایکسرے ہوا جس میں ڈاکٹروں نے بتلایا کہ قلب میں کوئی

بیماری نہیں، یہ نبض اس وجہ سے تیز ہے کہ حضرت کو کھانسی آتی تھی اور کچھ حرارت تھی لیکن کھانسی کے کم ہونے پر بھی نبض تیز رہتی ہے بعض ڈاکٹروں نے کہا کہ بعض آدمیوں کی نبض اتنی ہی ہوتی ہے جو کہ مستثنیات میں سے ہے بھوپال کے آخری اجتماع میں روانگی سے پہلے ڈاکٹر وحید الزماں حیدرآبادی ثم مکی نے بلڈ پریشر کی جانچ کی، اس وقت بلڈ پریشر بڑھا ہوا تھا، مولانا کو تقریر میں احتیاط کا مشورہ دیا گیا لیکن کام کے تقاضے کی وجہ سے حضرت نے فرمایا:۔

"اگر ہم تقریر وغیرہ نہ کریں تو پھر دوا کی کیا ضرورت، پھر پڑے رہا کریں علاج تو ہم اس لئے کرتے ہیں کہ کام کر سکیں اور جب تم کام سے روکتے ہو تو پھر علاج کی ضرورت نہیں"

پاکستان روانہ ہونے سے پہلے صحت ٹھیک تھی"

پاکستان کے آخری سفر کی مشغولیتوں نے مولانا کے جسم کو تھکا دیا، بارہ روزہ سفر نے جس میں مشرق و مغرب کے دونوں بازوؤں کے انتہائی دور دراز علاقوں کا دورہ ہوا، صبح شام کی مستقل تقریروں اور ۲۴ گھنٹوں میں تقریباً بیس، بائیس گھنٹوں کی گفتگو، ملاقات اور مسلسل بولتے رہنے سے اندرونی طور پر جسم چور چور ہو چکا تھا۔

علالت کی شدت جبکہ سفر کا اختتام ہو رہا تھا تو ناروال ضلع کے اجتماع سے ہی اندرونی طور پر تکلیف محسوس کرنے لگے مگر اس تکلیف کے باوجود بولنے سے احتیاط نہیں فرمائی اور انتہائی ضبط و تحمل کا ثبوت دیا اور اپنی تکلیف کا کسی کو بھی علم نہ ہونے دیا جب مرض انتہائی سنگین ہو گیا اور قوت نے بھی جواب دے دیا اور اندرونی تکلیف نے ظاہری تکلیف کی شدت اختیار کر لی اور یہ مرض چھپائے نہ چھپ سکا تو لوگوں کو اس کا احساس ہوا مگر مولانا آخر تک اس تکلیف کے باوجود بولتے رہے۔

۲۰ اپریل بروز جمعہ ٹرین سے سہارن پور کے لئے روانگی طے تھی، جمعرات کے دن رائے ونڈ سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے آئے اور عصر کی نماز بلال پارک بلغبان پورہ، میں ادا کی۔ ایک دن پہلے (بدھ کے دن) گلے سے معدے تک سانس کی نالی میں چبھن محسوس فرماتے تھے، لاہور پہونچ کر طبیعت میں تقریر کی آمادگی نہیں تھی۔ مولانا کے لیے یہ بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی۔ اس لئے کہ اپنی زندگی میں سخت سے سخت تکلیف میں بھی تقریر اور گفتگو سے پرہیز نہ کیا تھا نہ ان کی طبیعت نے کبھی تقریر سے ابا کیا تھا۔ مولانا پر اس تکلیف کا اتنا اثر تھا کہ مجبوراً لوگوں پر اس کا اظہار بھی کر دیا تھا اور اپنی جگہ مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری کو تقریر کے لئے بھیج دیا اور فرمایا تشکیل بھی تم کر لینا۔

آخری تقریر

بلال پارک میں (جہاں لاہور کا تبلیغی مرکز ہے) مولانا کا قیام تھا، وہ جمعرات کا دن تھا اور ہفتہ واری اجتماع تھا، چونکہ یہ اطلاع عام ہو چکی تھی کہ مولینا ہی ہندوستان تشریف لے جانے والے ہیں اس لحاظ سے مولانا کی یہ آخری تقریر ہوگی، ہزاروں اس خیال سے کہ مولانا سے آخری ملاقات ہو جائے گی اور ہزاروں اس خیال سے کہ مولانا کے اس سفر کی آخری تقریر سننے کا موقع ملے گا، بلال پارک کی مسجد میں جمع ہو گئے۔ اس غیر معمولی مجمع کو دیکھ کر بعض مخلصین نے عرض کیا کہ کچھ ضرور فرما دیں۔

سامعین کے جذبات اور کچھ مولانا کی تکلیف کا پوری طرح احساس نہ ہونے کی بنا پر مخلصین نے مولانا کو آمادہ کر لیا، مولانا نے بالآخر تقریر کا ارادہ کر لیا۔ اور باوجود اس کے کہ طبیعت بالکل آمادہ نہ تھی اور ضعف و نقاہت کا پورا احساس تھا، ہمت و جرأت اور قوتِ ارادی سے کام لے کر کھڑے ہو گئے اور سوا گھنٹہ تقریر فرمائی۔ اس پوری مدت کا آنکھوں دیکھا حال میاں جی محمد عیسٰی کی قلمی بیاض سے پڑھیئے۔

"بروز جمعرات یکم اپریل کو لاہور کے بلال پارک میں عصر کی نماز آکر پڑھی۔ بڑے سے گلے سے معدے تک سانس کی نالی میں چبھن کی شکایت کر رہے تھے، اس دن بیان فرمانے کا ارادہ نہیں تھا۔ مولوی محمد عمر صاحب پالن پوری کو مغرب کے بعد بیان کرنے کے لئے بھیج دیا اور تاکید کی کہ تم کو ہی تشکیل کرنی ہے لیکن لاہور کے دوستوں نے زور دیا اور بار بار تقاضے کرتے رہے، آپ انکار ہی فرماتے رہے۔ آپ پلنگ پر بھائی یعقوب کے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے، مولانا انعام الحسن صاحب، قریشی صاحب، مفتی زین العابدین صاحب، محمد عیسیٰ فیروز پوری، عبدالمالک صاحب سیالکوٹی مقیم رائے ونڈ، کمرہ میں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور دوست بھی آتے جاتے رہتے تھے، فرمایا "مفتی صاحب میری سانس کی نالی میں چھالیہ سی معدہ سے اُٹھ کر اوپر کی جانب آتی ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے میں پانی پی کر اُسے دباتا ہوں جب تک وہ نیچے نہ اُتر جائے پانی پیتا رہتا ہوں، آپ اس تکلیف کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" مولانا انعام الحسن صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا، "مفتی صاحب فتویٰ دیجئے"۔ پھر فرمایا " بھائی ہماری منزل تو پوری ہو چکی"۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا، "ابھی کہاں، ابھی تو آپ کو چین، روس، امریکہ اور ہندوستان میں اسلام پھیلانا ہے اور سارے ممالک میں اسلام کی دعوت پہنچانی ہے"۔

فرمایا کہ "پالیسی مکمل ہو چکی، اب کرنے والے کرتے رہیں گے"۔

پھر پوچھا، "حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس عمر میں وصال فرمایا؟"

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا "باسٹھ سال کی عمر میں"۔

فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا؟"

مولانا انعام الحسن نے فرمایا، "تریسٹھ سال کی عمر میں"۔

پھر خود فرمایا، "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور ہمارے لئے اڑتالیس سال بس ہیں"۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا، "ابھی سے"۔

ذرا سکتے کے بعد فرمایا، "تریسٹھ سال ٹھیک ہے"۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا، "یہ مشورہ کی چیز تھوڑی ہے، پھر تو سب ہی اپنے لئے طے کرلیں"۔

اسی قسم کی باتیں فرما رہے تھے کہ لاہور کے دوست باری باری آتے اور تقاضہ کرتے رہے کہ شہری مجمع کثیر تعداد میں آیا ہوا ہے اور مسجد اوپر نیچے بھری ہوئی ہے آخر میں بھائی عبدالخالق لاہوری نے شدید تقاضہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت تشریف لے چلیں نماز کا وقت قریب ہی۔ جواب دیا کہ "اذان دلوادو اور چلو نماز پڑھ لیں" اس پر چند دوستوں نے عرض کیا کہ "حضرت تقریر کے لئے عرض کررہے ہیں" قریشی صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "کیا قریشی صاحب مجھے کہنا ہی پڑے گا، میں کیا کہوں مجھے جو کہنا تھا سب کہہ چکا، اب مجھے کچھ نہیں کہنا"۔

قریشی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت احباب کا اصرار بہت ہے اور یہ تقریر اس سفر کی آخری تقریر ہوگی، مجمع بھی اچھی صلاحیتوں والا آیا ہے"۔ اس پر حضرت کے چہرہ کے آثار بدل گئے اور مجھ (محمد عیسیٰ فیروزپوری) سے فرمایا، "تو عیسیٰ مجھے اٹھادو" میں نے ایک ہاتھ سے حضرت کا ہاتھ پکڑا، دوسرے ہاتھ کو کندھے کے نیچے لگا کر پوری طاقت سے اٹھایا میں پوری طاقت لگا رہا تھا لیکن حضرت مجھ سے نہیں اٹھ رہے تھے۔ حالانکہ حضرت خود بھی اٹھنے کی طاقت لگا رہے تھے۔ قریشی صاحب دوڑ کر آئے اور دوسرے کندھے اور کمر پر ہاتھ رکھ کر اٹھانے میں مدد دی، دونوں کے اٹھانے سے حضرت جی بمشکل اٹھے اور کھڑے ہو کر لنگی باندھ رہے تھے اور پائجامہ اتار رہے تھے کہ سامنے سے مولوی شمس الدین میواتی (قاری بدرالدین کے بھائی) آگئے۔

فرمایا، "تم سب ہندوستان چھوڑ کر یہاں آگئے؟"

وہ مؤدب اور خاموش کھڑے رہے۔ پھر خود ہی فرمایا "حضرت شیخ وہاں ہیں وہی بہت کافی ہیں" پھر استنجا فرمایا، وضو فرمایا اور تقریر فرمانے تشریف لے چلے۔

مجمع کافی تھا، مسجد اوپر نیچے سے بھری ہوئی تھی، باہر کا صحن اور میدان بھی بھرا ہوا تھا۔ تقریباً سوا گھنٹے تقریر فرمائی۔ اس میں نماز کی ایک ایک چیز کو بتلایا، تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک کی ایک ایک بات کی شرح کی، دوران تقریر پسینہ آتا رہا۔ آپ باربار پونچھتے تھے، درمیان میں پانی مانگا اور پیا، تقریر کے بعد تشکیل ہو رہی تھی۔ آپ پر تکان کے اثرات غالب تھے لیکن عزت پوری ابن عبدالحمید پوری کراچی والوں کا نکاح پڑھانا تھا جبر کر کے بیٹھے رہے، تشکیل کو روک کر نکاح پڑھایا، بہت مختصر خطبہ پڑھا، مختصر سی دعا کی اور مسجد کے اندر سے تیزی سے باہر کو چلے آئے۔ مسجد سے نکل کر حاجی بشیر صاحب کے مکان کے سامنے جو بالکل مسجد کے ملحق ہے، آواز دے کر فرمایا "سعد مجھے سنبھالو!" سعد بن حافظ صدیق نوحی ایک کار کے قریب کھڑے تھے، دوڑ کر آئے اور حضرت کو سنبھالنا چاہا لیکن وہ گھبرا گئے اور سنبھالنا مشکل ہو گیا، انھوں نے ایک دوسرے کو آواز دی۔ سعد کی آواز پر ریاض لاہوری دوڑ کر آئے اور دونوں حضرت کو سہارا دے کر لے چلے، بھائی یعقوب کے گھر کے دروازے میں داخل ہوتے وقت ان سے نہ سنبھالا گیا، حضرت لڑکھڑائے اور غشی طاری ہو گئی، ان دونوں نے آوازیں دیں، اندر سے دوڑ کر بھائی یعقوب اور احسان بھائی قریشی صاحب آئے اور سب نے مل کر اٹھا کر چارپائی پر لٹا دیا، خبر ملنے پر سب دوست آ گئے، قریشی صاحب، حکیم عبدالحئی صاحب، برادر مولوی ضیاء الدین صاحب ٹیکسلا والے اور ان کے صاحبزادہ احمد حسن صاحب بھی آ گئے۔ حکیم احمد حسن صاحب کے جیب میں جواہر مہرہ تھا، انھوں نے دودھ میں اسے دیا تو ہوش آ گیا۔ اس سے پہلے بدن ٹھنڈا تھا، نبض بند تھی اور بیہوشی طاری تھی، جواہر مہرہ کھلانے سے ہوش بھی آیا، نبض بھی چلنے لگی اور بدن میں گرمی آ گئی۔ حکیم عبدالحئی صاحب نے فرمایا کہ یہ دل کا حملہ ہے، ان کے اس فرمانے کی وجہ سے ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ کو بلانا تجویز ہوا کیونکہ

یہ بہترین ماہر قلب ہیں، حکیم صاحب نے دوبارہ جواہر مہرہ دیا اور تین چمچے دودھ پلایا، حضرت نے خود ہی نیچے اُتارا، اس سے بدن میں اور زیادہ قوت محسوس ہونے لگی اور کچھ طبیعت سنبھل گئی، کرنل ضیاء اللہ کو لایا گیا، تقریباً گیارہ بجے شب ڈاکٹر صاحب تشریف لائے، انھوں نے نبض دیکھتے ہی فرمایا، یہ دل کی بیماری کا شدید حملہ تھا اس سے بچ جانا بڑی کرامت ہے، ابھی تک ہاتھ پاؤں ٹھنڈے تھے، نبض ۷۰ اور خون کا دباؤ تو ۹۰ ہے تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہسپتال کے لئے بہت اصرار کیا اور حرکت سے قطعاً منع کیا۔ یہاں تک کہ کروٹ بھی خود نہ لیں۔ کمبل بھی خود نہ اوڑھیں، رفع حاجت لیٹے لیٹے ہی کرائی جائے۔

زندگی کی آخری رات

خدا کی شان، جس مردِ خدا نے اپنی زندگی کے شب و روز اُمتِ اسلامیہ کی فکر میں گزارے اور ہزاروں راتیں دینِ اسلام کی اشاعت اور خلق خدا کی بہبودی اور تبلیغی کام کے فروغ کے لئے رو رو کر بسر کیں اور پچھلے پہر کا وقت اپنے درد و سوز سے بھری ہوئی دعاؤں میں گزارا اس کی زندگی کی آخری رات ایسی گزری کہ ہزاروں افراد نے جن کو خدا نے درد و سوز اس مردِ خدا کی کوششوں سے عطا کیا تھا، اس کی صحت و عافیت کے لیے رو رو کر اور تڑپ تڑپ کر دعائیں کیں اور آنکھوں میں رات کاٹ دی۔ ڈاکٹر صاحب کی دواؤں سے مولانا کو نفع ہوا اور وہ تکلیف جو دورہ اور غشی سے پیدا ہو گئی تھی کم ہو گئی، آدھی رات گزرنے کے خاصی دیر بعد مولانا نے عشا کی نماز ادا کی، صبح تک طبیعت ایسی سنبھل گئی کہ کرنل ضیاء اللہ صاحب نے جب آکر دیکھا تو ان کو سخت حیرت ہوئی، سب لوگ ایک درجہ مطمئن ہو گئے۔ ایک صاحب جو وہاں موجود تھے بیان کرتے ہیں:-

"ان دواؤں کے استعمال کے بعد دیکھا کہ اجابت کپڑوں میں ہو گئی ہے، طہارت اور تیمم کے بعد عشاء کی نماز پڑھائی گئی، نماز کے بعد جملہ احباب آپ کے پاس ہی رہے۔ تقریباً پونے تین بجے نیند آگئی تو اکثر خدام کمرے سے باہر چلے گئے۔ صبح پانچ بجے آنکھ کھلی تو فرمایا کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا، "حضرت ہاں"۔

آپ نے فرمایا "کیا وضو کرائیں گے؟" مفتی صاحب نے فرمایا "نہیں تیمم۔"

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا "کیا نماز بیٹھ کر ادا کروں؟"

مفتی صاحب نے کہا "نہیں حضرت صرف اشارے سے۔"

چنانچہ یہ نماز اشارے سے ادا ہوئی۔ نماز کے بعد مولانا نے فرمایا "چائے پلاؤ گے؟" مفتی صاحب نے عرض کیا کہ جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر اور سو جائیں پھر چائے پئیں گے، تو مولانا نے فرمایا کہ میرا بھی جی سونے کو چاہتا ہے۔" چنانچہ آپ سو گئے، مفتی صاحب سات بجے آئے تو حضرت مرحوم گہری نیند سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے، وہ باہر بیٹھ گئے۔ حکیم احمد حسن صاحب اور قریشی صاحب بھی تشریف لائے اور باہر بیٹھ گئے۔ سوا سات بجے بیدار ہوئے تو تینوں حضرات آپ کے پاس بیٹھ گئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ (مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر) رات کیا ہوا تھا؟

مفتی صاحب: حضرت چکر آ گیا تھا۔ مولانا (حکیم احمد حسن صاحب سے مخاطب ہو کر) میری نبض دیکھئے۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور بولے الحمد للہ اب تو ٹھیک ہے۔

مولانا نے حکیم صاحب سے پوچھا "رات کیا ہوا تھا؟" حکیم صاحب: دل کا دورہ تھا۔

مولانا نے مفتی صاحب کی طرف دیکھا تو مفتی صاحب آگے بڑھے اور مولانا کے منھ پر ہاتھ رکھ کر کہا، حضرت ان حکیموں اور ڈاکٹروں کو دل کے حال کا کیا پتہ، دل کا حال تو دل بنانے والا جانے یا دل والا جانے، مولانا (اس پر ہنسے اور فرمایا) ٹھیک ہے، میرے تو دل ہی نہیں، فکر کی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟"

قریشی صاحب: "حضرت ڈاکٹر صاحب کو بلوایا ہے وہ آ کر تفصیلی معائنہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ رات کیا ہوا تھا؟"

مولانا "آپ اسلئے کہہ رہے ہوں گے کہ مجھکو فکر نہ لگ جائے جہاں اور سب دورے پڑتے رہے، ایک دورہ یہ بھی پڑ گیا۔ یہ کوئی فکر کی بات نہیں، فکر کی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟"

چند گھنٹے سکون کے صبح کی نماز پڑھی، چائے پی، مندرجہ بالا گفتگو فرمائی، مخلصین و محبین کو اس صورتِ حال سے ذرا سا اطمینان ہوا لیکن مولانا کو اپنی فراستِ ایمانی سے اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ مرض جان لیوا ہے اسی لئے باوجود اطمینان دلانے اور اہلِ تعلق کے بار بار تسکین دینے کے فرماتے کہ "فکر اس کی ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟" صبح سے دوپہر تک کا وقت سکون کا گزرا، اسی درمیان مولانا نے مختلف باتیں فرمائیں اور دینی دعوت کے فکر و احساس نے ایسے نازک وقت میں بھی مولانا کو بے چین رکھا۔ مولانا نے فرمایا، "تبلیغی اور دعوتی کام کو اور زیادہ بڑھایا جائے"۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے علاقہ میں لوگوں کے اندر کام کرنے کی اہمیت کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا "یہ ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں"۔ مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی سے فرمایا "میری کتاب "حیاۃ الصحابہ" پر جو رقم لگی ہے اس کی زکوٰۃ ادا کر دیجئے"۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا "حضرت بہت اچھا، ساتھ ہی کہا "حضرت میں آپ کے ساتھ رہا ہوں، معاف فرما دیجئے" آپ نے فرمایا "معاف کیا"۔

ڈاکٹر صاحب نے مولانا کی اس سکون کی کیفیت دیکھ کر اور نبض و خون کا جائزہ لے کر اطمینان کا اظہار بھی کیا اور کہا کہ حملہ اتنا شدید تھا کہ اس سے بچ جانا میری سمجھ سے باہر تھا اور اس کا علاج بھی اتنا عجیب ہے کہ اگر ایسا چلتا رہا تو انشاء اللہ پھر یہ دورہ کبھی نہ ہوگا مگر تین دن انتہائی احتیاط کے ہیں۔

مولانا نے قریشی صاحب سے فرمایا "آرام کے دوران تقریر کی سفارش تو نہیں کرو گے؟"

عرض کیا گیا "نہیں"۔

فرمایا "اگر تمھارا کوئی خاص آدمی آگیا تو؟"

عرض کیا گیا "پھر بھی نہیں"، فرمایا اگر ہمارے ہی جی میں آگیا تو؟ قاری خورشید خورجوی نے عرض کیا "ہم سب مل کر آپ کو روک لیں گے"۔ اتنے میں چائے کا وقت آگیا اور آپ نے

چائے نوش فرمائی۔

مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری اپنے روزنامچہ میں اس وقت کا حال اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"اس وقت حضرت مرحوم ہشاش بشاش تھے نہ چہرے پہ بیماری کے آثار تھے نہ آواز میں نقاہت تھی، میں نے عرض کیا کہ حضرت چائے لائیں؟ فرمایا "ہاں" چنانچہ چائے کی دو پیالیاں لیٹے لیٹے ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق چھوٹی چائے دانی سے پلائی گئیں چائے کے بعد حضرت فرمانے لگے: "کیا پان کھلاؤ گے؟" میں نے عرض کیا ضرور کھلائیں گے۔ میں نے مولانا انعام الحسن صاحب سے پان مانگا۔ انھوں نے فرمایا "آج چھالیہ اور تمباکو معمول سے کم دینا ہے میں نے دونوں چیزیں کم ڈالیں۔ قاری محمد رشید صاحب نے مجھ سے پان لیا کہ میں توڑ تاڑ کر منھ میں رکھوں گا۔ جب یہ پان لے کر حاضر ہوئے تو فرمایا پان دکھلاؤ اور فرمایا کہ تمباکو کم کرو، انھوں نے کم کیا، پھر فرمایا اور کم کرو تو اور کم کیا۔ اس کے بعد پان کھالیا اور غالباً خیال یہی ہے کہ یہ آخری پان تھا۔"

جمعہ کا یہ دن مولانا کے ہندوستان آنے کا تھا اور اس کی خبر پورے پاکستان میں مشہور ہو چکی تھی اور حضرت شیخ کو ہندوستان بھی خبر کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے ہندوستان میں بھی ان کا انتظار تھا، اس بنا پر اس سکون کے وقت مولانا نے قریشی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا، آج جانا بھی ہے، تو قریشی صاحب نے کہا کہ حضرت انشاء اللہ جائیں گے اور اپنے گھر جانا ہے۔" اس پر قاری محمد رشید صاحب سے پوچھا "تیری کیا رائے ہے؟" تو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جانا ہے مگر آج نہیں"۔ تو فرمایا "دونوں طرف والے پریشان ہوں گے" دونوں طرف سے مراد سہارن پور اور دہلی تھی۔

قریشی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فون سے اطلاع کر دیتے ہیں۔ فرمایا، بہت اچھا اور اس حساب سے بارہ بجے قریشی صاحب نے حضرت شیخ کو تار دے دیا کہ طبیعت ناساز ہے

اس لئے سفر ملتوی ہو گیا۔

ڈاکٹر ضیاء اللہ صاحب ۱۱ بجے آئے۔ آتے ہی پوچھا،

"سانس کی تکلیف اور کھانسی تو رات میں نہیں تھی؟"

کہا گیا نہیں"۔ ڈاکٹر صاحب نے زور سے کہا "الحمدللہ" اور بولے،

"اتنی جلدی صحت میں ترقی ہمارے خیال سے باہر کی چیز ہے۔ اس کے بعد کہا نبض ۱۲۰۔ ڈاکٹر نبض ۱۱۰ رہا کرتی تھی) خون کا دباؤ ۱۲۸ تھا۔ حالت اچھی تھی، ڈاکٹر صاحب نے دل کی حرکت کا تحریری چارٹ (کارڈیوگرام) لیا، اسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ابھی دل پر مرض کا اثر باقی ہے اور حرکت و کروٹ سے منع فرمایا اور غذا کم استعمال کرنے کی ہدایت کی اور باہر آکر پوچھنے پر کہا کہ پندرہ دن سے پہلے سفر مناسب نہیں۔

مرض کا شدید حملہ

کرنل ضیاء اللہ صاحب کے گیارہ بجے والے تفصیلی معائنہ کے بعد انتہائی احتیاط بتلانے سے خواص اہل تعلق کو مولانا کی صحت کی طرف سے فکر ہو گئی اور ایک بڑے شدید حملہ سے ڈرنے لگے، بظاہر صبح سے دوپہر تک کی مولانا کی صحت اور ہوش و حواس ایک سنبھالے کی حیثیت رکھتے تھے، دوپہر کو مولانا زین العابدین صاحب مولانا کو دیکھنے آئے اور کرنل ضیاء اللہ کی ان باتوں سے اچھے خاصے ہراساں ہو گئے، جمعہ کا وقت تھا وہ مسجد میں تشریف لے گئے اور مولانا کی صحت کی دعا کی درخواست کی اور کہا کہ حضرت مولانا کی حالت تشویش سے خالی نہیں۔ اس کے بعد جمعہ کا خطبہ شروع کیا مگر دل ادھر ہی لگا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد مفتی صاحب اور قاضی عبدالقادر صاحب کو مولانا نے بلایا۔ قاضی صاحب فوراً چلے گئے اور مفتی صاحب نے نماز پڑھ کر حاضری دی تو حالت خطرناک ہو چکی تھی۔

ایک صاحب جو اس وقت موجود تھے بیان کرتے ہیں:-

"جمعہ کا وقت ہوا تو ہم سب نماز کو چلے گئے، خطبہ کے ختم ہونے پر صفیں سیدھی ہو رہی تھیں کہ بھائی خدا بخش نے ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کو اونچی اونچی آواز دی

وہ گئے، سانس کی تکلیف شروع ہو چکی تھی، قاضی عبدالقادر صاحب کو بلایا، انکا ماتھا پہلے ہی ٹھنک چکا تھا۔ یہ تکلیف دوپہر کو دو گولیاں کھانے کے بعد شروع ہو گئی تھی، فرمایا "مجھے نماز پڑھاؤ اور مختصر پڑھاؤ"۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے نماز پڑھائی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، دوبارہ حملہ شروع ہو گیا ہے، آکسیجن کے لئے اسپتال لے جانا ضروری ہے۔ مولانا اسپتال جانے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ جب مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ عورتیں نہیں ہونگی، ہم پہلے چل کر اسپتال میں انتظام کرلیں گے تو آمادہ ہو گئے"۔

آخری لمحات

آخر کار سب کے متفقہ فیصلہ کے بعد مولانا کو ایک کار میں لٹا دیا گیا، ساتھ میں مولانا انعام الحسن صاحب، ڈاکٹر محمد اسلم صاحب، مولوی الیاس صاحب بیٹھے، مولوی الیاس صاحب کا بیان ہے کہ شام کی دعائیں پڑھنی شروع کردیں۔ سبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون۔ الخ۔

میاں جی عیسیٰ اپنی بیاض میں لکھتے ہیں:۔

"بھائی بشیر صاحب کہتے ہیں کہ جب میں جمعہ کے بعد حضرت کو دیکھنے آیا اور کمرے کے دروازے کو کھول کر اندر داخل ہونا چاہا تو سانس کی کھڑکھڑاہٹ اور زور سے آرہی تھی اور حضرت "ربی اللہ، ربی اللہ" فرما رہے تھے اور میری طرف بڑی بڑی آنکھوں سے اس طرح گھور کر دیکھا کہ میں حضرت کو نہ دیکھ سکا"۔

اس سے پہلے کہ جب کہ مولانا انعام الحسن صاحب اور مفتی زین العابدین صاحب اسپتال لے جانے کا مشورہ کر رہے تھے۔ مولانا نے ان دونوں کی جانب دیکھا اور بلند آواز سے فرمایا:۔

لا الٰہ الّا اللہ الحمد للہ الذی انجز وعدہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد اللہ الذی انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لا شئی قبلہ ولا بعدہ لا شئی قبلہ ولا بعدہ لا شئی قبلہ ولا بعدہ

وفات موٹر پر سوار ہونے سے پہلے ہی سانس اکھڑنے لگی تھی اور مولانا اپنی زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگے تھے مفتی زین العابدین صاحب پہلے ہی اسپتال روانہ ہو گئے تھے۔ تاکہ مولانا کے حسب خواہش انتظام کر سکیں گڑھی شاہو کے قریب جب کار پہونچی تو مولانا نے فرمایا، تمھارا اسپتال کتنی دور ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابھی آدھا فاصلہ ہے، اس کے بعد زبان صحیح طور پر کام کرنے سے قاصر ہوگئی، آنکھوں میں بھی تغیر پیدا ہوگیا مولانا انعام الحسن صاحب نے یٰسین شریف پڑھنی شروع کر دی، مولانا کی زبان پر برابر کلمہ جاری تھا۔ ایک صاحب اس وقت کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"حضرت مرحوم پہلے تو صبح و شام کی مسنون دعائیں اونچی آواز سے پڑھتے رہے۔ پھر آواز دھیمی ہوئی اور آخر کار صرف ہونٹ ہل رہے تھے آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس اثنا میں آپ نے دریافت فرمایا کہ تمھارا اسپتال کتنی دور ہے؟"

قریشی صاحب نے جواب دیا، حضرت تقریباً دو فرلانگ۔

اس پر آپ نے فرمایا "اچھا پھر ہم تو چلے"۔

یہ آخری جملہ تھا جو احباب نے سنا اس کے بعد ہونٹ ہلتے رہے اور محسوس ہو رہا تھا کہ آپ دعائیں پڑھ رہے ہیں اور چند ہی لمحوں میں مولانا نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے متبسم چہرے کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یعنی ۲۹ ذیقعدہ ۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو بروز جمعہ ۲ بج کر ۰ ۵ منٹ پر ۲۱ برس تک مسلسل اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے جان کھپانے والی یہ بابرکت ہستی اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

منگر کہ دل ایں یمینی پرخوں شد ۔۔۔ بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف و پا بر و دیدہ بدوست ۔۔۔ با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی

عبادی وادخلی جنتی۔

مولانا انعام الحسن صاحب نے اب بجائے ہسپتال لے جانے کے بلال پارک واپس لے چلنے کو کہا، لیکن ساتھیوں کے اصرار پر اسپتال لے جایا گیا اور ڈاکٹروں نے خوب آکسیجن دی تاکہ حرکتِ قلب شروع ہوجائے مگر زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی تو ڈاکٹر منیر صاحب نے بھی مایوسی کا اظہار کردیا اور ہر طرف ایک سناٹا چھا گیا، اہلِ تعلق اپنے ہوش میں نہ تھے، پوری فضا سوگوار تھی، مولانا انعام الحسن صاحب کی زبان سے نکلا۔ انا للہِ وانا الیہِ راجعون اَللّٰھُمَّ اجرنی فی مصیبۃ واخلف لی خیراً منھا ۔ بعض رفقاء دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور بعض صبر و عزیمت کے پیکر بنے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

جنازہ بلال پارک میں بالآخر نعش بلال پارک (جو لاہور کا تبلیغی مرکز تھا) لائی گئی، خبرِ وفات کو جو سنتا تھا حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا تھا، وہ مجمع جو نمازِ جمعہ کے بعد دعائے صحت کے مانگنے میں مشغول تھا، اچانک وصال کی خبر پاکر اور نعش دیکھ کر بے قابو ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو وہ محبوبیت عطا فرمائی تھی کہ پروانوں کی طرح لوگ گرے پڑتے تھے زندگی میں اور زندگی کے بعد اس عشق و محبت میں کوئی فرق نہیں آیا، نعش سامنے رکھی تھی اور ہزاروں آدمی ٹوٹے پڑتے تھے، کسی میں حضرت ابوبکرؓ کی سی کیفیت تھی کہ وہ عزم و استقلال کا پہاڑ معلوم ہوتا تھا اور کسی میں حضرت عمرؓ کی حالت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ مولانا کی موت پر یقین نہیں کر پاتا تھا، کسی میں حضرت عثمانؓ کی کیفیت طاری ہو گئی کہ اس کی ہمت جواب دے چکی تھی اور اندھیرا چھا گیا تھا اب وہ مجمع جو اب سے چند منٹ پہلے سراپا دعائے صحت بنا تھا۔ اب دعائے مغفرت میں ڈوب گیا، تعلق تو ہر ایک کو تھا لیکن قریب سے قریب تر احباب، اہلِ تعلق اور مخلصین کا حال تو درحقیقت اس شعر کے مصداق تھا ؎

حالِ ما، در ہجرِ یُوسف کم تراز یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و ما پدر گم کردہ ایم

عوام و خواص پر مولانا کے انتقال کا جو اثر پڑا اس کا ایک ہلکا سا نقشہ محمد اسلم صاحب نے ہفت روزہ "شہاب" میں اس طرح کھینچا ہے۔

"عصر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی شاہ عالم مارکیٹ کی مسجد میں پُرنم آنکھوں، لرزتی زبان اور کانپتے جسم سے ایک دوست نے اس زندگی کی سب سے زیادہ وحشتناک خبر سنائی۔ "حضرت جی کا انتقال ہوگیا" آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاگیا، زمین پاؤں تلے سے سرکنے لگی، دل دھڑکنے لگا، قریب تھا کہ لڑکھڑا جاتا، اک ہوک اٹھی، تفصیل معلوم کرنے کا ہوش کہاں۔

بلال پارک پہونچا، مسجد کے اندر اور باہر ایک جمِ غفیر، ہر ایک کی آنکھوں سے آنسو رواں، زبانیں خاموش، جسم ساکت، جو جہاں بیٹھا یا کھڑا وہیں کا ہو رہا۔

نگاہیں ایک دوسرے سے ملتیں، زبان ہلنے کا ارادہ کرتی لیکن اتنی سکت کہاں اور پھر آنسو رواں، لوگ گروہ در گروہ آتے رہے جن میں بڑے بھی تھے چھوٹے بھی، دیندار بھی اور دین کو اچھا سمجھنے والے بھی، سیاسی عالم بھی تھے اور غیر سیاسی بھی، اونچے درجے کے سرکاری احباب بھی تھے اور چھوٹے درجے کے بھی، ہر مکتبِ فکر کے لوگ موجود، ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے حاضر، اور پھر اتنے تھوڑے سے وقت میں اور پھر خبر ابھی تو پوری طرح پھیلی بھی نہ تھی ابھی سے یہ حال کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں، مسجد کے سامنے ایک کچے کمرے میں اس مردِ قلندر کی میت رکھی ہوئی تھی جو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ یہ کہنے میں گزارتا رہا کہ:۔

"اے لوگو! ایک دن مرجانا ہے، یہاں کی کوئی چیز بھی تمھارے ساتھ نہیں جائے گی سوائے ان چیزوں کے جن پر محنت کرکے تم نے

اپنے آپ کو سنوارا، دل کو پاک کرلیا، آنکھوں کو حقیقی نورانی بنالیا، کانوں کو اللہ کی بات کے سوا ہر چیز سے بہرہ کرلیا، ہاتھوں میں ٹھہراؤ ہوگیا، پاؤں ٹھوکروں سے بچ گئے، زبان سنبھل گئی۔ بس یہی چیزیں تمھارا ساتھ دیں گی، اور خدا کی قسم پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایسا کرنے والے ہی کامیاب ہوئے"۔

لائن لگی ہوئی تھی، میت اندر تھی، دیکھا، اللہ اکبر! کس سکون سے، کس اطمینان سے کتنی بے فکری سے یہ کامیاب انسان سویا ہوا تھا، سچ عرض کرتا ہوں موت کا گمان بھی نہ ہوتا تھا، چہرے کی مسکراہٹ دیکھنے والوں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھی کہ تم سمجھتے ہو کہ یہ موت بے دلی کی موت ہے، بے بسی کی موت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، خدا کی قسم یہ کامیاب موت ہے، اللہ کے راستے کی موت ہے جس کو شہادت کہتے ہیں، یہ اس انسان کی موت ہے جو پوری زندگی اس بات کی شہادت دیتا رہا کہ " لوگو! صحیح موت وہی ہے جو اللہ کی راہ میں آجائے، ہزاروں کو اس یقین پر ڈالا، اور آج اس کے مالک نے یہی سچی بات اس کے ساتھ کر کے دکھادی، دل پہ جتنا غبار تھا ایک نظر دیکھنے سے صاف ہوگیا، اطمینان ہوا، دل مچلا، زبان ہلی، اے اللہ۔ ایسی موت ہمیں بھی نصیب فرمادے۔ آمین

مغرب کی نماز ادا کی گئی، دعا سے فارغ ہوتے ہی ایک صاحب نے آواز لگائی:-

"حضرات تشریف رکھئے، دین کی بات ہوگی" وہی پرانا انداز، وہی نرمی، اللہ اللہ حیرت ہوئی کہ اس موقع پر وہی لگن، ہندوستان سے مولانا کے رفیق سفر مولانا محمد عمر صاحب اٹھے اور فرمایا:-

بزرگو اور دوستو! آج بہت بڑے صدمے کی بات ہوگئی کہ حضرت جی کا انتقال ہوگیا، دل پھٹ رہے ہیں، طبیعتوں میں ٹھہراؤ نہیں۔ ہمارے محدود ذہنوں کی محبت کا مرکز اٹھ گیا۔ لیکن آج ایسے وقت میں ہمیں کیا کرنا ہے سنئے اور پوری

توجہ سے سنئے، فرمایا گیا کہ جب ایسا وقت آجائے تو اس موت کو یاد کرو جو
اس پر گزری جو اس پوری کائنات کی تخلیق کا باعث تھے۔ ہمارے ماں
باپ قربان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، کیا اس دھرتی پر اُس دن سے بھی
زیادہ کوئی بُرا دن آیا ہوگا جس دن ہماری محبتوں کا مرکز اٹھا، آج کے دن
مرنے والے سے محبتیں انھی کے واسطے سے تھیں اس لئے آج ہم کو وہی
کچھ کرنا ہے جو اس وقت اصل محبت والوں نے کر دکھایا"

اُس وقت کا پورا نقشہ کھینچا گیا، اُسامہ بن زید کے لشکر کا واقعہ سنایا گیا کہ دین کی دعوت کے لئے لشکر تیار کھڑا ہے، ادھر اس کائنات کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی میت رکھی ہے لیکن سب سے پہلے جو کام کیا گیا وہ یہ تھا کہ لشکر کی روانگی پوری محنتوں سے کی گئی، ہزاروں رکاوٹیں درپیش، لیکن محبت کا تقاضا تو اصل میں یہی تھا، جس کی بدولت یہ سب کچھ ظہور میں آیا۔

بتایا گیا کہ اس طریقہ کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی موت پر اسی مرنے والے نے اس وقت تک میت اٹھانے کی اجازت نہ دی، جب تک اللہ کی راہ میں تین تین چلّوں کی جماعتیں رَوانہ نہ کردیں" آج ہم انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بتائے دیتے ہیں کہ یہ میت اسی وقت اٹھے گی جب یہاں سے اسی وقت جماعتیں تیار ہوکر اللہ کی راہ میں نکل جائیں گی۔

اللہ اکبر! بیان میں کیا اثر تھا کہ آج وارد ہونے والی ساری کلفتیں دور ہوگئیں اور اس وقت کا پورا نقشہ سامنے آگیا، درست ہے کہ اصل چیز نگاہوں سے اوجھل نہ ہو، مقصد سے پورا لگاؤ ہو، کامیابی کا تصوّر زمانے کی گردش کے ساتھ نہ گھومتا ہو، تو ہر آنے والی بڑی سے بڑی اُفتاد اپنے ساتھ اصل مقصد کو نکھارنے کا رنگ لاتی ہے۔ ورنہ چشمِ فلک نے دیکھا کہ اس دُنیا کی ہلکی سی "سنہری جھلک" کا تصور ہی آجانے سے یا تھوڑی سی اُفتاد پڑنے سے، بڑے بڑے با مقصد

ہونے کا دعویٰ کرنے والے بھول بھلیاں میں کھو کر رہ گئے، واقعی، لوگوں نے دیکھا کہ جماعتیں تیار ہوگئیں اور روانگی کی فکر ہونے لگی، خوشی ہوئی کہ اس مردِ درویش کے اُٹھ جانے کے بعد بھی سعید روحیں موجود ہیں جو ایسے وقت میں خود بھی سنبھلتی ہیں اور دوسروں کیلئے سہارا بنتی ہیں۔"

ریڈیو پاکستان سے خبرِ وفات نشر ہوئی اور ہوا کے دوش پر یہ المناک خبر پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی، ہر جماعت اور ہر گروہ کے لوگ جوق جوق پہونچنے لگے تقریباً ہر دینی جماعت کے رہنما تعزیت کے لئے آئے۔

" سرگودھا، لائل پور، گجرانوالہ، قصور، منٹگمری، ملتان، شیخوپورہ، سیالکوٹ سے عوام وخواص، علماء ومشائخ پہونچنا شروع ہو گئے، لاہور کے مدارس دینیہ کے اساتذہ طلباء میں، درد وفکر رکھنے والوں کے علاوہ دفاتر کے کلرک، کالج کے پروفیسر، طلبار نیز عوام بھی کثرت سے جنازے میں پہنچ گئے تھے۔ آن کی آن میں مسجد بلال پارک اور ملحقہ میدان بھر گیا، مقامی علماء میں سے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور جانشین حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب اور حضرت مولانا رسول خاں صاحب اور دیگر اساتذہ کرام جامعہ اشرفیہ اور تمام دینی مدارس کے علماء، حفاظ وقراء شریک تھے، مجمع پر جو رنج و غم کا عالم طاری تھا وہ بیان سے باہر ہے، خبرِ وفات سُن کر ہی لوگ یقین نہیں کرتے تھے کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ انتقال فرما گئے بلکہ اس خبر کو غلط ثابت کرنے کے لیے مختلف تاویلات کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ کوئی مولانا یوسف اور ہوں[1]۔

اس سے زیادہ عجیب تر حال ہندوستان کے اہلِ تعلق کا ہوا، انھوں نے تو ایسی اچانک خبر سنی کہ ہر ایک حیرت میں پڑ گیا، چونکہ وہی دن ہندوستان جانے کا تھا اور اسکی اطلاع

---

[1] مولانا جمیل احمد میواتی۔ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رح

سہارن پور اور دہلی ہو چکی تھی اور سارے اہل تعلق مولانا کے انتظار میں تھے کہ پے بہ پے تار اور فون ز ایک بیماری کا اور اس کی وجہ سے سفر کے التواء کا اور دوسرا اسی کے معاً بعد انتقال پر ملال کا) پہنچے۔ جنھوں نے سب ہی کو انتہائی حیرت اور تعجب میں ڈال دیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :۔

"ہم لوگ جمعہ کی صبح سے ان کی آمد کے منتظر تھے، بارہ بجے کے قریب قریشی صاحب کا تار پہونچا کہ طبیعت ناساز ہے اس لئے سفر ملتوی، ہم لوگوں کو یقین نہیں آیا اور سوچا کہ ہمیشہ کی طرح سے ان لوگوں نے علالت کو اہمیت دے کر سفر کو ملتوی کر دیا، غصہ بھی آیا۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر کھانے سے فراغ پر میں سونے لیٹ گیا تھا، چار بجے کے قریب عز یز طلحہ نے سوتے کو اٹھایا اور نہایت حیرت زدہ یہ اطلاع دی کہ صابری صاحب کا آدمی کھڑا ہے اور یہ پیام لایا ہے کہ ابھی لاہور سے فون آیا ہے کہ ماموں کا انتقال ہو گیا۔ سوچ اور حیرت رہی کہ یہ کیا ہے؟ شہر میں ایک ہنگامہ ہو گیا، عام طور سے لوگوں کا خیال یہ تھا، بلکہ قریب قریب اس پر اتفاق تھا کہ کسی صاحب نے دشمنی سے قریشی صاحب کی طرف سے ٹیلیفون کر دیا، اس کا منشا یہ تھا کہ عزیز مرحوم کے متعلق کئی مرتبہ اس قسم کی خبر پیش آ گئی تھی اور یہ ناکارہ بھی جب اس سے پہلے سال حج کو گیا ہوا تھا کہ سہارنپور میں اس ناکارہ کے انتقال کی خبر ایسی پھیلی کہ کئی دن تک سب کو پریشان رکھا۔"[1]

تجہیز و تکفین جنازہ کے بلال پارک میں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد تجہیز و تکفین کا

---

[1] یادداشت حضرت شیخ الحدیث صاحب

انتظام کیا گیا، لوگوں کا ہجوم بے انتہا تھا، جہاں تک نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ لاہور کی ساری آبادی سمٹ آئی ہے، بلال پارک میں مدرسہ عربیہ کے جنوبی کمرہ میں کفنانے کیلئے میت کو رکھا گیا، جن لوگوں کو غسل دینے کا شرف حاصل ہوا ان میں اکثر میواتی تھے، مولانا جمیل احمد صاحب میواتی بیان کرتے ہیں کہ:۔

"موجودہ لوگوں میں سے میاں جی عبداللہ صاحب میواتی، جناب قاری عبدالرحیم صاحب میواتی، حافظ محمد سلیمان صاحب میواتی امام مسجد رائے ونڈ، بھائی محمد ابراہیم صاحب میواتی اور دیگر رفقا نے مل کر غسل دیا، کفن پہنایا اور جنازہ کو زیارت کے لئے رکھ دیا گیا۔ زیارت کا یہ سلسلہ عشاء کی نماز سے پہلے تک جاری رہا"۔

تدفین کا مسئلہ مولانا کی تدفین کا مسئلہ شروع شروع مابہ النزاع بن گیا تھا، مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کا یہ خیال تھا کہ مولانا کو وہیں لاہور میں دفن کر دیا جائے۔ لیکن حافظ صدیق صاحب نوح والے اور دوسرے میواتی حضرات کا شدید اصرار ہوا کہ بستی نظام الدین میں تدفین عمل میں آئے، بالآخر حضرت شیخ الحدیث صاحب کو سہارنپور فون کیا گیا اور ان کی رائے معلوم کی گئی۔ حضرت شیخ، مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ساڑھے پانچ بجے صابری صاحب کا دوسرا آدمی آیا کہ مولوی انعام الحسن صاحب کا ٹیلیفون آیا ہے کہ تدفین کہاں ہو، مجھ کو چونکہ پہلے سے حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے اشتیاق اور بار بار پاکستان جانے سے یہ کہہ کر انکار کہ میرا یہاں دفن ہونیکا جی چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ جو آپکو بھی خوب معلوم ہے یہ کہلا دیا کہ نظام الدین آنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہو تو اچھا ہے ورنہ رائے ونڈ کے مرکز میں تدفین کی جائے، مجھے اس کا واہمہ بھی نہ تھا کہ نظام الدین آنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے، اس لئے کہ حضرت اقدس رائے پوری کے متعلق ہمیں بتایا گیا تھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی یہاں لانے کی کوئی صورت نہ ہو سکی، حالاں کہ

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے خدام میں بڑے بڑے اونچے حکام اور بڑے بڑے ذی وجاہت اور مال دار تھے۔ ان سب کی کوششوں کے باوجود یہ ممکن نہ ہوسکا تو اس کا واہمہ بھی نہ ہوسکا کہ عزیز مرحوم یوسف کے لئے کوئی انتظام بن سکے گا۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ۸ بجے رات کو تیسرا ٹیلیفون ملا کہ انتظامات مکمل ہوگئے، ۱۱ بجے رات کو طیارہ یہاں سے چل کر ایک بجے رات کو نظام الدین پہنچ جائے گا۔ مجھے مولانا یوسف صاحب کی اس خواہش اور قول کی کوئی اطلاع نہ تھی کہ حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے تابوت کے ہنگامہ میں وہ بار بار اپنے احباب بالخصوص مولوی انعام الحسن صاحب سے یہ کہہ چکے تھے کہ میرا انتقال جہاں ہوجائے وہیں دفن کر دیا جائے کہیں نہ لے جایا جائے، حتیٰ کہ اگر ریل میں ہوجائے تو منتہائے ٹکٹ پر بھی لے جانے کی کوشش نہ کی جاوے بلکہ جو اسٹیشن قریب آوے وہاں اُتار کر دفن کر دیا جاوے، مجھے اس سب قصے کی خبر تدفین کے بعد ہوئی اور میں نے مولانا انعام الحسن صاحب سے اس پر نکیر بھی کی کہ جب مرحوم کی یہ خواہش تمھیں معلوم تھی تو تم نے مجھ سے دریافت کیوں کیا، اس پر عمل کرنا چاہیئے تھا، مگر عزیز مولوی انعام الحسن نے یہ عذر بیان کیا کہ وہاں ایک دم دو فریق ہوگئے اور اس قدر شدید ہنگامے کا خطرہ ہوگیا کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہوگیا اور آپ کے فیصلے پر دونوں فریق نے رضا کا اظہار کیا اس لئے میں نے ٹیلیفون کرایا تھا۔[۱]

حضرت شیخ الحدیث کی اجازت پر جنازہ کو ہندوستان لانے اور نظام الدین میں دفن کرنے کا متفقہ فیصلہ ہوگیا اور سارے حاضرین نے آخری دیدار کیا اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ خدا کے سپرد کر دیا۔

نمازِ جنازہ عشاء تک مجمع انتہائی حد کو پہونچ چکا تھا اور جس کو آنا تھا وہ آگیا ۹ بجے رات بعد نمازِ عشاء بلال پارک میں جنازہ رکھا گیا اور مولانا انعام الحسن صاحب نے

---

[۱] مکتوب بنام مولانا ابوالحسن علی ندوی

لرزتی ہوئی آواز سے نماز جنازہ پڑھائی اور ۸ بجے کے قریب مولانا عبدالعزیز صاحب گمتھلوی، جانشین حضرت عبدالقادر رائے پوری، سرگودھا سے پہونچے، ان کے علاوہ ان کے ساتھ ایک بڑا قافلہ بھی تھا۔ نیز ملتان اور ملتان کے علاوہ دوسرے مقامات، خاص طور پر مقامی لوگوں میں بہت سے آدمی بعد میں پہنچے تھے اور نماز جنازہ ہو جانے سے ان پر بڑا اثر تھا، اس لئے دوسری نماز جنازہ مولانا عبدالعزیز صاحب گمتھلوی نے ۹ ۱/۲ بجے پڑھائی۔ ۱۱ بجے رات کو اطلاع ملی کہ چارٹر ہوائی جہاز کا انتظام ہو گیا ہے اور ہندوستان نے بھی لانے کی اجازت دیدی۔ ۱۲ بجے ہوائی جہاز تیار ملے گا، چنانچہ ۱۲ بجے ہوائی اڈہ پر پہونچے مولانا کی نعش کو جس صندوق میں رکھنا تھا وہ صندوق فٹ نہ تھا اس لئے ہوائی اڈہ پر دوسرا صندوق بنوانا پڑا اور اس میں لحاف نیچے اوپر رکھ کر نعش بند کردی گئی۔

لاہور سے نظام الدین تک

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کو شام کو ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ ہوائی جہاز جس میں مولانا کو لایا جائیگا ۱۱ بجے رات کو لاہور سے روانہ ہوگا اور ایک بجے رات کو نظام الدین نعش پہنچ جائے گی، لیکن روانگی میں تاخیر ہوئی اور ہوائی جہاز ۱ ۱/۲ بجے روانہ ہوا۔ ہوائی اڈے پر بڑا مجمع تھا اور پاکستان کے اہل تعلق کثیر تعداد میں اپنے محسن اور مقتدا کو الوداع کہنے جمع ہو گئے تھے پوری فضا سوگوار ہو گئی تھی اور سارے اہل تعلق اشک بار تھے، مولانا انعام الحسن صاحب نے چند منٹ حاضرین کے سامنے درد بھری آواز میں تقریر فرمائی اور تلقین کی کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ کہتے کہتے چلے گئے اب کرتے رہنے کی ضرورت ہے، جو کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی۔ اب بوجھ آپ حضرات پر کلیۃً آ پڑا ہے اسے ہمت کر کے اٹھاؤ اور کام چلاؤ۔

جنازہ کے ساتھ (۱) مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی (۲) مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری (۳) حافظ محمد صدیق صاحب نوح والے (۴) قاری رشید صاحب خورجوی (۵) مولوی الیاس صاحب میواتی (۶) میاں جی اسحٰق صاحب میواتی (۷) حاجی احمد صاحب پالنپوری بیٹھے۔

جنازہ ڈیڑھ بجے رات کو روانہ ہو کر ۳ بجے دہلی کے پالم ہوائی اڈہ پر اُترا۔ پالم ہوائی اڈے پر بے انتہا ہجوم تھا، موٹروں اور ٹرکوں کے ذریعہ ایک کثیر مجمع پہنچ گیا تھا۔ یہ منظر بڑا اثر انگیز تھا اس کی اثر انگیزی کا اندازہ کرنا مشکل ہے، ساڑھے تین بجے کے قریب نظام الدین لاش لائی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث صاحب تشریف لے آئے، مولانا کے متعلقین سہارنپور میں تھے ان کو عصر کو اچانک خبر ملی، مولوی ہارون مرحوم جو مولانا کے صاحبزادہ تھے ان کو مغرب کے وقت خبر ملی، یہ حضرات کس طرح دہلی پہنچے وہ حضرت شیخ کے الفاظ میں سنیے:۔

”عزیزی ہارون کو جنازہ کی آمد کی اطلاع نہیں تھی، اس کو حادثہ کی اطلاع بھی مغرب کے قریب پہونچی وہ مغرب کے بعد فوراً بابو ایاز، حافظ عبدالعزیز وغیرہ کے ساتھ کار لیکر سہارنپور پہونچا اور یہاں پہونچ کر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ طیارہ کے ۱۱ بجے چل کر ایک بجے پہونچنے کی خبر ہے تو واپسی کا ارادہ فوراً کیا، میں نے کھانے پر بھی اصرار کیا کہ کئی رفقاء ساتھ تھے مگر کھانا تو وہ کیا کھاتا؟ عشاء کی نماز ہوئی اور میں نے مستورات کو کچھ تسلی وغیرہ دی بارہ بجے یہاں سے چل کر ۲ بجے ہم نظام الدین پہونچے۔ جب کہ لاش نظام الدین کے کمرے میں رکھی جا چکی تھی۔“[1]

آخری نماز جنازہ اور تدفین

صبح ہی سے لوگوں کا تانتا بندھ گیا اخبارات نے جلی سرخیوں کے ساتھ خبر کو شائع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نظام الدین ہزاروں آدمیوں سے بھر گیا اندر باہر تل دھرنے کو جگہ نہ رہی جس وقت نعش ہوائی اڈے پر پہونچی تو سوگواروں نے اشک بار آنکھوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز بزرگ ہستی کو جہاز سے اُتارا، ایک بڑا مجمع باوجود رات ہونے کے ائیرپورٹ پر کھڑا تھا نعش جس وقت نظام الدین پہنچی تو میواتی اپنے دلوں کو تھامے اور مغموم صورت راستہ پر کھڑے

---

[1] یادداشت حضرت شیخ الحدیث صاحب۔

تھے، پوری فضا غم و یاس میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ کس طرح اچانک یہ واقعہ ہو گیا، دور کے لوگ پہنچ ہی نہ سکے۔ ۱۰ بجے دن کے قریب حضرت شیخ الحدیث نے آخری نماز جنازہ پڑھائی اور ۱۱ بجے کے قریب اپنے والد مرحوم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے پہلو میں مغربی جانب سپرد خاک ہوئے، چونکہ اس حصہ میں جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کے برادر مکرم مولانا محمد صاحب اور والد مولانا اسمٰعیل صاحب مدفون ہیں، کوئی حصہ خالی نہ تھا۔ اس لئے غربی جانب چند بالشت کا اضافہ کیا گیا اور مولانا محمد یوسف صاحب کو سپرد خاک کیا گیا اس وقت مجمع کا اندازہ ستر ہزار کا کیا جاتا ہے جس میں زیادہ تر میوات، دہلی اور دوآبہ کے لوگ تھے۔ اخبار الجمعیۃ اپنے ۳ راپریل ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں رقم طراز ہے:۔

"بعد نماز فجر مولانا اسعد میاں صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور دیگر اکابرین بھی نظام الدین پہنچ گئے مسجد میں سیکڑوں آدمی تلاوت کلام پاک کرتے رہے اور ہزاروں مولانا مرحوم کی زیارت کرتے رہے۔ نماز میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی، نمازیوں کی صفیں، چوسٹھ کھمبا کی تاریخی عمارت کے علاوہ، عرس محل میں بھی دور تک لگی ہوئی تھیں۔ آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ہزاروں آدمی دہلی اور قرب وجوار کے علاوہ دور دراز مقامات سے وقت کی کمی کے باوجود پہنچ گئے، میرٹھ، مظفر نگر، دیوبند، بلند شہر، آگرہ، متھرا، ہاپوڑ، خورجہ، بجنور، مرادآباد وغیرہ کے لوگ شامل تھے، ہزاروں اشخاص نماز جنازہ اور تدفین کے بعد بھی آتے رہے۔ اب تک آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔"

مولانا کی سراپا صبر وعزیمت والدہ نے جب اپنے اکلوتے اور عزیز ترین فرزند کی نعش کو دیکھا تو صورت دیکھ کر بجائے غم کے الفاظ زبان پر لانے کے حضرت خنساءؓ جیسی ماں کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"بیٹے یوسف تو نے عمر بھر دین کے لئے محنت کی اور تکلیف اٹھائی

اب اللہ کی رحمت کے سائے میں آرام سے سو جا۔"

تدفین کے بعد ہجوم بڑھتا رہا اور فاتحہ کی خاطر قریب و دور سے آنے والے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔

اب سے اکیس سال پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا انتقال ہوا تھا اور اسی طرح اس جگہ ہزاروں پروانوں نے سپردِ خاک کیا تھا۔ آج ان کے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب کو جنھوں نے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر اور دین کی راہ میں سب کچھ لٹا کر اپنی جان دیدی۔ ہزاروں عاشقوں نے دل پر پتھر رکھ کر خدا کے سپرد کیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا، جن کے ولولہ انگیز خطابوں، یقین پرور گفتگوؤں سے ایک ہندوستان و پاکستان کیا عرب و عجم کے ہر ملک کا ہر ہر خطہ گونجتا رہا ہے اور جن کی کیمیا اثر صحبت سے فائدہ اٹھا اٹھا کر ہزاروں انسانوں نے ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ اور جاپان کے دور دراز ملکوں میں اس یقین پرور پیغام کو پہونچایا، جن کی ہمت آفریں اور ایمان افروز باتوں نے مرکز اور اہل مرکز کو اکیس سال تک نور ایمان سے معمور رکھا تھا۔ آج رحمتِ خداوندی کے آغوش میں آرام سے خوابیدہ ہیں اور سارے مرکز پر ایک خاموشی طاری ہے۔

جس کی آوازوں سے لذّت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

مولانا انعام الحسن صاحب کی امارت کا اعلان

مولانا کے انتقال کے بعد سب سے بڑا مسئلہ جس کی نزاکت اور اہمیت کا احساس ہر دردو فکر رکھنے والے کو ہو رہا تھا، پیش آگیا۔ مولانا کی نیابت کا کام آسان نہ تھا، اس کے لئے وہی جگر رکھنے والا آدمی چاہیئے تھا جو ذہنی، دماغی اور قلبی حیثیت سے

مولانا ہی کی طرح تبلیغی دعوت سے تعلق رکھتا ہو اور شروع ہی سے سفر و حضر میں ساتھ رہا ہو، اس لحاظ سے نظریں مولانا انعام الحسن صاحب پر پڑ رہی تھیں جو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بچپن سے ہمہ وقت کے ساتھی اور دست راست ایک بڑے عالم و فاضل شخصیت کے مالک مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے معتمد علیہ مجاز اور تبلیغی دعوت کے در حقیقت دماغ ہیں، مولانا محمد یوسف صاحب نے ہمیشہ انھیں کے مشورہ سے کام کیا اور انکی رفاقت و صحبت، مشوروں اور آراء پر اطمینان و اعتماد رکھا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے کام کو دیکھتے ہوئے کہ کام کرنے والوں کو اگر اعتماد اور بھروسہ ہو سکتا ہے تو مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی ذات پر ہو سکتا ہے، مشورہ سے ان کو مولانا محمد یوسف صاحب کا نائب، دعوتی کام کا ذمہ دار اور امیر بنا دیا، اس کا اعلان مولانا فخر الحسن صاحب استاذ دار العلوم دیوبند نے ان ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کیا جن میں تقریباً سارے پرانے اور با اصول کام کرنے والے حضرات موجود تھے، سب نے اس اعلان کو سن کر اطمینان کا سانس لیا اور اپنے اعتماد کا یقین دلایا۔

تعزیت کا انوکھا طریقہ مولانا کے انتقال پر ہزاروں کی تعداد میں، ہند و پاک، عرب ممالک یورپین ممالک، افریقہ کے ان سارے علاقوں سے تعزیت نامے آئے جہاں جہاں یہ تبلیغی کام ہو رہا ہے، علمائے نے، عوام و خواص نے، مدارس کے منتظمین نے، سیاسی اور دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے اپنی گہری ہمدردی اور غم و افسوس کا اظہار کیا۔ مولانا کے انتقال سے دینی اور دعوتی حلقوں میں جتنا غم منایا گیا اس کی نظیر ماضی قریب میں کم ہی ملے گی، اہل تعلق اور کام کرنے والوں نے مولانا کی تعزیت انوکھے انداز میں پیش کی، اس دن سیکڑوں جماعتیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اسی عالم میں انھوں نے یہ جاں کاہ خبر سنی، ہمت و قوت جواب دے گئی۔ جس نے سنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا، مگر ذرا ہی دیر میں عزم و ہمت اور خروج فی سبیل اللہ کے ذوق نے توانائی پیدا کر دی، بجائے پیچھے قدم ہٹنے کے آگے بڑھنے لگے اور اسی سفر میں جماعتیں آگے بڑھ گئیں

امیروں نے تقریر کی اور معلوم ہوا کہ سیکڑوں جگہوں پر خدا نے امیروں سے یہ الفاظ کہلائے جو حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے کہلوائے تھے "من کان منکم یعبد محمدؐ فانہ قدمات ومن کان یعبد اللہ فانہ حی لایموت۔

ایک صاحب جو اسی دن ایک تبلیغی جماعت کے ہمراہ سفر پر تھے اپنا تأثر اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ہماری جماعت ایک دیہات میں گئی ہوئی تھی ظہر کے وقت جب لوگ آرام کرنے لیٹے تھے، دو آدمی شہر سے آتے اور آکر انھوں نے یہ روح فرسا خبر سنائی، کسی کو یقین نہ آیا اور ہر ایک دوسرے سے یہ خبر چھپانے لگا۔ نماز ظہر کے بعد جب یہ خبر سب کو معلوم ہوگئی تو ہر ایک سکتے میں تھا۔ جماعت کے ایک عالم صاحب کھڑے ہوئے انھوں نے کہا، لوگو! مولانا زندگی بھر یہی کام کرتے رہے اور اپنی جان اسی راہ میں دی، مولانا کا پیغام یہی تھا کہ کام کرتے رہو آگے بڑھتے رہو، جہاں تک مولانا کی جدائی کا غم ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جُدائی کے غم سے بڑھ کر اور کیا غم ہے جو اُمّت اسلامیہ کو ملا جب حضورؐ کے وصال کے بعد آپ کے سب سے محبوب اور جاں نثار اور رفیق، ہمدم و غمگسار ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجمع عام کے سامنے یہ فرمایا تھا کہ اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ حضورؐ پردہ فرما چکے۔ اور اگر کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ اللہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اس سے صحابہؓ کی ہمت بڑھی اور مایوسی کافور ہوگئی۔ آیئے ہم سب بھی یہ یقین کرلیں کہ ہم لوگ مولانا کی وجہ سے کام نہیں کرتے تھے رضائے الٰہی کے لئے کرتے تھے، جس کی رضا کے لئے کرتے تھے وہ زندہ ہے، دیکھ رہا ہے۔ ہم کو وہ کام برابر کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے قدموں کو آگے بڑھانا چاہیئے مولانا سے تعلق اور محبت کا یہی تقاضا ہے کہ قدم پیچھے نہ ہٹائیں آگے بڑھائیں۔"

اس تقریر سے مجمع نئی زندگی اور تازگی محسوس کرنے لگا، اُسی وقت لوگوں نے اور آگے

چلنے اور کام کرنے کا وعدہ کیا اور اُسی دن جماعت آگے بڑھ گئی۔

خطوط اور روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مولانا کے انتقال کے دن جماعتوں کی جتنی زیادہ نقل وحرکت ہوئی اور کام کرنے والوں میں کام کی جتنی لگن اور اس کا تعلق زندہ ہوا وہ عام دنوں میں تبلیغی نقل وحرکت دینی لگن اور جذبہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔

جہاں تک تعزیت ناموں کا سوال ہے ہم صرف تین تعزیت نامے پیش کر رہے ہیں۔

ان میں پہلا تعزیت نامہ مفتی زین العابدین صاحب کا ہے جو مولانا کے انتقال کے دن موجود تھے اور مولانا سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور شروع ہی سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا کی والدہ ماجدہ اور مولوی ہارون صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب کو اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کس کس سے تعزیت کی جائے۔ لاکھوں دل سوگوار اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ وہ جو پوری اُمت کا سرمایۂ حیات تھے وہ عالم میں روشنی کا مینار تھے، جنھوں نے زمین پر اپنا گھر نہیں بنایا تھا اور لاکھوں دلوں میں بستے تھے، جنھوں نے اپنے لئے اور دوسرے لاکھوں انسانوں کے لئے فی سبیل اللہ سفر کرنا اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا تھا۔ وہ زندگی بھر کا مسافر بالکل اچانک سارے قافلے کو چھوڑ کر منزل پر جا پہنچا۔ فانّا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا...... لمحزونون انّ للہ ما اخذ وما اعطی وکل شیٔ عندہٗ باجل مسمی اَللّٰھُمَّ اکرم منزلہ ووسع مدخلہ وادخلہ جنتہ الفردوس اللھم لا تحرمنا اجرہٗ وَلا تفتنا بعدہٗ

رب رحیم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا کرے

اور ان کے تمام قابل قدر اعزاء کو خصوصاً اور محبین اور مخلصین کو عموماً اس شدید ترین صدمہ پر انہی شایانِ شان صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے، نیز پوری اُمت مسلمہ کی اس عزیز ترین متاع کا ان کے قریب اعزاء کو ان کا نعم البدل بنائے اور تمام کام کرنے والوں کو خصوصاً اور پوری اُمت مرحومہ کو عموماً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت وتوفیق ارزانی کرے۔ وَمَا ذٰلکَ علی اللّٰہِ بعزیز۔

بہت ہی کم حوصلہ اور پست ہمت آدمی ہوں اور یہ زندگی کا پہلا عظیم صدمہ تھا۔ چند دن طبیعت بالکل بے قابو رہی، پھر آنسو بھی جواب دے گئے۔ اور طاقت بھی جواب دے گئی۔ اسی لیے عریضہ لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ اب نسبتاً طبیعت اچھی ہے مگر ایسی نقاہت ہے کہ تھوڑا سا لکھنے پڑھنے یا بولنے پر بے جان ہو جاتا ہوں، دعاؤں کی درخواست ہے۔ وَالسّلام

زین العابدین، گلبرگ۔ لائل پور

دوسرا تعزیت نامہ جو بہار کے ادارہ "المجیب" کی طرف سے شائع ہوا حسب ذیل ہے:

گزشتہ ماہ کا شمارہ چھپ چکا تھا کہ مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغی کے انتقال کی خبر ملی، مولانا موصوف کا انتقال ملت اسلامیہ کا زبردست نقصان ہے، اس دور میں جب کہ ہر شخص اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہے اور دینی بے راہ روی عام ہے، مذہب سے انسانوں کا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے اور خاص کر تبلیغ اسلام کا جذبہ مفقود ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وسیع تبلیغی پروگرام کا کام سنبھال رکھا تھا اپنے والد مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے لگائے ہوئے پودہ کی انھوں نے اس وقت تک آبیاری کی جب تک کہ ان کے جسم وروح کا ساتھ رہا۔

اس زمانے میں جب کہ ہر شعبۂ زندگی پر سیاست کی گہری چھاپ ہے۔ مذہبی جماعتیں بھی خود کو سیاست کی گندگیوں سے پاک نہیں رکھ سکی ہیں، ایک منظم جماعت کی بنیاد ڈالنا جس کے پیش نظر "دنیا" ہے ہی نہیں بلکہ صرف دین کی راہ ہو۔ بہت مشکل کام تھا لیکن اللہ کے نیک اور مخلص بندوں نے اس دور میں بھی اس مشکل کام کو کر دکھایا ہے اور ان ہی کی مساعی کی برکتیں ہیں کہ آج ساری دنیا میں تبلیغ کے کام کا جال بچھا ہوا ہے۔ مبلغین اسلام صرف یہی چاہتے ہیں کہ اُن راہوں کو اپنایا جائے جو پیغمبر اسلام نے ہم لوگوں کو بتلائی ہیں۔ وہ صرف اللہ اور رسول کی باتیں بتاتے ہیں۔ آپ کو عبادت گزار بننے کی تلقین کرتے ہیں اور دنیاوی جاہ وحشمت کی بھیڑ بھاڑ میں اپنے خالق ومعبود کی بارگاہ میں حاضری کی یاد دلاتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوفؒ کو اپنی مغفرت ورحمت سے نوازے اور ان کے جانشین تبلیغ کے اس اشد ضروری کام کو زیادہ سے زیادہ وسیع کریں۔

تیسرا تعزیت نامہ مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی "صدق جدید" میں پیش کرتے ہیں:۔

شیخ التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی ثم دہلوی کی شخصیت اب ہندوستان گیر (آل انڈیا) ہی نہیں رہی تھی بلکہ آل ورلڈ یا آفاق گیر ہو چکی تھی برما، جاپان وغیرہ تو پھر ایشیا ہی کے ملک ہیں، ان کی تبلیغی جماعتیں تو ایمان کا کلمہ پڑھتی ہوئی یورپ، افریقہ اور امریکہ کے ملکوں تک پہنچ چکی تھیں اور کتنوں کو وہاں کلمۂ شہادت پڑھا چکی تھیں۔ ایک حیرت انگیز طلسمی سا دینی نظام ان کی مقناطیسی شخصیت نے اس بے دینی کے دور میں دنیا بھر میں قائم کر دیا تھا۔ اور اس تحریک کی جو قیادت انھیں اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ سے ورثہ میں ملی تھی اسے انھوں نے برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس میں اور چار چاند لگا دیئے تھے۔ ابھی سن ہی کیا تھا؟ پورے پچاس کے بھی نہ تھے، بہ ظاہر تندرست و توانا۔ اسی تبلیغ ہی کے سلسلے میں (اور یہی تو ان کا ایک مستقل کام دن رات کا رہ گیا تھا) لاہور گئے ہوئے تھے، عین حالت

دعوت و ارشاد میں رات کے وقت قلب کا دورہ پڑا اور جمعہ کے دن خود ذکر الٰہی کرتے کرتے دوسروں کو ذکر الٰہی کی تعلیم دیتے دیتے اپنے مالک و مولا کے حضور میں حاضر ہوگئے پردیس کی موت اور وہ بھی عین شغل ذکر و طاعت میں، جمعہ کا دن۔ بہت بڑی جماعت جنازہ یہ سب چیزیں مرحوم و مغفور کے عظیم ذخیرۂ اعمال صالح کے ساتھ سونے پر سہاگہ کا کام کر گئیں اور جنت کے اس مسافر کے انجام کو قابل رشک بنا گئیں، تعزیت کے مستحق مرحوم کے اعزہ، خصوصاً ان کے خسر اور عم زاد برادر بزرگ مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم (سہارن پور) ہی نہیں ساری امت بلکہ پوری ملت ہے اور صدمہ ہر کلمہ گو کا ذاتی و شخصی ہے۔ مولانا کا علمی پایہ بھی کسی جید فاضل سے کم نہ تھا۔ ان کی شرح معانی الآثار طحاوی کی شرح فقہ و حدیث دونوں کی ایک یادگار خدمت ہے[1]

مرکزوں کے نام ایک اہم مکتوب

جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد اس خیال سے کہ اہل تعلق کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں مرکز بستی نظام الدین سے ایک خط سارے تبلیغی مراکز کو بھیجا گیا تھا جس میں دہلی کے مرکز سے تعلق قائم رکھنے اور تبلیغی کام کو برابر کرتے رہنے کی دعوت دی گئی تھی[2] اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد فوراً مولانا محمد انعام الحسن صاحب اور مولوی ہارون صاحب کی طرف سے ایک عمومی خط سارے مراکز کو ارسال کیا گیا تھا۔ خط درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مدرسہ کاشف العلوم۔ بستی نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی نمبر ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مکرم و محترم بندہ۔ وفقنا اللہ و ایاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

خداوند کریم سے امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوں گے۔ یہ تو جناب کے علم میں آگیا

---

[1] صدق جدید، مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۶۵ء۔ [2] یہ خط چوتھے باب میں شائع ہو چکا ہے۔

ہوگا کہ حضرتِ اقدس جناب الحاج مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ لاہور میں مورخہ ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو بعد نماز جمعہ معمولی علالت سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت اقدسؒ بہت ہی کمالات اور خوبیوں کے حامل تھے اور ہماری بہت سی بیماریوں کے علاج کی صورت تھے، ان کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ظاہری طور پر صورت پریشانی ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ پر اعتماد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محنت ان ظاہری صورتوں کا نعم البدل اور بدل حقیقی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بابرکت اور باعظمت ہستی جن کے وجودِ گرامی سے امت کا وجود اور جن کے درد و کرب اور بے چینیوں سے اُمت کا نشو ونما اور جن کی گریہ وزاری سے امت کی دارین کی فلاح و نجات اور جن کے چہرۂ انور کی زیارت ہزارہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی۔ اگر وہ بھی اس دُنیائے فانی سے تشریف لے جاویں اور امت ان کی جدائی کے صدمے اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ پر اعتماد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر دین کیلئے قربانیوں اور محنتوں کا انہماک اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں اور اس محنت کا دُنیا میں تعدیہ و تبلیغ آپ کی ذاتِ عالی کا بدل ہو اور قیامت تک کے لئے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون ۝ ۔

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے لطف و کرم اور فضل سے دین کی محنت کے جس عالی کام کی طرف ہم جمیع احباب کی رہبری فرمائی ہے، اس میں پوری طرح اُمتِ محمدیہ مرحومہ کے دارین کے مصائب کا علاج ہے۔ آپ پورے انہماک کے ساتھ سارے مصائب کے علاج کا یقین اس میں کرتے ہوئے اس صورت کے بڑھنے اور اس کی شکل کے وسیع ہونے کے لئے پوری طرح محنت کریں تاکہ اس اُمت کے علاج کے لئے ایمان کی قربانی والی محنت کی فضاؤں میں بہت سے باہمت، بے لوث، نفس کُش داعی الی اللہ پیدا ہوں۔

اور آپ ان کے وجود میں آنے کیلئے بھر پور کوشش کریں اور کرائیں، صدقات، خیرات اور کثرت تلاوت قرآن پاک خصوصًا ذکر و دعا اور مقامی و بیرونی گشت، روزانہ کی تعلیم تسبیحات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کی صورتیں اختیار کی جائیں۔ حضرت جی کی آخری تمنا یہ تھی کہ جو شخص دین کا درد فکر رکھتا ہو وہ مدنی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح تنہائی جان و مال اس دینی محنت کے زندہ کرنے کے لئے خرچ کرنے والا بن جاتے۔ اس تمنا کو پورا کرنے کا یہ عین وقت ہے۔ فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہٗ

محمد ہارون غفرلہٗ

سولھواں[16] باب

صفات و کمالات اور خصوصی امتیازات

چہ باید مرد را طبع بلندے مشربے نابے
دلِ گرم و نگاہِ پاک بینے، جان بیتابے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو جب ان کے شیخ و مرشد حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ نے خلافت عطا فرمائی تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے تھے:۔

"باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد از و خلافت مشائخ نیکو آید۔"

اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

اور پھر ارشاد فرمایا:۔

"تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سائے میں اللہ کی مخلوق آرام پاوے گی۔ استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔"

حضرت خواجہ فرماتے ہیں: میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا شیخ جمال الدین نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور یہ شعر پڑھا:۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

درحقیقت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، خدا نے آپ کو علم و عقل کی دولت بھی عطا فرمائی تھی اور عشق و مستی، درد و سوز کی نعمت سے بھی نوازا تھا علم و عقل کا تو مظاہرہ والد ماجد کی زندگی میں بارہا ہوا تھا لیکن عشق کی وہ آگ جو بظاہر دبی ہوئی تھی لیکن اندر اندر سلگ رہی تھی والد ماجد کے انتقال کے بعد بھڑک اٹھی۔

شعلہا آخر زہر مویم دمید
از رگِ اندیشہ اَم آتش چکید

علم و عقل اور عشق کی دولتوں کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مولانا کو اور بھی ایسی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں جو کسی داعی الی اللہ اور عارف باللہ کی خصوصیات و صفات میں سرفہرست کا درجہ رکھتی ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی خود اپنے تأثرات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

"مجھ کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے لیکن یہ تقدیری بات ہے کہ مجھ کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی کی واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو دبلا کسی تنقیص و تحقیر کے) میرے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے۔ دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا، دور حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت نہ حاصل ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی طاقت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت

قوت میں میں نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا، یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات• پائے جاتے تھے جن میں انکا پایہ بہت بلند تھا، ان کی ایمانی قوت، ان کا اعتماد، توکل ان کی ہمت و جرأت، ان کی نماز و دعا، صحابہ کرامؓ کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباعِ سنّت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعات انبیاءؑ سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت اور آخر میں ان کی غیر معمولی مقبولیت و محبوبیت یہ سب ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے"۔

علوِّ مرتبت اللہ تعالےٰ کا مولانا محمد یوسف صاحب پر یہ بڑا فضل و کرم تھا کہ وہ شروع سے اکابر و مشائخ کے منظور نظر تھے اور بزرگوں کی توجّہ کا مرکز تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے بعد اس وقت کے اکابر جیسے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور جملہ اکابر کی نگاہ میں ان کی وقعت اور بڑھ گئی اور ان کے علو مرتبت عالی ہمتی کے سب قائل ہو گئے سب نے اپنی اپنی نگاہِ شفقت ڈالی اور عزت کا مقام عطا کیا، خصوصًا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے مولانا محمد یوسف صاحب کے متعلق باوجودیکہ مولانا ہر طرح خورد تھے بڑے بلند الفاظ میں ارشاد فرمائے ہیں۔ مولانا نور محمد صاحب باجھوٹی کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت رائے پوری نے فرمایا:

"مولانا محمد یوسف صاحب کے والد ماجد کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عنایت فرمایا تھا مولانا کو وہ سب کچھ دے دیا ہے مع شئی زائد"۔

نوح کے مدرسے کی عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں بعض خصوصی حضرات نے دلچسپی کا اظہار کیا اور عمارت کی توسیع اور تعمیر میں اضافہ کا منصوبہ بنایا اور حضرت شیخ الحدیث کو اجازت کا خط لکھا۔ حضرت شیخ نے اس کا جس انداز سے جواب دیا وہ مولانا محمد یوسف صاحب کے علوشان پر بڑی حد تک دلالت کرتا ہے۔ حضرت شیخ، حافظ محمد عیسٰی صاحب ناظم مدرسہ ہذا کو لکھتے ہیں:

"مدرسہ کی توسیع و تعمیر اور کمروں کے اضافہ کی اطلاع موجب مسرت ہے۔ یہ ناکارہ دل سے دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے سہولت کے ساتھ بہ احسن وجوہ اس کی تکمیل فرمائیں اور کام کرنے والوں میں اخلاص زیادہ سے زیادہ عطا فرمائیں۔ اللہ کا نام لے کر ضرور شروع فرمائیں، اللہ جل شانہٗ برکت عطا فرمائیں، البتہ ضروری ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی رضا ہر کام میں ضرور شامل رکھیں، حق تعالیٰ جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے ان کو ان کے والد ماجد قدس سرہٗ کی حقیقی نیابت عطا فرمائی ہے اور پھر اپنی مساعیٔ جمیلہ سے ترقی کے آسمان پر زور سے چڑھتے جا رہے ہیں۔ اس لئے ان کے خلاف رائے کوئی کام نہ کریں۔ اگر وہ اس کی اجازت نہ دیں تو ابھی چندے توقف فرما کر اس ناکارہ کو اطلاع دیں۔ بندہ انشاء اللہ ان سے درخواست کر کے اجازت دلوا دے گا اور ان کی طرف سے اجازت ہو تو تعمیر بے تکلف شروع کر دیں۔"

۱۹۴۵ء میں مراد آباد میں جو پہلا تبلیغی اجتماع ہوا تھا اور جس میں بڑے بڑے علما و اکابر شریک ہوئے تھے اس اجتماع میں تقریباً پانچ سو میواتی شریک ہوئے تھے، ان سارے میواتیوں کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے ایک جگہ جمع کرایا اور باتیں کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب کے حق میں بڑے توصیفی کلمات ارشاد فرمائے اور یہ فرمایا:-

"جو کچھ ہم کو ملا انہیں کے خاندان سے ملا، تم لوگ اُن کا دامن مضبوطی سے تھام لو، ان کو مت چھوڑو، تم کو بڑی نعمت اور دولت ملی ہے۔ حضرت یہ فرماتے جارہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے[1]"

دینی دعوت میں انہماک

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ پر سب سے زیادہ جو کیفیت طاری ہوئی وہ دینی دعوت میں انہماک کی تھی، جس دعوت کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے جان دے دی اور ان کی زندگی میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ علمی مشغلوں کی خاطر اس دعوت میں خاطر خواہ وقت نہ دے سکے اب وہ دعوت مولانا کے دل کی آواز بن گئی اب وہ دعوت میں اتنے مستغرق ہو گئے کہ اسکے علاوہ کوئی اور چیز یاد نہ رہی، ان کے شب و روز اور سارے اوقات بس دعوتِ دین میں گھر کر رہ گئے۔ آرام و راحت یا گھر میں سکون و طمانیت سے ایک گھڑی گزارنے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ تبلیغی دعوت سے اتنا عشق ہو گیا تھا کہ اسکے علاوہ نہ کسی کی بات کو سننا گوارہ کرتے تھے نہ کسی اور مشغلہ میں منہمک ہونا پسند کرتے تھے۔

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ "مولانا محمد یوسف صاحبؒ پر کبھی کبھی ایسا زمانہ گذرتا تھا کہ کام کے انہماک اور بے پایاں مشغولیت کی بنا پر بستی نظام الدین میں رہتے ہوئے بھی کئی کئی ماہ گھر میں جانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔"

مولانا کی پہلی اہلیہ محترمہ جو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں حضرت مولانا محمد الیاس کے انتقال کے بعد علیل ہو گئیں اور انکی علالت رفتہ رفتہ شدت اختیار

---

[1] میاں جی رحمان بخش میواتی

کر تی گئی اور آخر میں نازک شکل اختیار کر گئی لیکن مولانا محمد یوسف صاحب کو کام میں اتنا زیادہ انہماک ہو چکا تھا کہ ان کا ذہن و دماغ اس کام کے علاوہ اور کسی طرف نہیں چلتا تھا اور اگر چلتا تھا تو وقت میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ تیمار داری کر سکیں، علاج و معالجہ کی نگرانی کا کام حضرت حافظ فخر الدین صاحب دہلوی کے ذمہ تھا اور وہ اس کے لئے روزانہ دہلی سے تشریف لاتے تھے۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی اہلیہ محترمہ نے ایک بار جا کر مولانا محمد یوسف صاحب کی اہلیہ محترمہ سے اس بے توجہی اور بے التفاتی کی وجہ دریافت کی تو، مولانا کی اہلیہ محترمہ نے جواب دیا:۔

"وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں ان کو اپنا ہوش بھی نہیں ہے، میں نے خود ہی ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے۔ اگر اللہ نے جنت میں جمع فرما دیا تو وہاں اطمینان سے رہنے کا موقع ملے گا۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی کو کسی چیز سے عشق ہو جاتا ہے تو دنیا کی ہر چیز قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے تن من کا ہوش تک نہیں رکھتا:۔

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اول منزل است

مولانا محمد یوسف صاحب کا یہی حال تھا، دینی کام سے ان کو عشق ہو گیا تھا۔ انکی مجلس میں سوائے جماعتوں کی آمد و رفت، اوقات کا مطالبہ کرنے، جماعتوں کی تشکیل اور اس پر مذاکرہ کے اور کچھ نہ ہوتا:۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

اضطراب و بیقراری | اضطراب و بے قراری نے مولانا کی زندگی کے سارے گوشوں کو گھیر

لیا تھا، ان کی زبان کھلتی تو دینی دعوت اور مسلمانوں کی زبوں حالی، کام کی ضرورت پر کھلتی، ان کی آنکھیں ان افراد کو تلاش کرتیں جو اپنا عزیز وقت دین کے لیے دینے آئے ہوں، اسی فکر میں سوتے بھی تھے اور جاگتے بھی تھے اور جہاں آنا تو یہی فکر پاتا۔ چائے کے بعد کی گفتگو گھنٹوں چلتی، آدھی آدھی رات تک اسی میں غلطاں و پیچاں رہتے، کسی کی بات سنتے تو ایک آہ سرد بھر کر اپنی بات کہنے لگتے، اکثر بے چین ہو ہو کر ارشاد فرماتے "ہائے اللہ میں کیا کروں"

اور کبھی فرماتے، "کاش دنیا کا کوئی خطہ ایسا مل جاتا جہاں اسلام اپنے صحیح خط وخال کے ساتھ نظر آتا"

کبھی لبوں پر مسکراہٹ آجاتی مگر دل اضطراب و بے کلی سے چُور چُور ہوتا، معلوم ہوتا کہ دل میں ایک آگ سی لگی ہے جس نے مولانا کے سارے جذبات و احساسات کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے ایسے ہی مردانِ خدا کے لیے کہا ہو گا ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لب ہا و آتش پارہ در دلہا

بات کرتے کرتے آستین چڑھا لیتے تھوڑی دیر بعد آنا بکھرتے جو درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی، اضطراب بے کلی نے ایک سیمابی کیفیت پیدا کر دی تھی جنھوں نے قریب سے نہیں دیکھا ان کو سمجھنا مشکل ہے۔ مولانا اس دور میں اللہ کی ایک زبردست نشانی تھے انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کے درد و فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا تھا، موسم گرم ہو یا سرد مولانا سفر میں تشریف لیجاتے، اجتماعات سے خطاب کرتے شہر شہر قریہ قریہ تقریریں کرتے اور اضطرابِ بے کلی میں ڈوب جاتے، آواز بیٹھ جاتی، زبان جواب دے جاتی، لوگ مولانا کی اس محنت اس اضطراب و بے کلی کو دیکھ کر ترس کھانے لگتے اور چاہتے کہ مولانا خاموش ہو جائیں تو اچھا ہو، مگر مولانا پر ایک جذب کی کیفیت طاری ہوتی، جوش و ولولہ

پورے شباب پر ہوتا، گھنٹوں تقریر کرتے، طویل دعا کرتے، پھر مجلسی گفتگو شروع ہوجاتی اور اسی جوش و جذبہ اضطراب بے چینی سے بولتے رہتے گانہ منذر جیش یقول صبحکم و مساکم (معلوم ہوتا تھا کہ کسی لشکر کے خطرہ کا اعلان کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ صبح شام سر پر آیا ہی چاہتا ہے)

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ایمان ویقین مولانا کی سب سے ممتاز اور سب سے بڑی صفت ایمان ویقین اور خدا کے وعدوں پر اعتماد کی تھی، اس اعتماد اور یقین و ایمان باللہ نے درحقیقت اس دینی دعوت میں جان ڈالی، مولانا نہ تو کوئی بات بغیر اس کے کہتے تھے نہ کوئی قدم اس کے بغیر اٹھاتے تھے جب بھی گفتگو فرماتے تو پورے عزم ویقین اور اعتماد علی اللہ پر فرماتے، سننے والا چاہے جتنے ہی تذبذب اور تشکیک کا شکار ہو، تھوڑی دیر کے لئے اپنے اندر ایمان کی چنگاری محسوس کرنے لگتا، جو لوگ توجہ اور طلب سے بات کو سنتے وہ اپنے اندر ایمان ویقین کی بجلی دوڑتی ہوئی محسوس کرتے، مولانا اس طرح جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے، آخرت کے عیش و راحت اور عذاب و تکلیف کو اس طرح بیان کرتے کہ جیسے سارے مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں، کانہ رائی عین دلائل اور مثالوں سے ان کی حقیقت بیان کرتے کہ سننے والوں کی نگاہوں میں دنیا وہم و طلسم کے سوا کچھ نظر نہ آتی، یہی وہ یقین کی طاقت تھی جس نے بے شمار لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل دی اور لاکھوں دل ایمان کے جذبہ سے معمور اور قربانی و ایثار کی لذت سے مخمور ہوگئے۔

اور یہ صرف مولانا کی خطابت تک محدود نہ تھا بلکہ خود مولانا کی زندگی بھی اسی یقین و ایمان کا پیکر تھی، مولانا نے اپنے والد ماجد کی زندگی کے بعد ہی اس یقین و ایمان کا مظاہرہ کیا۔

ایک بار مولانا کسی اجتماع میں تشریف لے جا رہے تھے، بس میں جگہ تنگ تھی، مولانا کو ایک لالہ جی کے پاس جگہ ملی۔ لالہ جی نے پوچھا "میاں جی گاڑی کب کی بنی ہوئی ہے؟" مولانا نے فرمایا "لالہ جی جب سب گاڑیاں بنی ہیں اس کے بعد کی بنی ہوئی ہے" پھر فرمایا، "لالہ جی! گاڑی کا بننا بگڑنا کیا، اصل میں تو انسان کا بننا بگڑنا ہے۔ لالہ جی نے اس کو تسلیم کر لیا۔ آگے چل کر پھر لالہ جی بولے، میاں جی کہاں جا رہے ہو؟" مولانا کو اس مقام کا نام معلوم نہ تھا اور یہ کہ اجتماع گاہ کہاں ہے، فرمایا "مجھ کو معلوم نہیں"۔

لالہ جی اس پر ہنسے اور بولے، "تو میاں جی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں جانا ہے؟"۔ مولانا نے یہ سن کر فرمایا "ہم کو آپ کو وہ اسٹیشن یاد رکھنا چاہیئے جہاں ہم سب کو جانا ہے۔ یہاں کا اسٹیشن یاد رہے یا نہ رہے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا"[1]

حقیقت میں مولانا کا یقین ہی تھا جو دوسروں کو ہر قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا ورنہ اس دنیا میں ہزاروں خطیب اور شعلہ بیان مقرر ہیں جو روتوں کو ہنسا دیتے ہیں اور ہنستے ہوؤں کو رُلا دیتے ہیں۔ لیکن کوئی عملی اقدام نہیں کر سکتے اور ہزاروں میں ایک کو بھی عمل پر نہیں ڈال سکتے۔

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو
لاکھوں میں اگر ایک بھی ہو صاحب یقیں

ایک بار مولانا کی تقریر سن کر ایک صاحب نے چلّہ لکھا دیا اور سفر پر روانہ ہو گئے ان کے والد کا خط آیا کہ میرے لڑکے کو کہاں بھیج دیا، میں بوڑھا ہوں وہ ہوتا تو کماتا اور میری راحت کا سامان مہیا کرتا، ان کو یہ فکر کر چین نہ آیا تو خود نظام الدین آئے اور آتے ہی بگڑ گئے کہ میرے لڑکے کو بگاڑ دیا نہ کام کا رہا نہ کاج کا۔ اس کے بعد مولانا کی تقریر میں بیٹھ گئے اور پوری تقریر سنی، سنتے ہی متاثر ہو گئے اور بے ساختہ خود بھی چلّہ لکھا دیا اور پھر مولانا کے پیر

---

[1] روایت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی۔

دبانے لگے اور بولے "حضرت مجھ کو شکایت تھی کہ آپ نے میرے لڑکے کو بگاڑ دیا، اب تو میں خود بگڑ گیا"۔ مولانا یہ سُن کر ہنسنے لگے۔[1]

قاضی محمد عدیل عباسی اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں:

"جس طرح آفتاب عالم تاب کی شعاعوں سے آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں اسی طرح جب میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوچار ہوا تو عظیم بزرگ انسان کے سامنے اپنی خیرگیٔ چشم پر مجھے حیرت نہیں ہوئی، حیرت اس بات پر تھی کہ بچپن سے علماء کے مواعظ سننے کا شوق رہا، یہ انوکھی باتیں کس کتاب میں لکھی تھیں جو کسی نے آج تک بیان نہ کیں۔ وہاں سے لوٹا تو چند احباب نے سوال کیا کہ یہ حضرت جی کون ہیں؟ میرے تأثر کا یہ عالم تھا کہ میں نے معًا یہ جواب دیا کہ خبردار! اس کی تقریر سننے نہ جانا، بڑا خطرناک انسان ہے، اپنے ساتھ بلا کی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے، معلوم نہیں کون سا افسوں جانتا ہے کہ بس اپنے ساتھ گھسیٹ لے جاتا ہے اور ایک دوراہے پر کھڑا کر دیتا ہے اور ان آنکھوں سے دکھلا دیتا ہے کہ یہ جنّت ہے، یہ جہنّم ہے۔ جدھر جی چاہے جاؤ۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ اس کی باتیں سنو گے تو حلوہ مانڈہ جو غفلت میں ہم لوگ اڑا رہے ہیں اور جس کے لئے اتنی محنتیں کر رہے ہیں، وہ سب چھوٹ جائیں گے۔ میری بدتمیزی کی مدح سے لوگوں کا اشتیاق بڑھا اور جو گیا وہ اپنے دل میں ایک زبردست ٹیس اور گہرا زخم لے کر آیا۔ اسے احساس ہو گیا کہ وہ جس راہ پر چل رہا ہے وہ کیسی ہولناک اور خود فراموشانہ ہے۔ یہ تھی سنت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت مولانا کو (جنھیں لوگ ادبًا حضرت جی کہتے تھے) نصیب ہوئی تھی۔ مجھے ہندوستان کے بیشتر علماء اور بعض مشائخ کو دیکھنے، ان کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کرنے اور ان کے مواعظ حسنہ سننے کا اتفاق ہوا ہے لیکن میں نے اپنی پوری

---

[1] روایت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

زندگی میں ایسا کوئی نہیں پایا جس میں اعلیٰ درجہ کی روحانیت ہو کہ پاس بیٹھتے ہی اپنے اعمال سانپ بچھو بن کر کاٹنے لگیں اور رجوع الی اللہ کا ایک جذبہ پیدا ہو کر خشیتِ الٰہی طاری ہو جائے۔ اور اپنے نفس کے تزکیہ اور بداعمالیوں سے توبہ کرے اور راہ مستقیم اختیار کرنے کی طلب پیدا ہو۔[1]"

شانِ توکل و بے نیازی مولانا محمد یوسف صاحب شان بے نیازی میں اپنے مشائخ اور اکابر سلف کے سچے نمونہ تھے، انھوں نے اپنی دینی تحریک اپنے مدرسے اور اپنے ادارہ کے لئے کسی رقم کا قبول کرنا یا کسی کی مدد گوارہ نہیں کی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے زمانے سے مرکز میں بڑا لنگر جاری تھا اور ایک ایک وقت میں پچاسوں آدمی کھانا کھاتے تھے، مولانا کے انتقال کے بعد حالات بدل گئے اور کچھ عرصہ تک وہ بات نہ رہی جو پہلے تھی۔ لیکن وہ لنگر جو جاری تھا وہ جاری رہا اور جماعتوں کی آمد و رفت بڑھتی گئی۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ اسی فراخ دلی اور فراخ دستی سے مہمانوں اور مسافروں کا اکرام فرماتے رہے۔ اور خرچ میں ذرہ بھر کمی نہ کی۔ حضرت شیخ الحدیث نے اس فراخ دلی اور فراخ دستی کو دیکھتے ہوئے فرمایا:۔

"مولوی یوسف! چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کے زمانے میں اور بات تھی، تم اپنی بساط کے موافق حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے کام کرو۔"

اسکے جواب میں مولانا محمد یوسف صاحب نے فرمایا:۔

"بھائی جی لینے والا بدلا ہے، دینے والا تو نہیں بدلا۔"

حضرت رائے پوری مولانا محمد یوسف صاحب کے کمال استغنا اور شان بے نیازی کو دیکھ کر فرماتے تھے:۔

---

[1] تاثرات قاضی عدیل عباسی (ندائے ملت ۹ اپریل ۱۹۶۵ء)
[2] روایت مولانا نور محمد صاحب باجھوٹی۔

"مولوی محمد یوسف صاحب کے دل کا یہ حال ہے کہ اگر مہمان نہ ہوں تو اُن کے گھر میں ایک تنکا بھی نہ ہو"[1]

حکیم مشتاق احمد صاحب کھوروی اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ:۔

"میں نے مولانا کی خدمت میں ایک رقم پیش کی، شیخ محب اللہ ترکی اسوقت رخصت ہو رہے تھے، مولانا نے اس رقم کو لے کر اور اس پر بغیر نگاہ ڈالے شیخ محب اللہ ترکی کو دے دی اور مجھ سے فرمایا۔

"بھائی حکیم صاحب یہ شیخ محب اللہ صاحب میرے لیے مثنوی مولانا روم لائے تھے، بہت ہی اچھی اور خوبصورت تھی"۔

مولانا کے ابتدائی دور ہی کا واقعہ ہے کہ مرکز حضرت نظام الدین کے آنے جانے والوں اور مدرسے کے لئے جو لنگر جاری تھا (اور اب بھی جاری ہے) اس کے سلسلے میں قرض کی رقم بہت دنوں تک ادا نہ ہو سکی جس دکان سے سامان آتا تھا اس کے مالک نے تقاضہ کیا، اس قرض کی ادائیگی نیز مستقل انتظام کے لیے دہلی کے چند باتوفیق اور مولانا سے تعلق رکھنے والے دوستوں نے مولانا کے علم میں لاتے بغیر پچیس ہزار کی رقم اپنے پاس سے جمع کر دی اور آپس میں یہ طے کر لیا کہ مولانا کے علم میں یہ بات بالکل نہ لائی جائے اور یہ رقم مرکز کے انتظام میں خرچ کی جائے۔

کسی نہ کسی طرح مولانا کو اس کا علم ہو گیا، انھوں نے اُن حضرات کو بلا کر پوچھا اور تحقیق حال کے بعد ایک تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

"آپ لوگوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا لیکن میرے ساتھ یہ ایک طرح کا ظلم ہے جب اس طرح کے انتظام آپ لوگ کریں گے تو پھر ہم اللہ کی مدد کے قابل نہیں رہیں گے۔ اللہ کی مدد کے قابل ہم اسی وقت تک رہیں گے جب تک دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہ ہو اور ہماری نظر بس اللہ کے

---

[1] روایت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی۔

خزانے اور اس کی مدد پر ہو اور ہم مضطر ہوں۔"

اس کے بعد مولانا نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رقم لے لے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

کرنل اقبال صاحب نے گنگانگر راجستھان کی ایک جائداد دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جمعیۃ العلمائے ہند، مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین دہلی۔ (جو خود حضرت مولانا کا مدرسہ ہے) کے لئے وقف کی تھی، اور آکر منشی بشیر صاحب سے اجازت لینی چاہی، اسی اثناء میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی آگئے اور پوچھا: "کیا کر رہے ہو؟" حقیقتِ حال بتائی گئی تو بہت ہی زیادہ ناراض ہو گئے اور واضح الفاظ میں فرمایا:۔

"مجھے اپنے یا مدرسہ کے لئے کوئی جائیداد نہ چاہیئے۔"[2]

درحقیقت مولانا محمد یوسف صاحبؒ شانِ بے نیازی اور کمالِ احتیاط میں امتیازی درجہ رکھتے تھے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

من پاک باز عشقم تخم غرض نکارم　　پشت و پناہ فقرم پشت طمع ندارم
نے بندہ خلق باشم نے از کسے ہراسم　　مرغے کشادہ بالم، برگِ قفس ندارم

مولانا کی اہم تصنیف "حیاۃ الصحابہ" جب مکمل ہوئی تو اس کی طباعت کے بارے میں طے ہوا کہ "دائرۃ المعارف" حیدرآباد میں طبع کرائی جائے، تو حیدرآباد کے مخلص دوستوں نے طباعت کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری لے لی اور بالا بالا اپنے طور پر یہ بھی کوشش کی اس کے مصارف کا انتظام بھی خود ہی کر لیں گے، اس مقصد کے لئے انھوں نے بمبئی وغیرہ کے ان مخلص حضرات سے، جن کا مولانا سے ذاتی اور کام سے تعلق تھا، بات بھی کر لی اور اس رقم کا بڑا حصہ (غالباً آٹھ دس ہزار کے قریب) فراہم بھی کر لیا، لیکن مولانا کو اس کی اطلاع کسی نہ کسی طرح ہو گئی تو آپ نے وہ ساری رقم واپس کروا دی اور کاغذ و طباعت

---

[1] روایت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب۔

[2] روایت منشی بشیر صاحب۔

وغیرہ کے لئے جتنی رقم درکار تھی وہ خود ہی بھیجی[۱]

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال کے تقریباً چار یا پانچ ماہ بعد ایک بڑے تاجر جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بڑے عقیدت مند تھے، تشریف لائے اور مولانا کی خدمت میں ایک بڑی رقم پیش کی، مولانا نے لینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد سے میرا کیا تعلق تھا وہ مجھ سے کتنی محبت فرماتے تھے۔

لیکن مولانا نے فرمایا "مجھکو یہ رقم نہیں چاہیئے، مجھے آپ مطلوب ہیں۔ آپ وقت دیجئے اور اس کام میں شریک ہو یئے[۲]"

خود اعتمادی مولانا میں خود اعتمادی بہت زیادہ تھی وہ کسی بڑی سے بڑی طاقت سے نہ گھبراتے نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہوتے، وہ جب اپنی بات کہتے تھے تو بڑے اعتماد و یقین سے کہتے، معلوم ہوتا کہ دنیا کی کسی طاقت سے ان کو خوف ہے نہ کسی بڑی سے بڑی طاقت یا دولت، عزت و جاہ کا خیال، ساری دنیا ایک حقیر چیز معلوم ہوتی اور سارے انسان بونوں کی طرح معلوم ہوتے، کوئی بھی اس عظیم نگاہ میں نہ جنچتا۔ اقبال کی زبان ان الفاظ میں جس مومن کی تعریف کرتی ہے وہ مولانا کے لئے پوری اترتی ہے ؂

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیّاد ہے مومن

لاہور میں جب مولانا تشریف لے گئے تو حکومت کے ایک اہم اور مرکزی عہدیدار نے جن کا تعلق مولانا سے تھا، بڑے اور سربرآوردہ عہدے داروں کا ایک جلسہ کرایا تاکہ مولانا ان تک اپنی بات پہنچا سکیں، اس جلسے میں عہدے داروں اور بڑے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد آگئی۔ سب سے پہلے صاحب خانہ نے ان عہدے داروں کا تعارف کرایا اور اس طرح کرایا۔ یہ

---

[۱] روایت مولانا محمد منظور نعمانی [۲] اس گفتگو کے وقت راقم سطور خود موجود تھا۔

یہ صاحب فلاں محکمہ کے انچارج ہیں، یہ صاحب وزیر ہیں، یہ انجینئر ہیں، یہ ڈاکٹر ہیں، دیر تک اشخاص کا عہدوں اور ڈگریوں کے ساتھ تعارف ہوتا رہا۔ مولانا اس پوری مدت میں پیچ و تاب کھاتے رہے، بعد میں کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

"ابھی ابھی جن لوگوں کا جن الفاظ اور جس طرز سے تعارف ہوا وہ میرے لئے غیر مانوس تھا، اور چند جانوروں کے نام لے کر فرمایا" اگر ان الفاظ میں تعارف ہوتا تو میں بخوبی سمجھ لیتا کہ کون کون صاحب کیا ہیں؟"

پھر اس طرز تعارف پر سخت تنقید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:

"اسلام کے مبارک دور میں جب کسی کا تعارف ہوتا تو اس طرح ہوتا کہ فلاں نے اسلام کی یہ خدمت کی، فلاں نے اسلام کی راہ میں اس طرح جان دے دی۔ فلاں نے خدا کے لئے یہ کیا فلاں نے اسلام کو اس طرح پھیلایا۔"

غرض کہ تقریر کا اکثر حصّہ اسی پر مشتمل تھا۔ صاحبِ خانہ سر جھکائے سب کچھ سنتے رہے اور ڈرتے رہے کہ مولانا کی صاف گوئی سے اہل دُنیا پر نہ معلوم کیا اثر پڑے گا اور شاید سارا کھیل بگڑ جائے اور بجائے نفع کے نقصان پہونچے، مگر مولانا کی یہ خود اعتمادی اور اللہ کے لئے صاف گوئی رنگ لائی۔ اور شرکائے جلسہ پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا اور سب لوگ مولانا سے بہت متأثر ہوئے اور مولانا کے یقین و اعتماد کے اسیر ہو کر رہ گئے۔

ہمہ گیر دعوت مولانا دین کو کسی قلعہ میں محصور نہیں سمجھتے تھے نہ دینی دعوت کو کسی خاص مقام یا کسی خاص طبقے میں منحصر جانتے تھے، انھوں نے شروع ہی سے ہمہ گیر دعوت دینی شروع کر دی۔ وہ بڑے زور و قوت سے اور اعتماد و یقین سے دعوت دیتے۔ انکے سامنے کوئی خاص ملک نہ تھا نہ کوئی خاص شعبہ تھا۔

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

مولانا سارے عالم کو دعوت کا میدان سمجھتے اور ہر ہر خطہ میں داعیوں کو جانے اور دعوت کا

کام کرنے پر پوری طرح آمادہ کرتے۔

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لئے

وہ دُنیا کے ہر خطہ کو مسلمان کی میراث سمجھتے تھے اور خطہ سے فائدہ اُٹھانے اور
فائدہ پہونچانے کے داعی تھے۔

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی

شروع شروع میں جب مولانا نے لوگوں کو باہر نکلنے کی دعوت دی تو مخلصین و محبین اور
تعلق رکھنے والے ایسے حضرات جن کا دینی دعوت سے گہرا تعلق تھا خود حیرت میں پڑ گئے کہ ایسے دور میں
جب کہ مقامی کام بھی پوری طرح نہیں ہو پا رہا ہے، مولانا دور دراز اور بیرون ہند کی کیسی دعوت
دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے انتقال سے تقریباً پانچ ماہ بعد مرادآباد کا ایک بڑا
اجتماع ہوا جس کا تفصیلی ذکر آچکا ہے۔ اس اجتماع میں قریب کے مقامات کی تشکیل ہوئی
لوگ چونکہ اس کام سے گہرا تعلق نہ رکھتے تھے اور عام لوگ اس سے نا آشنا تھے، اس لئے قریب کے
مقامات کے بھی نام نہ آئے کچھ دیر مولانا نے صبر سے کام لیا اور پھر جوش آگیا، اُٹھے اور مکبر و فون کو
تھام کر فرمانا شروع کیا۔

"آج تم بجنور، چاندپور، اور رام پور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف
تین تین دن کا وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہو، ایک وقت وہ آئے گا
جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے لیکن اس وقت اس کام کا عام رواج
ہو چکا ہوگا اس لئے اجر گھٹ جائے گا"

یہ زمانہ مولانا کی قیادت و امارت کا ابتدائی زمانہ تھا، لوگ مولانا کے اس عزم و ہمت سے
دعوت دینے اور مولانا کی اس قلندرانہ صفت سے واقف نہ تھے۔ یہ طرز حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

کا تھا کہ ان کا مقام و درجہ اکابر و مشائخ اور خواص و عوام کی نگاہ میں بہت بلند و بالا تھا، اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض قریبی تعلق والوں نے مولانا کی اس بیرونی دعوت کو سنکر ان سے عرض کیا کہ آپ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرح اتنی اونچی بات کہہ دیتے ہیں، مولانا نے فرمایا:۔

"مجھ میں اور حضرت جی میں یہ فرق ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو چوٹی پر بلاتے تھے اور میں پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہو کر لوگوں کو چوٹی پر چڑھنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

مولانا کی اس ہمہ گیر دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان و پاکستان کی جماعتیں نہ صرف اپنے اپنے ملکوں میں بلکہ افریقہ اور یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک میں بار بار جانے لگیں اور ان ممالک کی جماعتوں نے مرکز (بستی نظام الدین) آنا شروع کیا اور اس طرح ان کی آمد و رفت رہی کہ ساری دُنیا گھر آنگن کی طرح ہوگئی کہ حدود و فاصلوں کا فرق مٹ گیا۔ وہ میواتی جن کا میوات سے نکلنا دشوار تھا، اور جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ایک بار میواتیوں کو یوپی میں پھرنے کی دعوت دی تو ان میواتیوں نے سخت حیرت و تعجب کا اظہار کیا تھا اور سفر کو اپنے لئے دشوار ترین کام سمجھا تھا، لیکن اب وہی میواتی جماعتوں کو لے کر پورے اعتماد و یقین کے ساتھ امریکہ، جاپان، برطانیہ وغیرہ ممالک میں پھرتے رہتے ہیں۔

جوشِ تقریر اور ذوقِ دعا

مولانا کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف و خصوصیات کے ساتھ جوشِ تقریر اور زورِ خطابت اور ذوقِ دعا بھی خوب ہی عطا فرمایا تھا۔ مولانا اجتماعات میں گھنٹوں بے تکان بولتے تھے اور تقریر ختم کرنے کے بعد بھی سیر نہ ہوتے تھے، تقریر میں ایک وصف یہ تھا کہ مضامین کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ علماء تک حیرت زدہ ہو جاتے تھے اور ایسے ایسے نکات بیان فرماتے کہ برسوں کتابوں کا درس دینے والے مستفید ہوتے۔

مولانا محمد منظور صاحب لکھتے ہیں:

"اس عاجز نے پڑھنے کے زمانے میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا اور پڑھانے کے زمانے میں بھی محنت سے پڑھایا۔ ذہن وحافظہ کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں رکھا تھا، لکھنا پڑھنا اور مطالعہ ہی اصل مشغلہ رہا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کبھی کسی کے علم سے مرعوب ومتأثر نہ ہو سکا لیکن حضرت محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے (جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے)۔ اسلئے حسب توفیق انکے بہت سے ارشادات اپنے لئے قلمبند بھی کئے۔ بعد میں ان کا ایک حصہ کتابی شکل میں بھی مرتب کیا (جو شائع ہو چکا ہے[1]) مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو بھی عطا ہوا ہے اور قوت بیان مزید برآں ہے اسلئے انکی تقریریں بھی لکھنے کو جی چاہتا تھا، مگر دیکھتا تھا کہ اللہ کی توفیق سے بہت سے حضرات ان کی تقریریں لفظ بہ لفظ قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، پھر بھی اپنے لئے ان کے خاص خاص معارف اشاروں میں نوٹ کیا کرتا تھا، اس عاجز کو پوری بصیرت کے ساتھ یہ یقین ہے کہ یہی وہ علم ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کہتے ہیں:۔

"مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانے کے مطابق بسیط تقریر کی تقریر کے بعد تشکیل ہوئی پھر دعا ہوئی، مجھے اطمینان تھا کہ اب تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے۔ پھر خدا جانے کہ نکاح کی تقریب سے یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع

---

[1] اس کتاب کا نام ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحب ہے۔

کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا لیکن تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آ گیا۔ پھر اس طرح تقریر فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے"

مولانا کی تقریروں میں جو فیضانِ الٰہی ہوتا تھا اور جو آمد ہوتی تھی اس کے متعلق خود مولانا فرماتے تھے[۱]:-

"جو میں بیان کرتا ہوں اس کے مضامین اکثر رات کو خواب میں آتے ہیں"۔

مولانا کے اس بیان کے بعد خدام عام طور پر جگانے میں احتیاط کرتے تھے، بلکہ اتنا تھا کہ صبح کی نماز کے بعد بیان کرتے کرتے سو جاتے اور تقریر رُک جاتی۔ فرماتے کہ "میں درمیان میں نیند بھی لے لیتا ہوں[۲]"۔

مولانا کی مسلسل تقریر اور جوش و ولولہ کے متعلق مولانا نسیم احمد صاحب آفریدی لکھتے ہیں:

"صبح سے لے کر رات تک پوری قوت و طاقت کے ساتھ تقریر کرتے کرتے آواز بیٹھ جاتی تھی پسینے پر پسینے آتے تھے، سینہ تھک جاتا تھا۔ مگر جذب و کیف کے عالم میں دینی پیغام دیئے چلے جاتے تھے، آواز کی خستگی میں ایک عجیب دل کشی ہوتی تھی، ان کی محفل میں بسا اوقات ایک ہی دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی، علم سے تعلق رکھنے والوں کو بہت ہی فائدہ محسوس ہوتا تھا[۳]"

مولانا کی تقریر ابتدائی دور میں مختصر ہوتی تھی مگر روز بروز طویل اور پرجوش ہوتی گئی، جتنا جتنا زمانہ گزرتا جاتا یہ جوش بڑھتا جاتا تھا، معلوم ہوتا کہ سینے میں ایک لاوہ ہے جو اُبل اُبل کر باہر نکل رہا ہے۔ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو پھوٹ رہا ہی

---

۱ و ۲ روایت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ۳ مضمون مولانا نسیم احمد صاحب فریدی و مولانا محمد یوسف صاحب، نمبر الفرقان۔

آخر عمر میں تو کافی طویل ہوگئی تھی چار چار گھنٹے تک جاری رہتی۔ اگر تسلسل کو نہ دیکھا جائے تو پورے دن میں سات، آٹھ گھنٹے کا اوسط ہوتا، صبح کی نماز کے بعد تقریر شروع کرتے دھوپ نکل آتی اور لوگ دھوپ میں بصد شوق و نیاز تقریر سنتے، مولانا کبھی بیٹھ جاتے اور جوش آتا تو کھڑے ہو جاتے، دھوپ کی تیزی کی بنا پر کوئی خادم یا طالب علم چھت سے لمبائی کی طرف سے دری (جس پر نماز پڑھی جاتی ہے) لٹکا دیتا تا کہ مولانا کو دھوپ سے تکلیف نہ ہو۔

مولانا ہر خطاب کے بعد دعا فرمایا کرتے تھے، دعا بھی کیسی؟ اتنی طاقت ور اور مؤثر کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ سب سے پہلے خدا کی صفات بیان فرماتے، اس کے بعد قرآن و حدیث کی دعائیں پڑھ کر اپنے ضعف و ناتوانی کا اظہار فرماتے اور اسلام اور مسلمانوں کی عافیت اور ان پر رحمت و شفقت کی درخواست فرماتے اور فساد کے مٹنے اور مفسدین کی ہدایت یا ہلاکت کی التجا کرتے اور ایک ایک کا نام لے لے کر خدا کے حضور عرض کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ خدا کا ایک برگزیدہ بندہ پورے دل کی گہرائی اور یقین و اعتماد کے ساتھ دعا کر رہا ہے ہزاروں کا مجمع ہر ہر جملہ پر آمین کہتا، ساری فضا "آمین" کی آواز سے گونج اٹھتی، در و دیوار تھرا اٹھتے، راہ گذرنے والا بھی مبہوت کھڑا رہ جاتا۔ سوائے مولانا کی دعا کے اور حاضرین کی آمین کے کوئی آواز دور دور تک نہ ہوتی، آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگتیں اور انسانوں کی چیخیں نکل پڑتیں، ہر سننے والا جوش و نشاط اور کیف و سرور میں ڈوب جاتا اور یہ یقین ہو جاتا کہ سینکڑوں فرشتے آمین کہنے والوں کے ساتھ آمین کہہ رہے ہیں، دعا ختم ہوتی اور مجمع اسی طرح ساکت و صامت رہتا اور گھنٹوں دلوں پر اثر رہتا مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کہتے ہیں۔

"ماضی قریب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ایک جانشین مولانا سید نصیر الدینؒ کے متعلق بیان کرنے والوں نے بیان کیا کہ ان بزرگوں کی دعا کے وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آتی نظر آتی، لوگوں پر ایک وارفتگی اور بے خودی

کی کیفیت چھا جاتی اور بعضوں پر اتنی رِقّت طاری ہو جاتی کہ وہ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے، یہی حال مولانا محمد یوسف صاحب کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، آمد و جوش، رقّت انگیزی اور تاثر کا تھا، جب مولانا دعا کرتے تو حاضرین کا عجب حال ہوتا، خاص طور پر جب اُردو میں دعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ آتا، دور دور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں۔"

مجلسی گفتگو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مولانا کو جس طرح عمومی خطاب کا ملکہ عطا فرمایا تھا اور جس طرح وہ خطابِ عام میں مثالوں اور واقعات سے اپنی بات سمجھا لیتے تھے اور ہر سننے والا اثر لیکر اٹھتا اور دل پر ایک چوٹ سی لگتی اسی طرح مجلسی گفتگو بھی مؤثر ہوتی اور سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر مولینا کی بات سنتے۔

مولانا کی مجلسی گفتگو میں ہر طرح کے مسائل آتے اور سننے والے کو حیرت و تعجب ہوتا کہ ایک ایسا مشغول انسان جس کو دینی دعوت کا اتنا انہماک ہو کہ پل بھر بھی سر اُٹھانے کو فرصت نہ ہو اور جس کے چوبیس گھنٹے اسی دعوت کی فکر میں گزرتے ہوں وہ کس طرح قدیم و جدید مسائل اور تاریخ و سیاست کا علم رکھتا ہے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے مولانا کو دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ مسائلِ حاضرہ سے گہری واقفیت اور تنقید و تبصرہ کا کمال عطا فرمایا تھا۔ جن حضرات کو مولانا کی خدمت میں بیٹھنے اور علمی مذاکرہ میں شرکت اور گفتگو کا موقع مِلا ہے، وہ اس بات کی حرف بحرف تائید کریں گے۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لکھنؤ سے پرانے کارکنوں کی ایک بڑی جماعت لکھنؤ میں اجتماع کی تاریخ طے کرنے کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی جس میں یہ راقم سطور بھی تھا۔ مرکز میں تین روز قیام رہا اور صبح کی تقریر کے بعد چائے کے وقت مولانا کے حجرہ میں ان کی مجلس میں شرکت ہوتی اور

دیر تک دینی دعوت کے سلسلے میں مولاناؒ کے ارشادات سننے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔
ایک دن یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ وطلبا اور کچھ سیاسی قسم کے لوگ بھی آ گئے اور مولانا سے کچھ سوالات کئے جن کا تعلق موجودہ سیاست اور مسلمان اور عرب ممالک کے حالات سے تھا۔ مولانا عادت کے موافق پہلے سے دینی گفتگو فرما رہے تھے، جوش آ گیا اور صدیوں پہلے سے جو مختلف تحریکات عرب اور اسلامی ممالک میں ابھریں اور دینی جماعتوں کے ساتھ جو جو سلوک ہوا اور سیاسی وقومی قائدین نے ان مخلصین کے ساتھ جو جو سلوک کیا ان سب پر تفصیلی بحث فرمائی اور مسئلے کو بالکل پانی کر کے رکھ دیا۔ وہ لوگ جو سیاسی ذہن کے تھے اور جنھوں نے یہ بحث چھیڑی تھی وہ سر بہ گریباں تھے اور اس طرح مبہوت ہو کر سُن رہے تھے کہ گویا انھیں کوئی اشکال نہیں۔ اس واقعہ کے بعد یقین ہوا کہ مولانا کا مطالعہ صرف دینی نہیں بلکہ وہ علوم حاضرہ اور تاریخ وسیاست پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مولانا کی اس قیمتی گفتگو کے لکھنے کا بروقت کسی کو خیال نہ آیا اور یہ لکھنے سے رہ گئی، مولانا پر دینی دعوت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ تقریر ہو یا مجلسی گفتگو سب پر حاوی تھی اور اس کی خاطر اپنے آرام وراحت کو بالکل بھلا چکے تھے اور چہرے سے تکان یا اضمحلال کا اثر تک ظاہر نہیں ہوتا تھا، ایک صاحب جو لاہور میں نماز فجر کے بعد مولانا کی ایک تقریر میں شریک تھے، وہ بیان کرتے ہیں:۔

"نماز کے بعد مولانا نے تقریر شروع کی اور پورے تین گھنٹے تک انتہائی جوش وخروش کے ساتھ مجمع کو خطاب کرتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی لاوہ پھوٹ پڑا ہے اور ماحول کو گرمائے نہیں بلکہ پگھلائے ڈال رہا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے خطاب ختم ہوا اور ناشتہ کا دسترخوان بچھایا گیا اور مولانا نے دسترخوان پر بیٹھتے ہی پھر گفتگو شروع فرما دی اور اس انداز سے الفاظ زبان سے نکلنے لگے کہ گفتگو کے زور اور استدلال کی ندرت اور مطالب کی آمد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ تصور

نہیں کرسکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے کہ جو ابھی تین گھنٹے کے زور دار خطاب سے فارغ ہوا ہے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا ایک بالکل تازہ دم خطیب ہے اور بول رہا ہے۔"

ایک رفیق نے چائے کی ایک پیالی پیش کی تو آپ نے پکڑ لی، دس پندرہ منٹ تک وہ یوں ہی پیالی ہاتھ میں پکڑے رہے۔ پھر ایک شریک مجلس کے توجہ دلانے سے آپ نے وہ چائے جو پانی کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھی حلق میں انڈیل لی۔ دوسری پیالی یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ حضرت یہ گرم ہے پی لیجئے اور یہ بسکٹ بھی تناول فرمالیجئے مگر اللہ کے اس بندے نے اس پیالی کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا، گفتگو میں مستغرق رہے اور پندرہ منٹ بعد اسے بھی پانی کی طرح پی لیا۔"[1]

جہدِ مسلسل اور صبر و عزیمت

مولانا محمد یوسف صاحب دین ہی کے لئے مسلسل محنت اور جدوجہد کرتے تھے۔ ان کے نظام زندگی پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا شائد ہی کوئی ایسا وقت ملتا ہو جس میں وہ آرام کرتے ہوں اور پھر اس راہ میں جو تکلیفیں اور مشقتیں جھیلتے تھے وہ اس پر مستزاد ہیں، اس راہ میں ان کے لئے کوئی چیز مانع نہ تھی، بارش ہو یا آندھی ہو، فقر و فاقہ ہو، بیماری آزاری یا اور کوئی رکاوٹ، وہ چٹان کی طرح اپنے مقام پر زندگی بھر جمے رہے اور بڑے سے بڑے حادثہ اور تکلیف کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اس سلسلے کے صرف چند واقعے لکھے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ مولانا نے کس صبر و عزیمت سے کام لیا اور دینی دعوت کے لئے کیا قربانیاں دیں۔

سب سے پہلے وہ موقع آیا جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا انتقال ہوا، یہ

---

[1] الفرقان" ماہ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ ص ۲۳۔

وقت بڑی آزمائش کا تھا۔ بڑے بڑے تعلق والے بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکے تھے۔ جن کا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے ذاتی تعلق تھا وہ تقریبًا کام سے ہٹ گئے، جو کام سے متعلق تھے وہ اپنے کو اندھیرے میں پاتے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا اگرچہ یہ حادثہ ان کا ذاتی حادثہ تھا اور گھر کا حادثہ تھا، شفیق والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا اور صرف سایہ نہ اُٹھا تھا، ایک عظیم کام کا بارِ امانت سر پر پڑا تھا لیکن مولانا نے ثبات قدمی سے کام لیا اور ان منتشر حضرات کو پھر جمع کیا اور " اینقص الدین وانا حی" کی صدا بلند کر کے کام کی قیادت سنبھالی اور اپنی جان و مال سب کچھ نچھاور کر دیا، اکابر نے سرپرستی کی اور ہمت افزائی کر کے مولانا کے دل کو مضبوط کیا۔

دوسرا موقع تقسیم ہند کا ہے جس کی تفصیل آپ پانچویں باب میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ دَور بھی کتنا سخت اور آزمائش کا تھا۔ بڑے سے بڑے سُورما اور مضبوط آدمی کے قدم اکھڑ چکے تھے، لیکن مولانا نے ہجرت سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ جس مقام پر ہم اس وقت ہیں اگرچہ وہ زد پر ہے اور خشمگیں نگاہیں اس پر پڑ رہی ہیں لیکن اس کو ہم نہ چھوڑیں گے۔ اور پھر آپ وہیں رہ پڑے اور بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ کیا اور کام کیا۔

مولانا کے ایک رفیقِ خاص بیان کرتے ہیں:۔

" بھوپال میں اجتماع تھا، ان دنوں حضرت مولانا مرحوم کی ران میں ایک بہت بڑا زخم تھا جس کا حال یہ تھا کہ حرکت کرنے اور زور سے تقریر کرنے سے اس میں سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ مولانا اسی حال میں بھوپال تشریف لائے اور عادت کے مطابق اجتماع میں تقریریں بھی فرمائیں۔ زخم کی تکلیف کافی بڑھ گئی تھی، بھوپال سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے چالیس پچاس میل کے فاصلے پر ایک اور اجتماع طے تھا۔ حضرت مولانا وہاں بھی تشریف لے گئے لیکن طے یہ ہوا کہ یہاں مولانا تقریر نہیں فرمائیں گے بلکہ فلاں ساتھی کی تقریر ہوگی مگر ساتھی کی تقریر کے بعد مولانا کو احساس ہوا کہ دعوت قوت کے ساتھ نہیں

دی جاسکی تو اپنے اندرونی جذبہ سے مغلوب ہو کر خود تقریر کے لئے اصرار فرمایا۔ حالت یہ تھی کہ بیٹھنے کے لائق بھی نہیں تھے، چنانچہ لیٹ کر بولنا شروع کیا ادھر زخم کی یہ حالت ہوئی کہ اس میں سے خون جاری ہو گیا۔ ایک کپڑا لگایا دیا جاتا جب وہ بالکل تر ہو جاتا تو دوسرا کپڑا لگا دیا جاتا۔ اس طرح کئی کپڑے خون سے بھر گئے اور مولانا نے عادت کے مطابق پوری تقریر فرمائی، اندازہ یہ ہے کہ اسی تقریر کے دوران آدھا سیر خون مولانا کے جسم سے ضرور نکل گیا ہوگا۔ مگر اللہ کے اس بندے کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟"

ایک دوسرے کام کرنے والے بھائی ایک جلسے کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"برسات کا موسم تھا، پنڈال بستی کے باہر لگا تھا۔ ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا جس سے سارے شامیانے اکھڑ کر رہ گئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر ہونے والی تھی اور مجمع سننے کے لئے بے تاب تھا۔ حضرت مولانا تشریف لائے اور خطبہ شروع کیا، یکایک ایک طرف سے بادل اٹھا اور زور شور سے بارش شروع ہو گئی، بارش طوفان کی طرح آئی اور طوفان کی طرح برسی۔ لوگوں کا ٹھہرنا مشکل ہو گیا مگر مولانا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے اور لوگوں کو پکار پکار کر بلاتے اور اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ کاغذ کے نہیں ہو کہ گل جاؤ گے اور مٹی کے نہیں ہو کہ پگھل جاؤ گے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب چھتری لیکر آئے تو حضرت مولانا نے روک دیا اور فرمایا کہ کیا ہم اپنے کاموں کے لئے روزانہ لائن میں کھڑے ہو کر یا کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے نہیں بھیگتے ہیں؟ اپنے لئے نہیں بھیگ رہا ہوں، خدا کے لئے بھیگ رہا ہوں۔ آج کا یہ میرا بھیگنا، کل قیامت میں کام دے گا۔"

مولانا کا یہ صبر و استقلال اور دعوت کے لئے یہ قربانی دیکھ کر مخلوقِ خدا

دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اور آپس میں لوگ کہنے لگے "بتاؤ بھائی اس شخص کو کیا لالچ ہے؟" اور مجمع کا یہ حال تھا کہ اور چلا آرہا تھا۔ جسم اور کپڑے بارش سے تر بتر تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر، مولانا کی داڑھی سے پانی بہ بہ کر گر رہا تھا۔ اور لوگوں کے قدموں سے پرنالے چل رہے تھے۔ ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو حضرت مولانا کو اس حال میں چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ لیتا، لوگ مولانا کی تقریر ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے۔ اور رونے کی آوازوں سے فضا گونج رہی تھی، بارش برابر تیز ہو رہی تھی مگر حضرت مولانا اس عالم میں بھی جوش، ولولہ اور تسلسل سے تقریر فرما رہے تھے۔ کئی گھنٹے کی تقریر اسی طرح ہوتی رہی اور مجمع نے صبر و سکون اور ذوق و شوق سے سنی۔"

یہی کارکن ایک اور واقعہ سناتے ہیں :-

"گرمی کا موسم تھا، میوات کے ایک گاؤں میں اجتماع تھا، دھوپ کافی تیز تھی، یوں بھی میوات کی دھوپ اور مقامات سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ مولانا کا لوگ شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ عین دوپہر کے وقت مولانا پہونچے۔ یہ ۱۲ بجے کا وقت تھا۔ عید گاہ میں مجمع اکٹھا ہو گیا، مولانا کی تقریر شروع ہو گئی، موسم کی تیزی اور دھوپ کی سختی کی وجہ سے پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا، اصل اجتماع گاہ فاصلہ پر تھی، اس لئے مولانا نے مجمع کو دیکھ کر عید گاہ ہی میں تقریر شروع کر دی، مولانا کے ایک رفیق خاص چھتری لے کر آئے اور مولانا کے لگا دیا، مولانا نے چھتری ہٹا دی اور فرمایا: "بیٹھ کر بات سنو" قیامت کی دھوپ اس دھوپ سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔"

یہ چند واقعات ہیں جو مولانا کے صبر و عزیمت اور محنت و مشقت کے نمونے ہیں ورنہ مولانا کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں۔

جہدِ مسلسل مولانا کی زندگی کا اہم جزو تھا بلکہ جزو لاینفک تھا، مولانا کے یہاں

فراغت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ فرصت کو جانتے تک نہ تھے۔ صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک ہر وقت بھرا ہوا اور مشغول تھا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کہتے ہیں :-

"فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹے سے کم کی نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی یا زیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان مبارک میں بہت بڑھ جاتا، جب کہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے۔ رمضان میں ان کی رات کا بڑا حصہ شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتا اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے اور اسی قوت سے آخر میں دعوت دیتے۔"

سفر میں بھی مولانا کا نظام بڑا مشغول ہوتا سفر کی مشقتیں، رکاوٹیں اور موانع مولانا کے کام میں رکاوٹ نہ ڈال پائیں، بعض دفعہ بس یا ریل میں مولانا کو کھڑے کھڑے سفر کرنا پڑا ہے لیکن اپنے معمولات میں کمی نہ آنے دی، باوجود بعض جسمانی بیماریوں اور نقاہت اور ضعف کے، سفر کی ہر چھوٹی بڑی تکلیف کو دینی دعوت کے شوق اور اس کے عشق و محبت کی وجہ سے خندہ پیشانی اور خندہ روئی سے جھیلا۔

ایک مرتبہ باغپت ضلع میرٹھ میں کسی اجتماع میں جاتے ہوئے کار خراب ہوگئی تو خود مولانا نے اتر کر اس کو دھکیلا اور وہ اسٹارٹ ہوگئی لیکن بڑوت تک جاکر پھر بگڑ گئی اور پھر کسی طرح نہ چلی، مجبوراً ایک بس پر سوار ہوئے۔ اس بس میں کافی رش تھا، بیٹھنے کو جگہ نہ تھی کھڑے کھڑے پورا سفر کیا۔ بس اڈہ پر اترے تو معلوم ہوا کہ اجتماع گاہ تقریباً چار پانچ میل کے فاصلے پر ہے، اجتماع کرنے والوں نے کوئی سواری اس لئے نہ بھیجی تھی کہ ان کو خبر نہ تھی کہ مولانا بس کے ذریعہ تشریف لائینگے وہ اس دھوکہ میں تھے کہ کار پر آرہے ہیں اور وہ اجتماع گاہ تک آجائے گی۔ مولانا نے

اترتے ہی بلا توقف پیدل چلنا شروع کر دیا اور مع اپنے ساتھیوں کے پیدل ہی اجتماع گاہ تک تشریف لے گئے۔

مولانا جب اپنے مستقر پر پہونچتے تو آرام و راحت کا سوال نہ ہوتا، اگر تقریر کا وقت ہوتا تو فوراً تقریر شروع کر دیتے، پیدل چلنا یا سفر کی تکان حارج نہ ہوتی اور پھر تقریر بھی آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ کی نہ ہوتی، تین تین گھنٹے، چار چار گھنٹے کی ہوتی۔ پھر تقریر کے بعد گفتگو اور تشکیل کا کام فرماتے، شب و روز اسی میں گزرتے، اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ سفر میں حضر کی نسبت اور زیادہ انہماک اور جہد مسلسل بڑھ جاتا۔

عام نظام الاوقات مولانا محمد یوسف صاحب جب بستی نظام الدین میں رہتے تو شب و روز کا نظام اس طرح رہتا۔ صبح کی نماز اکثر خود پڑھاتے عموماً نماز خوب اسفار میں ہوتی، دعا کے بعد تقریر فرماتے جو تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹے جاری رہتی۔ تقریر کے بعد جماعتوں کی تشکیل ہوتی، اس کے بعد مولانا اپنے حجرے میں آنے والے مہمانوں کو ناشتہ کراتے اور یہاں بھی مولانا کی گفتگو جاری رہتی اور موضوع اور مرکزی نقطہ اس گفتگو کا بھی دین کے لئے محنت و قربانی ہوتی، کبھی جماعتوں کی سرگزشت سنتے، اور مختلف علاقوں سے آنے والے مہمانوں سے کام کے متعلق دریافت حال فرماتے، اکثر اسی مجلس میں اجتماعات کی تاریخیں بھی طے ہوتی تھیں۔ پھر مہمان رخصت ہوتے تو ان کو ہدایات دیتے، چائے کے بعد اپنے حجرہ کے اوپری حصہ میں جہاں مولانا کا ذاتی کتب خانہ ہے تشریف لے جاتے اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہو جاتے۔

اس کے بعد ۱۱ بجے کے قریب جماعتوں کی روانگی کے وقت رخصتی تقریر فرماتے جس میں اصول، طریقۂ کار اور نظام الاوقات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے آخر میں دعا فرماتے اور تبلیغی سفر میں جانے والے افراد ایک ایک کر کے مصافحہ کر کے دعا لیتے ہوئے رخصت ہو جاتے۔

تھوڑی دیر بعد مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے اس کے بعد ظہر تک قیلولہ، نمازِ ظہر کے بعد مطالعہ اور درسِ حدیث جو عصر تک جاری رہتا، عصر کے بعد خطوط کے جوابات لکھاتے، لیکن یہ سلسلہ ابتدا میں تھا بعد میں ترک ہوگیا تھا اور عصر سے پہلے ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ مہمانوں سے ملتے اور ان سے دعوتی گفتگو کرتے اور کبھی کبھی اس وقت بھی تقریر فرماتے۔ تقسیم ملک کے بعد سورۂ یٰسین کے ختم کا مغرب کے بعد اہتمام ہوگیا تھا اور آخر عمر تک جاری رہا، ختم پر دعا ہوتی، کبھی خود دعا کراتے، کبھی صرف شرکت فرماتے، کبھی کسی کی تقریر بھی ہوتی اس درمیان تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہتا، اسکے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا جن کی تعداد عموماً سیکڑوں ہوتی، اس کے بعد عشا کی نماز ہوتی، عشاء کی نماز کے بعد عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ کے واقعات کا کتابی درس ہوتا پہلے تو یہ کام اکثر البدایہ والنہایہ سے لیا جاتا تھا جب سے خود مولانا کی ترتیب دی ہوئی کتاب "حیاۃ الصحابہ" تیار ہوگئی تو وہی سامنے رہتی، آخر عمر تک خود مولانا ہی کتاب پڑھتے اور تشریح فرماتے، اگر کوئی عارض ہوتا تو دوسرا کوئی پڑھتا لیکن حتی الامکان مولانا خود ہی اس کا اہتمام فرماتے اور خود ہی کتاب پڑھتے۔

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی اپنے تأثرات کتنے دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں:

> "نماز فجر کے بعد سے لے کر رات کے بارہ بجے تک (قبل ظہر ایک دو گھنٹہ چھوڑ کر) عمومی وخصوصی مجالس میں برابر رشد وہدایت کے دریا بہاتے اور حکمت ومعرفت کے دُرِ نایاب تقسیم کرتے رہتے، نماز فجر کے بعد سے اشراق تک تقریر، چائے پینے اور کھانا کھانے کے وقت تقریر اور بڑے دلچسپ انداز میں، اس کے بعد تھوڑا سا آرام کرکے ظہر کی نماز کے لیے مولانا حجرے سے باہر تشریف لے آتے، کھڑے کھڑے دینی گفتگو فرما رہے ہیں، اب تکبیر ہوگئی صفوں کو درست فرما رہے ہیں، اب نماز پڑھا رہے ہیں، نماز سے فارغ ہوکر تقریر

فرما رہے ہیں، تقریر سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہیں، اب حجرے کے اندر تشریف لے گئے، باہر کے آتے ہوئے وفود کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سکوت کا عالم طاری ہے۔ سب گوش برآواز ہیں، مولانا نے ان کے سامنے توحید و معرفت، ایمان و یقین کی تقریر شروع فرمادی ہے۔ دین کی نصرت پر نصرتِ خداوندی کو بیان فرمایا جارہا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد مرکز کے حاضرین اور آنے والے وفود کے سامنے پھر تقریر فرمارہے ہیں۔ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا، مغرب کے بعد خصوصی مجلس میں اپنے ارشاداتِ خصوصی سے مستفید فرمارہے ہیں، عشا کے بعد کتاب سنا رہے ہیں، احادیث و آثار کی تشریح فرمارہے ہیں، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جوش و خروش کے ساتھ بیان ہورہی ہے۔ سیرت کے نازک نازک گوشے واضح فرمائے جارہے ہیں۔ سامعین کے ایمان میں تازگی پیدا ہورہی ہے، دلوں میں عظمتِ اسلام کے نقوش قائم ہورہے ہیں، تبلیغی کام کی برکات واضح ہورہی ہیں، قرونِ اولیٰ سے دینی نقل و حرکت کا ثبوت بہم پہنچایا جارہا ہے۔"

تواضع اور خاکساری

مولانا کے اندر باوجود علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے حد درجہ تواضع اور خاکساری تھی، اپنے بڑوں کے ساتھ بڑے سے بڑا معاملہ کرتے اور چھوٹوں کے ساتھ برابر والوں کا سا معاملہ کرتے، اہلِ علم کے علم کا اعتراف کرتے، ان کی قدر کرتے ان کو اپنے سر پر بٹھانے کی کوشش کرتے اور بڑی عزت و احترام کا معاملہ کرتے، خصوصاً ان لوگوں کے ساتھ جن کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے رہا ہو اور دینی تحریک سے دیرینہ ربط رہا ہو۔ اس کے برنئے آنے والے کے ساتھ، وہ جس درجہ کا آدمی ہوتا اس سے اونچا معاملہ فرماتے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ایک خط لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مخدوم و مکرم و معظم و محترم جناب حضرت السید الاستاذ دام اللہ مجدکم و

متعنا والمسلمین بفیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت عالی کا والا نامہ شرف صدور ہو کر باعث صد مسرت و منت ہوا، حق تعالیٰ شانہ، آں محترم کو اپنی بے نہایت مرضیات سے مالا مال فرمائیں اور ہم ضعفا کے لئے آپکے ان انوارات و اوصاف وکیفیات سے جو بارگاہ رسالت سے آپ میں ودیعت ہیں اور حضرت سید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق نے ان کو جلا دیکر، پھر ہمارے جیسے خوبیوں کے گہرائیوں کے سمندروں کے موتیوں کے ادراک کرنے والوں کے لئے قابل ادراک فرمادیا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کے تعلق اور آپ کی ان کے ساتھ قابل رشک صحبتوں نے ان کو روز روشن کی طرح کھول دیا، اب بھی ہم جیسے کوران کا احساس نہ کریں تو جناب عالی کے لئے تو حقیقتاً کوئی نقصان نہیں، اللہ رب العزت نے آپ کو بہت نعمتوں سے مالا مال فرمادیا، جن کا شکریہ آپ پر واجب ہے، بہت شکر کریں، البتہ نقصان صرف ہمارا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی قدردانی کر کے فائدہ اٹھایا نہ ان ہستیوں سے جن کو وہ قدر کر کے بہت قابل قدر بنا گئے آپ نے تو ان کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی حد سے زیادہ اس عاجز پر بارہا حد سے زائد احسانات فرمائے جس کا حق تعالیٰ شانہ، حد سے زیادہ آپ کو صلہ مرحمت فرمائیں، البتہ یہ ضعیف و ناکارہ بہت ہی قابل توجہ اور دعا ہے، خصوصًا ان لوگوں کے حقوق ادائیگی کے ذیل میں (جنمیں بہت اہم آپ کی ہستی ہے) جن کی اس کام کے اشتغال سے اس نے فروغ کی صورت اختیار کی اور حضرت مرحوم ان کو دل سے چاہتے تھے۔ آپ کا بہت ہی احسان ہوگا اگر آپ اپنے مخصوص اوقات میں میرے لئے رو کر اس بارے میں اللہ رب العزت سے گڑگڑا کر ملتجی ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ میرے لئے حق شناسی و مردم شناسی کے دروازے کھول دیں اور ان اصولوں میں مجھے بصیرت و عمل کی توفیق بخشیں

جس میں اہلِ ہنر و خیر سے اس کام میں پوری طرح منتفع ہوسکوں اور ان کے توجہات سے یہ کام سرسبز ہو اور میری گندگیوں کے نذر ہو کر یہ کام ضائع یا فتنہ نہ ہو جائے۔ آپ کا خط بار ہا لے کر بیٹھا، کچھ لکھنے کی ہمت نہ پڑی دوبارہ پر چھوڑ دیا آپ کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں کوتاہی حجاب بنی۔ آنے کے لئے درخواست بھی کس منھ سے کروں، سوائے بولنے کے تو کچھ سیکھا نہیں۔ اور اس سے کچھ ہوتا نہیں، فتن نے اپنے پردوں کو چاک کر دیا، مصائب کیڑوں کی طرح امنڈ پڑے، علاج پر اہلِ بصیرت و اہلِ فہم و رائے مطلع نہ ہوئے اور جو مطلع ہوئے تو ان کا اختلاط و اجتماع ٹوٹا، فاللہ خیر حافظاً و ہو ارحم الراحمین، حضرت عالی ہی اس میں مشعلِ راہ ہو سکتے ہیں۔ جناب عالی کی تشریف آوری کے خیال سے بھی بڑی مسرت ہوئی، اہلِ دل تو اپنا کام دل سے کرلیں ہم جیسے بے دل کیا کریں، محبت آپ کی اپنے دل میں نہ رکھیں تو پھر مرنے کے بعد کے سہارے کے لئے کیا چیز رہے، آپ کے دل میں اپنی محبت کو بہت ہی مبارک سمجھتا ہوں حق تعالیٰ شانہٗ جانبین کے لئے ترقیات کا دروازہ کھولیں۔

بندہ محمد یوسف

مولانا کو کسی عالم سے باوجود اپنے علم و فضل کے استفادہ کرنے میں حجاب نہیں ہوا۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب "حیاۃ الصحابہ" لکھنی شروع کی تو اس میں بھی کبھی پس و پیش نہ کیا کہ کسی اہلِ علم کے سامنے اس کتاب کو پیش کریں اور اس میں اصلاح کے طالب ہوں۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کے اندر فنائیت حد سے بڑھ کر ہو اور "انا" کا نام و نشان بھی نہ ہو، ورنہ بڑے سے بڑا عالم "ہمچو من دیگرے نیست" کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں، ایک مرتبہ فرمایا:۔

"ہم ایک کتاب صحابہؓ کے حالات پر لکھ رہے ہیں، آپ نے اس کو دیکھ لیا ہوتا۔

یہ عنوان میرے ذوق و شوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا جس سے اپنی نا قابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندگی ہوئی اور اس سے مسرت ہوئی کہ اس نا اہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر سکے گا"۔[1]

ایک رفیقِ خاص اپنا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں :۔

"منشی اللہ دتا صاحب اپنے چند رفقاء کے ساتھ حج کو تشریف لے جا رہے تھے۔ جب مرکز سے باہر نکلے تو حضرت مولانا بھی ننگے پیر سڑک تک آ گئے اور جب منشی جی رخصت ہونے لگے تو حضرت مولانا نے بڑے عاجزانہ اور مؤدبانہ طور پر منشی جی سے فرمایا،

"منشی جی! ہمارے لئے اور ہمارے گھر والوں کے لئے دُعا کرنا"۔

ایک مرتبہ مدراس کی جماعت سہارن پور کے علاقے سے چلّہ گزار کر آئی، رات کا کھانا مولانا نے اپنے ساتھ کھلایا، مولانا نے کھانے کے درمیان فرمایا،

"بھائی تمھارا سفر کیسا رہا"؟

جماعت نے کہا "حضرت بہت اچھا گزرا مگر گرمی کے سبب بدن میں چھالے پڑ گئے"۔ مولانا مسکرائے اور فرمایا "تمھیں چھ نمبر بھی آ گئے"۔ انھوں نے عرض کیا حضرت الحمد للہ ہم سب کو چھ نمبر آ گئے"۔ مولانا نے فرمایا،

"اللہ کا بہت بڑا کرم ہوا تم پر مجھے تو ابھی تک نہیں آئے"۔

یہ تو ان لوگوں کے ساتھ معاملہ تھا جو اہلِ علم تھے یا جماعت سے تعلق رکھتے تھے، مولانا کا ذاتی معاملہ تو ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے ساتھ بھی تواضع و انکساری کا تھا، خواہ وہ اپنا ہو یا غیر، مولانا جب جماعتوں کو رخصت کرتے تو فرماتے کہ جماعت والو! اپنی خدمت،

---

[1] الفرقان نمبر صـ۲۴

ساتھیوں کی خدمت، امیر کی خدمت، اور راستے میں جو مل جائے بلا تفریق مذہب اسکی خدمت کرو۔ اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا:۔

"ایک مرتبہ بستی حضرت نظام الدین کی رہنے والی چھوٹی سی بچی بالٹی میں پانی ہانپتے کانپتے لئے جا رہی تھی، میں نے دیکھا اور لپک کر اس کے ہاتھ سے بالٹی لے لی اور اس کے گھر تک پہنچا آیا۔ اس بالٹی کے اُٹھانے کا لطف و مزا اب تک پا رہا ہوں۔"

خدمتِ خلق اور اکرامِ ضیف کا جذبہ مولانا کے اندر بے پایاں تھا۔ اس سلسلے میں وہ ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کرتے ہچکچاتے نہ تھے۔ بعض خدمتیں ایسی ہوئی ہیں کہ عام سے عام آدمی بھی اس کو کرتے ہچکچاتا ہے اور اپنے مقام سے کم تر سمجھتا ہے لیکن مولانا کم سے کم درجے کا کام کرتے ہوئے بھی باک نہ ہوتا۔

مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی بیان کرتے ہیں:۔

"ایک بار بستی نظام الدین میں مہتروں نے ہڑتال کر دی، مہمان مرد تو جنگلوں میں جا کر فراغت حاصل کر لیتے لیکن عورتوں کا مسئلہ سخت بن گیا تھا یا ان مردوں کا جو بوڑھے یا بیمار تھے، اس سے گندگی پھیلنے لگی، مولانا نے کئی دن تک مہمانوں اور گھر والوں کی نجاست اٹھا کر جنگل میں لے جا کر پھینکی مگر کسی کو اس کی خبر نہ دی۔"

اتحاد و یک جہتی مولانا میں ایک امتیازی صفت اور ہزار کمالوں کا ایک کمال یہ تھا کہ وہ مختلف مسلک رکھنے والوں کو جوڑے رکھتے تھے، مولانا کے نزدیک اختلاف نے امت کو تباہ کر دیا تھا اور علماء کو عوام کی نگاہ میں ذلیل کر دیا تھا۔ مولانا کے نزدیک دینی دعوت کا کام امت کی بھلائی کی بنیاد تھا، اس لئے اس کی راہ میں جو چیز بھی حائل ہوتی وہ قابلِ مذمت تھی اس لئے مولانا نے کبھی کوئی فروعی مسئلہ نہیں چھیڑا جس سے

آپس میں ٹکراؤ ہونے کا اندیشہ ہو، صرف فضائل پر اپنی تحریک کو چلایا، مسائل مفتیوں اور علماء پر چھوڑ دیئے اس کی وجہ سے تفرقہ اور تشتت کی فضا قائم نہ ہو سکی اور ہر طبقے کے لوگوں نے خواہ وہ کسی مسلک یا موقف کے ماننے والے ہوں، سیاسی ہوں یا خالص علمی اور دینی شخصیت کے مالک ہوں، مولانا سے ملاقات کی اور ان کی بات سُنی، مولانا نے اس اتحاد و یکجہتی کو آخر عمر تک قائم و جاری رکھا اور کسی وقت بھی افتراق و اختلاف پیدا ہونے نہ دیا۔ مولانا کی اس دینی دعوت کو ہر طبقے نے قبول کیا۔ ایک ہی وقت میں دارالعلوم دیوبند کے علماء و طلبا اور مسلم یونیورسٹی کے پروفیسران اور اسٹوڈینٹس، صوفیا و سجادہ نشین اور خالص سیاسی اور انگریزی داں حضرات نے اس دعوت کو قبول کیا، ایک ہی ساتھ سفر کئے اور آج بھی ایک ہی صف میں دو مختلف نظریہ رکھنے والے اور مختلف زاویۂ نگاہ سے سوچنے والے حضرات کھڑے ہیں اور کاندھے سے کاندھا ملا کر اس کاروانِ دعوت کے ارکان بن کر سفر کر رہے ہیں۔ کیا امیر اور کیا غریب، غریب اگر امارت کے فرائض انجام دے رہا ہے تو امیر آدمی اس کی اور جماعت کی خدمت کو اپنا فریضہ جان کر خدمت کرتا نظر آرہا ہے، چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

درحقیقت یہ مولانا کی سب سے بڑی صفت اور کمال تھا کہ انھوں نے سارے دانوں کو ایک تسبیح میں پرو دیا تھا۔

اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والوں سے تعلق و ارتباط

مولانا محمد یوسف صاحب نے ہمیشہ ان اکابر و شیوخ اور علما سے تعلق رکھا جن کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے تھا، ان کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے دعاؤں کی درخواست کرتے اور توجہ کے طالب ہوتے، اپنی جماعتوں کو ان کی خدمت میں بھیجتے اور ان سے استفادہ کرنے کی تلقین فرماتے۔

دیوبند میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے، خود حضرت مولانا مدنیؒ مرکز بستی حضرت نظام الدینؒ میں تشریف لایا کئے اور بلند الفاظ میں اس دعوت کا ذکر کیا، حضرت مولانا رائے پوری تو گویا سرپرست ہی تھے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد رائپور جانا ہوتا اور حضرت رائپوری نظام الدین میں طویل قیام فرماتے۔ شیخ الحدیث نے تو مولانا محمد یوسف صاحب کے حق میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مقام حاصل کر لیا تھا، مولانا بغیر ان کے مشورے اور تصویب کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔

۹ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کو مولانا نے سارے اکابر کو ایک خط تحریر فرمایا تھا، اس خط کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ مولانا اپنے اکابر سے کس طرح دعا اور توجہ کی درخواست فرماتے تھے۔

"گزارش خادمانہ آں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ سراپا خلوص اور مجسم دعا تھے اور ہر وقت اس مبارک کام اور تبلیغ کے لئے جلوت و خلوت میں دعا فرماتے رہتے تھے، ساری ساری رات اس کام کے کامیاب ہونے اور اصولوں کی پابندی و نیت رضائے الٰہی کے ساتھ دنیا میں رائج ہونے اور اسلام کے سرسبز ہونے اور اوامر خداوندی کے دنیا میں ازسرنو چمک جانے کے لئے تڑپتے تھے اور گڑگڑاتے تھے مگر اس کے باوجود اس کو ناکافی سمجھ کر اہل حق کی خدمت میں اس کام کی کامیابی کے تمام اوقات میں عموماً اور رمضان میں خصوصاً استدعا فرمایا کرتے تھے اور بارہا فرمایا کرتے تھے کہ نظام عالم اہل حق کی توجہات باطنیہ اور دعاؤں کے ساتھ ہے لہٰذا اب ایسے وقت میں جبکہ ہم خدام ان بے نہایت توجہات اور دعاؤں سے بظاہر محروم ہوگئے ہیں۔ اس وقت آپ کی دعاؤں اور توجہ کی بے حد ضرورت ہے اب تک بھی یہ کام آپ کی دعاؤں اور توجہات سے چلا اور آئندہ بھی انشاء اللہ آپ کی توجہات اور دعاؤں سے چلتا رہے گا۔

تحویدکم محمد یوسف غفرلہٗ

۹ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

حضرت مولانا مدنیؒ کی خدمت میں آخری حاضری اور حضرت مدنیؒ کی توجہ فرمائی اور انتہائی تکلیف و اذیتِ جسمانی کے باوجود شفقت فرمائی کا حال خود مولانا کی زبانی سنئے:

"اس ناکارہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے انتقال سے ۲۲ گھنٹے پہلے محض اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے زیارت کی سعادت حاصل کی اگرچہ بیماری کی رعایت سے اپنا ملنے کا ارادہ نہ تھا مگر ازراہِ شفقت وکرم خود ہی یاد فرمایا، جو کی پر قبلہ رُخ تشریف فرما تھے اور انتہائی متوجہ الی اللہ تھے، ارشاد فرمایا، "کہاں سے آئے ؟" جواب میں عرض کیا "بستی نظام الدین اولیاؒ سے" ارشاد فرمایا، کہاں جاؤگے ؟" عرض کیا" بستی نظام الدین اولیا ہی واپسی ہوگی، ارشاد فرمایا، محض میری وجہ سے سفر ہوا ہے تو بہت پسماندہ ہوں آپ حضرات نے کیوں تکلیف فرمائی وہیں سے دُعا کرتے، دعاء المرء بظہر الغیب زیادہ قبول ہوتی ہے وہ میرے لئے زیادہ کارآمد ہے پھر ارشاد فرمایا، لوگ مصیبتوں سے گھبراتے ہیں، گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلایا اور مصیبتیں خدا کی نعمت ہیں، مصیبتیں مومن کو پاک وصاف کردیتی ہیں، من یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ واشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل کوئی کتنا ہی تقدس کا دعوے دار کیوں نہ ہو، خطاؤں سے خالی نہیں، آخرت کا عذاب بہت شدید ہے، میں تو دعا کرتا ہوں کہ خدا ہم سب کو دنیا ہی میں بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کرکے پاک وصاف کردے اور آخرت میں پکڑ نہ کرے۔"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے انتقال پر مولانا اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت مولانا بہت سی خوبیوں کے حامل تھے، بہت سی بیماریوں کے علاج کی صورت تھے، بہت سے کمالات کے حامل تھے،

اور ان کا جانا ظاہری طور پر صورتِ پریشانی ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محنت میں قربانیوں کے ساتھ انہماک اور بارگاہِ الٰہیہ میں اُمتِ مسلمہ کے لئے ان تھک محنتیں ان ظاہری صورتوں کا نعم البدل اور حقیقی ہیں۔"

حضرت عبدالقادر صاحب رائے پوری کے انتقال سے مولانا پر جو اثر پڑا اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو ان دونوں بزرگوں کے آپس کے تعلقات کو دیکھ چکے ہیں، حضرت کے انتقال پر مولانا نے جو تعزیت نامہ ان کے جانشین مولانا عبدالعزیز صاحب گمتھلوی کو تحریر فرمایا تھا، اس میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت اقدس مولانا رائے پوری قدس اللہ سرہٗ و نور مرقدہٗ کا وجودِ گرامی سارے ہی عالم کے لئے عموماً متعلقین و منتسبین کیلئے خصوصًا اور مقربین کے لئے اخص الخصوص انتہائی باعث رحمت و نعمت و سکون و طمانیت تھا، ان کے وجود گرامی کی جدائی سارے ہی قسم کے منتسبین کے لئے باعث قلق و اضطراب و پریشانی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیراً منھا۔"

تصنیف و دعوت کا اجتماع

باوجودیکہ چوبیس گھنٹے دعوت کی فکر اور تبلیغ کا جوش مولانا کے دل میں موج زن رہتا تھا، لیکن تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتے، اپنے معمولات میں چند گھنٹے خلوت میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے۔ یہ معمول پڑھنے کے زمانے ہی سے تھا اور آخر عمر تک باقی رہا، دیکھنے والی آنکھیں دیکھتی تھیں کہ مولانا ہمہ وقت تقریر و دعا، گفتگو اور اکرام ضیف، آنیوالوں کی دیکھ بھال اور ان کے اوقات کو قیمتی بنانے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں، لیکن یہ بات کم لوگوں نے جانی کہ ان تمام مصروفیات کے اندر سے وہ ایک وقت ایسا بھی نکال لیتے

ہیں کہ اس میں صرف کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ رکھتے ہیں بعض قریبی دوستوں تک کو اسکی خبر نہ ہوتی تھی اور جب مولانا کی دو اہم تصنیفیں (۱) امانی الاحبار اور (۲) حیاۃ الصحابہ، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں، چھپ کر سامنے آئیں تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ مولانا کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وقت میں کتنی برکت عطا فرمائی کہ دو متضاد کام کس طرح عمر بھر نبھاتے رہے۔

ان تصانیف کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کتنے وسیع المطالعہ تھے اور ان کی کتب حدیث ورجال پر اور صحابۂ کرامؓ کے احوال و واقعات کے ہر ہر گوشہ پر کتنی نظر تھی اس تصنیف میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صرف علمی تحقیقات یا ریسرچ کا کام نہیں ہے کہ اُن لوگوں کی تشفی کا باعث بنے جو خالص علمی ذہن و دماغ رکھتے ہیں بلکہ اس میں داعیانہ طرز فکر غالب نظر آتا ہے جس سے دونوں طبقوں کو یکساں فائدہ پہونچا ہے۔ یہ ایک طرف علمی ذخیرہ ہے، دوسری طرف صحابہؓ کی داعیانہ زندگی اور کردار و اخلاق و سوانح کا نہایت مؤثر مجموعہ ہے۔

امانی الاحبار کے مطالعہ سے مولانا کی فقاہت، معرفت حدیث اور اسنادمیں وسیع درک معلوم ہوتا ہے۔

راقم الحروف الحمدللہ ان خوش نصیبوں میں ہے جنھوں نے مولانا کی دن رات کی مصروفیتوں کو سفر و حضر میں بار بار دیکھا ہے۔ ان مصروفیات میں ایسی ضخیم کتابوں کی تصنیف کو مولانا کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے اور جب کہ ہر لکھنے پڑھنے والا آدمی خوب جانتا ہے کہ چند صفحہ کی کتاب لکھنے کے لئے ہزاروں صفحات کی مختلف کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں۔ ہزاروں صفحات کی ایک نہیں کئی کئی کتابیں پڑھنا پھر ہزاروں صفحات کی کتاب لکھنا ایسے مصروف ترین شخص کیلئے جو جسمانی محنت کے ساتھ ساتھ ذہنی اور دماغی محنت بھی کرتا ہو اور کسی ایک جگہ جس کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہو اس کا اتنی ضخیم تصانیف کے لئے وقت نکال لینا اور کتب خانوں سے استفادہ

کرنا اگر کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔

مولانا کا یہ امتیاز ایسا نہیں ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے، وہی اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے جو کہ ان دونوں مختلف راہوں سے گزر چکا ہو اور جس کو ایک ساتھ ان دونوں راہوں سے گزرنا پڑا ہو۔

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

محبوبیت اور مقبولیت مولانا کو ایسے بلند کردار اور ممتاز صفات ملے تھے جن کی وجہ سے عام مخلوق میں اللہ نے ان کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کو ہر طبقے میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہو۔ یا تو قدیم طبقے میں مقبولیت ہوتی ہے یا جدید طبقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن مولانا کو قدیم وجدید دونوں طبقوں میں قبولیت عام اور محبوبیتِ تام حاصل تھی اور لاکھوں آدمی ان کے چشم و ابرو کو دیکھتے تھے اور اشاروں پر چلتے تھے، صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ غیر ممالک کے اہلِ درد و فکر بھی اس کی تمنا کرتے تھے کہ مولانا انکے ملکوں میں تشریف لائیں اور اپنی تقریر سے شرف بخشیں، سیکڑوں آدمی غیر ممالک سے خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ایک مدت تک قیام کر کے ان کی محبت اپنے دلوں میں لے کر جاتے تھے، عربی مدارس، انگریزی کالج کے طلبا و اساتذہ، کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور، صنعت کار اور تاجر سب یکساں طور پر مولانا کو عزت و تکریم سے دیکھتے تھے اور مولانا کی قدم بوسی کو سرمایۂ صد افتخار سمجھتے تھے۔ یہ محبوبیت و مقبولیت روز بروز بڑھتی رہی اور آخر عمر میں اپنی انتہائی منزل کو پہنچ گئی تھی۔

اتباعِ سنّت مولانا کی پوری دعوت و تحریک کی بنیاد ہی اتباع سنت پر تھی، خود آپ کی زندگی سنت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی پر تو تھی، نشست و برخاست، اکل و شرب اور بیداری و نوم کے سلسلے میں جو بھی عمل فرماتے اس میں اتباع سنت کا از حد خیال فرماتے، ادعیہ مسنونہ، خصوصاً ان ادعیہ ماثورہ کا اہتمام فرماتے جو

خاص خاص وقتوں کے لئے وارد ہوئی ہیں۔ ان مواقع پر ان کو پڑھتے اور ان کی تاکید فرماتے، خود اتباعِ سُنّت اور طریقۂ محمدی کی پیروی کے متعلق فرماتے ہیں۔

"آج ہر طبقہ میں جو ہر جگہ جو ناچل رہا ہے اور مسائل بگڑتے جارہے ہیں، اس کا علاج صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے میں ہے جو جتنا کریگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا پائے گا۔"

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اللہ جلّ شانہ نے ہماری دُنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گزارنے میں رکھا ہے، ان کے طریقے ہماری زندگی میں آجائیں اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔"

مولانا سے ملنے والا سب سے پہلے یہ تاثر لیتا تھا کہ مولانا اعتماد علی اللہ اور اتباعِ رسولؐ میں ملکہ رکھتے ہیں اور آپ کا یہ ملکہ لازمی نہیں متعدّی ہے، یعنی گھڑی دو گھڑی صحبت میں وقت گزارنے والا بھی اپنے دل کو خدا ورسولؐ کی محبت سے سرشار پاتا۔

آپ کی زندگی کا محبوب مشغلہ احیائے سنت تھا، اپنی تقریروں اور اپنی گفتگو میں سُنّتِ نبویؐ کی پیروی اور مٹی ہوئی سُنّت کو پھر سے زندہ کرنے کی پُر زور دعوت دیتے تھے۔ مولانا کے ایک خادم اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:۔

"ایک دن ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابو داؤد شریف کا سبق پڑھنے کے لئے حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب) کے کتب خانہ میں جارہے تھے کہ خبر ملی کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی، خلیفہ حضرت تھانویؒ تشریف لارہے ہیں۔ ہم لوگوں کا پڑھنا ملتوی ہوگیا اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب تشریف لے آئے، حضرت مولانا نے کمرے سے باہر آکر استقبال فرمایا۔ اور وہیں حجرہ میں بیٹھ گئے، تھوڑی گفتگو کے بعد حضرت مولانا اپنے کتب خانہ سے

اپنی تصانیف امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار اور حیاۃ الصحابہ لائے اور خدمت میں پیش فرمائی، موصوف دیکھتے جاتے تھے اور حضرت کی قربانی اور بلند عزمی کا اظہار کرتے جاتے تھے اس کے بعد حضرت جی نے بیرون ممالک کی تبلیغی کارگزاری سنائی، اس سلسلے میں عجیب عجیب حالات سناتے اور نصرت خداوندی کے محیر العقول واقعات سنائے۔ گفتگو کے دوران حضرت جی نے اپنا ایک واقعہ سنایا، فرمانے لگے کہ:-

"میں جب بچپن میں میزان و منشعب پڑھ رہا تھا تو حضرت جی (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) نے فرمایا، یوسف! تجھے میں قطب بننے کا راستہ بتاؤں؟" میں نے اپنے دل میں بغیر قطب و ابدال کے مراتب پر غور کئے، اور غور ہی کیا کرتا اس وقت تو طفل مکتب تھا۔ عرض کیا، "حضرت بتایئے قطب بننے کا راستہ کیا ہے؟" راقم کو یاد ہے یہاں پر حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب سے حضرت جی نے فرمایا کہ چونکہ بحث معروف چل رہی تھی اس لئے حضرت جی کا ذہن اس معروف سے اعلیٰ معروف کی جانب منتقل ہوگیا تھا۔

حضرت جی نے ارشاد فرمایا، "یوسف! جس جگہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل ہو رہا ہو اس کے مقابلے میں سنت کو رواج دینے کے لئے، محنت، بغیر جگہ اور وقت کی تقیید کئے کرنا یہ قطب و ابدال بننے کا راستہ ہے۔

بیعت و طریقت مولانا کے یہاں بیعت کا طریقہ وہی تھا جو اور دوسرے مشائخ کے یہاں تھا لیکن اس طریقے کے ساتھ ساتھ اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاس صاحب کی طرح اس پر کچھ چیزیں مستزاد تھیں۔

مشائخ کے یہاں بیعت لیتے وقت ان چیزوں پر زور دیا جاتا ہے جو انکے نزدیک

ضروری اور ایمانی زندگی کے لئے لازمی ہیں، جس شیخ کے یہاں جس چیز کا غلبہ ہوتا ہے اس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیعت لیتے وقت جہاد و قربانی اور شہادت فی سبیل اللہ کے شوق کے الفاظ کہلائے جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بیعت کے معروف الفاظ اور جملوں کے ساتھ ساتھ دین سیکھنے سکھانے اور دینی دعوت کے لئے مال وجان کی قربانی کا بھی عہد لیتے تھے، یہی کیفیت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تھی، بلکہ ایک لحاظ سے اس کیفیت کا اور زیادہ غلبہ ہوگیا تھا۔ آپ کا طریقۂ بیعت یہ تھا کہ سب سے پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اس کے آداب اس کی ذمہ داریاں اور اس کے فضائل پہلے بیان فرماتے، اس کے بعد عام طریقۂ بیعت (جو ان مشائخ کے یہاں مروج تھا) سے کام لیتے، پھر دینی دعوت کے فضائل سنا کر اس کے لئے مرمٹنے اور اوقات دینے کا عہد کراتے۔ اور اس عہد کو اتنی اہمیت دیتے کہ عہد کرنے والا اس کو اصل سمجھتا اور پھر ہر بیعت ہونے والا اسی رنگ میں رنگ جاتا اور اس کام میں لگ جاتا۔

مولانا کے بیعت لینے کے وقت بیعت ہونے والوں کا ایک مجمع ہوتا معلوم ہوتا کہ پورا جلسہ یا اجتماع بیعت ہو رہا ہے، سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ بیعت ہوتے کئی کئی چادریں ایک دوسرے سے باندھی جاتیں اور دور تک پھیلادی جاتیں اور سارے لوگ جن میں چھوٹے بڑے سب ہی ہوتے ان چادروں کو پکڑ کر بیعت ہوتے اسی طرح عورتوں کا ایک بڑا مجمع اسی طرح کی چادروں کو تھام کر بیعت ہوتا۔ محمد اشرف صاحب پشاوری ایک بیعت کا حال اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ رائے ونڈ (پاکستان) میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی، بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پگڑیاں اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا

کہ کئی حضرات مکبّر کی طرح پکار پکار کر بیعت کے الفاظ کو بیعت کرنیوالوں تک پہونچا رہے تھے، عجیب دل کش منظر تھا۔ میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ آج تو حضرت جی نے امام شہید (سید احمد شہید رائے بریلوی) کی یاد تازہ کردی۔

سب سے زیادہ دل کش اور دل نواز کیفیت میوات میں پیدا ہو جاتی، میواتی پروانوں کی طرح گرتے اور شمع کے اِرد گرد جمع ہو جاتے اور کئی طرف پگڑیاں، عمامے، لنگیاں اور چادریں پھیلادی جاتیں اور اس کے بعد بھی جگہ نہ رہتی، ایک پر ایک ٹوٹا پڑتا، تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی، ہاتھوں پر ہاتھ پڑ جاتے، جن کا ہاتھ چادر پر نہ پڑتا وہ دوسرے کے ہاتھ تھام لیتے۔ حضرت مولانا بیعت کے الفاظ اپنے خاص انداز اور مؤثر لہجے میں فرماتے مکبّرین ان کو دُہراتے پھر پورا مجمع بلند آواز سے ان کو کہتا، پوری فضا گونج اُٹھتی اور مسجد کے اندر باہر کے حصوں میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہچکیاں بندھ جاتیں اور سارا مجمع خواہ بیعت ہونے والوں میں ہو یا نہ ہو سب ہی ان الفاظ کو بے اختیار دُہرانے لگتے۔

کیمیا اثر صحبت مولانا محمد یوسف صاحب کو اللہ تعالیٰ نے زہد و تقویٰ اور خشیت و انابت، محبت و رافت اور اخلاقِ عالیہ کی ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن کی تاثیر ہر وہ شخص محسوس کرتا تھا جو ان کی خدمت میں گھڑی دو گھڑی بیٹھتا تھا۔ اور جن خوش قسمت انسانوں کو ایک عرصہ تک مولانا کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہو جاتا تھا ان پر مولانا کی صحبت کا بڑا گہرا اثر پڑتا تھا اور ایمان و یقین سے ان کی زندگی معمور ہو جاتی تھی۔

از درِ دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم\
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ گریاں رفتم

مولانا کی صحبت نے اتنے آدمیوں کی زندگیوں میں صالح انقلاب پیدا کیا ہے اور اتنے دماغوں اور دلوں کو متاثر کیا ہے اور ایمان ویقین سے بھر دیا ہے، دعوت و تبلیغ کی راہ میں قربانی ں پر آمادہ کر دیا ہے جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ صورت وسیرت، اخلاق و کردار، معاشرت و آداب، رہن سہن، حتیٰ کہ گفتگو اور انداز بیان تک میں انقلاب پیدا کر دیا، ہزاروں زبانوں پر مولانا کے الفاظ چڑھ گئے اور وہ مولانا ہی کے الفاظ میں بولنے لگے۔ ہزاروں صحبت یافتہ لوگوں کی دعاؤں میں مولانا کی دعاؤں کا رنگ آ گیا، دیندار تو دیندار، وہ حضرات بھی جن کو دین کی ہوا تک نہ لگی تھی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، صحبت میں ذرا دیر بیٹھے، باتیں سنیں، ایمان ویقین کا چراغ جلا اور چلتے چلتے اس نے پوری زندگی کو روشن کر دیا، وہ مولانا کے یہاں اس حال میں آئے تھے کہ لباس مغربی تھا، صورت غیر اسلامی تھی، انداز تکلم غیر مانوس، رئیسانہ ٹھاٹ، امیرانہ زندگی، غرور و تکبر کے انداز، علما سے بدظن، دین سے متوحش لیکن مولانا کی صورت دیکھی، انکی باتیں سنیں، ان کی محبّت و رافت، اُنس واپنائیت پر نظر کی صورت بدلی، سیرت میں انقلاب آیا، زندگی کا رُخ پلٹ گیا اور اب وہ ایک درویش صفت، فقیر منش اور جفاکش مجاہد بن گئے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو ہندوستان اور اسکے باہر مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ان صحبت یافتہ لوگوں کے ذوق عبادت، زہد و ورع، ایثار و قربانی بے نفسی و جذبۂ خدمت، خشیت و انابت، دعوت و عزیمت، خدا سے تعلق اور محبت رسول ﷺ دیکھ کر بے ساختہ مولانا کی عظمت کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

مولانا ہی کی صحبت نے ایسے ہزاروں اشخاص پیدا کئے جنھوں نے مختلف ملکوں میں دعوتِ دین کا جال بچھا دیا اور عرب وعجم میں ایمان ویقین کی زندگیوں کو رواج دیا جن کے ہاتھوں نے یورپ کے ممالک میں اشاعتِ اسلام کے کام کا افتتاح کیا اور

ان کے ذریعے سے سیکڑوں آدمی مولانا کی صحبت میں آ کر رہے۔

قیاس کُن زِ گلستانِ مَن بہارِ مَرا

مولانا کی صحبت میں بیٹھنے والوں اور ان سے تعلق رکھنے والوں میں سب سے زیادہ ایمان و یقین اور بے قراری و بے تابی پیدا ہو جاتی تھی اور جب بھی کوئی ان کی مجلس سے اٹھتا اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھا کر رخصت ہوتا تو سراپا یقین اور از سرتاپا بے قراری بن کر رخصت ہوتا اور زبانِ حال سے کہتا ؎

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

خدا سے زندہ تعلق اور راہ خدا کی استقامت

آج لوگ مشائخ اور بزرگوں میں کرامت ڈھونڈتے ہیں، اُس شخص کو بزرگ تسلیم کرتے ہیں جس کے اندر کرامت اور خارقِ عادت چیزیں پائی جائیں خواہ وہ خدا سے زندہ تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اپناتا ہو یا نہ اپناتا ہو۔

لیکن درحقیقت سب سے بڑی بزرگی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیرو بنے اور آپ کے قدم بہ قدم زندگی گزارے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے لوگوں نے کہا کہ "فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ انھوں نے فرمایا "ہاں! گھاس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے (یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے)

پھر کہا گیا "فلاں آدمی ہوا میں اُڑتا ہے" فرمایا (ٹھیک ہے) چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں"

پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک لحظے میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔ فرمایا (اس میں کیا رکھا ہے) شیطان تو ایک دم میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے ان باتوں

کی کوئی قیمت نہیں۔ مردِ حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لحظہ خدائے عز وجل سے غافل نہ رہے۔

شیخ علی ابن ابی بکر قدس سرہٗ نے "معارج البدایہ" میں فرمایا ہے کہ:۔

"ہر انسان کا حسن و کمال تمام امور میں ظاہراً و باطناً اصولاً اور فروعاً، عقلاً و فعلاً، عادتاً و عبادۃً کامل اتباعِ رسول ؐ میں مضمر ہے۔[1]"

ان اقوال وارشادات کو سامنے رکھ کر مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر نظر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مولانا کی زندگی اسی کی پرتو تھی۔ مجاہدہ وریاضت میں کوئی کمی نہیں کی اور حصولِ معرفت میں کمال حاصل کیا اور بعض دفعہ کرامتوں کا بھی ظہور ہوا لیکن مولانا کے یہاں ان کرامتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ استقامت، اتباعِ شریعت تعلق مع اللہ اور حبِّ نبوی کی اہمیت آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر تھی، صبح سے شام تک مولانا لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، کھاتے پیتے تھے۔ ہر طرح کے آدمیوں سے گفتگو کرتے تھے، لیکن ایک لمحہ بھی خدا کے ذکر سے غافل اور تعلق مع اللہ سے خالی نہ ہوتے۔ "دست بکار دل بیار" کے مصداق تھے۔

زبان اور طرزِ ادا

ہر شخص کی ایک الگ زبان اور ایک الگ طرز ادا ہوتا ہے، کوئی واعظِ خوش بیان ہوتا ہے جس کے چٹکلوں اور لطیفوں، مسجع ومقفع عبارتوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں اور گھنٹوں اس کی تقریر سنتے ہیں، کوئی شعلہ بیان خطیب ہوتا ہے، جس کی تقریر سے آگ برسنے لگتی ہے اور ہنستے ہوئے لوگ رونے لگتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نہ شعلہ بیان خطیب تھے نہ خوش گلو واعظ وہ ان ساری صفات سے خالی تھے، ان کی ایک الگ زبان تھی اور ایک الگ طرزِ ادا، انھوں نے کبھی اس کا

---

[1] مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ صـ ۶۳۔

خیال نہیں کیا کہ سامعین پر کیا اثر پڑے گا؟ وہ ان سب سے بے پرواہ ہو کر خالص دعوتی اور اجتماعی تقریر کرتے تھے، ان کی تقریر میں خاص زبان استعمال ہوتی اور مخصوص اصطلاحیں مستعمل ہوتی تھیں۔ اکثر یہ اصطلاحیں لوگوں کی سمجھ میں نہ آتیں اور یہ زبان غیر مانوس معلوم ہوتی، اس سلسلے میں مولانا اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بقدم تھے، فرق اتنا تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زبان میں قدرے لکنت تھی اور مولانا محمد یوسف صاحب کی زبان میں لکنت بالکل نہ تھی، مولانا کی یہ خاص زبان مولانا تک محدود نہ تھی بلکہ کثیر التعداد لوگوں نے مولانا کی اس زبان کو اپنایا اور ان خاص اصطلاحات کو اختیار کر لیا۔ مولانا کی زبان کے یہ الفاظ اگرچہ عصر جدید کے الفاظ و تعبیرات اور مُرّوج اصطلاحات سے اکثر عاری ہوتے لیکن سننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتے اور گھر کر جاتے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

سترھواں باب

احساسات و خیالات، تحریک و دعوت

اصول و آداب اور ہدایات

مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

مولانا محمد یوسف صاحب کی زندگی کا ایک اہم باب اُن کے احساسات و خیالات اور ان کے طرزِ فکر کا باب ہے۔ مولانا کے احساسات و خیالات ان کی بے شمار تقریروں، مجلسی گفتگوؤں اور مکاتیب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی غیر جانبدارانہ طور پر ان کی تقریروں کو پڑھے یا ان کے مکاتیب کا مطالعہ کرے اور مطالعہ کرتے ہوئے کسی جماعتی عصبیت یا "انا ولاغیری" (ہمچو دیگرے نیست) کا شکار نہ ہو تو وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے اور اسلام کی تصویر کو صحیح رنگ سے پیش کرنے کا اچھوتا ڈھنگ عطا فرمایا تھا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ اگر اسکی عصبیت نے مولانا سے بُعد پیدا کیا اور

اس کی وجہ سے بدگمانیوں نے جگہ پکڑلی اور جو قریب ہوتے ان میں سے بعض کی ناقص ترجمانی نے مولانا کی شخصیت پر ایک پردہ ڈال دیا اور ان کے متعلق یہ عام خیال پیدا ہوگیا کہ وہ صرف دین کے ایک شعبہ کے ترجمان اور داعی تھے اور سوائے کلمہ نماز اور اس کے لیے دربدر مارے مارے پھرنے کی اہمیت کے اور کوئی دین کا جامع تصور مولانا کے یہاں نہیں ملتا۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

مولانا کے نزدیک اسلام کی پوری تحریک کے صرف تین نقطے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، وہ ہیں:۔

(۱) ایمان ویقین (۲) عمل صالح (۳) عمل صالح کے لئے محنت۔ مولانا کے اس خیال کا منبع اور مصدر قرآن حکیم کی یہ آیت ہے: ومن احسن قولا ممن دعا الی اللّٰہ و عمل صالحا وقال اننی من المسلمین"، اسی لئے مولانا کی عام تقریروں، گفتگوؤں اور خطوط کتابت کا محور بس یہی تین مرکزی نقطے ہوتے تھے انھیں پر زور دیتے تھے اور انھیں کی تشریح وتفصیل میں اپنا قیمتی وقت لگاتے اور اس سلسلہ میں واقعات اور مثالوں سے نقطۂ نظر کو واضح کرتے۔

لیکن ان کے ساتھ ساتھ ان سارے عوامل واسباب پر روشنی ڈالتے تھے جو ان کو چمکانے والے اور قوت بخشنے والے ہوتے نیز ان مفاسد اور غلط خیالات کی تردید بھی فرماتے جو آج عہد نبوی کی دوری کی بنا پر عام مسلمانوں میں پیدا ہوچکے ہیں ہم مولانا کی تقریروں یا ان کے مکاتیب کو تفصیل سے پیش نہ کریں گے کہ مولانا کی صرف ایک تقریر بھی پیش کرنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ صرف اندازہ لگانے کے لئے انکی شخصیت اور ان کے جامع تصور کو صحیح رنگ میں پیش کرنے والی تقریروں اور مکاتیب کے جستہ جستہ حصّوں کو پیش کرتے ہیں جو اکثر ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں اور کچھ ان کے الفاظ کی بالکل صحیح اور دیانتدارانہ ترجمانی کرنیوالے جملے ہیں۔

اپنی خواہش کا اسلام

مولانا کے نزدیک اس وقت اسلام پر چلنا جو مشکل ہو رہا ہے اور ہر طرف اسلام کے خلاف آوازیں بلند ہو رہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو اپنی خواہش کا بنا رکھا ہے انھوں نے اسلام کو اپنے مزاج کے تابع بنا لیا ہے۔ اور اس کی قطع برید کرتے رہتے ہیں وہ اس کی کتنی اچھی اور عام فہم مثال دیتے ہیں:۔

"آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام چلنے والا نہیں ہے، صحیح ہے، لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چلے؟ اسلام کو اپنی خواہش اور اپنی حالت کے مطابق بنا کے چلاؤ گے تو وہ اسلام رہے گا ہی نہیں، وہ تو تمھاری بنائی ہوئی ایک نئی چیز ہو جائے گا۔

"کسی نے اپنے بدن پر گودنے والے سے شیر کی تصویر بنوانی چاہی۔ جب وہ سوئی سے گودنے لگا اور تکلیف ہوئی تو گودنے والے سے کہا کہ کیا بنا رہے ہو؟" اس نے کہا "پہلے شیر کی دُم بنا رہا ہوں۔" اس آدمی نے کہا کہ دُم چھوڑ دو، بے دُم کے بھی شیر کی تصویر بن سکتی ہے۔ اس نے دُم چھوڑ دی اور دوسری طرف سے بنانا شروع کر دیا۔ اب اس نے کہا۔ اب کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ کان بنا رہا ہوں، اس نے کہا کہ بے کان کا شیر بھی بن سکتا ہے۔ تم کان نہ بناؤ بے کان کا شیر بنا دو۔ تو بھائی دوستو ایسی اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے کہ اپنے مزاج کے بدل جانے کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو رہا ہے تو اسلام کی قطع برید کی جا رہی ہے اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنایا جا رہا ہے"۔

دوسری جگہ اس کی مزید تشریح فرماتے ہیں:۔

"آج دین کے جن احکام پر مسلمان عمل نہیں کر رہے ہیں خواہ وہ احکام کسی شعبے کے ہوں ان پر عمل کرنے سے یا تو مسلمانوں کے مال پر زد پڑتی ہے یا جان و

جسم پر اس لئے ان احکام پر عمل کرنا ان کے لئے سخت مشکل ہو رہا ہے اور اسلام کے ماننے کے باوجود اس کے احکام کے خلاف زندگیاں گزار رہے ہیں"۔

اوّلین شرط

حضرت ابن مسعودؓ صحابہؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ، تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن پہلے ہم نے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن کی تعلیم حاصل کی، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے اندر اسلام کا احترام اللہ و رسولؐ کی قدر و منزلت، احکام خداوندی کا خیال بدرجہ اتم تھا، ورنہ علم چاہے جتنا بھی آجاتے، اگر ایمان نہ ہو تو وہ علم وبال جان بن جاتا ہے۔ مولانا اسی لائن پر چل کر ایمان باللہ کو اولین شرط قرار دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ طریقہ محمدی کو اختیار کرنے اور سنن نبوی کے تتبع کو اس شرط کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے کام یہ ہے کہ اپنے مزاج کو اسلام کے مطابق بنالیا جائے اور یہ جب بنے گا جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ کسی مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا۔ سب اللہ سے ہوتا ہے اور حالات کا بناؤ بگاڑ اور تعمیر و تخریب اور کامیابی و ناکامی، چیزوں کے ہونے نہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بنانے اور چمکانے کا فیصلہ جب کریں گے جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر آجاؤں گا تو اس راستے پر چلنے کے لئے خارجی نہیں بلکہ داخلی دولتیں چاہئیں۔ خدا کا یقین ہو، خدا کا دھیان ہو۔ خدا کا خوف ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر خدا کے خزانوں سے ملنے کا اور نعمتوں کے دروازے کھلنے کا یقین ہو[1]"

ایمان کی تشریح فرماتے ہوئے کتنے اچھوتے انداز سے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] خواص کے مجمع کی ایک تقریر کا اقتباس۔

"ایمان ظواہر پر ظواہر کے مطابق یقین کرنے کا نام نہیں بلکہ ظواہر ورواج ومشاہداتِ انسانیہ کے برخلاف خداوندِ قدوس کی ذات وصفات اور انکے والے اعمال اور ان اعمال پر ان کی والی خبروں پر یقین جمالینے ہی کا نام ایمان ہے۔"

مولانا کے نزدیک ایمان ویقین ہی ایسی طاقت ہے جس کے ذریعہ اُمت محمدیہ ترقی کر سکتی ہے۔ اُمت محمدیہ کا ایک خاص مزاج ہے وہ دوسری قوموں کی طرح نہیں ہے۔ اس کی ترکیب، اس کا مزاج سب سے جُدا ہے۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ

اس لئے سب سے پہلے ایمان ویقین کو زندہ کرنا ضروری ہے۔ جتنا زور ایمان و یقین پر مولانا دیتے تھے اور اس کی جس جس طرح تشریح کرتے اور مثالوں میں بیان کرتے تھے اتنا زور کسی اور بات پر نہ دیتے۔

ایک دن خواص کے ایک اجتماع میں فرمانے لگے:۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ "کل بتاؤں گا" اس پر وحی آئی، ولا تقولن لشیئٍ انی فاعل ذٰلك غدا الا ان یشاء اللہ، اور تمھاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا، ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اگر مرنا چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔ خلق کی صفت صرف خالق میں ہے۔ پوری مخلوق اپنی پیدائش، تربیت اور بقا میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے[1]۔"

مولانا کی نگاہ میں غیر اللہ کی بے حقیقی اتنی زیادہ تھی کہ ایک لمحہ کے لئے اسکے تصور کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے جس کی اچھی خاصی جھلک ان کی تقریروں میں ملتی ہے ماں کی

---

[1] ڈھاکہ میں خواص کے مجمع کی تقریر، الفرقان خاص نمبر صفحہ ۵۴۔

زبان ہمہ وقت اس کی ترجمان رہتی۔

• شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

ایک مرتبہ ایمان ویقین کی تشریح کرتے ہوئے غیر اللہ سے بے تعلقی اور بے خوفی اور بے اعتمادی پیدا ہونے کو اس طرح فرمایا۔

"ایٹم بم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھر کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے، ایٹم بم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہیں، ایٹم بم سے وہ ہوگا جو خدا چاہے گا۔ فرعون بھی "ہذہ الانہار تجری من تحتی" کہا کرتا تھا مگر خدا نے اسی پانی کو اس کے غرق و بربادی کا سامان بنا دیا[1]"

اندرونی تبدیلی مولانا کے خیال میں اُمت کی اصلاح بیرونی تبدیلی سے نہیں بلکہ اندرونی تبدیلی سے ہو سکتی ہے، مال و زر کی زیادتی خوش پوشاکی حسن تقریر یا مادی ترقی سے امت کی اصلاح ناممکن ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ امت اپنے اندر کی دنیا بدلے اور اللہ سے تعلق استوار کرے۔

وہ فرماتے ہیں:۔

"کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی اور ناکامی نہیں ہے۔۔۔۔ انسان کے اندر کی مایہ اس کا مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں۔ انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہوں گے تو اللہ جل شانہ اندر کامیابی کی حالت پیدا کر دیں گے۔ خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔

اُمت کا جامع تصور مولانا کسی خاص گروہ یا جماعت کو پسند نہ کرتے تھے وہ اُمت کے قائل تھے اور اُمت کا ایک جامع تصور

---

[1] الفرقان خاص نمبر صفحہ ۵۶

پیش کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ اُمتِ اسلامیہ کی دعوت بنے اور جو تفرقہ اس میں پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو اور وہ دُور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر ایمان کا پیدا ہو اور اعمالِ صالحہ کی عامل اور داعی بنے، پاکستان کے آخری سفر میں نمازِ فجر کے بعد رائے ونڈ میں ایک تقریر کی، وہ تقریر صرف امت کی تعریف اس کے جامع تصور، اس کے اعمال و کردار پر تھی، مولانا کی طبیعت خراب تھی مگر دل کی آواز نکل رہی تھی۔ آپ نے شروع میں بڑے درد سے فرمایا:۔

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ اس کے باوجود ضروری سمجھ کر بول رہا ہوں جو سمجھ کے عمل کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا۔ ورنہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔"

اس کے بعد اُمتِ اسلامیہ کے تفرقہ و انتشار پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ اُمت بڑی مشقت سے بنی ہے، اس کو اُمت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اور انکے دشمنوں، یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ مسلمان ایک امت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان امت ہونے کی صفت کھو چکے ہیں جب تک یہ امت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دُنیا پر بھاری تھے۔"

آگے امت کے بننے کا طریقہ بتلایا اور بڑے درد و سوز سے حقیقتِ حال کا انکشاف کیا۔

"یہ اُمت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا۔ مال و جائداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسولؐ کیا فرماتے ہیں۔ امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم

کے مقابلے میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں جب مسلمان ایک امّت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی۔ اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی"۔

اُمتِ اسلامیہ کی ہلاکت اور تباہی کا سبب مولانا کے نزدیک یہ قومی اور علاقائی عصبیت ہے جو اس وقت سارے اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے اور جو انھوں نے مغربی اقوام کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے قبول کر لی ہے اور اس کی وجہ سے باوجود اتحاد کلمہ اور اتحادِ اُمتیت کے آپس میں دست بگریباں ہیں اور خانہ جنگی میں مبتلا ہیں، اقبال نے اسی صورتِ حال کے پیش نظر کہا تھا:-

اپنی مِلّت کو قیاس اقوامِ مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں
اور جمعیّت ہوئی رخصت تو مِلّت بھی گئی

مولانا اُمّت کے صحیح تصوّر کو اس طرح پیش کرتے ہیں:-

"اُمّت کسی ایک قوم اور ایک علاقہ کے رہنے والے کا نام نہیں ہے، بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے۔ جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ اُمّت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور حضورؐ اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔ اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے

یہود ونصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے، اگر مسلمان اب بھی امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی، ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمھارے ہتھیار اور تمھاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی"۔

مولانا امت کے بننے اور سدھرنے کا دار ومدار صرف عبادات کے کر لینے پر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اخلاق ومعاشرت کو بھی امت کی اصلاح وفلاح کے لیے ایک ستون کی حیثیت قرار دیتے تھے، مولانا اس کے داعی تھے کہ جو لوگ صرف تسبیح، کلمہ اور نماز پر ہی دین کو منحصر سمجھتے ہیں وہ دین کا جامع تصور نہیں رکھتے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"صرف کلمہ اور تسبیح سے اُمت نہیں بنے گی، اُمت میل ملاپ اور معاشرت کی اصلاح سے اور رب کا حق ادا کرنے اور رب کا اکرام کرنے سے بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لئے اپنا حق اپنا مفاد قربان کیا جائے گا، حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کر کے، اپنے اوپر تکلیفیں جھیل کے اس اُمت کو امت بنایا تھا"

مولانا اس سلسلے میں زبان کو بھی بڑا دخیل سمجھتے تھے اور اسکی حفاظت کی بڑی تاکید فرماتے، انھوں نے اسی سلسلہ کی ایک تقریر میں اُمت کے بناؤ بگاڑ کے وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اُمت کے بنانے اور بگاڑنے میں، جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے، یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے، زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے

اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملادیتی ہے" اس لئے سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ زبانوں پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے"۔

اسی طریقہ سے مولانا کانا پھوسی کرنے کو امت کے لئے مہلک سمجھتے تھے اور اجتماعیت کے لئے اس کو بہت بڑا خطرہ جانتے تھے وہ اپنی تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"میرے بھائیو اور دوستو! اللہ و رسولؐ نے شدت سے ان باتوں کو منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو۔ دو دو چار چار الگ الگ کانا پھوسی کریں اس سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کر سکتا ہے، اس سے منع فرمایا گیا۔ اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا ہے۔ انما النجوی من الشیطٰن لیحزن الذین اٰمنوا ولیس بضارھم شیئاً الا باذن اللہ اسی طرح تحقیر و استہزا اور تمسخر سے منع فرمایا لایسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیرا منھم، اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کر کے معلوم کیا جائے، اور برائی کسی کی معلوم ہو گئی ہو اس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا اور غیبت کو حرام کیا گیا۔ غیبت اس کا نام ہے جو واقعی کسی کی برائی کسی کو معلوم ہو اور اس کا ذکر کسی سے کیا جائے۔ ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا، یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپس میں تفرقہ پیدا کر کے امت کی صفت کو توڑتی ہیں"۔

ان سارے مفاسد کا علاج مولانا کے نزدیک حضورؐ کے لائے ہوئے طریقوں اور انکے لئے محنت کرنے میں ہے۔ وہ بڑے جوش و خروش میں فرماتے:۔

"اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضورؐ والی محنت میں لگا دو، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم و ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبوی والے طریقے پر ان کاموں میں جُڑیں۔"

ایک مرتبہ بڑے جوش اور جلال میں فرمایا:۔

"عزّت و ذلّت روس و امریکہ تک کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس کے یہاں اصول اور ضابطہ ہے۔ جو شخص یا قوم و خاندان طبقہ چمکانے والے اصول لائے گا اس کو چمکا دیں گے جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹا دیں گے، یہودیوں کی اولاد ہیں، اصول توڑے تو اللہ نے ان کو ٹھوکر مار کے توڑ دیا، صحابۂ کرامؓ بت پرستوں کی اولاد تھے، انھوں نے چمکانے والے اصول اختیار کئے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا۔ اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے۔ اس کے یہاں اصول اور ضابطہ ہے۔"

اسلام کی حیات کا طریقہ

مولانا کے نزدیک اسلام کے چمکنے کی صرف یہی ترکیب ہے کہ حضورؐ کے طریقہ پر محنت کی جائے اور اس کے لئے قربانیاں دی جائیں۔ وہ اس کے سخت مخالف تھے کہ اسلام کی ترقی کے لئے دولت وعزت اور ملک و سلطنت کا حصول ضروری ہے، بعض دفعہ یہی دولت و ثروت، حکومت و طاقت اسلام کے زوال کا باعث بن جاتی ہے اور اس سے اسلام دشمنی کا کام لیا جاتا ہے۔ وہ اس کے قائل تھے کہ یہ ساری چیزیں اسلام کا نتیجہ ہیں اور اس کا ادنیٰ بدلہ ہیں، آج جہاں حکومتیں قائم ہیں اور جن کو عزت و مال کا وافر حصہ ملا ہے۔ اُن کے ہاتھوں میں اسلام کی جو درگت ہو رہی ہے اور اسلام کا جس طرح پوسٹ مارٹم کیا جا رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، وہ فرماتے ہیں:۔

"یہ خیال غلط ہے کہ ملک و مال ہاتھ آجانے سے اسلام چمکے گا، ملک و مال تو اسلام کو زندہ درگور کر رہے ہیں۔ آج جن کے ہاتھوں میں حکومت اور اس کے خزانے ہیں وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ قیصر و کسریٰ اور شدّاد و قارون کے نمائندے ہیں، ان سے حیاتِ اسلامی کی توقع بالکل غلط ہے، ان کے ہاتھوں اسلام کا جو حال ہے اس کو دیکھ کے تو دل کہتا ہے انّٰی یحیی ھذہ اللّٰہ بعد موتہا۔ اللہ اس مُردے میں اب کیسے جان ڈالے گا؟۔

"اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے، آج بھی قربانیوں سے ہی چمکے گا۔ اسلام کے لئے قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں بھی مٹ جاتا ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"انبیاء علیہم السلام کا پیغام اور تجربہ یہ ہے کہ مسئلوں کا حل اور کامیابی نہ مال میں ہے، نہ حکومت میں، نہ اکثریت میں، بلکہ اللہ کے امر سے وابستہ ہو جانے میں اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے میں ہے، قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا واقعہ، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم اور نمرود کا واقعہ اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور فرعون و قارون کا واقعہ قرآن مجید میں پڑھئے اور غور کیجئے ان سب واقعات کی روح یہی ہے کہ اکثریت اور دولت اور حکومت کچھ نہیں، اصل چیز اللہ کا فیصلہ اور اس کی مدد ہے اور وہ ان بندوں کے ساتھ ہے جو اُس کے ہو جائیں اور اس کی راہ میں قربانیاں دیں[1]"۔

---

[1] "الفرقان" ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۰۵۱

پاکستان کے آخری سفر میں ایک تقریر کے دوران فرمایا:۔

"آدمی سمجھتے ہیں کہ کھیتی اور باغات سے زندگی بنتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو کھیتی اور باغات کے باوجود ہلاک کردیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو ایسے جنگل میں جہاں کھیتی اور باغات کا نشان بھی نہ تھا، پال دیا۔ آج دنیا کو یقین فوج پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی فوج کو حقیر پرندوں سے ہلاک کرا کے اس یقین کو غلط ثابت کردیا، الغرض معجزات سے ظواہر کے عام انسانوں والے یقین کی نفی ہوتی ہے[1]"

ذات و شخصیت کے بجائے اعمال و اخلاق

مولانا کے نزدیک صلاح و فلاح اور کامیابی و سرفرازی میں کسی کی ذات و شخصیت کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اس کا معیار اعمال و اخلاق ہیں دنیاوی حیثیت سے ایک کم سے کم تر انسان کے اعمال و اخلاق اگر اچھے ہیں تو نصرتِ خداوندی اس کے ساتھ ہوگی اور وہ کامیابی و سرفرازی کی بلند سے بلند سطح پر پہنچ جائیگا۔ اور دگر دنیاوی حیثیت سے کسی کو دولت و امارت، عزت و وجاہت اور قوت و طاقت کی ساری دولتیں حاصل ہیں مگر اخلاق و اعمال کے لحاظ سے وہ پست ترین ہے تو خدا کا غضب اس کو اپنے لپیٹ میں لے لے گا اور اس کی ذاتی حیثیت اور شخصیت اس کے کچھ کام نہ آسکے گی۔ وہ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کی مدد ذاتوں اور شخصیتوں کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ ان کے اعمال و اخلاق اور اوصاف کی وجہ سے آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مدد فرمائی اسی طرح آپ کے صحابہ کرامؓ اور بعد میں اولیا کرام پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے اور ان کی جو مددیں فرمائی

---

[1] تقریر یوسف نمبر صفحہ ۱۳

گئیں وہ اُن کی شخصیتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کے اعمال اور خاص کر اللہ کے لئے ان کی قربانیوں اور دین کے راستے میں اُن کی محنتوں کی وجہ سے فرمائی گئیں۔ آج بھی جو کوئی اللہ کی وہ مدد دیں چاہے وہ ان کے والے اعمال، اور ان کی والی قربانی اور محنتوں کے راستے پر پڑ جائے تو وہ اللہ کی مدد وں کو آتا ہوا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔"[1]

اعمال سے مُراد مولانا کے نزدیک، اللہ کے اوامر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے اعمال ہیں اور یہ اعمال یقین اور علم نبوت کی روشنی سے ہٹ کر نہیں پیدا ہوتے۔ اسیطرح اخلاق بغیر اعمال کی درستگی اور عبادات کے نہیں پیدا ہوتے اور اخلاق وہی ٹھیک ہیں جن میں اخلاص وللہیت ہو ورنہ ان کی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ ایسے اعمال تباہی لانے والے ہوتے ہیں۔

مفتی زین العابدین صاحب کہتے ہیں:۔

"حضرت جی کی ایک ایک بات سے اس کامل یقین کا بھی ظہور ہوتا تھا کہ حضورؐ والے اعمال کے بغیر کبھی بھی دُنیا و آخرت میں کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی، چاہے کائناتی اسباب کتنے ہی ہاتھ آجائیں بلکہ کائناتی اسباب، حکومت، تجارت، زراعت وغیرہ میں جب تک حضورؐ والے اعمال کی روح نہ آجائے یہ اسباب مُردہ ہیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو انسان خالق کائنات اور اصل کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے اور مانے بغیر کائنات کی چیزوں میں گھستے ہیں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی سی ہے۔ انھیں مال و دولت تو مل سکتے ہیں مگر سکون و محبوبیت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی۔"

اخلاص وللّٰہیت

مولانا کے نزدیک اخلاص اعمال صالحہ کی جان ہے، بغیر اخلاص کے عمل بے رُوح اور بے جان ہوتا ہے۔

---

[1] الفرقان، ستمبر ۶۵ء، صفحہ ۵۱

مفتی زین العابدین صاحب مولانا کے اس نظریئے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :۔

"ایک یہ بات بھی حضرت جی کے لئے آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر اور بدیہی اور ناقابل شک تھی کہ جب تک مذکورہ بالا یقین اور علم نبوت کے مطابق عبادات درست نہ ہوجائیں اخلاق نہیں آتے اور جب تک ہم میں اخلاق نہیں آئیں گے دوسروں میں دین نہیں پھیلے گا، اور فرماتے تھے اغراض کے لئے کسی سے کوئی سلوک کرنا اخلاق نہیں ہے بلکہ کوئی کام بھی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اس کی قطعاً کوئی قیمت نہیں۔ ایک دن ایک مجلس سے اٹھے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا،

"مفتی صاحب! عمل اخلاص کے بغیر مردہ تو ہے ہی اور دیکھو، گھروں، بازاروں، دفتروں، یہاں تک کہ مدارس و مساجد میں بھی ایسے مرداروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں[1]"

مولانا اخلاص نفسانیت کا فرق کس اچھوتے انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے اسکا اندازہ انتقال سے صرف دو دن پہلے والی تقریر کے ان ٹکڑوں سے کیجئے :۔

"اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے کرنا نفسانیت ہے، مال مل جائے مال بڑھ جائے، لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤں شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے، میری رائے پوچھی جائے، ان اغراض کے لئے عمل کرنا ہرگز اخلاص اور للّٰہیت نہیں ہے یہاں تک کہ مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے ان موعود کے لئے بھی عمل نہیں کرتے اس لئے

---

[1] الفرقان خاص نمبر

کہ موعود موعود ضرور ہے مقصود نہیں اور جو موعود کو مقصود بنا کر تے ہیں وہ موعود ہی میں پھنس جاتے ہیں؛ اور جو لوگ صرف رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں ان پر جب خدا کے مواعید پورے ہوتے ہیں اور مال و ملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے دین کی اشاعت اور مخلوقِ خدا پر محض رضائے الٰہی کے لئے خرچ کر دیتے ہیں جیسے صحابہ کرامؓ نے کیا تھا[۱]۔"

علم نبوی اور اعمال نبوی کی قوت و طاقت

مولانا کی نگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے عالم میں ہر طرح کا تغیر ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اعمال علم نبوی کی روشنی میں کئے جائیں تو دنیا کے سارے نقشے جو ان اعمال سے ٹکرائیں گے وہ بالکل مٹ کر رہ جائیں گے، اس نظریے کی تشریح کرتے ہوئے ایک بار فرمایا:-

"حضورؐ سے صادر ہونے والے اعمال کو خدا نے ایٹم سے زیادہ طاقتور بنایا ہے اور ایک ایک عمل کو عالم میں تغیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ صلوٰۃ الاستسقاء زمین کے حالات میں تغیر کا ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف، چاند اور سورج کے حالات بدلنے کے لئے ہے، دعا اور صلوٰۃ الحاجۃ ہر قسم کے انفرادی، اجتماعی ناموافق حالات بدلنے کے لئے ہے۔ حضورؐ کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کرا کے یہی ظاہر کیا گیا کہ حضورؐ سے صادر ہونے والا عمل اتنا طاقت ور ہے اور یہ اشارہ حضورؐ کا تکوینی عمل تھا۔ تشریعی عمل اس سے بھی طاقت ور ہے[۲]"

اعمالِ نبوت میں سب سے پہلا درجہ اور مرتبہ نماز کا ہے، یقین و اقرار کے عملی امور پر

۱ے الفرقان خاص نمبر ص۵۵

۲ے مضمون زین العابدین صاحب "الفرقان" خاص نمبر ص۵۶

ہی آتی ہے اور اس کی اہمیت قرآن وحدیث میں سب سے زیادہ آئی ہے مولانا اعمال میں اسی پر اتنا زیادہ زور دیتے تھے کہ لوگوں کو اس کا وہم پیدا ہو جاتا تھا کہ مولانا صرف کلمہ اور نماز ہی کے داعی ہیں۔ اور انکی تحریک میں ان دو چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں، چونکہ یہ دونوں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان ہی پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے۔ نماز کے متعلق فرماتے:۔

"نماز صرف اعمالِ نبوت کا مجموعہ ہے، اسے تمام کائناتی اعمال کو چھوڑ کر بلکہ ان سے دور ہو کر مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز میں کائناتی اعمال تجارت وغیرہ کو صرف چھوڑنے کا حکم نہیں، بلکہ نماز میں ان کا خیال کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے اور پوری کائنات سے یکسوئی والے عمل کی طرف "حی علی الفلاح" سے پکارا گیا ہے، یہ عمل گویا اس یقین کی مسلسل مشق کراتا ہے کہ کامیابی کا دار و مدار صرف اعمالِ نبوت پر ہے [1]

معاشرت اسلامی یا معاشرت جاہلی

ایک معاشرت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لائے تھے اور جس کو صحابہ کرامؓ نے اختیار کیا تھا اور دوسری معاشرت وہ ہے جس کو جاہلی قومیں پیش کرتی ہیں اور جس کے علمبردار یہود و نصاریٰ ہیں۔ اس دور میں یہود و نصاریٰ کی معاشرت کا ہمہ گیر اثر و رسوخ ہے اور مسلم معاشرے میں بھی اس کا نفوذ ہو چکا ہے۔ مولانا اس سلسلہ میں بڑے حساس اور غیور واقع ہوئے تھے۔ وہ ان دونوں معاشرتوں کا فرق بتا کر مؤخر الذکر معاشرت پر سخت تنقید فرماتے۔ ایک بار اس سلسلے میں انتہائی جوش میں فرمانے لگے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی، سادگی اور حیا،

---

[1] الفرقان، مولانا یوسف نمبر ص۵۶

پر ہے اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی، اسراف اور تعیش پر ہے، تمھیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنھوں نے تمھارے اسلاف کا خون بہایا، عصمتیں لوٹیں، ملک چھینے اور اب بھی تمھیں امداد دے کر اس طرح پال رہے ہیں جس طرح تم مرغیاں پالتے ہو، (یعنی ذبح کرنے کے لئے) اور جس نے تمھارے لئے خون بہایا، دانت شہید کرائے حمزہؓ جیسے چچا شہید کرائے۔ تمہارے لئے راتیں جاگتے گزاریں، ان کی معاشرت تھیں پسند نہ آئی۔ دوستو! حضورؐ کی معاشرت بھی قیامت تک کیلئے ہے جیسے ان کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے۔ جب تم میں نورِ ایمان آئے گا تو تھیں حضورؐ کی معاشرت کی ایک ایک چیز پیاری لگے گی۔[1]

علم اور علماء کی وقعت

مولانا کی نگاہ میں علم کی بڑی عظمت تھی اور اکثر علم کے حصول کی ترغیب دیتے بلکہ تبلیغی تحریک کے بنیادی اصولوں میں علم کا حاصل کرنا بھی ہے لیکن اُس علم کو مفید جانتے اور سراہتے تھے جو ایمان اور یقین کو پیدا کرنے والا ہو یا جو ایمان و یقین کے ذریعے حاصل ہو۔ وہ تعلیم و تعلّم کی ایسی ساخت کے قائل تھے جس کے نتیجہ میں علم کے ساتھ عمل ہو۔ عمل کے ساتھ تعلیم ہو اور تعلیم کے ساتھ تعلّم۔ وہ ایک ایسی متحرک اور وسیع عملی درس گاہ کے داعی تھے جس میں ہر ایک اپنے لئے طالب علم ہو اور دوسرے کے لئے معلّم، وہ کتابی نقوش کے بجائے ایسے چلتے پھرتے نفوس دیکھنا چاہتے تھے جن کی صحبت سے ہر ضرورت اور ہر موقع کی عملی تعلیم ملے اور دین کے نظریات اور اصول ہی معلوم نہ ہوں بلکہ ان کا سلیقہ اور ملکہ پیدا ہو، یہی طریقہ عہدِ اوّل میں رائج تھا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اسی طریقے سے دین سیکھا تھا اور مولانا

---

[1] الفرقان مولانا یوسف نمبر ص۵۸

اسی پر زور دیتے تھے اور اسی طریقے کے حصول کے لئے عملی جدوجہد اور جانی ومالی قربانی اور محنت ومشقت کی دعوت دیا کرتے۔

ایک مدرسے میں بخاری شریف کا ختم تھا۔ ختم پر آپ نے فرمایا:۔

"بھائیو! آپ نے بخاری ختم کی، علم حاصل ہوا، اب اسی علم پر تین مقصد کے لئے محنت ضروری ہے (۱) اس علم کے مطابق اپنے اندر کا یقین (۲) اس علم کے مطابق عمل (۳) اس علم وعمل کو عالم میں پھیلانا۔ حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر ان تینوں پہلوؤں پر ابتدا میں محنت کی گئی تو اس زمانے کے کائناتی نقشے پر چلنے والا باطل روم وفارس پاش پاش ہوگیا اور اخیر میں دجال اپنی ذات سے اتنی بڑی طاقت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے مقابلے میں موجودہ طاقتیں کچھ بھی نہیں۔ اس وقت مہدیؑ زمین سے اور عیسیٰؑ آسمان سے آئیں گے اور من وعن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق اس علم پر محنت کریں گے اس پر اللہ جل جلالہ اس دجالی طاقت کو ہلاک کر دے گا اور جب پہلے یہ ہو چکا اور اخیر میں بھی ہوگا تو پھر یہ دوسرے کیوں ہو کر درمیان میں کیسے ہو سکے گا، آج بھی وہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔"[۱]

مولانا ادنیٰ سے ادنیٰ علم کی وقعت فرماتے تھے اور جن ابتدائی علوم کو اہل علم وقیع نہیں سمجھتے ان کو بھی مولانا بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کے نزدیک دین کا علم خواہ ابتدائی ہو یا انتہائی، حضورؐ کے علوم میں سے ایک علم ہے، اس کو کسی طرح سے غیر اہم نہ سمجھنا چاہیئے،

ایک مرتبہ علمائے کے تعلیمی حلقے کے ختم پر فرمایا:۔

"ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات پڑھانے پر لگا دیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک التحیات یاد کرانے کی

---

[۱] الفرقان، یوسف نمبر ص۵۶

بھی انتہائی اہمیت ہو اس لئے کہ یہ بھی حضورؐ کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ اسے
غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین
بخاری کی نگرانی میں ہو۔"

ایک عالم دین کو خط لکھتے ہوئے حسبِ ذیل الفاظ تحریر فرمائے:۔

"حضرت عالی کو اللہ رب العزت نے ہر طرح کی خوبی سے مالا مال فرمایا
ہے، ان نورانی و روحانی علوم کا سرچشمہ بھی بنایا اور اس زبردست عظمت والی
امانتِ نبوت کا داعی بھی بنایا، اگر حضرت عالی کی توجہات اور دعاؤں سے یہ
مُبارک، قابلِ رشک اور بہترین گروہ علم کی بلندیوں سے اس مبارک عمل
کے دوڑ دھوپ کے میدان میں کود پڑے اور اپنی اس علمی اشتغال والی
قربانیوں کے ساتھ تھوڑے دنوں اس گھاٹی کو عبور کرے تو یہ امانتِ مبارکہ
اہلوں کے ہاتھ میں آکر سرسبز ہو جائے اور نااہلیت کی بناپر جو خطرات لاحق ہوتے
ہیں ان سے اس امانتِ عظیمہ کی حفاظت بھی ہو جائے۔"[1]

مولانا کی نگاہ میں علماء دین کی سب سے زیادہ قدر تھی، آج جس طرح علما کی بے قدری
ان پر بے جا تنقید کا رواج پیدا ہو گیا ہے مولانا اس کو دین کے لئے بڑا مہلک سمجھتے تھے،
اور ناقدری کرنے والوں کی محرومی کا باعث جانتے تھے۔ اپنے ایک رفیق کو تحریر
کرتے ہیں:۔

"دیکھئے خوب سمجھ لیجئے ہم اکابر علما کے ہر وقت محتاج ہیں، ان کے بغیر
چارۂ کار نہیں، ان کے دامن کے ساتھ وابستگی ہماری سعادت ہے، یہ حضرات
بہت سی خوبیوں اور علوم نبویہ کے انوارات کے حامل ہیں، ان کی قدر دانی علوم
نبوت کی قدر دانی ہے، جس قدر ہم ان کی قدر و خدمت کریں گے اور ان کی خدمت
میں حاضری کو بڑی عبادت سمجھ کر ان کے ارشادات و نصائح سے مستفید ہوتے

---

[1] مکتوب

ہوئے ان سے مفید مشورے حاصل کرتے رہیں گے اسی قدر علوم نبویہ کے انوارات سے منور ہوتے رہیں گے۔"[1]

پورے نظام کی تبدیلی

جن لوگوں نے مولانا کی دعوت اور تبلیغی تحریک کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور مولانا کی تقریروں اور تحریروں کو توجہ و انہماک سے سنا اور پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا دین کے کسی خاص شعبے کے داعی اور علم بردار نہ تھے بلکہ پورے نظام کی تبدیلی چاہتے تھے اور پورے معاشرے میں صالح انقلاب لانا چاہتے تھے لیکن یہ انقلاب موجودہ تحریکوں سے لانا نہیں چاہتے تھے بلکہ طریقۂ محمدی کے ذریعے لوگوں کا ذہن و دماغ بدلنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان بالکلیہ اسلام کے پیرو بنیں، وہ لوگ مولانا پر ظلم کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا اسلام کے چند ارکان کی اشاعت میں اپنی ساری زندگی گزارتے رہے۔

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی جو مولانا کی خدمت میں کئی بار گئے، انھوں نے اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہیں، ایک گفتگو کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"آج خیر و شر، نیکی و بدی کا امتیاز تک باقی نہیں رہا، آج کے دور میں ہم سب مل کر یہ کام انجام دے لیں کہ امت خیر و شر میں امتیاز کرنے لگے تو بڑا کام ہو جائے، نمازوں کی تشکیل، زکوٰۃ کا نظام، روزہ رمضان کا اہتمام، فریضۂ حج کے آداب کی تکمیل اور تمام اخلاقی اور معاشی سُدھار کا سلسلہ آگے کا مرحلہ ہے۔"

نیکی اور بدی کے امتیاز کے بعد پھر سارے احکام خداوندی پر زور دیتے، خواہ وہ تجارت اور زراعت کے متعلق ہوں یا اخلاق و معاشرت کے سلسلے کے ہوں یا عبادت و ریاضت کے متعلق ہوں۔ مولانا بازار و مسجد کے متضاد نظاموں کی درستی کے داعی تھے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہو جائے۔"

---

[1] مکتوب مولانا محمد یوسف صاحب بنام یحییٰ رفیق مراد آبادی۔

اپنے اس طرزِ فکر کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے میوات کے چند چودھریوں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مسلم کی ہر چیز دین ہے، بشرطیکہ اللہ پاک کے بھیجے ہوئے احکام اور آداب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ ہمارا کھانا پینا، سونا جاگنا، ہمارا بیوی بچوں کے ساتھ اختلاط، ہمارا بولنا اور خاموش رہنا سب ہی ہمیں ترقی دلواتے ہیں۔ اور اللہ کی رضا اور اس کے وعدے پورے کراتے ہیں جبکہ اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اس کے احکام و فرمان کے ماتحت اپنے نفس کی خواہشات کو داب کر مسلم والی رکھی ہوئی ترتیب اور اُتاری ہوئی ترکیب کے مطابق شب و روز میں ہر کام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی جھلک کے ساتھ کیا جاوے۔"

اسی مکتوب میں آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں :۔

"آج ہمارا گھر اور در، ہماری تجارت اور کھیتیاں، ہماری بیوی اور بچے، سب ہی میں اللہ پاک سے قریب کرنے کے بجائے اس سے بعید کرنے کی صفت کا غلبہ پایا جارہا ہے۔"

انفرادیت یا اجتماعیت

مولانا کے نزدیک اس وقت جتنے بھی مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں اور جن مشکلات سے اُمتِ اسلامیہ دوچار ہے ان کا حل اجتماعی محنت اور انفرادی کوشش ہے۔ انفرادیت ان کا حل نہیں ہے، جو لوگ ان کا حل انفرادی کوشش یا انفرادی اعمال کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں وہ نہ تو امت کے مزاج سے واقف ہیں نہ وہ کوئی مسئلہ حل کرسکتے ہیں۔ انفرادی عمل سے طاقت ٹوٹ کر رہ جاتی ہے اور امت کو فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ ایک شخص صرف نماز پڑھتا ہے لیکن دوسروں کی نمازوں کی فکر نہیں کرتا، ایک

شخص روزہ رکھتا ہے اور صرف اپنے روزہ پر مطمئن ہوکر زندگی گزارتا ہے اور اُمت سے بے پرواہ ہوکر زندگی بسر کرتا ہے، اس کے عمل سے نہ اس کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے نہ امت کو۔ اس سلسلے میں خود مولانا کی زبانی سنئے۔ مولانا نے انفرادی و اجتماعی مسائل کے سلسلے میں تقریر کا افتتاح اس طرح کیا:۔

"بھائی دوستو! بڑی دقت کی بات یہ ہے کہ اپنی غلط کاری کی بنا پر ہمارا ذہن انفرادی بن چکا ہے۔ دین کے بارے میں بھی اور دنیا کے بارے میں بھی۔ یہاں کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔ ذہن یہ بن گیا کہ بس اپنی ذات والے حال میں لگا رہے۔ خواہ دین کا حال ہو یا دنیا کا اس سے اپنا مسئلہ درست ہوجائے گا، حالاں کہ شخصی احوال پر طاقت خرچ کرنے سے بلا و مصیبت کم نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے، اجتماعی احوال کو جب تک ٹھیک نہ بنالیا جاوے اس وقت تک شخصی حالات کا درست ہونا مشکل ہے، اگر اجتماعی زندگی کی خرابی پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑے تو پھر ہر کسی کی شخصی زندگی بھی بگڑتی چلی جاوے گی، اس کے برعکس اگر اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی سعی کی جارہی ہوگی تو ایک ایک شخص کا انفرادی مسئلہ بھی بہتر ہوتا چلا جائیگا۔ جب کسی قوم ملک یا اُمت کا اجتماعی مسئلہ بگڑا ہوا ہو اور طاقت اس کی درستگی پر لگائی جائے تو وہ اجتماعی بھی درست ہوجاتا ہے اور ہر کسی کی شخصی بھی درست ہوجاتی ہے۔ ہمیں غلط فہمی ہوتی ہے کہ فلاں تدبیر نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ بگڑا ہے، حالانکہ ہمارے ایک ایک مسئلہ کا بگڑنا اور بننا، اجتماعی مسئلہ کے ساتھ ہے، ہاں اگر تھوڑے سے آدمی اجتماعی مسئلہ پر طاقت لگادیں تو سب کے مسائل اجتماعی اور انفرادی درست ہوجاویں گے، اگر کچھ لوگ بھی پوری قوم میں سے اسکا فکر رکھنے والے نہ ہوئے تو اجتماعی کے ساتھ ہر کسی کا شخصی مسئلہ بھی بگڑ جائے گا۔

اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

اس مسئلے میں مولانا کی رائے انتہائی سخت تھی اور وہ کسی حال میں انفرادیت پر راضی نہ تھے اور ایسی انفرادیت جس سے اجتماعیت مجروح ہوتی ہو سخت ترین الفاظ سے یاد کرتے تھے، وہ اپنی اسی تقریر میں فرماتے ہیں:-

"اجتماعی مسئلے کے بگڑنے کی صورت میں اگر قوم کے اولیاء اللہ اسکے سدھارنے کے لئے راتوں کو رو رو کر بھی دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی حالات کو بہتر نہیں بنا سکتیں، اگر خدا تعالیٰ کے یہاں سے فیصلہ ہو جاوے کہ کسی ملک کے انسان بھوکے مریں تو اگر بھوک سے بچنے کیلئے ایک ایک شخص پوری طرح جان بھی کھپا رہا ہوگا تب بھی ایک ایک کر کے بھوک سے ہلاک ہو جاویں گے۔ اپنی ذات کے مسئلے میں لگ جانا ہی تو اجتماعی بگاڑ کا ذریعہ ہے۔"

آگے مولانا فرماتے ہیں:-

"احادیث میں آیا ہے کہ لوگ قبروں پر گزرتے ہوئے حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی قبروں میں ہوتے، آدمی آدمی کو کاٹ کر کھا جاوے گا۔ یہ جب ہوگا کہ ہر کسی کا جذبہ جانوروں کی طرح صرف اپنی ہی ذات کے لئے ہو، ایسے انسان انسانوں کے جامے میں درندے ہوتے ہیں۔ ساری پریشانی اس وجہ سے ہے کہ وقت تو اجتماعی مسائل کے لئے قربانی دینے کا ہے اور کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ، اچھا جب تک دکان چلتی رہے چلاؤ، یا زمین میں لگا جاوے لگے رہو۔ محض اپنے لگنے سے مسائل درست نہیں ہوتے بلکہ اللہ پاک ہی بگاڑتے ہیں اور وہی بناتے ہیں۔"

اجتماعی طاقت کا مصرف

آج خدا ناشناس اجتماعی مسائل کے لئے خدا بے زار اجتماعی طاقتیں لگ رہی ہیں جن سے فساد و ہلاکت اور

بگاڑ بڑھتا جا رہا ہے۔ آج دنیا بد اخلاقی، بے ضمیری، خدا فراموشی اور ہلاکت و تباہی اور بے پناہ مصیبتوں کے دہانے پر کھڑی ہے، ہزار طاقتیں مادی ترقیوں میں صرف ہو رہی ہیں لیکن یہ ترقیاں ہی زوال کا باعث بن رہی ہیں۔

مولانا اس انداز سے موجودہ اجتماعی مسائل اور اجتماعی و انفرادی طاقتوں کے خرچ کرنے پر تنقید کرتے وقت اس کا صحیح مصرف بتلاتے اور فرماتے ہیں:۔

"جس چیز پر اللہ پاک طاقت لگوانا چاہتے ہیں اس میں لگنے سے تو مسائل ٹھیک ہوتے ہیں اور جن مخلوقات پر انسان از خود طاقت خرچ کرتا ہے اس سے مسائل بگڑتے ہیں، انفرادی بھی بگڑتے ہیں اور اجتماعی بھی، طاقتیں جب مخلوق پر خرچ ہونے لگیں تو خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے ہیں وہ جان لیوا ہو جاتے ہیں۔"

دوسری جگہ مولانا فرماتے ہیں:۔

"جو کچھ بھی ہے زمین سے آسمان تک اور جو اس وقت موجود ہے اور جو آگے آنے والا ہے، ساری ہی چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اور سارے احوال بھی اس کے مخلوق ہیں تو بس جب کچھ لینا ہو اس کے لینے کے لئے اللہ ہی پر طاقت صرف کی جائے۔ اگر خوف سے گھبراہٹ ہے تو بھی اللہ ہی سے رابطہ پیدا کیا جاوے، جس خوف کو اللہ پاک سے ہٹواؤ گے وہ ہمیشہ کے لئے ہٹ جاوے گا۔ اگر مخلوق پر طاقت صرف کر کے کوئی چیز حاصل کی تو وجود اس کا بھی اللہ ہی کے پیدا کرنے سے ہوگا، تاہم مخلوق کے واسطے سے آنے کی صورت میں وہ فانی ہوگی۔ جو شخص اللہ سے نہ لے بلکہ مخلوق سے لے تو بہت ہی پچھتانا پڑے گا۔"

اسی تقریر میں آگے چل کر فرمایا:۔

"اس وقت کے بگاڑ کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم سب جو اللہ پاک کے حکموں پر جان

کھپانے والے ہوتے وہ مخلوق پر جان کھپانے اور اسی سے لینے کے غلط تصوّر کے عادی ہوگئے، اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے پر اللہ کی مددوں کا یقین ہوگا اسی قدر غیب سے دروازے کھلتے جائیں گے، اگر خدا کے دین کیلئے جان کھپانے والوں کی مقدار بڑھے اور اس پر یقین ہو کہ چونکہ پیاری ذات سے واسطہ ہے۔ ہماری مرغوبات ہوں یا مکروہات اللہ ہی کی طرف سے ہیں جب یہ بات ہے تو دلوں کو پوری طرح مخلوق میں اللہ پاک کا یقین پیدا کرنے کیلئے ٹھوکریں کھائیں اور رات کو اس کی جناب میں گریہ وزاری سے دعا مانگیں تو انشاء اللہ ہر طرح اجتماعی اور انفرادی احوال درست اور موافق ہوجائینگے۔"

دعوت کا خصوصی کام

مولانا ان سارے مسائل کا حل خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، اس میں سمجھتے تھے کہ ہر فرد کا ایمان و یقین خدا پر مضبوط ہو اور جلوت و خلوت میں اس کا رابطہ خدا سے قائم ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے اعمال (جن میں عبادت سے لے کر اخلاق و معاشرت اور معاملات تک ہیں) کا حامل ہو اور ان ساری چیزوں کا داعی ہو اور یہ دعوت اجتماعی طور پر دنیا میں دی جاوے اور خصوصًا ایک ایسا گروہ ہو جس کا موضوع ہی یہی ہو۔ مولانا نے اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا:۔

"شیطان تمہارے ساتھ ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور فساد سے روکنا ہو۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔

اُمت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ دین کی

طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے، ایمان کے لئے خیر و نیکی کے راستے پر چلنے کے لئے محنت کرتا رہے، نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے، حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر محنت کرے، برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لئے محنت کرے اور ان محنتوں کی وجہ سے ایک اُمت بنی رہے[1]"

محنت کا صحیح راستہ

آج دنیا میں محنت کی کمی نہیں ہر شخص محنت کرتا ہے، کوئی کم اور کوئی زیادہ لیکن یہ ساری محنتیں اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور آرام و راحت والی چیزوں پر کی جاتی ہیں، مولانا کے نزدیک یہ ساری محنتیں بے کار جارہی ہیں، محنت وہ ہے جس سے انسان کا حال بدلے اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے بجائے باطنی آراستگی پیدا ہو، ان دو محنتوں کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:۔

"آج کل اس دُنیا میں چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے براہ راست چیزوں پر محنت کرنے کا رواج ہے کھیت والے کھیت سے غلہ حاصل کرنے کے لئے بس کھیت ہی پر محنت کرتے ہیں، تجارت اور سوداگری والے اور کارخانوں والے بس دکانوں اور کارخانوں پر ہی محنت کرتے ہیں، یہی محنت آج کل عام ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ محنت و مجاہدہ کرکے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر اپنے خزانۂ غیب سے چیزیں اور برکت نصیب فرمائے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب"

(ترجمہ) اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے راہ نکالیں گے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ اور فرمایا گیا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا، اور جو تقویٰ اختیار کرے گا۔ اللہ اس کے کاموں کو آسان کردیں گے۔ اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا:۔ ولو انہم آمنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکات من السماء والارض"

---

[1] الفرقان۔ ضمیمہ یوسف نمبر ص ۳۷

ترجمہ:۔ اگر ان لوگوں میں ایمان اور تقوے کی صفات ہوتیں تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

"اب دنیا میں صرف مادہ اور مادی چیزوں پر محنت کا رواج ہے۔ تقویٰ پیدا کرکے اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرکے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لینے کا راستہ لوگ بالکل بھول گئے ہیں، حالاں کہ یہی راستہ ہے جس کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے۔"

دوسری جگہ ذرا اور واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"محنت کے دو میدان ہیں، ایک زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں، دوسرے ایمان اور ایمان والے اعمال، پہلی محنت کا معاوضہ دنیا میں ملتا ہے لیکن ایسا نہیں ملتا کہ محنت کرنے والے اس پر خوش اور مطمئن ہوں، دوسری محنت کا معاوضہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ بھرپور دے گا۔"

ایک جگہ اور مولانا وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

"اللہ کے سارے نبیوں، رسولوں اور ان کی راہ پر چلنے والے سب مقبول بندوں کا راستہ یہی ہے اور اس کے برعکس جو لوگ اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں اور جن پر خدا کا غضب ہے اُن کا راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ذات وصفات کے یقین اور عبادت و استعانت سے بالکل بے پرواہ اور بالکل بے فکر ہو کر صرف مادی لائنوں پر محنت کریں[1]۔"

محنت کا فائدہ

یہ نبیوں والی محنت نہ اپنی ذاتی شخصیت کے لیے تھی نہ دنیاوی ترقی کے لئے بلکہ عام انسانوں کی ہدایت کا مقصد رہتا تھا، یہی مقصد

---

[1] الفرقان ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۵

قیامت تک کے لئے اس راہ میں محنت کرنے والوں کا ہونا چاہیئے اور اسی میں خدا کی مدد اور آگے کے لئے راستے کھلتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں:۔

"اس محنت کا فائدہ یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو ہدایت مل جائے اور انسان دین پر اتنا ہی چلیں گے جتنی خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی۔

محنت کی سطح جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنی ہی خدا کی طرف سے ہدایت کی تقسیم عام ہوتی جائے گی، وہ محنت جب ختم ہو جاتی ہے تو ہدایت مسلمانوں میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے پہلے ہدایت کاروبار اور معاشرت میں سے نکلتی ہے کہ کاروبار میں جو دین کے احکامات ہیں، ان کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے کاروبار چلانے لگتے ہیں، پھر فرائض نکلتے ہیں اور پھر مختلف برائیاں داخل ہونے لگتی ہیں حتّٰی کہ مسلمان دین سے نکلنے لگتے ہیں اور جب یہ دین کی محنت کی جاتی ہے تو ہدایت خدا کی طرف سے آنی شروع ہوتی ہے، پھر جس درجے میں محنت ترقی کرتی جائیگی ہدایت پھیلتی جائے گی۔"

محنت کی سطح اور اس کے نتائج

دنیا میں دین کے لئے جتنی محنت کی جاتی ہے اُسی کے بقدر اس کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اگر محنت اس سطح کی کی جائے کہ جو لوگ بے نمازی ہیں وہ نمازی بن جائیں تو نمازی بننے لگتے ہیں مگر اور دوسرے احکام کی پابندی نہیں ہوتی، اگر حج کے لئے کوشش کی جاتی ہے تو حج کرنیوالے بڑھ جاتے ہیں لیکن نماز روزہ کا اہتمام نہیں ہوتا، اگر عبادات ذکر و تلاوت کی محنت کی جائے تو لوگ عابد و زاہد اور شب بیدار بن جاتے ہیں مگر معاملات و معاشرت کا خانہ خالی رہ جاتا ہے، مولانا محنت کی اس سطح پر راضی نہ تھے بلکہ ایسی محنت کرانا چاہتے تھے۔ جس سے دین کے سارے احکام کی پابندی ہو اور "ادخلوا فی السلم کافۃ" کا درجہ حاصل ہو

خود مولانا کے الفاظ میں ابھی تک وہ دَور نہیں آیا ہے کہ محنت کے ایسے وسیع نتائج برآمد ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں:-

"اب جتنی جہاں کے لوگوں نے دین کی محنت شروع کردی ہے اتنی خدائے پاک نے ہدایت دینی شروع کردی ہے اور بقدر ہدایت دین زندہ ہونا شروع ہو گیا ہے، جہاں نمازی نہیں تھے وہاں کچھ نمازی ہوگئے۔ جہاں روزے نہیں تھے وہاں کچھ روزے زندہ ہو گئے، جہاں حج نہیں تھا وہاں حج قائم ہو گیا۔ جہاں تعلیم کا رواج نہیں تھا وہاں تعلیم ہونے لگی لیکن ہدایت اس سطح کی ابھی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر کے احکام پورے کریں اور کھانے پینے، مکان بنانے اور لین دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اختیار کریں، تو ابھی ہم مسلمان بھی اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی میں اسلام پر چلنے کی سعادت حاصل ہو اور دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کے سمجھنے کی ہدایت ملے۔[1]"

مولانا اسی محنت کے لئے زندگی بھر کوشاں رہے اور ہر ایک کو اسی کی دعوت دیتے رہے۔ وہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت کی دعوت دیتے۔ ان کے سامنے پورے عالم کی ہدایت کا مسئلہ تھا۔ اس لئے اس ہدایت کے لئے ایک ہمہ گیر محنت کی دعوت دیتے تھے، ایک خطاب کے دَوران فرمایا:-

"اصل ایمان کی محنت کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کیلئے کہا جائے سب مشاغل چھوڑ کر راہِ خدا میں چلا جائے اور جب باہر کے آدمی دین سیکھنے کے لئے اس مقام پر آئیں تو یہاں بھی اُن کے

---

[1] اقتباس از تقریر مولانا محمد یوسف مرسلہ افتخار صاحب فریدی۔

ساتھ لگ جائیں، تو اب آپ غور کیجئے کہ آج کی محنتوں میں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے تو اصل سمجھو اس نقشے کو اور یہ سمجھو کہ ہماری والی محنتیں ابتدائی ہیں اور ہمیں ان جیسی محنت کرنے والا بننا ہے، پوری پوری جان لگانیوالا بننا ہے۔"

مولانا دین کے لئے قربانی دینے، جان کھپانے اور احکامِ خداوندی کی اشاعت کے لئے محنت کرنے کے بہترین نتیجے سے بڑے پُرامید تھے وہ اسکے داعی تھے کہ اگر صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کی طرح قربانیاں دی گئیں تو وہ سارے نتائج برآمد ہوں گے جو عہدِ صحابہ وتابعین میں نکلے تھے، افلاس وتنگ دستی دور ہوگی، ذلت ورسوائی کا خاتمہ ہوگا، بڑی بڑی طاقتیں ہدایت پائیں گی اور اگر ٹکرائیں گی تو پاش پاش ہوجائینگی اور آخرت میں وہ سب کچھ ملے گا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اپنے ایک خطاب میں ارشاد فرمایا:۔

"جب یہ قربانیاں کمال تک پہونچیں گی تو ان قوموں کو آپ کے ذریعے ہدایت ملے گی جو آسمان پر اُڑ رہی ہیں اور ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں اور وہ مسلمان جو زندگی کے کسی شعبے میں بھی اسلام کی بات سننے کو تیار نہیں وہ اپنے تمام کاموں کو اسلام کے احکامات کے موافق بنائے گا اور آپ حضرات کی قربانیوں کا بدلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے جہاں آپ نے انصار سے ملنے اور ان کی قربانیوں کا صلہ دلوانے کا وعدہ فرمایا ہے بشرطیکہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بعد دے گا وہ حاصل کر کے دوسروں کو دیں گے اور خود نہ لیں گے، ایسا کرنے میں حضورؐ کی جھلک پائی جائے گی کیونکہ

لہ مولانا کا ایک خطاب۔ مرسلہ افتخار صاحب فریدی۔ یوسف نمبر صـ۵۱

آپ قربانیوں کے دور میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپ تشریف لے گئے اور صرف آخرت پر نگاہ رکھیں گے، وہی حضرات آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہوں گے۔ انشاءاللہ۔"

مولانا محمد یوسف صاحب اپنے ایک مکتوب میں ایک تبلیغی کارکن کو لکھتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:۔

"میرے عزیز! اس عالم کے احوال کی سرسبزی و فروغ کا تعلق براہِ راست اللہ رب العزت کے احکامات سے ہے اور تمام احکاماتِ الٰہیہ کی سرسبزی و فروغ کا تعلق ایمان کے لئے جانیں کھپانے اور عالم میں ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ہے، حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کو عالی احکامات کی تعمیل کی صورت مرحمت فرمائی جس میں ایک طرف اللہ رب العزت کے تمام احکامات کی سرسبزی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عامہ مخلوق کی بے انتہا پریشانیوں اور مصائب و بلایا کے وقت اپنی زندگیوں کے جذبات کو قربان کر کے اللہ رب العزت کی رضا کے جذبے پر اپنے کو نثار کر دیں اور خوشنودئ باری تعالیٰ کے حصول کے ذریعے عالم کے احوال کی درستگی کا ذریعہ بنیں۔"

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"تبلیغ کا مقصد کسی خاص چیز کی اشاعت نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے ہمیں ہر اس چیز کو زندہ کرنا ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی فلاح کے لئے لے کر آئے اور تدریجی طور پر ہم مسلمانوں کی استعداد کے مطابق عمل پیرا

ؔ مولانا کا کام کرنے والوں سے ایک خطاب

ڈالتے رہے، اس سب کی بنیاد اللہ کی رضا کے لئے گھر بار چھوڑنے کی عادت کو عمومیت دینا ہے، جتنی یہ چیز عام ہو جائے گی حق تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں عام طور پر نازل ہونی شروع ہو جائیں گی۔"

مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری مولانا کے متعلق اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"دعوت کے عمل کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تمام اعمال نبوی میں زیادہ طاقتور اور انبیاءؑ کا مقصدِ حیات یقین کرتے تھے اور فرماتے تھے، یہ انبیاءؑ کا خاص الخاص عمل تھا، انبیاءؑ والی مدد یں اسی عمل کے ساتھ ہیں بشرطیکہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو۔"

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس عمل کے لئے ہر طرح کی انتہائی قربانیاں چاہتے تھے اور تدریجاً بڑھنے کی دعوت دیتے تھے، اس وقت عام دعوت یہ تھی وقت کا تہائی حصہ یعنی ہر سال میں چار مہینے بیرونی نقل و حرکت میں صرف کئے جائیں باقی آٹھ مہینے اپنے مقام پر اس طرح گزارے جائیں کہ آدھا وقت مسجد اور اس کے اعمال میں صرف ہو اور باقی آدھا وقت گھر اور اسکی ضروریات کو دیا جائے۔

ایک دفعہ بڑانوں سے فرمایا، اس کالم کو اصل کام بناؤ اور بقیہ کاموں کو اسکی سلوٹوں میں کرنا سیکھو، اور چاہتے تھے کہ ہر شہر اور ہر ملک اس دعوت کا میدان بنے۔"

صرف نقل و حرکت کافی نہیں

مولانا صرف نقل و حرکت کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسکے اصول و ضوابط کی پابندی کے متعلق اپنے مکاتیب میں پوری طرح توجہ دیتے تھے ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ کو مولانا نے اپنے ایک رفیق کار

کے خط کے جواب میں حسب ذیل تحریر استعمال فرمائی :۔

• "میرے دوست، خالی نقل و حرکت اور لوگوں کے اٹھنے اور ملکوں میں نکل جانے کا نام کام نہیں ہے، اصل تو یہ ہے کہ خود کام کرنے والوں کے قلوب میں اللہ رب العزت کا یقین ترقی کر رہا ہو اور غیر اللہ کی نفرت پیدا ہو رہی ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کا ذوق ابھر رہا ہو، نمازوں میں ترقی ہو، علم دین سے اپنے کو سیراب کیا جا رہا ہو، ذکر میں کثرت کی جا رہی ہو اور اس سے نورانیت محسوس ہو رہی ہو، اکرام مسلم کی مشق اسقدر بڑھ رہی ہو کہ مسلم تو مسلم غیر انسان کو تک کو اپنے سے بہتر سمجھ کر خدمت کا مادّہ بڑھ رہا ہو، ان سب اعمال کا مقصد اللہ کی رضاجوئی ہو اور پھر ان کی پیداوار کے لئے اللہ رب العزت کے بندوں میں اپنی جان کھپائی جا رہی ہو۔ اس کے لئے جو کچھ برداشت کرنا پڑے کر جائیں نہیں، بلکہ اس پر دل میں خوش ہوں۔ اگر یہ حالت کارکنوں کی ترقی پر ہو تو سمجھو یہ کام ہو رہا ہے، ورنہ میرے دوست! دُنیا میں بہترین تقریر کرنے والے موجود ہیں، اگر نہیں ہیں تو اللہ رب العزت کے دین کو مقصود بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر جان کی بازی تو در کنار اوقات تک لگانے والوں کی کمی ہے۔ بہت ہی مبارک ہیں آپ حضرات کہ ان کی پیداوار کے لئے کوشاں اور فکرمند ہیں، مقامی گشت ہفتہ میں دو یا کم از کم ایک دن اور روزانہ فضائل اور نمازوں کی تعلیم کا ہر گاؤں اور ہر مسجد میں اہتمام کرنے کا ارادہ بھی فرمائیں۔"[1]

غیر رواجی کام

دعوت و تبلیغ کا یہ کام، جس کی مولانا شب و روز دعوت دیتے تھے، بالکل غیر رواجی ہے۔ شروع ہی سے رواجی طریقوں اور وسائل سے اس کو بچایا گیا، مولانا اپنے مکاتیب اور تقریروں میں بار بار اس کی وضاحت فرماتے تھے کہ ہماری یہ دعوت ہمیشہ رواجی طریقوں سے ہٹ کر خالص منہاجِ نبوت کی لائن پر چلائی جائے۔

---

[1] مکتوب مولانا محمد یوسف صاحب مرسلہ مسعود احمد صاحب زبیری۔ از راولپنڈی

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا کا سارا غیر رواجی ہے، رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی۔ اس کام کو نہیں اصل کام کی شکلیں، دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں"۔

اپنے آخری سفر میں خواص کے ایک اجتماع میں تقریر فرمائی جس میں دعوت کو تفصیلی طور پر پیش کیا، تقریر ان الفاظ پر ختم فرمائی،

"ہم نے اس کام کے لئے کوئی انجمن نہیں بنائی نہ اس کا کوئی دفتر ہے نہ رجسٹر ہے، نہ فنڈ ہے، یہ سارے ہی مسلمانوں کا کام ہے، ہم نے مروجہ طریقہ پر کوئی علیحدہ جماعت بھی نہیں بنائی ہے۔

جس طرح مسجد میں نماز کے عمل پر مختلف طبقوں اور مشغلوں والے مسلمان آکر جڑ جاتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں اور مشغلوں میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح ہم آپ سب سے کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے اپنے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر یہ محنت اور مشق کر لیجئے، پھر اپنے گھروں اور مشغلوں میں آکر ان اصولوں کے مطابق لگ جائیے۔

"آپ نے اگر یہ چیز محنت کر کے حاصل کر لی تو دنیا بھر کے سائنس والے آپ سے یہ طریقہ سیکھنے آئیں گے، اور خدا نے چاہا تو آپ دنیا کے امام ہوں گے"۔

میاں جی عیسیٰ کو ایک مکتوب تحریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حقیقت میں یہ کام رواج کے بالکل خلاف ہونیکی بنا پر مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑی سی محنت و مجاہدہ کے بعد اس کے سارے اصولوں کی رعایت کرنے پر بہت ہی آسان ہے بلکہ رواجی طریقوں سے کرنے پر بے انتہا مشکلات

پیدا ہو جاتی ہیں، اگرچہ بظاہر رواجی طریق میں سہولت نظر آتی ہے۔ اس بناء پر اس بات کی اجتماعی طریق سے پوری کوشش فرمائی جائے کہ کام منہاجِ نبوت سے ہٹنے نہ پائے اور اپنی سادگی کے ساتھ دن کی محنتوں اور رات کی دعاؤں کی مقدار بڑھتی چلی جائے۔"

تبلیغی طریقۂ کار کو واضح کرتے ہوئے اس کام کا اصل الاصول اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ تبلیغی کام ظواہر کے بالکل خلاف ہے اور اس کی نوعیت سارے طریقوں سے جدا اور ممتاز ہے۔

"اس راستے پر چلنے کے لئے خارجی نہیں بلکہ داخلی دولتیں چاہئیں خدا کا یقین ہو، خدا کا دھیان ہو۔ خدا کا خوف ہو ــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر خدا کے خزانوں سے ملنے کا اور نعمتوں کے دروازے کھلنے کا یقین ہو۔"

"بعض علاقوں میں تبلیغی احباب نے کام کو وسعت دینے کے لئے "تبلیغ منزل" بنانے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے ایک پمفلٹ بھی شائع کیا تاکہ اس کے لئے بڑی رقم جمع ہو سکے اور اس منزل کی تعمیر میں آسانی ہو، مولانا کو جب اس کی خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور اپنے قریبی تعلق رکھنے والوں کو اس سے باز رہنے کی تلقین کی، فریدی صاحب کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ چیز ہمارے اصول کے سخت خلاف ہے جبکہ نفس تبلیغ کے لئے چندہ کا لینا خلاف ہے تو مٹی وگارے کے لئے تو کہنا ہی کیا ہے، ان کو دعوت اپنے اصول میں لگنے کے لئے اور بے کار و زائد چیزوں سے اپنی توجہات کو ہٹانے کے لئے دیں اور ان کو یہ بھی لکھ دیں کہ اگر آنجناب کو تبلیغ منزل بنانا ہی ہو تو یہ اعلان کر دیں کہ یہ اصول تبلیغ کے خلاف ہے۔ آں جناب

کبھی بھی اس کام میں نہ لگئے گا ورنہ یہ چیز آئندہ کاموں میں رکاوٹ کا سبب بنے گی اور نہ ہی واسطہ بنئے گا۔"

اس کام کے دست وبازو مولانا محمد یوسف صاحب یقین اور نماز کو اس کام کی بنیاد سمجھتے ہوئے علم و ذکر کو دعوت و تبلیغ کی تحریک کے دو بازو قرار دیتے تھے اور ہمیشہ اپنی تقریروں اور مکاتیب میں اسکی طرف پوری طرح متوجہ فرماتے تھے، اپنے ایک اہم مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"علم و ذکر اس کام کے دو بازو ہیں، ان میں سے کسی ایک کی کمی اور سستی اصل کام کے لئے سخت مضر اور کمزور کرنے والی ہے۔ ہر ایک اپنی جگہ نہایت ضروری لابدی ہے، علم و ذکر کے مراکز خانقاہیں اور مدارس ہیں۔ ہم اپنے ان دونوں بازؤں کو قوی کرنے کے اندر ہر طرح ہر وقت اہل علم، علماء، صلحاء اور مشائخ کے محتاج ہیں۔ وہ ہمارے بالخصوص، ان دو اہم امور میں مقتدا ہیں، چوں کہ ان کے پاس علم نبوت اور جواھر نبوت موجود ہیں، ہمارے ذمے لازم ہے کہ ہم اس علم و ذکر کی وجہ سے ان کی خوب قدر کریں، ان کی خدمت کریں، ان کی صحبت کو اپنے لئے باعث اصلاح و نجات سمجھیں، اس بناء پر تبلیغ کے اہم نمبروں میں سے ہے علما و مشائخ کی زیارت اور ان سے دعاؤں کو لینا، ان کے سامنے حالات تبلیغ سنانا اور مفید مشورہ حاصل کرنا۔"

مولانا کے مکتوب کا یہ اقتباس ایک اہم گرہ کھولتا ہے۔ اس وقت بدقسمتی سے تبلیغی کام کرنے والوں میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو علمی حلقوں کے بُعد کی وجہ سے علما اور مشائخ سے مستغنی ہو کر بند الفاظ میں ان حاملان علوم نبوت پر تنقید کر گزرتے ہیں جو درحقیقت ان کی اصلاح باطن اور دینی ترقیوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے، حالاں کہ مولانا کے مندرجہ

بالامکتوب نے اس غلط تصور اور اس پر عمل کرنے کو مہلک قرار دیا ہے۔ اسی طریقہ سے اہلِ مدارس کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنی علمی مشغولیتوں کی بناپر تبلیغ و دعوت کی اس عمومی تحریک پر بیجا تنقید کر گزرتا ہے۔ ایک عرصہ پہلے اس طرح کی ایک چپقلش ان دونوں طبقوں میں پیدا ہو چکی تھی اور اس کے متعلق حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دریافت کیا گیا تھا حضرت مولانا نے اس کا جواب حسب ذیل دیا تھا:۔

"اہل مدارس کی مختلف تحریریں اور پوسٹر دربارۂ حمایت تبلیغ و مخالفت ان دنوں نظر سے گزریں جن میں حدِ اعتدال اور توسط سے تجاوز کرتے ہوئے افراط اور غلو سے کام لیا گیا ہے، تبلیغ دین اور تعلیم دینی ہر دو امور ضروریات اور فرائض اسلامیہ سے ہیں۔ ان کے کارکنوں کو ہمیشہ حدودِ شرعیہ کے اندر کام انجام دینا چاہیئے۔ کوئی کام خواہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو اگر حدودِ شرعیہ سے بالاتر ہو کر عمل میں لایا جائے گا تو ضرور بالضرور اس میں خرابیاں اور مفاسد پیدا ہوں گے، اس لئے میں ہر دو فریق سے نہایت ادب اور محبت سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اعتدال اور توسط کو اختیار فرمائیں اور بیجا الزامات تراشیوں اور بے اعتدالیوں سے درگزر فرما کر اپنے اپنے فرائض و واجبات میں منہمک ہو جائیں۔ زمانۂ سعادت (صحابہ کرامؓ) سے لے کر آج تک کارکن اشخاص اور جماعتوں سے غلطیاں بھی ہوتی رہیں، مگر ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ضروری چیزیں ممنوع نہیں قرار دی گئیں بلکہ اصلاح کی گئی اور ان غلطیوں کو چھانٹ دیا گیا۔ اہل تبلیغ بھی ہماری ہی طرح انسان ہیں۔ ان میں ناتجربہ کار اور نو آموز افراط تفریط کرنے والے اشخاص بھی ہیں، ان کی کسی کوتاہی پر نفس تبلیغ پر نکیر کرنا غلطی سے خالی نہ ہوگا اور یہی حال تعلیم کا بھی ہے، اس لئے میں تمام بھائیوں سے امیدوار ہوں کہ ہر ایک دوسرے کی عزت افزائی کی کوشش کرے اور گندگی اچھال کر مسلمانوں میں مزید

تفریق پیدا نہ ہونے دے۔ واللہ یہدی السبیل وہوالمستعان۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ[1]

شخصیت نہیں بلکہ کام

مولانا کسی ایسی تحریک کو ناکام سمجھتے تھے جو کسی شخصیت کے بل بوتے پر چل رہی ہو اور ایسی تحریک کو پائدار اور دائمی جانتے تھے جو بغیر کسی شخصیت کے سہارے چل رہی ہو۔ مولانا کے نزدیک شخصیت تو فانی ہے اور یہ تحریک باقی ہے، اس کی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ اس کا تعلق خدا کی باقی رہنے والی ذات سے ہو۔

ایک ایسے اجتماع کے بارے میں جس میں مولانا کی شرکت پر اجتماع کا انحصار تھا اور عدم شرکت سے شرکائے اجتماع کی افسردگی کا خطرہ تھا، مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"کئی دن کی ردّ و قدح و صلاح و مشورے کے بعد استخارہ کر کے اور کرا کے یہی چیز سمجھ میں آئی کہ اپنی ذات پر جو اجتماعات کا رُخ پڑتا چلا جا رہا ہے اگرچہ اس میں فوری طور پر اجتماع کے موقع پر احباب میں عمومی تأثر پیدا ہو جاتا ہے اور اوقات کی تفریغ کی بھی عام مجمع میں صورت پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کی بقا کے لئے اس ماحول کے پُرانے احباب کے یہاں آنے کی صورتیں قابو میں نہیں آتیں۔ اس لئے اس عمل کے سطحی ہونے اور اپنے نازک اصولوں سے

---

[1] منقول از اخبار روشنی بنگلور مورخہ ۱۱ مارچ ۵۸ء، ۲۶ جولائی ۵۷ء میں ضلع شمالی ارکاٹ کی تبلیغی جماعت کے ماہانہ اجتماع میں جوار کونڈہ میں ہوا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے تبلیغی کام پر ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا، اس تقریر میں ارشاد فرمایا:

"میرے بزرگو! اللہ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈالی، یہ مبارک کام ہے اور سب مبارک بادی کے مستحق ہیں، اللہ آپ کو اس سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا کرے۔ اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں کی بھی۔ اللہ آپ کو مزید ہمت عطا فرماتے (خطاب عام حضرت مدنیؒ)

ہٹ جانے کا قوی خطرہ ہے جو خیر کے متوجہ ہونے اور رحمت کے دروازے کھلنے کے بجائے مضرت اور شر کے متوجہ ہونے کا بھی ذریعہ بن سکتا ہے علاوہ ازیں ایک کام جو اس زمانے میں عنقا ہے جماعت کی ایک مخصوص جدوجہد کے ذریعے اسکی شکلیں اللہ رب العزت بڑھا رہے ہیں۔ جماعت اور مخصوص جدوجہد سے ذہن ہٹ کر شخصیت اور تقریروں کی طرف ذہنوں کے امالہ کی صورتیں اجتماعات سے پیدا ہو رہی ہیں جو شخص اور کام دونوں کی اضاعت کے مرادف ہے اور خطرے کا باعث ہے، دوچار دن میں ان ساری شکلوں اور نزاکتوں پر کیسے ایک مجمع کو ڈالا جا سکتا ہے جن کی رعایت کے بغیر یہ کام اپنے میں رحمتوں کو لئے ہوئے نہیں ہے، بندہ کی غیر موجودگی اگرچہ طبائع پر شاق ہے مگر جماعت کی محنت کے لئے ایک موقع ہے"۔[1]

مولانا کا یہ طرزِ عمل زندگی بھر رہا، عزت و عظمت تو خدا کی طرف سے تھی، اس نے ساری مخلوق کے دلوں میں مولانا کی شخصیت کی محبوبیت ڈالدی تھی جو روز افزوں ہوتی گئی، لیکن مولانا خود اس دعوتی کام کو اس سطح پر لے آئے تھے کہ کسی وقت بھی ان کی شخصیت کی چھاپ نہ پڑنے پائے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً مولانا کے انتقال کے بعد عام تحریکوں کی طرح جو شخصیت کے سہارے چلتی ہیں یہ کام بھی رک جاتا یا مدھم پڑ جاتا مگر چونکہ مولانا عمر بھر کام کرنیوالوں کا مزاج اس طرح بناتے رہے کہ شخصیت کو محبوب جانتے ہوئے بھی اصل کام کو شخصیت کے سہارے پر نہ چلایا جائے، اس لئے مولانا کے انتقال کے بعد خدا کے کرم سے کام بجائے رُکنے یا کم ہونیکے اور دوچند ہو گیا، حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے الفاظ میں اس صورت حال کو پڑھئے:-

"حادثہ کے بعد ہم سب کو یقین تھا کہ آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند، اس کام کا چلنا دشوار ہے مگر اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت عامہ اور قدرت کاملہ سے ابتک

[1] مکتوب بنام فریدی صاحب و مولانا محمد منظور نعمانی، ۱۸ر رجب ۱۳۷۳ھ

تو یہ چیز روزِ روشن کی طرح واضح فرمادی کہ کام شخصیات پر موقوف نہیں، اتنا ہجوم اور اجتماعات کی کثرت اور بھیر مار اب تک ہو رہی ہے کہ عزیز مرحوم کے زمانہ میں اس سے آدھی بھی نہ تھی، رائے ونڈ کا سالانہ اجتماع جو اس ماہ میں تھا اس کے متعلق ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا اور اس کے بار بار خطوط آرہے تھے چونکہ حضرت جی کا انتقال ہو چکا ہے اور راستوں کے بند ہونے کی وجہ سے نظام الدین کے حضرات کی آمد بھی نہ ہو سکے گی اس لئے یہاں سے مولانا سعید خاں صاحب کو مکہ مکرمہ لکھا گیا کہ وہ اجتماع میں شریک ہوں چنانچہ وہ اجتماع سے دو دن پہلے رائے ونڈ پہونچ گئے اور خطوط میں کثرت سے یہ بات پہونچی کہ عزیز کے زمانہ میں کبھی اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا وہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت جی کے زمانے میں ملکی اور غیر ملکی جماعتیں کبھی ۸۰ سے متجاوز نہیں ہوئیں اور امسال ۱۴۰ جماعتیں نہیں، پنڈال پہلے ہی دن اندازہ سے بہت زیادہ بھر گیا پھر بار بار اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہندوستان کے اجتماعات بھی جن کی تاریخیں عزیز مرحوم اپنے زمانے میں طے کر چکے تھے اور بعد میں اُن کے متعلق یہ خیال ہوا تھا کہ وہ نہ ہو سکیں گے، لیکن ہر اجتماع کے متعلق سننے میں آیا کہ وہ اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ گیا اور جدید اجتماعات بھی اب تک اتنی کثرت سے ہو رہے ہیں کہ جن کا پورا کرنا مشکل ہے۔ نظام الدین کے حضرات کے بغیر بھی ہر جگہ سے اجتماعات کی کثرت کے خطوط آتے رہتے ہیں[۱]۔"

اجتماعات اصل نہیں

مولانا اجتماعات کو کام کی بنیاد نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس پر زور دیتے کہ اجتماعات کام کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں، اصل کام نہیں ان اجتماعات کی ہمت افزائی کرتے جن سے کام بڑھے۔ ان اجتماعات پر نکیر کرتے جن سے کام پر خوش گوار اثر نہ پڑے۔

مگر اہاٹ (بنگال) میں سنہ ۱۳۷۔ھ میں ایک بڑا اجتماع ہوا تھا، مولانا کو اسکی برابر خبریں

---

[۱] یادداشت حضرت شیخ مدظلہ صـ ۴۸

پہنچ رہی تھیں اور اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ ہزاروں آدمیوں کی شرکت ہوگی، جماعتوں کی چلت پھرت بھی ہو رہی تھی، مولانا نے فریدی صاحب کو ایک مکتوب بھیجا جس میں نفس اجتماع پر کوئی خوشی ظاہر نہیں کی بلکہ اصل کام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"خط کے ذریعے احوال معلوم ہو کر فکر ہوا، حق تعالیٰ شانہٗ اس عظیم اجتماع کو اپنے فضل و کرم سے انتہائی خیر کی اعلیٰ شکلوں پر منتج فرماویں، میرے عزیز اجتماع کا بڑا ہونا جب کہ عملی شکلوں پر قابو پانے سے نکل جائے، کچھ مسرت کی بات نہیں، آپ حضرات ابھی سے اسکی کوشش کریں کہ اوقات دینے والے اجتماع پر اپنے اوقات موقوف نہ رکھیں بلکہ ابھی سے اوقات فارغ کرنیوالوں کے روانہ کرنے کا اہتمام فرماویں اور جو ابھی سے نہ نکل سکیں، ان کی جماعتوں کے ذریعہ پہلے ہی سے ایسی شکلیں اختیار کرلیں کہ وقت پر ان کا نظم کر کے روانہ کرنیکے بجائے پہلے سے وہ پوری طرح تیار ہوں، اُن کے ساتھ وہاں کے پُرانے بھی جوڑ دیے گئے ہوں بس اجتماع سے ان کی روانگی ہوجائے گویا وہ پہلے سے تیار ہوں، اجتماع سے وہ روانہ ہوجائیں۔"

مولانا اس کی دعوت دیتے کہ اجتماعات سے قبل اتنا زیادہ کام کرلیا جائے کہ پھر اجتماعات کے بعد جماعتوں کی روانگی ہوجائے اور لوگ صرف تقریریں سننے نہ آئیں بلکہ اوقات لے کر آویں وہ اجتماع صرف رواجی جلسہ نہ بن جائے بلکہ لوگوں کے نکلنے اور اوقات دینے کا ذریعہ بنے، اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"مگرا ہاٹ کے نواح میں کام کا ہونا ازبس ضروری ہے تاکہ لوگ خالی اجتماع میں شریک ہونے کی غرض سے نہ آویں بلکہ پہلے ان کے اوقات لئے جاویں اور جماعتی شکل سے ملاقات کر کے لایا جاوے۔ دور و نزدیک کے لئے تیار کیا جاوے، اور مگرا ہاٹ میں آنا گویا روانگی اور ضروری ہدایتیں لینے

کے لیے ہوں[1]"

جہد و مشقت اور تعلّق مع اللہ

مولانا اس پر پوری قوت سے زور دیتے کہ پرانے کارکن جہد و مشقت اور تعلق مع اللہ کے ذریعے اس کام کو آگے بڑھائیں خواہ وہ اجتماعات کے ذریعہ ہو یا مجلسی گفتگوؤں اور نجی ملاقاتوں کے ذریعہ ہو، وہ اجتماعات برائے اجتماعات پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"آپ حضرات جُڑ مل کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ان کی بھرپور مددوں کا پوری طرح یقین کرکے گڑگڑاتے، بلبلاتے دعائیں کرتے ہوئے جتنا آپس کی مشاورت کے ذریعے اس مبارک و عالی کام کے فروغ کیلئے محنتیں کریں گے اتنا ہی انشاء اللہ العزیز اس کام میں جماعت والی برکات شامل حال ہو کر ترقی و فروغ کی صورتیں پیدا ہوں گی۔" انا عند ظن عبدی بی" کے قانون کے مطابق آپ اپنے ظنوں کو رب کے ساتھ اچھا رکھتے ہوئے ان کی مددوں سے سب کچھ ہونے کا یقین کرکے اس کو اپنے اس عمل کے ساتھ یقین کرتے ہوئے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ آنے والوں میں محنت میں مشغول ہوں، وہی دلوں کو خیر کی طرف بدلنے والے اور دین کی شکلوں کو حقیقت میں زندہ کرنے والے ہیں، انسان تو صورت ہے اور ان کی فاعلیت حقیقت ہی اب اس حقیقت کو جونسی صورت کیا تھ وہ چاہیں ظاہر فرمادیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کی انتھک مساعی اس حقیقت کے ظہور کا مظہر بنی۔

آپس میں ایک دوسرے کی قدر کریں، اکرام و اعزاز و خدمت گزاری کے ساتھ وقت گزاریں، تعلیم و ذکر کا بھی اہتمام کریں اور تصحیح نیت کی طرف بہت متوجہ ہوں کہ اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے[2]۔"

---

[1] ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ [2] مکتوب ۱۸ رجب ۱۳۷۳ھ

میاں جی محراب کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس بات کی پوری ضرورت ہے کہ نمازِ فجر کے بعد جتنے بھی کام کرنے والے ہیں اُن کے سامنے مختصر تحریص و ترغیب روزانہ کرکے اُن کو آمادہ کیا جاتا رہا کرے اور ہر پہلے کام سے زیادہ اچھے طریقے پر کام پر غور و خوض کیا جاتا رہے، اپنے کچھ آدمی مشورے کے لئے منتخب کرکے تمام مسائل کے لئے مختصر مشورہ کرتے جایا کریں، جماعتوں کو باہر روانہ کرنے کی کوششوں کو بڑھایا جائے۔ جتنا جد و جہد کرنے والوں کی مقدار میں اضافہ ہوگا اتنا ہی اس شعبے میں عمومی ترقیات کے دروازے کھلیں گے جتنا عمل وجود میں آجائے اُس پر قناعت کے بجائے ترقی عمل کا ہر وقت فکر رہے[1]۔"

مولانا اس تبلیغی کام کی وسعت کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کی جائے اور اکرام کا معاملہ کیا جائے جن جماعتوں میں اس اہم اصول کا (جو تبلیغی اصول میں چوتھا اصول ہے) لحاظ نہیں رکھا جاتا تو اس میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

مولانا اپنے مکتوب میں اس اصول کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اپنے عجز و انکسار و تواضع کی مشق کو بڑھایا جائے، ایک دوسرے کی قدردانی و اکرام و اعزاز کی پوری پابندی کی جائے۔ اپنے کو خادم اور دوسروں کو اصل کرنے والا یقین کرکے ہر عزت کے موقع پر دوسرے کو اور ذلت کے موقع پر اپنے کو بڑھایا جائے اور آپس میں مشوروں کا اہتمام

---

[1] مکتوب ۵۴ھ

اور ایک دوسرے کے مشورہ کی وقعت کی جائے اور ایک دوسرے کی دلجوئی کی پوری پوری سعی کی جائے، اس راہ کی تکالیف کو بالذات محبوب یقین کیا جائے، ذکر و تعلیم و دعوات کا پورا اہتمام کیا جائے، بڑوں سے چھوٹا بننے کی مشق کے لئے ہلا جائے اور اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہیں ڈالی جائیں"[1]

اصول کی پابندی مولانا اس دعوتی کام کے لئے اصول کی پابندی از حد ضروری سمجھتے تھے۔ وہ چھ اصول جن پر اس کام کا پورا پورا انحصار ہے انکی پابندی کو لازمی قرار دیتے۔ کلمہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، حُسن نیت، تفریغ وقت کے سلسلے میں اپنے مکاتیب میں وضاحت سے ذکر فرماتے اور ان پر انتہائی زور دیتے، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اصول کی پابندی کا بہت ہی زیادہ لحاظ رکھا جائے۔ علم، ذکر خدمت، اکرام مسلم، تبلیغ، دعا وغیرہ میں سب کو مشغول رکھتے ہوئے لایعنی سے پرہیز کا اہتمام کیا جائے، راتوں میں رونے کو بہت بڑھایا جائے بالخصوص اکرام مسلم کے نمبر کی خوب وضاحت کرتے ہوئے عمل کیا جائے اور کرایا جائے"

حاجی فضل عظیم صاحب کو ایک مکتوب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"کام کا فائدہ ہمیشہ اُس کے اُصولوں کے ساتھ کرنے سے ہوتا ہے۔ اصولوں کی بے عنوانی کا فساد اسکے اصلاح کو داب لیتا ہے اور اس کے خبر سے منتفع نہیں ہونے دیتا۔ جماعتوں کے نکلنے کی تو خبریں جگہ جگہ سے آتی ہیں مگر ان کے اصول کے استعمال کی جو کام کے لئے روح اور مغز کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا تذکرہ تک نہیں ہوتا۔ سب سے اہم جز علم و ذکر

---

[1] مکتوب بنام رفقاے کار، یکشنبہ ۱۲ محرم ۱۳۶۲ھ۔

کا اشتغال ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے اور اعمالِ مرضیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اپنے نفس اور خودی کو مٹانے کے لیے ہے اور اس کے لیے سب سے اہم دو جانبوں کے حقوق کو ادا کرنے پر مداومت پالینا ہے، ایک علم و ذکر کی طرف نسبت رکھنے والے بزرگوں کی عظمت کو دل میں محسوس کرنا، جو کام کیا جاوے اس کی اطلاع کے ذریعے اور مشاورت کے ذریعہ اُن کی بڑائی کو پہچاننا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا اور اسی طرح دنیاوی لائن میں مادی بڑوں کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے مادّی کاموں میں انکی مشاورت کو بھی شامل کرنا۔ دوسرا اہم جزو یہ ہے کہ اپنے سے ہر لائن کے چھوٹوں کا تتبع کر کے دین کی لائن کے، علم کی لائن کے، مال کی لائن کے، رشتے کی لائن کے چاروں لائن کے چھوٹوں کے ساتھ ترحم و شفقت اور ہمدردی اور اخوت کے ذریعہ انھیں اس کام کے اندر زیادہ سے زیادہ لگانے کی سعی کرنا اور ان کے علوم و اذکار کی ذمہ دارانہ نگرانی کرتے رہنا۔ اس لائن کے حقوق ادا کرنے سے وہ مشقت اٹھانیوالا طبقہ جسکے اندر ہم سے کہیں زیادہ خلوص ہی ما کثرت سے اس میں شریک ہوگا، جنکے اس کام میں لگے بغیر کام غیر مستقل سطحی اور جزوی ہی۔ اور اربابِ اہلِ علم و ذکر کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعہ کام میں وزن اور نور پیدا ہوگا جس کے بغیر کام سطحی اور ناپائدار ہے۔"

عورتوں میں کام مولانا جس طرح مردوں میں دینی دعوت کا کام ضروری سمجھتے تھے اسی طرح عورتوں میں بھی اس کام کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے اس لئے کہ عورتوں ہی کی درستگی سے مردوں اور بچّوں میں دینی انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور عورتوں کی مخالفت سے ہی مردوں کی کوتاہی اور اس کام میں نہ لگنے کی راہیں کھُلتی ہیں، لیکن عورتوں میں کام کرنے کی بڑی نزاکتیں ہیں، اگر ان نزاکتوں کو پیشِ نظر نہ رکھا گیا تو فتنے کے دروازے کھُل سکتے ہیں، مولانا کی زندگی میں بہت پہلے سے عورتوں میں کام شروع ہو چکا تھا، مولانا عورتوں میں

کام کرنے کے سلسلے میں نزاکتوں کو بیان کرتے ہوئے مختلف ہدایات دیا کرتے تھے:۔

ایک مکتوب میں مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کو عورتوں میں کام کے طریقوں کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"عورتوں کی تبلیغ میں صرف یہ کیا جاوے کہ عورتیں دینی کتب پڑھیں پڑھائیں سنائیں، اسلامی رواج کی پوری پابندی کریں اور اپنے متعلقین کو بھی اس کا پابند کریں، اپنے مردوں کو دین سیکھنے کے لئے تبلیغ کے اندر باہر بھیجیں تاکہ جو کچھ سیکھ کر آئیں وہ ان کو سکھائیں، گشت کی قطعاً اجازت نہ دی جائے۔"

ہر حال میں دعوت

مولانا ہر حال میں دعوتِ دین کے کام سے تعلق کو ضروری سمجھتے تھے، خواہ بیماری ہو یا تن درستی، خوشی ہو یا غمی، تنگ دستی ہو یا فراخی، ان کے نزدیک ان تمام صورتوں میں دعوت میں لگنے سے ثواب بڑھتا ہے اور انسان کی دینی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں، خصوصاً ان تمام لوگوں کے لئے جو کام سے متعلق رہے ہوں، کسی وقت بھی غفلت اور کوتاہی کو بہت بڑا نقصان سمجھتے تھے۔

ایک صاحب کو، جو اپنی علالت کی بنا پر کچھ مدت کے لئے کام سے بے تعلق ہو گئے تھے، اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے دوست! یہ کام حق تعالیٰ کی ایک نعمتِ جلیلہ ہے جو عطا کی گئی ہے، نعمت کی قدر دانی اور حق کی ادائیگی نعمت کو بڑھاتی ہے اور اس میں کوتاہی بہت خطرے کی چیز ہے، کام دھندا اور دکھ بیماری تو ہر دم آدمی کے ساتھ ہے اور اس امتحان کیلئے ہے کہ ہمارا بندہ ہمارے تعلق کی وجہ سے ہمارے حکم کی قدر دانی کر کے دین کو مقدم کرتا ہے یا غفلت کے ساتھ اپنی ضرورت اور اپنے دکھ سکھ کو اپنی رائے سے دیکھتا ہے، بہر حال سمجھ دار وہی ہے جو اس وقت اس چیز کی قدر کرے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کام کرتے رہنے اور ملتے جلتے رہنے ہی سے

آدمی آگے بڑھتا ہے"۔

ایک پرانے اور قریبی رفیق کار جو مرکز میں مقیم تھے اور ان کی وجہ سے تبلیغی کام کو بہت فائدہ پہونچ رہا تھا، ان کی والدہ نے ان کو بلایا تو مولانا نے اُن محترمہ کی خدمت میں ان الفاظ سے صاحبزادے کو مرکز میں ٹھہرے رہنے کی اجازت مانگی۔

مکرمہ ومحترمہ...... مدظلہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

"عالم میں جب دین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے کثرت سے تھے ہر شخص اس کے لئے قربانی کرتا تھا بچے مچل مچل کر جانیں قربان کرنے کے لئے آگے بڑھتے تھے، مائیں بچوں کی قربانی پر سجدۂ شکر ادا کرنے والی تھیں، پرورش اسی لئے ہوتی تھی کہ یہ اللہ کے دین کے لئے کام آئے گا اور کام آجانے پر اس کو سعادتِ عظمیٰ سمجھا جاتا تھا، ایسے وقت میں حق تعالیٰ کی بے شمار نصرتیں مسلمانوں کے ساتھ ہوئیں، باوجود قلت کے دنیا پر غالب ہوئے، دنیا کو جب ٹھکرایا تو دُنیا قدموں میں آئی، اونٹوں کی نکیلیں پکڑ کر نکلے تو اللہ نے حکومت کی باگیں ہاتھوں میں دے دیں، خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کام کے لئے اپنی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے، جب انصار مدینہ نے بے شمار جدوجہد کی اور گھروں کو چھوڑنے اور عالم میں پھرنے کی وجہ سے جب تجارتوں اور باغات کا بڑا ہونے لگا تو انصار مدینہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چند ہفتہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے سے رخصت مانگی تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

محترمہ اصل بات یہ ہے کہ جب تک اس جذبے سے کام کرنے والے موجود رہے کہ اپنی ضرورت رہے یا نہ رہے، اللہ کے دین کی کوشش ہوتی رہے، تب تک اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں شاملِ حال رہیں اور مسلمان عالم میں سردار بنے رہے،

اور جب سے ہم مسلمانوں نے اپنی ضرورتوں کو مقدم کرنے کا رواج ڈالدیا اور عالم میں دین کی ضرورت کے مقابلے میں اپنی ضرورتوں کو قربان کرنے والے نہیں رہے تو اللہ کی نصرتوں سے محرومی شروع ہوگئی، نوبت بہ ایں جا رسید کہ آج عالم میں چاروں طرف مسلمانوں پر بلاؤں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، مصائب کھل کر سامنے آگئے ہیں ایسے وقت میں کچھ کچھ جدوجہد دین کی ترقی کے لیے شروع ہوئی، مرکز میں آدمیوں کی شدید قلت ہے، ایسے وقت میں تم نے اپنے بیٹے کو بلایا ہے، کاموں ضرورتوں کے پیش نظر تو میں یہی درخواست کروں گا کہ دین کی اہم ضرورتوں کے پیش نظر آپ رخصت مرحمت فرما دیں، میری تو یہی گزارش ہے اگر آپ کا پھر بھی بلانے کا اصرار ہو تو مجھے فوراً تار دیجئے میں بھیج دوں گا۔"

انھیں محترمہ کے انتقال پر ان کے صاحبزادے کو تعزیتی مکتوب میں اس دعوتی کام کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا:-

"والدہ صاحبہ کا انتقال موجب رنج وملال ہے اور اسی بنا پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اس پر بڑے درجات مقرر فرمائے ہیں اور جتنا اول وقت ہو اتنا ہی صبر پر بہت کچھ وعدہ فرمایا، جانے والا اپنے متعلقین کی طرف سے منتظر رہتا ہے تاکہ اُن کی طرف سے وہاں کی چیزیں موصول ہوں یعنی ایصال ثواب، میرے دوست! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں یہاں ترغیب کے درجے میں ہیں، لیکن جانے والے کے لئے تو وہ مشاہد ہیں، یہاں ذرا سا طاعت کا اشتغال وہاں بہت سے انوارات کو پہنچا دیتا ہے، سو ایسے وقت میں جتنا اس کی کثرت کی جائے، جانے والے کے سرور کا ذریعہ ہوتا ہے اور رہنے والے میں اس جانے والے کے تعلق کے بجائے اللہ رب العزت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، خدا کرے تم پوری طرح اس وقت اس مبارک کام کی صورتوں کی

طرف متوجہ ہو رہے ہو، اللہ تمھیں پورا صبر اور کمال اجر مرحمت فرمائیں، ایسے وقت اگر اس رنج سے اعزا کو اس طرف متوجہ کر سکو تو بہت ہی مناسب ہوگا۔[1]

مولانا کا ایک اہم ترین مکتوب

اب آخر میں مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک مفصل مکتوب درج کیا جا رہا ہے جو حقیقت میں تبلیغ کے مقاصد، اصول، طریقۂ کار، متوقع منافع، تبلیغی کام کے نتائج و ثمرات اور خروج فی سبیل اللہ کی ضروری ہدایات پر بہت جامع ہے، اتنا تفصیلی مکتوب مولانا کے مکاتیب میں غالباً نہ مل سکے گا۔ یہ مکتوب عمرہ کے لئے حجازِ مقدس جانے والی ایک جماعت کے لئے مولانا نے تحریر کیا تھا۔ لیکن یہ مکتوب اُن ساری جماعتوں کے لئے جو تبلیغی سفروں پر روانہ ہوتی رہتی ہیں اور اُن سارے حضرات کے لئے جو اس راہ میں اپنے اوقات فارغ کرتے رہتے ہیں نہایت مفید اور اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چونکہ یہ مکتوب بہت طویل ہے اس لئے ہم نے موقع موقع پر ذیلی سرخیاں لگا دی ہیں تاکہ پڑھنے والے کے لئے آسانی بھی ہو اور مفید بھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمین و مکرمین بندہ زادنا اللہ وایاکم جہداً وسعیاً فی سبیلہ و الھمنا وایاکم مراشد امورنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے، آپ حضرات کی دینی مساعی کی اطلاعات باعثِ مسرت اور باعث تقویت ہوتی ہیں، اللہ جلّ شانہ قبول فرماویں، بارآور فرماویں، ترقیات عطا فرماویں، صحیح نہج پر آپ حضرات کی حفاظت فرماویں اور پوری ترکیب و ترتیب کی سمجھ عطا فرماویں۔ آمین

---

[1] خط بنام فریدی صاحب مرادآبادی۔

کامیابی اور ناکامی کا انحصار اللہ رب العزت جل جلالہٗ وعم نوالہ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دارومدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے، کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے۔ باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی وناکامی نہیں، عزت و ذلت، آرام وتکلیف، سکون و پریشانی، صحت وبیماری انسان کے اندر کے حالات کا نام ہے، ان حالات کے بننے یا بگڑنے کا باہر کے نقشوں سے تعلق بھی نہیں، اللہ جل شانہ ملک ومال کے ساتھ انسان کو ذلیل کر کے دکھادیں اور فقر کے نقشے میں عزت دے کر دکھادیں۔

انسان کے اندر کی مایہ اُس کا یقین اور اُس کے اعمال ہیں۔ انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہوں گے تو اللہ جل شانہٗ اندر کامیابی کی حالت پیدا فرمادیں گے خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔

ایمان باللہ اللہ جل شانہٗ تمام کائنات کے ہر ذرے کے اور ہر فرد کے خالق و مالک ہیں، ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے، سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے۔ وہ بنانے والے ہیں خود بنے نہیں اور جو خود بنا ہوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں۔ جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے، ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ ہی ہر چیز کو استعمال فرماتے ہیں، وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور شکلوں کو قائم رکھ کر صفات کو بدل سکتے ہیں، لکڑی کو اژدہا بنا سکتے ہیں اور اژدھے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر خواہ ملک ہو یا مال کی، برق کی ہو یا بھاپ کی، ان کا ہی قبضہ ہے اور وہ ہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہو وہاں سے تخریب لا کر دکھادیں اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لا کر دکھادیں۔ تربیت کا نظام وہی چلاتے ہیں۔ ساری چیزوں کے بغیر ریت پر ڈال کر پال دیں اور سارے سازوسامان میں پرورش بگاڑ دیں۔

ایمان بالرسالۃ اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہوجائے اور ان کی قدرت سے براہِ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے۔

ایمان ویقین کا نتیجہ اور اُس کی دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے کو بدلنے کا مطالبہ ہے، صرف یقین کی تبدیلی پر ہی اللہ پاک اس زمین و آسمان سے کئی گنا زیادہ بڑی جنت عطا فرمائیں گے، جن چیزوں میں سے یقین نکل کر اللہ کی ذات میں آئے گا ان ساری چیزوں کو اللہ پاک مسخر فرمادیں گے۔ اس یقین کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ایک تو اس یقین کی دعوت دینی ہے، اللہ کی بڑائی سمجھانی ہے، ان کی ربوبیت سمجھانی ہے، انکی قدرت سمجھانی ہے، انبیاءؑ اور صحابہؓ کے واقعات سنانے ہیں، خود تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچنا ہے، دل میں اسی یقین کو اُتارنا ہے جس کی مجمع میں دعوت دی ہے، یہی حق ہے اور پھر رو رو کر دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ! اس یقین کی حقیقت سے نواز دے۔

نماز کا اہتمام اور اس کی دعوت اللہ جل شانہ کی قدرت سے براہِ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے۔ سر سے لے کر پیر تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقے پر پابندیوں کے ساتھ اپنے کو استعمال کرو، آنکھوں کا، کانوں کا، ہاتھوں کا، زبان کا اور پیروں کا استعمال ٹھیک ہو۔ دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو، یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح، رکوع و سجدہ، ساری کائنات سے زیادہ انعامات دلانے والا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ جل شانہٗ اپنی قدرت سے ہر ضرورت کو پورا کریں گے۔ ایسی نماز پر اللہ پاک گناہوں کو معاف بھی فرمادیں گے۔ رزق میں

برکت بھی دیں گے، طاعت کی توفیق بھی ملے گی، ایسی نماز سیکھنے کے لیے دوسروں کو خشوع و خضوع والی نماز کی ترغیب و دعوت دی جائے اس پر آخرت اور دنیا کے نفعے سمجھائے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی نماز کو سنانا، خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا۔ اہتمام سے وضو کرنا، دھیان جمانا، قیام میں، قعدہ میں، رکوع میں، سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں، نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی۔ اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔

علم اور ذکر علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے۔ جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے اس کا یہ سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے چلنے والوں کے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں، زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے شیطان پر ایک عالم ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ دوسروں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، فضائل سنائے جائیں، خود تعلیم کے حلقوں میں بیٹھا جائے۔ علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے اور رو رو کر مانگا جائے کہ اللہ جل شانہٗ علم کی حقیقت عطا فرما دیں۔ ہر عمل میں اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ذکر ہے، جو آدمی اللہ جل شانہ کو یاد کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کو یاد فرماتے ہیں۔ جب تک آدمی کے ہونٹ اللہ کے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں اللہ جل شانہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں اللہ پاک اپنی محبت و معرفت عطا فرماتے ہیں اللہ کا ذکر شیطان سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ خود اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے دوسروں کو اللہ کے ذکر پر آمادہ کرنا، ترغیب دینا، خود دھیان جما کر کہ میرے اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں ذکر کرنا اور رو رو کر دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرما۔

اکرام مسلم ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے

ہر اُمتی کے آگے بچھ جانا، ہر شخص کے آگے بچھ جانا۔ ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا۔ جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کریگا، اللہ جل شانہٗ اسکی پردہ پوشی فرمائینگے، جبتک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے، اللہ جل شانہٗ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں جو اپنے حق کو معاف کردیگا، اللہ جل شانہ اس کو جنّت کے بیچ میں محل عطا فرمائینگے جو اللہ کیلئے دوسروں کے آگے تذلّل اختیار کرے گا، اللہ جل شانہ اس کو رفعت وبلندی عطا فرمائیں گے، اسکے لئے دوسروں میں ترغیب کے ذریعہ اکرام مسلم کا شوق پیدا کرنا ہے مسلمان کی نیت بنانی ہے۔ حضور اکرمؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق، ہمدردی اور ایثار کے واقعات سنانے ہیں، خود اس کی مشق کرنی ہے اور رو رو کر اللہ جل شانہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی توفیق مانگنی ہے۔

حُسنِ نیت ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کی رضا کا جذبہ ہو، کسی عمل سے دُنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا سا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اس کے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے، اپنی نیت کو دُرست کرنے کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعے تصحیح نیت کا فکر و شوق پیدا کیا جائے۔ اپنے آپ پر عمل سے پہلے اور ہر عمل کے دوران نیت کو درست کرنے کی مشق کی جائے۔ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیت کو ناقص قرار دے کر توبہ واستغفار کیا جائے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے اخلاص مانگا جائے۔

اللہ کے راستے کی محنت اور دُعا آج اُمّت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے طفیل پوری اُمّت کو دعوت والی محنت ملی تھی اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہ سے قائم ہو جائے، اس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر

اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن میں محنت کر رہے ہیں ان سے کسی چیز کا طالب نہ بننا اسکے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا۔ جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے آسمان والا اس پر رحم کرتا ہے، جو دوسروں کا تعلق اللہ جل شانہ سے جوڑنے کے لئے ایمان وعمل صالح کی محنت کریں گے، اللہ جل شانہ ان کو سب سے پہلے ایمان وعمل صالح کی حقیقتوں سے نواز کر اپنا تعلق عطا فرمائیں گے اس راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے (باعتبار مال کے بھی اور باعتبار چیزوں کے بھی) اس سب سے بہتر ہے۔ اس میں ہر مال کے خرچ اور اللہ کے ہر ذکر و تسبیح اور ہر نماز کا ثواب سات لاکھ گنا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا۔ اسی طرح اس محنت کے کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی، تو تمام اہل عالم کے قلوب میں ان کی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے۔ دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آتی۔ دوسروں کو اس محنت کے لئے آمادہ کرنا ہے اس کی اہمیت اور قیمت بتانی ہے۔ انبیاؑ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنانے ہیں، خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت و نصرت والے اعمال میں لگانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں، نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت گھر میں ولادت کے موقع پر اور وفات کے موقع پر، سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں، بیماری میں، قوت میں، ضعف میں، جوانی اور بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں اور رو رو کر اللہ جل شانہ سے مانگنا ہے کہ ہمیں اس عالی محنت کے لئے قبول فرمالے۔

مسجدوں میں کرنے کے کام ان چیزوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبے سے متعلق ہو چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اپنے مشاغل ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک بہ ملک اقلیم بہ اقلیم قوم بہ قوم قریہ بہ قریہ پھر نگے حضورِ اقدس ﷺ نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا، مسجد کے کچھ مخصوص اعمال دئیے تھے، ان اعمال سے مسلمانوں کا زندگی میں امتیاز تھا، مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں، اعمال سے زندگی بننے کی باتیں ہوتی تھیں، عملوں کے ٹھیک کرنے کے لئے تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں تعاون ایثار اور ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص، حاکم، محکوم، مالدار، غریب، تاجر، زارع، مزدور مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جاکر اپنے اپنے شعبے میں مسجد والے تأثر سے چلتا تھا۔ آج ہم دھوکے میں پڑ گئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے، مسجدیں اعمال سے خالی ہوگئیں اور چیزوں سے بھر گئیں۔ حضورؐ نے مسجد کو بازار والوں کے تابع نہیں کیا۔ حضورؐ کی مسجد میں نہ بجلی تھی نہ پانی تھا۔ نہ غسلخانے تھے، خرچ کی کوئی شکل نہ تھی، مسجد میں آکر داعی بنتا تھا، معلّم اور متعلّم بنتا تھا، ذاکر بنتا تھا نمازی بنتا تھا، مطیع بنتا تھا، متقی زاہد بنتا تھا، خلیق بنتا تھا، باہر جاکر ٹھیک زندگی گزارتا تھا مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی، ان چار ماہ میں ہر جگہ جاکر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں، مسجد والے اعمال کو سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کے لئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کریں۔

مقامی گشت و اجتماع واپس اپنے مقام پر آکر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی

والوں کو جمع کر کے انہی چیزوں کی طرف متوجہ کرنا اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلّوں کے لئے باہر نکلنا ہے۔ ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں۔ ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔

ہر مہینہ کی سہ روزہ جماعت

اپنے شہر یا بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنے اس کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کیلئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں، ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے۔ "اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا" کے مصداق تین دن پر حکماً تیس دن کا ثواب ملے گا پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اندرون ملک کے تقاضے پورے ہوتے رہیں اور اپنی مشق قائم رہے اور جاری رہے۔

چلّہ اور تین چلّے لگانا اور ان کی دعوت دینا

ہر سال اہتمام سے چلّہ لگایا جائے عمر میں کم از کم تین چلّے، سال میں چلّہ، مہینے میں تین یوم، ہفتہ میں دو گشت، روزانہ تعلیم، تسبیحات، تلاوت یہ کم سے کم نصاب ہے کہ ہماری زندگی دین والی بنتی رہے۔ اگر ہم یوں چاہیں کہ ہم سب بنیں اجتماعی طور پر پوری انسانیت کی زندگی کے صحیح رُخ پر آنے اور باطل کے ٹوٹنے کا، تو اس کے لئے اس نصاب سے بھی آگے بڑھنا ہوگا، ہمارے وقت اور ہماری آمدنی کا نصف اللہ کی راہ میں لگے اور نصف کاروبار اور گھر کے مسائل میں یا کم از کم یہ کہ ایک تہائی وقت و آمدنی اللہ کی راہ میں اور دو تہائی اپنے مشاغل میں۔ یعنی ہر سال چار ماہ کی ترتیب بٹھائی جائے۔

آپ حضرات عمر میں کم از کم تین چلّوں کی دعوت خوب جم کر دیں، اس میں بالکل نہ گھبرائیں اس کے بغیر زندگیوں کے رُخ نہ بدلیں گے۔ جن احباب نے خود ابھی تین چلّے نہ دیئے ہوں وہ بھی اس نیت سے خوب جم کر دعوت دیں کہ اللہ جل شانہ اس کے لئے ہمیں قبول فرمالے۔

گشت اور اسکی اہمیت

گشت کا عمل اس کام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتا ہے، اگر یہ عمل صحیح ہو گا تو قبول ہو گا۔ دعوت قبول ہو گی، دعا قبول ہو گی، ہدایت آئے گی اور گشت قبول نہ ہوا تو دعوت قبول نہ ہو گی دعوت قبول نہ ہوئی دعا قبول نہ ہو گی، دعا قبول نہ ہوئی ہدایت نہیں آئے گی۔

گشت کا موضوع اور دعوت

گشت کا موضوع یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہماری دُنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر زندگی گزارنے میں رکھا ہے۔ ان کے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں۔ اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت پر بستی والوں کو آمادہ کرنے کے لئے گشت کے لئے مسجد میں جمع کرنا ہے۔ نماز کے بعد اعلان کر کے لوگوں کو روکا جائے۔ اعلان بستی کا کوئی بااثر آدمی یا امام صاحب کریں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ وہ ہم کو کہیں تو ہمارے ساتھی کر دیں۔

گشت کے آداب کا بیان

پھر گشت کی اہمیت ضرورت اور قیمت بتائی جائے اس کے لئے آمادہ کیا جائے۔ جو تیار ہوں ان کو اچھی طرح آداب سمجھائیں، اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلنا ہے۔ نگاہیں نیچی ہوں، ہمارے تمام مسائل کا تعلق اللہ جل شانہ کی ذات سے ہے، ان بازار میں پھیلی ہوئی چیزوں سے کسی مسئلے کا تعلق نہیں، چیزوں پر نگاہ نہ پڑے، دھیان نہ جائے۔ اگر نگاہ پڑ جائے تو مٹی کے ڈلے معلوم ہوں۔ ہمارا دل اگر ان چیزوں کی طرف پھر گیا تو پھر ہم جن کے پاس جا رہے ہیں ان کا دل ان چیزوں سے اللہ کی طرف کیسے پھرے گا۔ قبر کا داخلہ سامنے ہو۔ اسی زمین کے نیچے جانا ہے، مل جل کر چلیں، ایک آدمی بات کرے۔ کامیاب ہے وہ بات کرنے والا جو مختصر بات کر کے آدمی کو مسجد میں بھیج دے"!

بھائی ہم مسلمان ہیں! ہم نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہے۔ ہمارا یقین

ہے کہ اللہ پالنے والے ہیں۔ نفع ونقصان، عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اللہ کے حکم پر حضرت محمدؐ کے طریقے پر زندگی گزاریں گے، اللہ راضی ہو کر ہماری زندگی بنا دیں گے۔ ہم سب کی زندگی اللہ جل شانہٗ کے حکم کے مطابق حضرت محمدؐ کے طریقے پر آجائے۔ اس کے لئے بھائی مسجد میں کچھ فکر کی بات ہو رہی ہے۔ نماز پڑھ چکے ہوں تو بھی اٹھا کر مسجد میں بھیج دیں۔ ضرورت ہو تو آگے نماز کو بھی مسجد میں فوری جانے کا عنوان بنالیں۔

اللہ کا سب سے بڑا حکم نماز ہے۔ نماز پڑھیں گے اللہ روزی میں برکت دیگا۔ گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ دعاؤں کو قبول فرمالیں گے۔ بشارتیں سنائی جائیں وعیدیں نہیں۔ نماز کا وقت جارہا ہے مسجد میں چلئے، امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ واپسی میں استغفار کرتے ہوئے آنا ہے۔

گشت کا طریقہ

اب آداب کا مذاکرہ کرنے کے بعد دعا مانگ کر چل دیں گشت میں دس آدمی جائیں۔ مسجد کے قریب مکانات پر گشت کریں۔ مکانات نہ ہوں تو بازار میں گشت کریں۔ جماعت میں زیادہ آدمی ایسے ہوں جو گشت میں اصولوں کی پابندی کریں، مسجد میں دو تین آدمی چھوڑ دیں۔ نئے آدمی زیادہ تیار ہو جائیں تو ان کو بھی سمجھا کر مسجد میں مشغول کردیں۔ نئے آدمی تین چار ساتھ ہوں، مسجد میں ایک ساتھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ ایک آنے والوں کا استقبال کرے۔ ضرورت ہو تو وضو کروا کر نماز پڑھوا دے اور ایک ساتھی آنیوالوں کو نماز تک مشغول رکھے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھائے۔ پونے گھنٹے گشت ہو۔ نماز سے سات آٹھ منٹ پہلے گشت ختم کردیں۔ سب تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں۔

اجتماع میں دعوت

جس ساتھی کے بارے میں مشورہ ہو جائے وہ دعوت

دے۔ یہ سمجھائے کہ اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہوا تو دُنیا اور آخرت میں کیا نفع ہوگا اور اگر اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق قائم نہ ہوا تو دنیا و آخرت میں کیا نقصان ہوگا، جیسے اس خط کے شروع میں چھ نمبروں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرز پر ہر نمبر کا مقصد اس کا نفع اور قیمت اور حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔ سادہ انداز میں بیان ہو۔ اس سے انشاء اللہ مجمع کی سمجھ میں کام آئے گا اور اس کی ضرورت بھی محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ ہم بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بھی دعوت میں اہتمام سے جم کر بیٹھیں۔ متوجہ ہوکر اور محتاج بن کر سنیں، جو بات کہہ رہا ہے ہم اپنے دل میں کہیں کہ "حق ہے" اس سے دل میں ایمان کی لہریں اُٹھیں گی اور عمل کا جذبہ بنے گا۔ تین چلوں کی بات جم کر رکھی جائے، نقد نام لئے جائیں اس کے بعد چلوں کے لئے وقت لکھوائے جائیں اور پھر جو جس وقت کے لئے تیار ہو جائے اس کو قبول کر لیا جائے۔

مطالبہ اور تشکیل مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتی ہے، اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی اور قربانی وجود میں نہ آئے گی تو کام کی جان نکل جائے گی۔ دعوت دینے والا ہی مطالبہ کرے۔ ایک آدمی کھڑے ہوکر نام لکھے۔ نام لکھنے والا مستقل تقریر شروع نہ کرے۔ ایک دو جملے ترغیبی کہہ سکتا ہے، پھر آپس میں ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کو کہا جائے۔ فکر کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے والوں کو تیار کریں، اعذار کا دل جوئی اور ترغیب کے ساتھ حل بتائیں، نبیوںؑ اور صحابہؓ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں، آخر میں مقامی جماعت بنا کر ان کے ہفتے کے دو گشت روزانہ تعلیم، تسبیحات، مہینے کے تین یوم وغیرہ کا نظم طے کرائیں۔

دعوت کا انداز دعوت میں انبیاؑ اور صحابہؓ کے ساتھ اللہ جل شانہٗ نے جو

مددین فرمائیں ہیں وہ تو بیان کی جائیں اور جو ہمارے ساتھ مددین ہوئیں ان کو بیان نہ کیا جائے۔ دعوت میں قضائے حاضرہ کی باتیں نہ کی جائیں۔ امت میں جو ایمانی، عملی، اخلاقی کمزوریاں آچکی ہیں ان کے تذکرے سے بہتر ہے کہ اصلی خوبیوں کی طرف یعنی جو بات پیدا ہونی چاہیئے اس کی طرف متوجہ کریں۔

تعلیم

تعلیم میں دھیان، عظمت محبت، ادب اور توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی مشق کی جائے، سہارا نہ لگایا جائے۔ باوضو بیٹھنے کی کوشش ہو، طبیعت کے بہانوں کی وجہ سے تعلیم کے دوران نہ اٹھا جائے۔ باتیں نہ کی جائیں۔ اگر اس طرح بیٹھیں گے تو فرشتے اس مجلس کو ڈھانک لیں گے، اہل مجلس میں طاعت کا مادہ پیدا ہوگا۔ عظمت کی مشق سے حدیث پاک کا وہ نور دل میں آئیگا جس پر عمل کی ہدایت ملتی ہے۔ بیٹھتے ہی آداب اور مقصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے۔ فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی دیر کلام پاک کے ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں، التحیات، دعائے قنوت وغیرہ کا مذاکرہ و تصحیح اجتماعی تعلیم میں نہ ہو، انفرادی سیکھنے سکھانے میں ان کی تصحیح کریں۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو تین جملے ایسے کہہ دیے جائیں کہ اس عمل کا جذبہ و شوق ابھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی تالیف فرمودہ، فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل صدقات حصہ اول و دوم، فضائل رمضان، فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہ کی "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج" صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے۔ کتابوں کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ ہو۔ ساتھیوں سے

نمبر بیان کرائے جائیں۔ جب تعلیم شروع کی جائے تو اپنے میں سے دو ساتھیوں کو تعلیم کے گشت کے لئے بھیج دیا جائے۔ ۱۵۔ ۲۰ منٹ بعد وہ ساتھی آجائیں تو دوسرے دو ساتھی چلے جائیں۔ اس طرح بستی والوں کو تعلیم میں شریک کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں روزانہ صبح اور بعد ظہر دونوں وقت تعلیم دو تین گھنٹے کی جاتے اور اپنے مقام پر روزانہ اسی ترتیب سے ایک گھنٹے تعلیم ہو یا ابتداءً، جتنی دیر احباب جُڑ سکیں۔

مشورہ کام کے تقاضوں کو سوچنے، ان کی ترتیب قائم کرنے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کی شکلیں بنانے میں اور جو احباب اوقات فارغ کریں ان کی مناسب تشکیلیں میں اور جو مسائل ہوں انکے لئے احباب کو مشورہ میں جوڑا جائے، اللہ جل شانہ کے دھیان اور فکر کے ساتھ دعائیں مانگ کر مشورہ میں بیٹھیں۔ مشورے میں اپنی رائے پر اصرار اور عمل کرانیکا جذبہ نہ ہو اس سے اللہ کی مدد یں ہٹ جاتی ہیں۔ جب رائے طلب کی جائے امانت سمجھ کر جو بات اپنے دل میں ہو کہہ دی جائے۔ رائے رکھنے میں نرمی ہو، کسی ساتھی کی رائے سے تقابل کا طرز نہ ہو۔ میری رائے میں میری نفس کے شرور شامل ہیں، یہ دل کے اندر خیال ہو۔ اگر فیصلہ کسی دوسری رائے پر ہو گیا تو اس کی خوشی ہو کہ میرے شرور سے حفاظت ہوگئی اور اگر اپنی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو خوف اور زیادہ دعائیں مانگی جائیں۔ ہمارے ہاں فیصلے کی بنیاد کثرتِ رائے نہیں ہے اور ہر معاملہ میں ہر ایک سے رائے لینا بھی ضروری نہیں ہے۔ دل جوئی سب کی ضروری ہے۔ امیر کو اس بات کا یقین ہو کہ ان احباب کی فکر اور مل کر بیٹھنے کی برکت سے اللہ جل شانہ صحیح بات کھول دیں گے۔ امیر اپنے آپ کو مشورے کا محتاج سمجھے۔ رائے لینے کے بعد غور و فکر سے جو مناسب سمجھ میں آتا ہو وہ کہہ دے۔ بات اس طرح رکھے کہ کسی کی رائے کا استخفاف نہ ہو۔ اگر طبیعتیں مختلف ہوں تو اس بات پر شوق و رغبت کے ساتھ آمادہ

کرے اور ساتھی امیر کی بات پر ایسے شوق سے چلیں جیسے کہ ان کی ہی رائے طے پائی ہے اسی میں تربیت ہے، اگر اس کے بعد عملاً ایسی شکل نظر آئے کہ ہماری رائے ہی زیادہ مناسب تھی پھر بھی ہرگز طعنہ نہ دیا جائے یا اشارہ کنایہ بھی نہ کیا جائے۔ اسی میں خیر کا یقین کیا جائے۔ جو امیروں کو طعنہ دے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

ہفتہ واری اجتماع

جب محلّوں کی مساجد میں ہفتوں کی دو گشتوں کے ذریعے فی گھر ایک آدمی تین چلّے کے لئے نکلنے کی آواز لگ رہی ہوگی تعلیموں اور تسبیحات پر احباب جڑ رہے ہوں گے، ہر مسجد سے تین دن کے لئے جماعتیں نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہوں گی تو شب جمعہ کا اجتماع صحیح نہج پر ہوگا اور کام کے بڑھنے کی صورتیں بنیں گی۔ جمعرات کو عصر کے وقت سے محلّوں کی مساجد کے احباب اپنی اپنی جماعتوں کی صورت میں بستر اور کھانا تھالیکر اجتماع کی جگہ پر پہنچیں، مشورے سے ایسے احباب سے عموماً دعوت دلوائی جائے جو محنت کے میدان میں ہوں اور جن کی طبیعت پر کام کے تقاضے غالب ہوں۔ بہت ہی فکر و اہتمام سے تشکیلیں کی جائیں۔ اگر اوقات وصول ہوں تو رات کو بھی محنت کی جائے۔ رورو کر مانگا جائے۔ صبح کو جماعتوں کی تشکیل کرکے ہدایات دے کر روانہ کیا جائے۔ تین دن کی محلّوں سے تیار ہو کر آئی ہوئی جماعتیں عموماً سات آٹھ میل تک بھیجی جائیں۔ ہر شب جمعہ سے تین چلّوں اور چلّوں کی جماعتوں کے نکلنے کا رُخ پڑنا چاہیئے، اگر شب جمعہ میں خدانخواستہ سب تقاضے پورے نہ ہوسکے تو سارے ہفتے اپنے محلّوں میں، پھر اس کے لئے کوشش کی جائے اور آئندہ شب جمعہ میں محلّوں سے تقاضوں کے لئے لوگوں کو تیار کرکے لایا جائے۔

کام کی نزاکت اور اُس کا علاج

بھائی دوستو یہ کام بہت نازک ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک محنت فرمائی۔ اس محنت سے سارے انسانوں کی ساری زندگی کے کمانے، کھانے، بیاہ شادی میل ملاقات اور

عبادات معاملات وغیرہ کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں آئیں تو آپ نے خود اس محنت سے کتنے طریقے بتلائے ہوں گے، ہمیں ابھی یہ کام کرنا نہیں آتا اور نہ ابھی حقیقی کام شروع ہوا ہے۔ کام اس دن شروع ہو گا جب ایمان ویقین، اللہ کی محبت، اللہ کے دھیان، آخرت کی فکر، اللہ کے خوف وخشیۃ، زہد وتقوی سے بھرے ہوئے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق سے مُزیّن ہو کر اللہ کی رضا کے جذبے سے مخمور ہو کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے شوق سے کھنچے پھریں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"اللہ رحم کرے خالدؓ پر اس کے دل کی تمنا صرف یہ تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا ہی نہ تھی۔"

ابھی جو ہم کو کام کی برکتیں نظر آرہی ہیں وہ کام شروع ہونے سے پہلے کی برکتیں ہیں جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی برکتوں کا ظہور شروع ہوا تھا لیکن اصل کام اور اصل برکتیں چالیس سال بعد شروع ہوئیں۔ ابھی تو اس کے لئے محنت ہو رہی ہے کہ کام کرنے والے تیار ہو جائیں۔ اللہ جل شانہ کام ان سے لیں گے اور ہدایت پھیلنے کا ذریعہ ان کو بنائیں گے جن کی زندگی اپنی دعوت کے مطابق بدلے گی۔ جن کی زندگیوں میں تبدیلی نہ آئے گی اللہ جل شانہ ان سے اپنے دین کا کام نہ لیں گے، یہ نبیوںؑ والا کام ہے۔

اصول اور صحبت

اس کام میں اگر اپنے آپ کو اصول سیکھنے کا محتاج نہ سمجھا گیا اور اصولوں کے مطابق کام نہ ہوا تو سخت فتنوں کا خطرہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باہر ملکوں میں کام شروع کرنیکا ارادہ فرمایا تو پہلے تمام صحابہؓ کو تین دن تک ترغیب دی اور پھر فرمایا کہ جس طرز پر یہاں کام ہوا بالکل اسی طرز پر

باہر جاکر بھی کام کرنا ہے اس کام کی نوعیت یہی ہے۔ مقام، زبان، معاشرت موسم وغیرہ کے اعتبار سے اس کام کے اُصول نہیں بدلتے، اس کام کی نہج اور اصولوں کو سیکھنے اور ان پر قائم رہنے کیلئے اُس فضا میں آنا اور بار بار آتے رہنا انتہائی ضروری ہے جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جان کھپائی تھی اور ان کے ساتھ اختلاط بھی بہت ضروری ہے جو اس جدو جہد میں حضرتؒ کے ساتھ تھے اور جب سے اب تک اس فضا میں اور کام میں مسلسل لگے ہوئے ہیں اس کے بغیر کام کا اپنے نہج اور اصولوں پر قائم رہنا بظاہر ممکن نہیں۔ اس لئے اپنے کام کرنے والے احباب کو ایسی فضا میں اہتمام سے نوبت بہ نوبت بھیجتے رہیں۔

نقشوں کے بجائے مجاہدہ

تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں کسی نہ کسی نقشے کے مقابلہ پر آئے اور بتایا کہ کامیابی کا اس نقشے سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ کامیابی کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے ہے۔ اگر عمل ٹھیک ہوں گے۔ اللہ جل شانہٗ چھوٹے نقشے میں بھی کامیاب کر دیں گے اور عمل خراب ہوں گے اللہ جل شانہٗ بڑے سے بڑے نقشے کو توڑ کر ناکام کر کے دکھائینگے۔ کامیاب ہونے کے لئے اس نقشے میں عمل ٹھیک کرو ہر نبی نے اپنے رائج الوقت نقشے کے مقابلے پر محنت کی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکثریت، حکومت، مال، زراعت اور صنعت کے نقشوں کے مقابلے پر تشریف لائے۔ آپ کی محنت ان نقشوں سے نہیں چلی۔ آپ کی محنت، مجاہدوں اور قربانیوں سے چلی ہے۔ باطل تعیش کے نقشے سے پھیلتا ہے تو حق تکلیفیں اُٹھانے سے پھیلتا ہے، باطل ملک و مال سے چمکتا ہے تو حق فقر و غربت کی مشقتوں میں چمکتا ہے، جتنے فتنے ملک و مال اور تعیش کی بنیاد پر لائے جارہے ہیں ان کا توڑ حق کیلئے فقر و غربت اور تکالیف برداشت کرنے میں ہے، اب اس کام کے ذریعہ اُمّت میں

مجاہدہ اور قربانی کی استعداد پیدا کرنی ہے۔ اس کام کے لئے بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کو نقشوں پر منحصر کر دیا جائے اس سے کام کی جان نکل جائے گی۔ اس کام کی حفاظت اس میں ہے کہ کام کرنے والے اس کام کے لئے تمام میسر نقشوں کو بھی قربان کرتے ہوئے مجاہدے والی شکلوں کو قائم رکھیں اور کسی صورت میں مجاہدے والی شکلوں کو ختم نہ ہونے دیں۔ غریبوں میں اپنی محنت کو بڑھایا جائے۔ پیدل جماعتیں چلائی جائیں۔ لوگ آئیں گے کہ یہ ہمارا پیسہ دین کے کام میں خرچ کر لیجئے، پھر نقشہ کی قربانی دینی ہوگی، کہدیجئے کہ جناب یہاں اس کام میں خرچ کرنے کا صحیح اور پاک طریقہ و جذبہ سکھایا جاتا ہے، پھر محل تلاش کر کے خود ہی خرچ کر دیجیے گا۔ یہاں تو طریقہ سیکھ لیجئے۔

اس کام کی تعمیم کیلئے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی اس کام کو نہیں۔

اصل کام کی شکلیں، دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں، مشوروں کی ضرورت ہو تو مناسب دوستوں کو الگ کر کے مشورہ کر لیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ مشورہ کرنے والوں کا کسی موقعہ پر عمومی اعمال سے جوڑ نہ رہے۔

کالج کے طلبا میں دعوتی کام

کالجوں کے طلباء میں اس کام کو اٹھایا جائے، ہوسٹلوں میں مقامی کام کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ ایک گشت ہوسٹل والے اپنے ہوسٹل میں کریں اور ہفتہ کا دوسرا گشت باہر کسی محلہ میں یا دوسرے ہوسٹل میں کریں۔ قریب کے محلوں کی جماعتیں بھی ہوسٹلوں میں جا کر گشت کریں۔ ہوسٹل والے احباب اپنی روزانہ تعلیم اور مہینے میں تین یوم کی ترتیب بھی اٹھائیں۔

مستورات میں کام کی نوعیت

مستورات میں کام کی نزاکتیں اور بھی زیادہ ہیں جبکہ بے پردگی کا احتمال ہو۔ عام اجتماعات میں مستورات کو بالکل نہ لایا جائے۔ اپنے اپنے محلہ میں کسی پردہ دار مکان میں قریب قریب کے مکانات

سے عورتیں کسی روز جمع ہوکر تعلیم کرلیا کریں۔ اس کی ابتداء اس طرح کریں کہ مرد جو بات اجتماعات، دعوت، تعلیم وغیرہ سے سن کر جائیں، اپنے گھروالوں کو سنائیں۔ اس سے انشاء اللہ تھوڑے عرصے میں ذہن بننا شروع ہوجائے گا پھر محلّوں میں تعلیم شروع ہونے کے بعد ایسا ہوسکتا ہے کہ سارے شہر کی مستورات کا ہفتے میں ایک ایسی جگہ اجتماع ہو جہاں پردہ کا اہتمام ہو وہاں تعلیم کے بعد پھر کوئی آدمی پردے کے ساتھ بیان کرے کبھی کبھی ایک یوم یا تین یوم کے لیے قرب وجوار کے لئے جماعتیں بنائی جائیں مستورات کی جماعت کے ساتھ ان کے خاوند ہوں ورنہ ہر عورت کے ساتھ اس کا شرعی محرم ساتھ ہو۔ پردے کے ساتھ جائیں۔ پردہ دار مکان میں ٹھہریں۔ مرد مسجد میں ٹھہر کر کام کریں۔

آخری بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات سے محنت اُٹھائی تھی انہی مقامات کے لوگوں کو اس محنت پر اُٹھانے اور انہی راستوں سے اللہ کی راہ کی ملکوں والی نقل وحرکت کے زندہ ہونے کا ذریعہ یہ سفر بن سکتا ہے۔ ہر جگہ کے پرانوں سے اختلاط اور اس کام میں یک جہتی پیدا ہونے اور اصولوں کے تفصیل سے سامنے آنے کا یہ بہترین موقع ہے۔

یہ خط کچھ اصول لکھنے کی کوشش میں طویل ہوگیا، آپ حضرات اس کے ہر جز اور ہر لفظ کو غور سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت زیادہ نفع کی توقع ہے۔ آپ حضرات اپنے یہاں کے حالات سے ہر پندرھویں روز مطلع فرمادیا کریں تو ہمیں تقویت ہوتی رہے۔ تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

کرم سے نکال دے، اے اللہ اپنی رحمت کی رسّی ڈال اور ہمیں کھینچ لے، اور ہمیں عصیان کے دریاؤں میں سے نکال دے، اور ہمیں طاعت کی سڑکوں پر ڈال دے اے اللہ ہمیں قربانیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہنچا دے، اے اللہ ہمیں دین کی محنت کے لئے قبول فرما، ہم سب کو دین کی محنت کے لئے قبول فرما اور اے اللہ سو فیصد امتِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی محنت کے لئے قبول فرمالے، علم کی محنت کیلئے ایمان کی محنت کے لئے، عبادت کی محنت کے لئے، ذکر کی محنت کے لئے، اخلاق کی محنت کے لئے، حج کی محنت کے لئے، روزوں کی محنت کے لئے، زکوٰۃ کی محنت کیلئے ان سارے فرائض و عبادات کے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقہ پر آجانے کے لئے ہم سب کو اس کی پوری پوری توفیق و محنت نصیب فرمادے، اے اللہ اے اللہ ہماری زندگی کے شعبوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما، کمائی کی بدعملیوں کو دور فرما، اور کمائی کے اعمالِ صالحہ کو گھریلو زندگیوں میں زندہ فرما، معاشرت کی بدعملیوں کو ختم فرما، اے اللہ عدل و انصاف والے اعمال کو ہماری معاشرت میں زندہ فرما، اے اللہ ہمیں نیک اعمال سے آراستہ فرمادے اور بُرے اعمال سے ہم کو نکال دے، اے خداوند قدوس جس قسم کے زمانے میں تو نے اس تبلیغ کے ذریعہ اس کلمہ و نماز پر محنت کی صورت پیدا فرمادی، اور ہمارے تمام دوستوں کو اس پر جمع ہونے کی اور کہنے سُننے کی اور اپنی راہ میں نکلنے کی توفیق دی، اے اللہ جب تو نے اپنا کرم فرماکر اس کام کے کہنے سُننے کا رُخ پیدا فرمادیا اور اس کام کی نقل و حرکت کا رُخ پیدا فرمادیا، اے کریم اپنے کرم سے سب کو قبول فرمالے اور ان سب کی ایسی تربیت فرما کہ یہ نقل و حرکت تجھے پسند آجائے، تو ہی اپنے کرم سے اس ترتیب کی اور نقل و حرکت کی تربیت فرما، تو ہی مربّی ہے تو ہی تربیت کرنے والا ہے، تو ہی تزکیہ کرنے والا ہے اور تو ہی پاک صاف کرنے والا ہے، اے اللہ اس نقل و حرکت کو قبول فرما، اے اللہ اس نقل و حرکت

کو قبول فرما۔ اے اللہ اس نقل و حرکت کو قبول فرما، (انتہائی رقت کے ساتھ) اے خدا ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو[1] اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو اپنی قدرت پر یقین نصیب فرما، ہم سب کو یقین نصیب فرما، ہم سب کو اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرما، یا اللہ ہمارے عقیدوں کو درست فرمادے، اور اس محنت کے لئے ہمارے اندر وہ جذبات پیدا فرمادے، اے خدا جن قربانیوں سے اے اللہ یہ منی کے گندے قطرے کا بنا ہوا انسان تیرا دوست بن جاتا ہے اور جن قربانیوں سے تیرا محبوب بن جاتا ہے اے خدا ان قربانیوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے، اے اللہ جس کرم سے تو نے یہ کام اٹھایا اب اس کام کو تکمیل کو پہنچادے[1]۔ اس کام میں لگنے والوں میں دنیا کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، ملک و مال کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، دنیا کے نقشہ کے بارے میں بے رغبتی ان کے دلوں میں پیدا فرمادے، موت کی حقیقت ان کو عطا فرما، قناعت کی دولت ان کو نصیب فرما، اے اللہ صبر و اخلاص اور مجاہدے کی طاقت ان کو نصیب فرما، اے خدا جس مجاہدے پر انسان اندر سے تیرے انوارات سے جگمگا جاتا ہے اور تیرے صفات اخلاق ان اعلیٰ مجاہدوں پر اے اللہ ترقیات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اخلاق کی چوٹیوں پر انسان پہنچ جاتا ہے، اے اللہ وہ مجاہدے کی دولت ہم سب کو نصیب فرما، اے اللہ جس طرح تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو ہدایت کی پوری دنیا میں آجانے کا اس کام کو سو فیصد ذریعہ قرار دیدے اے اللہ سارے انسانوں کے لئے اور سارے ملکوں کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے ہدایت ملنے کا سبب اس کو قرار دے دے، سارے زمانوں، قوموں، ملکوں میں اس محنت کے پہنچنے کے لئے قبول فرمالے، اور یا اللہ ہدایت عام فرما، ہمیں اور ہمارے

---

[1] یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

ساتھیوں کو ہمارے رشتہ داروں کو اور اس کام میں لگنے والوں کو ان کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اور ان سے تعلق اور محبت رکھنے والوں اس ہدایت میں سے نصیب فرما، جو تو مجاہدین کو ہدایت دیا کرتا ہے اور تو داعیوں کو ہدایت دیا کرتا ہے اور جو تونے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں کو ہدایت نصیب فرمائی تھی اور تو نے انبیاء سابقین کو اور اولیاء اللہ کو ہدایت و قربانی عطاء فرمائی تھی، اے اللہ اس ہدایت سے ہم سب کو بھرپور حصہ نصیب فرما، اے اللہ ان خالی ہاتھوں کو اپنے کرم سے بھر دے اور ان خالی دلوں کو اپنے کرم سے بھردے، اپنے عشق سے اور اپنی محبت سے ہدایت کا فرمان ہمارے لئے فرمادے، یا اللہ پوری اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اے اللہ، اے اللہ جو انہیں ضلالت کی طرف کھینچے اُن کے ہاتھوں سے انہیں چھڑا دے، اور جو انہیں ہدایت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں کی طرف ان کو منتقل کر دے، اے خدا اس اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ مشرکین و ملحدین کے ہاتھوں سے چھڑا دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادوں پر ان کو کھڑا کر دے، اے اللہ ان کے یقینوں کو ٹھیک کر، ان کو ہدایت نصیب فرما، ان کو ایمان کی قوت نصیب فرما، ان کو علوم نبویہ کا استقبال نصیب فرما، اسلام کی دولت ان کے سینوں میں اُتار دے، اور اپنا ذکر اُن کے دلوں کو نصیب فرمادے، اور دُنیا کی بے رغبتی نصیب فرما کر علمِ دین سیکھنے کے مطابق زندگی گذارنے کی ہدایت نصیب فرما، عام انسانوں کو ہدایت نصیب فرما، اس ملک کے بسنے والوں کو ہدایت نصیب فرما، اے اللہ اس ملک کے حاکم و محکوم کو، یہاں کی اقلیت و اکثریت کو، اے اللہ اس راستے کی ہدایت نصیب فرما، اے اللہ درندوں کی اور اژدہوں کی قسم سے جتنے انسان اور درندے انسان ہیں اور جن کو تجھے انسانیت سے نوازنا ہی نہیں اے خدا ایسے ایسوں کو چُن چُن کر ہلاک فرما، ایسوں کی زمینوں کو ان کے لئے پھاڑ دے، ایسوں کے مکانوں کو اُن پر توڑ دے، ایسوں سے نعمتوں کو اپنی

چھین لے، ایسی عبرتناک سزائیں عطار فرما کہ دُنیا دیکھ لے کہ جو اپنی انسانیت کو بگاڑتا ہے خدا اُس کی صورتوں کو اس طرح بدل دیتا ہے، اے خدا ظالم ترین مفسد ترین افغانوں کو چُن چُن کر ہلاک فرما، جن ناکوں کی ہدایت سے قوموں اور ملکوں میں ہدایت آجائے اُن کو ہدایت نصیب فرما، اور جن ناکوں کی اے اللہ ہلاکت سے قوموں اور ملکوں کی ضلالت و فساد ختم ہو جائیں اے اللہ اُن کو چُن چُن کر ہلاک فرما دے۔ اے خدا لُوٹ و کھسوٹ کے ماحول کو ختم کر، ظلم و ستم کے ماحول کو ختم کر، عدل و انصاف کے ماحول کو قائم کر، علم و ذکر کے ماحول کو قائم کر، خدمتِ خلق کے ماحول کو قائم کر، تعاون و ہمدردی اور محبت کے ماحول کو قائم کر، اے اللہ ہماری دُعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، ہمارے مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی فرما، ہمارے محتاجوں کی حاجتوں کو پُورا فرما، ہمارے بیماروں کو تندرستی عطار فرما، جو آنکھ کے بیمار ہیں اُن کو آنکھ کی شفار عطار فرما، اے اللہ جو معدے کے بیمار ہیں اُن کو معدے کی شفار عطار فرما، اور بقیہ جتنے آدمیوں نے اس جلسہ میں ہم سے دُعاؤں کے لئے کہا یا آج تک اس سے پہلے ہم کو دُعاؤں کو کہا یا آئندہ ہم سے وہ دُعاؤں کو کہیں اے اللہ سب کی حاجتوں کو پُورا فرما اور سب کی پریشانیوں کو ختم فرما، اے اللہ اس جلسہ کو سارے ہی انسانوں کے لئے اور سارے ہی مسلمانوں کے لئے اس جلسہ کو انتہائی باعثِ خیر و برکت، باعثِ رُشد و ہدایت، باعثِ لطف و رفعت اور باعثِ فلاح و فوز اپنے لطف و کرم سے فرما، ہماری دُعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، اِن نکلنے والوں کو اپنے کرم سے قبول فرما ـــــ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ

وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

حم سجدة
آية ٣٣